PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

PK
6416
S5
1920
c.1
ROBA

شعر العجم

۱۳۳۹ھ

حصّہ اوّل

عباس مروزی سے نظامی تک

مادۂ تاریخ آغاز تصنیف

تاریخ عجم

۱۳۲۴ھ

مادۂ تاریخ اختتام تصنیف

تذکرہ

۱۳۲۵ھ

مُصنّفہٗ

شبلی نعمانی

مطبوعہ معارف پریس واقع اعظم گڈھ

طبع سوم

PK
6416
S5
1920
v.1-5

فہرست مضامین شعر العجم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تمہید اور سبب تصنیف	۱	رودکی کا عام انداز	۲۸
شعر العجم کے ماخذ	۴	رودکی کے انواع شاعری	۳۱
فارسی زبان کے ساتھ اہل یورپ کا اعتنا	۶	دقیقی	۴۳
شعر کی حقیقت	۸	شاہنامہ کا سنگ بنیاد	″
شاعری کے متعلق ارسطو اور مل کی رائین		دقیقی کی شاعری کی نسبت فردوسی کی رائے	۴۶
اور اصل مسئلہ کی تحقیق،	۱۰	دقیقی کا انداز کلام	۴۷
فارسی شاعری کی ابتدا	۱۵	شہید بلخی، ابوشکور بلخی، خبازی، عمارہ مروزی	۵۱
فارسی شاعری ایک مدت تک کیون وجود		غزنویہ کا دور	۵۴
مین نہین آئی،	۱۶	سلطان محمود اور شعرا کی تربیت	۵۶
شاعری کے شروع ہونے کے اسباب	۱۸	عنصری	۵۸
متقدمین شعراء	″	عنصری کی بدیہہ گوئی	۶۰
خاندان سامانیہ	۲۱	عنصری کی خصوصیات شاعری	۶۱
سامانی عہد کے شعراء	۲۴	فرخی	۷۱
رودکی	۲۶	فرخی کی شاعری	۷۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
زبان کی سلاست	۷۳	شاہنامہ کا تاریخی ماخذ	۱۱۰
صورت نگاری	۷۵	ایران کی قدیم تاریخین جو عربی مین ترجمہ ہوئین	۱۱۲
واقعہ نگاری	۷۸	شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا	
مرثیہ گوئی	۸۲	بیان	۱۱۷
تلمیح اور صنائع	۸۴	شاہنامہ کی وقعت تاریخ کی حیثیت سے	۱۲۱
فردوسی	۸۷	اس امر کے متعلق محققین یورپ کی رائے	۲۳
شاہ نامہ کی ابتدار	۸۸	اسلام کے قبل جو کتابین فارسی زبان مین	
غزنین مین شعراء سے معرکہ	۹۰	تصنیف ہوئین اُن سے شاہ نامہ کی	
سلطان محمود کے دربار مین پہونچنے کی تقریب	۹۲	مطابقت،	۱۲۶
شاہ نامہ کی تصنیف پر مامور ہونا	۹۳	فردوسی کی شاعری	۱۳۴
فردوسی کے ناکامی کے اسباب،	۹۵	شاہنامہ کی خصوصیات	۱۳۶
سلطان محمود کی ہجو	۹۹	پہلی خصوصیت	″
فردوسی کا غزنین سے نکلنا اور مختلف		دوسری خصوصیت	۱۴۰
مقامات مین جانا،	۱۰۰	تیسری خصوصیت	۱۴۴
فردوسی کی وفات، اور اُس کی اولاد	۱۰۵	چوتھی خصوصیت	۱۴۵
شاہنامہ کا زمانہ تصنیف	۱۰۶	پانچوین خصوصیت	۱۵۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
چھٹی خصوصیت	۱۵۷	سراپا نگاری	۱۹۵
ساتوین خصوصیت	۱۶۰	منوچہری کی مسمطات	۱۹۸
آٹھوین خصوصیت	۱۶۲	منوچہری کی تشبیہات	۲۰۱
فردوسی کی رزمیہ شاعری،	〃	**شاعری کا چوتھا دور**	۲۰۳
شاہنامہ کا اثر	۱۶۷	اس دور کی خصوصیات	۲۰۴
شاہنامہ کی زبان (جواب متروک ہی)	۱۶۹	**حکیم سنائی**	۲۱۲
اسدی طوسی	۱۷۷	حکیم سنائی کی خصوصیات شاعری	۲۱۶
اس خیال کی غلطی کہ اسدی نے شاہنامہ		پہلی خصوصیت	〃
کی تکمیل کی،	۱۷۸	دوسری خصوصیت	۲۱۷
اسدی نے قصیدہ مین کیا جدت کی	〃	تیسری خصوصیت	۲۱۸
اسدی کی شاعری۔	۱۷۹	چوتھی خصوصیت	〃
منوچہری دامغانی	۱۸۲	پانچوین خصوصیت	۲۲۱
منوچہری کے کلام کی خصوصیات	۱۸۴	**عمر خیام**	۲۲۵
پہلی خصوصیت عرب کی تقلید	〃	خیام کا فضل و کمال	۲۲۸
دوسری خصوصیت	۱۸۷	خیام کی تصنیفات اور عربی اشعار	۲۳۰
مناظر قدرت	۱۹۰	خیام کی رباعیان اور اُسکے محاسن	۲۳۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
خیام کا فلسفہ	۲۴۵	نظامی کے قصائد اور غزل	۲۹۸
خیام کا فلسفۂ اخلاق	۲۵۶	نظامی کی شاعری اور انکی خصوصیات	۳۰۱
خیام اور یورپ	۲۶۰	تمام انواع شاعری پہ قدرت	۳۰۲
انوری	۲۶۲	نظامی کی اوّلیات	۴
انوری کی شاعری	۲۶۳	زور کلام	۳۰۳
انوری کی شاعری کے متعلق، شعرا کی رائے	۲۷۴	قوت تخیل	۳۰۹
انوری کی ترجیح کے وجوہ	۲۷۷	استعارات اور تشبیہات	۳۱۱
انوری اور ہجو	۲۸۱	تشبیہات کی لطافت	۳۱۴
انوری کے کلام میں عربیت	۲۸۴	فلسفیانہ شاعری	۳۲۰
انوری کی مضمون آفرینی	۲۸۵	جذبات انسانی کا اظہار	۳۲۳
انوری اور یورپ	۲۸۶	مناظر قدرت	۳۲۶
نظامی گنجوی	۲۸۸	عشقیہ شاعری	۳۲۸
مخزن اسرار کی تصنیف	۲۸۹	رزمیہ شاعری	۳۳۶
شیرین خسرو کی تصنیف	۲۹۰	نظامی اور فردوسی کا موازنہ تا آخر	
لیلیٰ مجنون	۲۹۳	کتاب،	۳۴۲
سکندر نامہ	۲۹۵	نوٹ۔ چونکہ ص۲۷ کے بعد غلطی سے چار صفحے چھوٹ گئے تھے اسلئے انکو دوبارہ چھاپکر بٹہ کے لحاظ سے ہندسے دیے گئے ہیں	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرم جویان درے را می پرستند	فقیهان دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد	کہ یاران دیگرے را می پرستند

وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک مین جس قدر زیادہ قابلیت تھی اُسی قدر زیادہ فیضیاب ہوئی، عرب، ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم، سب اِسکے حلقہ مین آگئے لیکن قبول اثر مین سب یکسان نہ تھے، فرق مراتب تھا، اور فرق مراتب کی حیثیتین بھی مختلف تھین، جس قوم مین جس قسم کی قابلیت تھی، اسلام نے اسکو اور چمکایا، ترک شجاع تھے شجاع تر ہوگئے، ایرانی ہمیشہ سے تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون مین ممتاز تھے اسلام نے

ان کو ممتاز تر کر دیا، بو علی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام بخاری، مسلم، سیبویہ، جوہری، سب ایران ہی کی خاک سے اُٹھے تھے، آج تمام اسلامی دُنیا مین ایران ہی کی تہذیب و معاشرت جاری ہے، ترکون نے بڑی بڑی پُرزور سلطنتین قائم کین، لیکن دفتر کی زبان، اور دربار کے دستور اور آئین سب فارسی ہی رہے۔

ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت مین بھی سب سے ممتاز تھی، اور بالخصوص شاعری اسکا خمیر تھا، اسلام نے اِس خاص جوہر کو زیادہ چمکایا اور اِس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف، اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف، لیکن افسوس یہ ہے کہ آج تک کسی اسلامی زبان مین ایران کی شاعری کی کوئی ایسی تاریخ نہین لکھی گئی جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی، کن اسباب سے شروع ہوئی؟ کس طرح عہد بہ عہد بڑھی؟ کیا کیا انداز قائم ہوئے؟ کیا کیا صورتین بدلین، ملکی اور قومی حالتون نے اسپر کیا کیا اثر کئے، خود اُسنے ملک اور قوم پر کیا اثر ڈالا؟

شعراء کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاض اشعار ہین جن مین شعراء کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھ دیے ہین، شعراء کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین، اور شاعری کے عہد بہ عہد کے انقلابات اور اُنکے اسباب کا تو مطلق ذکر نہین ہے، مین اس کمی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا، اور اکثر اِس ادھیڑ بن مین رہتا تھا، مئی ۱۸۹۲ء مین میرے معزز دوست اور اُستاد مسٹر آرنلڈ نے مجھکو اطلاع دی کہ جرمن کے ایک پروفیسر جمیس ڈارمسٹیٹر نے اس موضوع پر فرنچ مین ایک کتاب لکھی ہے، مین اس زمانے مین فرنچ زبان سیکھ رہا تھا، بڑے شوق سے

کتاب منگوائی لیکن وہ ۸۰ صفحون کا ایک رسالہ تھا جس مین شعرار کے نہایت معمولی حالات تھے، ایک مدت کے بعد اس مصنف کی ایک اور ضخیم کتاب شائع ہوئی، جو تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز تھی لیکن وہ زبان کی تاریخ ہے جسمین ژند، پہلوی وغیرہ زبانون پر نہایت محققانہ بحث کی ہے اور اسلام کے قبل کی تصنیفات کا سراغ لگایا ہے، شاعری کی تاریخ سے اُسکو لگاؤ نہین۔

اس اثنا مین سررشتہ علوم و فنون حیدرآباد کے تعلق سے سلسلۂ کلامیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور چند کتابین لکھین جو چھپ کر شائع ہوئین، اس سلسلہ سے فی الجملہ فراغت ہوئی تو پچھلے سال پُرانا خیال پھر تازہ ہوا، اور ۲۰ مارچ ۱۹۰۶ء کو مین نے اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا، لیکن بیچ بیچ مین موازنہ انیس اور الندوہ سدراہ ہوتے رہے، جب موازنہ سے بالکل فارغ ہو کر ہمہ تن، اس کام میں مصروف ہوا اور فردوسی کے حال تک پہنچا تو ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء کو صدمۂ پا کا واقعہ پیش آیا یعنی اتفاق سے میرے پاؤن مین گولی لگی اور پاؤن کاٹ ڈالا گیا، یہ[1] بھی فردوسی کی کرامت تھی کہ واقعہ سے ذرا پہلے شاہنامہ کا یہ مصرع دریدو برید و شکست و بہ بست، قلم کی زبان پر تھا، اس حادثہ نے تین چار ہفتہ لکھنے سے معذور رکھا، پھر وہ سلسلہ شروع ہوا اور باوجود درد اور تکلیف کے کچھ نہ کچھ کام ہوتا گیا، یہانتک کہ ستمبر ۱۹۰۷ء کی چھٹی تاریخ کو دور اوّل کا پہلا حصہ انجام پذیر ہوا۔

کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ قدما، متوسطین، متاخرین کے تین دور ہین، پہلا دور حنظلہ سے شروع ہو کر نظامی پر تمام ہوتا ہے، دوسرا کمال اسمٰعیل سے جامی تک اور تیسرا افغانی

[1] شبلی نامہ سیہ را بہ جزاے عملش ۔۔۔ پا بریدند و صد اخاست کہ سر می بایست

سے ابوطالب کلیم تک کلیم کے بعد شاعری، شاعری نہین رہی بلکہ چیستان گوئی بنگئی، اُن دورون کے لحاظ سے کتاب تین حصون پر منقسم ہے، چوتھے حصہ مین شاعری پر عام ریویو ہے اور یہی حصہ، گویا کتاب کی جان، اور اُسکی روح و روان ہے، اِس کتاب کی ترتیب مین جن کتابون سے مدد لیگئی ہے۔ اگرچہ بہت ہین، لیکن خاص طرح پر جو ذکر کے قابل ہین حسب ذیل ہین،

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
لب اللباب	عوفی یزدی	سب سے پہلا تذکرہ ہے، مصنف ساتوین صدی ہجری مین تھا اور اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہین، پروفیسر براؤن نے تصحیح و تحشیہ کرکے شائع کیا ہے۔
چہار مقالہ	نظامی عروضی سمرقندی	مصنف نظامی گنجوی کا ہمعصر تھا، گو مختصر سا رسالہ ہی لیکن نہایت مفید باتین لکھی ہین، خود بھی باکمال شاعر تھا۔
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی		مشہور تذکرہ ہے، اور گو اکثر جگہ غلطیان کی ہین تاہم دلچسپ اور مفید ہے۔
تاریخ آل غزنین	بیہقی	مصنف مسعود بن سلطان محمد غزنوی کے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
عرفات	اوحدی	زمانہ مین تھا ضمناً شعرا عصر کا تذکرہ کیا ہے، عرفی وغیرہ کا ہم صحبت تھا، یہ تذکرہ ضخیم دو جلدون مین ہی، حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے ہین،
مے خانہ	عبد النبی فخر الزمانی	جہانگیر کے زمانہ مین تھا، صرف اُن شعرار کا حال لکھا ہے جنھون نے ساقی نامے لکھے، تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل ہی، اور اپنے ہمعصرون کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے،
تذکرۃ الشعرار	میرزا طاہر نصیر آبادی	۱۰۸۳ء کی تصنیف ہے،
مآثر رحیمی	عبد الباقی نہاوندی	مصنف خان خانان عبد الرحیم کا درباری تھا کتاب اصل مین خان خانان کی سوانح عمری ہے، ضمن مین تمام شعراے خان خانانی کے حالات بھی لکھے ہین اور تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل اور صحیح لکھے ہین۔
مرآۃ الخیال	شیر خان لودی	چھپ گیا ہے
ہفت اقلیم	امین رازی	جہانگیر کے عہد مین لکھا گیا، مستند اور معتبر ہے

کیفیت	نام مصنف	نام کتاب
سنہ ۹۹۳ھ کی تصنیف ہے،		تذکرۂ میر تقی کاشی
خاندان صفویہ کا شہزادہ اور جہانگیر کا معاصر تھا	سام میرزا صفوی	تذکرۂ سامی
معتبر کتاب ہے، مصنف جہانگیر کے عہد مین تھا		جلیب السیرّ
	والہ داغستانی	ریاض الشعرار
شعراے عہد تیموریہ کا تذکرہ ہے،	مولوی غلام علی آزاد	سروِ آزاد
عام تذکرہ ہی۔	″	ید بیضا
صرف اُن شعرار کا حال ہی جنکو مدح کے معاوضہ مین صلہ ملا۔	″	خزانۂ عامرہ
	خان آرزو	مجمع النفائس
حال کی تصنیف ہی شعرار کا کلام نہایت کثرت سے جمع کیا ہی۔	ہدایت قلی خان	مجمع الفصحا

شعرا کے کلیات اور دیوان جس قدر نظر سے گزرے ان کی فہرست اسقدر لمبی ہے کہ کئی ورق صرف ہونگے اِس لیئے قلم انداز کرتا ہون۔

عجیب بات یہ ہے کہ یورپ نے فارسی زبان کے ساتھ مسلمانون سے زیادہ اعتنا کیا، مسلمانون کو اسلام سے قبل فارسی زبان کی ایک تصنیف کا بھی پتہ معلوم نہ تھا، لیکن یورپ نے ان تصنیفات کا اسقدر سرمایہ جمع کرلیا کہ زردشت سے لیکر

نوشیروان کے عہد تک زبان کی پوری تاریخ مرتب ہوگئی۔

پروفیسر دارمسٹیٹر جرمنی نے فرنچ زبان مین ایک ضخیم کتاب لکھی جسمین کیومرث سے لیکر اسلام کے عہد تک چار دور قائم کئے اور ہر دور کی زبان کی نحو وصرف، لغات، الفاظ و تغیرات پر مفصل ریویو لکھا یہ کتاب ہماری نظر سے گزری ہے) یورپ کے اور محققین نے خاص خاص زبانون پر مستقل تصنیفات لکھین، خصوصًا اوستا اور ژند کی زبان کے متعلق اسقدر کثرت سے معلومات مہیا کئے کہ نکتہ نکتہ حل ہوگیا۔ اکثر اساتذہ کے دیوان، جو نایاب تھے اُنکو بڑی کوشش اور تلاش سے بہم پہنچا کر تصیح و تحشیہ کے ساتھ چھاپا، منوچہری کے قصائد ایران مین نہایت ناتمام اور غلط سلط چھپے تھے لیکن فرانس مین اس اہتمام سے چھاپا کہ دیکھ کر آنکھین روشن ہوتی ہین، اسکے ساتھ فرنچ مین اسکا ترجمہ بھی چھاپا، اور لغات و اصطلاحات کی علیحدہ فرہنگ لکھی۔ اسی طرح روس کے پروفیسر والن ٹن ژوکوسکی نے انوری کے قصائد چھاپے، اور دیباچہ مین انوری کی سوانح اور کلام پر ریویو لکھا، پروفیسر نولدیکی نے خاص شاہنامہ کے تاریخی ماخذون پر ایک مستقل کتاب جرمنی زبان مین لکھی، شعراکے بہت سے تذکرے لکھے گئے جنمین سے سرگور اوسلی کا تذکرہ عام طور پر مشہور ہے۔ سب سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب پروفیسر براؤن نے لکھی جو کیمبرج کالج کے فارسی لکچرار ہین، اس کتاب[1] کے دو حصے شائع ہو چکے ہین۔

ان کوششون کے علاوہ قدیم فارسی زبان کی اصل کتابین بہم پہنچائین اور چھاپ کر

---

[1] اس کتاب کا نام لٹریری ہسٹری آف پرشیا ہے اور لندن مین ۱۹۰۲ء مین چھاپی گئی ہے۔

شایع کین. آج مسلمانون کے پاس پہلوی زبان کا ایک حرف موجود نہین لیکن یورپ نے پہلوی زبان کی بہت سی تصنیفات شایع کین جن مین سے ایک کتاب یات زریران حضرت عیسیٰ سے پانچسو برس قبل کی تصنیف ہی۔

ان تصنیفات مین سے بعض بعض میری نظر سے گزرین، اور جسقدر فائدہ اُٹھاسکتا ممکن تھا مین نے فائدہ اُٹھایا، لیکن ان تمام باتون پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کتاب کے لکھنے کا جو حق تھا پورا ہوا، قدیم واقعہ نگارون اور تذکرہ نویسون نے جو کمی کی وہ آج کیونکر پوری ہوسکتی ہی

	گیرم کہ مرا طرز نوشتن نشد از یاد		بیداست کہ با این سروسامان چہ نویسم

شعر کی حقیقت

چونکہ ایک مدت سے علم کی کمی اور طبیعتون کی بدمذاقی نے شعر کی حقیقت پر پردہ ڈالدیا ہی، اسلیئے ضرور ہے کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کیجائے تاکہ ایک صحیح معیار قائم ہو جس سے ایران کی شاعری کا اندازہ کیا جاے [1]

شاعری کی حقیقت اور اُسکی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی چنانچہ اسنے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جسکا نام بوطیقا (پوئٹری) ہے، اس کتاب کا ترجمہ، عربی زبان مین ہوا اور ابن رشد نے اسکی تلخیص کی، اس تلخیص کے جستہ جستہ

[1] شاعری کی حقیقت پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے نہایت اجمالی لکھا ہی، اسکے متعلق اسقدر مواد موجود ہی کہ ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

حصے پروفیسر شیخو لویس نے اپنی کتاب علم الادب مین جو بیروت مین چھپ گئی ہے شامل کیئے ہین، افسوس ہے کہ چونکہ مسلمانون نے ارسطو کی ادبی تصنیفات کی طرف التفات نہین کیا اسلیئے شاعری کے متعلق ارسطو کے جو خیالات تھے وہ مسلمانون مین بالکل پھیل نہ سکے۔

شعر کی عام تعریف

کتب ادبیہ مین شاعری کی جو تعریف کی گئی ہے، اور وہی عام و خاص کی زبانون پر جاری ہے یہ ہے کہ "کلام موزون ہو اور متکلم نے بہ ارادہ موزون کیا ہو" لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہی، آج تو یہ مسئلہ بالکل فیصل ہو چکا ہے، لیکن قدما کے کلام مین بھی اس کے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہین، کتب ادبیہ مین مذکور ہے

شعر صرف وزن و قافیہ کا نام نہین

کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت کے صغیر السن بچّے کو بھڑنے کاٹ کھایا، وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجکو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے حسان نے جانور کا نام پوچھا، وہ نام سے واقف نہ تھا، حسان نے کہا اچھا اُسکی صورت کیا تھی؟ بچّے نے کہا "کانہٗ ملتفٌ بردی حبرۃ" یعنی "گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادرون مین لپٹا ہوا ہے" چونکہ بھڑ کے پرون پر رنگین دھاریان ہوتی ہین، اس لیئے اُس نے مخطط چادر سے تشبیہ دی، حسان اچھل پڑے اور خوشی کے جوش مین کہا کہ "واللہ صار ابنی الشاعر" یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا، فقرہ موزون نہ تھا لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی، حسان نے سمجھا کہ بچّے مین شاعری کی قابلیت موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک شعر کی اصلی حقیقت کیا تھی؟ ابن رشیق قیروانی نے عرب کی شعر و شاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اسمین شعرا اور علماے ادب کے جو اقوال نقل کیئے ہین انسے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

شعراے فارس کے نزدیک بھی شاعری دراصل تخیل کا نام تھا، نظامی عروضی سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا مُعاصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ مین لکھتا ہے۔

"شاعری صناعتے است کہ شاعر بدان صنعت اتساق مقدمات موہومہ کند والتیام قیاس نتیجہ برآن وجہ کہ معنی خرد را بزرگ کند، و بزرگ را خرد، نیکو را در لباس زشت و زشت را در حلیہ نیکو جلوہ دہد، و با ایہام قوت غضبانی و شہوانی برانگیزد تا بدان ایہام طبایع را انبساط وانقباضے بود وامور عظام را در نظام عالم سبب گردد"

اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ شاعری اس کا نام ہے کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بد نما اور بُری چیز خوش نما ثابت کیجاے جس سے محبت و غضب کی قوتین مشتعل ہو جائین۔

یہ قدما کے اقوال و خیالات تھے یورپ کے نکتہ سنجون نے اس مسئلہ پر نہایت دقیق بحثین کی ہین اور عجیب عجیب نکتے پیدا کئے ہین۔ مل نے اس پر ایک نہایت منصل اور بسیط مضمون لکھا ہی جسکا نہایت مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے۔

یورپ کے محققین کے نزدیک شعر کی ماہیت

"انسان کے مدرکات مین سے بعض ایسے ہین جنکو جذبات انسانی کو کچھ تعلق نہین مثلاً اگر ہم اقلیدس کا کوئی مسئلہ حل کرین تو اس سے ہم کو غصہ یا جوش یا رنج نہین پیدا ہوگا لیکن اگر ہمارے سامنے کسی شخص کی مصیبت کا حال دردانگیز لفظون مین بیان کیا جاے تو اس واقعہ کے ادراک کے ساتھ ہم پر ایک اثر طاری ہوگا، اس قسم کے اثرون کا نام جذبات یا احساسات ہے اور جو چیزان جذبات یا احساسات کو برانگیختہ کر سکتی ہی وہی

شاعری ہے اس تعریف کی بنا پر تصویر۔ تقریر۔ وعظ بھی شعر مین داخل ہو جاتے ہین کیونکہ یہ چیزین بھی جذبات انسانی کو برانگیختہ کر سکتی ہین۔ اسی بنا پر بعضون نے ان چیزون کو بھی شاعری مین داخل کر لیا ہے لیکن مل صاحب کے نزدیک یہ چیزین شاعری کے دائرے باہر ہین، وہ کہتے ہین کہ "انسان جو کلام کرتا ہے اُسکی غرض کبھی تو دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہی مثلاً اسپیچ۔ لکچر وغیرہ کہ ان سب کا مقصد دوسرون کا متاثر کرنا ہوتا ہے، کبھی دوسرون سی مطلق غرض نہین ہوتی بلکہ انسان محض اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے اور اپنا آپ ہی مخاطب ہوتا ہی مثلاً اگر کسی شخص کا بٹیا مر جائے تو اس حالت مین اُسکی زبان سے جو الفاظ نکلین گے۔ اسکی غرض کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنا نہو گا، بلکہ وہ اپنا آپ مخاطب ہو گا، فرض کرو وہان کوئی شخص موجود نہو تب بھی وہی الفاظ اُس کی زبان سے نکلین گے۔ شاعری اسی قسم کے کلام کا نام ہے" اس بنا پر شاعری کی تعریف منطقی طور پر کرنا چاہین تو یون کہین گے کہ "جو کلام اس اِسی قسم کا ہو کہ اُس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہون، اور اس کا مخاطب حاضرین نہون بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو اُسکا نام شاعری ہے"

مل صاحب کی یہ تعریف اگرچہ نہایت باریک بینی پر مبنی ہے لیکن اس سے شاعری کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو فارسی اور اردو کا دفتر بے پایان بالکل بیکار ہو جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر کا دائرہ نہ اس قدر تنگ ہے جیسا مل صاحب کرنا چاہتے ہین اور نہ اسقدر وسیع جتنا ہمارے علماے ادب نے کیا ہے۔

شعر کی اصلی حقیقت

شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہےؔ فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی اشیا کی تصویر کھینچ سکتا ہے بخلاف اسکے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے اس حالت مین جو اسپر صدمے گزرتے ہین، اور دلدوز خیالات کا جو طوفان اُسکے دل مین اُٹھتا ہے شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج و غم مادی چیزین ہوتین اور ان کی تصویر کھینچی جاتی، تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے کھینچی تھی۔

اس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اس طرح کیا جائے کہ اُس شے کی اصلی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، تو اُس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی، دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی، یا رنج۔ غم۔ غیظ۔ غضب۔ جوش۔ محبت۔ افسوس۔ حسرت، خوشی ان اشیا کا اسطرح بیان کرنا کہ اُنکی صورت آنکھون مین پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے یہی شاعری ہے۔

ایک اور پیرایہ مین شاعری کی تعریف کیجا سکتی ہے۔

دنیا مین جسقدر قدرت کے مظاہر ہین، خواہ مادی ہون مثلاً پہاڑ، بیابان، باغ دریا وغیرہ خواہ غیر مادی، مثلاً وصل، ہجر، تحسین، نفرین، ان سب سے دل پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے، لیکن اثر کے مراتب متفاوت ہین، بعض اشخاص پر کم بعض پر زیادہ اور بعض پر بہت زیادہ ہوتا ہے، جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگون کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور

بعینہ اس اثر کو الفاظ سے ادا بھی کرسکتا ہو وہی شاعر ہے۔

شاعر کے جذبات اور احساسات، فطرتاً نہایت نازک، لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہین، دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہے لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بیتاب ہو جاتا ہے، دریا کی روانی سے ہر شخص محظوظ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، سبزہ کے دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہے لیکن شاعر جھومنے لگتا ہے، ممکن ہے کہ اس درجہ کی کیفیت دوسرون پر بھی طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعہ سے اس طرح ادا نہین کر سکتے جس طرح شاعر کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگون کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہو اور اُس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کر سکتا ہو وہی شاعر ہے،

برادر عزیز مولوی حمید الدین نے جمہرۃ البلاغۃ فن بلاغت مین ایک نادر کتاب لکھی ہے اس مین شعر کی حقیقت نہایت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے اسکا خلاصہ ذیل مین ہے۔

"شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہین، شعور اصل مین احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین یعنی شاعر وہ شخص ہے جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین مثلاً رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اُس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہین، رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہین، ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہے، انگڑائی مین اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر رنج، یا خوشی، یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر

پڑتا ہے۔ اور یہ اثر موزون الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام شاعری ہی۔

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً شیر کی گونج، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک، بُلبُل کا ترانہ، اسی طرح انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جس طرح حیوانات کی جذبات کبھی حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین مثلاً طاؤس ناچنے لگتا ہے، سانپ جھومتا اور لہراتا ہے، اسیطرح انسان کو چونکہ نطق کے ساتھ، نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہے اسیلیے موزون الفاظ منھ سے نکلتے ہین، اور ساتھ ہی انسان غنغنانے بھی لگتا ہے، اور جب یہ جذبہ زیادہ تیز ہوجاتا ہی تو انسان ناچنے لگتا ہے، یہ سب باتین جمع ہوجائین تو یہی اصلی شعر ہے، اس بیان سے ظاہر ہوگا کہ شعر الفاظ، وزن، نغمہ، اور رقص کے مجموعے کا نام ہی۔

لیکن چونکہ یہ تمام چیزین، جذبات کی کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین اسیلیے ہر شعر مین ان تمام چیزون کا پایا جانا ضرور نہین تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہین ہوسکتا، وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے۔ راگ کی ایک قسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اشعار کو گاکر پڑھتے تھے، شعر کے پڑھنے کو جو اہل عرب انشاد کہتے ہین، اس کی یہی وجہ ہے کیونکہ انشاد کے اصلی معنی گانے کے ہین۔

ارسطو نے اس بحث مین سخت غلطی کی ہے وہ کہتا ہے کہ شاعری کے جذبے کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی مصوری ہے یعنی انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے اُنکی تصویر

کھینچتا ہے۔ چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکات رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے جاتے ہین لیکن ارسطو کا یہ خیال غلط ہے اصل یہ ہے کہ جذبات انسانی مثلاً رنج خوشی وغیرہ انسان کے دل مین نہایت پُر زور حرکت پیدا کر دیتے ہین یہی حرکت آواز، یا راگ یا رقص یا تڑپ بنجاتی ہے مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے تو دل مین ایک حرکت پیدا ہوتی ہے اور یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہے، اور چونکہ یہ آثار، حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین اسلیئے وہ حرکات نفسانی پر اسیطرح دلالت کرتے ہین، جس طرح الفاظ، معانی پر دلالت کرتے ہین غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہے، اسی طرح یہ اشارات وحرکات بھی خود بخود سرزد ہوتے ہین اور نقالی اور محاکات کی غرض سے نہین کیئے جاتے، اگو یہ ممکن ہو کہ محاکات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے۔

اِن تمام خیالات سے تمکو شاعری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوا ہوگا، اور معلوم ہوگا کہ آج کل جس چیز کا نام شاعری ہے اُسکو شاعری سے کچھ تعلق نہین۔

فارسی شاعری کی ابتدا

اسقدر عموماً مسلم ہے کہ اسلامی دور مین، شاعری تیسری صدی سے شروع ہوتی ہے ابو العباس مروزی کے اشعار جنکا ذکر آگے چلکر کہین آئیگا اگر روایتاً ثابت بھی ہون تو وہ ایک اتفاقیہ تفریح خاطر تھی، جو سلسلہ تاریخی کی کوئی کڑی نہین بن سکتی۔

شروع اسلام سے کئی سو برس تک فارسی شاعری کیون وجود مین نہین آئی

یہان سوال پیدا ہوتا ہے، کہ دو سو برس تک شاعری کی زبان کیون بند رہی، فارسی

تذکرہ نویسون نے اسکے اسباب یہ بتائے ہین "ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرائے عجم بسبب غلبۂ
عرب ازمیان رفتہ، چنانکہ مشہور ست کہ تمام کتب و تواریخ عجمیان را عرب سوختند + +
ازکتب قدیمہ چیزے بر جا نگذاشتند الا قلیلے کہ پنہان داشتند چون مردم را قدغن بلیغ نمودند
قاعدۂ سخن فارسی و شعر متروک شد، تا مدتے گذشت و اوضاع بنوع دیگر گشت"

یہ مجمع الفصحا کی عبارت تھی جو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے اور ناصر الدین
قاچار مغفور کے عہد مین ۱۲۸۴ھ مین تصنیف ہوا ہے، یہ خیال اصل مین دولت شاہ کے
تذکرے سے ماخوذ ہے، اُسنے یہ روایت نقل کی ہے کہ "عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی
تمام کتابین برباد کردیجائین اس بنا پر آل سامان کے زمانے تک فارسی شاعری ظہور نہین کیا"

اِن بزرگون کی تاریخ دانی کی داد دینے کا یہ موقع نہین، اِسکے لیے ہمارے مضمون،
تراجم کو دیکھنا چاہیے جو رسائل شبلی کے ساتھ چھپکر شائع ہوا ہے لیکن استدلال کس قدر
لطیف ہے یعنی "چونکہ ایران کی قدیم کتابین برباد کردی گیئن، اس لیے اہل عجم فارسی مین
شعر بھی نہ کہہ سکے" اسلام نے ملکی زبان سے کبھی کچھ تعرض نہین کیا، حضرت عمرؓ کے عہد سے
حجاج بن یوسف کے زمانہ تک تمام دفاتر فارسی زبان مین تھے، حجاج کے زمانے سے
عربی مین ہوگئے لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی، رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہو کر اُردو
کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہوگئی، اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی، جب خود فارسی
زبان سے کسی قسم کے تعصب کا اظہار نہین کیا گیا، تو فارسی شاعری نے کیا گناہ کیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام جس قوم مین پھیلتا تھا، اُسکو مذہبی اثر سے اسقدر

لبریز کردیتا تھا کہ اُسکو سواے مذہب کے دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہین رہتا تھا، خود عرب کو دیکھو، وہ ملک جسکے در و دیوار سے شاعری کی آواز آتی تھی، اسلام کے آتے ہی دفعۃً چارون طرف سناٹا سا چھا گیا، **ولید** کے زمانے سے جب شاہانہ دربار قائم ہوا تو لوازم سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت کی زبان عربی تھی، اس لیئے شاعری بھی عربی ہی، شعرا جو مدحیہ قصائد کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے فارسی مین شاعری کرتے تو ممدوح انکی زبان کیونکر سمجھتا، اور نہ سمجھتا تو اُن کی داد کیا دے سکتا، اتنے سے سہارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان مین رہا تھا، اور غالبًا فارسی سے حرف آشنا ہوگیا تھا، عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی مین لکھا، اور مامون الرشید نے اُس کے صلے مین ہزار دینار سالانہ مقرر کردیے، ارباب تذکرہ لکھتے ہین، کہ اسلامی عہد مین فارسی شاعری کا یہ پہلا حرف تھا، اس سے پہلے اگر اسکا نام کچھ پتہ چلتا ہے تو ابوحفص حکیم سغدی کا شعر ہے جو پہلی صدی ہجری مین موجود تھا، شعر یہ ہے

آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا	ندارد یار بے یار چگونہ بودا

ایک اور بڑا سبب یہ ہوا کہ چند ہی روز مین اسلام نے اپنے خاص علوم و فنون، ادب و انشا کا سرمایہ اسقدر وسیع کرلیا تھا، اور ہر شاخ مین وہ اختراعات اور جدّتین پیدا کی تھین کہ اسکے سامنے تمام قومون کو اپنا قدیم لٹریچر، ہیچ اور بے وقعت نظر آتا تھا دوسری تیسری صدی ہجری مین اسلام کی جہان جہان حکومتین قائم ہوئین، یعنی ایران، مصر، شام، اندلس، ان تمام ممالک مین اسلامی علوم و فنون نے مفتوحہ قومون کے علوم و فنون کو بالکل ماند کردیا، اس لیے عرب کی شاعری کے آگے، دوسری قومون کو اپنی زبان مین شاعری

کرتے شرم آتی تھی، خراسان، مصر، وشام، وغیرہ مین سیکڑون ہزارون شعرا پیدا ہو گئے تھے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی مین کہتے تھے، چنانچہ ثعلبی نے یتیمۃ الدہر مین ان عجمی شعرا کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

تیسری صدی ہجری مین دولت عباسیہ کا آفتاب اقبال ڈھلنا شروع ہوا اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہو کر نئی نئی حکومتین قائم ہونے لگین، اس قسم کی سب سے پہلی سلطنت جو قائم ہوئی وہ خاندان طاہریہ تھا، جو مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر ذو الیمینین کی طرف منسوب ہے، یہ خاندان ۵۴ برس حکمران رہا اور ۲۵۹ھ مین اسکا خاتمہ ہو گیا، اگرچہ خود مختاری کا مدعی نہ تھا، لیکن خراسان مین اسکا اس قدر زور اور اقتدار ہو گیا تھا کہ خود مختاری کے تمام سر و سامان پائے جاتے تھے، دربار مین شعرا کا ہونا بھی ضرور تھا، اس لیے باوجود اسکے کہ یہ خاندان فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا تاہم بہت سے شعرا پیدا ہو گئے، منوچہری دامغانی نے ایک قصیدے مین متقدمین شعرا کا ذکر کیا ہے۔ شاعری کے پیدا ہونیکے اسباب

بوالعلا و بوالعباس و بوسلیک و بوالمثل	آنکہ آمد از نواحٔ ان کہ آمد از ہری
از حکیمان خراسان کو شہید و رودکی	بو شکور بلخی و بوالفتح بستی ہکذی

ان شعرون مین جن شعرا کے نام آئے ہین، ان مین طاہریہ شعرا بھی ہین یعنی حنظلہ بادغیسی، محمود وراق، فیروز مشرقی،

حنظلہ بادغیسی، یہ سب سے پہلا شخص ہے، جس نے باقاعدہ شاعری اختیار کی ۲۱۹ھ مین انتقال کیا، عروضی سمرقندی کی تصریح[1] سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صاحب

---

[1] چہار مقالہ صفحہ ۲۷

دیوان تھا، چند اشعار یہ ہین،

یارم سپند گرچہ بر آتش ہمی فگند	از بہر چشم تا نرسد مر ورا گزند
اورا سپند و مجمرہ نایہ ہمی بکار	با روی ہمچو آتش و با خال چون سپند

یعنی میرا معشوق نظر بد سے بچنے کے لیے آگ پر سپند جلاتا ہے، لیکن اسکو اس کی کیا حاجت ہے، اسکا چہرہ خود آگ، اور اُسکا تل خود سپند ہی، حنظلہ نے ۲۱۹ھ مین وفات[۱] پائی۔

محمود وراق، محمد بن طاہر جو خاندانِ طاہر کا سب سے اخیر فرمانروا تھا یہ اُسکے زمانے مین تھا، مجمع الفصحا مین اسکے یہ دو شعر نقل کئے ہین ؎

نگارینا بنقد جانت ندہم	گرانی در بہا، ارزانت ندہم
گرفستم بہ جان، دامانِ وصلت	نہم جان از کف و دامانت ندہم

فیروز مشرقی، اصل مین یمن کا رہنے والا تھا، ۲۸۳ھ مین وفات پائی۔ اسکے چند اشعار یہ ہین ؎

مرغی است خدنگ او عجب دیدی	مرغے کہ شکار او ہمہ جانا
دادہ پر خویش کرگسش ہدیہ	تا بچہ اش را برد بہ مہمانا

خاندانِ طاہریہ کے اخیر فرمانروا محمد بن طاہر کو ۲۵۹ھ مین یعقوب صفار نے گرفتار کرلیا اور اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

[۱] یہ تمام حالات اور اشعار مجمع الفصحا سے ماخذ ہین۔

یعقوب صفار، ذات کا ٹھیرا تھا لیکن شاہانہ دل ودماغ رکھتا تھا، یہانتک کہ خلافت عباسیہ کے زمانے مین اِسنے عَلَم بغاوت بلند کیا، اور خراسان وفارس پر قابض ہوگیا سنہ ۲۶۵ھ مین وفات پائی اِسکے بعد اسکا بھائی عمرو بن لیث اور اس کے بعد اِسکا پوتا طاہر بن محمد چند روز حکمران رہ کر سنہ ۲۹۰ھ مین گرفتار ہوا اور اِس سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا اِس چند روزہ خاندان نے بھی متعدد شعرا پیدا کیے جنمین سے ابوسلیک گرگانی زیادہ ممتاز ہو منوچہری دامغانی نے اِسکو قدما رشعرا مین شمار کیا ہے مجمع الفصحا مین اِس کے یہ اشعار نقل کیئے ہین ؎

	بہ مژہ دل زمن بدزدیدی،		اے بلب تقاضی و بہ مژگان دزد
	مُژدہ خواہی کہ دل زمن بُردی		اے تنگقبا کہ دیدہ دزدی و فرد

شاعری کے متعلق اِس خاندان کا بڑا احسان یہ ہے کہ رباعی کی ایجاد اسی زمانہ مین ہوئی، یعقوب صفار کا ایک کمسن بچہ ایک دن اخروٹون سے کھیل رہا تھا، ایک اخروٹ لُڑھکتے لُڑھکتے ایک گڑھے مین جا کر گرا، بچہ کی زبان سے بیساختہ یہ مصرع نکلا ع

غلطان غلطان ہمی رود تالب گو، یعقوب بھی موجود تھا، اسکو بچہ کی زبان سے یہ موزون کلام بہت پسند آیا، لیکن چونکہ اسوقت تک اس بحر مین اشعار نہین کہے جاتے تھے، شعرا کو بلاکر کہا کہ یہ کیا بحر ہے اُنھون نے کہا ہزج ہے، پھر تین مصرع اور لگا کر رباعی کر دیا، اور دوبیتی نام رکھا مدت تک یہی نام رہا، پھر دوبیتی کے بجائے رباعی کہنے لگے[1]

[1] تذکرہ دولت شاہی سمرقندی۔

لیکن یہ تعجب ہے کہ عربی زبان مین آج بھی وہ بیتی کہتے ہین جس سے اہل عرب کی دیانت کا اندازہ ہوسکتا ہی۔

خاندان سامانیہ

اسوقت تک جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی لیکن خاندان سامانیہ نے دفعۃً اس زمین کو آسمان بنادیا، رودکی جو فارسی شاعری کا ابوالآبا سمجھا جاتا ہے اسی دربار کا دست پرورد تھا شاہنامہ جو عجم کا صحیفہ آسمانی ہے اُسکا عنصر اسی عہد مین تیار ہوا اس خاندان کا سلسلہ نسب بہرام چوبین تک پہنچتا ہے اس لیئے اس خاندان مین حکومت کا آنا جم وکسریٰ کا دوبارہ عالم وجود مین آنا تھا، عدل وانصاف، جاہ وجلال، شان وشوکت تربیت علم وفن، کسی بات مین وہ اپنے اسلاف سے کم نہ تھا۔

اس سلسلہ کے قائم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ مامون الرشید کی جہان اور شاہانہ فیاضیان تھین، ان مین ایک یہ بھی تھی کہ وہ قدیم خاندانون کی تربیت کا خیال رکھتا تھا جس زمانے مین وہ مرو مین تھا اس سلسلہ کا مورث اول اسد بن سامان، دربار مین پہنچا اور مامون نے اسکو پایا قرب مین جگہ دی، جب مرو سے بغداد روانہ ہوا تو وہان کے گورنر کو تاکید کرتا آیا کہ اسد کی اولاد کو معزز عہدے دیے جائین اسد کے چار فرزند تھے، نوح، احمد، یحیٰی، الیاس، چنانچہ وہ سمرقند، فرغانہ، شناس، ہرات کے گورنر مقرر کیئے گئے، نوح کی وفات کے بعد اسکا بیٹا احمد سمرقند کا حاکم مقرر ہوا،

لیکن چند روز کے بعد اپنے بیٹے نصر کو اپنا قائم مقام کرکے خود گوشہ نشین ہوگیا، ۲۶۱ھ مین خلیفہ معتضد باللہ نے نصر کو ماوراء النہر کی حکومت دی، اِسنے اپنی طرف سے اسمٰعیل کو بخارا کا حاکم مقرر کیا، چند روز کے بعد دراندازون نے دونون بھائیون کو باہم لڑا دیا، یہانتک کہ نصر میدان جنگ مین گرفتار ہوکر اسمٰعیل کے دربار مین آیا، لیکن اسمٰعیل نے حوصلۂ شاہانہ سے کام لیا اور بھائی کو قید سے آزاد کرکے تخت پر بٹھایا آپ دست بستہ اُسکے سامنے کھڑے ہوکر آداب و دست بوس کی رسمین ادا کین اور عرض کیا کہ مین وہی آپکا ماتحت صوبہ دار ہون، نصر نے ۲۷۹ھ مین انتقال کیا، اور سمرقند کا صوبہ بھی اسمٰعیل کے ہات آگیا،

سلسلہ سامانیہ کی مستقل حکومت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا یہی اسمٰعیل تھا، یہ خاندان ایکسوتیس برس تک قائم رہا، اسمٰعیل نے ۲۹۵ھ مین وفات پائی، اسمٰعیل کے بعد احمد بن اسمٰعیل اور اسکے بعد نصر بن احمد تخت نشین ہوا اور یہی وہ تاجدار ہے جس کے دربار کا ملک الشعراء رودکی تھا، جو فارسی شاعری کا بانی اول کہا جاتا ہے، وہ نہایت فیاض عادل اور قدردان علم و فن تھا، تیس برس کی حکمرانی کے بعد ۳۳۱ھ مین وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا نوح فرمان روا ہوا، وہ بھی باپ کی طرح مربی علم و فن تھا، فلسفہ و حکمت اور دیگر علوم و فنون کا جو کتب خانہ اس نے مرتب کیا تھا، اُس کی نسبت علامہ ابن خلکان نے بو علی سینا کے حالات کے ذیل مین لکھا ہے۔

كانت[۱] عديم المثل فيها من كل فن من الكتب المشهورة بايدى الناس وغيرهم مالا يوجد فى سواها ولا سمع باسمه فضلا عن معرفته

یہ کتب خانہ بے نظیر تھا، اسمین متداول اور مشہور کتابون کے علاوہ وہ کتابین تھین جو اِس کتاب خانہ کے سوا اور کہین نصیب نہین ہوسکتی تھین، اور جنکا جاننا تو درکنار کسی نے انکا نام بھی نہین سنا تھا۔

فلسفہ یونان کی بے شمار تصنیفات خلفاے عباسیہ کی بدولت عربی مین ترجمہ ہوچکی تھین لیکن اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے، اور جن کتابون کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے نوح بن نصر نے حکیم ابونصر فارابی کو بلاکر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھکر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کردے، چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اِس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا، اِس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیے کہ حکماے اسلام مین فارابی نے معلم ثانی کا جو لقب حاصل کیا ہے وہ اسی کتاب کی بدولت تھا، افسوس ہی کہ یہ کتب خانہ جل گیا، اور چونکہ اس کتاب کا اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضایع ہوگیا، اس لیے آج یہ بے نظیر کتاب ناپید ہے[۲]۔

[۱] اِس کتب خانہ کا حال خود بوعلی سینا کی زبانی طبقات الاطبا مین نقل کیا ہی جسکا ماحصل یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا، ہر علم وفن کے لیے الگ الگ مکان تھے، اور اسمین صرف اسی فن کی کتابین تھین کتابین اوپر تلے بہ ترتیب صندوقون مین رکھی ہوئی تھین، بوعلی سینا کا بیان ہی کہ مین نے قدما کی کتابون کی فہرست دیکھی، اور اپنی پسند کے موافق کتابین نکلواکر دیکھین، اُن مین اکثر ایسی کتابین تھین جنکے نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے اور خود مین نے بھی کبھی اُن کو نہین دیکھا تھا۔ [۲] یہ واقعہ اکثر کتابون مین ہے کشف الظنون (باب الحکمۃ) مین اس تمام واقعہ کو منصور بن نوح کے عہد سے منسوب کیا ہی، اور مورخون کو بھی یہ دھوکہ ہوا ہی لیکن یہ صریح غلطی ہی اسلیے کہ فارابی نے سنہ ۳۳۹ھ مین انتقال کیا ہی اور منصور سنہ ۳۵۰ھ مین تخت نشین ہوا ہے۔

نوح نے ۳۴۳ھ مین وفات پائی، اسکے بعد عبدالملک اور عبدالملک کے بعد منصور بن نوح تخت نشین ہوا، اسکے دربار کا وزیر، ابو علی بن محمد تھا جسنے تاریخ طبری کا عربی زبان سے فارسی مین ترجمہ کیا منصور نے ۳۶۵ھ مین وفات پائی، اسکے بعد نوح بن منصور ثانی فرمانروا ہوا، دقیقی مشہور شاعر اسی کے دربار کا شاعر تھا، نوح کے بعد منصور بن نوح، اسکے بعد عبدالملک اور اسکے بعد اسمٰعیل بن عبدالملک تخت نشین ہوا اور اسی پر اس خاندان کا خاتمہ ہوا جس کی تاریخ ۳۹۵ھ ہے۔

شعراے سامانیہ

سلسلہ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے، طاہریہ عربی النسل خاندان تھا اس لیے فارسی شاعری کو اُسکے زمانے مین عروج نہین ہو سکتا تھا صفاریہ نو دولت اور کم اصل تھے اور انکی حیثیت ایک فتنہ جو باغی سے بڑھکر نہ تھی لیکن سامانی خاندان نسل کیان کا یادگار تھا، ان کی سلطنت نے ایکسو دس برس کی عمر پائی، قدردان علم و فن ہونے کے ساتھ وہ خود بھی صاحب کمال اور سخن سنج تھے وہ دیکھتے تھے کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہین یہانتک کہ اُن کی شاعرانہ قوتین بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہین، خراسان و بخارا مین سیکڑون ہزارون شعرا موجود ہین جو نسلاً عجم ہین لیکن دارالخلافہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہین عربی مین کہتے ہین، ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی اور ملکی زبان کی ترقی پر شاہانہ توجہ کی شعرا کی بیش قرار تنخواہین مقرر کین، خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے، کلیلہ و دمنہ

سنسکرت سے اولاً فارسی مین ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبداللہ بن المقفع نے اِس ترجمہ کو عربی مین منتقل کیا تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہوگیا، نصر بن احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا کہ اسکو فارسی مین نظم کردے عجم کی تاریخ ابتک نامرتب اور پریشان تھی، اس لیے دقیقی کو اس کام پر مامور کیا چنانچہ اُس نے ہزار شعر لکھے اور یہ شاہ نامہ کا پہلا سنگ بنیاد تھا، تفصیل ان واقعات کی آگے آتی ہے۔

خاندان سامانیہ شعراء

شعراے سامانیہ کی تعداد اگرچہ سیکڑون تک پہنچتی ہے، لیکن عروضی سمرقندی وغیرہ نے جن لوگون کا نام خصوصیت سے لیا ہے وہ یہ ہین، ابوالعباس، ابوالمثل، ابواسحاق جوئباری، ابوالحسن، خبازی نیشاپوری، ابوالحسن کسائی، شہید بلخی، ابوالموید، ابوعبداللہ فرالاوی رودکی، دقیقی، رابعہ فرداری، ابوذر معمر جرجانی، ابوالمظفر نصر بن محمد نیشاپوری، عمارہ مروزی، طخاری، مرادی،

یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اس دور کا پہلا شاعر کون ہے؟ لیکن جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہے، ابوعبداللہ فرالاوی، مرادی، شہید، ابوشکور بلخی، اس قافلہ کے پیشرو ہین، رودکی کا ایک شعر ہے[1]

شاعر شہید و شہرہ فرالاوی	وین دیگران بہ جملہ ہمہ راوی

یعنی شاعر اصل مین شہید ہے لیکن فرالاوی مشہور زیادہ ہوگیا ہے، باقی اور شعرا انھین دونون کے رُواۃ ہین، رودکی سنے شہید کا مرثیہ بھی لکھا ہے، چنانچہ کہتا ہے۔

[1] مجمع الفصحا تذکرۂ ابوعبداللہ فرالاوی۔

کاروانِ شہید رفت از پیش	وان مارفتہ گیر ومی اندیشس
از شمار دو چشم یک تن کم	وز شمار خرد ہزاران بیشس

رابعہ

اِس دور کی یہ خصوصیت یادگار ہے کہ شعر وشاعری کا مذاق عورتون مین بھی پھیل گیا تھا۔ رابعہ فرداری لجنی، جو رودکی کی ہمعصر تھی، اعلیٰ درجہ کی شاعر تھی، اسکا باپ کعب اعراب مین سے تھا لیکن رابعہ عجم مین پیدا ہوئی اور اس وجہ سے عربی فارسی دونون زبانون مین شعر کہتی تھی، نہایت حسین اور صاحب فضل وکمال تھی، بکتاش نام ایک غلام سے اُسکو عشق تھا لیکن پھر مجازی سے گزرکر عشق حقیقی کی نوبت پہنچی چنانچہ اسکا شمار صوفیہ مین کیا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ عورت کا کسی اجنبی مرد سے محبت کرنا اسلامی جماعت مین معیوب تھا اسلئے لوگون نے اُسکو قتل کرڈالا، مجمع الفصحا مین اسکے بہت سے شعر نقل کئے ہین جنمین سے چند یہ ہین۔

دعوتِ من بر توان شد کایزدت عاشق کناد	بر یکے سنگین دلے نامہربان چون خویشتن
تا بدانی درد عشق وداغ ہجر وغم کشی	چون بہ ہجر اندر بپیچی پس بدانی قدر من

رودکی

اِس دور کا مشہور شاعر ہی، تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان مین دیوان مرتب کیا وہ رودکی تھا۔

سامانیون کے دور مین سیکڑون شعرا تھے جنمین سے بعض کا تذکرہ آگے آئے گا، لیکن

آج تک سامانیون کا نام جس کی بدولت زندہ ہے وہ رودکی ہی تشریف گرگانی نے سچ کہا

ازان چندین نعیم جاودانی	کہ ماند از آل ساسان وآل سامان
ثنای رودکی ماندست ومدحش	نوای باربد ماند است ودستان

رودکی کا اصلی نام محمد یا جعفر ہی، رودک نخشب، کے ضلع مین جسکو نسف بھی کہتے ہین ایک گاؤن کا نام ہے، رودکی اسی گاؤن کی طرف منسوب ہے، بعضون کا بیان ہے کہ رودکی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ رود (ایک باجے کا نام ہے) اچھا بجاتا تھا۔

یورپ اور ایشیا کا یہ عجیب اتفاقی توافق ہے کہ رودکی بھی ہومر کی طرح مادر زاد اندھا تھا، آٹھ برس کی عمر مین قرآن مجید حفظ کیا[۱] پھر علم قرأت کی تکمیل کی، اسی سن مین شعر کہنا شروع کر دیا، شاعری کے مشغلہ کے ساتھ تمام متداول علوم وفنون حاصل کیے، خوش قسمتی سے نہایت خوش آواز اور طبیعت بذلہ سنج واقع ہوئی تھی، سلاطین وامرا کے دربار مین ایک بڑی خدمت ندیمی کی تھی، تقرب واثر کے لحاظ سے ندیم کا رتبہ وزرا سے بھی بالاتر ہوتا تھا اس عہدہ کے لیے بذلہ سنجی، لطیف الطبعی، حاضر جوابی ظرافت، وسعت معلومات، ضروری شرطین تھین، رودکی مین یہ سب شرطین جمع تھین، اسی بنا پر نصر بن احمد سامانی کے دربار مین اسکو رسائی حاصل ہوئی، نصر نے اس کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی، تمام ارباب تذکرہ کا بیان ہے کہ رودکی کو اس قدر جاہ ودولت حاصل ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو بھی نصیب نہوئی، جب اسکی سواری نکلتی تو دو سو زرین کمر غلام، رکاب کے ساتھ ساتھ

[۱] بہارستان جامی۔

چلتے، سفر مین اسکا اسباب چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوئی تھی لیکن اس زمانہ مین عربی شاعری واقعیت اور حقیقت سے دور ہوکر، ستایشگری اور مداحی کے سوا اور کسی کام کی نہین رہی تھی متنبی، ابوتمام، بحتری، جو اس دور کے پیغمبران سخن ہین، انکا تامتر کارنامہ یہی خوشامد اور ثناگستری تھا، خلفا اور امرا شاعری کو صرف تفریح طبع، کا ایک مشغلہ سمجھتے تھے، لیکن خاندان سامانیہ نے شاعری سے اصلی کام لیے، چنانچہ رودکی کو کلیلہ دمنہ کے نظم کی خدمت دی، اور اسکے صلے مین چالیس ہزار درہم عطا کئے، عنصری ایک قصیدہ مین کہتا ہے۔

چہل ہزار درم رودکی زمہتر خویش		عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور	

رودکی کی شاعری کا عام انداز

رودکی کی شاعری کا عام انداز واقعہ گوئی، پند و موعظت اور حسن تاثیر ہے۔ عرب جاہلیۃ کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اس سے بڑے بڑے قومی اور ملکی انقلابات پیدا کر دیتے تھے۔ فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا اور کسی کام کی نہ تھی، یعنی اس سے کبھی کوئی تاریخی واقعہ وجود مین نہین آیا، لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنےٰ ہے۔

نصر بن سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اور بادغیس مین جو ہرات کا مشہور نزہت گاہ ہے، پڑاؤ ڈالا، بہار کے دن تھے، اور تمام دشت و صحرا چمن زار بنگیا تھا، نصر ان دلفریبیون مین ایسا محو ہوا کہ ساری بہار یہین گذر گئی، جاڑے آئے تو میوون کی بہتات ہوئی، ان اطراف مین اکسو بیس قسم کے انگور ہوتے ہین جنمین ترنیان، اور کلنجری نہایت خوش مزہ

شاداب، اور نرم ہوتے ہین، نصر صحرا سے اُٹھ کر آبادی مین آیا اور درواز مین جو ایک مشہور مقام ہے قیام کیا، یہ مقامات نہایت آباد اور معمور تھے، ہر طرف عالیشان قصر و ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ خانہ باغ اور پائین باغ ہوتا تھا، اسی زمانے مین سیستان اور مازندران کے میوہ جات کی آمد ہوئی، نصر نے جاڑے بھی یہین گزارے، ہر دفعہ قصد کرتا تھا کہ اب کی بہار گزرنے پر روانہ ہو جاؤنگا لیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا تو دوسرا زنجیر پا بن جاتا تھا اسی طرح پورے چار برس گزر گئے، امرا اور فوج کے لوگ تنگ آ گئے تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہین کر سکتے تھے، آخر رودکی کے پاس گئے اور پانچ ہزار اشرفیان اس شرط پر دینی منظور کین کہ بادشاہ یہان سے بخارا کو واپس جائے۔ اگلے دن رودکی دربار مین گیا، نصر شراب پی رہا تھا، رودکی نے ساز کے ساتھ عشاق کی دُھن مین یہ اشعار گائے۔

بوے جوے مولیان آید ہمے	یاد یار مہربان آید ہمے
ریگ آموی و درشتیہاے اُو	زیر پایم پرنیان آید ہمے
(یعنی دریاے جیحون) آب جیحون باہمہ پہنا وری	خنگ مارا تامیان آید ہمے
اے بخارا شاد باش و شاد زی	شاہ سویت میہمان آید ہمے
شاہ سرو است و بخارا بوستان	سرو سوے بوستان آید ہمے
شاہ ماہ است و بخارا آسمان	ماہ سوے آسمان آید ہمے

نصر کا یہ حال ہوا کہ پاؤن مین موزے تک نہ پہنے اور اُسی وقت سوار ہو کر بگٹٹ

دوڑتا ہوا پوری ایک منزل پر جاکر دم لیا، سمرقندی نے یہ واقعہ لکھکر حیرت ظاہر کی ہو کہ یہ ایک سیدھی سادھی نظم ہے، نہ کوئی صنعت ہے نہ مضمون بندی ہے اِسکا اسقدر اثر کیونکر ہو سکتا تھا" دولت شاہ کے زمانے مین شاعری کی اصلی اور فطری حالت بدل چکی تھی، اس لیے لوگون کو واقعیت اور اظہار فطرت مین مزہ نہین آتا تھا لیکن جب تک قوم مین صحیح مذاق باقی رہا شعرا ان اشعار پر سر دھنتے تھے۔ عروضی سمرقندی خود بہت بڑا شاعر تھا چار مقالہ مین لکھتا ہو

"ہنوز این قصیدہ راکسے جواب نگفتہ است کہ مجال آن ندیدہ اند کہ ازین مضائق بیرون روند"

سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر معزی سے فرمایش کی گئی تھی کہ اس قصیدے کا جواب لکھے چنانچہ اُسنے جو قصیدہ لکھا اُسکا مطلع یہ ہے۔

رستم[1] از مازندران آید ہمے		زین ملک از اصفہان آید ہمے (ممدوح کا نام)	

امیر معزی مشہور اور کامل الفن شعرا مین سے ہی لیکن رودکی کے کلام کے سامنے اسکے شعر کا جو رتبہ ہی محتاج اظہار نہین، رودکی نہایت پُرگو تھا، رشیدی سمرقندی[2] نے اسکے اشعار کی

---

[1] جس زمانے مین مین علی گڑھ کالج مین پروفیسر تھا آسمان جاہ (وزیر ریاست حیدرآباد دکن) علی گڑھ مین آئے سرسید مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ سپاسنامہ کے بجاے کالج کی طرف سے قصیدہ پیش کیا جائے گا، وہ تم لکھدو مینے ایک خاص مناسبت سے، اسی قصیدہ کو پیش نظر رکھا، ابتدا مین یہ تمہید تھی کہ لوگون مین آسمان جاہ کی آمد کا چرچا ہے، پھر یہ اشعار تھے۔

ہمچنان با شیم گرم گفتگو ۔۔۔ قاصد از در ناگہان آید ہمے
افگند شور مبارک باد و پس ۔۔۔ این حدیثش بر زبان آید ہمے
آسمان جاہ از سو ملک دکن ۔۔۔ جانب ہندوستان آید ہمے

[2] مجمع الفصحا ذکر رودکی۔

تعداد ایک لاکھ بتائی ہی، چنانچہ کہتا ہی۔

شعر او را بر شمردم سیزدہ رہ صد ہزار	ہم فزون تر آید ار چونان کہ باید بشمری
مینے اُسکے اشعار تیرہ دفعہ گنے تو ایک لاکھ ٹھہرے	اور اچھی طرح گنے جائین تو اس سے بھی زیادہ نکلین گے

اقسام سخن مین رودکی کے ہان، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، مرثیہ، سب کچھ موجود ہے، مثنوی کا کوئی نمونہ موجود نہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ کلیلہ دمنہ جو اُس نے لکھی ہے مثنوی ہی ہوگی، کیونکہ مسلسل واقعات مثنوی کے سوا اور کسی طرح ادا نہین ہو سکتے،

رودکی شاعری کی وسعت

مضامین کے لحاظ سے بھی اس کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے یعنی واقعہ نگاری، خیال بندی، موعظت و نصیحت، عشق و محبت، مدح و ذم، صنائع و بدائع، سب چیزین پائی جاتی ہین، اور درجۂ کمال پر پائی جاتی ہین، ہم مختصراً ہر ایک کا نمونہ پیش کرتے ہین۔

اخلاق و موعظت اخلاق و موعظت مین حُسنِ ادا کے ساتھ اُسنے دقیق نکتے بھی بیان کیے ہین، مثلاً اسکو یہ کہنا ہے کہ تم کو اورون کی خوشحالی پر رشک اور حسد نہین کرنا چاہیے اسکو وہ اس طرح دلنشین کرتا ہی۔

زمانہ پندے آزادہ وار، داد مرا	زمانہ را چو نکو بنگری ہمہ پند است
بروز نیک کسان گفت غم مخور زنہار	بسا کسا کہ بروز تو آرزو مند است

یعنی جس طرح تم اورون کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو اسی طرح دنیا مین ایسے لوگ بھی ہین جو تمھاری حالت پر رشک کرتے ہین، اسلیے تم کو شکایت کا کوئی موقع نہین، اکثر آدمی لوگون کی نحالت کی شکایت کرتے ہین، لیکن اُنکو یہ خیال نہین آتا کہ کسی

شخص کی بخالت اور سخاوت پر توجہ کرنا گداطبعی اور طماعی کی دلیل ہی رودکی اس نکتہ کو یون ادا کرتا ہے۔

تا کے گوئی کہ اہل گیتی	در ہستی و نیستی لئیمند
چون تو طمع از جہان بریدی	دانی کہ ہمہ ہمان کریمند

زمانہ کی بے ثباتی کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

زندگانی چہ کوتہ و چہ دراز	نہ بہ آخر بمرد باید باز
ہم بہ چنبر گزار خواہد بود	این رسن را اگرچہ ہست دراز
خواہی اندر عنا و محنت زی	خواہی اندر نشاط و نعمت و ناز
خواہی اندک تر از جہان بپذیر	خواہی از رے بگیر تا بہ حجاز
این ہمہ بود و باد تو خواب است	خواب را حکم نے مگر بہ مجاز
این ہمہ روز مرگ، اگر بینی	نشناسی ز یکدگر شان باز

ایپکورس اور عمر خیام کے فلسفہ کو غالبًا فارسی مین اوّل اسی نے روشناس کیا ہی چنانچہ کہتا ہے۔

شاد زی، با سیاہ چشمان شاد	کہ جہان نیست جز فسانہ و باد
ز آمدہ شادمان نباید بود	وز گذشتہ نکرد باید یاد
نیک بخت آن کسے کہ داد و بخورد	شور بخت آن کہ او نخورد و نداد
باد و ابر است این جہان افسوس	بادہ پیش آر ہرچہ بادا باد

خواجہ حافظ رح کا سارا دیوان اسی متن کی شرح ہے۔

روی بہ محراب نہادن چہ سود	دل بہ بخارا و بتان طراز
ایزد تا وسوسۂ عاشقے	از تو پذیرد، نہ پذیرد نماز

واقعہ نگاری یعنی کسی واقعہ یا حالت، کی تصویر کھینچنا شاعری کا ایک عنصر ہے رودکی کے کلام مین یہ عنصر ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ایک قصیدہ مین اسنے جوانی اور بڑھاپے کی کیفیت بیان کی ہے، اسکے چند اشعار یہ ہین۔

مرا بسود و فرو ریخت ہر چہ دندان بود	نبود دندان، لابل، چراغ خندان بود
یکے نماند کنون، بل ہمہ بسود و بریخت	چہ نحس بود ہمانا کہ نحس کیوان بود
نہ نحس کیوان بود، و نہ روزگار دراز	چہ بود؟ راست بگویم، قضائے یزدان بود
ہمی ندانی اے ماہروے غالیہ موے	کہ حال بندہ ازین پیش بر چہ سامان بود
بہ زلف چوگان نازش ہمیکنی تو بدو	ندیدی او را آنگہ کہ زلف چوگان بود
شد آن زمانہ کہ رویش بسان دیبا بود	شد آن زمانہ کہ مویش بسان قطران بود
شد آن زمانہ کہ او شاد بود و خرم بود	نشاط او بہ فزون بود و غم بہ نقصان بود[سیاہ ۱۲]
ہمیشہ دستش زی زلفگان خوشبو بود	ہمیشہ گوشش زی مردم سخندان بود
ہمیشہ شاد ندانستمے[۱] کہ غم چہ بود	دلم نشاط طرب را فراخ میدان بود
عیال نہ، زن و فرزند نہ، مئونت نہ	ازین ہمہ تنم آسودہ بود و آسان بود
ہمی خریدہ ہمی ریخت بیشمار درم	بہ شہر ہر چہ ہمی ترک نار پستان بود

[۱] غنیمت ہو کہ ایرانی شاعر ہوکر مرد کے بجائے عورت کا نام لیتا ہی۔

بسا کنیزک نیکو کہ میل داشت بدو　　بشب زیارت او نزد او بہ نہان بود
شد آن زمانہ کہ شعر ورا جہان نبوشت　　شد آن زمانہ کہ او شاعر خراسان بود
تو رودکی را اے ماہرو کنون بینی　　بدان زمانہ ندیدی کہ در خراسان بود
بدان زمانہ ندیدی کہ در چمن رفتی　　سرود گویان گوئی ہزاردستان بود
کرا بزرگی و نعمت از این و آن بودے　　ورا بزرگی و نعمت ز آلِ سامان بود
بداد میر خراسانش چہل ہزار درم　　ازو فزونی یک پنج میر ماکان بود
کنون زمانہ دگر گشت و من دگر گشتم　　عصا بیار کہ وقتِ عصا و انبان بود

مدحیہ — مدحیہ شاعری کے جو نمونے پائے جاتے ہین، اعلیٰ درجہ کے ہین، اور اُن مین خیال آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔

شاہے کہ بروز رزم از رادی　　زرین نہد بہ تیر در پیکان
تا کشتۂ او ازان کفن سازد　　تا خستۂ او ازان کند درمان

یعنی "بادشاہ اس درجہ کا سخی ہے کہ لڑائی مین تیر جو استعمال کرتا ہے اُنکی پیکان سونے کی ہوتی ہین، جس سے یہ مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو پیکان کو بیچکر اپنا علاج کر سکے اور مر جائے تو تجہیز و تکفین کے کام آئے"

مرثیہ — مرثیے متعدد ہین، اور سب مین مرثیہ کی خالص شان پائی جاتی ہے، ایک مرثیہ مین جو وزیر اعظم کے بیٹے کی وفات پر لکھا ہے، حکیمانہ انداز مین وزیر کو صبر کی تلقین کی ہے۔

ای آنکه غمگینی و سزاداری — وانده رنهان سرشک همی باری

اے وہ کہ غمزدہ ہے، اور غمزدہ ہونا زیبا بھی ہے — اے وہ کہ چپکے چپکے آنسو بہاتا ہے

رفت آنکه رفت، آمد آنکه آمد — بود انچه بود، خیره چه غم داری

جو گیا، گیا، جو آیا، آیا — جو ہونا تھا ہوا، اب فضول کیوں غم کرتے ہو

هموار کرد خواهی گیتی را؟ — گیتی است کے پذیرد همواری

کیا تم زمانہ کو ہموار کرنا چاہتے ہو — یہ زمانہ ہے، بھلا وہ کب ہموار ہو سکتا ہے

مستی مکن، نشنود او مستی — زاری مکن، که نشنود او زاری

جوش ظاہر نہ کرو، وہ جوش کا لحاظ نہیں کرتا — فریاد نہ کرو، وہ فریاد نہیں سنتا

شو تا قیامت زاری کن — کے رفته را به زاری باز آری

اچھا جاؤ قیامت تک روتے رہو — لیکن جو شخص چلا گیا، کیا وہ رونے سے واپس آ جائیگا

شہید بلخی، اور فرالاوی، جو اسکے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، اُنکا مرثیہ بھی لکھا ہے، جو مجمع الفصحا وغیرہ مین منقول ہے،

غزل غزل نے اسوقت تک مستقل حیثیت اختیار نہین کی تھی، قصائد کی ابتدا مین جو تشبیب کرتے تھے یہی اُس زمانہ کی غزل تھی، اُسکا نمونہ یہ ہے۔

ای جان من از آرزوی تو پژمان — بنمای یکی روی و ببخشای برین جان

دشوار نمائی رخ و دشوار دهی بوس — آسان ربائی دل و آسان بری جان

نزدیک من آسانی تو باشد دشوار — نزدیک تو دشواری من باشد آسان

شورش است دلم از کرشمۂ سلمےٰ		چنان کہ خاطر مجنون ز طرۂ لیلےٰ
چہ گلشکر دہیم، درد دل شود تسکین		چو ترش روئے شوی دارہائی از صفرا
ببرد نرگس تو آب جادوے بابل		کشادہ غنچۂ تو باب معجز عیسےٰ

والہ داغستانی نے رودکی کی ایک غزل کی نقل کی ہے جسکا مطلع یہ ہے۔

زہے فزودہ جمال تو زیب آرارا		شکستہ سنبل زلف تو مشک سارارا

لیکن اس زمانہ کا یہ انداز نہین ہے، اسکے علاوہ اس غزل کے مقطع مین تخلص بھی مذکور ہے حالانکہ اس زمانہ تک غزلون مین تخلص نہین لاتے تھے۔

رودکی کے ان اشعار کا جو رتبہ ہے ظاہر ہے تاہم عنصری کہتا ہی

غزل رودکی وار نیکو بود		غزلہاے من رودکی وار نیست

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنصری، رودکی کو غزل گوئی مین اُستاد مانتا تھا، اسلیئے یا تو ماننا چاہیے کہ رودکی کی عمدہ غزلین جاتی رہین، یا یہ کہ عنصری غزل گوئی مین رودکی سے بھی کم تھا،

قصیدہ قصیدہ کا جو طریقہ رودکی نے قائم کیا، آج تک قائم ہے، یعنی ابتدا مین تشبیب، یا بہاریہ وغیرہ پھر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز، جود وسخا، عدل وانصاف، شجاعت ودلیری کا ذکر، پھر دعائیہ، صنائع شاعری مین ایک صنعت ہے جسکو ترصیع کہتے ہین، یعنی دونون مصرعون مین ہم وزن الفاظ لاتے ہین، مثلاً

عرفی	رماد را اثر قہر او کند خنجر		جماد را اثر لطف او کند شمشاد

یہ صفت رودکی کے تمام قصیدوں میں پائی جاتی ہے، اور چھٹی صدی تک تمام شعرا کا یہ عام انداز رہا۔

قصیدہ میں اگرچہ صرف مداحی ہی ہوتی ہے، لیکن رودکی نے جابجا نیچرل سین بھی دکھائے ہیں۔

بہار

از بنفشہ مرزہا گسترده دیباہا بہ چین (زمین) — وز شگوفہ شاخہا بربستہ در شاہوار

باہوا سے اوست گیتی ہرچہ گیتی دیسیم — بر زمین اوست گیتی ہرچہ در عالم بہا

از میان جوے آن آبِ روان ہمچو گلاب — شاخہاے گل شگفتہ بر کنارِ جوئبار

بود ہر جا ہر نزہتگاہ بار، و نقل و مل — گلستان در گلستان و میوہ اندر میوہ زار

خزان

کوہ دیگر کوہ سیمین گشت و زرین شد چمن (برف کیوجہ سے — زرد پتوں کیوجہ سے) — آب دیگر بارہ روشن گشت و تیرہ شد ہوا

گشت خامش فاختہ تا شد چمن پرداختہ — گشت بلبل بے نوا تا بوستان شد بے نوا

نار (انار) چون برحقۂ زرین نگین ہاے عقیق (خالی) — سیب چون بر چہرۂ سیمین نشانہاے بکا (آواز، بے سامان)

باد سرد آمد چو آہِ عاشقان ہنگام صبح — بانگِ زاغ آمد چو از معشوق پیغام جفا

معرکۂ جنگ

بدانگہے کہ دو لشکر بروے یکدگر — گران کنند رکاب و سبک کنند عنان

ز گرد اسپان تیرہ شود رخ خورشید — ز بانگِ مردان خیرہ شود دل کیوان

یکے کشیدہ سنان و یکے کشادہ حسام — یکے کشادہ کمند و یکے کشیدہ کمان

قصیدہ کے حسن کا بڑا معیار گریز ہے، یعنی تشبیب سے کہتے کہتے ممدوح کا ذکر اس طرح چھڑ جائے جس طرح بات میں سے بات پیدا ہو جاتی ہے، یہ بالکل نہ معلوم ہو کہ بہ قصد

ارادہ ممدوح کی مدح شروع کی ہے، رودکی کی اکثر گریزین اسی قسم کی ہین مثلاً ایک قصیدہ مین خزان کا حال لکھتے لکھتے کہتا ہے۔

بادخوارزمی کنارِ باغ پُر دینار کرد		چون کنار زائران را کر دوست بادشا

یا مثلاً باغ کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہے۔

یارمن گفتا بہشت است اے شگفت !! این باغ نیست

گفتم این باغیست خرم چون بہشت کردگار

آن بہشت ناپدید است، این بہشت استے عیان

این بہ نقد است آن بہ نسیہ آن نہان این آشکار

آن مکافات نماز است، این مکافات مدیح

آن عطاے کردگار است، این عطاے شہریار

یعنی معشوق نے باغ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بہشت ہے، مین نے کہا بہشت نہین، باغ ہے لیکن خدا کی بہشت کے ہم پلہ ہے، فرق یہ ہے کہ خدا کی بہشت کا پتا نہین، اور یہ علانیہ موجود ہے، یہ نقد ہے وہ ادھار، یہ ظاہر ہے، وہ مخفی، وہ نماز پڑھنے سے ہاتھ آتی ہے اور یہ مدح کرنے سے، وہ خدا کا عطیہ ہے، اور یہ بادشاہ کا،

بعض بعض قصیدون مین ایسی باتون کا التزام کیا ہے جسکی تقلید کسی نے نہین کی، مثلاً ایک قصیدہ تینتیس ۳۳ شعرون کا کہا ہے جسمین صرف مطلع ہی ہین پہلا مطلع یہ ہے

ندانی در دہجر اے بت امرازان سارگردانی		دگرزارم نگردانی بہ داغ ہجر گردانی

ہجو یا شکایت ہجو فارسی شاعری کے چہرہ کا نہایت بدنما داغ ہے، لیکن رودکی کی ہجو مین بھی متانت اور واقعیت پائی جاتی ہے،

رہی سوار و جوان، و توانگر از رہ دور	بخدمت آید نیکو سگال نیک اندیش
پسند آید مر خواجہ را بس از دہ سال	کہ باز گردد پیر و پیادہ و دل ریش

ممدوح سے کہتا ہے کہ کیا یہ مناسب ہی کہ جو لوگ آپ کے دربار مین جوان، دولتمند اور سواریون پر آئین، وہ اسقدر آپ کے ہان امیدواری مین پڑے جھولا کرین، کہ جب واپس جانے لگین تو دولتمند غریب، اور سوار پیادہ، اور جوان بوڑھا ہو کر جائے۔

جدت مضامین عام قاعدہ یہ ہے کہ ابتداے شاعری مین مضمون بندی بالکل نہین ہوتی، لیکن یہ حیرت انگیز بات ہے کہ رودکی نے کثرت سے نئے نئے مضامین پیدا کئیے مثلاً۔

گھوڑے کی تعریف

آفتابیکہ ز چابک قدحی	برسر ذرہ نماید جولان
رودکی چنگ بر گرفت و نواخت	بادہ انداز، کو سرود انداخت
آن عقیقین مے کہ ہر کہ بدید	از عقیق گداختہ نشناخت
ہر دو یک گوہرند، لیک بطبع	این بفسرد، و آن دگر بگداخت
نابسودہ دو دست رنگین کرد	ناچشیدہ بتارک اندر تاخت

شراب کی تعریف

تشبیہ

یعنی شراب، اور عقیق، دونون ایک ہی چیز ہین، فرق یہ ہے کہ ایک سیال عقیق ہے، اور دوسری منجمد، شراب کے رنگ، اور نشہ کی یہ کیفیت ہے کہ بے چھوے

ہو ئے ہات رنگین ہو جاتے ہین، اور بے چکنے ہوسے داغ مین دوڑ جاتی ہی،

بنفشہاے طرب خیل سر بر کرد		چو آتشے کہ بگو گرد بر دوید کبود
بیار وہان بدہ آن آفتاب کش بخوری		زلب فرو شود واز دہان بر آرد دود

یعنی بنفشہ دستہ دستہ اُگ رہا ہے، جس طرح گندہک سے جلانیکے وقت، رنگ کا شعلہ اُٹھتا ہے، اب وہ آفتاب لاؤ (یعنی شراب) کہ ادھر ہونٹون سے اُترے اور اُدھر مُنہ سے دھوان اُٹھنے لگے۔

تیر او مانند روزی کہ زی مردم رسد		تیر دشمن باز گردد سوے دشمن چون صدا

یعنی ممدوح کا تیر اس طرح نشانے پر لگتا ہے جس طرح انسان کا مُقدر، اور دشمن کا تیر اس طرح دشمن ہی کی طرف پلٹ جاتا ہے جس طرح آواز،

موسم بہار		ہر انچہ بست میان ارم بہم شدّاد		ہر انچہ کرد بزیر زمین نہان قارون	
		ہمہ سرشک ابر پراگندہ کرد در بستان		نسیم باد پدید ار کرد در ہامون	

یعنی باغ ارم مین شدّاد نے جو چیزین فراہم کی تھین، بادل کے آنسوؤن نے وہ سب باغ مین پھیلادین، اور قارون نے زمین کے اندر جو چیزین چھپا رکھی تھین نسیم نے وہ سب میدان مین کھولکر دکھادین۔

رہ نیسان شبیخون کرد، اکنون برمہ کانون

کہ گردون گشت از دیبا گرد، وصحرا گشت از دیبا گون

اگر خواہی نشانِ خون نگہ کن لالہ بر صحرا اگر خواہی نشانِ گرد بنگر ابر بر گردون

یعنی بہار کے مہینے نے خزان کے مہینے پر شبخون مارا جس کی وجہ سے صحرا پُر خون ہوگیا، اور آسمان مین گرد بھر گئی، صحرا مین جو لالہ نظر آتا ہے، یہ وہی خون ہی،

نگارینا شنیدستم کہ گاہِ محنت و راحت	سہ پیراہن سلب بودہ است یوسف را بعمراندر
یکے از کید شد پُر خون، دوم شد چاک از تہمت	سوم یعقوب را از بوے روشن کرد چشم تر
زخم ماند بدان اول، دلم ماند بدان دوم	نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر

یعنی اے معشوق! مین نے سنا ہے کہ حضرت یوسف کے تین پیراہن تھے، ایک خون سے رنگین ہوا، دوسرا زلیخا نے چاک کیا، تیسرے نے حضرت یعقوبؑ کی آنکھین روشن کین، میرا چہرہ پہلے پیرہن کے مشابہ ہے، اور میرا دل دوسرا پیرہن ہے باقی تیسرا، وہ خدا وصل مین نصیب کرے۔

زلف ترا جیم کہ کرد، آن کہ او	خال ترا نقطۂ آن جیم کرد
از دہنِ تنگ تو گویا کسے	دانگے نار بدو نیم کرد

یعنی تیرا دہن ایسا چھوٹا ہے کہ معلوم ہوتا ہی کہ کسی نے انار کے دانہ کے دو حصے کر دیے ہین۔

رباعیان رباعیان معمولی ہین، مجمع الفصحا مین ایک رباعی نقل کی ہی۔

چون کار دلم ز زلف او ماند گرہ	در ہر رگِ جان صد آرزو ماند گرہ
امید ز گریہ بود، افسوس افسوس	کانہم شب وصل در گلو ماند گرہ

لیکن یہ ہرگز رودکی کے زمانہ کا کلام نہین ہو سکتا،

قبولیت عام اور اعتراف شعرا رودکی کے کمال شاعری کو تمام شعرا نے تسلیم کیا ہی،

خود اسکا معاصر اور ہم فن اور ہمپایہ شہید کہتا ہے۔

بسخن ماند شعر شعرا،	رودکی را سخنش تلو نیاست
شاعران راخہ و احسنت، مدیح	رودکی راخہ و احسنت ہجاست
	بمعنی خوب ۱۲

عنصری کہتا ہے۔

غزل رودکی وار، نیکو بود	غزل ہاے من رودکی وار نیست
اگرچہ بکوشم بہ باریک وہم۔	درین پردہ اندر مرا بار نیست

معروف بلخی کہتا ہے،

از رودکی شنیدم سلطان شاعران

دقیقی کہتا ہے۔

کرا رودکی گفتہ باشد مدیح	امام فنون و سخنور بود
دقیقی مدیح آورد نزد او	چو خرما بسوے ہجیور بود

نظامی سمرقندی کے زمانہ مین کسی نے رودکی کی شاعری پر اعتراض کیا تھا نظامی نے اُسکے جواب مین لکھا ہے۔

اے آنکہ طعن کردی در شعر رودکی	این طعن کردن تو از جہل و کودکی است
کانکس کہ شعر داند، داند کہ در جہان	صاحب قران شاعری اُستاد رودکی است

رودکی نے ۳۰۴ھ مین وفات پائی۔ اسکا دیوان ایران مین چھپ گیا ہے۔

دقیقی

سلسلۂ سامانیہ کے ہر فرمانروا کا عہد، اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہی، لیکن نوح بن منصور کا زمانہ آخر المنازل ہی، یہ فخر اسی دور کو حاصل ہے کہ عجم کا سرمایۂ فخر و نازیعنی، "شاہنامہ"، جسکو ابن الاثیر، قرآن العجم کہتا ہے، اسکا ابتدائی خاکہ اسی عہد مین قائم ہوا، اور اگر ایک اتفاقی واقعہ نہ پیش آجاتا، تو سلطان محمود کے کارنامون کی فہرست شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی.

سامانی خاندان، ابتدا سے اِس بات کا خواہشمند تھا کہ انکے اسلاف کی داستان نثر سے نظم ہوکر، عام زبانون پر چڑھ جائے، لیکن ابھی شاعری نے اسقدر ترقی نہین کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ، شعر کے قالب مین آجائے، نوح بن منصور جب ۳۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، تو پایۂ تخت یعنی بخارا مین بڑے بڑے شعرا موجود تھے، ان مین دقیقی خاص پایۂ تخت کا رہنے والا تھا، اسکا اصلی نام منصور بن احمد ہی، ابتدائی تربیت امرار چغانیہ یعنی ابو المظفر نے کی تھی، لیکن جب اسکا کمال مشہور ہوا تو نوح نے دربار مین بلاکر، شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت[۱] سپرد کی، دقیقی اپنے زورِ بازو کا اندازہ کرچکا تھا، اسنے یہ خدمت قبول کی، اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے، بعضون کا بیان ہی، کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو آج شاہنامہ مین شامل ہین، فردوسی نے شاہنامہ کی تاریخ کے بیان مین ان واقعات کو اس طرح اجمالاً لکھا ہی۔ شاہنامہ کی ابتدا

[۱] تذکرۂ ہفت اقلیم مجمع الفصحا روایت اخیر۔

جوانے بیامد کشادہ زبان — سخنگوی و خوش طبع و روشن روان
بشعر آرم این نامہ را گفت من — ازو شادمان شد دلِ انجمن
زگشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار — بگفت و سر آمد ورا روزگار

کیا عجیب بات ہے، کہ اتنے بڑے کامل الفن کا دامنِ عزت، ایک اخلاقی دھبے سے داغدار ہے، دقیقی کا ایک خوشرو غلام تھا جس سے اسکو عاشقانہ محبت تھی، لیکن افسوس ہے کہ اس محبت مین ہوس کا شائبہ تھا، غلام نہایت غیور تھا، اس نے ننگ کو گوارا نہ کیا اور دقیقی کا خاتمہ کر دیا، **فردوسی** نے اس ناگوار واقعہ کو ابہام کے پردہ مین ادا کیا ہے،

جوانیش را خوے بد یار بود — ابا بد ہمیشہ بہ پیکار بود
یکایک ازو بخت برگشتہ شد — بدستِ یکے بندہ کشتہ شد

فردوسی نے فیاض دلی سے اسکے اشعار شاہنامہ مین شامل کرلیے جسکی بدولت، آج اسکا نام زندہ رہگیا، چنانچہ خود کہتا ہے،

کنون رازہا باز جویم ترا — حدیث دقیقی بگویم ترا
چنان دید گوئندہ یک شب بخواب — کہ یک جام می داشتے چون گلاب
دقیقی زجائے پدید آمدے — بدان جام مے داستانہا زدے
بہ **فردوسی** آواز دادے کہ مے — مخور جز بہ آئین کاؤس کے
کہ شاہے گزیدے زگیتی کہ تخت — بنازد بدو تاج و شمشیر و بخت

شہنشاہ محمود گیرندہ شہر	زشادی بہر کس رسانندہ بہر
بدین نامہ گر چند بشتافتے	کنون ہر چہ جستی ہمہ یافتے
از اندازہ من بیشں گفتم سخن	اگر باز یابی بخیلی مکن
زگشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار	بگفتم بسر آمد مرا روزگار
گر آن مایہ نزد شہنشہ رسد	روان من از خاک بر مہ رسد
بداند کہ پیش از تو آخر کسے	درین داستان رنج بُردش بسے
پذیرفتم و داشتم زو سپاس	مرا در دل آمد زہر سو ہراس
کہ روزے مرا ہم بباید گزشت	زگفتار او در نشاید گزشت
زگفتار او بشنو، اکنون سخن	کہ گفت است این داستانِ کہن

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے ہات مین جام شراب ہے، دقیقی کہین سے آنکلا اور اُسنے کہا کہ شراب، کیانی طریقہ سے پیو، تمکو ایسا بادشاہ ہات آگیا ہے جسپر سلطنت کو ناز ہے، تمنے شاہنامہ کے لیے بہت تگ و دو کی، جو تم چاہتے تھے وہ تمکو ملگیا، مینے بھی گشتاسپ و ارجاسپ کے واقعہ مین ہزار شعر لکھے تھے تم کو اگر یہ اشعار ملجائین تو اپنی کتاب مین شامل کر دینا کہ بادشاہ تک پہنچ جائین، اور لوگون کو یہ معلوم ہو کہ اور بھی کسی نے کچھ محنت اُٹھائی تھی،

یہ سنکر میرا دل کانپ اُٹھا کہ مجھکو بھی ایک دن مرنا ہے، اسلیے اُسکی خواہش پوری کرنی چاہیئے، اب تم اسکے اشعار سنو،

فردوسی نے دقیقی کے ساتھ جس ہمدردی اور مُردہ پرستی کا اظہار کیا ہے، قدر کے قابل ہے لیکن داستان کے ختم ہوتے ہوتے نیت بدل جاتی ہے، دقیقی کے اشعار کے بعد کہتا ہے،

نگہ کردم این نظم سُست آمدم	همہ بیتہا نا درست آمدم
من این زان نوشتم کہ تا شہریار	بداند سخن گفتنِ نابکار
دہان گر بماند ز خوردن تہی	ازان بہ کہ ناساز خوانی نہی
دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش	کنون شاہ دارد بہ گفتار گوش
سخن چون بدینگونہ بایدت گفت	مگوی و مکن رنج با طبع جفت
چو طبعت نباشد چو آبِ روان	مبر دست زی نامۂ خسروان

یعنی جب مین نے دقیقی کی یہ نظم دیکھی تو تمام اشعار مجکو سُست اور غلط نظر آئے، مین نے یہ اشعار اس لیے نقل کر دیے کہ بادشاہ ان اشعار کی لغویت سے واقف ہو جائے، اگر آدمی کو کھانا نہ دیا جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اسکے سامنے بدمزہ کھانے لائے جائین، مین نے گوہر فروش کے سامنے دو موتی رکھدیے ہین، اب بادشاہ خود تمیز کر لے جب تمکو اسی طرح کا شعر کہنا آتا ہے تو اس سے تو نہ کہنا ہی اچھا ہے، جب تمھاری طبیعت مین روانی نہین ہے، تو سلاطین کی تاریخ پر کیون ہات ڈالتے ہو،

اگر دقیقی کا کلام نقل کرنے سے اپنے اشعار کا چمکانا مقصود تھا، تو اُس غریب پر احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ سلطان محمود کی ہجو

ہین کس حد تک واقعیت کا پہلو ہوگا۔

فردوسی خداے سخن ہے، اِسکے آگے بندون کو زبان کھولنے کی کیا جرأت ہوسکتی ہے؛ لیکن ع انصاف شیوہ ایست کہ بالای طاعت است، ہم سرسری طور پر یہان دقیقی کے چند اشعار بغیر کسی انتخاب کے نقل کرتے ہین جس سے دقیقی کے رتبۂ کلام کا اندازہ ہوسکے گا، وہ معرکہ آرائی کا سمان اس طرح کھینچتا ہے۔

دقیقی کا انداز کلام

ز بس بانگِ اسپان وجوش وخروش	ہمی نالۂ کوس نشنیدہ گوش
درفشان بسیار افراشتہ	سرِ نیزہا، زابر بگزاشتہ
چو رستہ درخت از برِ کوہسار	چو بیشہ نیستان بوقتِ بہار
ز تاریکی گرد و بانگ سپاہ	کسے روز روشن، نمی دید راہ
بکردند یک تیر باران نخست	بسان تگرگ بہاران درست
بپوشیدہ شد چشمۂ آفتاب	ز پیکانہاے درخشان چو آب
تو گفتی ہوا ابر آرد ہمے	وزان ابر الماس بارد ہمے
ہوا از مین جہان بود خنگون شدہ	زمین سر بسر پاک در خون شدہ
در و دشتہا شد ہمہ لالہ گون	بہ دشت و بیابان ہمی ریخت خون
چنان شد ز بس کشتہ آن رزمگاہ	کہ بر دے نہ تانست رفتن نگاہ

علم ۱۲ — نتوانست ۱۲

فردوسی کے کلام کا جو اصلی جوہر ہے یہی ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہی، اسکی تصویر کھینچ دیتا ہے، انصاف سے کہو، کیا ان اشعار مین یہ بات نہین ہے؟ بے شبہ

فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ وہی شراب ہے، جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہے۔ دقیقی کے زمانہ تک فارسی زبان مین عربی الفاظ اسطرح مخلوط تھے کہ دونون سے ملکر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی، عباس مروزی کے کل چار شعر ہین، لیکن عربی الفاظ، فارسی سے زیادہ ہین، رودکی و شہید بلخی وغیرہ کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک کرکے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے، وہ دقیقی ہی ہے، اسکے سیکڑون شعر پڑھتے چلے جاؤ، عربی کا ایک لفظ نہین آتا۔ دقیقی کی بدقسمتی دیکھو کہ اس فخر کا تاج، شہرت کے ہاتون نے اس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا، دقیقی نے زبان کو جس طرح صاف کیا اُس کا نمونہ یہ ہے۔

دقیقی کے ہان عربی الفاظ بہت کم ہین

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت		فرود آمد از تخت و بربست رخت
ببلخ گزین شد بدان نوبہار	ق	کہ یزدان پرستان آن روزگار
مر آن خانہ را داشتندے چنان		کہ مر مکہ را تازیان این زمان
بدان خانہ شد شاہ یزدان پرست		(اہل عرب ۱۲) فرود آمد آن جا و ہیکل ببست
ببست آن در آفرین خانہ را (عبادتگاہ ۱۲)		دران خانہ نگذاشت بیگانہ را
بپوشید جامہ پرستش، پلاس (بک اضافت — گزی)		خدا را چنین داشت باید سپاس
بیفگند یارہ، فروہشت موے (کنگن)		سوے روشن دادگر کرد روے
نیایش ہمی کرد خورشید را		چنان بردہ بُد راہ جمشید را

چو گشتاسپ بر شد به تخت پدر — که فرّ پدر داشت بخت پدر

بسر بر نهاد آن پدر داده تاج — که زیبنده باشد بر آزاده تاج

منم گفت یزدان پرستندہ شاہ — مرا ایزد پاک داد این کلاہ

بدان داد ما را کلاہِ بزرگ — کہ بیرون کنیم از رمہ میش گرگ

سوے راہ ورزان (مسافر) نیاریم چنگ — بر آزادہ گیتی نداریم تنگ

پس از دفتر نامور قیصرا — کہ ناهید بُد نام آن دخترا

کتایونش خواندی گرانمایہ شاہ — دو فرزندش آمد چو خورشید و ماہ

یکے نامور فرخ اسفندیار — شہے کارزاری، نبردہ سوار

پشوتن دگر گرد شمشیرزن — شہے نامبردار (سپاہی) لشکر شکن

چو یک چند گاہے برآمد برین — درختے پدید آمد اندر زمین

از ایوان گشتاسپ بمیان کاخ — درختے گشن برگ، و بسیار شاخ

ہمہ برگ او پند، بارش خرد — کسے کو چنو برخورد کے مُرد

خجستہ پئے نام او زردہشت — کہ اہرمن بد کُنش را بکشت

ان اشعار مین جا بجا فکِ اضافت اور الف اشباع ہی جو آج کل متروک و معیوب ہے، لیکن قدما کے ہان اسکا عام رواج تھا، فردوسی بے تکلف ان چیزون کو برتتا ہے،

دقیقی نے مثنوی کے ساتھ، قصیدہ اور غزل کو بھی ترقی دی، یہ دو شعر جو نا معلوم

طور پر لوگون کی زبانون پر جاری ہین، اسی کی غزل کے ہین۔

گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہد	آرے دہد ولیک بہ عمر دگر دہد
من عمر خویشتن بہ صبوری گزاشتم	عمر دگر بباید تا صبر بر دہد

اسنے بعض غزلین مسلسل لکھی ہین، اور یہ اُس زمانہ کے لحاظ سے بالکل نئی بات ہے اسکی شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رزم و بزم، اور عشق و عاشقی کے دائرہ مین محدود نہین، آج جس چیز کو لوگ نیچرل شاعری کہتے ہین فارسی مین غالباً سب سے پہلے اسی نے اسکی بنیاد قائم کی، ایک قصیدہ مین بہار کا سمان دکھایاہی اس مین خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولون کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے۔ نیچرل شاعری

سحرگاہان کہ باد نرم جنبد	بجنباند درخت سُرخ وا صفر زرد
تو پنداری کہ از گردون ستارہ	ہمے بارید بر دیبائے اخضر کمخواب
نگارانِ زنگارو لون درلون	ہزاران در شدہ پیکر بہ پیکر

ایک مسلسل غزل بہار کی رنگینی، اور روے معشوق پر لکھی ہے، غزل مسلسل

دہ انگلنہ اے صنم ابر بہشتی	زمین را خلعتِ اُردے بہشتی
زمین بر سان خون آلودہ دیبا	ہوا بر سان مشک اندودہ دشتی ہاتھ
بدان ماند کہ گوئی از مے و مشک	مثال دوست بر صحرا نوشتی تصویر
بتے رخسار او ہمرنگ یاقوت	سمے برگونہ جامہ کنشتی
چہان طاوس گونہ گشتہ گوئی	بجاے نرمی و جاے درشتی

ز گل بوے گلاب آید بانسان	که پنداری گل اندر گل سرشتی
دقیقی چار خصلت برگزیده است	بگیتی از همه خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالهٔ چنگ	مے خون رنگ و کیش زردشتی[۱]

شہید بلخی

اس دور کا مشہور شاعر ہے، مختصر تذکرہ اسکا اوپر گذر چکا، اشعار کا نمونہ یہ ہے:

زمانہ کی ناقدر دانی کی شکایت

دانش و خواسته است نرگس و گل	که بیکجا نشگفند بهم
هر کرا دانش است خواسته نیست	هر کرا خواسته است دانش کم
اگر غم را چو آتش دود بودے	جهان تاریک بودے جاودانه
درین گیتی سراسر گر بگردی	خردمندے نیابی شادمانه
بر فلک هر دو شخص پیشه ورند	این یکے درزی، آن دگر جولاه
این نه دوزد مگر کلاه ملوک	وان نه بافد مگر پلاس سیاه

تشبیہات

ابر همی گرید چون عاشقان	باغ همی خندد معشوق وار
رعد همی نالد مانند من	چون که بنالم بسحرگاه زار
چون چلیپاے روم زان شد باغ	کاب ریزے است باغ را ز حلی
ابر چون چشم هند بن عتبه است	برق مانند ذوالفقار علی

۱ یعنی زردشتی، کیونکہ زردشت کے مذہب مین شراب حلال ہی۔

موعظت ونصیحت

عیب باشد به کارِ نیک درنگ	گر شتاب آید اے رفیق ملام
عاقبت را ہم از نخستین بین	تا بہ غفلت گلو نہ گیرد دام

ابو شکور بلخی

۳۳۶ھ مین تھا۔ اِسکا کلام بہت کم ملتا ہے لیکن جسقدر موجود ہے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے، سقراط سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو اسقدر تحقیقات و تدقیقات کے بعد کیا معلوم ہوا؟ اسنے کہا یہ "معلوم ہوا کہ کچھ نہین معلوم ہوا"۔ اِس فلسفیانہ خیال کو کسقدر عمدہ اور شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے۔

تا بد آنجا رسید دانشِ من	کہ بدانم ہمے کہ نادانم

یعنی میرا علم اِس حد تک ترقی کر گیا کہ مین نے اب جان لیا کہ مین کچھ نہین جانتا۔ اِسکی مثنوی کے چند اشعار جو منقول ہین انمین صاف شاہنامہ کا رنگ نظر آتا ہے۔

بہ دشمن برت مہربانی مباد	کہ دشمن درختے است تلخ از نہاد
درختے کہ تلخش بود گوہرا	اگر چرب و شیرین دہد مر ورا
ہمان میوۂ تلخت آرد پدید	از و چرب و شیرین نخواہی مزید

اسی مضمون کو فردوسی نے زیادہ بلند کر دیا ہے۔

درختے کہ تلخ است ویرا سرشت	گرش برنشانی بہ باغ بہشت
وراز جوے خلدش بہنگام آب	بربیخ انگبین ریزی وشہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد	ہمان میوۂ تلخ بار آورد

خبازی نیشاپوری

دولت سامانیہ کا نامور شاعر ہے ۳۴۲ھ مین وفات پائی. اسکا کلام بالکل نایاب ہے، ایک قصیدہ کی گریز کے دو شعر مشہور ہین جنمین متاخرین کی جدت مضمون کے ساتھ، نیچرل رنگ بھی موجود ہے۔

می بینی آن دو زلف کہ بادش ہمی برد	گوئی کہ عاشقی است کہ ہیچش قرار نیست
یا نہ کہ دست حاجب سالار لشکر است	کز دور می نماید کامروز بار نیست

یعنی معشوق کی زلف جو ہوا سے ہل رہی ہی، گویا ایک بیچین عاشق ہی یا شاہی نقیب کا ہات ہے جو دور سے اشارہ کر رہا ہے کہ آج دربار نہ ہوگا۔

عمارۂ مروزی

مرو کا رہنے والا تھا، ۳۶۵ھ مین انتقال کیا، کلام کا نمونہ یہ ہے۔

آتش اگر ندیدی باآب ممتزج	اینک نگاہ کن تو بدین جام واین شراب
جام بلور ولعل مے صاف اندرو	گوئیکہ آتشے ست برآمیختہ بہ آب

ان شعرا کے علاوہ اس دور مین اور بہت سے خوشگو اور خوش فکر تھے، مثلاً اعجمی، طخارہی، ابوالعباس زنجی، جویباری، ابوالمثل بخاری، طلحہ، وغیرہ لیکن چونکہ اُنکے حالات اور اشعار بہت کم ملتے ہین اس لیے ہم ان کے نام قلم انداز کرتے ہین۔

غزنویہ

شاعری اگرچہ ابتداے ظہور سے روز افزون ترقی کرتی جاتی تھی لیکن غزنویہ دور مین انتہاے کمال تک پہنچگئی، فردوسی، اسدی طوسی، عنصری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و امغانی، جن مین ہر شخص اقلیم سخن کا صاحب تاج و تخت ہی اسی عہد کی یادگار ہین۔

سلسلہ غزنویہ، حقیقت مین سامانی حکومت کی ایک شاخ ہی، عبد الملک بن نوح سامانی المتوفی ۳۵۰ھ کے زمانہ مین الپتگین جو اسی خاندان کا غلام تھا، ترقی کرکے امارت کے درجہ تک پہنچگیا، عبد الملک نے اسکو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا، عبد الملک کے بعد جب اُس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا تو الپتگین، خراسان چھوڑ کر غزنین چلا گیا اور یہان ۱۶ برس تک حکومت کرکے وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا ابو اسحق قائم مقام ہوا لیکن چند روز کے بعد مرگیا، الپتگین کا ایک غلام سبکتگین تھا، اسنے الپتگین، کے عہد مین ایسی قابلیت کے جوہر دکھائے کہ ابو اسحق کے بعد، لوگون نے ۳۶۵ھ مین اُسی کو غزنین کا حاکم مقرر کر دیا، یہی غلام (در غلام) سلطنت غزنویہ کا بانی ول ہی اور سلطان محمود فاتح ہندوستان اسی نامور کا فرزند ہے سبکتگین پہلا شخص ہی جس نے ہندوستان کو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا،

غزنوی خاندان کا اجمالی تذکرہ۔

اور جیپال کو بار بار شکستین دین، سامانی دربار سے اسکو ناصر الدین کا خطاب ملا ۳۸۷ھ مین وفات پائی، اس کے بعد اسکا بیٹا اسمعیل جو الپتگین کی دختر کے بطن سے تھا، بلخ مین تخت نشین محمود، غزنین مین تھا، اسنے بھائی کو لکھا، کہ آپ بلخ مین حکومت کیجئے لیکن غزنین میرے قبضہ مین رہنے دیجئے، اُس نے نہ مانا، اسپر جنگ ہوئی اور اسمعیل نے شکست کھائی، محمود، باپ کی زندگی ہی مین نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب حاصل کرچکا تھا، تخت نشینی کے بعد اسکو بغداد کے دربار سے یمین الدولہ کا لقب ملا،

محمود کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیان ایک دلچسپ داستان ہی جسکی آواز بازگشت آج بھی ہندوستان کے در و دیوار سے آرہی ہے لیکن شعر العجم کی زبان سی اسکے ملکی فتوحات کے بجاے، علمی فتوحات کا ترانہ زیادہ موزون ہوگا۔

سلطان محمود کے علمی کارنامے

محمود جس طرح فاتح و کشورستان تھا اسی طرح علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا جواہر مضیئہ جو فقہاے حنفیہ کے حالات مین ایک نہایت مستند کتاب ہے اس مین اسکو فقہا مین شمار کیا ہی، فقہ مین خود اسکی ایک بسوط تصنیف موجود ہے، غزنین مین اسنے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جسکے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا جسمین تمام دنیا کے نوادر موجود تھے[۱] ملک مین جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے اکثرون کو بلاکر دربار مین جگہ دی تھی، ان مین سے ایک ابوریحان بیرونی بھی تھا جو متعدد فنون مین

---

[۱] تاریخ فرشتہ

بوعلی سینا کا ہمپایہ و ہمسر تھا بو علی کو بھی اِسنے خوانِ کرم پر دعوت دی تھی لیکن اسکو کچھ وہم پیدا ہوا اور نہ آیا۔

شعرا کی تربیت اور فیاضی

شاعری پر اسنے حوصلۂ شاہانہ سے توجہ کی، ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور عنصری کو ملک الشعرا کا خطاب دیکر اِسکا افسر مقرر کیا؛ تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ محمود کے خوانِ کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے، جنکو حکم تھا کہ جوکچھ کہین پہلے عنصری کو دکھلا کر پھر دربار مین لائین، ایک موقع پر جب شہزادہ مسعود خراسان سے غزنین مین آیا، اور شعرا نے دربار عام مین قصائد پیش کیے تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور زینتی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کیے،[1] غضاری کو دو شعرون پر دو توڑے دیے چنانچہ غضاری خود کہتا ہے۔

مراد و بیت بفرمود شہریار جہان،	بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم	بر غم حاسد و تیمار بد سگال نکال

عنصری کو ایک رباعی پر حکم دیا کہ اُسکا منہ جواہرات سے بھر دیا جائے،

ان واقعات کو ایک نکتہ چین محمود کے فضائل کے بجائے، اسکے معائب کے دفتر مین لکھے گا، اور واقعی، مداحون اور خوشامد گویون کی ایک فوج کثیر بہم پہنچانا اور انپر زر و جواہر کا مینھ برسانا، فیاضی نہین، بلکہ اسراف اور سبک سری ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ محمود کی یہ فیاضیان، مدح پسندی کی غرض سے نہین، بلکہ فن ادب و تاریخ

[1] مجمع الفصحا، تذکرۂ زینتی۔

کی ترقی کی غرض سے تہین، اس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا، کہ عجم گو خود مٹ گیا لیکن اُس کے کارنامے آج تک نہ مٹ سکے، اسلامی فتوحات، مسلمانون کے مذہبی ترانے ہین، لیکن مسلمان، خالد، وضرار، کے بجائے، رستم، وسہراب کے نام سے زیادہ آشنا ہین، عبدالملک، ولید، مقتدر، معتضد، معتصم، مستعصم کو کتنے آدمی جانتے ہین؟ لیکن جم وکیخسرو، کیکاؤس وفریدون، افراسیاب، اسفندیار کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

عنصری نے ۸۰ اشعرون کا قصیدہ لکھا جسمین محمود کی تمام لڑائیان نہایت تفصیل سے بیان کین[۱]، بدایعی بلخی نے نوشیروان کا نصیحت نامہ نظم کیا، اسدی طوسی نے لغات فارسی کی تدوین کی اور بدائع وصنائع فارسی پر ایک کتاب لکھی، تاریخ واخلاق کے علاوہ محمودی شعرانے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہین ادا کر سکین، واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہار جذبات، قدرتی مناظر کی تصویر، غرض شاعری کے جتنے انواع ہین، سب انکے ہان پائے جاتے ہین، غزل البتہ رہ گئی لیکن ابھی اسلام کی ترقی کا شباب تھا، ابھی سے اس فتنۂ خوابیدہ کے جگانے کی کیا ضرورت تھی۔

محمودی شعرا اگرچہ بیشمار ہین، لیکن جن نامورون کو محمود نے ندماءمین داخل کر لیا تھا اور جو آسمان سخن کے سبعہ سیارہ تھے، یہ ہین عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، غضاری، فرخی، منوچہری،

[۱] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی۔

عنصری

حسن بن احمد نام، ابوالقاسم کنیت، عنصری تخلص، بلخ کا رہنے والا تھا، آغاز شباب مین والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، چونکہ آبائی پیشہ تجارت تھا، خود بھی تجارت شروع کی، ایک دفعہ اسی ضرورت سے سفر کو نکلا، راہ مین ڈاکہ پڑا اور جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی،

عنصری نے تجارت کا خیال چھوڑ کر علم کی طرف توجہ کی، اس زمانہ مین تحصیل علم کے لیے فیس وغیرہ کا کچھ جھگڑا نہ تھا، ہر جگہ، ہر طرف بڑی بڑی درسگاہین کھُلی ہوئی تھین، اور جو شخص جس آزادی سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ سکتا تھا، عنصری نے تمام متداول علوم وفنون حاصل کئے، لیکن طبیعت کو قدرتی لگاؤ شاعری سے تھا، اسلیئے شاعری کو اپنا فن قرار دیا اور اسی ذریعہ سے، سلطان محمود کے چھوٹے بھائی نصر بن سبکتگین کے دربار مین پہنچا، نصر نے جوہر قابل دیکھ کر محمود کے دربار مین تقریب کی، رفتہ رفتہ ملک الشعراء کا خطاب ملا، سلطان محمود نے حکم دیا کہ دربار کے تمام شعراء جن کی تعداد چار سو تھی، اپنا کلام عنصری کو اصلاح کی غرض سے دکھائین اور جسکا کلام پیش ہو عنصری کی اصلاح کے بعد پیش ہو، بڑے بڑے نامور شعراء عنصری کی مدح مین قصائد لکھ کر پیش کرتے تھے اور گران بہا صلے پاتے تھے، محمود کی شاہانہ فیاضیون نے عنصری کو دولت و مال سے اسقدر مالا مال کر دیا کہ چار سو زرین کمر غلام، رکاب مین ساتھ چلتے تھے، اور جب سفر کرتا تو اسکا ساز و سامان جو عموماً طلائی و نقرئی ہوتا تھا چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا،

ملک الشعرائی کا خطاب

عنصری کی دولت و ثروت

انتہا یہ کہ دیگین بھی طلائی اور نقرئی ہوتی تھین[1]، اکثر شعرا نے عنصری کی دولتمندی کا ذکر حسرت در شک کے ساتھ کیا ہے، خاقانی کہتا ہی۔

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگدان	ز زر ساخت آلات خوان عنصری

محمود کے دربار مین چار سو شعرا تھے جن مین فرخی، عسجدی، غضاری، منوچہری جیسے قادر الکلام بھی شامل ہین لیکن یہ بات اسی کو حاصل ہوئی کہ سلطان محمود کا بقائے نام اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، نظامی سمرقندی کہتا ہے۔

بسا کاخا کہ محمودش بنا کرد	کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد
نہ بینی زان ہمہ یک خشت برپاے	مدیح عنصری ماندا ست برجاے

عنصری نے سلطان محمود کی وفات کے تقریبًا دس برس بعد ۴۳۱ھ مین وفات پائی، اسکے اشعار کی تعداد ۳۰ ہزار بیان کیجاتی ہے جن مین اب صرف تین ہزار موجود ہین قصائد کے سوا متعدد مثنویان بھی لکھی تھین مثلاً وامق و عذرا، سرخ بت و خنگ، نہر وعین، لیکن آج بالکل ناپید ہین، اس زمانہ تک شاعری کا بڑا لازمہ ندیمی یعنی فن مجلس تھا، جو شاعر جسقدر زیادہ اس فن مین کمال رکھتا تھا، اُسی قدر زیادہ کامیاب ہوتا تھا، اسکے لیے سب سے مقدم چیز بدیہہ گوئی تھی، عنصری اس وصف مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، وہ نہایت پُر گو تھا اور برجستہ کہتا تھا، آتشکدہ مین لکھا ہی کہ ایک موقع پر رات بھر مین ہزار شعر کہہ ڈالے۔ اس کی بدیہہ گوئی کے واقعات

[1] عنصری کے حالات زیادہ تر مجمع الفصحا و تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی سے لیے گئے ہین۔

تذکرون مین کثرت سے ملتے ہین۔

عنصری کی بدیہہ گوئی

سلطان محمود کو ایاز سے جو محبت تھی اگرچہ حد سے متجاوز تھی لیکن ہوس کا شائبہ نہ تھا، ایک دن بزم عیش مین بادہ و جام کا دور تھا محمود خلاف عادت معمول سے زیادہ پیکر بدست ہو گیا، اسی حالت مین ایاز پر نظر پڑی، اُس کی شکن در شکن زلفین چہرہ پر بکھری ہوئی تھین، محمود نے بے اختیار اِسکے گلے مین ہات ڈالدیے لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوش تقوی مین آکر ایاز کو حکم دیا کہ زلفین کاٹ کر رکھدے، ایاز نے فوراً حکم کی تعمیل کی[1] صبح کو جب محمود سو کر اٹھا تو ایاز کی صورت دیکھ کر سخت ملدّر ہوا، بار بار اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، ندما اور مقربین دم بخود تھے، آخر علی قریب نے جو حاجب خاص تھا، عنصری کو بُلا کر صورت واقعہ بیان کی، عنصری نے محمود کے سامنے جا کر یہ رباعی پڑھی۔

گر عیب سر زلف بت، از کاستن است	نہ جاے بہ غم نشستن و خاستن است
وقت طرب و نشاط، و می خواستن است	کاراستن سرو ز پیراستن است

یعنی اگر معشوق کی زلفین ترش گئین تو یہ رنج و غم کی کیا بات ہے، یہ تو اور خوشی کا موقع ہے اسلئے کہ سرو جب چھانٹ دیا جاتا ہے تو اور زیادہ وہ موزون ہو جاتا ہے، محمود نے حکم دیا کہ عنصری کا منہ جواہرات سے بھر دیا جائے، چنانچہ تین دفعہ ایسا کیا گیا، چہار مقالہ مین لکھا ہے کہ منہ کے بجائے دامن بھرا گیا تھا، فیاضی کے مبالغہ کے لحاظ سے شاید یہی روایت صحیح ہو، لیکن مونھ بھرنے مین جو بات ہے وہ دامن مین نہین،

[1] شعرا نے اس واقعہ سے مضامین پیدا کئے، مرزا صاحب کہتے ہین، پا از گلیم خویش نباید دراز کرد، تیغ ستم بہ بین چہ بزلف ایاز کرد

ایک دفعہ سلطان نے فصد لی، عنصری نے برجستہ کہا۔

آمد آن رگ زنِ مسیح پرست ‌ ‌ ‌ نیش الماس گون گرفتہ بدست
طشتِ زرین دآبدستان خواست ‌ ‌ ‌ بازوے شہریار را بربست
نیش بگرفت وگفت عزعلیک ‌ ‌ ‌ این چنین دست راکہ یارد خست
سرفرو بُرد وبوسہ بر داد ‌ ‌ ‌ وز یمن شاخ ارغوان برجست

پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اوج ترقی کے زمانہ مین بھی جرّاحی و فصّادی کا کام عیسائی کرتے تھے ایکدفعہ محمود، چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر پڑا خفیف سا زخم آیا، عنصری نے فی البدیہہ کہا۔

شاہا ادبے کن فلک بدخو را ‌ ‌ ‌ کاسیب رسانید رخ نیکو را
گر گوی خطا رفت بہ چوگانش زن ‌ ‌ ‌ ور اسپ غلط کرد بمن بخش اورا

اخیر مصرع دو پہلو رکھتا ہے، ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اُسکو بخشد یجئے، دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رَو ہے تو مجھے دے ڈالیے۔ محمود نے اس حسن طلب کے صلہ مین گھوڑا عنصری کو دیدیا، عنصری نے ایک اور رباعی گھوڑے کیطرف سے معذرت مین لکھی،

رفتم بَرِ اسپ تا نزارش بکشم ‌ ‌ ‌ گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان برگیرم ‌ ‌ ‌ نے چرخ چہارم کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینے کا قصد کیا، گھوڑے نے کہا، پہلے میرا عذر تو سُن

لیجیے، کچھ مین گاوزمین تو نہین ہون کہ عالم کا بار اُٹھالون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون،

شاعری کے متعلق، عنصری نے جو کام کیے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **قصیدہ** مین تخلص اور گریز سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز سمجھی جاتی ہی یعنی غزلیہ مضامین کہتے کہتے بادشاہ کی مدح کی طرف کیونکر رجوع کرین، متاخرین کو ناز ہے کہ یہ نکتہ آفرینیان اُنھین کے ساتھ مخصوص ہین، لیکن انصاف یہ ہے کہ عنصری کے مخالص بھی متاخرین سے کم نہین، ایک **قصیدہ** مین ابتدا سے انتہا تک دو دو چیزون کا مقابلہ کیا ہے، اُسمین لکھتا ہے۔

عنصری کی شاعری کی خصوصیات

غنو دستند آن ماہ منوّر	خط، وزلفین آن، مہ روئے دلبر
یکے را سنبل نو رستہ بالین	یکے را لالۂ خودروے بستر
بہ روی وموی او بنگر کہ بینی	سیلے آفر [آتش] ر، ہر دو آن را فعل آذر
یکے بے دود سال و ماہ تیرہ	یکے بے نور روز و شب منوّر
مرا بہرہ دو چیز آمد زگیتی	دل پاک و زبان مدح گستر
یکے بر مہر جانان وقف کردم	یکے بر مدح شاہنشاہ کشور

ایک اور قصیدہ ہے۔

گہ آن آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر	گہ آن پیراستہ جعدش ببار د مشک و، گہ عنبر
شگفتہ لالہ رخسارہ۔ حجاب لالہ چرہ آرہ [زلف ۱۲]	برآ از عاج و دل از خارہ تن از شیر و لب از شکر

سمن بوے، شبہ موے، بلا جوے، جفا گوے، پریزادے، پری زادے، پری چہرے، پری پیکر
بپرداز ای دل از روے، کہ گاہ آمد کہ حق جوے غزل چندین چرا گوئی ز عشق آن بت دلبر
ثنا جوے از غزل با سخ کہ ترا این ہر دو بود فرخ غزل بر ماہ زیبا رخ ثنا بر شاہ نیک اختر

کہ ترا ۱۲

ایک قصیدہ سوال و جواب سے شروع کیا ہو اور اخیر تک یہ انداز قائم رکھا ہے اُس مین نہایت خوبی سے مدح کی طرف رجوع کی ہو.

ہر سوالے کزان گل سیراب دوش کردم مرا بداد جواب
گفتم آتش بران رخت کہ فروخت گفت آن کہ دل تو کرد کباب
گفتم اندر عذاب عشق توام گفت عاشق نکو بود بہ عذاب
گفتم از جلیت روے رخت من گفت ہر دم ز زردی خسر و خضاب
گفتم آن میر قصر ناصر دین گفت آن مالک قلوب و رقاب
گفتم اندر جہان چو او دیدی گفت نے و نخواندہ ام بکتاب
گفتم اعداے او دروغ زن اند گفت ہمچون مسیلمہ کذاب
گفتم از مدح او نیا سایم گفت زنیسان کنند اولوا الالباب
گفتم او را چہ خواہم از ایزد گفت عمر دراز و دولت شاب

ایک قصیدہ کو تشبیب سے شروع کیا ہو، معشوق کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہی.

او و من ہر دو ہمی نازیم، و نازمن بہ است کو بہ حسن خویش نازد من بہ مدح شہریار

ایک قصیدہ زلف کی تعریف سے شروع کیا ہے.

ای شکستہ زلفِ یار، از بسکہ تو دستان کنی		دست، دست ترت، گر با ساحران یکسان کنی
ہم زرہ پوشی دہم چوگان زنی بر ارغوان		خویشتن را گہ زرہ سازی وگہ چوگان کنی
نیستی دیوانہ، بر آتش چرا غلطی ہمی؟		نیستی پروانہ، گرد شمع چون جولان کنی؟

زلف سے خطاب کرتے کرتے، اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے۔

دل نگہدار ای بلای تن از دردش کہ دل باید ترا		تا تمنای کدخدای کشور ایران کنی

(۲) **قصیدہ** اگرچہ مداحی اور رشوت کے لیے مخصوص ہوگیا تھا، اسی بنا پر عرفی نے کہا ہی؛

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

گر نادیم قصیدہ باکے نیست		من خوشامدنمی توانم گفت

لیکن **عنصری** نے اکثر قصائد سے واقعہ نگاری کا کام لیا ہی، اسنے اکثر قصیدونمین محمود کی لڑائیان اور فتوحات نظم کی ہین، ایک قصیدہ مین جو ۱۷ اشعرون کا ہے محمود کے تمام معرکے اجمالاً لکھے ہین[1]۔ اسکے چند اشعار یہ ہین۔

شنیدہ خبر شاہِ ہندوان **جیپال**		کہ بر سپہر بلندش ہمی بسود افسر
بدان صفت سپہ چون شب سیاہ بزرگ		بدست ایشان شمشیرہا سے ہمچو سحر
چہ دود تیرہ، در و آتشے زبانہ زنان		تو گفتئی کہ پراگندہ شد بدشت سقر
خدائیگان خراسان بدشتِ **پیشاور**		بحملۂ بپراگند آن ہمہ لشکر

[1] تذکرۂ دولت شاہ مین لکھا ہی کہ اس قصیدہ مین ۱۸۰ شعر ہین، لیکن دیوان مروجہ مین اس سے کم ہین۔

حکایت سفر مولتان سے دانی — وگر ندانی تاج الفتوح پیش آور
اگر ز دجلہ فریدون گزشت بی کشتی — بہ شاہنامہ بر آن بر حکایت است سمر
ازان سپس کہ در ودیم را ببُد پایاب — وزان سپس کہ بر آن باد رانہ بود عبر
بہ مولتان (ملتان ۱۲) شد و در رہ دویست قلعہ کشاد — کہ ہر یکی را صد بندہ بود چون خیبر
بلاد و بت کدہ شان کشاد و سوخت ہمہ — ببُرد باد ہمہ تودہاے خاکستر
چو باز گشت بہ یک تاختن بہ میمنہ شد — ازان کہ بود خراسان زر بجنا مضطر

خوارزم کی فتح مین لکھا ہے۔

بوقت آن کہ زمین تفتہ بُد ز بادِ سموم — ہوا چو آتش وگرد اندرو بجاے شرار
فرو گذشت بآموے (دریاے جیحون ۱۲) شہریار جہان — بہ فال اختر نیک و بہ نصرتِ دادار
ہمہ زمین شدہ از روے بندگان کشمیر — ہمہ ہوا شدہ از عکس چاؤشان فرخار
در آب ورہمہ غرقہ شدند چون فرعون — چو بر گزشت ازآن آب، شاہ موسیٰ وار
فراخ جیحون چون کوہ شد زبسکہ درو — کلاہ ترکش و زین بود و جامہ و دستار
کسے کہ زندہ بماند است ازان ہزیمتیان — اگر چہ تنش درست است ہست چون بیمار
بہ مغزش اندر، تیغ است، اگر بود خفتہ — بہ چشمش اندر تیر است اگر بود بیدار
اگر بجنبد، بند قباے او از باد — گمان کند کہ ہمی بر جگر خورد مسمار
اگر سوال کند، گوید اے سوار مزن — وگر جواب دہد، گوید اے ملک زنہار

اخیر شعرون مین شکست یافتہ فوجون کی بدحواسی اور خوف زدگی کی تصویر

کس خوبی سے کھینچی ہے، کہتا ہے کہ جب یہ سوتے ہین تو خواب مین اِن کو ہر طرف تلوارین نظر آتی ہین، اور آنکھ کُھلتی ہے تو تیر ہی تیر دکھائی دیتے ہین، قبا کا بند اگر ہوا سے جنبش کرتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ کوئی شخص کلیجے مین کیل ٹھوک رہا ہے۔ اگر کچھ درخواست کرتا ہے تو یہ کہ میان سوار! اب نہ مارنا، اور کچھ جواب دیتا ہے تو یہ کہ اے بادشاہ، پناہ دے!

(۳) مناظرِ قدرت، اور خاص خاص چیزون کے اوصاف بھی اسنے نہایت خوبی سے لکھے ہین۔

بہار

ابرِ نوروزی ہمی دُر بار دو بت گر شود	تا ز صنعش ہر درختے لُعبتے دیگر شود
باغ ہمچون کلبۂ بزاز پُر دیبا شود	باد ہمچون طبلۂ عطار پُر عنبر شود
روے بندِ[لہ] ہر زمینے حُلّۂ چینی شود	گوشوارِ ہر درختے رشتۂ گوہر شود
زمین کا ہر تختہ چینی کپڑے کی نقاب پہن لیتا ہی	درخت کانون مین سونے کے بُندے ڈال لیتے ہین
چون حجابی لعبتان خورشید را بینی کہ باز	گہ برون آید ز میغ، وگہ بہ میغ اندر شود
آفتاب، بھان متی کی پُتلی بن گیا ہے	کہ کبھی بادل سے نکل آتا ہی اور کبھی بادلون مین گھس جاتا ہی
افسرِ سیمین فرو گیرد، ز سر کوہِ بلند	باز، مینا چشم، و دیبا روے و مشکین سر شود
پہاڑ نے چاندی کا تاج (برف) سر سے اُتار کر رکھدیا	اور اُسکی آنکھین سبز، چہرہ پُر نگار، اور سر مشکین ہو گیا

مقصد یہ کہ پہاڑ پر سبزہ، نبفشہ، اور طرح طرح کے پھول پیدا ہو گئے

تاریخ کی تعریف

درخت نارنج، از خامہ گوئیا شنگرف	بریختست کسے مُشت مُشت در زنگار

لہ نقاب کو کہتے ہین۔

نہر کی تعریف

زبرگ وبار ہمہ طوطیانِ پرّ انند | کہ برگ شان ہمہ پرّ است وبارِ شان منقار
مجرّہ وار یکے جوے اندرو گزرد (کہکشان) | برآبِ خضر بتہ کردہ، آب او بازار (آب حیات)
اگر بجنبد گوئی ہمے بجنبد جان | وگر بہ پیچد گوئی ہمے بہ پیچد مار
بسان **قارون** گاہے فروشود بزمین | گہے شود بہ ہوا بر چو جعفرِ طیّار

ہاتھی کی تعریف

نہ چرخ اند، لیکن ہمہ چرخ گردش | نہ کوہ اند، لیکن ہمہ کوہ پیکر
چہ اندر ہوا، کوہ بر قوم موسےٰ[۱] | چو بر قومِ **عاد** آیتِ بادِ صرصر
چنان گردد، از عرض شان دشت گوئی | بہ موج اندر آید، ہمی بحرِ اخضر
تبک (سبک[۱۲]) راہ گیرند۔ بر آب و آتش | بدندان بدّرند پولاد و مرمر
زمین کوہ باشد چو آیند پیدا | چو اندر گزشتند، چاہ مقعر

صنائعُ وبدائعُ

یہ بدعت **عنصری** سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن خال خال تھی، اور اِسقدر نمایان نہ تھی کہ لوگون کا خیال اُس طرف رجوع ہوتا، **عنصری** نے اکثر صنعتین مثلاً لف ونشر، ترصیع، تقسیم، سوال وجواب، کثرت سے برتین، اور چونکہ بعض صنعتین نہایت خوبی سے استعمال کین، اور شعرا نے بھی تقلید کی، اور ایک عام شاہراہ پیدا ہوگئی، چنانچہ **ترصیع** یعنی دونون مصرعون مین تمام الفاظ کا باہم مساوی الوزن ہونا یا ہم قافیہ ہونا، اِسقدر عام ہوا کہ قدما کے اخیر دور یعنی ساتوین صدی تک تمام قصائد اسی انداز پر لکھے جاتے تھے اور فیصدی ۸۰ شعرون مین یہ صنعت پائی جاتی تھی۔ لف ونشر، تقسیم سیاقۃ الاعداد، کو بھی رواج ہوا، لیکن نہ اسقدر کہ قصائد کے گلے کا ہار بنجائین،

ترصیع شراب

عنصری نے جس طرح ان صنعتون کو برتا، اُنکی مثالین درج ذیل ہین۔

درختے است گویا بہ مینا منقش	پرندے ست گویا بہ لولو مشجر
روندہ است و رفتنش در مغز شیران	خورندہ است و خوردنش از مغز کافر
نہ وہم است و گشتنش چون وہم بر دل	نہ مغز است و بودنش چون مغز در سر
گر آن آراستہ زلفش گرہ گردد گہے چنبر	گہ آن پیراستہ جعدش ببارد مشک گہ عنبر
رخ چون تو شگفتہ گل ہمہ گلبن برنگ مل	ہمہ شمشاد بر سنبل ہمہ سجادہ بر شکر
بروز از نیکوے معنی بہ غمزہ از جادوی دعوے	بچہرہ حجت مانی بخوبی حاجت آذر
سمن بوے، شبہ موے، بلا جوے، جفا گوے	پریزادے، پری رویے، پری چہرے، پری پیکر
دل آرامی، دل آرای، غم انجامی، غم افزاے	نکو روے، نکو راے، بحسن اندر جہان سرور

تمام قصیدہ اسی صنعت مین ہے، اور اسقدر مقبول ہوا کہ تمام شعراے مابعد نے التزاماً اسکے تتبع مین قصائد لکھے، سلمان ساوجی، امیر خسرو، اور قاآنی نے بعض اور خوبیان اسمین اضافہ کین، اور زیادہ حسن پیدا کر دیا، مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

کنون کز سنبلید وار غوان یاسمن دارد	چمن تزئین، دمن تمکین، زمین آئین، زمان زیور
بصحن باغ، و طرف راغ، و زیر سرو، و پاے جو	بنان گام، و بجو کام، و بدہ جام، و بکش ساغر

لف و نشر اور تقسیم کو اگرچہ عنصری نے بہت کم برتا ہے لیکن نہایت خوبی اور سادگی سے برتا ہے۔

بابہ بندد، یا کشاید، یا ستاند یا دہد	تا جہان باشد ہمی مر شاہ را این یادگار

انچہ بستاند ولایت، انچہ بدہد خواستہ		انچہ بند دوست دشمن، انچہ بکشاید حصار

مبالغہ، اس مین بھی، عنصری نے کچھ کمی نہین کی، لیکن اسوقت تک، تکلف اور بناوٹ کو اسقدر ترقی نہین ہوئی تھی اسلیے متاخرین کے مقابلہ مین اسکے مبالغے پھیکے معلوم ہوتے ہین مثلاً وہ گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہے۔

شگفت آید از مرکب تو خرد را		کش از باد طبع ست و از خاک منظر
بہ گام سپس بر رود گر برانے		بہ تقریبش از باختر تا بہ خاور
نہ جستن کند کم ز دریا بہ دریا		نہ منزل کند کم، ز کشور بہ کشور

مضمون آفرینی

بہ نور و ظلمت ماند زمین و ابر ہمی		بہ دُر و مینا ماند سرشک ابر و گیا
فریفتہ است زمین ابر تیرہ را کہ از و		ہمی ستاند دُر و ہمی دہد مینا

یعنی زمین اور بادل نور و ظلمت کے مشابہ ہین، اور قطرۂ باران، اور گھاس، گویا موتی اور سبز نگینے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ بادل، زمین کے فریب مین آگئے ہین، کیونکہ زمین سبز شیشہ دیکر اسکے عوض بادلون سے موتی لیتی ہی۔

قطرۂ باران ۱۲ گھاس ۱۲

ہمانا کہ خورشید رنگ رخش را		بدزدد کہ بخشد بہ یاقوت احمر

عام خیال یہ ہے کہ آفتاب، جب کسی پتھر پر چالیس برس تک متصل طلوع ہوتا رہتا ہے تو وہ یاقوت بنجاتا ہے، عنصری کہتا ہے، کہ آفتاب دراصل معشوق کے چہرے کا رنگ چراتا ہے، اور یاقوت کو دے دیتا ہے۔

گھوڑے کی تعریف

زبان گزشتہ است کش در بیابی		چہ بگزشت از پیش چشم تو دیگر

	بہ رجعت بر آن گو نہ باشد کہ گوئی		ہمے باز گردد زمانہ مکرر	

یعنی جب یہ گھوڑا، سامنے سے نکل جاتا ہے تو گویا گزرا ہوا زمانہ ہے جسکو تم پا نہین سکتے، اور جب چکر لگا کر آجاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا لیا!

فرّخی

علی نام، ابو الحسن کنیت، فرّخی تخلص، سیستان وطن، باپ کا نام قلوغ تھا، جو امیر خلف بن احمد حاکم سیستان کے دربار مین ملازم تھا، بچپن مین ادب اور موسیقی کی تعلیم پائی، چنانچہ چنگ بجانے مین کمال پیدا کیا، معاش کی یہ صورت تھی کہ ایک زمیندار کی ملازمت کرتا تھا جسکے معاوضہ مین سالانہ دوسو کیل غلہ اور سو درہم مقرر تھے، یہ مختصر سی آمدنی اسکی سادہ زندگی کے لیے کافی تھی، لیکن چندروز کے بعد اسنے امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کی جس کی وجہ سے خرچ بڑھ گیا، آقا سے تحریری درخواست کی کہ تنخواہ مین ۵۰ درم کا اضافہ کر دے، اور غلہ کی مقدار دوسو کیل کے بجائے تین سو کر دیجائے، آقا نے عرضی کی پشت پر لکھدیا کہ اِس قدر حاضر ہے اور اس سے زیادہ کا مجھکو مقدور نہین

فرخی کو شعر و شاعری کا بچپن سے ذوق تھا اور اب اسنے اس فن مین کافی ترقی کر لی تھی، شاعری کی قدردانی کے قصے ہر جگہ مشہور تھے اسلیے اسکو خیال ہوا کہ اِس ذریعہ سے یہ مشکل حل ہوگی، چنانچہ لوگون سے پوچھتا رہتا تھا کہ اِس فن کا کون بڑا قدردان ہی،

ابو المظفر چغانی اس زمانہ مین سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، اور نہایت فیاض طبع، اور قدردانِ سخن تھا، فرخی اِسکی فیاضی اور قدردانی کا شہرہ سُنکر چغان مین آیا، چنانچہ ایک قصیدہ کی ابتدا اس واقعہ سے کی ہی،

با کاروانِ حلّہ برفتم زسیستان	با حُلّہ تنیدہ زدل بافتہ زجان

ابو المظفر کو گھوڑونسے بہت شوق تھا، اور بڑے اہتمام سے انکی پرداخت و تربیت

کرتا تھا، اٹھارہ ہزار گھوڑیان اور بچھیرے ہمیشہ چراگاہ مین رہتے تھے، سال مین ایک دفعہ اِن بچھیرون کا جائزہ لیتا تھا اور اُن کو داغ کرتا تھا، فرخی جب بلخ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابوالمظفر داغ گاہ مین گیا ہی، لیکن خوش قسمتی سے عمید اسعد جو ابوالمظفر کا مختار کل تھا، موجود تھا؛ فرخی اسکی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ شاعر ہون، عمید نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو فرخی کے چہرہ مہرہ، ہیئت، وضع قطع، کسی چیز کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، بھدا ڈیل ڈول، ڈھیلا ڈھالا کرتا جسکے دونون طرف چاک، سر پر بڑا سا پگڑ، سخت متعجب ہوا، تاہم حُسن اخلاق کے لحاظ سے کہا کہ مین تم کو امیر کے دربار مین لیچلونگا، لیکن پہلے داغ گاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ لکھ لاؤ، اسکے ساتھ، داغ گاہ کی صورت کا نقشہ کھینچکر دکھایا کہ کوسون تک سبزہ زار ہوتا ہے، جابجا چشمے بہتے ہین، بے تکلف احباب مل بیٹھتے ہین، گاتے بجاتے ہین، شراب پیتے جاتے ہین، بادشاہ ایک ہات مین پیالہ دوسرے مین کمند لیکر بیٹھتا ہے، شراب پیتا جاتا ہے، اور لوگون کو گھوڑے انعام دیتا جاتا ہی،

فرخی نے رات بھر مین قصیدہ طیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے پڑھا۔

چون پرند نیلگون، بر روے پوشد مرغزار (چادر)	پرنیان ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار
خاک را چون نافِ آہو مشک زاید بیقیاس	بید را چون پرِ طوطی برگ روید بے شمار
دوش وقت نیمشب بوے بہار آورد باد	حبذا باد شمال و فرخا بوے بہار
باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین	باغ گوئی لعبتانِ جلوہ دارد در کنار
نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ (ہار)	ارغوان لعل بدخشان دارد، اندر گوشوار

باغ بوقلمون لباس، وشاخ بوقلمون نماے | آب مروارید گون، وابر مروارید بار
داغهاے شهریار اکنون چنان خرّم شود | کاندروازخرمی خیره بماند روزگار
سبزه اندر سبزه بینی. چون سپهر اندر سپهر | خیمه اندر خیمه بینی. چون حصار اندر حصار
هر کجا خیمه است، خفته عاشقے با دوست مست | هر کجا سبزه است، شادان یارے از دیدار یار
سبزها بر بانگ چنگ مطربان چرب دست | خیمها بر بانگ نوش ساقیانِ میگسار
عاشقان بوس وکنار، ونیکوان ناز وعتاب | مطربان رود وسرود، وخفتگان خواب وخمار
بر درِ پرده سراے خسرو پیروز بخت | از پئے داغ آتشے افروخته خورشید وار
داغها چون شاخهاے بسدِ یاقوت رنگ | هر یکے چون ناردانه گشته اندر زیر نار
مرجان
ریدکان خوابِ نادیده مصاف اندر مصاف | مرکبانِ داغ ناکرده قطار اندر قطار
غلام
روے هامون، سبزه چون گردون ناپیداکران | روے صحرا، ساده چون دریاے ناپیداکنار
اندران دریا سمارے، وان سمارے جانور | اندرین گردون ستاره، وان ستاره بیدار
خسروِ فرخ سیر، بر بارهٔ، دریا گزر | با کمند اندر میانِ دشت چون اسفندیار
گردنِ هر مرکبے چون گردنِ قمری بطوق | زکمندِ شهریار شهرگیر شهردار
هر کرا اندر کمند شصت بازی، درفگند | گشت نامش بر سُرین وشانه ودرویش نگار
روز یک نیمه، کمند ومرکبان تیز تگ | نیم دیگر مطربان وبادهٔ نوشین گوار

عمید نے فرخی کو ساتھ لیا، اور ابو المظفر کے پاس جا کر اس تقریب سے پیش کیا کہ دقیقی کے بعد، آج تک اس پایہ کا شاعر نہیں پیدا ہوا، یہ کہہ کر سارا واقعہ

بیان کیا، ابو المظفر نے فرخی کو دربار مین مناسب موقع پر جگہ دی، شراب کا دور چل رہا تھا، دو تین دور ہو چکے تو فرخی اُٹھا اور درد آمیز لہجہ مین یہ قصیدہ پڑھا ع با کاروان حلّہ برفتم زسیستان، ابو المظفر خود شاعر تھا، حد سے زیادہ مسرور ہوا اور فرخی سے کہا کہ ہزار کمیت بچھیرے سامنے ہین جسقدر تم سے پکڑے جا سکین سب تمھارے ہین، فرخی شراب سے بدمست تھا، فوراً اُٹھا دستار سر سے پھینک بچھیرون کی قطار مین گھس گیا، وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر پھیل گئے، فرخی، ہر طرف پیچھے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا، تھک کر چور ہو گیا، اور وہین زمین پر پڑ کر سو رہا، صبح کو دن چڑھے اُٹھا، ابو المظفر نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر، فرخی کو دربار مین طلب کیا، اور اسپ خاصہ، ایک خیمہ، تین شتر، پانچ غلام، اور پہننے کے کپڑے انعام دیے، دریافت سے معلوم ہوا کہ فرخی نے جس گلّہ پر ہات ڈالا تھا، اس مین بیالیس بچھیرے تھے، ابو المظفر نے وہ بھی انعام مین دیدیے، چند روز کے بعد فرخی بڑے سروسامان سے سلطان محمود کے دربار مین پہونچا، سلطان نے نہایت قدردانی کی اور شعراے خاص مین داخل کیا، ایک موقع پر اسپ خاصہ عنایت کیا تو فرخی نے یہ اشعار شکرگزاری مین لکھے۔

اسپے کہ چنان شاہ دہد اسپ نباشد		تاجے بود آراستہ از لوے شہوار

سہ یہ تمام واقعہ اگرچہ تمام تذکرون مین منقول ہی لیکن سب سے زیادہ تفصیل چار مقالہ مین ہی، اور ہمنے گویا اُسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔

دشمن کہ برین ابلق رہوار مرا دید	بے صبر شد و کرد غم خویش پدیدار

اسوقت تک باوجود تقرب اور منصب ندامت کے فرخی کو دربار مین کمر بند باندھنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ لباس اُمراے فوج کے ساتھ مخصوص تھا، فرخی نے نہایت خوبی سے اِس قصیدہ مین اِس عہدہ کی آرزو کی ہر،

گفتا کہ بہ میران وبہ سرہنگان مانی	امروز کلاہ و کمرت باید ناچار
گفتم کہ چہ دانی کہ شب تیرہ چہ زاید	بشکیب و صبوری کن تا شب بہ نہد بار
من تنگدلی پیشہ نگیرم کہ بزرگان	کس را بہ بزرگی نرسانند بیک بار

یعنی دشمن نے مجھسے کہا کہ ابتو تمھارا ٹھاٹھ امرا کا ساہی، اب کمربند و کلاہ بھی ملنا چاہیے' مینے کہا تجھکو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہوگا؟ جسنے مجکو اسپ خاصہ کے قابل سمجھا، وہ اِسکا مستحق بھی سمجھیگا، مین دل گرفتہ نہین ہوتا کیونکہ سلاطین کا یہ دستور نہین کہ کسی کو ایک دم سے بڑے رتبہ پر پہنچا دین، بالآخر فرخی کی دولت وجاہ کی یہ نوبت پہونچی کہ جب اسکی سواری نکلتی تھی تو بیس زرین کمر غلام رکاب مین چلتے تھے۔

ایاز جو سلطان محمود کا محبوب خاص تھا، فرخی کا نہایت قدردان تھا اور اس سی نہایت خلوص رکھتا تھا، ربط زیادہ بڑھا تو محمود کو رشک ہوا یہانتک کہ فرخی کا دربار بند کردیا، فرخی نے متعدد قصیدے معذرت مین لکھے۔ بالآخر سلطان صاف ہوگیا، اور فرخی بدستور دربار مین جانے آنے لگا،[1]

[1] مجمع الفصحا۔

اِس زمانہ کے تمدن اور معاشرت پر تعجب ہوتا ہے کہ شعرا محمود کی مدح مین جو قصیدے لکھتے تھے. اس مین علانیہ ایاز کے حُسن و معشوقی کا ذکر کرتے تھے اور محمود اِس سے خوش ہوتا تھا فرخی ایک قصیدہ مین لکھتا ہے۔

امیر جنگجو ایاز اُو یماق	دل و بازوے خسرو روز بیکار
زنانِ پارسا از شوق گردند	بہ کابین کردنی او را خریدار
نہ برخیرہ بدو دل داد محمود	دل محمود را بازی مپندار
جز او در پیش سلطان نیز کس بود	جز او سلطان غلامان داشت بسیار
اگر چون میر یک تن بود آنجا	نہ چندین بُد مراد را اگرم بازار

غضاری نے محمود کی فرمایش سے ایاز کی تعریف مین دو شعر لکھکر پیش کیے تو محمود نے دو ہزار اشرفیان انعام مین دلوائین چنانچہ عضاری ایک قصیدہ مین کہتا ہے

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہان	بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم	برغمِ حاسدِ تیار بدسگال نکال

فرُخی نے صنائع و بدائع شعری مین ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام ترجمان البلاغۃ ہے رشید الدین وطواط نے حدائق السحر مین اسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”لغو کتاب ہے“. بظاہر تعجب ہوتا ہے کہ ایران کے شعرا ابتدا ہی سے صنائع و بدائع کی طرف کیونکر مائل ہوے، لیکن حقیقت مین یہ تعجب کی بات نہین، شاعری کا جو نمونہ فارسی شعرا کے پیش نظر تھا وہ عربی شاعری تھی، عرب مین خود اس زمانہ مین صنائع و بدائع کی بدعت ایجاد

ہو چکی تھی اور عبد اللہ بن معتز کی کتاب البدیع جو اس فن کی پہلی کتاب تھی گھر گھر پھیلی ہوئی تھی، تاہم فرخی کی سلامت روی دیکھو کہ اُسنے صنائع و بدائع پر کتاب لکھی، لیکن خود ان تکلفات سے آزاد ہے، فرخی نے ۴۲۹ھ مین وفات پائی۔

کلام پر راے فرخی کے کلام کا عام جوہر، زبان کی صفائی، اور سلاست و روانی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ اس ابتدائی زمانہ مین اسنے زبان کو اسقدر صاف کر دیا کہ ہزار برس گزر چکے لیکن آج کی زبان معلوم ہوتی ہے، قاآنی کا بڑا اعجاز یہی خیال کیا جاتا ہی، کہ وہ قصائد مین ہر قسم کے واقعات اس طرح بے تکلف ادا کرتا جاتا ہے گویا دو آدمی آپس مین باتین کر رہے ہین، فرخی سے اسکا موازنہ کرو، صاف نظر آئیگا کہ عبارت قاآنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی، فرخی کو اسوقت حاصل تھی، رمضان اور عید کے ذکر مین قاآنی کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔

دی نگارا، ہیچ خبر داری کان ترک پسر	بامن از ناز دگر بار، چہ آورد بہ سر
بلب نوشین آمد شب دوشین بسراے	حلقہ بر در زد و بر جستم و بکشودم در
گفت قاآنیکا! تا کے خسپی بہ سراے	خیز کز روزہ شد اوضاع جہان زیر و زبر
غافلا! ماست چنان خفتہ اندر رمضان	کز مہ روزہ و از روزہ ترانیست خبر
گفتمش اے ترکِ دلارام مگر باز آمد	رمضان آن مہ شاہد کش و زاہد پرور
گفت آرے رمضان آمد و گوید کہ بخلق	رقم از بار خدا دارم و از پیغمبر
وقت آن آمد کان واعظک از بعد نماز	ہمچو بوزینہ بہ یکبار جہد از منبر

اسی بحر و قافیہ مین فرخی کا قصیدہ دیکھو،

رمضان رفت، و رہے دور گرفت اندر بر	خنک آن کس رمضان را بہ سزا بُرد بسر
بس گرامی بود این ماہ ولیکن چہ کنم	رفتنی رفتہ بہ، و روے نہادہ بہ سفر
رمضان گر بشد از راہ فراز آمد عید	عید فرخندہ ز ماہِ رمضان نیکوتر
گاہ آن آمد کز شادی پر گردد دل	وقت آن آمد کز بادہ گران گردد سر
بادۂ روشن و آسودہ و صافی چو گلاب	ساقی دلبر و شایستہ و شیرین چو شکر
مطربا آن غزل نغز دلاویز بیار	ورنہ دانی بشنو تا غزلِ گوئیم تر
اے دریغا دل من کان صنم سیمین بر	دل من بُرد و مرا از دل او نیست خبر
او دلے داشت گرامی و دلِ دیگر یافت	کاشکے من دلکے یافتمی نیز دگر

اسی بحر اور قافیہ مین اس کا ایک اور قصیدہ ہے، جو سراپا محاورہ اور روزمرہ ہے۔

ترکِ بت روے من، از خواب گران دارد سر	دوش مے دادہ ہست از اول شب تا بسحر
میرا پری چہرہ معشوق نیند سے سرگران ہے	کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا ہے
من بچشم او را دو بار نمودم کہ بجنب	او ہمی گفت بسر، تا بدم این دور بسر
مینے دو دفعہ آنکھ سے اشارہ کیا کہ سو رہو	لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دور تو ختم ہونے دو
شب بسر برد بہ مے دادن و ننشست و نخفت	دل من جست کہ ننشست و نخفت آن دلبر
ساری رات شراب پلانے مین گزاری: نہ بیٹھا نہ سویا	یہ میری خاطرداری تھی کہ سویا نہین اور کھڑا رہا

حیلہ سازد کہ می افزون خورد از نوبت خویش — ور تواند بخورد نوبت یاران دگر

چالاکی کرکے چاہتا ہی کہ اپنے حصے سے زیادہ پی لے اور اُسکے امکان مین ہو تو اورون کا حصہ بھی اُڑا لے

کیست آن کو؟ نہ ہدو ل بچنین خدمت دوست — کیست آن کو؟ نہ کشد بار چنین خدمت گر

مدح کے تشبیب مین فتوحات کا ذکر کرتا ہے۔

خسروِ ما بہ شکار ملکان تا ختہ بود — ما ز اندیشۂ او خستہ دل و خستہ جگر

خسرو از راہ دراز آمد با نعمت و کام — ملک از جنگ عراق آمد با فتح و ظفر

قلعہ ہا کندہ و بنشاندہ بہر شہر سپاہ — جنگہا کردہ و بنمودہ بہر جاے ہنر

دیگر

اے پسر اگر دل من کرد ہمیخواہی شاد — از لبِ بادہ بمن بوسہ ہمی باید داد

نقل با بوسہ بود، بادہ وہی نُقل بدہ — دیر گاہ است کہ این رسم نہاد آن کہ نہاد

گرہمی گوئی بوس از دگرے نیز بخواہ — تو مرا از دگران بردۂ اے حور نژاد

یہ بھی فرخی کے خصوصیات مین ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے تو اُسکا اصلی سما آنکھون کے سامنے کھینچ دیتا ہے ایک قصیدہ مین مجلس عیش کی خیالی تصویر کھینچی ہے۔

سروِ ساقی و ماہِ رود نواز — پردہ بستہ و رود شہناز
باجا — (وطن ۱۲) ایک راگنی کا نام ہے

زخمۂ رود زن نہ پست و نہ تیز — زلف ساقی نہ کوتہ و نہ دراز
یعنی سُر نہ بہت اونچے نہ بہت نیچے

مجلسے خوب خسروانی و از — از سخن چین، تہی و از غمّاز
بادشاہانہ

بوستانے ز لالہ و سوسن — ہمچو روے تو رود سینۂ باز

دوستان ساعد دیک دل	کہ توان گفت پیش ایشان راز
ماہ روے نشاندہ اندر پیش	خوش زبان و موافق و دمساز
جعد [زلف] او بر پرند [یعنی چہرہ] کشتی گیر	زلفِ او بر حریر چوگان باز
بادۂ چون گلاب روشن و تلخ	ماندہ در خُنم زگاہِ [وقت] آدم باز
از چنین مجلس و چنین بادہ	ہیچ زاہد مرا ندارد باز

سلطان محمود نے ایک باغ بڑے سروسامان سے تیار کرایا تھا، گلہاے رنگ رنگ کے تختہ زار، جابجا جدولین، دوطرفہ سرو شمشاد، ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اُس مین رنگ برنگ کی مچھلیان کانون مین موتی کے آویزے پہنے تیرتی پھرتی تھین، تصویر خانہ مین محمود کی مجسّم تصویرین، کہین برچھا ہات مین لیے ہوے شکار کھیل رہا ہے، کہین بزم عیش مین بیٹھا ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے، **فرخّی** اس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے۔

بہ فرخندہ فال و بہ فرخندہ اختر	زنو باغ میخواست شاہِ مظفر
درو مسکنِ ماہرویانِ مجلس	درو خانۂ شیر گیرانِ لشکر
کُجا [ہرجا] جاے بزم است گلہاے بیحد	کجا جاے صید است مرغانِ بیمر [بیشمار]
روان گرد بر گردِ رعنا درختان	تدروان آموختہ مادہ و نر
یکے کاخ شاہانہ اندر میانش	سرِ کنگرہ بر کنارِ دو پیکر
بہ کاخ اندرون صُفّہاے مصفّا	در صُفّہا ساختہ سوے منظر

یکے ہمچو دیباے چینی منقش
یکے ہمچو از زنگ مانی مُصوّر

نگاریده در چند جام مُصوّر
شہ شرق را اندران کاخ پیکر
(سلطان محمود)

بیکجاے در صید، در دست تزوین (نیزه)
بیک جاے در بزم، بر دست ساغر

ازان کاخ فرخ چو اندر گزشتی
یکے رود، آب اندرو ہمچو شکر
(نہر)

نہ چرخ است و اجزاے او چون ستاره
نہ ابر ست و آواے او ہمچو تندر
(آواز)

اگر بگزرد بر سرش مرغ موجش
بیالاید اندر ہوا مرغ را پر

بدنیسان بہ باغ اندران تند رودے (نہر)
یکے ژرف دریا مر آن را برابر

بدو اندران ماہیان چون عروسان
بگوش اندرون پر گہر حلقۂ زر

مکانے بر آورده پہلوے دریا
بدان، تا بران می خورد شاہ صفدر

یمین دُوَل شاه محمود غازی
امین مِلَل خسرو بنده پرور

ابوالمظفر چغانی کے دربار مین جب اسنے جانا چاہا ہے تو راه مین بہت صعوبتین پیش آئین، قصیده مین تمام حالات تفصیل سے بیان کئے ہین، اور دیکھو مدح کی تمہید کا پہلو کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہی،

بہ ہے صعب، و شبے تاریک و تیره
ہوا چون قیر و دہا مون مقیّر

ہوا اندوده رُخساره بدوده (سیاہی)
سپہر آراستہ چہره بہ گوہر

گمان بُردی کہ باد اندر پراگند
بروے سبز دریا برگ عبہر
(یعنی آسمان یعنی ستارے)

مجرّه چون بہ دریا راه موسے (کہکشان، رود نیل)
کہ اندر قعر او بگزشت لشکر

زمانے رفت دسر بر زدمہ از کوہ | برنگ روے مہجوران مزعفر
بہ ریگ اندر ہمی شد پارۂ تازان | چو در غرقاب مرد آشنا در
تکم مالان بہ ہامون در ہمی رفت | شدہ ہامون بزیر آن مقعّر
دمندہ اژدہاے پیش آمد | خروشان وبے آرام وزمین در
گرفتہ دامن خاور بدنبال | نہادہ برکرانِ باختر سر
بہ بارانِ بہاران گشتہ فربہ | بگرماے حزیران گشتہ لاغر
میح شاہ برجیحون بخواندم | برآمد بانگ از آب اللہ اکبر
کہ من شاگرد کشتی را دادیم | کہ تو وحشی ہمی برخوانی از بر
بفرشاہ از جیحون گزشتم | یکے موے از تن من ناشدہ تر
دزان جا تابدین درگاہ گفتی | کشادستند مر فردوس را در
ہمہ بالا پُر از دیباے رومی | ہمہ پستی پُر از کالاے شُشتر
توگفتی ہیکل زردشت گشتہ است | زبس لالہ ہمہ صحرا سراسر

فرخی نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے بھی یہ صفت موجود تھی لیکن سیکڑوں گوناگوں واقعات کو نہایت بے تکلفی اور برجستگی سے ادا کر کے اسنے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کردی، اور آیندہ نسلوں کے لیے راستہ صاف کردیا، اکثر قصیدوں میں فتوحات کے حالات لکھتا ہے، اور معلوم ہوتا ہی۔

له بے کی سی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور یہ قدما کی زبان ہی۔

کہ ایک مورخ بے کم و کاست ٹھیک حالات لکھتا جاتا ہے، سومنات کی فتح مین جو قصیدہ لکھا ہے، اسمین ایک ایک مقام کا نام اور اسکا حال بیان کیا ہے۔

گمان کہ برد؟ کہ ہرگز کسے ز راہ طراز
بہ سومنات برد لشکر و چنین لشکر
کسکو خیال تھا کہ کوئی شخص طراز کی راہ سے
سومنات پر فوج لیجا سکتا ہے اور فوج بھی ایسی فوج

ہوائے آن دژم و باد آن چو دودِ جحیم
زمین آن سیہ و خاک آن چو خاکستر
راستے مین ہوا ایسی خراب جیسے دوزخ کا دھوان
زمین بالکل سیاہ، اور خاک جیسے راکھ

ہمہ درخت، درمیانِ درخت خارکشن
نہ خار بلکہ سنان خلندہ و خنجر
تمام جھاڑیان اور جھاڑیون کے کانٹے
کانٹے نہین بلکہ چبھنے والی برچھیان اور خنجر

نہ مرد را سرِ آن کاندران نہادے پے
نہ مرغ را دلِ آن کاندران کشادے پر
نہ آدمی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ قدم رکھے
نہ پرند کو یہ ہمت ہوتی تھی کہ اُڑ سکے،

عجیب تر اینکہ ملک را ہمی چنین گفتند
کہ اندرین رہ مار دو سر بود بیمر
سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ کہ لوگون نے بادشاہ سے کہا تھا
کہ اس راہ مین دو موتہے سانپ بے شمار ہین

بہ شب چو خفتہ بود مرد سر برآرد مار
ہمی کشد نفس خفتہ تا برآید خور
آدمی جب رات کو سو جاتا ہے تو یہ سانپ نکلتے ہین
اور دھوپ نکلنے تک پھنکار مارتے ہین

چو خور برآمد و گرمی بہ مردِ خفتہ رسد
سبک نگردد ازان خواب تا گہ محشر
جب آفتاب نکل آتا ہے اور آدمی کے بدن کو گرمی پہنچتی ہے
تو آدمی ٹھنڈا ہو کر رہجاتا ہے اور قیامت تک اُٹھ نہین سکتا

بدین درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد
گزشت شاہ بتوفیق خالق اکبر

ایسے سخت اور خراب راستہ سے جسکا مین نے بیان کیا — بادشاہ خدا کی توفیق سے گزر گیے

بزد زبہر پس ماندگان و گم شدگان — میان بادیہ ہا حوضہاے چمن کوثر

پیچھے رہ جانے والون کے سیئے — جنگل مین حوض تیار کرادیے تھے

بدان رہ اندر چندین حصار و شہر بزرگ — خراب کرد، وبکند اصل ہر یک از بن و بر

سیکڑون قلعے اور شہر جو راہ مین پڑے — برباد کر دیے اور اُنکی جڑ کھود کے پھینکدی

نخست لاردہ کز روے برج دبارۂ او — چو کوہ کوہ فرو ریخت آہن و مرمر

پہلا قلعہ لاردہ تھا، جسکے برج اور دیوار سے — پہاڑون کے برابر لوہا اور پتھر برستا تھا

چہ مندھیر کہ در مندھیر حوضے بود — چنانکہ خیرہ شدے اندرو دو چشم فکر

ور مندھیر کا کیا کہنا، جسمین ایک ایسا حوض تھا — جسکو دیکھکر عقل کی آنکھون کو چکاچوند لگجاتی تھی

فراخ پہنا حوضے بہ صد ہزار عمل — ہزار تبکدۂ خرد گرد حوض اندر

نہایت چوڑا حوض جسمین ہزارون کاریگریان کام مین آئین — ایک ہزار چھوٹے چھوٹے بتخانے اُسکے اندر تھے

یکے حصار قوی بر کران شہر ودرو — زبہت پرستان گرد آمدہ یکے محشر

شہر کے کنارے پر ایک قلعہ تھا، — جسمین بت پرست ٹھٹ کے ٹھٹ اکٹھے تھے

فریضہ ہر روز آن سنگ را شستندے — بہ آب گنگ و بہ شیر و بزعفران و شکر

اُس بت کو لازمی طور پر ہر روز — گنگا کے پانی اور دودھ اور زعفران اور شکر سے دھلوتے تھے

شکار مین قمرغہ کا طریقہ، ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ یعنی کسی بڑے جنگل مین جہان کثرت سے شکاری جانور ہوتے تھے، چارون طرف آدمیونکی صفون کو پھیلا کر، ایک

بڑا حلقہ قائم کر لیتے تھے، پھر حلقہ کو تبدریج چھوٹا کرتے جاتے تھے یہانتک کہ دو چار میل کی وسعت رہ جاتی تھی، اور تمام جانور سمٹ کر اتنی ہی دور مین آ جاتے تھے پھر ہر طرف سے اسپر حملے ہوتے تھے، اکثر مارے جاتے، بہت سے زندہ بھی گرفتار ہوتے، سلطان محمود بھی اس طریقے سے اکثر شکار کھیلا کرتا تھا، فرخی نے ایک قصیدہ مین اسکا سماد کھایا ہی،

اے ز جنگ آمدہ و روے نہادہ بہ شکار | تیغ و تیر تو ہمے سیر نگر دیدہ ز کار
ہر چہ در ایران پرندہ، دو و دامی بود | ہمہ را گرد بہم کردی در یک دیوار
گرد ایشان پرہ (زلف ۱۲) بربستی مانند عقاب | زان برون رفت ندانست یک از ہیچ کنار (رفتن ۱۲)
در دویدند سوے تو بہ قطار از سر کوہ | باز گشتے در دامن کہ شان بہ قطار
بامدادان ہمہ کہسار پُر از وحشی بود | شامگاہان ہمہ پرداختہ (خالی ۱۲) بود از کہسار
در زمانے، ہمہ آن دشت ز خون دد و دام | لعل کردے چو گلستانے ہنگام بہار
خواہی من کہ بجا ماند ہستے (زندہ ہوتا ۱۲) بہرام امروز | تا بدیدے و بیاموختے از شاہ شکار

واقعہ نگاری کا انداز فرخی پر اسقدر غالب ہے کہ قصائد کی تشبیب مین جو در اصل غزل ہوتی ہی، یہ انداز قائم رہتا ہے، مثلاً ایک قصیدہ کی تشبیب مین لکھتا ہی۔

دوش متواریک بہ وقت سحر (چھپ کر) | اندر آمد بہ خیمہ آن دلبر
چنگ در بر گرفت و خوش بنواخت | وازدو بسّد (یاقوت) فرو فشاند شکر
پنج شش جام خورد و پر گل گشت | روے آن روے نیکوان یکسر (افسر ۱۲)
مست گشت و ز بہر خفتن ساخت | خویشتن را کنار من بستر (خوبصورت ۱۲)

زلف مشکین بروے در پوشید	دست من زیر کرد و زلف زبر
زلف او را بدست بگرفتم	زنخ گرد او بہ دست دگر
راست گفتی گرفتہ بُد چاکر	گوی و چوگان شہ بدست اندر

دیکھو تشبیب سے مدح کی تمہید کس خوبی سے پیدا کی ہے۔

فرخی سے پہلے مرثیہ کے اشعار بہت کم پائے جاتے ہین، اور جسقدر ہین معمولی درجہ کے ہین، لیکن فرخی نے سلطان محمود کا جو مرثیہ لکھا، وہ نہ صرف پُر درد اور پُر تاثیر ہے بلکہ اس فن کے تمام اُصول اور آئین اس سے قائم ہو سکتے ہین،

مرثیہ گوئی کے بڑے اُصول تین ہین۔

۱۔ ممدوح کی عظمت و شان کا ذکر کیا جائے تاکہ اُس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اس پایہ کا شخص اُٹھ گیا۔

۲۔ اسکے مرنے سے ملک مین جو رنج و ماتم برپا ہے، اسکا ذکر کیا جائے۔

۳۔ اُسکو مخاطب کرکے ایسے خیالات ظاہر کیے جائین جس سے یہ ثابت ہو کہ انتہاے وارفتگی اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ کہنے والے کو اُس کے مرنے کی بھی خبر نہین، اور وہ ابتک اُسکو اسی طرح مخاطب کرکے باتین کرتا ہے جس طرح زندگی مین کرتا تھا

فرخی کے مرثیہ مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، اسکے ساتھ الفاظ، بندش، اور طرز ادا اسقدر موثر ہے کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے۔

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار	چہ فتاد است کہ امسال دگرگون شدہ کار

غزنین اب وہ نہین ہی جو مینے پار سال دیکھا تھا

کو بہا بینم پر شورش و سرتا سر کوے

دیکھتا ہون کہ تمام گلیو نمین شور برپا ہی اور اس سرے اس سرے تک

مہتران بینم بر روے زنان ہیچو زنان

بڑے بڑے سردار عورتون کی طرح مُنھ پیٹ رہے ہین

ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا

شاید اس سال بادشاہ جہاد سے واپس نہین آیا

سیرے خوردہ مگردی، کہ بخفتہ ست امروز

غالبًا رات بہت شراب پی گیا اسلیئے ابتک سو رہا تھا

خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند

اے بادشاہ اُٹھ! بادشاہون کے قاصد آئے ہین

کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا

کس کی طاقت ہی کہ تجکو اس نیند سے جگا سکے

خفتن بسیار اے خواجہ خوے تو نبود

اے آقا! دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی

یکدمک بارے در خانہ بایست نشست

ذرا دیر تو تجکو دربار مین آکر بیٹھنا چاہیے تھا

اس سال کیا پیش آیا کہ وہ حالت بالکل بدل گئی

ہمہ پُر جوشن و جوشن در او پُر خیل و سوار

جوشن پوش گھوڑون اور سوارون کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہین

چشمہا کردہ ز خون نابہ برنگ گلنار

اور اُنکی آنکھین خون سے رنگین ہو گئی ہین

دشمنے روے نہادست درین شہر و دیار

اس وجہ سے ملک مین کوئی دشمن آپہنچا ہے

دیر تر خاست مگر رنج رسیدش ز خمار

چونکہ خمار کی تکلیف ہی، اسلیئے آج دیر مین اُٹھے گا

ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار

جو کثرت سے ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہین

خفتنی خفتئی. کز خواب نگردی بیدار

تو ایسی نیند سویا کہ اب پھر نہ جاگے گا

ہیچ کس خفتہ ندیدہ است ترا زین کردار

کسی نے اس طرح تجکو سوتے نہین دیکھا تھا

تا بدیدندے روے تو عزیزان و تبار

کہ عزیز اور قریب تیرا چہرہ دیکھ لیتے

بحصار از فزع و بیم تو رفتند شہان		تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بحصار؟
تیرے ڈر سے تو تمام سلاطین قلعون مین بھاگ کر چھپ گئے		تو کس کے ڈر سے قلعہ مین بھاگ کر چھپا ہے
شعرا را بہ تو بازار برافروختہ بود		رفتی و با تو بہ یکبارہ برفت آن بازار
تیرے دم سے شاعرون کا بازار گرم تھا		تو گیا، اور وہ بازار بھی جاتا رہا

صنائع شاعری مین ایک چیز تلمیح یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہی، فرخی اس صنعت کا استعمال نہایت خوبی سے کرتا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت مین گیہون کھالیا تو اُنکے بدن کے کپڑے خودبخود اُتر گئے اور وہ بالکل برہنہ رہ گئے، فرخی نے اس واقعہ سے خزان کی تعریف مین مضمون پیدا کیا،

اگر درخت شگوفہ گناہِ آدم کرد		کہ از لباس چو آدم ہمی شود عریان

نوشیروان نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی ایوان شاہی مین ایک زنجیر لٹکا دی تھی کہ جس کسی کو کچھ شکایت ہو وہ زنجیر آکر ہلادے، زنجیر کے ہلنے کے ساتھ وہ کسی حالت مین ہوتا، باہر نکل آتا تھا، دیکھو فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

من چو مظلومان، از سلسلۂ نوشیروان		اندر آویختہ زان سلسلۂ زلفِ دراز

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے تخت پہ بیٹھ کر سیر کیا کرتے تھے فرخی نے اس سے تشبیہ کا کام لیا،

پے بازیِ گوے شد خسرو		بر یکے تازی اسپ کہ پیکر

	راست گفتی بہ بادٔ برجہم بود		گر بود بادر استام بہ زر	

حضرت موسیٰ جب رود نیل پر پہنچے تو دریا بیچ مین سے پھٹ کر سیدھی سڑک نکل آئی جس سے تمام نبی اسرائیل پار اُتر گئے، فرخی کہکشان کی تعریف مین کہتا ہی۔

	معجزہ چون بدریا راہ موسیٰ		کہ اندر قعرِ او بگزشت لشکر	

صنائع وبدائع، عارض سخن کے داغ ہین تاہم چونکہ اُس زمانہ مین انکا رواج عام ہو چکا تھا، فرخی کے کلام مین بھی یہ داغ پائے جاتے ہین لیکن چندان بدنما نہین معلوم ہوتے، لف ونشر اور صنعت تقسیم کو ایک قصیدہ مین جمع کیا ہی۔

در رگ واندر تن واندر دل واندر دو چشم
خواب وصبر وروح وخون راے مرا فتاد انقلاب
رنج دارد جاے خون و درد دارد جاے روح
عشق دارد جاے صبر وآب دارد جاے خواب
ہشت چیزِ او برد از ہشت مایہ ہشت چیز
سال ومہ این ہشت چیزش را ہمین است اکتساب
حلم او سنگِ زمین وطبع او لطف ہوا
روے او دیدار ماہ دوست او جودِ سحاب
رسم او حسن بہار ولفظ او قدر شکر
خلق او باز ار مشک وخوے او بوے گلاب

هشت چیزش را برابر یافتم با هشت چیز
هر یکے زان هشت سوے فضل او دارد آب
تیغ او را با قضا و تیر او را با قدر
اسپ او را با سپهر و خشتِ او را با شهاب
حزم او را با امان و عزم او را با ظفر
لفظ او را با قرآن و حفظ او را با کتاب

صنعتِ سوال وجواب،

بریخت که؟ گل سوری، چه ریخت؟ برگ، چرا؟
ز هجر لاله کجا رفت لاله؟ شد پنهان
ازان چه خیزد؟ دُرّ و ازین چه خیزد؟ زر
سخا که ورزد؟ این و عطا که بخشد؟ آن

فردوسی

حسن بن اسحاق بن شرف نام، اور فردوسی[1] تخلص تھا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ کہین کہین وہ اپنا تخلص ابن شرف شاہ بھی لاتا ہے، مجالس المومنین مین بعض مورخون کے حوالہ سے اسکے باپ کا نام منصور بن فخر الدین احمد بن مولانا فرخ بیان کیا ہے وطن مین بھی اختلاف ہے، چہار مقالہ مین ہے کہ طبرستان کی نواحی مین باژ نام ایک گاؤن تھا فردوسی یہین کا رہنے والا تھا، دیباچۂ شاہنامہ، مین گاؤن کا نام شاداب لکھا ہے، بہر حال اسقدر عموماً مسلّم ہے کہ فردوسی کا وطن طوس کے اضلاع مین تھا، اور یہ وہی مردم خیز صوبہ ہے جس کی خاک نے امام غزالی، اور محقق طوسی پیدا کئے۔

فردوسی کا وطن

سنہ ولادت معلوم نہین، البتہ سال وفات ۴۱۱ھ ہی، اور چونکہ عمر کم از کم ۸۰ برس کی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد	امیدم بیکبارہ بر باد شد

[1] فردوسی کا حال، تمام تذکرون مین بتفصیل مذکور ہی لیکن سب مین باہم سخت اختلاف ہی، ان مین سب سے زیادہ قابل اعتبار چار مقالہ ہے، جسکا مصنف خود نامور شاعر اور فردوسی سے قریب العہد ہے تاہم اسمین بھی سخت غلطیان ہین۔ تیمور کے پوتے بای سنقر نے فضلاے شاہنامہ پر جو دیباچہ لکھوایا تھا، اسمین فردوسی کی مفصل سوانح عمری ہی لیکن بعض واقعات ایسے لغو لکھے ہین کہ اعتبار اٹھ جاتا ہے، دولت شاہ سمرقندی نے بھی کسی قدر تفصیل سے حالات لکھے ہین اور وہ بھی غلطیون سے خالی نہین، عربی مصنفین مین سے صرف قزوینی نے آثار البلاد مین اسکا حال لکھا ہی مین نے ان سب مین سے واقعات لیے ہین، لیکن جابجا انکی غلطیون کی بھی تصریح کر دی ہے۔

اِسلیئے سال ولادت تقریباً ۳۲۹ھ سمجھنا چاہیئے۔

فردوسی کی ولادت

فردوسی جب پیدا ہوا تو اسکے باپ نے خواب مین دیکھا کہ نوزائیدہ بچے نے کوٹھے پر چڑھ کر نعرہ مارا، اور ہر طرف سے لبیک کی صدائین آئین، صبح کو جاکر نجیب الدین سے جو اُس زمانہ کے مشہور معبّر تھے، تعبیر پوچھی اُنھون نے کہا، یہ لڑکا شاعر ہوگا اور اسکی شاعری کا غلغلہ تمام عالم مین پھیلیگا، سن رشد کو پہنچکر تحصیل علوم مین مشغول ہوا اور تمام درسی علوم حاصل کیئے، چونکہ آبائی پیشہ زمینداری تھا، اور جس گاؤن مین سکونت تھی خود اسکی مِلک مین تھا، اِسلیے معاش کی طرف سے فارغ البال تھا[۱]، وہ اطمینان کے ساتھ علمی مشغلون مین بسر کرتا تھا اور کتب بینی کیا کرتا تھا۔

شاہنامہ کی ابتدا اور دربار مین رسائی

یہ واقعہ جسقدر قطعی ہے اُسیقدر اسکی تفصیل مین اختلاف ہے عام روایت یہ ہے کہ فردوسی دادرسی کے لیے محمود کے دربار مین گیا، یہان اسکی شاعری کا جوہر کُھلا، اور شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہوا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، فردوسی نے خود بیان کیا ہے کہ شاہنامہ کی تصنیف مین ۳۵ برس صرف ہوئے۔

سی و پنج سال از سرائے سپنج	بسے رنج بردم بامید گنج
چو برباد دادند گنجِ مرا	نبد حاصلے سی و پنج مرا

اور سلطان محمود کی کل مدت سلطنت ۳۱ برس ہی۔

شاہنامہ کے دیباچہ مین فردوسی نے خود جو سبب تصنیف بیان کیا ہی اُس سے

[۱] چہار مقالہ صفحہ ۶

بھی اِس روایت کی تکذیب ہوتی ہے، اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار مین پہنچنے سے بہت پہلے وہ شاہنامہ شروع کرچکا تھا تفصیل ان واقعات کی، شاہنامہ کے سبب تصنیف مین آگے آئیگی۔

شاہنامہ کی ابتدا

بہرحال اسقدر یقینی ہے کہ فردوسی نے وطن ہی مین شہنامہ کی ابتدا کی اور ابومنصور نے جو طوس کا صوبہ دار تھا، اسکی سرپرستی کی، ابومنصور کے مرنے کے بعد طوس کا عامل سلان خان مقرر ہوا چونکہ شاہنامہ کا اب ہر جگہ چرچا پھیلتا جاتا تھا، سلطان محمود کو بھی خبر ہوئی، سلان خان کے نام حکم پہنچا کہ فردوسی کو دربار مین بھیجدو، فردوسی نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر شیخ معشوق کی پیشین گوئی یاد آئی، اِس لیے راضی ہوگیا اور طوس سے چلکر ہرات مین آیا لیکن ادھر دراندازیان شروع ہوگئین، دربار کا میرمنشی بدیع الدین دبیر تھا، اسی نے عنصری سے کہاکہ بادشاہ کو مدت سے شاہنامہ کی تصنیف کا خیال تھا لیکن دربار کے شعرا مین سے کسی نے اس کی ہامی نہین بھری اب اگر فردوسی سے یہ کام بن آیا تو تمام شعراے دربار کی آبرو خاک مین ملجائے گی، عنصری نے کہا بادشاہ سے یہ تو نہین کہا جاسکتا کہ فردوسی کو اُلٹا پھیر دیجئے، لیکن اس کی اور تدبیر کرنی چاہیے، چنانچہ فردوسی کے پاس ایک قاصد بھیجا[1] کہ یہان کا قصد بیفائدہ ہے سلطان کو یون ہی ایک خیال پیدا ہوا تھا جسکی بنا پر آپ کی طلبی کا حکم صادر ہوا لیکن اس دن سے آج تک پھر کبھی ذکر تک نہین آیا، اسلیئے حقیقت واقعہ سے آپ کو اطلاع دیدی گئی، فردوسی نے ہرات سے واپس جانا چاہا، لیکن ساتھ ہی

[1] دیباچہ نویسون نے عنصری کے ساتھ رودکی کا نام بھی لکھا ہے لیکن رودکی اس سے پہلے ۳۰۴ھ مین مرچکا تھا۔

خیال پیدا ہوا کہ شاید اسمین کچھ بھید ہو۔ اتفاق سے عنصری اور بدیع الدین دبیرمین شکر رنجی پیدا ہوئی عنصری نے فردوسی کو جو خط لکھا تھا، بدیع الدین ہی کے مشورہ سے لکھا تھا، اب بدیع الدین نے فردوسی کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً اُدھر کا عزم کیجئے عنصری نے جو لکھا خودغرضی سے لکھا تھا۔ فردوسی نے خط کے جواب مین لکھ بھیجا کہ مین آتا ہون۔ یہ اشعار بھی خط مین درج کئے

بگوشش از سروشم بسے مژدہ ہاست	دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد بہ میزان من عنصری	گیا چون کند پیش گلبن سرے

غرض ہرات سے چلکر غزنین مین آیا اور ایک باغ کے قریب ٹھہرا، وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی، شہر مین جن لوگون سے راہ ورسم تھی اُنکو اپنے آنے کی اطلاع دی، چلتا پھرتا باغ مین جانکلا حسن اتفاق سے دربار کے ممتاز شعرا یعنی عنصری، فرخی، عسجدی باغ مین سیر کو آئے تھے، اور بادہ و جام کا دور چل رہا تھا، فردوسی اُدھر جانکلا، حریفون نے اسکو مخل صحبت سمجھکر روکنا چاہا، ایک نے کہا کہ اسکو چھیڑا جائے تو خود تنگ آکر چلا جائیگا، عنصری نے کہا، یہ تہذیب اور آدمیت کے خلاف ہے آخر رائے قرار پائی کہ رباعی کا ایک مصرع طرح کیا جائے سب اپنی طبع آزمائی کرین اگر یہ بھی مصرع لگائے، تو شریک صحبت کر لیا جائے ورنہ خود شرمندہ ہوکر اُٹھ جائیگا۔

عنصری نے ابتدا کی اور کہا ع چون عارض تو ماہ نباشد روشن۔

فرخی نے کہا۔ مانند درخت گل نبود در گلشن۔ شعرا کا معرکہ

عسجدی نے کہا۔ مژگانت ہمی گزر کند از جوشن ۔

قافیون مین شین کا التزام تھا اور اس التزام کے ساتھ کوئی شگفتہ، قافیہ باقی نہین رہا تھا فردوسی نے برجستہ کہا ع مانند سنان گیو در جنگ پشن،

سب نے گیو اور پشن کی تلمیح پوچھی، فردوسی نے تفصیل بیان کی، اُسوقت تو سب نے اسکو شریک صحبت کرلیا، لیکن رشک اور حسد، ایشیائی قومون کا خاصہ ہی، سب نے سازش کی کہ فردوسی دربار تک نہ پہنچنے پائے[1]

بعض روایتون مین ہے کہ یہ مشاعرہ خود سلطان محمود کے دربار مین ہوا تھا۔

سلطان محمود کے ندیمون مین ماہک نام ایک شخص صاحب مذاق تھا، اُس سے ہین باغ مین ملاقات ہوگئی تھی، فردوسی کی شیرین زبانی اور قابلیت دیکھکر گرویدہ ہوا اور اپنے گھر مین لاکر رکھا، کھانے کے بعد فردوسی سے اسکا حال دریافت کیا، اُس نے اپنی ساری داستان بیان کی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان نے شاہنامہ کی تصنیف کا حکم دیا تھا اور سات شاعر یعنی عنصری، فرخی، زینی، عسجدی منجیک چنگ زن خرّمی، ابوبکر، اسکاف، ترمذی اس کام کے لیے انتخاب ہوے تھے۔

ماہک نے فردوسی سے شاہنامہ کی تصنیف، اور شعرا کے انتخاب کا ذکر کیا

[1] یہ دیباچہ شاہنامہ کی روایت ہی دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس امتحان کے بعد عنصری نے فردوسی کی تحسین کی اور خود دربار شاہی مین اسکو لیجاکر پیش کیا۔

فردوسی نے کہا، مین بھی شعر کہتا ہون موقع ہو تو دربار مین میرا بھی ذکر کر دینا، ماہک نے اسی دن دربار مین جاکر فردوسی کی تقریب کرنی چاہی لیکن موقع نہ ملا اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا، ایک دن ماہک نے دربار سے آکر بیان کیا کہ آج تمام شعرا دربار مین حاضر تھے اور شاہنامہ کی مختلف داستانین سنائی جارہی تھین، عنصری نے رستم و سہراب کی داستان نظم کی تھی، جب یہ دو شعر پڑھے۔

دربار مین پہنچنے کی تقریب

ہر آنگہ کہ تشنہ شدی تو بخون	بپالودی این خنجر آب گون
زمانہ بخون تو تشنہ شود	بہ اندام تو موے دشنہ شود

تو سلطان محمود نے نہایت پسند کیا، اور حکم دیا کہ عنصری ہی اس خدمت کے لیے مقرر کیا جائے، فردوسی اُسوقت چُپکا ہو رہا اور خود یہ داستان نظم کرنی شروع کی، رات کو جب معمول کے موافق کھانے پر بیٹھے تو فردوسی نے کہا عنصری سے پہلے شعرا نے رستم و سہراب کی داستان نظم کی ہے چنانچہ خود میرے پاس ایک نظم موجود ہے جسکے آگے عنصری کے اشعار کی کچھ حقیقت نہین، یہ کہکر نظم حوالہ کی، سرنامہ تھا۔

کنون خورد باید مے خوشگوار	کہ می بوے مشک آرد از جویبار
ہوا پُر خروش و زمین پر ز جوش	خنک آنکہ دل شاد دارد بہ نوش
ہمہ بوستان زیر برگ گل است	ہمہ کوہ پر لالہ و سنبل است

ماہک نے سلطان محمود کی خدمت مین جاکر تمہید کے ساتھ پیش کی محمود نے پوچھا کہ یہ جوہر کہان سے ہاتھ آئے ماہک نے فردوسی کا نام لیا، اُسی وقت طلبی ہوئی، محمود نے نام و نشان

پوچھا، فردوسی نے کہا طوس کا باشندہ ہون محمود نے اس کے حالات پوچھے، اور اسی سلسلہ مین پوچھا کہ طوس کب سے آباد ہے اور کسنے آباد کیا، فردوسی نے تفصیل سے تمام واقعات بیان کیے، محمود نے شعراے سبعہ کو بلوایا اور فردوسی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ رستم و سہراب کی داستان اسی نے نظم کی ہے فردوسی نے اس کے اشعار سنائے تو سب حیرت زدہ رہ گئے، محمود نے خلعت عطا کیا، شعرا نے تحسین کی صدا بلند کی، عنصری نے بڑھ کر، فردوسی کے ہات چوم لیے اس زمانہ مین امرد پرستی عیب نہین سمجھا جاتا تھا، محمود نے فردوسی سے فرمائش کی کہ ایاز کے سبزۂ خط کی تعریف مین کچھ کہے، فردوسی نے برجستہ کہا۔

بدیہہ گوئی کا امتحان

مست است بتا چشم تو و تیر بدست	بس کس کہ ز تیر چشم مست تو بخست
گر پوشد عارضت زرہ، عذرش ہست	کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ ز مست

یعنی معشوق کی آنکھین مست اور تیر بکف ہین، ان تیرون نے ہزارون کے دل چھلنی کر دیے ہین اسلیئے اُن سے بچنے کے لیے رخسارون نے زرہ پہن لی ہے رخط کو زرہ سے تشبیہ دی ہے) کیونکہ مست سے سبھی ڈرتے ہین، خصوصاً جب اُس کے ہاتھون مین تیر ہو۔

شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد ہوئی

محمود نہایت محظوظ ہوا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ فردوسی کو ایوان شاہی کے قریب ایک مکان دیا جائے جو تمام ضروری ساز و سامان سے آراستہ ہو، اور آلات جنگ، اسلحۂ حرب، شاہان عجم اور بہادرون کی

پہلوانون کے مرقعون اور تصویرون سے سجادیا جائے، ایک ایک شعر پر ایک ایک اشرفی صلہ مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ جب ہزار شعر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیان دیدیجا یا کرین، لیکن فردوسی نے متفرق رقم سے انکار کیا، اور کہا کہ جب کتاب پوری ہو جائیگی تو ایک ساتھ لونگا۔

فردوسی جب وطن مین تھا تو اکثر ایک چشمہ کے کنارے بیٹھا کرتا، اور آب روان کی سیر سے لطف اُٹھاتا، چشمہ کے اوپر بند تھا جو برسات کے زمانہ مین ٹوٹ جاتا تھا، اور اس وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا تھا، فردوسی کی طبیعت اس سے مکدر ہوتی تھی، قصد کیا کہ بند کو پختہ کرادے، لیکن اتنا مقدور نہ تھا، شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو نیت کی کہ جو کچھ صلہ ملے گا بند کی تیاری مین صرف کرونگا، یہ وجہ تھی کہ اُسنے شاہنامہ کا صلہ متفرق طور پر لینا پسند نہ کیا۔

فردوسی نے متصل ۴ سال تک غزنین مین قیام کیا، اور شاہنامہ کی تصنیف مین مصروف رہا، پھر وطن گیا اور کئی برس رہ کر واپس آیا[۱]، اس اثنا مین جو حصہ طیار ہو چکا تھا، محمود کے حضور مین پیش کیا اور تحسین وآفرین کے صلے حاصل کئے۔

شاہنامہ کی تصنیف کے بیسوین سال جبکہ اسکی عمر ۶۵ برس کی تھی، اسکے جوان بیٹے کا انتقال ہوگیا، فردوسی کو سخت رنج ہوا، چنانچہ اس واقعہ کا ذکر شہنامہ مین کیا ہے۔

اثنائے تصنیف مین بیٹے کا انتقال

اگر بہرہ گیرم از بند خویش	بر اندیشم از مرگ فرزند خویش

[۱] دولت شاہ۔

زبد ہا تو بودی مراد ستگیر		چرا راہ جستی زہمراہ پیر	
مگر ہمرہانِ جوان یافتی		کہ از پیش من تیز بشتافتی	
جوان راچو شد سال برسی وہفت		نہ بر آرزو یافت گیتی و رفت	
ہمی بود ہموارہ با من دُرشت		بر آشفت و یکبارہ بنمود پشت	
مرا شصت و پنج و ورا سی وہفت		نپرسید ازین پیر و تنہا برفت	

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے کہ **فردوسی** کو اُسکی اعجاز بیانی کی داد نہین ملی یعنی جب شاہنامہ تیار ہوا تو اُسکو اشرفیون کے بجائے روپے دلوائے گئے۔

فردوسی کی ناکامی اور اسکا سبب

یہ واقعہ عموماً مسلم ہے، لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے ہین اور سب باہم متناقض ہین۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ چونکہ فردوسی نے **ایاز** کی طرف کبھی رُخ نہین کیا اسلیے اُسنے دراندازی کی اور محمود کو یقین دلایا کہ فردوسی رافضی ہے، نظامی عروضی کا بیان ہے کہ دربار کا بڑا گروہ وزیر اعظم حسن **میمندی** کا مخالف تھا اور چونکہ فردوسی کا مربی اور سرپرست وہی تھا اِسلیے اُسکی ضد پر اِس گروہ نے محمود کے کان بھرے اور فردوسی کو معتزلی اور رافضی ثابت کیا، دیباچہ مین ہے کہ فردوسی کو خود حسن میمندی نے تباہ کیا جسکی وجہ یہ تھی کہ غزنین اور اطراف و جوانب کے امرا فردوسی کو طرح طرح کے تحفے بھیجتے تھے، فردوسی بھی اشعار کے ذریعہ سے اُنکا شکریہ ادا کرتا تھا حسن کو یہ ناگوار معلوم ہوتا تھا، لیکن فردوسی کچھ پروا نہین کرتا تھا اور کہتا تھا۔

	من بندہ کز مبادی فطرت نبودہ ام	مائل بہ مال ہرگز وطامع بجاہ نیز	
	سوے در وزیر چرا ملتفت شوم	چون فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز	

حسن میمندی مذہبًا خارجی تھا اور فردوسی شیعہ، اسلیے بھی اسنے فردوسی کی مخالفت کی، ان متناقض روایتون مین سے کسپر اعتبار کیا جائے ۔ [۱]

دیباچہ نویسون نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے اور اُسپر اُن کو ناز ہے، وہ یہ کہ فردوسی نے شاہنامہ مین جابجا شرافتِ نسب کو بڑی آب وتاب سے لکھا ہے، اور یہ سلطان محمود کو اسوجہ سے ناگوار ہوتا تھا کہ وہ غلام زادہ تھا اسلیے شرافت کی خوبی پر زور دینا، گویا در پردہ اسپر چوٹ تھی۔

[۱] سلطان محمود کی مدت حکومت مین تین شخصون کو وزارت کا رتبہ ملا، سب سے پہلے فضل ابن احمد ابن منصب ممتاز ہوا وہ ابتدا مین سامانی خاندان کا نائب میرمنشی تھا۔ پھر سبکتگین کے دربار مین وزارت کے رتبہ پر پہنچا، سبکتگین کے بعد، سلطان محمود نے اسکا عہدہ بحال رکھا، علم وفن سے عاری تھا لیکن مہمات سلطنت کے انتظام مین خداداد ملکہ رکھتا تھا، دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے رقابت کی بناپر معزول کر دیا، اسکے بعد حسن میمندی وزیر مقرر ہوا، اٹھارہ سال کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور حسن بن محمد کو وزارت [۲] کی سند ملی، فردوسی نے فضل بن احمد کی مدح شاہنامہ مین لکھی ہے ۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ محمد کے دربار مین اسی نے فردوسی کی تقریب کی ہوگی اور بالآخر جس نے محمود کو فردوسی کی ناکامی پر متوجہ کیا، وہ حسن بن محمد ہوگا۔

[۲] حبیب السیر مین ان وزرا کے حالات کسی قدر تفصیل سے مذکور ہین ۔

تذکرہ نویسون کا فیصلہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کے شیعہ پن کی وجہ سے اس کی قدر دانی مین کمی کی، لیکن اولاً تو محمود کے دربار مین بہت سے شیعی علما و فضلا تھے جو نہایت قدر و عزت سے بسر کرتے تھے، **ابوریحان بیرونی** جو علانیہ شیعہ تھا محمود نے خود فرمان بھیجکر اسکو بلایا تھا اور نہایت قدر دانی کرتا تھا، دربار مین ہندو، عیسائی، یہودی ہر مذہب و ملت کے اہل کمال تھے، فردوسی نے کیا قصور کیا تھا۔

دیباچہ مین ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ قرین قیاس ہے۔

سلطان محمود کو دیلمی خاندان سے سخت عداوت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متعصب شیعہ تھے (دیباچہ مین رافضی کا لفظ تھا جسکو ہم نے بدل دیا) اس خاندان کا تاجدار **فخر الدولہ** تھا وہ فردوسی کا نہایت قدر دان تھا، جب فردوسی نے رستم و اسفندیار کی داستان نظم کی تو اسے صلہ کے طور پر ہزار اشرفیان بھیجین اور لکھا کہ اگر آپ یہان تشریف لائین تو نہایت اعزاز و احترام کیا جائیگا، یہ خبر تمام غزنین مین پھیل گئی، محمود نے سُنا تو اُسکو ناگوار گزرا،

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ سلاطین دیلم عموماً سخت متعصب شیعہ تھے ۳۵۱ھ مین معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد کی تمام مسجدون کی دیوارون پر یہ عبارت لکھی گئی "امیر معاویہ اور غاصب فدک پر لعنت ہے" رات کو لوگون نے یہ عبارت مٹادی معز الدولہ نے دوبارہ لکھنے کا حکم دیا، لیکن وزیر مہلبی نے راے دی کہ صرف اسقدر لکھوا دیا جاے کہ "ظالمینِ آلِ محمد پر لعنت ہے" البتہ معاویہ کا نام بہ تصریح لکھا جاے، چنانچہ

اس حکم کی تعمیل ہوئی[1] یہ تعصب روز بروز بڑھتا گیا، سیوطی ۳۶۴ھ کے واقعات مین لکھتے ہین۔

وفی ھذہ السنۃ وبعدھا غلا الرفض	اس سنہ مین اور اسکے بعد مصر شام اور مشرق
وفار بمصر والشام والمشرق والمغرب	و مغرب مین رفض ابل پڑا۔

فرقہ باطنیہ جو مسلمانون کو چھپ چھپ کر قتل کرتا رہتا تھا، انکی بڑی جمعیت دلمیون ہی کے زیر حمایت تھی، چنانچہ جب ۴۲۰ھ مین سلطان محمود نے مجد الدولہ دیلمی کو گرفتار کیا تو باطنیون کا ایک گروہ عظیم اسکے ساتھ تھا ان اسباب سے محمود کو دلمیون کے ساتھ نہ صرف مذہبی بلکہ پولٹیکل دشمنی تھی اس لیے وہ فردوسی کے ساتھ فخر الدولہ دیلمی کی خط و کتابت کو مصالح ملکی کے لحاظ سے بھی گوارا نہین کرسکتا تھا[2]۔

بہرحال وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا فردوسی حمام مین نہا رہا تھا کہ شاہنامہ کا صلہ پہنچا، فردوسی حمام سے نکلا تو ایاز نے روپے کی تھیلیان پیش کین، فردوسی نے بڑی بیتابی سے دست شوق بڑھایا لیکن سونے کے پھل کے بجاے چاندی کے پھول تھے، فردوسی کے دل سے بیساختہ آہ نکلی، تھیلیان کھڑے کھڑے لٹا دین اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ مین نے یہ خون جگر ان سفید دانون کے لیے نہین کھایا تھا، ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی، محمود نے حسن میمندی کو بلاکر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ تیری ہی دراندازی نے مجھکو بدنام کردیا،

---

[1] ابن الاثیر واقعات ۳۵۱ھ [2] ابن الاثیر واقعات ۴۲۰ھ

سمیندی نے کہا کہ حضور خاک کی ایک چٹکی بھیجدیتے تب بھی فردوسی کو آنکھون سے لگاتا تھا، انعام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہے" اس چبھتے ہوئے فقرہ نے محمود کے دل مین بھی اثر کیا، اور برہم ہوکر کہا کہ کل مین اس قرمطی کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤنگا، فردوسی کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا، صبح کو محمود باغ مین آیا تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤن پر سر رکھ دیا اور بدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود	بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در ظل عدلش قرار	شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ	رہے را شمارد یکے زان گروہ

غلام ۱۲

سلطان محمود کو رحم آیا، اور اسکی تقصیر معاف کی،

سلطان محمود کی ہجو

غزنین سے چلتے وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سربمُہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے ۲۰ دن بعد بادشاہ کو دینا، فردوسی ہرات کو روانہ ہوا، محمود نے لفافہ کی مُہر کھولی تو ہجو کے اشعار تھے۔

یکے بندگی کردم اے شہریار	کہ ماند ز تو در جہان یادگار
پیے افگندم از نظم کاخ بلند	کہ از باد و باران نیابد گزند
بسے رنج بردم درین سال سی	عجم زندہ کردم بدین پارسی
چو بر باد دادند گنج مرا	نہ بد حاصلے سی و پنج مرا
اگر شاہ را شاہ بودے پدر	بسر بر نہادے مرا تاج زر

دگر مادرِ شاہ بانو بُدے — مرا سیم و زر تا بزانو بُدے
پرستار زادہ نیاید بکار — وگر چند دارد پدر شہریار
سرِ ناسزایان برافراشتن — وزیشان امید بہی داشتن
سرِ رشتۂ خویش گم کردن است — بجیب اندرون مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت — گرش برنشانی بباغ بہشت
ور از جوی خلدش بہنگام آب — به بیخ انگبین ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بکار آورد — ہمان میوۂ تلخ بار آورد
ز بد اصل چشم بہی داشتن — بود خاک در دیدہ انباشتن
ازان گفتم این بیتہاے بلند — کہ تا شاہ گیرد ازین کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا — بماند ہجا تا قیامت بجا

کلام کی جہانگیری دیکھو، محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتین مٹا دین، ملک کے ملک غارت کر دیے، عالم کو زیر و زبر کر دیا، لیکن فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہین اور قیامت تک نہین مٹ سکتے۔

فردوسی کا غزنین کو نکلکر آوارہ پھرنا

فردوسی غزنین سے نکلا تو اس بے سروسامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کے سوا، کچھ پاس نہ تھا، احباب اور قدردانون کی کمی نہ تھی لیکن معتوب شاہی کو کون پناہ دیسکتا تھا تاہم ایاز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر، کچھ نقدی اور سامان سفر بھجوا دیا، فردوسی ہرات مین آیا اور اسمعیل وراق کے ہان

یهان ہوا، چونکہ سلطان محمود نے ہرطرف فرمان بھیجدیے تھے کہ فردوسی جہان ہات آئے گرفتار کرکے بھیجدیا جائے چھ مہینے تک روپوش رہا، شاہی جاسوس ہرات مین آئے لیکن فردوسی کا پتہ نہ لگا سکے، اب اُس نے ہرات سے طوس[1] کا رُخ کیا، طوس سے قہستان گیا، ناصرلک یہان کا حاکم تھا اسکو خبر ہوئی تو ندیمانِ خاص کو استقبال کے لیے بھیجا اور نہایت اخلاص کے ساتھ پیش آیا، فردوسی نے ایک مثنوی لکھنی شروع کی تھی جس مین حاسدون کی دراندازی، اپنی مظلومی، اور سلطان محمود کی بدعہدی وناقدردانی کا ذکر تھا،

سلطان محمود کی شکایت کے اشعار

بغزنین مرا گرچہ خون شد جگر	زبیداد آن شاہ بیداد گر
کزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام	شنید از زمین آسمان نالہ ام
ہمی خواستم تا فغانہا کنم،	بگیتی از و داستانہا کنم
بگویم زماذرش وہم از پدرش	نہ ترسم بغیر از خداوند عرش
چہ دشمن نمید اند از دوست باز	بتیغ زبانش کنم پوست باز
ولیکن ز فرمودۂ محتشم،	ندانم کزین بیش چون سرکشم
فرستادم ار گفتۂ داشتم	بنزدیکِ خود، ہیچ نگذاشتم
اگر باشد این گفتہا ناصواب	بسوزان در آتش بشوآن درآب
گزشتم ایا سرورِ نیک راے	ازین داوری تا بہ گیر سراے

[1] چہار مقالہ ۱۲

رسد لطف یزدان بفریاد من ستانند تجشر از وو داد من ۔

فردوسی نے مثنوی کے اشعار ناصرلک کو سُنائے تو اُس نے سمجھایا کہ بدگوئی اہل کمال کی شان نہیں ہین لاکھ روپے ان اشعار کے معاوضہ مین دیتا ہون اشعار کہین ظاہر ہونے پائین، فردوسی نے منظور کیا، ناصرلک نے سلطان محمود کی خدمت مین عریضہ لکھا کہ فردوسی کے حق مین بڑا ظلم ہوا۔[1]

فردوسی جب غزنین سے روانہ ہوا تھا تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا۔

خجستہ درگہ محمود غزنوی دریاست	چگونہ دریا کان راکرانہ پیدا نیست
چہ غوطہ ہازدم واندرو ندیدم دُر	گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

اتفاق یہ کہ جسدن ناصرلک کا عریضہ پہنچا، سلطان نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد مین آیا تھا۔ اتفاق سے ان اشعار پر نظر پڑی۔ نہایت متاسف ہوا مسجد سے آکر ناصرلک کا عریضہ دیکھا اور بھی مکدر ہوا جن لوگون نے فردوسی کے حق مین کانٹے بوئے تھے اُن کو بلاکر سخت تو بیخ کی کہ تمنے دنیا مین مجھکو بدنام کر دیا، ناصرلک نے گو فردوسی کی بہت کچھ خاطر مدارات کی تاہم سلطان محمود کے

[1] یہ دیباچہ کی روایت ہے چہار مقالہ مین قہستان کے بجائے طبرستان اور ناصرلک کے بجائے سپہبد شیرزاد کا نام ہے دولت شاہ نے طبرستان کے بجائے۔ رستمدار لکھا ہے۔ طبرستان اور رستمدار در اصل ایک ہی ہین لیکن سپہبد اور ناصرلک دو شخص ہین۔ دولت شاہ نے ان مین سے ایک کو چھوڑ دیا ہے۔

ڈر سے اپنے پاس نہ ٹھہرا سکا. فردوسی یہان سے بھی نکلا اور ماژندران مین آیا۔ یہان وہ شاہنامہ کی نظرثانی مین مشغول ہوا۔

ماژندران کی حکومت قابوس بن وشمگیر کے خاندان مین چلی آتی تھی اور اس زمانہ مین سپہبد فرمان روا تھا، اس کو فردوسی کے آنے کی خبر ہوئی تو نہایت مسرت ظاہر کی اور فردوسی کو دربار مین بلایا۔ فردوسی نے مدحیہ اشعار اضافہ کرکے شاہنامہ پیش کیا سپہبد نے چاہا کہ فردوسی کو دربار سے نہ جانے دے، لیکن پھر سلطان محمود کا خیال آیا، ایک گران بہا صلہ بھیجکر کہلا بھیجا کہ محمود آپ سے ناراض ہے اسلیے مین آپ کو ٹھہرا نہین سکتا آپ اور کہین تشریف لیجاسیئے۔

دیباچہ نویسون نے لکھا ہے کہ فردوسی یہان سے بغداد گیا، خلیفہ عباسی نے اسکی بڑی قدر کی. فردوسی نے عربی مین قصیدے لکھکر پیش کیئے اور اہل بغداد کی فرمائش سے یوسف زلیخا لکھی۔ سلطان محمود کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی کو تہدید کا خط لکھا کہ فردوسی کو فوراً یہان بھیجدیجئے۔ ورنہ بغداد ہاتھیون کے پاؤن کے نیچے ہوگا۔ وہان سے تین حرف الف لام میم لکھ کر آئے کہ سورۂ الم ترکیف کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہ تمام بے سروپا مزخرفات ہین۔

ایک دفعہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا راستہ مین دشمن کا قلعہ تھا، وہین ٹھہر گیا اور قاصد بھیجا کہ حاضر خدمت ہوکر اطاعت بجالائے دوسرے دن قاصد جواب لایا لیکن ابھی کچھ کہنے نہین پایا تھا کہ محمود نے وزیراعظم

سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہے۔

وزیر نے برجستہ کہا،

اگر جز بکام من آمد جواب	من و گرز و میدان و افراسیاب

سلطان محمود نے تلافی مافات کا ارادہ کیا

محمود بھڑک اُٹھا اور پوچھا کس کا شعر ہے؛ وزیر نے کہا اُس بدقسمت کا جسنے ۱۵ برس خون جگر کھایا اور کچھ نہ حاصل ہوا، محمود نے کہا مجکو سخت ندامت ہے غزنین پہنچکر یاد دلانا۔ غرض پائے تخت مین پہنچکر ساٹھ ہزار اشرفیان فردوسی کے پاس روانہ کین لیکن تقدیر پر کس کا زور ہے۔ ادہر شہر کے ایک دروازے سے جسکا نام رودبار تھا صلہ پہنچا، اُدھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میسح	یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا میرے بعد

طوس مین ایک واعظ صاحب تھے اُنھون نے فتویٰ دیا کہ چونکہ فردوسی رافضی تھا اس کا جنازہ مسلمانون کے قبرستان مین دفن نہین ہو سکتا۔ ہرچند لوگون نے منت سماجت کی لیکن بدنفس واعظ نے ایک نہ مانی۔ مجبوراً شہر کے باہر ایک باغ مین کہ خود فردوسی کی مِلک تھا۔ دفن کیا۔ سلطان محمود کو پرچہ گزرا تو حکم

لہ یہ واقعہ مختلف طریقون سے مروی ہے۔ مین نے جو روایت لکھی ہے نظامی سمرقندی سے مروی ہے اور اسلیے زیادہ معتبر ہو کہ اسنے ۵۱۰ھ مین امیر معزی (ملک الشعرا سلطان سنجر) سے سنی تھی۔ اور امیر معزی سے امیر عبدالرزاق نے بیان کی تھی، دیکھو چہار مقالہ واقعات فردوسی ۱۲

دیا کہ واعظ شہر سے نکال دیا جائے۔[۱]

فردوسی نے اولاد ذکور نہین چھوڑی تھی صرف ایک لڑکی تھی شاہی صلہ اسکی خدمت مین پیش کیا گیا لیکن اُسکی بلند ہمتی نے گوارا نہ کیا کہ باپ جس چیز کی حسرت مین مرگیا اولاد اُس سے تمتع اُٹھائے، سلطان محمود کو اس کی اطلاع دی گئی، حکم دیا کہ اشرفیان امام ابوبکر اسحاق کے حوالے کیجائین کہ اس سے فردوسی کے نام پر ایک کاروان سرائے بنادیجائے۔ ناصر خسرو نے سفر نامہ مین لکھا ہے کہ ۴۳۰ھ مین جب مین طوس مین پہنچا تو ایک بڑی کاروان سرا دیکھی۔ لوگون سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ مین لکھا ہی کہ اسکا نام چاہ ہے۔ اور مرو اور نشاپور کے راستہ مین ہے۔

عام تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ فردوسی نے ۴۱۱ھ مین وفات پائی لیکن فردوسی نے شاہنامہ کے خاتمہ مین تصریح کی ہے کہ شاہنامہ ۴۰۰ھ مین انجام کو پہنچا۔

زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار | کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اِسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہو کہ اسوقت اس کی عمر اسّی برس کی تھی۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد | امیدم بیکبارہ بر باد شد

شاہنامہ کے ختم ہونے کے بعد، وہ دو چار برس سے زیادہ زندہ نہین

[۱] چہار مقالہ ۱۲

رہا اسلیے اس کی وفات سنہ ۴۱۱ھ سے چند برس پہلے ہوئی ہوگی۔

فردوسی کا مزار مدت تک آباد اور بوسہ گاہ عالم رہا۔ نظامی سمرقندی نے سنہ ۵۱۰ھ مین اسکی زیارت کی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے کہ آج اسکا مزار مرجع عام ہے قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین مین لکھتے ہین کہ "عبد اللہ خان ازبک کی توجہ سے فردوسی کا مقبرہ معمور اور پُر رونق ہے۔ عام لوگ عموماً اور شیعہ خصوصاً زیارت کو جاتے ہین۔ مَین نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے"!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شاہنامہ

سنہ تصنیف و سبب تصنیف کیا عجیب بات ہے، جو واقعہ جسقدر زیادہ مشہور ہوتا ہے اُسی قدر اکثر غلط اور بے سروپا ہوتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی نے سلطان محمود کے دربار مین پہنچکر اسکے حکم سے شاہنامہ لکھنا شروع کیا۔ اکثر تذکرون مین بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط اور محض غلط ہے۔

فردوسی نے خاتمہ مین خود تصریح کی ہے کہ یہ کتاب سنہ ۴۰۰ھ مین تمام ہوئی

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار[۱] کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ پینتیس برس کتاب کی تصنیف مین صرف ہوئے

سی و پنج سال از سرائے سپنج بسے رنج بردم بامید گنج

۱؎ پانچ کو اسی مین ضرب دین تو چار سو ہوتے ہین ۱۲-

اس بنا پر تصنیف کا آغاز ۳۶۵ھ سمجھنا چاہیے. اور چونکہ سلطان محمود ۳۸۸ھ مین تخت نشین ہوا. اس لیے اُس کی تخت نشینی سے مدتون پہلے شاہنامہ کی ابتدا ہو چکی تھی۔

عام خیال یہ ہے کہ شاہنامہ سلطان محمود کی فرمائش سے لکھا گیا لیکن یہ بھی محض غلط ہے۔ فردوسی نے خود سبب تصنیف لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکو صرف اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا مقصود تھا۔

همی خواهم از داد گر یک خدای | که چندان بمانم بہ گیتی بہ جاے
کہ این نامۂ شہریاران پیش | بہ پیوندم از خوب گفتار خویش
بسے رنج بردم درین سال سی | عجم زندہ کردم بدین پارسی
همہ مُردہ از روزگار دراز | شد از گفت من نام شان زندہ باز
چو عیسےٰ من این مردگان را تمام | سراسر ہمہ زندہ کردم بنام
پے افگندم از نظم کاخ بلند | کہ از باد و باران نیابد گزند

تیسرے دفتر مین جہان دقیقی کے اشعار نقل کیے ہین خاتمہ پر لکھتا ہے۔

من این نامہ فرخ گرفتم بہ فال | ہمی رنج بردم بہ بسیار سال
ندیدم سرافراز بخشندۂ | بہ گاہ کیان بر نشینندۂ
سخن را نگہ داشتم سال بیست | بدان تا سزاوار این گنج کیست
جہاندار محمود با فرّ و جود | کہ او را کند ماہ و کیوان سجود

اِن اشعار مین صاف تصریح ہے کہ سلطان محمود کے دربار مین پہنچنے سے بیس سال پہلے شاہنامہ شروع ہو چکا تھا۔

دیباچہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کا آغاز اس نے خود اپنے شوق سے کیا، قرائن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فردوسی فطرۃً شاعر تھا، اسکے ساتھ نسل کا مجوسی یعنی شاہان ایران کا ہم قوم تھا، دقیقی نے شاہنامہ کی جو بنیاد ڈالی تھی اور جس قدر شعر لکھ لیے تھے اِسکے چرچے ہر جگہ پھیل گئے تھے اور اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس کتاب مین قبولیت کا کسقدر مادہ ہے۔ یہ اسباب اس بات کے لیے کافی تھے کہ فردوسی نے خود اپنے شوق سے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن چونکہ ایک عظیم الشان کام تھا اور اعانت کے بغیر انجام نہین پا سکتا تھا۔ سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت تھی کہ تاریخ کا مستند سرمایہ ہاتھ آئے حسنِ اتفاق یہ کہ فردوسی ے وطن ہی مین ایک شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا اور وہ فردوسی کا مخلص دوست تھا اس کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے یہ کتاب لاکر فردوسی کو دی۔ چنانچہ فردوسی دیباچہ مین لکھتا ہے۔

بہ شہرم یکے مہربان دوست بود	تو گفتی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این راے تو	بہ نیکی خرامد مگر پاے تو
نوشتہ من این نامۂ پہلوے	بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو، این نامۂ خسروان بازگوے	بدین جوے نزد مہان آبروے
چو آورد این نامہ نزدیک من	برافروخت این جان تاریک من

فردوسی اگرچہ جیسا کہ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے رئیس زادہ اور خوشحال تھا، تاہم جب اسنے شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو علم دوست امرا نے قدردانی کا اظہار کرنا چاہا لیکن منصور بن محمد نے جو طوس کا حاکم تھا۔ ایسی فیاضی کا اظہار کیا کہ فردوسی تمام لوگون سے بے نیاز ہو گیا۔

بدین نامہ چون دست کردم دراز　　یکے مہترے بود گردن فراز
جوان بود از گوہر پہلوان　　خردمند و بیدار روشن روان
مرا گفت کز من چہ آید ہمے　　کہ جانت سخن بر گراید ہمے
بچیزے کہ باشد مرا دست رس　　بکوشم۔ نیازت نہ آرم بکس

افسوس کہ منصور چند روز کے بعد مر گیا۔ فردوسی نے اسکا بہت پُر درد مرثیہ لکھا حسین قتیب۔ علی دیلم۔ بودلف۔ اور فضل ابن احمد کا نام بھی فردوسی کے قدردانوں کی فہرست مین داخل ہے۔ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے کہ "حسین قتیب طوس کا عامل تھا،" (غالبًا منصور کے مرنے کے بعد مقرر ہوا ہوگا) اسنے فردوسی کے دہات کی مالگزاری معاف کر دی تھی[1]۔ شاہنامہ کے قدردان

فضل ابن احمد سلطان محمود کا وزیر تھا، جسکے مرنے کے بعد حسن میمندی اس منصب پر ممتاز ہوا، فضل کا تذکرہ بھی فردوسی نے شاہنامہ مین کیا ہی۔

نظامی عروضی کا بیان ہی کہ علی دیلمی شاہنامہ کا مسودہ صاف کیا کرتا تھا

[1] چہار مقالہ نظامی سمرقندی۔

اور بودلف راوی تھا یعنی شاہنامہ حفظ یاد رکھتا تھا۔ اور جلسون اور صحبتون مین لوگون کو سناتا تھا۔ لیکن شاہنامہ مین فردوسی نے ان دونون کا نام اس انداز سے لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فردوسی کے سرپرست اور مربی تھے۔ کاتب اور راوی نہ تھے۔

ازان نامور نامداران شہر | علی دیلم و بودلف راست بہر

بودلف کی نسبت قاضی نور اللہ شوستری کا قیاس ہے کہ یہ وہ بودلف ہو جو ایک محتشم رئیس تھا۔ جسکے نام پر اسدی طوسی نے گشتاسپ نامہ لکھا ہے اور دیباچہ مین اس کی مدح وثنا کی ہے۔

ملک بودلف شہریار زمین | جہاندار ارانی پاک دین
بزرگی کہ با آسمان ہمسر است | ز نسل براہیم پیغمبر است

خوش اعتقاد دیباچہ نویسون نے لکھا ہے: کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد معشوق طوسی کی خدمت مین جو ایک مشہور صاحبدل تھے حاضر ہوا۔ اور اُن سے اپنا خیال ظاہر کیا۔ اُنھون نے کہا تم اس کام کو شروع کرو۔ خدا تمکو کامیاب کریگا۔ فردوسی تو کامیاب نہین ہوا۔ لیکن شاہنامہ کی کامیابی مین کس کو شک ہو سکتا ہی۔

شاہنامہ کا ماخذ

سرجان مالکم[۱] صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۶۵ مین لکھتے ہین۔ شاہنامہ کا تاریخی مواد

[۱] سرجان مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین انگریزی سرکار کیطرف سے سفیر تھے اُنھون نے ایران کی تاریخ قدیم وجدید

"قرن اول کے تمام مورخین لکھتے ہین کہ چونکہ ایرانیون نے عرب کے حملے کے روکنے مین نہایت پامردی دکھائی تھی۔ اسلیے پیروان اسلام اسقدر برافروختہ تھے کہ انھون نے ایران کی تمام قومی یادگارون کو برباد کردیا۔ شہرون کو آگ لگادی، آتشکدے برباد کردیے موبدون کو قتل کرادیا۔ ہر قسم کی کتابین عموماً برباد کردین، کتب خانون کے مالکون کو قتل کرادیا، یہ متعصب عرب قرآن کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے۔ اور نہ جاننا چاہتے تھے موبدونکو مجوس کہتے تھے اور ان کو جادوگر سمجھتے تھے۔ یونان اور روم کی کتابون سے قیاس ہوسکتا ہے کہ اس طوفان مین ایران کی کسقدر کتابین بچی ہون گی۔ قریباً چار سو برس گزر گئے۔ اور کسی نے ایرانیون کی تاریخ لکھنے پر توجہ نہین کی۔ سب سے پہلی کوشش اسکے متعلق جو کی گئی وہ سامانیون نے کی۔ مورخین کو اسمین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہین کہ منصور ثانی نے ابتدا کی بعض کہتے ہین کہ دقیقی نے شاہنامہ لکھنا اسمٰعیل کے زمانہ مین شروع کیا جو سلسلۂ سامانیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ غرض چونکہ سلاطین سامانی اپنے آپ کو بہرام چوبین کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ اسلیے اُنھون نے اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا چاہا۔"

مالکم صاحب کی متعصبانہ راے

مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین رہے ہین۔ فارسی زبان مین اُنکو پوری مہارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان سب باتون کے ساتھ اُنکی تحقیقات کا یہ عالم ہے کہ اتنی لمبی چوڑی عبارت مین ایک حرف بھی صحیح زبان سے نہ نکلا۔

بقیہ حاشیہ ۱۱۱۔ ایک کتاب انگریزی مین لکھی مرزا حیرت ایرانی نے اسکا ترجمہ کیا جو بمبئی مین ۱۸۸۶ء مین چھاپا گیا ۱۲

مالکم صاحب کے تعصب کے جواب دینے کا یہ موقع نہین۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ امر قابل بحث ہے کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنا چاہا۔ تو ایران کا تاریخی ذخیرہ کسقدر موجود تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ مسلمانون مین علوم وفنون کی تدوین سنہ ۱۴۳ھ سے شروع ہوئی اور درحقیقت اسلامی علوم وفنون کے متعلق اس سے پہلے کسی تصنیف کا پتہ نہین چلتا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غیر قومون کے علوم وفنون کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہوچکا تھا۔ ہشام بن عبدالملک جو سنہ ۱۰۵ھ مین تخت نشین ہوا۔ اور جو سلاطین بنی اُمیہ کا گل سرسبد تھا سب سے پہلے اپنے غیر قومون کی تاریخ کی طرف توجہ کی اسکا میر منشی جبلہ بن سالم تھا۔ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابین ترجمہ کین جن مین سے جنگ رستم واسفندیار اور داستان بہرام چوبین بھی تھی[۱]۔ شاہان عجم کے علمی ذخیرے جو فتوحات مین ہاتھ آئے تھے ان مین ایک کتاب تاریخ تھی یہ ایران کی نہایت مفصل اور مبسوط تاریخ تھی جسمین سلطنتون کے حالات کے ساتھ حکومت کے قواعد اور آئین عہد بعہد کے علوم وفنون تعمیرات، وغیرہ کے مفصل حالات تھے ایک خاص جدت یہ تھی کہ تمام سلاطین کی تصویرین بھی تھین اور تصویر ونمین انکی خاص وضع قطع، لباس، زیورات اور تمام خصوصیات کو بعینہ دکھایا تھا ہشام نے اس کتاب کا ترجمہ کرایا، چنانچہ سنہ ۱۱۳ھ مین یہ ترجمہ طیار ہوا۔ مورخ مسعودی نے کتاب الاشراف[۲] مین لکھا ہے کہ مین نے سنہ ۳۰۳ھ مین بمقام اصطخریہ

ایرانی قدیم تاریخین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین

[۱] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۷۔ [۲] کتاب مذکور مطبوعہ لیڈن صفحہ ۱۰۶۔

کتاب دیکھی سلطنت فارس کے متعلق جسقدر کتابین فارسی مین موجود ہین یہ سب سے زیادہ مفصل ہے،، دولت عباسیہ نے آغاز ہی سے ایران کے علوم وفنون کے ترجمہ کی طرف توجہ کی، اِن مین سے تاریخی کتابین حسب ذیل ہین۔

خدائی نامہ[1] یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اسقدر مقبول عام تھی کہ بہرام ابن مروان شادنے جو دولت عباسیہ کا مترجم تھا جب اس کتاب کو بہم پہنچانا چاہا تو بیس مختلف نسخے اسکو ہات آئے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان مین کیا اور اسکا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا۔

آئین نامہ۔ یہ بھی نہایت مفصل کتاب ہے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۰۴ مین لکھا ہے۔ کہ یہ بہت ضخیم کتاب اور کئی ہزار صفحون مین ہے۔ عبداللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

سیر ملوک الفرس	ترجمۂ عبداللہ بن المقفع
سیر ملوک الفرس	ترجمۂ محمد جہم البرمکی
سیر ملوک الفرس	ترجمۂ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی۔
سیر ملوک الفرس[2]۔	ترجمۂ محمد بن بہرام الاصفہانی۔

سکیسران۔ پہلوی زبان مین تھی مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہی کہ اہل عجم اس

---

[1] خدائی نامہ کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی مطبوعۂ یورپ صفحہ ۲۴،۲۰،۱۶،۸ اور کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ مین ہی۔

[2] ان چارون کتابونکا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ مین ہے۔

کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا۔

تاریخ دولت ساسانی — مترجمہ ہشام بن قاسم الاصفہانی۔
اصلاح[۱] دادہ بہرام بن مروان شاہ موبذ نیشاپور

کارنامۂ نوشیروان

شہرزاد و پرویز — اردشیر نے اپنے حالات اور واقعات خود لکھے تھے[۲]

کارنامۂ اردشیر بن بابک

کتاب التاج

بہرام و نرسی نامہ

کارنامہ — نوشیروان کے حالات

مزدک نامہ

ان کتابوں کے علاوہ سلاطین ایران کے عہد نامے، توقیعات اور فرامین دہیبا کئے گئے اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ مثلاً وصیت نامۂ نوشیروان بنام ہرمز۔ عہد نامۂ اردشیر بابکان بنام شاپور۔ کسریٰ و مرزبان کا مکالمہ، نوشیروان کا خط سرداران فوج کے نام، نوشیروان اور رجال کے مراسلات[۳]

جب تاریخ ایران کا اسقدر ذخیرہ فراہم ہو چکا تو مورخین اسلام نے انکی مدد سے خود مستقل تصنیفیں کیں چنانچہ محدث طبری۔ علامہ مسعودی۔ ابوحنیفہ دینوری۔ یعقوبی

---

[۱] ان دونوں کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ میں ہے[۲] مروج الذہب مسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۶۲ جلد اول۔
[۳] ان چاروں کتابوں کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۱۵ میں ہے۔

حمزہ اصفہانی وغیرہ نے ایران کی مبسوط اور مفصل تاریخین لکھین جو یورپ کی بدولت آج چھپ کر شائع ہو چکی ہین۔ یہ تمام کتابین فردوسی کے زمانہ سے پہلے تصنیف ہو چکی تھین۔ ان واقعات کے بعد، مالکم صاحب کی راے کو پڑھو کہ "مسلمان چارسو برس تک ایران کی تاریخ سے ناواقف تھے اور سب سے پہلی کوشش سامانیون کے دور مین ہوئی"۔

یہ تمام کتابین عربی زبان مین تھین، فارسی مین اسوقت تک ترجمہ کے سوا کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی گئی تھی۔ غالباً سب سے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی وہ ابو علی محمد بن احمد البلخی کی تصنیف تھی جسکا نام اسنے شاہنامہ رکھا تھا۔ اسی بناپر کشف الظنون مین اسکو شاہنامۂ قدیم لکھاہے۔

ابوریحان بیرونی نے آثار الباقیہ[۱] مین لکھا ہے کہ مصنف نے دیباچہ مین لکھاہے کہ مین نے اس کتاب کا سرمایہ کتب مندرجۂ ذیل سے فراہم کیا۔ سیر الملوک عبد اللہ بن المقفع۔ سیر الملوک محمد بن جہم البرمکی۔ سیر الملوک ہشام بن القاسم۔ سیر الملوک بہرام شاہ بن مردان شاہ سیر الملوک بہرام اصفہانی تصانیف بہرام مجوسی

غرض جب دقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی و فارسی مین تیار ہو چکا تھا۔ دقیقی نے سامانیون کی فرمائش سے یہ کام شروع کیا تھا۔ سامانیون کا کتب خانہ اُس زمانہ مین تمام عالم مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا شیخ بو علی سینا جب اول اول اس کتب خانہ مین داخل ہوا تو اُسپر حیرت چھاگئی

[۱] دیکھو کتاب مذکور مطبوعۂ یورپ صفحہ ۹۹ ۱۲

چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے کہ مین نے ایسا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اسکے بعد دیکھا"۔ دقیقی کے لیے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی، سامانیون ہی کا دست پروردہ اور انکو مٹا کر انکا جانشین بنا تھا اسلیے ہر طرح قرین قیاس ہے کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا اور فردوسی کو اس سے فائدہ اُٹھانیکا موقع دیا ہوگا۔ یہ محض قیاس نہین بلکہ مورخین کی تصریح سے اسکی تائید ہوتی ہے کشف الظنون مین ہے

تاریخ الفرس لبعض قدماء اهل فارس وقد کان معظما عند العجم لما فیه من اخبار اسلافهم وسیر ملوکهم وهو اصل الشهنامه وغیرها ونقله ابن المقفع من الفهلویة الی العربیة	تاریخ ایران بعض قدماے ایران کی تصنیف ہی، عجمی اس کتاب کی اسلیے بہت عزت کرتے تھے کہ اسمین اُنکے آباؤ اجداد اور سلاطین کے حالات تھے اور یہی کتاب شاہنامہ وغیرہ کا ماخذ ہی۔ ابن المقفع نے اسکو پہلوی زبان سے ترجمہ کیا۔

غالبًا یہ وہی خدائی نامہ ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔

صاحب مجمع الفصحا، لکھتے ہین۔

"از جملہ نامہاے قدیم جاسپ نہاد۔ کتاب اوست کہ در ذکر خسروان ایران بودہ دیگر آئین بہمن است۔ در احوال بہمن۔ دیگر داراب نامہ است۔ دیگر دانش افزاے نوشیروانی کہ جامع آن بزرگمہر حکیم بودہ، و باستان نامہ و دانشور نامہ۔ و خرد نامہ و حکیم ابوالقاسم محمد بن منصور فردوسی آثار افعال ملوک عجم، را از ان نامہا بدست

آوردہ"

ان تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کا ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخین ہین جو عربی مین ترجمہ ہوگئی تھین۔ لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہین کرتا۔ فردوسی کا دعوی ہو کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ ایران کی موجود تھی لیکن مرتّب اور مدوّن نہ تھی۔ موبدون یعنی مذہبی پیشواؤن کے پاس اسکے مختلف اجزا تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے بڈھے بڈھے پارسی موبد جمع کیے اور ان پراگندہ اجزا کو زبانی روایتون کی مدد سے ترتیب دیکر ایک مکمل کتاب طیار کرائی۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا بیان

یکے نامہ بد از گہ باستان	فراوان بدو اندران داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے	ازو بہرۂ بردہ ہر بخردے
یکے پہلوان بود دہقان نژاد	دلیر و بزرگ و خردمند و راد
ز ہر کشورے موبدے سالخورد	بیاورد و این نامہ را گرد کرد
بپرسیدشان از نژاد کیان	وزان نامداران فرخ گوان
بگفتند پیشش یکایک مہان	سخنہاے شاہان و گشت جہان
چو بشنید ازیشان سپہبد سخن	یکے نامور نامہ افگند بن

فردوسی کا بیان ہے کہ اسی کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن چونکہ ناتمام چھوڑ گیا مین نے اسکی تکمیل کی۔

فردوسی کے بیان کے مطابق شاہنامہ کی اصلی بنیاد اسی کتاب پر قائم کی گئی لیکن جستہ جستہ داستانین اور ذریعون سے بھی فراہم ہوئین۔ رستم و شغاد کا قصہ جہان شروع کیا ہے تمہید مین لکھا ہے کہ احمد بن سہل کے دربار مین ایک بڈھا تھا جو سام نریمان کی اولاد سے تھا اسکے پاس سلاطین ایران کی تاریخ تھی اور رستم کی اکثر داستانین اسکو زبانی یاد تھین۔ شغاد کا قصہ مین نے اس سے لیکر نظم کیا۔

یکے پیر بُد نامش آزاد سرو	کہ با احمد سہل بودے بمرو
کجا نامۂ خسروان داشتے	تن و پیکر پہلوان داشتے
بہ سام نریمان کشیدش نژاد	بسے داشتے رزم رستم بیاد
بگویم سخن انچہ زو یافتم	سخن را یک اندر دگر بافتم

فردوسی کا دعویٰ ہے ہم کو انکار کی کوئی وجہ نہین۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ فردوسی نے خود تیسری جلد مین دقیقی کے اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہی۔

یکے نامہ دیدم پُر از داستان	سخنہاے آن پُر منش راستان
فسانہ کہن بود و منثور بود	طبائع ز پیوند او دور بود
گذشتہ برو سالیان دو ہزار	گر ایدون کہ برتر نیاید شمار
گرفتم بگوینده بر آفرین	کہ پیوند را راه داد اندرین

تیسرے شعر مین صاف تصریح ہے کہ کتاب مذکور دو ہزار برس کی تصنیف تھی یہ ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے ایران کی جو زبان تھی وہ فردوسی کے زمانے کی

زبان نہ تھی بلکہ ژندی یا اُسکے قریب قریب ہوگی جو سنسکرت سے ملتی جلتی ہے اور جو پہلوی زبان سے بھی بہت مختلف ہے۔ اسلیے یہ ثابت ہونا ضرور ہے کہ فردوسی اس زبان سے واقف تھا یا کوئی شخص ترجمہ کرتا جاتا تھا لیکن تذکرون اور خود فردوسی کے بیان مین اسکی کوئی شہادت موجود نہین۔

شاہنامہ کے اخذ کے متعلق، دیباچہ مین اور چند روایتین مذکور ہین، واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ہم اُنکو بھی نقل کرتے ہین۔ لیکن جہان انمین بدیہی غلطی ہے ہم اسکی تغلیط کردینگے۔

ساسانیون کو، ایران کی تاریخ کے مرتب کرنے کا ہمیشہ خیال رہا۔ انمین سے نوشیروان کو سخت شغف تھا، چنانچہ تمام اطراف و دیار مین قاصد بھیجکر ہر جگہ سے تاریخی ذخیرے جمع کیے، یزدگرد نے اپنے زمانہ مین ان سب کو دانشور دہقان کے حوالہ کیا کہ کیومرث سے لیکر خسرو پرویز کے زمانہ تک مکمل اور مرتب تاریخ تیار کردے دانشور مذکور مداین کے رؤسا مین تھا اور نہایت صاحب حوصلہ اور فاضل شخص تھا اس نے ان تمام ذخیرون کو عمدگی سے ترتیب دیکر ایک مبسوط اور جامع تاریخ تیار کی۔

عربون کے حملہ مین یہ کتاب حضرت عمر کی خدمت مین پیش کی گئی، آپ نے اسکا ترجمہ سُنا اور فرمایا کہ یہ مزخرفات کا مجموعہ دیکھنے کے قابل نہین، غرض یہ کتاب لوٹ مین تقسیم ہوکر حلبش پہنچی، بادشاہ حبش نے اسکا ترجمہ کرایا وہان سے ہندوستان

پہنچی، یعقوب لیث نے اپنے زمانۂ حکومت مین اسکو ہندوستان سے منگوا کر ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ کو حکم دیا کہ اسکا ترجمہ کیا جاے۔ چنانچہ تاج بن خراسانی ہروی، یزدان داد شاپور سیستانی، ماہوی بن خورشید نیشاپوری، سلیمان طوسی ان سب نے ملکر ۳۶۰ھ مین اسکا ترجمہ کیا، یہی کتاب سامانیون کو ہاتھ آئی، اور انکے حکم سے دقیقی نے اسکو نظم کرنا شروع کیا۔

اس روایت کا یہ حصہ کہ کتاب حبش گئی وہان ترجمہ ہو کر پھر ہندوستان پہنچی ہندوستان سے ایران مین آئی، صریح غلط اور بیہودہ ہے، باقی واقعات صحیح ہون تو عجب نہین، یعنی ایران کی کوئی قدیم تاریخ جو یزدگرد کے عہد مین تیار ہوئی تھی یعقوب لیث کے زمانہ مین پہلوی سے فارسی مین ترجمہ کی گئی ہو۔

دیباچہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نوشیروان کے خاندان کا ایک شخص سلطان محمود کے زمانہ مین تھا، اسکا نام خور فیروز تھا اور فارس مین سکونت رکھتا تھا، زمانہ کے انقلاب سے آوارہ وطن ہو کر، غزنین پہنچا، یہان آکر چرچا سنا کہ سلطان محمود تاریخ عجم کا شیفتہ و دلدادہ ہے۔ اس کے وطن مین یہ کتاب موجود تھی چنانچہ وہان سے منگوا کر سلطان کی خدمت مین پیش کی، اور مورد انعام ہوا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ جب تمام ملک مین سلطان محمود کے شوق کے چرچے پھیلے تو بادشاہ کرمان نے ایک شخص کو جسکا نام آذر برزین تھا اور شاپور ذوالاکتاف کے خاندان سے تھا، اور اس وجہ سے تاریخ ایران کا

بڑا سرمایہ اسکے پاس تھا اُسکو سلطان محمود کی خدمت مین بھیجا۔

شاہنامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے اگرچہ اسمین شک نہین کہ شعرا کی رنگ آمیزیون نے شاہنامہ کو عام نظرون مین تاریخی درجہ سے گرا دیا ہے۔ تاہم ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہین مل سکتی۔

ملکم صاحب بھی تاریخ ایران مین اعتراف کرتے ہین۔

"کتاب فردوسی اگرچہ افسانہ وخیالات شاعری بسیار دارد۔ لکن تقریباً جمیع اخبارے کہ در تاریخ قدیم ایران وتوران در ملک آسیا (ایشیا) یافت می شود دران مندرج است"

مالکم صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہنامہ کے واقعات کا یونانی مورخین کے بیان سے مقابلہ کیا ہے۔ اور اکثر جگہ دونون مین تطبیق دی ہے، علامہ ثعلبی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، ایران کی قدیم تاریخ پر ایک بسوط کتاب لکھی ہے۔ اسنے بھی جابجا شاہنامہ کا حوالہ دیا ہے تاریخی حیثیت سے شاہنامہ کی متعلق مفصل بحث کرنا ہمارا موضوع نہین، البتہ اس قدر جتانا ضروری ہے کہ شاہنامہ کی بے اعتباری کی بڑی وجہ جو آج کل خیال کیجاتی ہے۔ وہ اسکے دور دراز کار افسانے ہین، مثلاً دیو سفید مار ضحاک، جام کیخسرو وغیرہ وغیرہ لیکن اولاً تو چند واقعات کی بناپر تمام کتاب کو غلط نہین کہہ سکتے۔ ہیروڈوٹس کو تمام یورپ تاریخ کا آدم مانتا ہے، لیکن اسکی تاریخ مین ہزارون واقعات فرضی اور وہمی ہین اور خود

یورپ کو اسکا اعتراف ہے دوسرے ایرانیون کی قدیم تاریخ مین واقعات اسی طرح مذکور تھے، اسلیے فردوسی کا صرف یہی فرض تھا کہ اُن واقعات کو بعینہ نقل کردے،

علامہ ثعلبی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ یہ تمام افسانے گو بالکل بے سروپا اور خلاف عقل ہین لیکن چونکہ ایران کی تاریخ مین بتواتر بیان ہوتے چلے آتے ہین اس لیے ہمارا صرف اسقدر فرض ہے کہ جون کا تون اُنکو نقل کردیا جائے۔ علامہ موصوف کے یہ الفاظ ہین، (ذکر قصۂ زال وسیمرغ)

وانا ابرء من عهدة هذه الحكاية ولو لاشهرتها بكل مكان وفی زمان وعلی کل لسان وجريها مجری ما یستطاب ويلهی به الملوك عند الارق لما كتبتها وقد كانت العجائب كثيرة فی ذلك الزمان الاول كبلوغ عمر الواحد من اهله الف سنة وكطاعة الجن والشياطين للملوك ... وغيرها مما يطول ذكره (جلد اول صفحہ، مطبوعہ یورپ)

اسی طرح ہفت خوان رستم کے ذکر مین لکھا ہے کہ یہ سب لغویات ہین۔

ابوریحان بیرونی آثار الباقیہ[1] مین لکھتا ہے۔

ولهم في التواريخ القسم الاول و اعمار الملوك وافاعيلهم المشهورة عنهم ما ينتفر عن استماعه القلوب و تمجه الاذان ولا تقبله العقول۔	ایرانیون نے اپنے زمانے کی جو تاریخ لکھی، اور اس مین سلاطین کی عمرون اور اُنکے کارنامون کے متعلق ایسی باتین بیان کی ہین جنکو سنتے کر دل اچٹتا ہے۔ کان انکو برداشت نہین کرسکتے عقل انکو قبول نہین کرتی۔

[1] ۵ صفحہ مطبوعہ یورپ۔

بعض یورپین مورخین کے نزدیک شاہنامہ کی بے اعتباری کی وجہ یہ ہو کہ اسکے واقعات یونانیون کی تاریخ سے اکثر جگہ مخالف ہین لیکن اس عقدہ کو علامہ ثعلبی نے بہت پہلے حل کر دیا تھا، وہ لکھتے ہین کہ "ہمارے پاس ایران کی تاریخ کے متعلق دو ماخذ ہین۔ ایرانی اور یونانی۔ ہم جانتے ہین کہ دونون مین اختلاف ہی۔ لیکن یہ مسلم مسلئہ ہے کہ گھر کا حال گھر والا خوب جانتا ہے اس لیے ہمنے یونانیون کے مقابلہ مین ایرانیون کا زیادہ اعتبار کیا"

محققین یورپ کی راے یورپ نے نہایت جد وجہد سے اسلام کے قبل کی ایرانی تصنیفات کثرت سے ڈھونڈھ کر نکالین، اور اُن مین سے اکثر کو چھاپ کر شائع کیا، چنانچہ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب کی پہلی جلد مین ایک خاص عنوان قائم کیا ہے "پہلوی لٹریچر" اسکے ذیل مین ان تمام کتابون کی فہرست اور انکے حالات لکھے ہین انمین بعض کتابین اسلام سے پان پان سے، چھ چھ سو برس پہلے کی تصنیف ہین، ان مین سے جو کتابین شاہان عجم کی تاریخ مین اُن کا بیان حرف بہ حرف فردوسی سے مطابق ہے، انھین مین ایک کتاب کارنامک ارتخشتر ہے جو پہلوی زبان مین ہے اور ۶۰۰ء یعنی زمانہ اسلام سے کسی قدر پہلے کی تصنیف ہے یہ کتاب اصل پہلوی زبان مین مع جرمنی ترجمہ کے شائع کی گئی ہے، اس کی نسبت براون صاحب لکھتے ہین۔

"جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے۔ اور ہماری نظر مین اسکی وقعت یہ دیکھ کر
اور بڑھجاتی ہے کہ جن کتابون سے اسنے شاہنامہ لکھاہے اُنسے ترتیب وار مطابقت
پائی جاتی ہے" جرمن کے مشہور فاضل پروفیسر نولدکی نے شاہنامہ کے ماخذ
اور اس کی تاریخی حیثیت پر ایک مستقل کتاب جرمن زبان مین لکھی ہے، اسکے
اقتباسات کا ترجمہ مسٹر براؤن نے انگریزی مین کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کی جلد
اول مین شامل کیا ہے ہم اسکے بعض ضروری مقامات کا ترجمہ نقل کرتے ہین
تاریخ و قدامت " اوستا مین شاہنامہ کی فصلون کا آنا ذکر آچکا ہے کہ اُس سے
ثابت ہوتا ہے کہ جب اوستا تصنیف ہوئی تو اُس زمانہ مین ان قومی فسانون کی بڑی
بڑی باتین لوگون کو معلوم تھین۔ اُنکی قدامت کا صرف یہی ایک ثبوت نہین ہے
کیونکہ نولدکی نے دکھلادیا ہے کہ یونانی مصنفون کی کتابون مین بھی جو انھون نی
شاہان ایران کے بارے مین لکھی ہین، ان بہادرون کا تذکرہ موجود ہے، خاصکر
ٹی سی۔ ایس[۱] کی کتاب مین جو پانسو برس قبل حضرت مسیح[۲]، آرٹازرکس سینری من[۳] کا
طبیب دربار تھا اور اُس نے اپنی کتاب ایرانی تصانیف کی مدد سے لکھی ہے یہ
واقعات باربار بیان ہوئے ہین بلکہ کبھی ایک خاندان سے منسوب ہوئے ہین
کبھی دوسرے سے، مثلاً سائرس[۴] ایکی مینین[۵] کے پہلے بادشاہ کو جو واقعات میڈ[۶]
یا دالون سے لڑنے مین پیش آئے وہ اردشیر ساسانی اور اسکی پارتھیون[۷] کی جنگ

---

[۱] Ctesias [۲] Artaxerxes [۳] Mnemon [۴] Cyrus
[۵] Achaemenian [۶] Medes [۷] Parthians

سکے حالات سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اسی طرح عقاب، سیمرغ اور ہما شاہ پسند پرندونکا
اے کی می نیز زال اور اردشیر کا محافظ ہونا، اسی طور پر نودیر کیانی اور پیروز ساسانی
کو تورانی دشمنون سے قارین کے خاندان کے دو شخصون کا بچانا اور اسی قبیل سے
دارا اور پیروز کی ملتی جلتی سرگزشتین ہین جو قابل غور ہین۔

یات کار زریران زریادریس برادر ہسٹاس پیس اور شاہزادی اوداتس کا قصہ ہم تک
اے تھی نیس سے پہنچا ہے۔ یہ قصہ اُس نے سکندر کی اس تاریخ سے لکھا ہے جو
اس کے دیوان چاریس نے تصنیف کی تھی۔ یہی داستان سب مین پرانی
پہلوی کتاب یات کار زریران مین بیان ہوئی ہے جو پانچسو برس قبل
حضرت عیسیٰ کے لکھی گئی تھی، یہ چھوٹی مگر ضروری کتاب سب مین قدیم فارسی کتاب
ہے جس مین بہادری کے قصے درج ہین، گو اسمین ایک ہی قصہ ہے مگر اُس سے
معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اُن کل کہانیون پر عبور ہے، اسی کتاب کو شاہنامہ
گشتاسپ یا پہلوی شاہنامہ کہتے ہین۔"

نولدکی کہتا ہے کہ "اگر ہمکو سراسر دھوکا نہوا ہو تو ہم کہہ سکتے ہین کہ اس
قصے مین وہ روح موجود ہے جسکا وجود کئی اور قومون کے بہادری کے قصون مین
موجود ہے خلاصہ حال سب کو معلوم ہے، اسکے خاص خاص حصون کو
کوشش کرکے زینت دی گئی ہے، اور اس ڈھانچ مین تھوڑی سی کمی بیشی
اور ترتیب سے کم وبیش ایک مسلسل اور پوری داستان طیار ہو سکتی ہے، اس

Achaemenes, Zapiadres, Hystaspes, Odatis, Athenaeus, Chares, Yatkar-i-Zariran,

قصے کے ضروری اجزاعربی کے اس مختصر ترجمہ مین موجود ہین جو طبری نے کیا ہے اور جو شاہنامہ کے بیان سے بالکل مطابق ہے بعض جگہ تو لفظ بہ لفظ وہی ہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُسی عام قدیم روایت سے لیا گیا ہے جو شاہنامہ کا ماخذ ہی!!

اِس نئی ترتیب سے جس کی طرف نولدکی نے اشارہ کیا ہے وہ اضافہ اور اصلاح مراد ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کا پیوند ہوکر ایک دلکش داستان بنجائین اور کی سے یہ غرض ہے کہ وہ باتین اور الفاظ جو مسلمانون کو ناگوار ہین نہ آنے پائین جیسا فردوسی اور اورون نے کیا ہی۔

شاہنامہ کے ساسانی حصہ کے متعلق ہمارے پاس ایک پہلوی کتاب کارنامک ارتخشتر پاپکان اصل پہلوی اور جرمن مین موجود ہی۔ جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے اور ہماری نظر مین اُسکی وقعت یہ دیکھکر اور بڑھ جاتی ہے کہ جن کتابون سے اُس نے شاہنامہ لکھا ہے اُنسے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہو کارنامک غالباً ۶۰۰ء مین تصنیف ہوئی اور اگلی اس کا جو ۵۸۰ء مین تھا شاہان ایران کی تاریخون کا سامان پاپک اور اردشیر کے حالات مین حوالہ دینا اسبات کا زائد ثبوت ہے کہ شاہنامہ کے مختلف قصے اس زمانہ کی پہلوی کتابون مین پائے جاتے تھے۔

فردوسی کے شاہنامہ پر جو دیباچہ تیمور کے پوتے بایسنقر کے حکم سے ۱۴۲۵ء میں لکھکر لگایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہقان دانشور کا پورا صحیح نسخہ اس ساری داستان کا کیومرث سے لیکر خسرو پرویز یعنی ۶۲۷ء تک کا یزدجرد ثانی آخری ساسانی فرمان روا کے عہد میں تیار ہو چکا تھا اسپرنولد کی لکھتا ہے کہ یہ "کتاب خواہ کیسی ہی کیون نہو مگر عرب مورخون کے ترجمون کا، فردوسی سے خسرو پرویز کی وفات تک مطابق ہونا اور بعد کو مختلف اس بارہ خاص مین اُسکی صداقت کا ثبوت ہی اور اُسکی انتہا درجہ کی ہمدردانہ کوشش اور حق پسندی سے پایا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کی سرپرستی اور نگرانی مین تصنیف ہوئی تھی"

اس پہلوی خدائی نامہ کا جسکا حمزہ اور مصنف فہرست وغیرہ اور دیگر عرب مورخون نے ذکر کیا ہے، ابن المقفع نے آٹھوین صدی عیسوی کے وسط مین عربی مین ترجمہ کیا اور اس ذریعہ سے تمام عربی دانون کو اسکا حال معلوم ہو گیا، مگر نہایت افسوس ہے کہ یہ ترجمہ ضائع ہو گیا، اسی طرح وہ فارسی نثر کا ترجمہ جو ۹۵۷ء مین ابو المنصور المعمری کے حکم سے ہوا تھا اور ہرات، سیستان، شاہپور اور طوس کے چار پارسیون نے، ابو منصور ابن عبد الرزاق حاکم طوس کے لیے کیا تھا، جیسا کہ البیرونی اور نولد کی نے لکھا ہے۔ اسی کی بنا پر دقیقی نے ایک شاہنامہ نوح ابن منصور سامانی بادشاہ کے لیے جو ۹۹۷ء تک رہا، فارسی نظم مین لکھنا شروع کیا تھا مگر سلطنت گشتاسپ اور زردشت کی آمد کے متعلق چند ہی ہزار

شعر لکھنے پایا تھا کہ اُسے ایک ترکی غلام نے مار ڈالا۔ یہ فردوسی ہی کا حصہ تھا کہ چند سال بعد اسنے اِس قومی فسانے کو جو دقیقی نے شروع کیا تھا ساٹھ ہزار اشعار مین جس مین دقیقی کے اشعار بھی شامل ہین تکمیل کو پہنچایا۔ اتنا کہنا یہان اور ضروری ہی کہ شاہنامہ قوم کا پورا پورا افسانہ ہے۔

داستان اردشیر اِس داستان کی جتنی کہانیان۔ شاہنامہ اور کارنامک پہلوی مین پائی جاتی ہین حسب تفصیل ذیل ہین۔

(۱) ساسان جو بہمن دراز دست کی پانچوین پشت مین تھا، پاپک شاہ فارس کے ہان مویشی چرانے پر نوکر ہے، پاپک خواب دیکھتا ہے کہ ساسان نسل شاہی سے ہے، اُس سے بلطف وخوشی پیش آتا ہے، اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرتا ہے اور اردشیر اُسکے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) پاپک اردشیر کو متبنے کرتا ہے، اسکے جوان ہونے پر اسکی دلاوری عقلمندی اور شاہانہ خوبیون کا تذکرہ اردوان (آخری بادشاہ اشکانی) تک پہنچتا ہی وہ اردشیر کو طلب کرتا ہے، خاطر ومدارات سے پیش آتا ہے ایک روز اردوان کی بیٹے کے ساتھ شکار کو جاتا ہے اور وہ اردشیر کے مارے ہوے شکار کو اپنا بتلاتا ہے اسپر بے قدر ہوکر میر آخور اصطبل شاہی مقرر ہوتا ہے۔

(۳) اردوان کی ایک معتمد ہوشیار اور نازنین پرستار اردشیر پر ترس کھاتی ہے اور وہ تیز رفتار گھوڑے مہیا کرکے اسکے ساتھ فارس کو بھاگ

جاتی ہے، اردوان تعاقب کرتا ہے مگر یہ سُنکر کہ شوکت خسروی ایک خوبصورت مینڈھی کی شکل مین اردشیر تک پہنچ گئی ہے واپس آتا ہے۔

(۴) اردشیر آشکانیون وغیرہ سے لڑتا ہے، اردوان اور اسکے بیٹے کو شکست دیتا ہے اور خود کردون سے زک اُٹھاتا ہے۔

(۵) داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرم کرمانی مع جنگ متہرک (مرکب

(۶) اردوان اپنی بیٹی (زوجہ اردشیر) کو موت کا حکم سناتا ہے ایک موبد جسکا نام ابرسام ہے اسکی جان بچاتا ہے۔ اسکے پیٹ سے شاپور پیدا ہوتا ہے اور باپ اس بچہ کو لیجاتا ہے۔

(۷) اردشیر ہندوستان کے حاکم کید یا کیت سے یہ سُنکر کہ ایران کی بادشاہت اسکے یا اسکے دشمن متہرک کے گھرانے مین جائیگی، متہرک کا استیصال کرتا ہے اس کی ایک لڑکی قتل عام سے بچکر کسانون مین پرورش پاتی ہے، شاپور اُسے دیکھکر اُسپر عاشق ہوتا ہے، اپنی شادی اور اپنے بیٹے ہرمزد کی پیدائش کو اپنے باپ اردشیر سے چھپاتا ہے۔ اور ہرمزد کو سات برس کی عمر مین چوگان کے میدان کی بہادری دیکھ کر اردشیر پہچان لیتا ہے،

ہر شخص جسنے کارنامک اور شاہنامہ کا یہ حصہ ساتھ پڑھا ہے اس بات کا اقرار کریگا کہ شاہنامہ پورا چربہ کارنامک کا ہے اسلیے کہ جزئیات مین بھی اختلاف نہین ہے ہمارے اس خیال کو کہ فردوسی نے جن قدیم کتابون سے شاہنامہ

لکھا ہے، اُن سے الگ نہین گیا، پہلوی کے قصہ زریر اور شاہنامہ کے مقابلہ سے اور بھی تقویت ہو جاتی ہے، یہ امر اتفاقی ہے کہ ان حصون کا ہم اصل کتابون سے مقابلہ کر سکے مگر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہین کہ اور مقامات پر بھی جہان ہمکو جانچ پڑتال کے ذریعے حاصل نہین ہین وہان بھی فردوسی نے ادنی بات بھی قدیم ماخذ کے خلاف نہین لکھی ہوگی، یہان ہم داستان اردشیر کی دونون رواتیون مین سے صرف دو ایک باتون کا مقابلہ کر سکتے ہین زیادہ گنجائش نہین ہی، اوّل ہم اُسکی پیدائش کا ذکر کرتے ہین۔

کارنامک

سکندر رومی کی وفات پر ایران مین ۲۴۰ مختلف گروہون کے لوگ حکمران تھے اردوان ان سب مین سربرآوردہ تھا اور اصفہان، فارس اور قرب وجوار کے حصہ پر قابض تھا، پاپک محافظ سرحد اور اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا اور اصطخر[۱] مین رہتا تھا، اسکے کوئی بیٹا نہ تھا جس سے اسکا نام چلتا، ساسان پاپک کا گوالا تھا اور ہمیشہ اپنے گلون مین رہتا تھا، مگر وہ دارا ابن دارا کی اولاد مین تھا اور سکندر کے برسے زمانہ مین وہ بھاگ کر گڈریون مین جاملا تھا پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی، ایک رات اُسنے خواب مین دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج نکلا ہے اور اسنے تمام عالم کو منور کر دیا، دوسری رات دیکھا کہ ساسان ایک سپید ہاتھی پر جسپر

[۱] شاہنامہ مین اصطرخ لکھا ہوا ہے۔

قیمتی جھول پڑی ہوئی ہے۔ سوار جا رہا ہے اور تمام "کشور" کے لوگ اسکے اردگرد
ہین اسکی اطاعت کرتے ہین اور دعائین دیتے ہین، تیسری رات اُس نے دیکھا
کہ آتش فروبہ گشسپ اور متھر، ساسان کے گھرمین روشن ہے اور ساری دنیامین
اُجالا پھیلا ہوا ہے، ان خوابون سے گھبرا کر اُسنے تعبیر دینے والون اور دانشمندونکو
بلایا اور اُن سے تینون خواب بیان کیے معبرون نے کہا کہ یا تو وہ شخص جسکو آپ نے
خواب مین دیکھا ہے یا اُسکی اولاد مین سے کوئی شخص تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا، کیونکہ سونج
اور قیمتی جھول دالا ہاتھی ازور، طاقت اور فتح کی علامت ہین، آتش فروبہ سے مراد
وہ لوگ ہین جو مذہب سے خوب واقف ہین اور اپنے ہمسرون مین ممتاز ہین، آتش
گشسپ سے جنگجو اور جرگون کے سردار اور آتش بر جین مہر سے دنیا کے کاشتکار مراد
ہین، بس بادشاہت اُسے یا اُسکی اولاد کو ملیگی"، پاپک نے یہ تقریر سُنکر سب کو رخصت
کیا اور ساسان کو بلا کر اُس سے پوچھا، "تم کس خاندان اور نسل سے ہو، تمھارے
بزرگون اور بڑھون مین سے کوئی بادشاہ ہوا ہے"؟ ساسان نے کہا کہ اگر جان
بخشی ہو تو عرض کرون، پاپک نے اجازت دی، ساسان نے اپنا راز افشا کر دیا اور
سارا حال تبلا دیا، پاپک یہ سُنکر خوش ہوا اور کہا کہ مین تمھاری حالت بہتر کر دونگا،
اور اسکے حکم دیتے ہی پورا لباس شاہی آیا اور ساسان کو عطا ہوا جب ساسان نے
کہا کہ پہنو، اُس نے پہن لیا، وہ پاپک کے حکم سے چند روز عمدہ غذائین کھاتا رہا جس سے
اُس کے جسم مین طاقت آگئی، پاپک نے پھر اپنی لڑکی سے اُس کی شادی کر دی، اور

قسمت کی یاوری سے وہ حاملہ ہوگئی، اور اُس سے تخشتر پیدا ہوا، فروبہ۔ فرہ باگ یا فرن باگ کی جگہ فردوسی نے خرید لکھا ہے۔ کارنامک کی عبارت جہان ساسان کی آمد کا ذکر ہے، بڑی روکھی پھیکی ہے۔ فردوسی نے اپنے زور قلم سے اُسمین جان ڈالدی ہے۔ اور یہ منجملہ اُن مقامات کے ہے جو فردوسی نے نہایت دلکش پیرایہ مین لکھے ہین،

اشعار فردوسی متعلق قصہ بابک و ساسان

چو دارا بہ رزم اندرون کشتہ شد	ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد
پسر بد مر او را یکے شادکام	خردمند و جنگی و ساسان بنام
ازان لشکر روم بگریخت اوی	بدام بلا در نیامیخت اوی
بہ ہندوستان در بزاری بمرد	ز ساسان یکے کودکے ماند خرد
برین ہم نشان تا چہارم پسر	ہمے نام ساسانش کردے پدر
چو کہتر پسر سوے بابک رسید	بدشت آمد و سرشبان را بدید
بدو گفت مزدورت آید بکار	کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار
بپذرفت بدبخت را سرشبان	ہمی داشت بارنج روز و شبان
شبے خفتہ بد بابک رودیاب	چنان دید روشن روانش بخواب
کہ ساسان بہ پیل ژیان برنشست	گرفتہ یکے تیغ ہندی بدست
بہ دیگر شب اندر چو بابک بخفت	ہمی بود با فرش اندیشہ جفت

چنان دید در خواب کاتش پرست	سه آتش فروزان ببردی بدست
چو آذرگشسپ و چو خراد و مهر	فروزان چو بهرام و ناهید و مهر
همه پیش ساسان فروزان بدی	بهر آتشی عود سوزان بدی
سر بابک از خواب بیدار شد	روان و دلش پر ز تیمار شد
کسانیکه در خواب دانا بدند	بدان دانش اندر توانا بدند
به ایوان بابک شدند انجمن	بزرگان فرزانه و رایزن
چو بابک سخن برگشاد از نهفت	همه خواب یکسر بدیشان بگفت
پراندیشه شد زان سخن رهنمای	نهاده بدو گوش پاسخ سرای
سرانجام گفت ای سرافراز شاه	بتاویل این کرد باید نگاه
کسی را که دیدی تو زینسان بخواب	بشاهی برآرد سر از آفتاب
گر ایدون که این خواب ازو بگذرد	پسر باشدش کز جهان برخورد
چو بابک شنید این سخن گشت شاد	براندازه شان یک بیک هدیه داد
بفرمود تا سر شبان از رمه	بر بابک آمد بروز دمه
بیامد دمان پیش او با گلیم	پر از برف پشمین و دل پر ز بیم
بپرداخت بابک ز بیگانه جای	پدر شد پرستنده و رهنمای
ز ساسان بپرسید و بنواختش	بر خویش نزدیک بنشاختش
بپرسیدش از گوهر و از نژاد	شبان زو بترسید و پاسخ نداد

ازان پس بدو گفت کاے شہریار
بگویم ز گوہر ہمہ ہر چہ ہست
چو بشنید بابک زبان برکشاد
بہ بابک چنین گفت ازان پس جوان
چو بشنید بابک فرو ریخت آب
بیاورد پس جامۂ پہلوے
یکے کاخ پرمایہ او را بساخت
بدو داد پس دختر خویش را

شبان را بجان گر دہی زینہار
چو دستم بہ پیمان بگیری بہ دست
ز یزدان نیکی دہش کرد یاد
کہ من پور ساسانم اے پہلوان
ازان چشم روشن کہ او دید خواب
یکے اسپ پر آلتِ خسروے
ازان سر شبانی سرش بر فرخت
پسندیدۂ و افسرِ خویش را

کارنامک پہلوی اور شاہنامہ کے بیان مین بہت خفیف فرق ہی، جو عموماً تاریخی واقعات مین ہوتا ہے۔

مسٹر براؤن نے اور بھی چند داستانین کارنامک اور شاہنامہ کی مطابقت دکھانے کے لیے درج کی ہین، لیکن ہم نے طول کے لحاظ سے قلم انداز کیا۔

فردوسی کی وقعت شاعری کی حیثیت سے

عام اتفاق ہے کہ ایران مین اس درجہ کا کوئی شاعر آج تک نہین پیدا ہوا، انوری اُن شعرا مین ہی جنکو لوگون نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے، چنانچہ مشہور ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند　　ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات وقصیدہ و غـزل را		فردوسی و انوری و سعدی	

لیکن خود انوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہی اور ہم اُسکے بندی ہین.

آفرین بر روان فـردوسی		آن ہمایون نژاد فرخندہ	
آن نہ اُستاد بود و ما شاگرد		آن خداوند بود و ما بندہ	

نظامی کہتے ہین،

سخن گوی پیشینہ دانای طوس　　　کہ آراست زلف سخن چون عروس

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ مین لکھا ہے. کہ عربی زبان باوجود اس وسعت وکثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہین کرسکتی، اور درحقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہے،،

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہین عموماً فردوسی کی کمال شاعری کے معترف ہین سرگور اوسلی نے تذکرۃ الشعراء مین فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہی اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتوان بینی بھی ظاہر کی ہے کہ" وہ اگرچہ دراصل ہومر کا ہمسر نہین ہوسکتا، لیکن ایشیا مین اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہی تو وہی ہی"

لیکن تعجب اور سخت تعجب ہی کہ مسٹر براؤن جو آجکل فارسی دانان یورپ مین سب سے ممتاز ہین۔ فردوسی کے کمال شاعری کے منکر ہین۔ وہ اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین لکھتے ہین کہ" فردوسی کے بعد جو شعراء پیدا ہوئے وہ شاعرانہ خیالات اور شوکت الفاظ دونوں حیثیت سے فردوسی سے بالاتر ہین. شاہنامہ سبعہ معلقہ کی بھی برابری نہین کرسکتا" صاحب موصوف کو اسپر حیرت ہی کہ شاہنامہ

تمام اسلامی دنیا میں اس قدر کیون مشہور عام ہوگیا۔ پھر خود اسکی وجہ یہ بتائی ہی کہ شاہنامہ مین مسلمانون کے اسلاف کی فخریہ داستانین ہین۔ اس لیے حب قوم نے اس کا سکہ جما دیا"

ہم ان سب باتون کے جواب مین صرف یہ کہتے ہین۔

حریفِ کاوشِ مژگانِ خونریزش نۀ ناصح		بدست آور رگِ جانی و نشتر را تماشا کن

شاہنامہ کی خصوصیات

اب ہم شاہنامہ کے اوصاف کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہین۔

پہلی خصوصیت

۱۔ اسلام کا خاصہ ہے کہ جہان جہان گیا ملک کی زبان سرے سے بدل دی یا اسقدر اسکو مغلوب کر لیا کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہین رہی اسلام سے پہلے مصر و شام مین قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی، اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی، یہانتک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین بول سکتے، ایشیاے کوچک اور قسطنطنیہ مین ترک گئے تو ملکی زبان ترکی ہوگئی، کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتو ہے لیکن خواص فارسی بولتے ہین جو اسلامی حکمرانون کی زبان تھی، ایران اور ہندوستان سخت جان تھے جہان ملک کی اصلی زبان قائم رہی لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ اُن کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اُردو لکھنا چاہین تو لزوم مالا یلزم کی محنت اُٹھانی پڑتی ہی۔

ایران مین ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہوگئی تھی، عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح مین جو قصیدہ لکھا اُسکے چار شعر آج موجود ہین، جن مین نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہین، رودکی اور ابوشکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ کا

بھرا پڑا ہے، سلطان محمود کے زمانہ مین ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب مین
ظفر نامہ ایک کتاب نثر مین لکھی تھی، وہ ہماری نظر سے گزری ہے، اُسکا بھی یہی
حال ہے، اسی زمانے مین شیخ بو علی سینا نے حکمت علائیہ فارسی زبان مین لکھی اور
قصد کیا کہ خالص فارسی مین لکھی جاسے. لیکن عہدہ برآنہو سکا. فردوسی کی قدرت
زبان دیکھو کہ ساٹھ ہزار شعر لکھکر ڈالدیے، اور عربی الفاظ اسقدر کم ہین کہ گویا نہین
ہین، اگرچہ اس خصوصیت کا موجد دقیقی ہے، لیکن کل ہزار شعر اور صرف چند
معمولی واقعات ہین، بخلاف اس کے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سیکڑون
گوناگون مطالب ادا کیئے، اور زبان کے خالص ہونے مین فرق نہ آنے پایا، عربی کے
الفاظ خال، خال، آسے ہین اکثر وہ ہین جو خاص مصطلح الفاظ ہین، مثلاً دین. میمنہ.
میسرہ. قلب. سلاح. عنان وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس طرح اِس زبان مین شائع تھے
جسطرح آج کل اُردو مین جج. کلکٹر. ٹکٹ. اسٹیشن وغیرہ ہین کہ انکے بجاسے
اگر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرسے تو ناموزون معلوم ہونگے.

حیرت وہان ہوتی ہے جہان فلسفیانہ اصطلاحین آتی ہین اور وہ اس بے
تکلفی سے سادی فارسی مین اُن کو ادا کرتا جاتا ہے کہ گویا روزمرہ کی باتین ہین، بوعلی
سینا نے بھی حکمت علائیہ مین یہ کوشش کی لیکن اسکا نمونہ دیکھو ابطال غیر تناہی کے
استدلال مین لکھتا ہی۔

"بیشی وبیشی بالطبع است چنانکہ اندر شمار است یا بہ عرض چنانکہ اندر اندازہ

است کہ از ہر کدام سو کہ خواہی آغاز کنی و ہر چہ اندو سے بیشتی ویسی است بالطبع باوے
مقداری ست کہ او را ابزہ با ہر جا کہ بودند ہمہ بیک جاے حاصل و موجود بود و
متناہی است"

غور کرو اس کوشش کے ساتھ کس قدر عربی الفاظ اب بھی باقی رہ گئے اور جن عربی الفاظ
کا فارسی مین ترجمہ کیا وہ اس قدر نامانوس اور بیگانہ ہین کہ عبارت معمّا ہو کر رہ گئی۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزون مین جب تقدّم و تاخّر ہوتا ہے تو دو طریقہ
سے ہوتا ہے بلا واسطہ جس طرح ایک عدد، دو پر مقدم ہے، یا بواسطہ جسطرح مسافت
مین آگا پیچھا ہوتا ہے کہ گویا ایک حصہ کو مقدّم اور دوسرے حصّہ کو مؤخر کہتے ہین،
لیکن جہان سے چاہین مسافت کو شروع کر سکتے ہین، اب قاعدہ یہ ہے کہ جب
کسی چیز مین بالطبع تقدّم و تاخر ہو گا، ضرور ہے کہ اس مین مقدار ہو اور مقدار کے
تمام اجزا مرتّب ہون، یہ بھی ضرور ہے کہ ایسی چیز متناہی ہو،

غور کرو بو علی سینا کی عبارت سے کیا کوئی شخص یہ مطلب سمجھ سکتا ہے؟

فردوسی نے آغاز کتاب مین مخلوقات کی پیدائش کی ابتدا، عناصر کا وجود، اور
اُن کی ترتیب اور انقلابات لکھے ہین۔

از آغاز باید کہ دانی درست	سرمایۂ گوہران از نخست
کہ یزدان ز ناچیز چیز آفرید	بدان تا توانائی آمد پدید
وزو مایۂ گوہر آمد چہار	برآوردہ بے رنج و بے روزگار

نخستین کہ آتش ز جنبش دمید ۔۔۔ زگرمیش پس خشکی آمد پدید
وزان پس ز آرام سردی نمود ۔۔۔ ز سردی ہمان باز ترّی فزود
چو این چار گوہر بجاے آمدند ۔۔۔ ز بہر سپنجی سراے آمدند
گیا رُست، باچند گونہ درخت ۔۔۔ بزیر اندر آمد سران شان زبخت
ببالد ندارد جز این نیروے ۔۔۔ نپوید چو پویندگان ہر سوے
نگہ کن برین گنبد تیز گرد، ۔۔۔ کہ درمان ازوی ست وزوی است درد
نہ گشت زمانہ بفرسایدش، (گردش) ۔۔۔ نہ این رنج و تیمار بگزایدش
نہ از گردش آرام گیرد ہمی، ۔۔۔ نہ چون ما تباہی پذیرد ہمی

یونانیون کے نزدیک آفرینش کی ابتدا اور اُس کی تاریخ یہ ہے کہ خدا نے مادّہ پیدا کیا، مادّہ سے عناصر پیدا ہوئے، حرکت سے آگ پیدا ہوئی، آگ کی گرمی نے یبوست پیدا کی جس سے خاک کا وجود ہوا، پھر سکون کی وجہ سے رطوبت پیدا ہوئی رطوبت نے پانی پیدا کیا۔ اس طرح چار عنصر پیدا ہوئے، پھر نباتات کا وجود ہوا، جنمین صرف نمو کی قوت ہے؛ متحرک بالارادہ نہین،

آسمان کی نسبت یونانیون کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہین، اور امتداد زمانہ سے ان مین تغیر اور زوال نہین ہو سکتا، فردوسی نے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ مین ادا کیا ہے کہ معمولی باتین معلوم ہوتی ہین، اور یہ خیال بھی نہین ہوتا کہ ان مین فلسفیانہ اصطلاحین ہین، لیکن درحقیقت سب فلسفہ کے خاص الفاظ ہین

انکے مقابل کے عربی الفاظ دیکھو۔

سرمایہ	مادّہ	توانائی	وجود
گوہر	عنصر	جنبش	حرکت
آرام	سکون	پوینده	متحرک بالارادہ
گشت	دوران	فرسودن	تغیّر
تباہی	فنا		

اس طرح اور بہت سے الفاظ ہین، ہم نے صرف نمونہ دکھایا ہے۔

دوسری خصوصیت

۲۔ایشیائی تاریخون کے متعلق عام شکایت ہے کہ ان مین بجز جنگ و خونریزی کے اور کچھ نہین ہوتا یعنی وہ حالات بالکل نہین ہوتے جن سے اس زمانہ کے ملکی معاملات اور قوم کی تہذیب و معاشرت کا حال کھل سکے۔یہ شکایت بہت کچھ صحیح ہے، لیکن شاہنامہ اس سے مستثنیٰ ہے، شاہنامہ اگرچہ بظاہر صرف رزمیہ نظم معلوم ہوتی ہے۔لیکن عام واقعات کے بیان مین اس تفصیل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہین کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے، بادشاہ کیونکر دربار کرتا تھا، امرا کس ترتیب سے کھڑے ہوتے تھے، عرض معروض کرنے کے کیا آداب تھے، انعام و اکرام کا طریقہ کیا تھا، بادشاہ اور امراء کا درباری لباس کیا ہوتا تھا؟ فرامین اور توقیعات کیونکر اور کس چیز پر لکھے جاتے تھے۔نامہ و پیام کا کیا انداز تھا

مجرمون کو کیونکر سزائین دی جاتی تھین۔ بادشاہی احکام پر کیونکر نکتہ چینی کیجاتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

شادیون کے کیا مراسم تھے، جہیز مین کیا دیا جاتا تھا، عروسی کی کیا کیا رسمین تھین، دولھا اور دُلہن کا کیا لباس ہوتا تھا، پیشخدمت، غلام، اور لونڈیون کی وضع اور انداز کیا تھا۔

خط کتابت کا کیا طریقہ تھا، کس چیز سے ابتدا کرتے تھے، خاتمہ کی کیا عبارت ہوتی تھی، خطوط کس چیز پر لکھے جاتے تھے، اُن کو کیونکر بند کرتے تھے، کس چیز کی مُہر لگاتے تھے،

مالگزاری کے ادا کرنے کا کیا دستور تھا، زمینون کی کیا تقسیم تھی، مالگزاری کی مختلف شرحین کیا تھین، ٹکس کیا کیا تھے، کون کون لوگ ٹیکس سے معاف ہوتے تھے

یہ تمام باتین شاہنامہ سے بہ تفصیل معلوم ہوتی ہین، نمونہ کے طور پر ہم چند مثالین نقل کرتے ہین،

(۱) بیژن کی مہم مین کیخسرو نے رستم کو زابل سے بلایا ہے اور اُسکے لیے باغ مین دربار کیا ہے، دربار مین تخت زرین بچھایا گیا ہے، اسپر ایک مصنوعی درخت نصب ہے، جسکا سایہ بادشاہ پر پڑتا ہے، درخت چاندی کا ہے، یاقوت کی شاخین ہین، موتیون کے خوشے دانے ہین، زرین ترنج اور سیب پھلے ہوے ہین، جو مجوّف ہین اور اُنکے اندر مشک کا بُرادہ ہے ہوا جب چلتی ہے تو مشک

جھڑتی ہے، اسی کے قریب وہ فرش تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ایران کی فتح مین آیا تھا) ان تمام باتون کو فردوسی نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

در باغ بگشادہ سالار بار	نشستنگہے ساخت بس شاہوار
بفرمود تا تاج زرین و تخت	نہادند زیر گل افشان درخت
درختے زدند از بر گاہ شاہ	کجا سایہ گستر دبر تاج و گاہ
تنش سیم و شاخش ز یاقوت زر	بر و گونہ گون خوشہ ہاے گہر
عقیق و زبرجد ہمہ برگ و بار	فروہشتہ از شاخ چون گوشوار
ہمہ بار زرین ترنج و بہی	میان ترنج و بہی بُد تہی
بروا ندرون مشک سودہ بمے	ہمہ پیکرش سفتہ برسان نے
کرا شاہ برگاہ بنشاندے	برو باد ازان مشک بفشاندے
بیامد نشست او بہ زرینہ تخت	بسر برش ریزندہ مشک از درخت
ہمہ مے گساران بہ پیش اندرا	ہمہ بر سران افسر از گوہرا
ہمہ طوق بر سینہ و گوشوار	بہ بر بر ہمہ جامۂ زرنگار

(۳) افراسیاب نے جب اپنی بیٹی فرنگیس کی شادی سیاوش سے کی ہے۔ اور فرنگیس سیاوش کے گھر آئی ہے، تو اسکی جہانی اور عروسی کے ساز و سامان کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بہ گنج آنچہ بُد اندرون حلہ	گزیدند زربفت چینی ہزار

زبرجد طبقها و فیروزه جام	پُر از نافهٔ مشک و پُر عود خام
دو افسر پر از گوهر و گوشوار	دو یاره، یکی طوق دو و گوشوار
ز گستردنیها شتروار شصت	ز زربفت پوشیدنیها سه دست
یکی تخت زرین و کرسی چهار	سه نعلین زرین زبرجد نگار
پرستنده سی صد به زرین کلاه	ز خویشان نزدیک صد نیک خواه
پرستار با جام زرین دویست	تو گفتی به ایوان درون جای نیست
همی صد طبق مشک صد زعفران	همی رفت گلشهر با خواهران

اسفندیار کا تابوت رستم نے روانہ کیا تھا: تابوت کے مراسم دیکھو۔

یکی نغز تابوت کرد آهنین	بگسترد فرشی ز دیبای چین
در اندود یک روی آهن بقیر	پراگند بر قیر مشک و عبیر
وزان پس که پوشید روشن برش	ز فیروزه بر سر نهاد افسرش
چهل اشتر آورد رستم گزین	ز بالا فروهشته دیبای چین
یکی اشتری زیر تابوت شاه	چپ و راست اشتر پس اندر سپاه
پشوتن همی رفت پیش سپاه	بریده بش و دُم اسپ سیاه
برو بر نهاده نگونسار زین	ز زین اندر آویخته گرز کین
همان نامور خود و خفتان اوی	همان ترکش و مغفر جنگجوی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ مین کسی امیر کا جنازہ نکلتا تھا تو لوہے

کے تابوت مین رکھ کر لیجاتے تھے، تابوت کے ایک رخ کو سیاہ رنگ سے رنگ دیتے تھے، پھر اُسپر مشک و عنبر چھڑکتے تھے، میت کو کپڑے پہناتے تھے اور سر پہ تاج رکھتے تھے تابوت کو اونٹ پر محمل مین رکھتے تھے، اور اُسکے داہنے بائین اور بہت سے اونٹ ساتھ ساتھ چلتے تھے، پیچھے فوج ہوتی تھی، میت کی سواری کا گھوڑا ساتھ ہوتا تھا اُسکی یال اور دُم کاٹ دیتے تھے، زین اولٹ کر رکھتے تھے، میت کے اسلحۂ جنگ زین پر لٹکتے چلتے تھے،

ری خصوصیت

۳- ایشیائی شعرا کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے مین حسن و عشق کا کہین اتفاقی موقع آجاتا ہے تو اس قدر پھیلتے ہین، کہ تہذیب و متانت کی حد سے کوسون آگے نکلجاتے ہین، نظامی اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام مین آکر ننگے ہوجاتے ہین لیکن فردوسی باوجود اسکے کہ اسکو تقدس کا دعویٰ نہین ایسے موقعون پر آنکھ نیچی کئے ہوے آتا ہے اور صرف واقعہ نگاری کے غرض سے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گزرجاتا ہے، بیژن اور منیژہ کی صحبت عیش کو جہان لکھا ہے، لکھتا ہے۔

نشستنگہ رود و می ساختند	زبیگانہ خرگہ بپرداختند
پرستندگان ایستادہ بپای	ابا بربط و چنگ و رامش سرای
بدیبا زمین کردہ طاؤس رنگ	ز دینار و دیبا چہ پشت پلنگ
چہ از مشک و عنبر چہ یاقوت و زر	سراپردہ آراستہ سربسر

مے سالخوردہ بہ جام بلور	بر آوردہ با پیشِ گیو زور
سہ روز سہ شب شاد بودہ بہم	گرفتہ بر او خواب مستی ستم

زال اور رودابہ کے عاشقانہ اختلاط مین زیادہ پھیلا ہے، پھر بھی یہ رنگ ہی۔

گرفت آن زمان دستِ دستان بدست	برفتند ہر دو بکردار مست
سوے خانۂ زرنگار آمدند	بدان مجلسِ شاہوار آمدند
شگفت اندران ماہ بد زالِ زر	بدان روے و بالا و آن موے و فر
دو رخسارہ چون لالہ اندر چمن	سر جعد زلفش شکن در شکن
ز دیدنش رودابہ می نارمید	بدزدیدہ در روے ہی بنگرید
ہمی بود بوس و کنار و نبید	مگر شیر کو گور را نشکرید[لہ]

۴، عام خیال ہے کہ فردوسی بزم اچھی نہین لکھتا بے شبہ یوسف زلیخا مین اسکی شاعری کا رتبہ بہت گھٹ گیا ہے، لیکن یہ اسکے رنج و غم اور دل شکستگی کا زمانہ تھا جب اسکے تمام جذبات افسردہ ہو چکے تھے، یوسف زلیخا لکھنے سے اسکا مقصد صرف مذہبی جماعت کو خوش کرنا تھا، جو اتنی بات پر فردوسی سے ناراض تھے کہ اس نے مجوسیون کی مدح و ثنا مین کیون اسقدر اوقات صرف کی، لیکن شاہنامہ مین جہان بزم کا موقع آیا ہے، شاعری کا چمن زار نظر آتا ہے۔ چوتھی خصوصیت

زال رودابہ پر عاشق ہوا ہے، اسکے شوق مین گھر سے نکلا ہے، اسکو خبر ہوتی ہے

لہ یعنی دیکھو شیر نے گورخر کو پاکر شکار نہین کیا،

وہ لب بام آکر کھڑی ہوتی ہے، زال کوٹھے کے برابر آکر اوپر جانے کی تدبیرین سوچتا ہے رودابہ اپنی چوٹی کھول کر لٹکا دیتی ہے کہ اسکے سہارے چڑھ آؤ، زال زلف کو بوسہ دیتا ہے اور کمند ڈالکر کوٹھے پر اترتا ہے، دونون مل جلکر بیٹھتے ہین، لطف و محبت کی باتین ہوتی ہین، شراب کا دور چلتا ہے، یہ سما دیکھو کس طرح دکھایا ہے،

سپہبد سوئے کاخ بنہاد روے	چنان چون بود مردم جُفت جوی
زال ۱۲	
برآمد سیہ چشم گل رخ بہ بام	چو سرو سہی بر سرش ماہ تام
چو از دور دستان سام سوار	پدید آمد آن دختر نامدار
زال ۱۲	
دو بیجادہ بگشاد و آواز داد	کہ شاد آمدی ای جوان مرد شاد
یاقوت یعنی لب ۱۲	
پریروی گفت و سپہبد شنود	ز سر شعر گلنار بگشاد زود
زال ۱۲	
کمندی گشاد او ز سرو بلند	کس از مشک زان سان نپیچد کمند
خم اندر خم و مار بر مار بود	بران عنبرین تار بر تار بود
فرو ہشت گیسو ازان کنگرہ	کہ بازید و شد تا بہ بُن یکسرہ
	لٹک آیا ۱۲
پس از بارہ رودابہ آواز داد	کہ اے پہلوان بچہ گُردزاد
قلعہ ۱۲	
بگیر این سر گیسو از یک سویم	ز بہر تو باید ہمے گیسویم
بدان پرورانیدم این تار را	کہ تا دستگیری کند یار را
نگہ کرد زان اندران ماہ روے	شگفتی بماند اندران روی و موے
	تعجب ۱۲
بسائید مشکین کمندش بہ بوس	کہ بشنید آواز بوسش عروس

چنین داد پاسخ کہ این نیست داد	چنین روز خورشید روشن مباد
کمند از رہی بستد و داد خم	بیفگند بالا، نزد ہیچ دم
بہ حلقہ درآمد سر کنگرہ	برآمد ز بُن تا بسر یکسرہ
چو بر بام آن بارہ بنشست باز	بیامد پری روی و بردش نماز

(آگے کے اشعار اوپر گزر چکے)

تم کہو گے کہ رودابہ نے زال کو کہین جوان مرد، کہین پہلوان بچہ کہہ کے خطاب کیا ہے، اور خود فردوسی رودابہ کی تعریف مین بالا اور فر وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے، حالانکہ بزم کی لطافت اور نزاکت ان الفاظ کی متحمل نہین ہو سکتی، لیکن یہ فردوسی کی نکتہ سنجی اور بلاغت شعاری کی دلیل ہے، اسکو معلوم ہے کہ وہ کابل و زابلستان کے محبوب کا ذکر کر رہا ہے، لکھنؤ کا نہین، وہان کے لوگ آج بھی اپنے پیارے اور چہیتے کی نسبت یہی الفاظ بولتے ہین، کابل کا معشوق لکھنؤ کی طرح دھان پان نہین ہوتا، بلکہ بالیدہ قامت، پُر اندام، اور تنومند ہوتا ہے، اسلیے بالا اور فر کا لفظ وہان کے معشوق کی اصلی تصویر ہے،

بیژن جب افراسیاب کی سرحد مین پہنچا ہے، تو گرگین نے اس سے بیان کیا کہ یہان سے پاس ایک مرغزار ہے، جہان سال مین ایک دفعہ افراسیاب کی بیٹی منیژہ سہیلیون کے ساتھ سیر کو آتی ہے اور ہفتون رہتی ہے، دیکھو فردوسی نے اس موقع پر مرغزار کی بہار اور پری رویون کے جھرمٹ کی تصویر کس طرح کھینچی ہے۔

همه بیشه و باغ و آب روان　　یکی جایگاه از در پهلوان
زمین پرنیان و هوا مشک بوی　　گلابست گوئی مگر آب جوی
خم آورده از بار شاخ سمن　　صنم شد گل و گشت بلبل شمن
خرامان به گرد گلان بر تذرو　　خروشیدن بلبل از شاخ سرو
پری چهره بینی همه دشت و کوه　　بهر سو به شادی نشسته گروه
همه دخت ترکان پوشیده روی[۱]　　همه سرو قد و همه مشک بوی
همه رخ پر از گل، همه چشم خواب　　همه لب پر از مے به بوی گلاب

اخیر شعر پر غور کرو "همه چشم خواب" کے مبالغہ اور بیساختگی پر متاخرین کے ہزارون تکلفات و مضمون آفرینیان نثار ہین۔

ایک اور موقع پر ایک پریچہرہ کی تصویر کھینچتا ہے۔

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند　　به بالا به کردار سرو بلند
دو برگ گلش سوسن می سرشت　　دو شمشاد (بطور) عنبر فروش از بهشت
بناگوش تابنده خورشید وار　　فروهشته زو حلقهٔ گوشوار
لبان از طبرزد (مصری ۱۲) زبان از شکر　　دهانش مکلل به در و گهر

ان سادہ اور فطری مبالغون کو دیکھو "لبان از طبرزد زبان از شکر" لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کے تکلفات سے عہدہ برآ

۱؎ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کی رسم ایرانیون مین بھی قدیم سے ہے۔

نہین ہو سکتا، اس انداز مین بھی وہ کسی سے کم نہین۔

بدنبال چشمش یکے خال بود	کہ چشم خودش ہم بدنبال بود

سہراب نے جب ایران کی سرحد مین پہنچکر قلعہ سپید کا محاصرہ کیا ہو تو قلعہ سے ایک عورت مردانہ لباس پہنکر نکلی ہے اور سہراب سے جنگ آزما ہوئی ہو، دیر تک رد و بدل کے بعد سہراب نے اسکو گرفتار کیا، جلم چہرے سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ عورت ہے۔ سہراب فریفتہ ہو گیا لیکن عورت فریب دیکر نکل گئی، سہراب اب سپہگری چھوڑ کر عشق کا دم بھرنے لگا، دیکھو فردوسی اسکے نالۂ و زاری کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

ہمی گفت ازان پس دریغا دریغ	کہ شد ماہ تابندہ در زیر میغ
غریب آہوے آمدم در کمند	کہ از بند جست و مرا کرد بند
عجب ہرن میری کمند مین آیا،	کہ خود چھوٹ کر نکل گیا اور مجھکو قید مین ڈال گیا
زہی چشم بندے کہ آن پر فسون	بتیغم نخست و مرا ریخت خون
اس شعبدہ کو دیکھو کہ اس جادوگر نے	مجھکو تلوار نہین ماری لیکن مین قتل ہو گیا
ندانم چہ کرد آن فسون گر بہ من	کہ ناگہ مرا بست راہِ سخن،
بزاری مرا خود بباید گریست	کہ دلدار خود را ندانم کہ کیست
ہمی گفت و میسوخت از غم بسے	نمی خواست رازش بداند کسے
دلے عشق پنہان نماند کہ راز	بُرد دُم نماید ہمی اشک باز
غم جان برآرد خروشش از درون	اگر چند عاشق بود ذو فنون

ہر چند ۱۲

ان شعرون مین عشقیہ شاعری کی تمام ادائین موجود ہین، استعارات اور تشبیہات کا بھی ہلکا سا رنگ ہے، شاعرانہ ترکیبین بھی ہین ع کہ از بند جست و سرا گرد بند، ع بہ تیغم بخست و مرا ریخت خون، یہ سب کچھ ہے لیکن فردوسی اس بات کو نہین بھولا کہ وہ سہراب کی داستان لکھ رہا ہے، محمد شاہ و واجد علی شاہ کی نہین، اس لیے فوراً سہراب ہی کی زبان سے نصیحت کرتا ہے، اور دیکھو ایک حوصلہ مند فاتح کی نصیحت کا کیا انداز ہے۔

از ان کار ہومان نبودش خبر	کہ سہراب را ہست خون در جگر
ولے از فراست بدل نقش بست	کہ او را پریشانیے داد دست
بدام کسیے پاے بند آمدہ است	ز زلف بتے در کمند آمدہ است
نہان میکند درد و خونین دل است	ہوس میرود راہ و پا در گل است
	یعنی ہوس میرود ۱۲
یکے فرصتے جست و گفتش براز	کہ اے شیر دل گرد گردن فراز
فریب پری پیکران جوان	نخواہد کسے کو بود پہلوان
نہ رسم جہانگیری و سروری است	کہ از مہر ماہے بباید گریست
ز توران بکارے برون آمدیم	شناور بدریاے خون آمدیم
اگرچند این کار باشد بکام	ولے ہست در پیش رنجے تمام
بباید شہنشاہ کاؤس و طوس	چو رستم کہ بر شیر دارد فسوس
ہر چند ۱۲	

پھر بہت سے ایرانی پہلوانون کے نام گنا کر کہتا ہے،

توئی مرد میدان این سروران	چہ کارت بعشق پری پیکران

تو کارے کہ داری نہ بُردی بسر — چرا دست، بازی بہ کار دگر
بہ نیروی مردی جہان را بگیر — ز شاہان بدست آر تاج و سریر
چو کشور بدست تو آید فراز — بھر جاے خوبان برندت نماز
ازان گفتہ سہراب بیدار شد — دلش بستۂ بند پیکار شد
بگفت اے سر نامداران چین — بگفتار خوبت ہزار آفرین
شد این گفت تو داروی جان من — کنون با تو نگشت پیمان من
جہان را سراسر چہ خشک و چہ آب — در آرم بفرمان افراسیاب
بگفت این و دل را ز دلبر بکند — بر آمد بہ افراز تخت بلند

دیکھو ایک شجاع دام عشق مین اتفاقاً پھنس بھی جاتا ہے تو کس طرح جلد چھوٹ کر نکلجاتا ہے فردوسی نے موقع پاکر عشقیہ شاعری کا کمال بھی دکھلادیا، اور پھر متانت اور شائستگی کا سررشتہ کہین ہات سے نہ چھوٹا، متاخرین بلکہ نظامی وسعدی کو بھی اتنا سہارا ہات آجاتا تو خدا جانے کہان سے کہان نکلجاتے۔

پانچوین خصوصیت

۵۔ شاعری کا اصل کمال واقعہ نگاری اور جذبات انسانی کا اظہار ہے، ان دونون باتون مین وہ تمام شعرا کا پیش رو اور امام ہے، وہ جس واقعہ کو لکھتا ہے اس کے تمام جزئیات اور گردوپیش کے ہر قسم کے حالات اور واقعات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے پھر اُن کو اس خوبی کے ساتھ ہُو بہُو ادا کرتا ہے کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، اور شعرا یا تو واقعہ کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتون پر نظر ڈالتے

ضروری نہین سمجھتے یا سمجھتے ہین لیکن طبیعت، فطرت شناس نہین ہوتی، اسلیے باریک
باتون پر نظر نہین پڑتی یا پڑتی ہے لیکن زبان پر قدرت نہین کہ جون کا تون ادا
کردین، اسلیے یا بات کو بدل کر کہتے ہین، یا استعارات وتشبیہات کے دامن مین
پناہ لیتے ہین، تم دیکھتے ہو کہ فردوسی استعارہ کے پاس ہوکر نہین نکلتا، تشبیہین وہی پاس پاس
کی لیتا ہے، مجاز کو بہت کم ہات لگاتا ہے، اسکی وجہ نہین کہ وہ ان باتون مین قاصر ہے
بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزین واقعہ کے چہرہ پر نقاب ڈالدیتی ہین، اور اُسکا اصلی
خط وخال نظر نہین آتا، غور کرو۔ یہ لکھنا مقصود ہے کہ خاقان چین ہاتھی پر ہے، رستم نے
کمند پھینکی اور اسکو گرفتار کرکے ہاتھی سے ٹپک دیا، فردوسی اسکو اس طرح ادا کرتا ہے۔

	چو از دست رستم رہا شد کمند ز پیل اندر آورد و زد بر زمین		سر شہریار اندر آمد بہ بند بہ بستند بازوے خاقان چین	

نظامی کو اسی قسم کا موقع پیش آتا ہے وہ کہتے ہین۔

	کمند عدو بند را شہریار		بینداخت چون چنبر روزگار	

بے شبہ عدو بند کے لفظ سے جملہ کی ترکیب چست ہوگئی "چنبر روزگار" کی تشبیہ نے
بھی ندرت پیدا کی، یہ سب کچھ ہوا لیکن سننے والے پر یہ اثر ہوا کہ اصل واقعہ کے بجائے
اسکی توجہ الفاظ اور تشبیہ کی طرف متوجہ ہوگئی اور کمند مین گرفتار ہونے کی اصلی حالت
سامنے نہ آسکی یہی نکتہ ہے کہ فردوسی واقعات اور جذبات کے بیان کرنے مین استعارات
اور تشبیہات وغیرہ سے بہت کم کام لیتا ہے، اور جب اسکو طباعی اور انشاپردازی کا

زور دکھانا ہوتا ہے تو دوسرے موقعے تلاش کرتا ہے، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہی۔

واقعہ نگاری کے دقیق نکتون پر اسکی نظر جس طرح پڑتی ہے، اسکی ایک دو مثالین ہم لکھتے ہین،

پہلوان جب جوش شجاعت مین لبریز ہوتا ہے تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ لڑائی بھڑائی کچھ نہین، تنہا بیٹھا ہے، لیکن آپ ہی آپ بھرا پڑتا ہے، اور جوش مین آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ سہراب جب ایرانی فوج کے ایک ایک سردار پر نظر ڈال کر ہجیر سے اُنکا نام و نشان پوچھتا ہے تو اسکی نظر رستم پر بھی پڑتی ہے، اور ہجیر سے کہتا ہے، یہ کون شخص ہے جسکی یہ حالت ہے کہ۔

	بجوشد ہمی	تو گوئی کہ دریا بجوشد ہمی		بخود ہر زمان بر خروشد ہمی
		اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا دریا جوش مارتا ہی		آپ ہی آپ بھر رہا ہے

ایک جسیم اور تناور پہلوان کبھی تخت پر بیٹھا ہوتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے تخت پر چھایا جاتا ہے، اس حالت کو فردوسی نے اُس موقع پر جب رستم سہراب کے دیکھنے کو گیا ہے اور سہراب تخت پر بیٹھا ہوا اپنے پہلوانون سے باتین کر رہا ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے، ع تو گفتی ہمہ تخت سہراب بود۔

سہراب نے کیکاؤس کے خیمہ کے پاس جاکر برچھی سے خیمہ کی میخین اُکھاڑ کر پھینکدی ہین فردوسی اس واقعہ کو اس طرح ادا کرتا ہے،

	بہ نزدیک پردہ سرا رفت پیش		ازان پس بجنبید از جاے خویش	

خم آورد پشت و سنان ستیغ	بزد تند و برکند هفتاد میخ
سراپرده یک بہرہ آمد زپاے	زہر سو برآمد دم کرہ ناے

عام شعرا اگر اس واقعہ کو لکھتے تو صرف اسپر قناعت کرتے کہ سہراب نے میخین اکھاڑ کر پھینکدین، لیکن یہ خصوصیات کہ "وہ جھکا، جھک کر زور سے نیزہ مارا، ستر میخین اکھاڑ کر پھینک دین،" "خیمہ کا ایک حصہ گر پڑا" نظرانداز کر جاتے، حالانکہ واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیے ان تمام باتون کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اسی تفصیلی واقعہ نگاری کی بدولت ہمکو بہت سے ایسے محاورون تک رسائی ہوتی ہے جو یون کبھی عام طریقۂ بیان مین نہین آسکتے تھے،

مثلاً سہراب نے جب رستم کو گرز مارا ہے تو رستم تلملا جاتا ہے مگر ضبط سے کام لیتا ہے اور سہراب پر ظاہر نہین ہونے دیتا، اس واقعہ کو اردو کا محاورہ دان صرف اس لفظ سے ادا کریگا کہ "پی گیا"، فردوسی نے بھی صرف محاورہ سے کام لیا، چنانچہ کہتا ہے ع بہ پیچید و درد از دلیری بخورد، رستم ایک معرکہ مین صرف کمند ہاتھ مین لیکر گیا ہے، حریف نے سوال جواب ہوئے تو اُسنے طنز سے کہا کہ "اس دھاگے کے بل پر بہت نہ اتراؤ" فردوسی اس طنزیہ محاورہ کو بعینہ اسی طرح ادا کرتا ہے،

بدو گفت ہومان کہ چندین مدم	بہ نیروے این رشتۂ شصت خم

واقعہ نگاری کی مثالون سے تمام شاہنامہ بھرا پڑا ہے، ہم نمونہ کے طور پر ایک مختصر لیکن مسلسل داستان یہان نقل کرتے ہین،

یہ وہ موقع ہے کہ سہراب ایک ایرانی پہلوان کو لیکر کیکاؤس کے لشکرگاہ کو دیکھنے چلا ہے فوجین اپنے اپنے افسرون کے ساتھ الگ الگ ساز و سامان سے آراستہ ہین سہراب ایک ایک پر نگاہ ڈالتا جاتا ہے اور ہر ایک کا نام و نشان پوچھتا ہے، ایرانی پہلوان جواب دیتا ہے،

بدو گفت کز تو بپرسم همه	ز گردن کشان و ز شاه و رمه (فوج ۱۲)
سراپردهٔ دیبهٔ رنگ رنگ (کمخواب ۱۲)	بدو اندرون خیمه‌های پلنگ
به پیش اندرون بسته صد زنده پیل (قوی ۱۲)	یکی تخت پیروزه برسان نیل
یکی زرد خورشید[له] پیکر درفش (علم ۱۲)	سرش ماه زرین، غلافش بنفش (فیروزہ ۱۲) (بنفشی رنگ کا ۱۲)
به قلب سپاه اندرون جای کیست	ز گردان ایران ورا نام چیست
بدو گفت کان شاهِ ایران بود	که بر درگهش پیل و شیران بود
وزان پس بدو گفت کز میمنه	سوارانِ بسیار و پیل و بنه (اسباب ۱۲)
سراپردهٔ برکشیده سیاه	رده گردش اندر ستاده سپاه (صف بصف ۱۲)
بگرد اندرش خیمه زاندازه بیش	پس پشت پیلان و شیران به پیش
زده پیش او پیل پیکر درفش	به نزدش سواران زرینه کفش
چه باشد ز ایرانیان نام اوے	بگو تا کجا باشد آرام اوے
چنین گفت کان طوس نوذر بود	درفشش کجا پیل پیکر بود

له خورشید پیکر یعنی آفتاب کی صورت کا۔

بپرسید کان سرخ پرده سرای — یکے لشکرے گشن (قوی ۱۲) پیشش بپاے
یکے شیر پیکر درفش بنفش — دُر افشان گهر در میان درفش
پس پشتش اندر سپاهی گران — همه نیزه دارانِ جوشن وران
چنین گفت کان فرِّ آزادگان — سپهدار گودرز کشوادگان
سپه کش بود گاه کینه دلیر — دومه چل پور دارد چو بیل و چو شیر

اب رستم کی باری آتی ہے

دگر گفت کان سبز پرده سرای — بزرگانِ ایران به پیشش بپاے
یکے تخت پُر مایه اندر میان — زده پیشِ او اختر (علم ۱۲) کاویان
براو برنشسته یکے پهلوان — ابا فر و با سفت (شانہ ۱۲) و یال (بازو ۱۲) گوان (پہلوان ۱۲)
ازان کس که بر پاے پیشش برست — نشسته بیک سر ازو برتر است
جو شخص سامنے کھڑا ہے — رستم کا قد اس سے بیٹھنے کی حالت میں بھی نکلا ہوا ہے
به ایران نه مردے به بالاے او — کمندے فرو هشته تا پاے او
درفشش (علم ۱۲) ببین اژدها پیکر است — بران نیزه بر شیر زرین سر است
بجوش هر زمان بر خروشد همے — تو گوئی که دریا بجوشد همے
که باشد به نام آن سوار دلیر — که هر دم همی بر خروشد چو شیر

ہجیر نے رستم کا نام بدل کر بتایا۔ سہراب اب اور افسرون کا حال پوچھتا ہے۔

وزان پس بپرسید کز مهتران — کشیده سراپرده بر کران (الگ ۱۲)

سواران بسیار و پیلان بپاے	برآید ہمے نالۂ کرناے (قرنا ۱۲)
میان سراپرده تختے زده	ستاده غلامان بہ پیش رده (صف بصف)
ز ایران بگو نام آن مرد چیست	کجا جاے دارد نژادش ز کیست
چنین گفت کان پور گودرز گیو	کہ خوانند گردان ورا گیو نیو
ز گودرزیان بہتر و مہتر است	بہ ایران سپہ بر دو بہره سر است (دو تہائی افسر ۱۲)
بدو گفت زان سو کہ تابنده شید (آفتاب ۱۲)	برآید یکے پرده بینم سپید
ز دیباے رومی بہ پیش سوار	رده برکشیده فزون از ہزار (صف بصف ۱۲)
پیاده سپردار و نیزه وران	شده انجمن لشکرے بیکران
ز دیبا فروہشتہ زیبا جلیل (پرده ۱۲)	غلام ایستاده رده خیل خیل (صف بصف)
نشستہ سپہدار بر تخت عاج	نہاده بران عاج کرسی ساج
چہ نام است او را ازنام آوران	سپہبد نژاد است یا سروران
بدو گفت کو را فرابرز خوان	کہ فرزند شاه است و تاج گوان
بدو گفت سہراب کین درخور است	کہ فرزند شاه است و با افسر است

واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو اُسکو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورہ مین سین دکھانا کہتے ہین،

جذبات — رزمیہ مین درد و غم کے اظہار کا کم موقع پیش آتا ہے، اور آئے بھی تو بلاغت یہ ہے کہ اسکو زیادہ پھیلایا نہ جائے، تاہم کہین کہین اسکا موقع پیش آگیا ہی، تو فردوسی نے

خصوصیت

اسمین بھی کمال دکھایا ہے، سہراب کے مرنے کی خبر سُنکر اُس کی ماں کی جو حالت ہوئی ہے اور جسطرح اُسنے نالہ وزاری کی ہے، اُسکو اس طرح ادا کرتا ہے،

خروشید وجوشید و جامہ درید — بہ زاری بران کودک نارسید
نوجوان
برآورد بانگ وغریو وخروش — زمان تازمان زوہمی رفت ہوش
دمبدم ۱۲
فروبرد ناخن دو دیدہ بہ کند — برآورد و بالادر آتش فگند
آنکھیں نکال ڈالیں ۱۲
مرآن زلف چون تاب دادہ کمند — بہ انگشت بپیچید وازبُن بکند
بہ سر بر فگند آتش و بر فروخت — ہمہ موی مشکین بہ آتش بسوخت
ہمی گفت کاے جانِ مادر اکنون — کجائی؟ سرشتہ بخاک و بخون
دوچشمم بہ رہ بود گفتم مگر — ز سہراب و رستم بیابم خبر
چہ دانستم اے پور کاید خبر — کہ رستم بخنجر دریدت جگر
دریغش نیامد ازان روے تو — ازان برز و بالا و بازوے تو
بپروردہ بودم تنش را بہ ناز — بہ رخشندہ روز و شبان دراز
کنون آن بخون اندرون غرقہ گشت — کفن بر تنِ پاک او خرقہ گشت
کنون من کرا گیرم اندر کنار — کہ خواہد بُدن مر مرا غمگسار
پدر جستی اے گُرد لشکر پناہ — بہ جاے پدر گورت آمد براہ
چرا نامدم با تو اندر سفر — کہ گشتی بہ گردانِ گیتی سمر
مشہور ۱۲
مرا رستم از دور بشناختے — ترا با من اے پور بنواختے

بینداختے تیغ آن سرفراز | نکردے جگر گاہت ملے پور باز
ہمی گفت و می خست روی کہ ہوے | ہمیزد بکف دست بر خوب روے
زخون او ہمی کرد لعل آب را | بہ پیش آوریدہ اسپ سہراب را
سر اسپ او ابہ بر در گرفت | بماندہ جہانے دراو در شگفت [متعجب ۱۲]
گہے بوسہ زد بر سرش گہ بروے | زخون زیر نعلش ہمی راند جوے
بیاورد آن جامۂ شاہوار | گرفتش چو فرزند اندر کنار
بیاورد خفتان و درع و کمان | ہمان نیزہ و تیغ و گرز گران
بسر بر ہمی زد گران گرز را | ہمی یاد کرد آن بر و برز را
بیاورد زین و لگام و سپر | لگام و سپر را ہمی زد بسر

سہراب کی ماں نے جو کچھ کہا ہے کس قدر سچ اور کسقدر پُر تاثیر ہے، سہراب کے گھوڑے کو گود مین لینا، اسکے ہات پاؤن چومنا، سہراب کے کپڑون کو بچہ کی طرح آغوش مین لینا، ہتھیارون کو سر پر مارنا، کسقدر اصلی حالت کی سچّی تصویر ہے،

بیژن، ایرانی پہلوان تھا، افراسیاب کی لڑکی منیژہ اُسپر عاشق ہوگئی، اور چوری سے لیجا کر گھر مین رکھا، جب افراسیاب کو خبر ہوئی تو اُس نے بیژن کو ایک کنوئین مین قید کر دیا، اور منیژہ کو گھر سے نکالدیا، منیژہ بیژن کی تیمارداری اور خبر گیری کرتی تھی رستم بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بنکر گیا، اور توران پہنچکر تجارت کے سامان پھیلائے منیژہ کو خبر ہوئی، دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کئے،

رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہو جائے، منیژہ کو جھڑک دیا کہ مین بیژن ویژن کو کچھ نہین جانتا منیژہ دل شکستہ ہوکر کہتی ہے۔

به رستم نگه کرد و بگریست زار | ز خواری بباریدِ خون در کنار
بدو گفت کای مهتر پر خرد | ز تو سرد گفتن نه اندر خورد
رستم سے کہا کہ اے سردار | اس طرح رکھائی سے جواب دینا آپکے شایان نہین
سخن گر نگوئی مرانم ز پیش | که من خود دلے دارم از درد ریش
اگر بات نہین کرتے تو نہ کرو لیکن مجکو یہان سے نہ ڈھکیلو | میرا دل تو خود مصیبت سے زخمی ہو رہا ہی
چنین باشد آئین ایران مگر | که درویش را کس نگیرد خبر
کیا ایران کا یہی دستور ہے | کہ لوگ غریبون سے بات نہین کرتے
زدی بانگ بر من چو جنگ آوران | نترسی تو از داورِ داوران
مجکو پہلوانون کی طرح ڈانٹ بتاتے ہو | تمکو بادشاہون کے بادشاہ (خدا) کا کچھ ڈر نہین
منیژه منم دختِ افراسیاب | برهنه ندیده تنم آفتاب
کنون دیده پر خون و دل پر ز درد | ازین در بدان در دو رخساره زرد
برای یکے بیژن شوربخت | فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

اختصار اور زور بلاغت کے نکتہ شناس جانتے ہین، کہ کسی واقعہ کے بیان کرنے مین جب حد سے زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے، تو لمبی چوڑی تمہید اور تفصیل وہ کام نہین دیتی جو ایک پُر زور مختصر جملہ کام دیتا ہے، قرآن مجید مین اوحی الی عبدہ ما اوحی اغشیہم من

الیوم ما غنیم مین جو بات ہے وہ سیکڑون جملون سے ادا نہین ہو سکتی، روم کے فاتح کا مشہور جملہ تم نے سنا ہوگا "مین آیا، مین نے دیکھا، مین نے فتح کیا"، شاہنامہ مین اسکی مثالین کثرت سے موجود ہین، سہراب کی پُر درد داستان اس شعر سے شروع کی ہے۔

کنون جنگ سہراب و رستم شنو	دگرہا شنیدستی این ہم شنو

صرف دو این ہم انے جو بات پیدا کی وہ ہزارون تمہید سے نہین پیدا ہو سکتی تھی؛ رستم افراسیاب کو خط لکھتا ہے، اور تہدید کے وسیع مضمون کو ایک مصرع مین ادا کرتا ہے،

دگر نہ بکام من آمد جواب	من و گرز و میدان و افراسیاب

نظامی نے اپنے فخریہ مین زمین و آسمان کے قلابے ملاے ہین لیکن فردوسی کے دو مصرع سب پر بھاری ہین ۔

بسے رنج بردم درین سال سی	عجم زندہ کردم، درین پارسی

رستم کی مار دھاڑ ہنگامہ آرائی اور قتال و جدال کا سمان صرف چار مصرعون مین دکھایا ہے،

بروز نبرد آن یل ارجمند	بہ شمشیر و خنجر بہ گرز و کمند
درید و برید و شکست و ببست	یلان را سر و سینۂ و پا و دست

صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوے ہین، اسی مین کھانا بھی سامنے آگیا ہے

لوگ کھا پی کر، اُٹھ کھڑے ہوئے، اِسکو اِس طرح ادا کرتا ہے۔

	بپے مشورہ مجلس آراستند		نشستند و گفتند و برخاستند	

آٹھوین خصوصیت

۸۔ صنائع بدائع، شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہین، اسلیئے فردوسی کے کلام مین اِسکو ڈھونڈھنا نہین چاہیئے، لیکن جو محاسن شاعری ضمناً کسی صنعت مین آجاتے ہین اِسکے کلام مین پائے جاتے ہین، اور اعلیٰ درجہ پر پائے جاتے ہین، مثلاً لف و نشر مرتب۔

	بروزِ نبرد آن یلِ ارجمند		بہ شمشیر و خنجر بگرز و کمند	
	درید و برید و شکست و ببست		یلان را سر و سینہ و پا و دست	

لف و نشر مع طباق و مقابلہ۔

	فرو شد بہ ماہی و بر شد بہ ماہ		بُنِ نیزہ و قُبّۂ بارگاہ	
مبالغہ	ز بس گردِ میدان کہ بر شد بہ دشت		زمین شش شد و آسمان گشت ہشت	

رزمیہ شاعری رزمیہ شاعری جسکو انگریزی مین ایپک پوئم کہتے ہین، شاعری کے انواع مین سے بہترین انواع ہے، یورپ کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا شاعر ہومر ہے، اُسکا کارنامۂ فخر یہی رزمیہ شاعری ہی، مہابھارت جسکو ہندو آسمانی کتاب سمجھتے ہین، وہ بھی ایک رزمیہ نظم ہے، اور اگر ان دونون کے پہلو مین کسی کو جگہ دیجا سکتی ہے تو وہ شاہنامہ ہی،

رزمیہ شاعری کے کمال کے چند شرائط ہین، واقعہ ایسا اہتم بالشان ہو جس نے

دنیا کی تاریخ مین کوئی انقلاب پیدا کر دیا ہو، لڑائی کے ہنگامہ کا بیان اس زور شور اور پُر رعب طریقہ سے کیا جائے کہ دِل دَہل جائین، معرکہ جنگ کے تمام ساز و سامان اور آلات و اسلحہ جنگ تفصیل سے بیان کئے جائین، سالار فوج اور مشہور بہادر کی لڑائی کے بیان مین لڑائی کے تمام داؤن پیچ ایک ایک کرکے دکھاے جائین، شاہنامہ مین یہ تمام باتین اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی ہین۔

ہنگامۂ جنگ اور ہل چل	زلشکر بر آمد سراسر خروش	زمین پُرخروش و ہوا پُرخروش
	جہان لرزلرزان شد و دشت و کوہ	زمین شد زنعل ستوران ستوہ
	درفش از درفش گردہ از گروہ	گسستہ نشد شب بر آمد زکوہ
	درخشیدن تیغہاے بنفش	ازان سایۂ کاویانی درفش
	تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر	ستارہ ہمے برفشاند سپہر
	زمین گشت جنبان چو ابر سیاہ	تو گفتی ہمے برنتابد سپاہ
	بلند آسمان چون زمین شد زخاک	زہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک
	دل کوہ گفتی بدرد ہمے	زمین با سواران بہ پیرد ہمے
	زبس نعرۂ نالہ کرّنا ے	ہمے آسمان اندر آمد زجاے
	چنان تیرہ شد روی گیتی زگرد	تو گفتی کہ خورشید شد لاجورد
	بزد مہرہ بر کوہۂ ژندہ پیل	زمین جنب جنبان چو دریای نیل
	زگرد سواران ہوا بست میغ	چو برق درخشندہ پولاد تیغ

زجوش سواران و آواز کوس	ہوا قیر گون شد زمین آبنوس
تو گفتی زمین موج خواہد زدن	وزان موج بر اوج خواہد زدن
زبس گرد میدان کہ بر شد بدشت	زمین شش شد و آسمان گشت ہشت
زبس نیزۂ و گرز و گوپال و تیغ	تو گفتی ہوا ژالہ بارد ز میغ
زکشتہ ہمہ دشت آوردگاہ	تن بی دست و سر بود و ترک و کلاہ
بجوشید دشت و بتوفید کوہ	زجوشن سواران ہر دو گروہ
تو گفتی کہ روی زمین آہن است	زنیزہ ہوا نیز در جوشن است

شاہنامہ مین لڑائی کے سامان اور اسلحہ جنگ کی اس قدر تفصیل پائی جاتی ہے کہ ہم بہ تفصیل بتا سکتے ہین، کہ آج سے دو ہزار برس پہلے آلات جنگ کیا کیا تھے، پہلوان اور بہادر کیا کیا ہتیار لگاتے تھے، لباس جنگ کیا کیا تھے، مثلاً لڑائی کے وقت جو باجے استعمال ہوتے تھے، اُنکے یہ نام ہین، بتیرہ۔ گاؤدم۔ خرمہرہ۔ کوس۔ طبل۔ نقّارہ۔ کرنا ے۔ سرغین۔

اسلحہ جنگ یہ تھے، زرہ۔ جوشن۔ خود۔ مغفر۔ چار آئینہ۔ خفتان۔ ترک۔ ببر بیان۔ برگستوان۔

آلات اور سامان جنگ یہ تھے، گوپال۔ گرز۔ تیغ۔ سپر۔ درفہ۔ خنجر۔ ژوپین۔ ناوک۔ خشت۔ تیر۔ خدنگ۔ کمند۔ سنان۔ نیزہ۔ ژوپن۔ پرتاب۔ تبرزین۔ دبوس۔ قارورہ۔ شراع۔ عرّادہ۔

رایت۔ علم۔ درفش۔ اختر۔ سراپردہ۔

اقسام فوج قلب۔ میمنہ۔ میسرہ۔ طلایہ۔ ساقہ دمدار۔

اُس زمانہ مین مجموعی فوج کے لڑانے کا فن نہ تھا اسلیے یہ پتہ نہین لگتا کہ سپہ سالار کس طریقہ سے فوج کو لڑاتے تھے، رستم اگرچہ سپہ سالار تھا اور شاہنامہ سرتاپا گویا اُسی کی داستان ہے تاہم کہین یہ پتہ نہین لگتا، کہ اُسنے فوج کو کیونکر لڑایا، طریقۂ جنگ یہ تھا کہ ایک ایک پہلوان میدان مین آتا تھا، اور معرکہ آرا ہوتا تھا، ان معرکہ آرائیون کو فردوسی اِس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ سما باندھ دیتا ہے۔

لڑائی کے جتنے طریقے تھے، یعنی کُشتی لڑنا، تلوار چلانا، تیر مارنا، کمند پھینکنا، برچھی چلانا وغیرہ وغیرہ شاہنامہ مین سب بہ تفصیل پائے جاتے ہین، اور جس چیز کو جہان لکھا ہے اس طرح لکھا ہے کہ اسکا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے۔

کمند اندازی	تہمتن ز الوای شد دردمند	ز فتراک بکشاد پیچان کمند
	چو آہنگ رزم یلان داشتے	کمندے و گُرزے گران داشتے
	(نام پہلوان) بیامد بغرید چون پیل مست	کمندے بہ بازو و گرزی بدست
	بدو گفت کاموس چندین مدم	بہ نیروے این رشتۂ شصت خم
	برانگیخت کاموس جنگی نبرد	ہم آورد را دید بازد روبرد
	بینداخت تیغ برند آورش	ہمی خواست از تن گسستن سرش
	سر تیغ بر گردن رخش خورد	بُبرید بر گستوان نبرد

نیامد تن رخش را زان گزند — گو پیلتن، حلقه کرد آن کمند
بینداخت وافگندش اندر میان — بر انگیخت از جاے رخش دمان
به ران اندر آورد و گردش دوال — عقابے شده رخش با پر و بال
به رای و دلیری بفشرد ران — گران شد رکیب و سبک شد عنان
همی خواست آن خام خم کند — به نیروی تن بگسلاند ز بند
شد از هوش کاموس و بگسست خام — گو پیلتن رخش را کرد رام
عنان را بپیچید و او را ز زین — نگون اندر آورد و زد بر زمین
دو دست از پس پشت بستش چو سنگ — به خم کمند اندر آورد چنگ

تیراندازی

تهمتن به بند کمر برد چنگ — گزین کرد یک چوبه تیر خدنگ
خدنگی برآورد پیکان چو آب — نهاده برو چار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست — به چرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست — خروش از خم چرخ چاچی بخاست
چو سوفارش آمد به پهنای گوش — ز چرم گوزنان برآمد خروش
چو پیکان ببوسید انگشت او — گذر کرد از مهرهٔ پشت او
چو زد تیر بر سینه اشکبوس — سپهر آن زمان دست او داد بوس
قضا گفت گیر و قدر گفت ده — فلک گفت احسن، ملک گفت زه

نیزه بازی

برآشفت سهراب شد چون پلنگ — چو بدخواه او چاره جو شد به جنگ

عنان برگرائید و برداشت اسپ	بیامد بہ کردار آذر گشسپ
چو آشفتہ شد شیر، تندی نمود	سر نیزہ را سوی او کرد زود
بدست اندرون نیزہ جانستان	پس پشت خود گردش آنگہ سنان
بزد بر کمر بند گرد آفرید	زرہ بر تنش یک بہ یک بر درید
ززین برگرفتش بہ کردار گوی	کہ چوگان ز باد اندر آید بروی
کشتی گیری — گرفتند ازان پس دوال کمر	دو اسپ تگاور برآورده پر
یکے بُد بدست یل اسفندیار	بدست دگر رستم نامدار
نبرد کشیدند زی خویشتن	دو گُرد سرافراز و دو پیلتن
ہمی زور کرد این بران آن برین	نجنبید یک مرد بر پشت زین
کف اندر دہان شان شد خون و خاک	ہمہ گبر و برگستوان چاک چاک
چو رستم ورا دید بفشرد ران	بگردن بر آورد گُرز گران
چو تنگ اندر آورد با او زمین	فرو کرد گُرز گران را بہ زین

شاہنامہ کا اثر

شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے مخالف بہت سے اسباب جمع تھے، سب سے مقدم یہ کہ وہ سرتاپا غیر قوموں کا کارنامہ تھا اور مسلمانوں کا جہان جہان ذکر آگیا تھا نہایت حقارت سے انکو یاد کیا تھا۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسیدست کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

قادسیہ کے معرکہ مین مسلمانون نے بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے فردوسی نے اسکو بھی منہدم کرکے دکھایا تھا، اس بات پر مذہبی گروہ مین عام ناراضی پھیلی، چنانچہ اسی زمانہ مین عمرنامہ ایک کتاب لکھی گئی، جسکے دیباچہ مین سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیون کے جھوٹ سچ قصے لکھکر ملک مین مشہور کردیے، اسلیے یہ کتاب حضرت عمر فاروق کے حالات مین لکھی گئی، کہ لوگون کی توجہ اُدھر سے ہٹ جائے۔[1]

چونکہ فردوسی نے سلطان محمود کی، ہجو لکھکر شاہنامہ مین اسکو منضم کردیا تھا اسلیے لوگ شاہ نامہ کو ہات لگاتے ڈرتے تھے، فردوسی چونکہ معتوب شاہی تھا اسلیے بھی اُسکی تصنیف مقبول عام نہو سکتی ہوگی۔

یہ سب تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان سے لیکر بغداد تک در و دیوار سے شاہنامہ کی صدا آنے لگی، تقریر، تحریر، تصنیف تالیف، خلوت وجلوت، کوچہ و بازار، اسکی آواز بازگشت سے گونج اُٹھے، لوگ جب کام سے فارغ ہو کر بیٹھتے تو کوئی خوش لہجہ شخص حفظ شاہنامہ کے اشعار پڑھتا، اور شجاعت، جانبازی، دلیری، حُبّ وطن کا اثر تمام مجلس پر چھا جاتا۔

سیکڑون برس تک، سلاطین و امرا کی باہمی خط و کتابت مین شاہنامہ کے اشعار جابجا درج ہوتے تھے، اور دلیری اور بہادری کے موقعون پر بے ساختہ

[1] یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے۔

اسکے اشعار زبان سے نکل جاتے تھے، میدان جنگ مین رجز کے بجائے شاہنامہ کے اشعار پڑھے جاتے تھے، سلجوقیون کے اخیر فرمان روا طغرل ارسلان نے میدان جنگ مین لڑکر جان دی تو شاہنامہ کے یہ اشعار زبان پر تھے۔

من آن گرز یک زخم بر داشتم	سپہ را ہمان جائے بگزاشتم
چنان ؛ بر خروشیدم از پشت زین	کہ چون آسیا شد پریشان زمین

شاہنامہ ہی کے اثر نے، سیکڑون برس تک، ایران کی شاعری کو غزل سے پاک رکھا، امتداد زمانہ سے جب اسکا اثر گھٹا، اور عشق و عاشقی کے خیالات قوم مین پھیلنے لگے، تو دفعتہً تاتاریون کے طوفان نے مسلمانون کی خاک تک اڑا دی

شاہنامہ کی زبان

شاہنامہ کی زبان، آج کی زبان سے اسقدر مختلف ہو کہ گویا دو زبانین الگ الگ ہین، اور یہ شاہنامہ کی تخصیص نہین، اُس زمانہ کے شعرا کی عام زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی شاعر نے اسقدر الفاظ استعمال نہین کئیے اسلئے فردوسی کی زبان بہ نسبت اور شعرا کے زیادہ بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہو۔

شاہنامہ کی زبان کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

۱ ضمیرون کی ترکیب، مثلاً۔

ع زشادی رخان شان چو گل بر دمید،

اب یون کہین گے رخ ہای ایشان،

۲۔ غیر جاندار چیزون کی جمع الف و نون سے مثلاً

اگر عمر باشد مرا سالیان، یعنی سالہا،

۳۔ اسم اور فعل کے آخر میں الف زائد مثلاً

ع سیا یک برآمد برہنہ تنا، یعنی تن،

ع بسی روز گیتی بہ پیما یدا

۴۔ فارسی الفاظ پر تشدید مثلاً خوشی۔ زرّ۔ پرّ۔ ہمّ۔ مرّہ۔ زرّ بفت۔ کرّہی۔

۵۔ بعض زائد حرف، مثلاً چنان کے بجاے چونان۔ اشیا کے بجائے اشیوا، چنین کے بجاے چمنین۔ فرشتہ کے بجاے فریشتہ۔

۶۔ در کے بجاے اندرون مثلاً۔

بجنگ اندرون گرزۂ گاؤ رنگ،

۷۔ متحرک بجائے ساکن، اور ساکن بجائے متحرک، مثلا

ع۔ بگویم ز مادرش وہم از پدرش ع نیامدت از شیر و زدیو باک۔

ع بہ شادی ہمہ جان برافشاندند۔

۸۔ بے کے پہلے الف زائد،

ع ابے او نباشیم در جنگ شاد۔

۹۔ دیا بجاے یا

و یا بارۂ رستم جنگجوے،	بہ آخر نہد سبے خداوند روسے،

۱۰. کجا بہ معنی کہ

ع درفشش کجا پیل پیکر بود،

۱۱۔ ازبر بمعنی بر۔

ع نشست ازبر کوہۂ ژندہ پیل، یعنی بر کوہ،

۱۲۔ ایچ بمعنی ہیچ۔

ع زپیکان نبود ایچ پیدا سرش،

۱۳۔ تاے خطاب کا استعمال مثلاً

ع۔ ہزارانت کودک دہم نوش لب، یعنی ہزاران ترا،

چو آئی خیان کرت مراد دہد است، یعنی کہ ترا

۱۴۔ ورا بمعنی اورا

چو رستم ورا دید خیرہ بماند، یعنی چو رستم اورا دید،

۱۵۔ ازو کے بجاے ازوی،

بر مادر آمد بہ پرسید ازوی بدو گفت گستاخ با من بگوی

۱۶۔ ازیرا بجاے ازین رو۔

ع ازیرا سرت از آسمان برتر است۔ یعنی ازین رو،

۱۷۔ آزمایش کے بجاے آزمون

نہادی بہ دو دست را آزمون	شکم برزمین برنہادی ہیون

۱۸۔ میم متکلم کا حذف۔

اگر من نہ رفتے بہ مازندران   یعنی اگر من نہ رفتمے

ان تصرفات کے علاوہ سیکڑون الفاظ ہین جو بالکل متروک ہوگئے یا اُن کی صورتین بدل گیئن، یا اُنکے بجاے اور اور الفاظ استعمال مین ہین، مختصراً چند الفاظ ذیل مین درج ہین۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
دیژہ	خاص	تال و مال	ریزہ ریزہ
مر	شمارہ	تخش	تیر
ایدون	حالا	ترک	کلاہِ آہنی
ایدر	اینجا	ترنگ	صدای کمان
آخُر	اصطبل	تلاش	پراگندہ
آذین	زینت و آرایش	تنگ آمدن	نزدیک آمدن
آذرگشسپ	برق	جوال	ظرفیست کہ از پشم بافند
آستی	آستین	چاک	سفیدۂ صبح
برسان	بسان	چاک چاک	صدای زدن شمشیر
آغاز	ارادہ	چرنگیدن	آواز گرز
افسوس	ظلم و ستم	چک	قبالہ اور دستاویز

اَنَد	چند، یا اندک	سه دیگر	سیوم
اندرخور	لائق	شارسان	شهر و شهرستان
انوشه	آفرین	شبگیر	صبح
بادسر	مغرور	شخودن	خراشیدن
بارگی و باره	اسپ	شکردن	پاره کردن
باژ	خراج	غُرم	میش کوهی
بخش	حِصّه	غرچه	مخنث و نامرد
برتر	بلندی	غو	خروش
بسنده	کافی	گو	پهلوان
بسیج	قصد و کارسازی	فروریختن از اسب	فرود آمدن
بگماز	شراب	فزونی	فضیلت و بزرگی
پازهر	تریاک	فسیله	گله اسپ
پذیره	استقبال کردن	فش	دُم و یال اسپ
پدرام	آراسته	قاروره	آلهایست از آلات جنگ
پهلوانی	زبان پهلوی	خشت	نیزه کوچک
در	دره کوه، و مرتبه	دبوس	گُرز
	۴ بگفتش براز این سخن در بدر	درع	پیراهن زنان

لفظ	معنے	لفظ	معنے
درخت	دارالیساسته	سبز در سبز	نام بخے است
درقه	سپر چرمین	ستاده	خیمه
دستار	دسترخوان	ستاره	مسهری
دست بند	زنان رقاص	ستودان	دخمه
دست حابه	جامه سروپا	ستیخ	راست وبلند
دست راست	وزیر اعظم	سرسری	فرومایه
دستوار	عصا	سرون	شاخ گاوٗ
دفتر شکستن	دفتر ساختن	سفت	دوش
دبدار	ساقه لشکر	شیب	دنباله تازیانه
دواج	لحاف	مارنچ	گچ
دیدار	چشم ورُخ او پدیدار گشتن	صُلّاب	اصطرلاب
رده	صف	طبرخون	بید سُرخ
رزمه	بقچه	طُغرل	نوعی از مرغ شکاری
رسته	صف زده	قُرطه	کرُته
رفت آوری	آمدورفت کردن	کاتوزی	زاهد
رنج	رنگ	کالوشه	دیگچه

رودبان	دربان	کشکین	نانِ جوین
روسپی	فاحشه	کفچ	آبِ دهن
ریدک	غلام وامرد	کلک	کمان
ریمن	مکّار	کنارنگ	بزرگ قوم
زحیر	پیچ وتاب	کندآور	پهلوان
زخم	عمارت	کوهسر	کوهسار
زمزم	کلمات مغان که وقت پرستش گویند	گردگاه	تهی گاه وکمر
		گردگان	مرهون
زمی	زمین	گریغ	گریز
زنهارخوردن	عهد شکستن	گشن	بسیار
زوار	خادم زندان خانه	ماهار	مهار شتر
ژکیدن	آهسته زیر لب گفتن	مزیج	طعنه وظرافت
سان	عرض لشکر	منجوق	ماهچه علم
سهت	سنگین وگران	دیله	نعره
ناباک	بے باک	هرکاره	دیگ سنگی
نخ	صف لشکر	هرمان	هرزمان
نوز	هنوز	همانند	مانند

نیو وان وغیرہ	پہلوان نگہبان بادو فہم	ہوش یشک	جان چاروندان پیشین جانور درندہ،

اسدی طوسی

اقلیم سخن (رزم) کا یہ دوسرا تاجدار ہے، صاحب آتشکدہ نے اسکو سلطان محمود کی سبعہ سیارہ مین شمار کیا ہے۔

اسدی کا نام علی بن احمد اور کنیت ابو نصر ہے، سلسلۂ نسب شاہان عجم سے ملتا ہے تحصیل علوم کے بعد عراق کا سفر کیا اور دیلمیون کے دربار مین رسائی حاصل کی، عراق سے آذربایجان آیا، یہان کا رئیس ابو دلعف کرکری تھا، اسکا وزیر نہایت قدردان علم و فن تھا اُسنے اسدی سے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر عجم کو زندہ کیا تم اُسی کے ہموطن اور ہم فن ہو تم بھی کچھ یادگار چھوڑ جاؤ، اسدی نے گرشاسپ نامہ لکھکر ہم فنی کا حق ادا کیا، چنانچہ ان تمام واقعات کو خود دیباچہ مین لکھا ہے۔

یکے بود سردار دنیا و دین	گران مایہ دستور شاہ زمین
بہ من گفت فردوسی پاک مغز	بداد است داد سخنہاے نغز
بہ شہنامہ گیتی بیار است است	وزان نامہ نام نکو خواست است
تو ہم شہری او را وہم پیشۂ	چو او در سخن چابک اندیشۂ

ازان ہمرہان نامۂ باستان	بہ نظم آر خرّم یکے داستان

دولت شاہ نے لکھا ہے، اور اور تذکرہ نویسون نے بھی اس کی تقلید کی ہے کہ فردوسی جب غزنین سے بھاگ کر مختلف شہرون سے گزرتا ہوا، وطن مین آیا، اور زندگی کے دن قریب آ گئے، تو اسدی کو بلا کر کہا کہ شاہنامہ کا کچھ حصہ ناتمام رہ گیا ہے میرے بعد کون اسکو پورا کر سکے گا، اسدی نے کہا جان اُستاد! کچھ اندیشہ کی بات نہین مین اس خدمت کو انجام دونگا، چنانچہ ایک رات دن مین چار ہزار شعر لکھکر فردوسی کو سنائے۔ فردوسی نہایت خوش ہوا اور وہ اشعار شاہنامہ مین داخل کر لیے یہ وہ اشعار ہین جہان عرب کے حملے اور ایران کی شکست کا ذکر ہے،

لیکن ہمارے نزدیک، یہ روایت، محض فرضی اور غلط ہے، نہ شاہنامہ ناتمام رہا تھا نہ اسدی فردوسی کا اُستاد تھا، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمایش کر سکتا تھا، نہ ایک رات دن مین اسدی سے چار ہزار شعر لکھے جا سکتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ اسدی کے انداز سے، ان اشعار کو مطلقاً مناسبت نہین۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہے کہ قصائد مین جدت کا راستہ نکالا، اکثر قصائد مین مناظرات لکھے ہین اور یہ اُسکا خاص ایجاد ہے، وہ دو چیزون کو لیکر

---

(۱) اسدی نے گرشاسپ نامہ مین فردوسی کا نام جس طرح لیا ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی اسکا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

بہ شہنامہ فردوسی نغز گوے	چو از پیش گویندگان بُرد گوے

باہم مناظرہ کراتا ہے ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلائل پیش کرتا ہے، اور بالآخر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز کرتا ہے، چنانچہ رات دن، زمین آسمان، گبر و مسلم، قوس و رمح، شب و روز کا مناظرہ مجمع الفصحا مین نقل کیا ہے،

اسدی سب سے پہلا شخص ہے جسنے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی، چنانچہ اسکے خاص ہات کا لکھا ہوا نسخہ ویانا کے کتب خانہ مین موجود ہے، سلگین نے اس کتاب کو چھاپ کر شائع بھی کیا ہے۔[1]

کلام پر رائے اسدی اگرچہ فردوسی وغیرہ کا ہمعصر ہے، لیکن تشبیہات اور مضمون بندی کے لحاظ سے، نظامی سے دوش بدوش ہی، ایک جنگل کی تعریف مین لکھا ہی،

چنان تنگ و در ہم یکے بیشہ بود	کہ رفتن دران کار اندیشہ بود
اس طرح کا گھنا جنگل تھا	کہ اُس مین صرف خیال چل سکتا تھا،
درختانش سر در کشیدہ بسر	چو خطِ دبیران یک اندر دگر
اسکے درخت اس طرح پاس پاس تھے	جس طرح خوشنویسون کی سطرین ہوتی ہین
ہمہ شاخہا تا بہ چرخ کبود	ہم در شدہ تنگ چون تار و پود
تمام شاخین آسمان تک	اسطرح لپٹی ہوئی تھین جسطرح کپڑے مین تانا بانا ہوتا ہے
تو گفتی سپاہی است در جنگ سخت	ز دو دست گرد و گرہ ہر درخت
یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج لڑائی مین مصروف ہے	ہر درخت پہلوان ہے

[1] مسٹر براون کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی۔

کمان شاخها شان، همه گرز بار
شاخین، کمان تھین، گرز پھل تھے
سپر برگها و سنان نوک خار
پتے سپر، اور کانٹے برچھیان تھین

نتابیده اندر وے از چرخ هور
آفتاب کبھی اس مین چمکا نہین تھا
ز تنگی رهش پوست از تن مور
استقدر تنگ تھا کہ چیونٹی اسمین چلتی تو اسکی کھال اتر جاتی

اس قسم کی تشبیہات، اور اس قسم کا مبالغہ، متوسطین بلکہ متاخرین کا انداز ہی؛ باایں ہمہ واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظر دکھانے مین اسدی کو فردوسی سی کم پایہ نہین کہہ سکتے، گرشاسپ نے جہان اژدہا کو مارا ہے، اس موقع پر اژدہا کی تصویر دیکھو کس طرح کھینچی ہے، اگلے زمانہ مین اژدہا کی تصویر جو لوگون کے ذہن مین تھی یہ تھی کہ بیس تیس گز کا لمبا ہوتا ہے، آگے دو بڑے بڑے دانت ہاتھی کی طرح نکلے ہوتے ہین، سانس لیتا ہے تو منھ سے شعلے نکلتے ہین، سر پر کانٹے کی طرح بال ہوتے ہین، جسم پر ہاتھی کے کان کے برابر چھٹے ہوتے ہین جنکو کبھی سمیٹ لیتا ہی اور کبھی پھیلا دیتا ہے، آنکھین ستارہ کی طرح دور سے چمکتی ہین،

شد اندر دره هر سوے بنگرید
بناگاه آن اژدر آمد پدید

بران پشته اژدها سینه سایان کنان
ز پیچیدنش جنبش اندر زمین

چو تاریک غارے دهن کرده باز
دو نیشش چو شاخ گوزنان دراز
دانت ۱۲

دمان و نفس دوده آتش بهم
دهان کوره آهن و شعله دم
بھٹی ۱۲

ز تفش دهانش دل خاره موم
گرمی ۱۲ پتھر ۱۲
ز زهرش مس باد گشتی سموم

به دُود نفس هر دو چشمش ز نور — درخشان چو در شب ستاره ز دور
گره در گره خم ادُدم تا به پشت — همه سرش چون خار و موها درشت
پشیزه پشیزه تن از رنگ نیل — ازان هر پشیزه ابمه از گوش پیل [بڑا ۱۲۱]
سگے چون سپر بر فگندیش باز — گهے همچو جوشن کشیدی دراز
چو بر کوه سوُدے، اِزن سنگ رنگ — بفرسنگ رفتے چکاکاک سنگ

غرض شاهنامه اور سکندر نامه کی بیچ کی کڑی گرشاسپ نامه ہے، نظامی نے غالبًا گرشاسپ نامه کو سامنے رکھکر سکندر نامه لکھا ہی،،

منوچہری

دامغان وطن ابو النجم کنیت احمد نام شصت کلہ لقب اور منوچہری تخلص تھا دولت شاہ نے اسکو بلخی لکھا ہے، چونکہ نہایت دولتمند تھا اسلیے شصت کلہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، امیر منوچہری بن شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر جو مشہور رئیس اور جرجان کا فرمانروا تھا اور سنہ ۴۰۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا، یہ اس کے دربار میں ملازم تھا، اس مناسبت سے منوچہری تخلص کیا تھا، سنہ ۴۲۴ھ میں منوچہری نے انتقال کیا تو یہ غزنین میں آیا اور عنصری کی مدح میں قصیدہ لکھا جو اسکے دیوان میں موجود ہے، مدح کے چند شعر یہ ہیں،

اوستاد اوستادان زمانہ عنصری — عنصرش بے عیب و دل بیغش و دینش بے فتن
شعر او چون طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع — طبع او چون شعر او ہم با ملاحت ہم حسن
کو جریر و کو فرزدق کو ولید و کو لبید — رؤبہ و عجاج و دیک الجن و سیف ذویزن
گو فراز آیند و شعر اوستادم بشنوند — تا غریزی ہی روضہ بینند و طبعی نسترن
شعر او فردوس را ماند کہ اندر شعر او — ہر چہ در فردوس مارا وعدہ کردہ ذوالمنن
کوثر است الفاظ عذب او و معنی سلسبیل — لفظ او انہار خمر و وزنش انہار لبن

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ اسنے عنصری کی شاگردی بھی اختیار کی لیکن یہ بھی

خوشامد کا ایک پہلو تھا، جس طرح قلعہ مین لوگ بہادر شاہ سے گلستان پڑھنے جایا کرتے تھے، بہرحال عنصری نے اسکو دربار شاہی مین پہنچایا اور سلطان محمد ابن محمود کے حضور مین ترخانی کا منصب ملا یعنی جب چاہتا دربار مین چلا جاتا کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ محمد[1] چند روز کی سلطنت کے بعد یعنی سنہ ۴۲۱ھ مین گرفتار ہو کر قید ہوا اور اُسکے بھائی سلطان مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، منوچہری کے اکثر قصائد مسعود ہی کے مدح مین ہین مسعود بھی اسکا نہایت قدردان تھا، یہانتک کہ دربار کے شعرا اسپر رشک کرتے تھے ایک قصیدہ مین منوچہری نے فخر کے لہجہ مین اسکا ذکر کیا ہے، تقی کاشی نے خلاصۃ الافکار مین لکھا ہی کہ منوچہری عنصری، و عسجدی کا ہمعصر تھا، اور دربار مین عنصری کے سوا اور تمام شعرا یہانتک کہ فردوسی اور فرخی تک اس سے نیچے بیٹھتے تھے، لیکن منوچہری کے دیوان مین سلطان محمود کی شان مین کوئی قصیدہ نہین اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود کے مرنے کے بعد غزنین مین آیا ہے اور اسلیے فردوسی کا ہم بزم نہین ہو سکتا تھا۔

منوچہری فطرۃً شاعر تھا، نہایت کم سنی مین لوگ مشکل طرحین دیتے تھے اور وہ برجستہ ان طرحون مین قصیدے اور غزل کہتا تھا[2]

دیوان جو آج موجود ہے اس مین تین ہزار شعر ہین علی قلی خان ہدایت

[1] مجمع الفصحا۔ [2] مجمع الفصحا و تذکرہ لب الباب عوفی یزدی

نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا اور شائع کیا، فرانس مین اسکا دیوان نہایت اہتمام اور تکلف سے چھپا ہے، فرہنگ بھی ہی اور تمام مشکل اشعار کو حل کیا ہے یہ نسخہ میری نظر سے گزرا ہے اور مین نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے، منوچہری نے سنہ ۴۳۲ھ مین انتقال۔

کلام کی خصوصیات منوچہری کے کلام مین اکثر ایسے خصوصیات ہین جن سے اسکے معاصرون کا کلام بالکل خالی ہے، بلکہ مابعد کے شعرا مین بھی ان کے نمونے خال خال پائے جاتے ہین۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شعراے عرب کی زیادہ تر تقلید کرتا ہی اسنے متعدد قصیدے عربی قصائد کے بحر اور قافیہ مین لکھے ہین، ابو الشیص کا ایک قصیدہ ہے۔

سالقات واللیل ملقی الجران　　غراب یموج علی غصن بان

منوچہری اسکے جواب مین لکھتا ہے۔

جہانا چہ بدمہر و بدخو جہانی	چو آشفتہ بازار بازارگانی

مزہ وہان آتا ہے جہان چند شعراے عرب کے نام لیکر کہتا ہی کہ فلان شاعر نے خلیفہ اور امیر کی مدح مین زور کے قصیدے لکھے اور ایسے بڑے بڑے صلے حاصل کیئے، مین بھی اسی طرح تیرے دربار مین آیا ہون۔

شنیدم کہ اعشی بہ شعری مین شد　　سوے سودة بن علی الیمانی

بر و خواند شہرے بالفاظ تازی	بہ شیرین معانی و شیرین زبانی
یکے کاروان اشتر کشن دادش	ہر اشتربان کہے از کلانی (کوه ۱۲)
سوے تاج عمرانیان ہم بدرمیان (یعنی قوی ۱۲)	بیاید منوچہری دامغانی

دیکھو تخلص کس لطف سے کھپایا ہے۔

آخر مین تصریح کی ہی کہ یہ قصیدہ مین نے ابو الشیص کے جواب مین لکھا ہے ساتھ ہی

قصیدہ کا مطلع بھی تضمین کیا ہے۔

بدان وزن این شعر گفتم کہ گفتہ است   ابو الشیص اعرابی باستانی

سالقاک واللیل ملقی الجران   غراب ینوح علی غصن بان

ابن المعتز کا ایک قصیدہ، سادات علوی کے معارضہ مین ہی۔

ونحن بنو العم اولی بها

اس قصیدہ پر منوچہری نے قصیدہ لکھا ہے اور لطف یہ کیا ہے کہ عربی ضمیر کی

جوہ تھی اس سے فارسی مین جمع کا کام لیا ہے۔

چو از زلف شب باز شد تابہا	فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرمای سخت	بپوشید بر کوہ سنجابہا
بمیخوارگان ساقی آواز داد	فگندہ بزلف اندرون تابہا
ببانگ نخستین ازین خواب خوش	بجستیم ماہمچو طبطابہا
منجم بیام آمد از نور مے	گرفت ارتفاع سطرلابہا

فارسی کے اور شعرا کے برخلاف منوچہری کو شعراے عرب کے اکثر دیوان حفظ یاد تھے، اور اسپر فخر کرتا تھا۔ ایک قصیدہ مین حاسد کو خطاب کرکے لکھتا ہی

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الا ھبی بصحنک فاصبحین

(تازیان = عرب ۱۲)

یعنی مجکو عرب کے بیسون دیوان ازبر ہین — اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہین پڑھ سکتا

الا ھبی بصحنک فاصبحینا — ولا تبقی خمور الاندرینا

عربی پر اسکو یہ قدرت حاصل تھی کہ اپنے کلام مین عربی قصائد کی طرف اشارے کرتا ہے اور انکے وہ ٹکڑے جنکے نام سے وہ قصیدے مشہور ہین بے تکلف تضمین کرتا جاتا ہے ایک قصیدے مین لکھتا ہی۔

امرء القیس و لبید و اخطل و اعشی و قیس — بر طلل ہا نوحہ کردند و بر رسم تلی

شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد — جعفر و سعد و سعید و سید ام القری

آنکہ گفتست اذ نتنا آنکہ گفت الاھبی — آنکہ گفت السیف اصدق آنکہ گفت ابلی الھوی

اس شعر مین چار قصیدون کے مطلعون کی طرف اشارہ ہی۔ یعنی

اذ نتنا ببینہا الاسماء — (سبعۂ معلقہ کا قصیدہ ہی) (سبعۂ معلقہ)

الا ھبی بصحنک فاصبحینا — (ابو تمام کا مشہور قصیدہ ہی جو معتصم کی مدح مین

السیف اصدق انباء من الکتب — عموریہ کی فتح کی تقریب پر لکھا گیا تھا)

ابلی الھوی — (متنبی کا قصیدہ ہی)

اسکے کلام مین اکثر عربی تلمیحات ہین یہانتک کہ محض فارسی دان اسکے

کلام سے پورا لطف نہین اُٹھا سکتے، ایک قصیدہ کا مطلع ہی۔

نوروز بزنگاشت بصحرا و مشک سُے ... تمثالہا ے عزہ و تصویر ہا ے مے

عرب مین لیلیٰ و شیرین کے بجاے جن معشوقون کا نام آتا ہے، اسلیے لیلے، سلمے، رباب، عزۃ، میہ، ثنیہ، وغیرہ ہین، عزۃ، کثیر کی معشوق تھی، جو بنو امیہ کے زمانہ کا مشہور شاعر تھا، میہ، ذوالرمہ کی معشوق تھی، اسی میّہ کو منوچہری نے قافیہ کی ضرورت سے کہدیا ہے۔

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے،

باد بزین صناعت مانی کند ہمی ... مرغ حزین روایت معبد کند ہمے

معبد بنو امیّہ کے زمانہ کا مشہور مغنی تھا،

روایت کردن کے معنی گانے کے ہین، مرغ حزین سے بلبل مراد ہے، یعنی بلبل معبد کے راگ گاتی ہے۔

زمین محراب داؤد ست از بس سبز نیلدری ... گشادہ مرغکان بر شاخ چون داؤد حنجر ہا
با نظم ابن رومی و با نثر اصمعے ... با شرح ابن جنی و با نحو سیبوے
آن جایگاہ انجمن سرکشان بود ... تو بو فلانی آن دگران انبہ دُبنی

(۲) اسکے کلام کی بڑی خصوصیت برجستگی روانی اور رنگینی ہے، یہ جوہر اگرچہ اسکا عام خاصہ ہے لیکن اسکے ساتھ اور مختلف باتین جمع ہوگئی ہین جنسے اور زیادہ شیرینی اور دلاویزی پیدا ہوجاتی ہے، وہ اکثر شگفتہ ردیفین پیدا کرتا ہے،

کہین کہین ممدوح کے نام کو ردیف کرتا ہے اور وہان گریز کے موقع پر ممدوح کے نام سے خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، بعض جگہ کئی کئی شعر تنسیق[۱] الصفات کی صنعت مین لکھتا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پر موتی ڈہلکتے چلے آتے ہین۔

ماہ رمضان رفت و مرا رفتن آن بہ — عید رمضان آمد المنة للہ

بر آمدن عید و برون رفتن روزہ — ساقی بدہم بادہ بر باغ و بر سبزہ

بر نہ بکف دستم آن جام چو کوثر — جام دگر آور بکف دست دگر نہ

من می نخورم تا نبود بر دو کفم جام — یا ساتگنی بر سر خوانم ننہی شہ

چون می بدہی نوش ہمی گوی ہمی باش — چون می بخورم جام ہمی گیر و ہمی جہ

دلم ای دوست تو دانی کہ ہوای تو کند — لب من خدمت خاک کف پای تو کند

رایگان مشک فروشی نکند ہیچ کسی — در کند، ہیچ کسی زلف دوتای تو کند

چہ دعا کردی جانان کہ چنین حب شدی — تا چو تو جا کرد تو نیز دعای تو کند

از لطیفی کہ توئی ای بت و از خیرتی — ملک مشرق ہمہ است کہ رای تو کند (یعنی تیری سند مین جاوے ۱۲)

این جہان کرد برای تو خداوند جہان — وان جہان تیر برآنم کہ برای تو کند

صنما از تو دلم ہیچ شکیبا نہ شود — اگر امروز نشود بیشک فردا نہ شود

تجربت کردم و دانا شدم از کار تو من — تا مجرب نہ شود مردم دانا نہ شود

نہ کشم ناز ترا گر نہ دہم دل بہ تو ہم — تا مرا آشتی و مہر تو پیدا نہ شود

۱؎ تنسیق الصفات کی مثال گھوڑے کی تعریف مین آئیگی۔

گوئی از دو لب من بوسه تقاضا چه کنی — وام خواهی نه بود کو بتقاضا نه شود
به مدارا دل تو نرم کنم وآخر کار — به درم نرم کنم گر به مدارا نه شود
وگر این عاشق نومید شود از در تو — از در خسرو شاهنشه دنیا نه شود
صنما گرد سرم چند همی گردانی — زشتی از روی نکو زشت بود گردانی
یا مکن آنکه شب و روز همی وعده دهی — یا مکن وعده هر آن چیز که می نتوانی
دل من بردی و از خویشتنم دور کنی — بر نیاید صنما کار بدین آسانی
مهربانی نکنی بر من و مهرم طلبی — نه دهی داد من و داد ز من بستانی
بیوفائی کنی و با دان سازی عیش — نیستی ای بت یکباره بدین نادانی
از تو مارا نه کنار و نه پیام و نه سلام — مکن ای دوست که کیفر بری و درمانی

مکن ای دوست که بیداد نشانی نگذشت
عدل بازآمده با بو الحسن عمرانی

نوروز روزگار و نشاط است و ایمنی — پوشیده ابر دشت به دیبای ارمنی
خیل بهار خیمه بصحرا برون زند — واجب کند که خیمه بصحرا برون زنی
بر گل همی نشینی و بر گل همی خوری — بر خم همی خرامی و بر دن[۱] همی دنی
دُر است ناخریده و مشک است رایگان — هر چند بر فشانی و هر چند بر چنی
شاخ بنفشه بر سر زانو نهاده سر — مانندهٔ مخالف بو سهل زوزنی

[۱] دن یعنی خم شراب دنی، دنیدن سے مشتق ہے جسکے معنی اکڑ کے چلنے کے ہیں۔

باد نوروزی همی در بوستان ساحر شود تا بہ سحرش دیدہ ہر برگ گلبنے ناظر شود

باد ہمچون دزد گرد و ہر سوی پیا بلب بوستان آراستہ چون گنبۂ تاجر شود

نوبہار این جامۂ صد رنگ پوشد تا اگر دوستار و دستان خواجہ بوفاہر شود

منوچہری مناظر قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچتا ہے، صحرا، سبزہ، بادل، سیلاب، ہوا، وغیرہ وغیرہ کے اوصاف اکثر قصائد کی تمہید مین لکھے ہین اور اس خوبی سے لکھے ہین کہ اگر اس قسم کے اشعار الگ جمع کر دیے جاہین تو نیچرل شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائیگا، ایک قصیدہ مین سفر کا حال لکھتے لکھتے آب وہوا کے طوفان کا حال لکھا ہے اس موقع پر ہوا کے جھونکے، بجلی کی چمک، بادلون کی گرج، پانی کے سیلاب کا نقشہ دیکھو کس طرح کھینچا ہی۔

بر آمد بادے از اقصائے بابل ہبوبش خارہ در و بارہ افگن

(قلعہ)

تو گفتی کز ستیغ کوہ سیلی فرو بارد ہمے احجار صد من

(چوٹی ۱۲)

ز روے بادیہ برخاست گردے کہ گیتی کرد ہمچون خز ادکن

چنان کز روے دریا بامدادان بخار آب خیزد ماہ بہمن

(کہر ۱۲ سیاہ ۱۲)

بر آمد زاغ رنگ و مار پیکر یکے میغ از ستیغ کوہ قارن

(بادل ۱۲)

چنان چون صد ہزاران خرمن تر کہ عمداً در زنی آتش بہ خرمن

بجستے ہر زمان از تیغ برقی کہ کردے گیتی تاریک روشن

خروشی برکشیدے تندر تندر کہ موے مردمان کردے چو سوزن

(کڑک ۱۲)

تو گفتی نائے رومی ہر زمانے بگوش اندر دمیدے یک نی میدن

بلرزید ے زمین از زلزلہ سخت — کہ کوہ اندر رقادے زو بگردن

تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے — بلرز اندر ز رنج پشگان تن

فرو بارید بارانے ز گردون — چنان چون برگ گل بار و ز گلشن

و یا اندر تموزی مہ ببارد — جراد منتشر بر بام و برزن (ٹنڈی)

ز صحرا سیلہا برخاست ہر سو — دراز آہنگ پیچان و زمین کن (گلی و کواچہ)

چو ہنگام عزایم زہی معزم — تبک خیزند ثعبانان زمین (سکبا ۱۲ — اژدہا ۱۲)

نماز شامگاہان گشت صافی — ز روے آسمان ابر معکن

بہار کی تعریف شعراے ایران کا ایک عام موضوع ہے جسپر ابتدا سے آج تک سب طبع آزمائیان کرتے آئے ہین، لیکن قدما اور متاخرین مین سے کسی نے منوچہری کی طرح نیچر کی تصویر نہین کھینچی، اسنے سیکڑون جگہ بہار کا نقشہ دکھایا ہے، اور ہر جگہ گویا فطرت کی تصویر کھینچکر رکھدی ہے، وہ اور شعرا کیطرح صرف گل و بلبل پر قناعت نہین کرتا، بلکہ ایک ایک پتے، پھول، پھل، شاخ، درخت، اور ان سب سے بڑھکر جانورون اور پرندون کی صورت اور حالت دکھاتا ہے،

پرندون کی حالت۔

کبکان سبے آزار کہ بر کوہ بلند اند — بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند

جز خار[1] بنان جائگہ خود نہ پسندند — بر پہلو ازین نیمہ بدان نیمہ بدندند[2]

[1] خاربنان۔ خارزار [2] دندند۔ منخر اند۔

هر ساعتگی سینه بمنقار بر زند
چون جزع[1] بر و سینه و چون بسّد[2] منقار

شبگیر (وقت صبح ۱۲) زگل فاختگان بانگ بر آرند | گوئی که سحرگاه همی خواب گزارند
ماه سه شبه (یعنی هلال ۱۲) از بر گردن بنگارند | از غالیه بی آنکه همی غالیه دارند

صد بار بروزی در پرها[3] بشمارند
چون نیم دبیری که غلط کرده باشتمار[4]

هر ساعتگی بط سخنی چند بگوید | در آب جهد جامه دگر بار بشوید
در آب کند گردن و در آب بروید | گوئی که مگر چیزی در آب بجوید

چون سینه بجنباند و یک تخت بپوید
از هر سر پرش بچهد صد دُرّ شهوار

آمد نوروز و هم از بامداد | آمدنش فرخ و فرخنده باد
باز جهان خرم و خوب ایستاد | مُرد زمستان و بهاران بزاد

زابر سیه روی سمن بوی راد
گیتی گردید چو دار القرار

روی گل سرخ بیاراستند | زلفک شمشاد بپیراستند

۱ جزع مهره سلیمانی که سفید و سیاه باشد ۲ بُسّد۔ یاقوت۔ ۳ کہتا ہی کہ قمریان اس طرح بار بار اپنے پرونکو گنتی ہین رکتی ہین جس طرح کہ نوآموز حساب دان بار بار حساب بھول جاتا ہی اور ہر کاغذ کو اُلٹتا ہی۔ ۴ اشتمار شمار۔

کبکان بر کوه تبک خواستند　　فاختگان همبر نشاستند

بلبلکان زیر ستا خواستند
نای زنان بر سر شاخ چنار
(زیر و بم ۱۲)

طوطیکان بر گلکان تاختند　　آهوکان گوش برافراختند
گورخران همنها ساختند　　زاغان گلزار بپرداختند

بیدلکان در پی دل تاختند
اترکان چنگل و قندهار
(عاشق ۱۲)

مرغ نه بینی که چه خواند همی　　میغ نه بینی که چه راند همی
دشت نه بینی بچه ماند همی　　دوست نه بینی چه ستاند همی

باغ بتان را بنشاند همی
برسمن و نسترن و لاله زار

کرده گلو پر ز باد قمری سنجاب پوش　　کبک فرو ریخته مشک بسوراخ گوش
بلبلکان با نشاط قمریکان با خروش　　در دهن لاله مشک در دهن نحل نوش

سوسن کافور بوی گلبن گوهر فروش
از مه اردی بهشت دهر بهشت برین

چوک ز شاخ درخت خویشتن آویخته　　زاغ سیه پر و بال غالیه آمیخته
(نام مرغیست ۱۲)

ابر بهاری ز دور اسپ بر انگیخته | وز سم اسپ سیاه لولوی تر ریخته

در دهن لاله باد ریخته مرو بیخته
ریخته مشک سیاه بیخته در آستین

سرو سماطی کشید بر دو لب جویبار | چون دو رده چتر سبز در دو صف کارزار
مرغ نهاد آشیان بر سر شاخ چنار | چون سپر خیزران بر سر مرد سوار

گشت نگارین تذرو پنهان در کشتزار
همچو عروسی غریق در بن دریای چین

گوئی بط سفید جامه بصابون زده است | کبک دری ساق پای در قدح خون زده است
بر گل تر عندلیب گنج فریدون زده است | لشکر چین در بهار در که و هامون زده است

لاله سوی جویبار خرگه بیرون زده است
خرگه او سبزگون خیمهٔ او آتشین

بادل جب برستے ہین تو کبھی قطرہ افشانی ہوتی ہے، کبھی ننھی ننھی پھوار پڑتی ہے، کبھی جھڑی لگ جاتی ہے، سبزہ پر مختلف قسم کے پھولون پر، تالاب کی سطح پر بوندون کے پڑنے سے طرح طرح کی صورتین پیدا ہو کر ہر ایک کا الگ الگ سما نظر آتا ہے، منوچہری نے ایک موقع پر تشبیہات کے پیرائے مین اسکی تصویر کھینچی ہے۔

آن قطرهٔ باران بین از ابر چکیده | گشته سر برگ ازان قطره به آثار

آویخته چون ریشهٔ دستارچهٔ سبز — سیمین گرہے بر سر ہر ریشۂ دستار
یا ہمچو زبرجد گون یک دستہ سوسن — اندر سر ہر سوزن یک لولوٴ شہوار
وان قطرهٔ باران که فرو بارد شبگیر — بر طرف چمن بر دو رخ سرخ گل نار
گوئی بہ مثل بیضۂ کافور ریاحی — بر بیرم حمرا بپراگندش عطار (سرخ)
وان قطرهٔ باران که فرود آید از شاخ — بر تازه بنفشه نه بتعجیل بادرار (آہستہ آہستہ)
گوئی که مشاطه ز بر فرق عروسان — ما ورد ہمے ریزد باریک بمقدار (گلاب ۱۲)
وان قطرهٔ باران که چکد از بر لاله — گردد طرف لاله ازان باران نگار (رنگین ۱۲)
پنداری تبخاله خردک بدمیده است — بر گرد عقیقین دو لب دلبر عیار
وان قطرهٔ باران که بر افتد بسر خوید — چون قطرهٔ سیماب بر افتاده بزنگار (آبلہ ۱۲)
وان دائره ہا بنگر اندر شمر آب — ہر گہ کہ دران آب چکد قطرهٔ امطار (تالاب ۱۲)
چون مرکز پرکار ست آن قطرهٔ باران — وان دائرهٔ آب بسان خط پرکار
ہر گہ کہ ازان دائره انگیزد باران — وز باد درو چین و شکن خیزد بسیار
گوئی علمی از سقلاطون سپید است — وز باد جہنده متحرک شده بسیار (اطلس ۱۲)
وانگه که فرو بارد باران بقوت — گیرد شکن آب دگر صورت و آثار
گردد شمر ایدون چو یکی دام کبوتر — دیدار ز ہر حلقہ لبے سیمین منقار (یعنی نظر آتا ہو تو)

سراپا نگاری

حلیہ نگاری یعنی کسی خاص چیز کا سراپا لکھنا اور اُسکے تمام اوصاف کا بیان کرنا منوچہری اسکا گویا موجد ہے، قصائد مین شعرا بادشاہ کی مدح کے ساتھ تلوار،

گھوڑے وغیرہ کی تعریف بھی کرتے ہیں، عبدالواسع جبلی اور عرفی شیرازی اس میدان میں سب سے آگے ہیں، لیکن ان کے ہاں محض خیالی باتیں ہیں بخلاف اسکے منوچہری نے تصویر کھینچکر رکھدی ہے اسکے ساتھ اکثر صنعت تنسیق الصفات کا التزام کیا ہے، اور وہاں انکی قدرت زبان کا اندازہ ہوتا ہے کہ بے تکلف موزون اور متناسب الفاظ کا انبار لگاتا چلا جاتا ہے۔

گھوڑا

حبذا اسپے محجل مرکبے تازی نژاد [گھوڑا]
نعل او پروین نشان و سم او خاراشکن

رام زین و کش خرام و خوش عنان و تیزگام
شخ نورد و راہ جوی و سیل بُر و کوہکن [زمین سخت ۱۲]

پشت او در دست وی گوش او در گردنش
چون کمان و چون کماج و چون سنان و چون مجن [سپر ۱۲]

گاہش اندر شیب تازم گاہ تازم بر فراز
چون کسی کو گاہ بازی بر نشیند بر رسن

دیدہ خواب آلود و خیرہ و تیز سیر و دوربین
خوش عنان و کش خرام و پاک زاد و نیکپی [تیزخرام ۱۲]

سخت پاے و نرم لگام و راست دست و گرد سم
تیز گوش و پہن پشت و نرم چرم و خورد موی

ہر بسیرہ باد گرد و رعد بانگ و برق جہ
کوہ کوب و سیل بر و شخ نورد و راہ جوی

گور ساق و شیر زہرہ یوز تاز و غرم تگ [چیتا ۱۲ بز کوہی ۱۲]
پیل گام و گرگ سینہ رنگ تاز و کرگ پوی [گینڈا ۱۲]

تیز چشم آہن جگر فولاد دل گیخت لب
سیم دندان چاہ بینی ناوہ کام و لوح روی

نیزہ و گرز و کمند و ناچخ و تیر و کمان
گردن و گوش و دم و سم و دہان و ساق اوی

ہمچو باد و گرز و یوز و رود و کوہ قرار
شیر تگ و پیل قدم گور رو و آہو پرواز

گوش و پہلو و میان و کتف و جبہہ و ساق
تیز و فربہ و نزار و قوی و پہن و دراز [فربہ ۱۲]

ره ابر و تیغ تشکن، و شیر دل، و سیر عنان | خوش دو، و سخت سم و پاک تن، و جنگ آغاز

منوچہری نے اگرچہ کوئی مثنوی نہین لکھی جس سے واقعہ نگاری کی ترقی کا قدم آگے بڑھتا، لیکن اکثر قصائد کی تمہید مین وہ واقعہ نگاری کا پیرایہ ڈھونڈھ لیتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلسل داستان لکھ رہا ہے، ان موقعون پر اس کی قوت بیان کا اندازہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ محض مداحی کے لیے قصیدہ نہین کہتا، بلکہ زبان کی ترقی دینے کو پیش نظر رکھتا ہے، ایک قصیدہ مین عرب کے انداز پر قافلہ کی روانگی، محبوب کی رخصت، اور سفر کے حالات لکھے ہین۔

الا یا خیمگی خیمہ فروہل،	کہ پیش آہنگ بیرون شد ز منزل
تبیرہ زن بزد طبل نخستین (نقارہ ۱۲)	شتربانان ہمے بندند محمل
نماز شام نزدیک است امشب	مہ و خورشید را بینم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصد بالا	فرو شد آفتاب از کوہ بابل
چنان دو کفۂ زرین ترازو	کہ این کفہ شود زان کفہ مائل
نگار من چو حال من چنان دید	بیارید از مژہ باران وابل
بیامد اوفتان خیزان بر من	چو آن مرغے کہ باشد نیم بسمل (چھری ۱۲)
دو ساعد را حمائل کرد بر من	فرو آویخت از من چون حمائل
چو برگشت از من آن معشوق مشفق	نہادم صابری را سنگ بر دل
نگہ کردم بگرد کاروان گاہ	بجاے خیمہ و جاے رواحل (کجاوہ ۱۲)

نہ وحشی دیدم آنجا و نہ انسے　　نہ راکب دیدم آنجا و نہ راجل (پیادہ ۱۲)
نجیب خویش را دیدم بہ یکسو (گھوڑا ۱۲)　　چو دیوے دست و پا اندر سلاسل
گشادم ہر دو زانو بندش از بند　　چو مرغے کش گشاید از حبایل
بر آوردم زمامش از بناگوش (باگ ۱۲)　　فرو ہشتم ہویدش تا بہ کاہل
چو مستاجی کہ بپیماید زمین را　　بپیمودم بپاے او مراحل
ہمی رفتم شتابان در بیابان　　ہمے کردم بیک منزل دو منزل
ہمی بگداخت برف اندر بیابان　　تو گوئی داردش بیماری سل
چو پاسے از شب دیجور بگذشت　　بر آمد شعریان از کوہ موصل
رسیدم من فراز کاروان تنگ (قریب ۱۲)　　چو کشتی کو رسد نزدیک ساحل
جرس دستان گوناگون ہمیزد　　بسان عندلیبے از عنادل
ز نوک نیزہ ہاے نیزہ داران　　شدہ وادی چو اطراف سنابل
نجیب خویش را گفتم سبکتر　　الا یا دستگیر مرد فاضل
بحرکت عنبرین بادا چراگاہ　　بجسم گیت آہنین بادا مفاصل
بیابان در نورد و کوہ بگذار　　منازل را بکوب و راہ بگسل
فرود آور بدرگاہ وزیرم　　فرود آوردن اعشی بہ بابل

قسام سخن ہین سے منوچہری کے مسمطات[۱] مشہور ہین، وہ درحقیقت اس طرز کا موجد ہے

[۱] مسمط ہین چھ مصرعے ہوتے ہین جنمین سے پانچ مصرعون کے قافیے متحد ہوتے ہین ۔

اور خود بھی اسکو اسپر ناز ہے، چنانچہ کہتا ہی۔

طاؤس مہج عنصری خواند   دُرّاج مُسمّطِ منوچہری ،

ان مسمطات مین اکثر جگہ واقعہ نگاری کے نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہین ایک مسمط مین انگورون کے پھلنے اور اُن سے شراب کھینچنے کو ایک حکایت کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، یعنی انگور ایک عورت ہے اُسنے لڑکیان جنی ہین، انگور والا خوش ہو کہ یہ میری لڑکیان ہین، اکثر آ آکر دیکھتا ہے، اور خوش ہوتا ہے، اتفاق سے اُسے باہر جانا پڑا آکر دیکھا تو بچون کے سُرخ سفید، چہرے سیاہ ہو گئے ہین، اور اُنکے پیٹ نکل آئے ہین، اُسکو سخت رنج ہوا کہ یہ لڑکیان بدکار نکلین، لڑکیون نے عذرخواہی کی لیکن اُس نے نہ مانا اور اُنکے گلے کاٹ ڈالے، اسی طرح شراب کھینچنے کی اخیر حالت تک حکایت کے پیرایہ مین بیان کی ہی۔

شاخ انگور کہن دخترکان زاد بسے   کہ نہ از درد بنالید و نہ برزد نفسے
ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ بیش و نہ پسے   نہ در آقابلۂ بود و نہ فریاد رسے
این چنین آسان فرزند یزادست کسے
کہ نہ زو دردے بگرفتش متواتر نہ سپے
چون نگہ کرد بران دخترکان رز پیر   شیر بودند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر
کرد شان مادر با بستر ہمہ از سبز حریر   نہ خورش داد مران بچگان را ہیچ و نہ شیر
نہ شغب (شور) کردند آن بچگان نہ ہیچ نفیر

بچهٔ گرسنه دیدی که ندارد شغبی

بچگانش ننهادند تن خویش برآب — نه جهیدند و نه جستند ازان بستر خواب
گرد کردند سرین، محکم کردند رقاب — رد‌ها یکسره کردند به زنگار خضاب

داد شان رزبان پیوسته شرابی چو گلاب
نشد اند جانب شان غائب روز و نه شبی

گفت پندارم کین دخترکان آن من اند — چون دل و چون جگر و چون تن و چون جان من اند
تا بباشند درین رزده مهمان من اند — رز فردوس من است ایشان بستان من اند

تا درین باغ و درین خان و درین آن من اند
دارم اندر سر شان سبز کشیده شطبی

در چو بگشاد بدان دخترکان کرد نگاه — دید چون زنگی هر یک را دو ور دے سیاه
جای جای بچه تابان چون زهره و ماه — بچهٔ سرخ چو خون و بچهٔ زرد چو کاه

سرنگونسار ز شرم و رو تیره ز گناه
هر یکی با شکم حامله و با نازبی

رزبان را به دو ابروی در افتاده گره — گفت لا حول و لا قوة الا بالله
این بلای بچگان در حق من آمد زه — همه آبستن گشتند بیک باشب کرده

نیست یکتن بمیان همگان اید ربه
این چنین زانیه باشد بچهٔ هر عنبی

دختران رز گویند کہ ما بے گنہیم
ما ہمہ سر بسر آبستن خورشید وہیم

ما تن خویش بدست بنی آدم ندہیم
ما توانیم کہ از خلق جہان دور جہیم

نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ برہیم
ز آفتاب و مہ مان سود ندارد ہر بے

روز ہر روز ہمی خورشید بتابد بر ما
چون شب آید برود خورشید از محضر ما

خویشتن در فگند بر تن ما و سر ما
ماہتاب آید و بر چسپد در پیکر ما

وین دو تن دور نہ گردند ز بام و در ما
نکند ہیچ کس این بے ادبان را و سبے

منوچہری کی خصوصیات مین ایک بڑی چیز تشبیہ کی صنعت ہے، جہان کسی منظر یا حالت کا بیان کرتا ہے، سیکڑون نئی تشبیہین پیدا کرتا جاتا ہے، اور یہ اسکا خاص انداز ہی اس بہات کے ساتھ کوئی تشبیہ جدت سے خالی نہین ہوتی، اس زمانہ تک خیالی اور فرضی تشبیہین پیدا نہین ہوئی تھین اسلیئے عموماً تمام شعرا محسوسات اور مادیات سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن وہی چند مفرد تشبیہین تھین جو بار بار ادا ہو کر تبذل ہو گئی تھین منوچہری کی اکثر تشبیہین مرکب ہین اور اسکے ساتھ خاص جدّت ہے، مثالین ملاحظہ ہون۔

آفتاب کا صبح کے وقت بتدریج طلوع ہونا۔

بکردار چراغ نیم مردہ
کہ ہر ساعت فزون گرددش روغن

یعنی آفتاب کی روشنی اس طرح آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہو کہ جس طرح ایک چراغ جو بجھ

چلاتھا، اسمین کوئی شخص بتدریج تیل ڈالتا جاتا ہے۔

زمین کا بھونچال سے لرزنا۔

تو گفتی ہر زمانے ز ندہ پیلے	بلرزاند ز رنج پشہ گان تن

یعنی زمین بھونچال سے اس طرح جنبش مین ہے جسطرح ہاتی مچھرون کی اذیت دینے سے جھرجھریان لیتا ہے۔

لال

چنان چون دو سر از ہم باز کردہ	ز زر سرخ یک دست آورنجن

یعنی پہلی رات کا چاند اس طرح نظر آتا ہے کہ گویا کسی نے طلائی کڑے کے دونون سرے کھول دیے ہین۔

کے پتے

دان برگہاے بید تو گوئی کسی بقصد	پیکانہاے ہین ز برجد کند ہمے

بید کے پتے ایسے معلوم ہوتے ہین، کہ گویا کسی نے دانستہ زمرد کے پیکان چوڑے بنائے ہین،

اوراسکی کلغی

بو بو یک پیکے نامہ زدہ اندر سر خویش	نامہ گہ باز کند گہ شکند بر شکنا

ہُدہُد گویا نامہ بر ہے جسنے خط کو اپنی پگڑی مین کھونس لیا ہے، کبھی اُسکو کھولتا ہی کبھی تہ کرکے لپیٹ لیتا ہے۔

ہُدہُد اکثر اپنی کلغی کو پھیلا دیتا ہے اور پھر سمیٹ لیتا ہے۔

مناظر قدرت کے اشعار جو اوپر گزرے ہین ان مین بھی اکثر تشبیہات ہین، ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

پانچوین اور چھٹی صدی

پانچوین صدی کے آغاز مین اگرچہ شاعری کی ترقی کی رفتار گھٹ گئی جسکی وجہ یہ تھی
ہ اس صدی کے وسط مین غزنوی حکومت کا زوال شروع ہو چلا تھا اور نئی طاقتین
بھی شباب تک نہین پہنچی تھین، لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوتے جبکہ غزنوی سلطنت کا
ور سلجوقیہ کی طرف منتقل ہو گیا، دفعۃً بحر سخن مین طوفان آگیا، سلجوقیہ کا پہلا فرمان روا رکن الدین
طغرل بک تھا جو محرم ۴۲۹ ھ مین بمقام نیشاپور مسند نشین ہوا، اس سلسلہ نے اگرچہ صرف ۱۶۳
رس کی عمر پائی، لیکن اتنی ہی تھوڑی مدت مین جو باتین اسنے حاصل کین، تاریخ اسلام کو
س سے گوناگون اور وسیع تعلقات ہین، اول تو اس سلطنت نے جو وسعت پیدا کی،
بتداے اسلام سے آج تک کبھی کسی عہد مین نہین ہوئی تھی، اسی کے ساتھ عدل و
نصاف اور امن و امان کا یہ حال تھا کہ خراسان سے شام تک ایک رہرو تن تنہا سونا
چھالتا جاتا تھا اور کوئی خبر نہین ہوتا تھا، ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایران، عراق، روم
ین جو بڑی بڑی پُرزور سلطنتین قائم ہوئین، سب کی سب اسی سلسلہ کی شاخین تھین،
رکون سے پہلے جو سلاطین شاہان روم کہلاتے تھے، اسی خاندان کی ایک شاخ تھے،
سلاطین خوارزم شاہیہ جنکی شوکت و شان محتاج بیان نہین، اُنکا مورث اول یعنی

تو شتگین اسی خاندان کا غلام در غلام تھا، اتابکوں کے متعدد خاندان جن میں سے نور الدین زنگی، سلطان صلاح الدین کا آقا، قزل ارسلان ظہیر فاریابی کا ممدوح اور اتابک ابوبکر بن سعد زنگی شیخ سعدی کا مربی اور سرپرست تھا سب اسی خاندان کے غلام، یا خدمتگزار تھے

سلجوقیہ کی اوج شباب کا زمانہ ملک شاہ اور سنجر[1] کا زمانہ ہے، اور یہی دور، فارسی شاعری کا معراج شباب ہے، سلجوقی شعرا کی فہرست نہایت وسیع ہے، جنمیں سے چند نام یہ ہیں،

امیر معزی، ازرقی، لامعی، فخر الدین اسعد، شہابی خراسانی، عبد الواسع، جبلی، انوری، حسن غزنوی، رضی الدین نیشاپوری، ادیب صابر، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، نظامی عروضی، نظامی گنجوی، شمس الدین خراسانی، سوزنی، ابو المعالی، (مجمع الفصحا کے دیباچہ میں اور بہت سے نام لکھے ہیں)

اس دور کی چند خصوصیات لحاظ کے قابل ہیں،

اس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی، لیکن یہ ترقی صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے تھی، شاعری کی زبان اب تک ٹکسالی نہ تھی، شاعری کی بنیاد، سامانی حکومت میں قائم ہوئی، اور غزنویہ کے عہد میں اوج ترقی تک پہنچی، ان خاندانوں کے پایۂ تخت، بخارا اور غزنین تھے، جہاں کی مادری زبان، ترکی یا افغانی تھی، شعرا جسقدر تھے من حیث الاغلب سب کے سب انھیں مقامات کے رہنے والے تھے، جا ایران سے

---

[1] ملک شاہ ۴۶۵ھ میں تخت نشین ہوا ۴۸۵ھ میں وفات پائی، اسکے بعد سنجر نے اپنے بھائیوں کی طرف سے نیابۃً بیس برس تک اور پھر مستقل حکومت کی اور ۵۵۲ھ میں انتقال کیا۔

اصلی مرکز یعنی شیراز، اصفہان و نیشاپور سے دور تھے، فرخی سیستانی تھا، عنصری بلخ کا رہنے والا تھا، منوچہری دامغان سے تعلق رکھتا تھا، عسجدی اور دقیقی مرو کے رہنے والے تھے۔

سلجوقیہ نے نیشاپور کو پایۂ تخت قرار دیا، اس تعلق سے اُن لوگون مین شاعری پھیلی جو ایران کی زبان کے اصلی مالک تھے، اسی کا اثر ہے کہ اس عہد کے شعرا کی زبان زیادہ لطیف، شیرین، اور محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے۔

اس عہد مین فارسی زبان کی ترقی کی ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ ابتک، تمام اسلامی سلطنتون کی علمی اور دفتری زبان عربی تھی، سلطان محمود، اپنے ملکی اور قومی خصوصیات کا دلدادہ تھا تاہم دفتر کی زبان اس کے عہد مین بھی عربی ہی رہی، فرامین اور توقیعات تک اسی زبان مین لکھے جاتے تھے، لیکن الپ ارسلان سلجوقی جب تخت نشین ہوا تو اُسنے حکم دیا کہ دفتر کی زبان فارسی کردی جائے، چنانچہ دولت شاہ سلجوقی نے طبقۂ اول کے شعرا کا جہان ذکر شروع کیا ہے تفصیل سے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ ظاہر ہے کہ فارسی زبان جسکے عنصر مین ترقی کا مادہ موجود تھا، سلطنت کی زبان بنکر کسقدر ترقی کرگئی ہوگی!

سلطان سنجر کی قدردانی اور حاتمانہ فیاضی نے پھر وہی محمودی دربار قائم کردیا! میر معزی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا اور بڑے بڑے شعرا پایۂ تخت کے شاعر قرار پائے دولت شاہ لکھتا ہی۔

اما از شعرای بزرگ کہ در دور سلطان سنجر بودہ اند، و مدح سلطان گفتہ اند،

وصلہ وتربیت یافتہ، ادیب صابر است درشید وطواط و عبدالواسع جبلی
و فرید کاتب، وانوری خاورانی، وملک عماری، وسوزنی، وسید حسن غزنوی
و مہستی دبیرہ کہ محبوب سلطان وظریفہ روزگار بود[1]

سنجر کی شاعرانہ مذاق اور قدردانی کی داستانین اکثر تذکرون مین مذکور ہین، اُسنے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شاعری کی قدر وقیمت اسکے دربار مین کیا تھی،

ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ، عید کا چاند دیکھنے نکلا، سب سے پہلے ہلال پر اُسی کی نظر پڑی، خوشی سے اُچھل پڑا، سب کو اُنگلی کے اشارہ سے بتایا۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ کوئی شاعر فی البدیہ ہلال کی تعریف مین شعر سنائے، معزی اسوقت تک دربار مین اُمیدواری کرتا تھا، موقع پاکر اُسنے برجستہ کہا۔

اے ماہ چو ابروان یاری، گوئی	یا ہمچو کمان شہریاری، گوئی
نعلے زدہ اززر عیاری، گوئی	درگوش سپہر گوشواری، گوئی

یعنی اے چاند، تو ابروی معشوق ہے، یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل، یا آسمانکی کان کا آویزہ،

سنجر نے اسپ خاصہ اور پانچہزار درہم عطا کیئے، معزی نے پھر برجستہ کہا۔

چون آتش خاطر مرا شاہ بدید	از خاک مرا برزبر ماہ کشید
چون آب یکے ترانہ ازمن بشنید	چون بادیکے مرکب خاصم بخشید

[1] دولت شاہ ذکر عمعق بخاری۔

سنجر نے ہزار دینار کے عطیہ کے ساتھ حکم دیا کہ شاہی لقب اسکے خطاب مین شامل کیا جائے،

چونکہ سنجر کا لقب معز الدین تھا اسلیے معزی لقب ملا جو آج تخلص ہو کر مشہور ہے۔

ایک دفعہ سلطان سنجر گیند کھیل رہا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے شوخی کی، اور سنجر گھوڑے سے گر گیا، معزی نے برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

شاہا ادبے کن، فلک بدخو را	کو چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوی خطا کرد بہ چوگانش زن	ور اسپ خطا کرد بہ من بخش ورا

یعنی اے بادشاہ! آسمان کو ذرا تنبیہ کر دیجئے، اُسنے آپ کو نظر لگا دی، اگر گیند کی خطا ہے تو چوگان سے اُسکو مار یے، اور گھوڑے کا قصور ہے تو میرے حوالہ فرمائیے اخیر کا مصرع دو پہلو رکھتا ہے، سنجر نے گھوڑا معزی کو عنایت کیا، معزی نے دوبارہ رباعی پیش کی۔

رفتم بر اسپ تا بہ جرمش بکشم	گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان بر گیرم	نے چرخ چہارمین کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینی چاہی، اِسنے کہا کہ پہلے میرا عذر تو سن لیجئے، مین کچھ گاو زمین تو نہین کہ عالم کا بار اُٹھالون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون، مطلب یہ کہ سلطان سنجر کا بار اُٹھانا گاو زمین اور آفتاب کا کام ہے۔

سلہ مجمع الفصحا، اور خزانہ عامرہ وغیرہ۔

مہستی ایک مشہور شاعرہ تھی جسکی حاضر جوابیان اور ظریفانہ فقرے مشہور عالم ہین سنجر کی شاعرانہ صحبتون مین وہ بھی شریک ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ مجلس عیش قائم تھی مہستی بھی موجود تھی۔ کسی کام سے باہر نکلی تو دیکھا برف پڑ رہی ہے، واپس آئی، سنجر نے پوچھا ہوا کا کیا رنگ ہے مہستی نے فی البدیہ رباعی پڑھی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زین کرد		وز جملہ خسروان ترا تحسین کرد	
تا در حرکت، سمند زرین نعلت		بر گل ننہند پاے از زمین سیمین کرد	

یعنی آسمان نے اس غرض سے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤن خاک پر پڑنے نہ پائین زمین پر چاندی بچھا دی۔ سنجر نہایت محظوظ ہوا اور اُسی دن سے مہستی سنجر کی مقربین مین داخل ہو گئی۔

غزنوی خاندان نے بھی اس عہد مین سنبھالا لیا۔ بہرام شاہ جو سلطان محمود کی چوتھی پشت مین تھا، اور ۵۱۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا۔ نہایت شان و شوکت کا بادشاہ اور نہایت علم دوست اور مربی فن تھا۔ تاریخ فرشتہ مین اسکا تذکرہ ان لفظون سے شروع کیا گیا ہے۔

او پادشاہے بود، ذی شوکت، و صاحب حشمت، با علما و فضلا بسیار نشستے، و صحبت ایشان دوست داشتے، و ہر کسی را بقدر علمش رعایت کردے، لہذا فضلاے آن روزگار، باسم شریفش کتب ساختہ اند و تصنیفات پرداختہ اند۔

کلیلہ دمنہ جسکا ترجمہ پہلوی زبان سے عبداللہ ابن المقفع نے عربی مین کیا تھا،
رام شاہ کے حکم سے فارسی زبان مین ترجمہ کی گئی، اور یہ پہلا دن تھا کہ ایران اور
ندوستان مین اسکا عام رواج ہوا، بہرام شاہ ہی کو یہ فخر نصیب ہوا کہ حکیم سنائیؒ نے
تعلقات دنیوی سے آزاد ہو چکے تھے، اپنی کتاب حدیقہ اسکے نام پر لکھی، (بہرام
اہ نے ۵۴۸ھ مین وفات پائی)

ان سلاطین کے علاوہ، اور بڑے بڑے دربار تھے جہان شاعری کی تربیت
اتی تھی ان مین سب سے زیادہ علم دوست طغان شاہ سلجوقی تھا، چہار مقالہ مین لکھا ہے۔

"آل سلجوق ہمہ شعر دوست بودند، اما ہیچکس شعر دوست تر از طغان شاہ
الپ ارسلان نبود، محاورت و معاشرت او ہمہ با شعرا بودند یاران او ہمہ شعرا
بودند، چون امیر عبداللہ قریشی و ابوبکر ازرقی، و ابو منصور یوسف،
و شجاعی نوی، و احمد بدیہی و حقیقی و نسیمی اینہا مرتب خدمت بودند
و آیندہ و روندہ بسیار بودند"

اسی طرح شروان شاہ کے دربار کا ملک الشعرا خاقانی اور خوارزم شاہ کا
شید الدین وطواط تھا۔

صوفیانہ شاعری

بہرام شاہ کے عہد کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ تصوف اور
خلاقی شاعری کا سنگ بنیاد اسی عہد مین رکھا گیا اور صدی کے ختم ہونے سے
پہلے پہلے، یہ عمارت گویا انجام کو پہنچ گئی، چنانچہ اسکی تفصیل حکیم سنائیؒ، اوحدیؒ

اور خواجہ فریدالدین عطار کے حالات مین آئیگی ۔

فلسفیانہ شاعری

فلسفیانہ شاعری بھی اسی دور کی یادگار ہے، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار مین ادا کیے لیکن وہ محض فلسفہ ہی فلسفہ تھا، شاعری نہ تھی، برخلاف اسکے، اس عہد مین عمر خیام نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز سے ادا کیا کہ ظاہر مین آدمی کو اس مین صرف شاعری نظر آتی ہے، حالانکہ وہ فلسفیانہ نازک مسائل مین جو دلکش اور دلفریب پیرایہ مین ادا کر دیے گئے ہین ۔

عشقیہ شاعری

اس عہد تک، شاعری مین عشق و عاشقی کی روح نہ تھی، مثنوی، رزم پر محدود تھی قصائد کا مقصود مداحی تھا، تشبیب مین معشوق کا جو ذکر کرتے تھے، وہ صرف عرب کے قصائد کا اتباع تھا، ساقی اور حسین بچون کا ذکر کرتے تھے تو اُس سے محض تفریح مقصود ہوتی تھی، جس طرح امرا کے ہان، تانگی نظر کے لیے پیش خدمت اور غلام حسین اور خوشرو رکھے جاتے تھے، اس عہد مین نظامی نے عشقیہ شاعری کی جداگانہ صنف قائم کر دی، عرب و عجم مین، عاشقی مین جو نامور تھے یعنی مجنون، و فرہاد، انکے حالات مین مثنویان لکھین صرف عاشقانہ جذبات اور خیالات پر اکتفا نہین کیا، بلکہ بزم اور عاشقانہ خیالات کے اظہار کے لیے مستقل لٹریچر پیدا کر دیا جسپر آگے چلکر متاخرین نے بڑی بڑی عمارتین قائم کین، غزل گوئی کی ایجاد گو سعدی سے منسوب ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اِس صنمکدہ کے آذر نظامی ہی ہین،

قصائد کی صنف کو چندان ترقی نہین ہوئی، مضامین مین تو کسی قسم کی جدت پیدا

ین ہوئی، مداحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیاں کمال کے درجہ کو
نچ گئین عبدالواسع جبلی، اور رشید الدین وطواط نے الفاظ پر اِس قدر قابو پیدا کر لیا
جس نوع، جس ترکیب، جس انداز کے الفاظ چاہتے ہین، اُنکا انبار لگا دیتے ہین، قصیدے
ے قصیدے ہین جن ہین، تمام الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہین جسکو اصطلاح
ن صنعت طباق کہتے ہین، بعض قصیدون مین التزام کر لیا ہے کہ الف کا حرف
سب سے عام حرف ہے نہ آنے پاے، باوجود اِسکے یہ قصائد ایسے برجستہ اور روان ہین
جب تک بتا نہ دیا جائے کہ اِس مین اِس صنعت کا التزام کیا گیا ہے، اِس طرف
یال بھی منتقل نہین ہو سکتا، اکثر قصیدون مین یہ التزام ہے کہ ہر مصرع مین پانچ
نچ چھ چھ الفاظ ہین، اور پہلے مصرع مین جسقدر الفاظ آئے ہین، دوسرے مصرع
کے تمام الفاظ، بھی اُنھین الفاظ کے ہموزن، بلکہ ہم قافیہ ہین، باوجود اِسکے کسی قسم کا
لف نہین معلوم ہوتا۔

عبدالواسع جبلی نے مسجع کو ۹ قافیون تک پہنچایا جس سے وہ صورت پیدا
وگئی جسکو عوام بحر طویل کہتے ہین، مثلاً۔

یا صاحبی ایش الخبر، زان سرو قد سیمبر، کز عشق او گشتم سمر، تشنہ لب و خستہ جگر، بر کندہ
ان افگندہ سر، با کام خشک و چشم تر، کردہ زغم زیر و زبر، دنیا و دین، و جان و تن،
ایک مصرع ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب بارش اچھی ہوتی ہے، تو جو اور گیہون کے ساتھ مختلف

قسم کی زہریلی گھانس اور خاردار درخت اور بوٹے بھی پیدا ہو جاتے ہین، چنانچہ شاعری کے چمن مین ہجو کا خارزار اسی عہد کی یادگار ہے، جسکے چمن آرا انوری اور سوزنی ہین

ہم اس دور کے چند مشہور شعرا کا تذکرہ لکھتے ہین۔

حکیم سنائی

مجدود نام، ابوالمجد کنیت، سنائی تخلص، غزنین وطن تھا، ابتدا مین شاعری کا پیشہ کرتے تھے، چنانچہ بہرام شاہ کی مدح مین بہت سے قصائد لکھے جو دیوان مین موجود ہین، لیکن پھر خدا نے توفیق دی اور توبہ کی، توبہ کا سبب ایک دلچسپ قصہ ہی، بہرام شاہ ہندوستان کی مہم پر جارہا تھا، حکیم سنائی نے چاہا کہ اس تقریب سے قصیدہ مدحیہ لکھکر پیش کرین، قصیدہ تیار کرکے، دربار کے قصد سے چلے، راہ مین ایک حمام تھا، یہان ایک پاگل رہا کرتا تھا، اسکا معمول تھا کہ شراب خانون سے شراب کی تلچھٹ مانگ لایا کرتا اور پیکر مست پڑا رہتا، اسی لیے اسکو لاے خوار کہتے تھے، حکیم سنائی حمام کے برابر سے نکلے، تو غنغنانے کی آواز سنی، ٹھہر گئے، دیکھا تو لای خوار ساقی سے کہہ رہا ہے کہ ابراہیم شاہ کے اندھے پن کے صدقہ مین ایک پیالہ دینا، ساقی نے کہا کیا نو بکتے ہو، ابراہیم شاہ نہایت عادل بادشاہ ہے، پاگل نے کہا، ابھی غزنین کے انتظام سے عہدہ برا نہین ہوا، دوسرے ملک کا ارادہ کرتا ہے اس سے بڑھکر کیا حماقت ہوگی یہ کہکر پیالہ اٹھایا اور پی گیا، پھر ساقی سے کہا کہ سنائی کے اندھے پن کے

صدقہ مین ایک پیالہ اور لانا، ساقی نے کہا، سنائی نہایت خوش فکر اور خوش طبع شاعر ہے اُسکی بُرائی کیون کرتے ہو؟ پاگل نے کہا اِس سے بڑھکر کیا حماقت ہوگی کہ دو چار جھوٹ سچ باتین جوڑکر، کسی بیوقوف رئیس کے پاس جاتا ہے، ادب سے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، اور اُسکو سُناتا ہے قیامت مین اگر سوال ہوا کہ دربار مین کیا لایا ہے، تو کیا جواب دیگا[1]

حکیم سنائی پر یہ اثر ہوا کہ اُسی وقت سب چھوڑ چھاڑ گوشہ نشین ہوکر بیٹھ گئے اور یہ رتبہ حاصل کیا کہ یا تو بہرام شاہ کے دربار مین بھٹی کرتے تھے، یا بہرام شاہ نے اپنی بہن کو اُنکے عقد نکاح مین دینا چاہا اور اُنھون نے انکار کیا، چنانچہ بہرام شاہ کو جواب مین لکھا

من نہ مرد زن و زر و جاہم	بخدا اگر کنم وگر خواہم
گر تو تاجم دہی ز احسانم	بہ سر تو کہ تاج نستانم

یدبیضا مین لکھا ہے کہ سر و پا برہنہ حج کو گئے، وہان سے واپس آکر غزنین مین گوشہ نشینی اختیار کی ننگے پاؤن غزنین کے گلی کوچون مین پھرا کرتے تھے، اُنکے عزیزونکو رحم آتا، ان کو اس حالت مین دیکھتے تو بے اختیار رو دیتے، یہ اُنکو سمجھاتے کہ میری حالت پہ رونا نہین، بلکہ خوشی کرنی چاہیے ایک دن لوگون نے جوتی لاکر پیش کی، اُن کی خاطر سے پہن لی، لیکن اتنا تعلق بھی اُن کی حالت مین خلل انداز ہوا، چنانچہ دوسرے دن جوتی اُتار کر پھینکدی اور کہا کہ جو بات مجھ مین کل تھی آج نہین، امیر خسرو نے اسی

[1] نفحات الانس مین بہرام شاہ کے بجائے سلطان محمود کا نام لکھا ہے، اسی بنا پر تاریخ فرشتہ مین اس واقعہ سے انکار کیا ہے

واقعہ کی طرف ایک قصیدہ مین اشارہ کیا ہے[۱]

نیست مدبر آن ترک از خود بدار وکفش انک		ہر تنگاف از پا تشنایش دین دولت را در است

ایک رئیس نے اُنکی خدمت مین حاضر ہونے کا ارادہ کیا، ان کو خبر ہوئی اُسیوقت رئیس کو خط لکھا کہ

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا گوغۂ دل این گوشہ گرفتہ
را بہ تفقد ستایش خود خراب نہ کند جسم حقیر این بندہ نہ سزا سے خشم
خداوندی است[۲]

اس زمانہ مین شیخ ابو یوسف ہمدانی مشہور مشایخ مین سے تھے حکیم سنائی نے اُن سے بیعت کی، شیخ ابو یوسف، ابو علی فارمدی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پیر ہین اس رشتہ سے حکیم سنائی، امام غزالی کے برادر زادہ ہین۔

حکیم سنائی نے جب حدیقہ تصنیف کی، تو چونکہ اس مین ایسی باتین بھی ہین جو عام عقائد کے خلاف ہین، اسلیے علما نے سخت مخالفت کی، یہانتک کہ بہرام شاہ تک شکایت پہنچی، بہرام شاہ نے، دار الخلافتہ بغداد سے استفتا طلب کیا، وہان کے علما نے لکھا کہ یہ مسائل قابل اعتراض نہین، حکیم سنائی نے اپنی برارت کے متعلق، ایک خط بھی بہرام شاہ کے نام لکھا، عبد القادر بدایونی نے اس خط کو پورا نقل کیا ہے، اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے کہ حکیم سنائی نے حدیقہ مین بنی اُمیّہ کی نہایت

[۱] یہ تمام تفصیل دولت شاہ مین ہے ۱۲ [۲] نفحات ۱۲

برائی لکھی تھی، اور اہل بیت کی مدح مین مبالغہ کیا تھا، حکیم سنائی نے ان دونون باتون کو تسلیم کیا اور لکھا کہ آل مروان کی برائی خود احادیث مین آئی ہے، لیکن حکیم صاحب محدث نہ تھے ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ گو آل مروان کی برائی مین شک نہین، لیکن حدیثین جو انکی شان مین مذکور ہین، سب وضعی اور جعلی ہین۔

حکیم سنائی کی وفات مین سخت اختلاف ہے تاریخ فرشتہ مین تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ مین وفات پائی، اسی تاریخ مین بعض فضلا کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین انتقال ہوا، اور اسی سنہ مین حدیقہ بھی تمام ہوئی تھی، دولت شاہ نے ۵۷۶ھ مین لکھا ہے، ریاض العارفین مین ۵۴۶ھ ہی۔

نفحات مین لکھا ہی کہ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا۔

	بازگشتم زانچہ گفتم زان کہ نیست		در سخن معنے و در معنی سخن	

تصنیفات

حکیم سنائی کی تصنیفات مین ایک کلیات ہے جس مین تیس ہزار شعر ہین، سات مثنویان ہین۔ حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہرام و بہرام۔ حدیقہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہی، باقی مثنویان ناپید ہین، البتہ سیر العباد کے بہت سے اشعار مجمع الفصحا مین نقل کیئے ہین، حدیقہ کی بحر اور وہی انداز ہی۔

کلیات مین قصائد، قطعے، غزلین، رباعیان سب کچھ ہے، اور افسوس یہ ہے کہ ان پھولون مین ہجو کے کانٹے بھی ہین۔

حکیم سنائی کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

ا۔ تشبیب اور قصائد مین اُنھون نے گو اپنے اور تمام معاصرین کی طرح کوئی جدّت نہین پیدا کی، لیکن پختگی، برجستگی، اور صفائی مین اُنکا کلام، تمام معاصرین سے ممتاز ہے اور قدما مین بھی، فرخی کے سوا اس خصوصیت مین کوئی اُنکا ہمسر نہین، فرخی کے قصیدہ کا جو جواب لکھا ہے، اُسکے چند اشعار ملاحظہ ہون۔

دوش سرمست نگارینِ من، آن طرفہ پسر		بایکے پیرہنے با سکلے طرفہ بہ سر
از سر کوچہ فرود آمد متواری وار		کردہ از غایت وتنگی صد گو نہ بطر
نرم نرمک ہمی آن نرگس پُر خواب کشاد		ژالہ ژالہ عرق از عارض او کردہ اثر
بوسہ بر دو لب من داد ہمی از پے عذر		اینت شوریدہ نگارا اینت شکر بوسہ پسر
شادمان گشتم ازین کار و گرفتمش کنار		ہمچو تنگِ شکر و خرمنِ گل تنگ بہ بر
او شدہ خواب و من از بوسہ زدن آن دو رخش		با دو چشم و دو رخش تا بہ سحر جفت سہر
خود کہ داند بہ کہ دران نیم شب از مستی او		تا چہ برداشتم از بوسہ ہر چیزے بر

یہی مضمون ہے جسکو قاآنی نے زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے۔

مست در بستر من خفتہ و رندان دانند		حالتِ مست کہ در بستر ہشیار افتد

خیالات اور طرز ادا مین کہین کہین جدّت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً کمر بر، و شجر بر، کی طرح مین جو قصیدہ کہا ہے اُسمین ایک قطعہ بند ہی۔

درزینت و در رنگ کلاہ و کمر خویش		زحمت چہ کشی در طلب گوہر و زر بر
این اشک من و رنگ رُخ من بنگر شوخ	ق	این را بہ کلہ بر زن و آن را بہ کمر بر

یعنی اے معشوق اپنے کمربند، اور کلاہ کی زینت مین اسقدر زحمت کیون اُٹھاتا ہی
میرا آنسو، اور میرے چہرہ کا رنگ، لیکر کلاہ اور کمر پر لگالے کہ زر و گوہر کا کام دینگے آنسو
گوہر اور چہرہ کا رنگ زردی کی وجہ سے زر کے مشابہ ہے۔

۲- حکیم سنائیؔ پہلے شخص ہین جسنے تصوف، کو شاعری سے روشناس کیا اُس سی
پہلے حضرت ابو سعید ابو الخیر کی چند رباعیان تصوف مین پائی جاتی ہین لیکن اُن مین
صرف جوش عشق کو پر زور طریقہ سے ادا کیا ہے، تصوف کے مسائل، اسرار، اور
معارف نہین، بخلاف اسکے حکیم سنائی کی تصنیفات تصوف کی مستقل تصنیفین ہین خود
حکیم صاحب کو بھی اسکا دعویٰ ہے چنانچہ حدیقہ مین کہتے ہین۔

کس نہ گفت این چنین سخن بجہان		در کسی گفت، گو بیار و بخوان	
زین نمط ہر چہ در جہان سخن است		گر یکے ور ہزار، آن من است	
چون ز قرآن گذشتی و ز اخبار		نیست کس را ازین نمط گفتار	

اس دعویٰ کو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہین مولانا روم فرماتے ہین،

ترک جوشے کردہ من نیم خام		از حکیم غزنوی بشنو تمام	
عطار روح بود و سنائی دو چشم او		ما از پس سنائی و عطار آمدیم	

حدیقہ مین تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا ہے، اور نہایت
ادبی سے ادا کیا ہے، اس کتاب کے چوتھے حصہ مین جہان صوفیانہ شاعری پر ریویو
ہوگا، حدیقہ کے انتخابات درج کیے جائین گے۔

۳- قدما کی شاعری اگرچہ نیچرل شاعری تھی، لیکن طرزِ ادا شاعرانہ تھا، جس بات کو کہنا چاہتے تھے، صاف بے تکلف، سیدھے سادھے طور پر کہدیتے تھے، معمولی بات کو انوکھے پیرایہ مین ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنا، متوسطین اور متاخرین کا جوہر ہے، لیکن اسکے موجد حکیم سنائیؔ ہین، اس اجمال کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۴- اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائیؔ نے قائم کی، اور گو آگے چلکر اس صنف کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اُصول اور آئین حکیم سنائیؔ نے قائم کر دیے تھے،

اخلاقی شاعری کی سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ جو بات کہی جائے اُسکے لیے پیرایہ بیان ایسا ڈھونڈھا جائے کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے کسی نے اسکی اصلی حقیقت نہین ظاہر کی تھی، اور یہ کہ وہ جس کام کو معمولی بات سمجھتا تھا، وہ نہایت نفرت انگیز اور بدترین افعال ہے، اسکے لیے شاعر کو ضرور ہے کہ وہ سامنے کی باتون سے ایسے نتائج پیدا کرے جو بظاہر بالکل اچھوتے معلوم ہون، اور جس کی طرف خیال نہ گیا ہو، مثلاً یہ بات عام ہے کہ طبیب جس چیز کو منع کر دیتا ہے لوگ اُس سے پرہیز کرتے ہین لیکن شریعت کے احکام کی پابندی نہین کرتے، اب دیکھو حکیم سنائیؔ اس واقعہ سے نصیحت کا کیا پہلو پیدا کرتے ہین، اُنھون نے دیکھا کہ طبیب اکثر پارسی، عیسائی، یہودی ہوتے ہین، یہ بھی دیکھا کہ جن چیزون کو طبیب منع کر دیتا ہے اکثر حلال ہوتی ہین، مثلاً حلوا مٹھائی وغیرہ، اور شریعت جن چیزون کو منع کرتی ہے، وہ مُضر اور ناجائز ہوتی ہین، ان باتون سے انھون نے اس طرح کام لیا۔

ترا یزدان همی گوید که در دنیا مخور باده	ترا ترسا همی گوید که در صفرا مخور حلوا
ز بهر دین تو نگذاری حرام از حرمت یزدان	ولیک از بهر تن مانی، حلال از گفتهٔ ترسا

یعنی خدا نے حکم دیا کہ شراب نہ پیو، اور عیسائی (طبیب) کہتا ہے کہ حلوا نہ کھاؤ، حلوا حلال چیز تھی، اُسکو تو تم نے ایک عیسائی کے کہنے سے چھوڑ دیا، اور شراب جسکو تم خود بھی ناجائز سمجھتے ہو، خدا کے کہنے سے بھی نہین چھوڑتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم خدا کے حکم کو ایک عیسائی کی بات کے برابر بھی نہین سمجھتے۔

اس قدر ہر شخص جانتا ہے کہ انسان مرکر تمام جھگڑون سے چھوٹ جاتا ہے، اس سے حکیم سنائی نے نصیحت کا یہ پیرایہ پیدا کیا ہے۔

با همه خلق جهان، گرچه ازان	بیشتر گمره و کم تر بره اند
آن چنان زی که چو میری برهی	نہ چنان زی که چو میری برهند

یعنی لوگون کے ساتھ اس طرح پیش آؤ، کہ جب مرو تو تم جھگڑون سے چھوٹ جاؤ، نہ یہ کہ جب تم مرو تو لوگ جھگڑے سے چھوٹین، یعنی تمھارے افعال سے ہر شخص تنگ آرہا تھا اسلیے جب تم مروگے تو لوگون کو نجات ہوگی،

شراب کی بُرائی کا یہ پہلو ہر شخص جانتا ہے کہ نشہ مین انسان بیہودہ بکتا ہے گالیان دیتا ہے، لڑتا ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ انسان نشہ کی حالت مین فیاض اور کرم گستر بن جاتا ہے اور یہ تعریف کا پہلو ہے، اب دیکھو شاعر اس تعریفی پہلو سے کیونکر شراب کی بُرائی کا یقین دلاتا ہے،

نکند عاقل مستی، نخورد دانا مے
گر کنی بخشش گویند کہ مے کرد نہ او

نہ نہد مردم ہشیار سوی مستی پے
ورنہ کنی عربدہ گویند کہ او کرد نہ می

یعنی شراب ایسی چیز ہے کہ انسان اگر سخاوت بھی کرتا ہے تو لوگ اُس کی طرف منسوب نہین کرتے بلکہ کہتے ہین کہ یہ شراب کا فیض ہے،

از پے ردّ و قبول عامہ خود را خر مکن
گاو را دارند باور در خدائی عامیان

زان کہ نبود کار عامہ، خر خری، یا فرفری
نوح را باور ندارند از پے پیغمبری

اس قدر سب جانتے ہین کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی، اور آج بھی ہندوؤن کے نزدیک، گائے نہایت مقدس چیز ہے، یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت نوح کو اُن کی اُمت نے پیغمبر تسلیم نہین کیا، ان دونون باتون سے شاعر نے یہ نتیجہ نکالا کہ عوام کا ردّ و قبول کس قدر ناقابل اعتبار ہے، ماننے پر آئے تو گائے کے بچھڑے کو خدا بنا دیا، اور انکار کی طرف جھکے تو حضرت نوح کو پیغمبر بھی تسلیم نہین کرتے۔

اختلاط اور صحبت مین خوبیان بھی ہین اور برائیان بھی، اس لیئے ارباب حال دونون طرف گئے ہین، لیکن اس نکتہ کی طرف کسی کا ذہن نہین گیا کہ خوبی کا جو پہلو ہے وہ بھی زحمت سے خالی نہین،

کسے کش خرد رہنمون است ہرگز
کہ صحبت نفاقی است یا اتفاقی

بگیتی رہ و رسم اُلفت نورزد
دل مرد دانا ازین ہر دو لرزد

اگر خود نفاقی است جان را بکاہد — وگر اتفاقی است ہجران نیرزد

یعنی اگر صحبت، منافقون کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ سوہان روح ہے اور اگر خاص احباب کے ساتھ ہے تب بھی اسلیئے بُری ہے کہ اس حالت مین جدائی کا صدمہ جانگزا ہو گا،

بحرص[۱] از شربتے خوردم مگیر از من کہ بد کردم
چون[۲] تو شدی پیر بلندی مجو
روز نہ بینی کہ بپایان رسد
زشت[۳] باشد روے نازیبا و ناز
باد[۴] قبلہ در رہ توحید نتوان رفت راست
سوی[۵] آن حضرت نپوید ہیچ دل با آرزو
این[۶] جہان بر مثال مرداریست
این مر آن راہمی کشد، مخلب
(چنگل)
آخر الامر بر پرند ہمہ

بیابان بود تابستان و آب سرد و استسقا
کان کہ ز تو زاد، بلند آن شود
سایۂ ہر چیز دو چندان شود
سخت باشد چشم نابینا و درد
یا رضای دوست باید، یا رضای خویشتن
با چنین گل رخ نخسپد ہیچ کس با پیرہن
کرگسان گرد او ہزار ہزار
آن مر آن را ہمے زند منقار
وز ہمہ باز ماند این مردار

۵۔ جوش اور سرمستی جو حقیقی شاعری ہے ایشیا کے شعرا مین بہت کم پائی جاتی ہے فارسی شعرا مین مولانا روم پر نشہ چھایا ہوا ہے، خواجہ حافظ بھی کبھی کبھی مست

[۱] گناہ کی معذرت ۱۲ [۲] بوڑھے جوان کا مقابلہ نہین کر سکتے، ۱۲ [۳] بد لیاقت آدمی کو غرور اور زیادہ بدنما ہے ۱۲ [۴] یکسوئی ۱۲ [۵] مقام وصال مین ترکِ آرزو ۱۲ [۶] دنیا اور طالبان دنیا ۱۲

ہوجاتے ہین، لیکن حکیم سنائیؔ ان سب کے پیشرو ہین، اشعار ذیل کو پڑھو، اور انکے الفاظ، ترکیب، انداز بیان، مضمون، ایک ایک چیز کو دیکھو کس طرح، جوش سے لبریز ہین!

یا بردہ ہمچون زنان زنگ و بوی ہیش گیر — یا چو مردان اندر آے و گوی در میدان فگن
چون دو عالم زیر پایت قطع شد، پای بکوب — چون دو کون اندر دو دستت جمع شد دستی بزن
سر برآر از گلشن توحید تا در کوی دین — کشتگان زندہ بینی انجمن در انجمن
دی ز دلتنگی زمانے طوف کردم در چمن — ایک جہان جان دیدم آنجا جستہ از زندان تن
بے طرب خورشید دل طیور، و بے طلب جنبان صبا — بے دہان خندان درخت و بیزبان گویا چمن

طلب، اے عاشقان خوش رفتار — طرب، اے شاہدان شیرین کار
تا کے از خانہ، ہان رہ صحرا — تا کے از کعبہ، ہین در خمار
در جہان شاہدے و ما فارغ!! — در قدح جرعۂ و ما ہشیار

بسکہ شنیدی صفت روم و چین — خیز و بیا ملک سنائیؔ ببین
تا ہمہ دل بینی بے حرص و بخل — تا ہمہ جان بینی بے کبر و کین
پای نہ، و چرخ بزیر قدم — دست نہ، و ملک بزیر نگین
رستہ ز ترکیب زمان و مکان — جستہ ز ترتیب شہور و سنین
روح امین دادہ بدہشش ہمانکہ — دادہ بہ مریم ز رہ آستین

۶- شاعری کے اجزا مین ایک بڑا ضروری جز، تمثیل اور تشبیہ ہے، شاعر کبھی کوئی اخلاقی دعویٰ کرتا ہے تو دلیل مین اُسکو تمثیل پیش کرنی پڑتی ہے، کبھی کسی چیز کی

اچھائی یا برائی ثابت کرنا، یا کسی چیز کی تصویر اور ہیئت کھینچنا چاہتا ہے تو تشبیہ اور تمثیل کے بغیر چارہ نہین ہوتا اسی بنا پر اکثر بڑے بڑے شاعر مثلاً سعدی، صائب، کلیم وغیرہ تمثیل مین کمال رکھتے تھے، شاعری کی اس صنف کے موجد بھی حکیم سنائی ہی ہین، ذیل کی مثالون سے معلوم ہوگا کہ اُنکی تمثیلین کسقدر نادر اور مؤثر ہوتی ہین،

حصول مقصد کے لیے دیر اور انتظار شرط ہے

اور جو مقصد جسقدر اہم ہوگا اُسیقدر زیادہ دیر ہوگی

هر کسے از رنگ و رفتارے بدین ره کے رسد	دره بادیه صبر سوز و مرد باید گام زن
هفته‌ها باید که تا یک پنبه دانه ز آب و گل	شاهدی را حله گردد یا شهیدے را کفن
ماهها باید که تا یک مشت پشم از پشت میش	صوفئے را خرقه گردد یا حمارے را رسن
سالها باید که تا یک سنگ اصلی ز آفتاب	لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیاری باید کشیدن انتظار	تا که در جوف صدف باران شود در عدن
قرنها باید که تا یک کودکے از لطف طبع	عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن
صدق و اخلاص و درستی باید و عمر دراز	تا قرینِ حق شود صاحبقرانے در قرن
تو علم[1] آموختی از حرص اینک ترس کاندر شب	چو دزدے با چراغ آید گزیده تر برد کالا
چو تن جان را مزین کن به علم و دین که زشت آید[2]	درون سو شاه عریان و برون سو کوشک دیبا

اب ہم حکیم سنائی کے بعض قطعات و قصائد کے اشعار یکجا لکھتے ہین جس سے اُنکی عام شاعری کا اندازہ ہو سکیگا۔

مکن در جسم و جان منزل که این دون است و آن والا	قدم زین هر دو بیرون نه نه اینجا باش و نه آن جا

۱ علم زیادہ دیر خطرناک ہونیکا سبب ہو سکتا ہے ۱۲ ۲ صفائی ظاہری کے ساتھ صفائی باطن بھی شرط ہے ۱۲

بهر چه از راه بازافتی چه کفر آن حرف چه ایمان
بهر چه از دوست وامانی چه زشت آن نقش چه زیبا

چو علت هست خدمت کن چو بی علمان که زشت آید
گرفته سر چنینیان احرام و مکی خفته در بطحا

مرا باری بحمد الله ز راه حکمت و همت
بسوی خط وحدت برد عقل از خطهٔ اشیا

نخواهم لاجرم نعمت نه در دنیا نه در جنت
همی گویم بهر ساعت چه در ضرا چه در سرا

که یا رب مر سنائی را سنائی ده تو در حکمت
چنان کزوی برشک آید روان بوعلی سینا

مگردان عمر من چون گل که در طفلی شوم کشته
مگردان حرص من چون مل که در پیری شوم برنا

بهر چه از اولیا گفتند ارزقنی و وفقنی
بهر چه از انبیا گفتند امنّا و صدقنا

پرده دار عشق دان رسم ملامت بر فقیر
پاسبان دُر شناس این آب تلخ اندر بحار

ای بسا غبنا که اندر حشر خواهد بد ازان که
هست ناقد بس بصیر و نقدها بس کم عیار

عقل جزوی کی تواند گشت بر گیهان محیط
عنکبوتی کی تواند کرد سیمرغی شکار

کی شود ملک دو عالم تا تو باشی ملک آن
کی بود اهل نثار آن کس که بر چیند نثار

باش تا کل یابی انهارا که امروزند جزو
باش تا گُل یابی آن هارا که امروزند خار

گوئی که بعد ما چه کنند و کجا روند
فرزندگان و دختر گان یتیم ما

خود یاد ناوری که چه کردند و چون شدند
آن مادران و آن پدران قدیم ما

آدمی را دو بلا کرد ربی
داند از هر دو بلا روز بهی

یا کند پر شکم خویش زنان
یا کند پشت خود از آب تهی

عمر و خیام بن ابراہیم نیشاپوری

عمر و نام، خیام لقب نیشاپور وطن، غالباً آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا جسکی وجہ سے خیام کا لقب ملا، عمر و نے جب تحصیل شروع کی تو دو شخص اس کے ہم سبق تھے، ان مین رابطۂ محبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہ ہم مین سے جب کوئی شخص بڑے منصب پر پہنچے گا تو اپنے ساتھیون کو بھی اپنا ہمسر بنائے گا، اسوقت دنیا کو کیا معلوم تھا کہ یہ مکتب کے لونڈے جو اسوقت ایک خیالی منصوبہ باندھتے ہین، آگے چلکر دنیا کی تاریخ بدل دینگے، ان مین سے ایک کا نام حسن بن علی اور دوسرے کا حسن تھا حسن بن علی نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر ہو گیا اور سنہ ۴۶۵ھ مین جب الپ ارسلان نے وفات پائی اور ملک شاہ سلجوقی مسند آرا ہوا تو وہ کل سیاہ وسفید کا مالک تھا، یہی حسن ہے جو آج نظام الملک (بانی نظامیہ بغداد) کے نام سے مشہور ہے، عمر و خیام کو جب معلوم ہوا کہ میرا ہم سبق تاج وتخت کا مالک ہے تو اصفہان مین نظام الملک کے پاس آیا، نظام الملک نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا، نظام الملک کو اپنا عہد یاد تھا خود پوچھا کہ آپ کیا

چاہتے ہین، خیام جو کچھ چاہتا، اسکو مل سکتا تھا لیکن ملک قناعت کے شہنشاہ نے صرف معمولی وجہ معاش کی درخواست کی، نظام الملک نے خیام کے وطن نیشاپور مین کم وبیش بارہ سو روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کردی[1] خیام نے اگرچہ صرف معمولی جاگیر پر قناعت کی، لیکن سلاطین و امرا اس سے برابری کا برتاؤ کرتے تھے، شمس الملوک خاقان بخاری اسکو تخت پر اپنے برابر بٹھاتا تھا، ملک شاہ سلجوقی جو دنیائے اسلام کا شہنشاہ اعظم تھا اس سے ندیمانہ تعلقات رکھتا تھا۔ دولت شاہ سلجوقی نے لکھا ہے کہ سلطان سنجر بھی اسکو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا لیکن شہرزوری کی تاریخ الحکما سے معلوم ہوتا ہے کہ سنجر کے ساتھ اسکے تعلقات اچھے نہ تھے شہرزوری نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس زمانہ مین سنجر شاہزادہ تھا، اسکو چیچک نکلی خیام معالجہ کے لیے طلب ہوا، وزیر نے خیام سے پوچھا کہ بیمار کی کیا حالت ہے خیام نے کہا آثار اچھے نہین، یہ خبر کسی نے سنجر کو پہنچائی اس کو نہایت رنج ہوا اور یہ رنج ہمیشہ قائم رہا۔

۴۶۷ھ مین ملک شاہ نے ایک عظیم الشان رصدخانہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، دور دور سے بڑے بڑے ہیئت دان اور منجم بلوائے، انمین ابو المظفر اسفزاری، میمون بن نجیب واسطی، اور ہمارا نامور خیام بھی تھا،

[1] دولت شاہ، لیکن جاگیر کی آمدنی کی تعیین اور کتابون سے ماخوذ ہی[2] تاریخ الحکما شہرزوری

ابن الاثیر نے جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس رصد خانہ پر بیشما
دولت صرف ہوئی، اس رصد سے جو زیچ تیار ہوئی وہ خاص خیام کی طیار کردہ
تھی، چنانچہ کشف الظنون زیچ ملک شاہی کے ذکر مین صاف تصریح ہو۔

خیام زیادہ تر فلسفۂ یونان کا درس دیتا تھا اور اسی قسم کے خیالات رکھتا
تھا یہ خیالات جب زیادہ پھیلے تو عوام مین سخت برہمی پیدا ہوئی یہانتک کہ لوگون نے اسکو
بیدین قرار دیکر قتل کر دینا چاہا، مجبوراً اسنے حج کا ارادہ کیا کہ حرم مین کوئی
کسی کو ستا نہین سکتا، حج سے فارغ ہوکر بغداد مین آیا، یہان لوگون نے نام
سُنا تو ہر طرف سے ٹوٹ پڑے کہ علوم فلسفیہ سیکھین، لیکن اسنے انکار کیا، اور
بغداد سے چلکر وطن مین آیا[1]

وفات اس کی وفات کا دلچسپ قصہ ہے، ایک دن بو علی سینا کی
کتاب الشفا مطالعہ کر رہا تھا جب وحدت وکثرت کی بحث آئی تو اُٹھ کھڑا ہوا، عادت تھی کہ
ہر وقت خلال پاس رکھتا تھا، اسکو ورق مین رکھ کر اُٹھا، نماز پڑھی، وصیت کی، شام
تک کچھ نہ کھایا، نماز عشا پڑھکر سجدہ کیا اور کہا اے خدا! جہانتک میرے امکان
مین تھا مین نے تجھکو پہچانا، اس لیے مجھکو بخش دے۔ یہی کہتے کہتے جان نکل
گئی مجمع الفصحا مین ہے کہ ۵۱۷ھ مین وفات پائی۔

دفن کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے، نظامی عروضی اس زمانہ کا مشہور

---

[1] تاریخ الحکما، جمال الدین قفطی۔

شاعر ہے جس کی کتاب چار مقالہ چھپکر شائع ہو چکی ہے، اسکا بیان ہے کہ ۵۰۶ھ مین مین بلخ گیا معلوم ہوا کہ خیام آجکل یہین امیر ابو سعید کے مکان پر مقیم ہے، مین خدمت مین حاضر ہوا، باتون باتون مین خیام نے کہا کہ میری قبر ایسے مقام مین بنے گی کہ ہر سال دو دفعہ، درخت اسپر پھول برسائین گے مجھکو تعجب ہوا، ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا بڑا شخص لغو گو نہین ہو سکتا، ۵۳۰ھ مین مین جب نیشاپور پہنچا تو حکیم موصوف کا چند برس پہلے انتقال ہو چکا تھا، چونکہ مجھپر شاگردی کا حق تھا، ایک آدمی کو ساتھ لیا کہ قبر کا پتہ بتائے، وہ قبرستان حیرہ مین لوا گیا، دیکھا تو باغ کی دیوار کے نیچے قبر ہے سرہانے امرود اور زردآلو کے درخت ہین، شگوفہ جھڑکر اسقدر ڈھیر ہو گئے ہین کہ قبر ڈھک گئی ہے، مجکو حکیم موصوف کا قول یاد آگیا اور بے اختیار آنسو نکل پڑے[1]

فضل و کمال | خیام کو آج زمانہ شاعری کی حیثیت سے جانتا ہے لیکن وہ فلسفہ مین بو علی سینا کا ہمسر اور مذہبی علوم اور فن ادب و تاریخ مین امام فن تھا، جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکما مین اسکا نام ان القاب سے شروع کیا ہے امام خراسان و علامۃ الزمان شہرزوری تاریخ الحکما مین لکھتے ہین کان تلو ابی علی فی اجزاء علوم الحکمۃ وکان عالماً باللغۃ والفقہ والتواریخ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اصفہان مین ایک کتاب نظر سے گزری، سات دفعہ اسکا مطالعہ کیا، نیشاپور مین واپس آیا تو ساری کتاب زبانی لکھوا دی، اصل سے مقابلہ کیا گیا تو خفیف فرق نکلا[2]

---

۱ چہار مقالہ ذکر نجم ماہر ۱۲ ۲ شہرزوری ۱۲

نجو

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق کے ہان علمی صحبت تھی، ابوالحسن غزالی جو اس زمانہ مین فن قرٔت کے امام سمجھے وہ بھی موجود تھے، اتفاق سے **خیام** بھی آنکلا، عبدالرزاق نے خیام کو آتا دیکھ کر کہا علی الخبیر سقطنا یعنی واقف کار آگیا، مسئلہ زیر بحث کو خیام کے آگے پیش کیا اسنے ساتون قرائتین، شاذ روایتین، اور اُنکے دلائل اور وجوہ بیان کرکے ایک قرأت کو ترجیح دی، غزالی بے اختیار بول اُٹھے کہ حکما کا کیا ذکر خود قرآئین سے کسی کی یہ معلومات نہین ہوسکتی ہے۔[١]

قاضی عبدالرشید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خیام سے مین مرو کے حمام مین ملا اور سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کیے، یہ بھی پوچھا کہ ان سورتون مین بعض الفاظ بار بار کیون آئے ہین، خیام نے برجستہ جواب دینا شروع کیا، مفسرین کے اقوال، اُنکے دلائل اور شواہد اس تفصیل اور وسعت سے بیان کیے کہ اگر ساری تقریر قلمبند کر لیجاتی تو اچھی خاصی کتاب بن جاتی۔[٢]

فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے مذہبی علما اس سے مخالفت رکھتے تھے، اس زمانہ مین مذہبی گروہ کے پیشرو امام غزالی تھے، جنھون نے تہافۃ الفلاسفہ لکھ کر فلسفہ کا ابطال کیا تھا، وہ مناظرہ کے لیے خیام کے پاس گئے، اور پوچھا کہ آسمان کے تمام اجزا باہم متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہین پھر بعض اجزا مین کیا خصوصیت تھی کہ قطبین قرار پائے، خیام مسائل فلسفیہ کے بیان کرنے مین نہایت بخل کرتا تھا، اسنے پہلے تو یہ کہکر ٹالا کہ ازلی حر

[١] شہرزوری ١٢ [٢] شہرزوری

مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس مین بتفصیل لکھ چکا ہون، پھر جواب دیا تو اس طرح کہ پہلے ابتدائی مراتب بیان کیئے، چنانچہ اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے" پھر اسکو اسقدر پھیلایا کہ یہ مسئلہ ابھی پورا نہین ہوا تھا کہ ظہر کی اذان کی آواز آئی، امام غزالی یہ کہکر اٹھ گئے جاالحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا[1]

نجوم کا فن اگرچہ مہمل چیز ہے لیکن یونانی حکما عموماً اسکے قائل تھے، وہی خیالات مسلمانون مین بھی منتقل ہوے۔ خیام اس فن مین کمال رکھتا تھا، اور اسلیے منجم کہلاتا تھا ۵۰۸ھ مین بادشاہ وقت نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر کے پاس آدمی بھیجا کہ مین شکار کو جانا چاہتا ہون، خیام سے کہدو کہ اعمال نجوم کے ذریعہ سے ایسی تاریخ مقرر کرے کہ برف و بارش سے محفوظ ہو، خیام نے دو دن کے غور و فکر کے بعد ایک دن معین کیا، بادشاہ اُسی دن سوار ہوا، کوس دو کوس گیا ہوگا کہ بڑے زور کا بادل اُٹھا اور چارونطرف برف بچھ گئی، لوگون نے خیام کی ہنسی اُڑائی، بادشاہ نے چاہا کہ وہین سے پلٹ جائے، خیام نے کہا ابھی بادل پھٹے جاتے ہین، اور پانچ دن تک زمین نم بھی نہوگی، اتفاق یہ کہ خیام کی پیشین گوئی پوری اُتری[2]"

تصنیفات تصنیفات بہت کم ہین، زیج جو تیار کی تھی اُسکا ہمارے اسلامی ملکو نمین تو پتہ نہین لیکن یورپ نے چھاپ کر شائع کی ہے، باقی چند مختصر رسالے ذیل مین درج ہین جنکا ذکر شہرزوری نے کیا ہے۔

---

[1] شہرزوری [2] تاریخ الحکماء

یات مین ایک مختصر رساله،
جود کی حقیقت پر ایک رساله،
ن اور مسئلہ تکلیف پر ایک رساله،   یہ رسالہ آج کل مصر مین چھا گیا ہی۔
عربی مین بہت سے شعر لکھے ہین، چند ذیل مین درج ہین (از شہرزوری)

ل برلی الدنیا بل السبعۃ العلے	بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری
صوم علی الفحشاء جهرا وخفیۃ	عفافا وافطاری بتقدیس خاطری
کم عصبۃ ضلت عن الحق فاهتدت	لطرق الهدی من فیضی المتقاطر
ن صراط المستقیم بصائر	نصبن علی وادی العمی کالقناطر
ذا اقنعت نفسی بمیسور بلغۃ	یحصلها بالکد کفی وساعدی
منت تصاریف الحوادث کلها	فکن یا زمانی مُوعِدی او مساعدی
ہبنی اتخذت الشعرین منا زلی	وفوق مناط الفرقدین مصاعدی
یس قضی الرحمن فی حکمہ بان	یعبد الی نحس جمیع المساعد
تی باعدت دنیاک کان مصیبۃ	فوا عجبا من ذا القریب المباعد
ذا کان محصول الحیاۃ منیۃ	فسیان حالا کل ساع وقاعد
ضیت دهرا طویلا فی التماس اخ	یرعی ودادی اذا ذو خلۃ خانا
کم الفت وکم اخیت غیر اخ	وکم تبدلت بالاخوان اخوانا
قلت للنفس لما عز مطلبها	بالله ما تالفی ما عشت انسانا

رباعیات

عجیب بات ہے خیام فلسفہ مین نجوم مین، فقہ مین، ادب مین تاریخ مین کمال رکھتا تھا لیکن اتنے ستارون کے ساتھ اُسکا اُفق شہرت بالکل تاریک ہے، جس چیز نے آٹھ سو برس تک اسکے نام کو زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیان ہین اور یہی اُسکی شہرت کے بال پر وازہ ہین، ان رباعیون کے ساتھ مسلمانون نے جسقدر اعتنا کیا اُس سے ہزارون درجہ بڑھ کر یورپ نے کیا،

ہماری کتاب کا اصل موضوع شاعری ہے اسلیے سب سے پہلے ان رباعیون کی تنقید مین ہم کو شاعری کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیے، اگر ان رباعیون مین کوئی فلسفہ نہین ہے کوئی اخلاقی تعلیم نہین ہے، کوئی دقیق نکتہ نہین ہے تو نہو، بحث صرف یہ ہے کہ شاعری اور شاعری کے ساتھ زبان کی خوبی اور صفائی ہے یا نہین؟ یعنی خیام اگر حکیم نہ ہوتا تو کم از کم شاعر ہو سکتا تھا یا نہین؟

شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلاویزی ہے، شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے اور ایسے دلکش اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہین، اسلوب بیان کی دلاویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہین، کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عام طریقہ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، کبھی شاعرانہ طرز استدلال سے، کبھی شوخی و ظرافت سے، کبھی استعارہ و تشبیہ کی ندرت سے، اور سچ یہ ہے کہ اسکی تمام ادائین متعین اور مشخص نہین ہو سکتین، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز نے دل مین چٹکی لے لی، کس نے؟

کیون لی، یہ کچھ نہین معلوم۔

خوبی ہمین کرشمۂ ونازِ خرام نیست	بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

خیّام کی رباعیان اگرچہ سیکڑون ہزارون ہین، لیکن سب کا قدر مشترک صرف چند مضامین ہین، دنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلہ جبر، توبہ و استغفار، ان مین سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہے، لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر کہتا ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت پامال مضمون ہے لیکن خیّام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب ڈھونڈھ لاتا ہے کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہے،

توبہ و استغفار بھی ایک فرسودہ مضمون ہے لیکن جس طرح خیّام اسکو ادا کرتا ہے سننے والے کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہین، بعض جگہ رقت انگیز طریقہ کو چھوڑ کر استدلال کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور وہ بظاہر ایسا قوی ہوتا ہے کہ گویا اسکا جواب نہین ہوسکتا، امثلۂ ذیل کو دیکھو،

جدت اسلوب

رباعی

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن	بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پاے خرابات رو من بخشاے	بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

مغفرت کی دعا مانگتا ہے لیکن اپنے لیے نہین بلکہ دوسرون یعنی ہات اور پانو نکے لیے (گو وہ اسی کے ہات پاؤن ہین) اس طریقہ سے دعا کا اثر بڑھتا ہے، کیونکہ اپنے

لیے دعا مانگنا پھر بھی ایک قسم کی ذاتی غرض ہے، اسکے ساتھ نکتہ یہ ہے کہ اعضا کی برأت آسانی سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انکا کیا قصور ہے، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہین کر سکتے،

ہات اور پاؤن کے مقابلہ مین صنعت طباق ہے اور اس سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے،

در ملکِ تو از طاعت ما ہیچ فزود؟	وز معصیتے کہ ہست نقصانے بود؟
بگزار و مگیر زانکہ معلوم شد	گیرندۂ دیر ہی و گزارندۂ زود

خدا سے خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا اگر مین نے اطاعت کی تو کیا تیری سلطنت کو کچھ ترقی ہو گئی؟ اور اگر گناہ کیا تو کیا کچھ تیرا نقصان ہو گیا، اے خدا! مجھکو چھوڑ دے اور گرفت نہ کر مجکو معلوم ہو گیا ہے کہ تو دیر کے بعد پکڑتا ہے اور جلد چھوڑ دیتا ہے۔

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا است	تاریک دلم نور صفائی تو کجا است
مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی	آن بیع بود لطف و عطای تو کجا است

کس شاعرانہ انداز سے مغفرت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ اے خدا اگر تو بہشت طاعت کے معاوضہ مین دیگا تو یہ تو خرید و فروخت ٹھہری (جو سوداگرونکا کام ہے نہ شاہون اور شہنشاہون کا) وہ لطف وہ عطا جسکے قصّے سنا کرتے تھے وہ کہان ہے؟ یہی مضمون ہے جسکو شیخ سعدی نے گلستان مین ادا کیا ہے اور وہ گلستان کے خاص محاسن مین شمار کیا جاتا ہو "بدریوزہ گری آمدہ ام نہ بہ تجارت"

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو	صد سالہ شدم بناز و نعمت تو
صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد	تا جرم من است بیش یا رحمت تو

دیکھو کس ادا سے مغفرت چاہتا ہے، کہتا ہے کہ مین سیکڑون برس دانستہ گناہ کرونگا مجھکو یہ امتحان کرنا ہے کہ میرا جرم زیادہ ہے یا تیری رحمت، یعنی دیکھون ان دونون مین کون غالب آتا ہے،

فریاد کہ عمر رفت بر بیہودہ	ہم لقمہ حرام ہم نفس آلودہ،
فرمودۂ ناکردہ سیہ رُویم کرد	فریاد ز کردہاے نافرمودہ

فرائض کو فرمودۂ ناکردہ، اور گناہون کو کردہاے نافرمودہ سے تعبیر کیا ہی،

مشہور ہے کہ ایک دفعہ خیّام کی صراحی اسکے ہات سے چھوٹ کر گر پڑی اور ٹوٹ گئی اسپر اسنے رباعی لکھی،

ابریق مئ مرا شکستی ربّا	بر من درِ عیش را ببستی ربّا
بر خاک بریختی مئے لعل مرا	خاکم بدہن کہ سخت مستی ربّا

کہتے ہین کہ اس گستاخی پر خدا نے اسکو سزا دی اور اُس کی گردن کج ہو گئی، اسپر اس نے برجستہ کہا،

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو	وان کس کہ گنہ نہ کرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی	پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

یعنی مین نے بُرائی کی، اب تو اُس کی سزا بھی ویسی ہی بُری دیتا ہے، تو مجھ مین

اور تجھ مین کیا فرق رہ گیا،

طلب مغفرت کا مضمون اکثر شعرا نے باندھا ہے، نظامی کہتے ہین،

گناہ من ار نامدے در شمار	ترا نام کے بودے آمرزگار

اُردو کا ایک شاعر کہتا ہے۔

عوض نہ لے مرے جرم و گناہ بیحد کا	الٰہی تجکو غفور الرحیم کہتے ہین
کہین، کہین نہ عدو دیکھکر سب مجھے محتاج	یہ اُن کے بندے ہین جنکو کریم کہتے ہین

لیکن خیام کا طرز ادا اور استدلال سب سے اچھوتا ہے، وہ شاعرانہ استدلال سے سزا پانے کی حالت مین مجرم اور آقا کی مساوات ثابت کرتا ہے، اور پھر اُسکو جملہ خبریہ کے ذریعہ سے نہین بلکہ استفہام کے طریقہ سے ادا کرتا ہے، جو نہایت مؤثر اور لاجواب کر دینے والا ہوتا ہے۔

شوخی وظرافت — خیام باوجود حکیم ہونے کے نہایت شوخ اور ظریف الطبع تھا، اس لیے اکثر مضامین کو ظرافت اور شوخی کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے مثلاً۔

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم	آزاد کنم کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نا اہل است	من نیز چنان اہل و خردمند نیم

ایشیا کا عام خیال ہے کہ آسمان ارباب خرد کو آرام اور چین نہین دیتا، خیام آسمان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ مین تیری چالون سے بہت تنگ آگیا ہون، اگر تو احمقون اور نا اہلون ہی سے محبت رکھتا ہے تو مین بھی کچھ بہت اہل اور عاقل نہین ہون،

در مسجد اگر بہر نیاز آمدہ ام — بااللہ کہ نہ از بہر نماز آمدہ ام
یکروز انجا سجادۂ دُزدیدم — آن گم شدہ است ازان باز آمدہ ام

گویند کہ مے مخور کہ شعبان نہ رواست — نہ نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب مہ خدایند و رسولؐ — ما مے رمضان خوریم کان خاصہ است

ایران مین اکثر مہینون کے خاص خاص لقب ہین، مثلاً شعبان کو رسولؐ کا مہینہ اور رجب کو خدا کا مہینہ کہتے ہین، خیّام کہتا ہے کہ لوگ ان مہینون مین شراب پینے سے منع کرتے ہین کہ یہ خدا اور رسولؐ کے مہینے ہین اور واقعی ان کی یہ ہدایت بجا ہے، اس بنا پر مین رمضان مین شراب پیتا ہون، کہ یہ خاص ہم لوگون کا مہینہ ہی۔

گویند کہ آن کسان کہ با پرہیز اند — زان سان کہ بمیرند بدان سان خیزند
ما با مے و معشوق ازانیم مقیم — تا بو کہ بحشر آن چنان انگیزند

مشہور ہے کہ انسان جس حالت مین مرتا ہے اسی حالت مین قیامت مین اُٹھیگا، خیّام کہتا ہے اسی لیے تو مین رات دن شراب اور معشوق کے ساتھ بسر کرتا ہون کہ قیامت مین بھی اسی حالت مین اُٹھون،

گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید — من بعد بگرد بادہ نتوان گردید
در آخر شعبان بخورم چندان مے — کاندر رمضان مست بخسپم تا عید

ایران مین جتنے شراب خوار ہین رمضان مین شراب خواری چھوڑ دیتے ہین خیّام کہتا ہے کہ مین شعبان کے اخیر مین اتنی پیکر سوؤنگا، کہ عید کے بعد نشہ اُترے، قاآنی نے

اسی مضمون کو نیچرل بنادیا ہے،

مے خوردن این ماہ روا نیست ولیکن	مستانہ توان خورد بہ شب یکدو سہ ساغر
یا خوردبدان گونہ ببایدکہ ز مستی	تا شام دگر بر نتوان خاست ز بستر

لیکن ایک اور شاعر نے سب سے لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے، ایک غزل مین جس کی ردیف "نمی دانستم" ہے کہتا ہے

قرب یک ماہ بہ میخانہ اقامت کردم	اتفاقاً رمضان بود نمی دانستم
ہر گہ کہ طلوع صبح ازرق باشد	بایدکہ بکف جام مروّق باشد
گویند بہ افواہ کہ مے تلخ بود	شایدکہ بہر حال کہ مے حق باشد

عربی کا فقرہ ہے الحقّ مُرّ یعنی حق بات تلخ ہوتی ہے، خیام کہتا ہے کہ شراب کا مزا تلخ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حق ہی، مرزا غالب نے اسی سے ایک اور مضمون پیدا کیا ہے۔

نگفتہٗ کہ بہ تلخی بساز و پند پذیر　　　بروکہ بادۂ ما تلخ تر ازین پند است

یعنی تم یہی ہدایت کرتے ہو نہ کہ انسان کو تلخی گوارا کرنی چاہیے اور نصیحت سننی چاہیے تو ہماری شراب تمھاری نصیحت سے زیادہ تلخ ہے، ہمکو دوسری تلخی کی کیا ضرورت ہی،

دست چو منے کہ جام و ساغر گیرد	حیف است کہ آن دفتر و منبر گیرد
تو زاہد خشکی و منم فاسق تر	آتش نشنیدہ کہ در تر گیرد
من در رمضان روزہ اگر میخوردم	تا ظن نبری کہ بے خبر میخوردم

از محنت روزه روز من چون شب شد — پنداشته بودم که سحر میخوردم
طبعم به نماز روزه چون مائل شد — گفتم که مرادِ کلیم حاصل شد
افسوس که این وضو بباد سے بشکست — وان روزه به نیم جرعۂ باطل شد

اس مین ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی اشارہ ہے، کہ جو لوگ ظاہری نماز روزہ ادا کرتے ہین، اُن کی عبادت کی ہستی بس اسی قدر ہے،

گویند که فردوس برین خواهد بود — آن جائے ناب و حور عین خواهد بود
گر ما می و معشوق گزیدیم چه باک — چون عاقبت کار چنین خواهد بود

جو لوگ اس بات کے قایل ہین کہ بہشت مین بھی جسمانی آرام و عیش ہو گا اور شراب اور حورین ملینگی، ظریفانہ پیرایہ مین انکار کرتا ہے کہ اگر وہان بھی یہی سب ہو گا تو اگر ہم نے دنیا ہی مین ان چیزون کو پیشگی اختیار کر لیا تو کیا برا کیا،

زاہد گوید بہشت با حور خوش است — من میگویم شراب انگور خوش است
این نقد بگیر دست ازان نسیه بدار — آوازۂ دُہل شنیدن از دور خوش است
اود بار ۱۲
مارا گویند دوزخی باشد مست — قولی است خلاف دل دُرو نتوان بست
گر عاشق و مست دوزخی خواهد بود — فردا بینی بہشت را چون کف دست

یعنی اگر یہ صحیح ہے کہ عاشق اور مست بہشت مین نہ جانے پائین گے تو دیکھ لینا بہشت چٹیل میدان کی طرح خالی پڑی ہو گی، یعنی عشق اور مستی لازمۂ انسانی ہے اس سے کون شخص خالی ہو سکتا ہے،

گویند بہشت وحور دکوثر باشد	جوے مَے وشہد وشیر وشکر باشد
یک جام بدہ ز بادہ ام اے ساقی	نقدے ز ہزار نسیہ بہتر باشد
از ہر چہ خورد مرد شراب اولےتر	باسبز خطان بادۂ ناب اولےتر
عالم ہمہ سر بسر رباطی ست خراب	در جائے خراب ہم خراب اولےتر
مائیم خریدار مئی کہنہ ؤ نو	وانگاہ فروشندۂ عالم بہ دو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہی رفت	مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو
آن بادۂ خوشگوار بر دستم نہ	آن ساغر چون نگار بر دستم نہ
آن مے کہ چو زنجیر بہ پیچد برخود	دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ
نہ لائق مسجدم نہ در خورد کنشت	ایزد داند گِل مرا از چہ سرشت
نہ دین و دنیا ؤ نہ امید بہشت	چون کافر درویشم وچون قحبہ زشت

دین و دنیا دونون سے محروم ہونے کی اس سے اچھی کوئی تمثیل نہیں ملسکتی، کافر فقیر اور بدصورت قحبہ، یہ دونون دین و دنیا کسی سے بھرہ یاب نہیں،

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت زا ہونا بزرگ پایہ شعرا کا سب سے بڑا موضوع ہے، سعدی، حافظ، ابن یمین، ناصر خسرو، سحابی نجفی، کی تمام کائنات یہی ہے، اس مضمون کی ابتدا، درحقیقت خیّام نے کی اور اس رتبہ تک اسکو پہنچا دیا، کہ سعدی اور حافظ جیسے بلند پایہ شاعر گویا اُسی کی سکھائی ہوئی چالین چلتے ہین، نصیحت سے قطع نظر خیّام کی زور شاعری کا بھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے، اس ن

سو سو دفعہ اس مضمون کو باندھا ہے، لیکن قوت تخیل سے ہر دفعہ ایک نیا پیرایہ پیدا کر دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور خنجر ہے جو دل پر چرکے لگا رہا ہے۔

خاکے کہ بزیر پائے ہر حیوانی است — زلف صنمی و عارض جانانے است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است — انگشت وزیرے و سر سلطانی است

شیخ سعدی نے اس مضمون کے لیے فرضی حکایتین لکھی ہین، مثلاً کہتے ہین،

شنیدم کہ یکبار در دجلۂ — سخن گفت با عابدے کلّۂ
کہ من فرّ فرماندہی داشتم — بسر بر کلاہ مہی داشتم الخ

ایک اور شعر مین نہایت دردانگیز طریقہ سے اسکو ادا کیا ہی،

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک — بگوشم آمد نالۂ دردناک
کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر — کہ چشم و بناگوش و روی است و سر

یعنی مین نے ایکدن مٹی کے ایک تودے پر پھاوڑا مارا، میرے کان مین یہ دردناک آواز آئی کہ میان ذرا آہستہ، یہان آنکھین ہین، کان ہین، چہرہ ہے، سر ہے (انکو چوٹ نہ لگ جائے) لیکن سعدی کی یہ تمام نقش آرائیان، خیّام ہی کے مرقع کا عکس ہین، ملاحظہ ہو

دی کوزہ گرے بدیدم اندر بازار — بر تازہ گلے لگد ہمی زد بسیار
وان گِل بزبان حال باوی گفت — من ہمچو تو بودہ ام مرا نیکو دار

سعدی کے شعر مین اگرچہ "آہستہ تر" اور اعضا کے مفرد نامون نے ایک خاص اثر پیدا کیا ہے لیکن طلب رحم کی علت خیّام کے ہان زیادہ قوی ہے، یعنی یہ کہ مین بھی تمھاری

اسی طرح تمھارے لیے مجھسے یہ سلوک نہ کرو اس سے بھی زیادہ مؤثر طریقہ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہے

پیش از من و تو لیل و نہارے بودہ است — گردندہ فلک برائے کارے بودہ است
زنہار قدم بخاک آہستہ نہہ — کین مردمک چشم نگارے بودہ است

اسی مضمون کے اور پیرائے دیکھو،

این کہنہ رباط را کہ عالم نام است — آرامگہ ابلق صبح و شام است
بزمے است کہ واماندہ صد جمشید است — قصرے است کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

خوش باش کہ غصہ بیکران خواہد بود — بر چرخ قران اختران خواہد بود
خشتے کہ ز قالب تو خواہند زدن — ایوان و سرائے دیگران خواہد بود

اے کوزہ گر آب نوش اگر ہشیاری — تا چند کنی بر گل آدم خواری
انگشت فریدون و کف کیخسرو — بر چرخ نہادۂ چہ می پنداری

یعنی اے کمہار کچھ جانتا ہے تونے چاک پر کیا چڑھا رکھا ہے فریدون کی انگلی اور کیخسرو کی ہتیلی

جامے است کہ عقل آفرین میزندش — صد بوسہ ز مہر بر زمین میزندش
این کوزہ گر دہر چنین جام لطیف — می سازد و باز بر زمین میزندش

بر سنگ زدم دوش سبوی کاشی[۱] — سرخوش بودم کہ کردم این اوباشی
با من بزبان حال می گفت سبو — من چون تو بدم تو نیز چون من باشی

[۱] یعنی شہر کاشی کا بنا ہوا گھڑا،

این کوزه چو من عاشق زاری بودہ است	واندر طلب روے نگارے بودہ است
این دست کہ بر گردنِ او می بینی	دستے است کہ در گردنِ یارے بودہ است

خمریات جس طرح عربی زبان مین ابونواس شراب کا جاندادہ ہے، فارسی مین خیّام دورِ جام کا ستم زدہ ہے، وہ جس شغف، جس شوق، جس بیخودی، جس بے اختیاری جوش سے شراب کا نام لیتا ہے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت شراب پیتا تھا، اور یہی ظاہری شراب پیتا تھا افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا، صوفی نہ تھا ورنہ حافظ کی طرح یہی شراب شرابِ معرفت بنجاتی۔

خیّام کا آدھا کلام شراب ہی کے ذکر مین ہے، اکثر مضامین اور خیالات جو اُسنے شراب کے متعلق ظاہر کیئے ہین، خواجہ حافظ نے اُن ہی کو لیکر زیادہ شوخ کردیا ہے، تاہم کہین کہین جو بدمستی اور بیخودی اسکے کلام مین پائی جاتی ہے خواجہ حافظ اب بھی، اس حد تک نہین پہنچے،

من بے مے ناب زیستن نتوانم	بے جام کشیدہ بارِ تن نتوانم
من بندۂ آن دم کہ ساقی گوید	یک جام دگر بگیر، و من نتوانم
مایئم خریدارِ مے کہنہ و نو	وانگاہ فروشندۂ عالم بدو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت	مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

اس سرمستی اور بے اعتنائی کو دیکھو، ایک شخص مذہبی خیالات مین ڈوبا ہوا قیامت کے حالات کا متجسس ہو، خیّام کے پاس آتا ہے اور نہایت تردد اور تفحص کے لہجہ مین پوچھتا ہے،

کہ مرنے کے بعد کہان جاتا ہوگا؟ وہ کس بے تکلفی سے جواب دیتا ہے کہ میان شراب لا کر میرے سامنے رکھ دو اور جہان جی چاہے جاؤ (مجکو کیا غرض)

با این ہمہ زیادہ تحقیق وتلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ خیّام اگر شراب پیتا بھی تھا تو رندانہ نہین بلکہ حکیمانہ پیتا تھا، اگرچہ شرعاً یہ بھی ممنوع اور حرام ہے، خیام کہتا ہے کہ شراب پینے مین ان باتون کا لحاظ شرط ہے (کس کو پینی چاہیے؟ کتنی پینی چاہیے؟ کن لوگون کی صحبت مین پینی چاہیے؟) ان شرطون کا لحاظ رکھا جاے، تو ثابت ہوگا کہ عقلمند کے سوا اور کوئی شراب پی نہین سکتا، اس لیے کہ عقلمند ہی ان شرائط کا لحاظ رکھ سکتا ہی

مے گرچہ حرام است ولے تا کہ خورد؟	آنگاہ چہ مقدار؟ ودگر با کہ خورد؟
ہرگاہ کہ این چہار شرط آید جمع	پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

پھر صاف صاف بتاتا ہے کہ کس طرح پینی چاہیے،

کم کم خور، وگہ گہ خور، وتنہا مے خور

چون ہشیارم، طرب ز من پنہان است	ور مست شوم، در خردم نقصان است
حالے ہست میان مستی وہشیاری	من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

یعنی شراب کی نہ وہ حالت پسندیدہ ہے، جب انسان مست ہو جائے، نہ یہ کہ مطلق اثر نہ پڑے مستی اور ہشیاری کے بیچ مین ایک حالت ہے اور مین اسی کا غلام ہون

چون بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو	مدہوش مباش، وجہل را خانہ مشو
خواہی کہ مے لعل حلالت باشد	آزار کسے مجو، ودیوانہ مشو

گر بادہ نمی خورم نشان خامی ست	ور نیز مدام میخورم بدنامی است
اے شاہ حکیم و رند باید کہ خورد	ور زین سہ نہ، مخور کہ دشمن کامی ست

اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ شراب پینی گو اعتدال ہی کے ساتھ کیون نہو، ہر حال مین حرام ہے اور جو شخص جواز کا فتویٰ دیتا ہے سخت اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اگر تمھارے سامنے دو شخص آئین ایک نیک طینت، بے ریا، سچا، دیانت دار ہے لیکن شراب پیتا ہے، دوسرا شراب نہین پیتا نماز روزہ بھی ادا کرتا ہے، لیکن رات دن تکفیر، بدگوئی اور غیبت مین مصروف رہتا ہے، وقف کے مال پر شرعی حیلون سے تصرف کرتا ہے، احکام شرعیہ کو اپنی خواہش کے موافق ڈھالتا رہتا ہے، تو تم ان دونون مین سے کس کو پسند کروگے؟ غور کرو، جو لوگ شراب نہین پیتے وہ شراب سے زیادہ گناہ کس بیباکی سے کرتے ہین، خیّام ان لوگون کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

تو فخر ہمی کنی کہ مے می نخوری	صد کار کنی کہ مے غلام است اورا

خواجہ حافظ نے اِسی نکتہ کو نہایت بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہے،

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوے داد	کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

فلسفہ فلسفہ کیا چیز ہے؟ "حقائق اشیاء کا ادراک"، ہمارے گرد و پیش جو کچھ نظر آتا ہے اُن پر جب ہم نظر ڈالتے ہین، تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا چیزین ہین؟ کیونکر وجود مین آئین، کس چیز سے حاصل ہوئین؟ مفرد ہین یا مرکب، اُنکے ذاتیات کیا ہین؟ خواص کیا ہین؟ لوازم کیا ہین؟ پھر ہم چند چیزون کو ساتھ ساتھ پاتے ہین

پیچھے وجود مین آتا دیکھتے ہین اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان مین کوئی باہم خاص تعلق ہے؟ یا اتفاقیہ انکا ساتھ ہوگیا ہے؟ تعلق ہے تو کس قسم کا ہے؟ کیا نوعیت ہے؟ کیون ہے؟ غرض یہ اور اس قسم کے جتنے سوالات ہین فلسفہ کا مایۂ خمیر ہین، اور ان کا جواب دینا فلسفہ کا فرض ہے، لیکن ان سب سوالون سے مقدم یہ سوال ہے کہ کیا ہم اشیار کی حقیقت کو جان سکتے ہین؟ عموماً تمام حکما اسکا جواب اثبات کی صورت مین دیتے ہین لیکن ہر زمانہ مین ایسے حکما بھی ہوتے آئے ہین، اور اب بھی ہین، جن کی رائے ہی کہ کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، ہربرٹ اسپنسر نے تمام اشیار کی دو قسمین کی ہین، [۱] وہ چیزین جو فوق الادراک ہین، اور انسان کے دائرۂ علم مین نہین آسکتین، [۲] وہ چیزین جو تحت ادراک ہین، پہلی قسم پر اسنے ایک خاص رسالہ لکھا ہے اور بتادیا ہی کہ انکے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کی کوشش نہین کرنی چاہیے، **شاپن ہور** (جرمن کا فلسفی) سرے سے انکار کرتا ہے، یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، خیّام کا بھی یہی مذہب ہے، غور کرو، اور خوب غور کرو، جن چیزون کی نسبت ہمکو یقین ہے کہ ہم جانتے ہین، انکو بھی ہم کیا جانتے ہین، سب سے زیادہ محسوس، بدیہی، اور نمایان مادہ یا جسم ہے، لیکن غور سے دیکھو مادہ کو ہم کس حد تک جانتے ہین، ہم مادہ کے چند خواص جانتے ہین ہم جانتے ہین، کہ مادہ تحلیل ہوتے ہوتے، ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا تک منتہی ہوتا ہے، جو پھر تحلیل نہین ہو سکتے اور ان کو اجزاے دیمقراطیسی، کہتے ہین، ان اجزا مین حرکت، وزن، کشش اتصالی، کشش ثقل اور چند خواص پائے جاتے

ہین، لیکن یہ اجزا کے خواص اور اعراض ہین، اُنکی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیونکر وجود مین آئے کہان سے آئے؟ یہ چیزین بالکل غیر معلوم ہین، اِس سے بھی زیادہ صاف مثال مین سمجھو، ہمنے ایک سیب ہات مین لیا ہم سمجھتے ہین کہ ہم اسکو جانتے ہین، اور بداہۃً جانتے ہین، لیکن غور کرو، ہم کیا جانتے ہین، ہم دیکھتے ہین کہ وہ ایک خاص مقدار رکھتا ہے، اسمین خوشبو ہے، رنگ ہی، مزہ ہے، لیکن ساخت، خوشبو، رنگ، مزہ یہ سب تو اوصاف ہین جنکو قدیم فلسفہ کی زبان مین **عرض** کہتے ہین، ان مین سے کوئی چیز جوہر قایم بالذات نہین، حالانکہ سیب قائم بالذات چیز ہے، اسلیے ہمکو سیب کی اصلی حقیقت کچھ بھی نہین معلوم ہوئی -

علت و معلول کا سلسلہ جو ہم کسی چیز مین قائم کرتے ہین جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے یہ سلسلہ ناقابل اعتبار ثابت ہوتا جاتا ہے، اور پھر اصلی علت کا پتہ نہین لگتا، اوپر سے جو چیز گرتی ہے زمین پر آتی ہے، یونانی حکما کی تحقیقات کے مطابق اسکی وجہ یہ تھی کہ ان چیزون کا مرکز زمین ہے اور ہر چیز مرکز کی طرف کھنچتی ہے لیکن نیوٹن نے اسکی غلطی ثابت کی اور بتایا کہ تمام اجسام مین جذب کی خاصیت ہے، اور چونکہ زمین بڑا جسم ہے اسلیے وہ اپنے سے چھوٹے تمام اجسام کو اپنی طرف جذب کرتا ہے لیکن اس سے اصل مسئلہ کیا حل ہوا، اسقدر بے شبہ معلوم ہوا کہ اوپر سے گرنے کی علت تجاذب اجسام ہے، لیکن تجاذب اجسام کی کیا علت ہے، یعنی اجسام مین جذب کی خاصیت کیون ہے؟ یہ مسئلہ اب بھی اسی طرح لاینحل ہے، غرض اسی طرح،

درمیانی باتین معلوم ہوتی ہین لیکن اوپر چلکر پھر وہی لاعلمی پیش آتی ہے، ایک راز کھلتا ہے تو دوسرا راز پیدا ہوتا ہے، ایک گرہ کھُلتی ہے، تو دوسری گرہین پڑجاتی ہین،

فلسفی سرِّ حقیقت نتوانست کشود	گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

اِسی بنا پر دقیق النظر حکمار کا یہی مذہب ہے کہ "ہمکو کچھ معلوم نہین"، سقراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا "معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد"، خیّام کا بھی یہی مذہب ہی، خیّام نے اِس راے کو نہایت صراحت اور نہایت کثرت سے بیان کیا ہی،

کس مشکل اسرارِ فلک را نکشاد	کس یک قدم از نہادِ بیرون ننہاد
چون بنگرم از مبتدئ تا اُستاد	عجز است بدست ہر کہ از مادر زاد
آنہا کہ محیطِ فضل و آداب شدند	در کشفِ دقیقہ شمعِ اصحاب شدند
رہ زین شبِ تاریک نبردند برون	گفتند فسانۂ و در خواب شدند
آنہا کہ جہان زیرِ قدم فرسودند	واندر طلبش ہر دو جہان پیمودند
آگاہ نمی شوم کہ ایشان ہرگز	زین حال چنان کہ ہست آگہ بودند
جمعے متفکرند در مذہب و دین	جمعے متحیرند در شک و یقین
ناگاہ منادے بر آید ز کمین	کاے بیخبران راہ نہ آنست و نہ این
افسوس کہ سرمایۂ ز کف بیرون شد	در دستِ اجل بسے جگرہا خون شد
کس نامد از ان جہان کہ تا پرسم ازو	کاحوالِ مسافرانِ عالم چون شد
ہر چند کہ رنگ و بوئ زیباست مرا	چون لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا

معلوم نہ شد کہ در طرب خانۂ خاک — نقاش من از بہر چہ آراست مرا

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد — وز سِر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد

ہر کس ز قیاس خویش چیزے گفتند — معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نہ شد

دل سِر حیات را کماہی دانست — در موت ہم اسرار الٰہی دانست

امروز کہ باخودی ندانستی ہیچ — فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

تمکو خیال ہوگا کہ اگر لاعلمی ہی خیّام کا فلسفہ ہے، تو جتنے جاہل ہین سب فلسفی ہین لیکن یہ خیال صحیح نہین، سقراط سے لوگون نے کہا کہ جب تم بھی کچھ نہین جانتے، اور ہم بھی نہین جانتے تو ہم مین تم مین کیا فرق ہے، اُسنے کہا صرف یہ کہ مین یہ جانتا ہون کہ مین نہین جانتا اور تم یہ بھی نہین جانتے کہ "تم نہین جانتے"،

علم عموماً دو قسم کا ہوتا ہے، عالمانہ اور جاہلانہ، زمین، آفتاب، ماہتاب، ان سب چیزون کو ایک گنوار بھی جانتا ہے، لیکن جاہلانہ جانتا ہے، ایک کسان بھی جانتا ہی کہ ایک زمین مین ایک وقت دو اناج پیدا نہین ہو سکتے، اسی کو علم نباتات کا ایک عالم بھی جانتا ہے لیکن دونون کے جاننے مین کسقدر فرق ہے، لاعلمی کا بھی یہی حال ہے، ایک فلسفی بھی جانتا ہے کہ وہ خدا کی حقیقت کو نہین جان سکتا ایک جاہل بھی اسکا اقرار کرتا ہے، لیکن دونون مین کس قدر فرق ہے،

خیّام کو اس لاعلمی پر ناز ہے، اور کہتا ہے کہ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ تک نہین پہنچ سکتا۔

تو بے خبری سے بے خبری کار تو نیست ہر بے خبر سے راز سد بے خبری

اسی کو ایک اور شاعر نے شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے،

تا بجاے رسیدہ دانش من کہ بدانم ہمے کہ نا دانم،

یعنی میرا علم اب اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہون، کہ مین نہین جانتا،

ایک اور موقع پر خیام کس ادعا سے کہتا ہے،

رندے دیدم نشستہ بر سنگ زمین	نہ کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دین
نے حق نہ حقیقت نہ شریعت نہ یقین	اندر دو جہان کرا بود زہرہ این

لا علمی کا فلسفہ صحیح ہو یا نہو لیکن دیکھو اسکا اثر کیا ہی،

ہر قسم کی تحقیقات، انکشافات، جدید اطلاعات، کا سرچشمہ یہی لا علمی کا فلسفہ ہی اگر ہمکو یقین ہو جاے کہ ہم سب کچھ جانتے ہین، یا جس چیز کو جانتے ہین، اُسکی تہ تک پہنچ گئے ہین تو علمی تجسس کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟ آیندہ ہمکو کیون تلاش ہو گی، ہم کیون جد وجہد مین مصروف ہونگے؟ لا علمی کا فلسفہ ہمارا شمع راہ ہے، وہ ہمکو ہر قدم پر آگے بڑھاتا ہے، ہم جس قدر جانتے جاتے ہین اُسکو نہ جاننا کہتے ہین اور آگے بڑھتے ہین، خیام گو یہ فلسفہ سکھاتا ہے کہ تمکو کچھ معلوم نہین، لیکن معلوم کرنے کی خواہش کی ترغیب دلاتا ہے،

گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت	از من خبرت کہ بے نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی؟ و از کجا آمدۂ؟	میدان کہ چہ میکنی؟ کجا خواہی رفت

تم کون ہو؟ کہان سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کہان جاؤگے؟ خیام ان سوالون کی تحقیقات کرنے کی تلقین کرتا ہے، انسے بڑھ کر فلسفہ کے اور کیا مسائل ہو سکتے ہین،

ایک اور نکتہ نہایت غور کے قابل ہے، اسلامی بیشمار فرقون کو دیکھو، انکے باہمی مسائل مختلفہ کیا ہین؟ خدا فاعل بالایجاد ہے یا بالارادہ؟ خدا کے صفات عین ذات ہین یا خارج؟ قدیم ہین یا حادث؟ خدا کا کلام نفسی ہے یا لفظی؟ یہ مسائل کسقدر فوق الادراک ہین، جب خدا کی حقیقت ہی معلوم نہین تو یہ کیا معلوم کہ اُسکی اوصاف کیا ہین، با این ہمہ ہر فرقہ کو قطعی یقین ہے کہ اسکو جو کچھ معلوم ہے قطعی ہے اور اسقدر قطعی ہے کہ جو شخص اسکے خلاف کہتا ہے وہ گمراہ ہے، جاہل ہے، کور باطن ہے، مرتد ہے، کافر ہے، ملعون ہے، معتزلہ، قدریہ، اشعریہ، حنابلہ، شیعہ، سُنی سب ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہین، یہانتک کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچتی ہے اور بغداد کے گلی کوچے، مسلمانون کے خون سے رنگین نظر آتے ہین۔

اگر ان بزرگون کا خیام کے فلسفہ پر عمل ہوتا یعنی یہ کہ یہ مسائل فوق الادراک ہین، ہم جسقدر جانتے ہین، نہ جاننے کے برابر ہے، مذہبی حیثیت سے ہمارا اسی قدر فرض ہو کہ اجمالی ایمان لائین یعنی یہ کہ خدا ہے، جانتا ہے، دیکھتا ہے، سُنتا ہو، بولتا ہے، باقی یہ تدقیقات کہ ان اوصاف کی حقیقت کیا ہے، اس کی ہم کو شارع نے تکلیف نہین دی، تو آج بارہ سو برس سے مسلمانون کے فرقون مین جو نزاعین

جنگ و جدل، معرکہ آرائیان، اور خون ریزیان ہوتی رہین کیون ہوتین،

ہاتف شیراز نے کیا خوب کہا ہی،

یکے از کفر می لافد دگر طامات می بافد | بیا کاین داوریہا را بہ پیش اور اندازیم

جبر | یعنی انسان کا مجبور ہونا، جبر ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے اور گو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے کوئی مفر نہین، قدریہ کا تمامتر زور یہ استدلال اس پر ہے یعنی یہ کہ انسان کا ارادہ اُسکے اختیار مین ہے، اسلیے انسان مختار ہے لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ارادہ بھی اُسکی اختیاری چیز نہین، ارادہ کے جب تمام اسباب جمع ہو جائین گے ارادہ خواہ مخواہ پیدا ہوگا، اُسکا روکنا یا نہ پیدا ہونے دینا انسان کے اختیار مین نہین،

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ جبر کے نام سے بھاگتے ہین، اور جبریہ کو کافر بتاتے ہین خود جبریہ ہین، لیکن مونھ سے اقرار نہین کرتے، اشاعرہ جبر کے قائل نہین بلکہ کہتے ہین کہ "انسان کو اپنے افعال پر قدرت ہے"، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہین کہ "یہ قدرت مطلقاً کچھ اثر نہین رکھتی"، تو پھر ایسی قدرت سے کیا فائدہ؟ اسی بنا پر مسلم الثبوت مین لکھا ہے کہ "اشاعرہ کا کسب، اور جبریہ کا جبر دونون توأم بھائی ہین"، بہر حال ہم اس بحث کا فیصلہ نہین کرتے جبر صحیح ہو یا غلط خیام جبر کا قائل اور معتقد تھا۔

ایزد چو نہ خواست آنچہ من خواستہ ام	کے گردد راست آنچہ من خواستہ ام
گر ہست صواب آنچہ او خواستہ است	پس جملہ خطاست آنچہ من خواستہ ام

نقشے است کہ بر وجود ما ریختۂ
صد بوالعجبی ز ما برانگیختۂ
من زان بہ ازین نمی توانم بودن
کز بوتہ چنیں مرا فرو ریختۂ

از آب و گلم سرشتۂ من چہ کنم
وین پشم و قصب تو رشتۂ من چہ کنم
ہر نیک و بدی کہ از من آید بوجود
تو بر سر من نوشتۂ من چہ کنم

سازندۂ کار مردہ و زندہ توئی
دارندۂ این چرخ پراگندہ توئی
من گرچہ بدم صاحب این بندہ توئی
کس را چہ گنہ چو آفرینندہ توئی

انہین خیالات کو خواجہ حافظ نے عجیب عجیب پیرایون مین ادا کیا ہے،

برو اے زاہد، و دعوت نکنم سوے بہشت
کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نہ سرشت

فلسفۂ زندگی

خیام کا فلسفۂ زندگی، بظاہر ایپیکورس کی آواز بازگشت ہے، یعنی یہ کہ گزشتہ اور آیندہ سے کچھ بحث نہین، جو کچھ ہے حال ہے، اس مین کھاؤ، پیو، خوش رہو، وگر ہیچ مصرعہ چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند،

در وقت بہار اگر بتے حور سرشت
پر مے قدحے دہد مرا بر لب کشت
گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت
سگ بہ ز من ار دگر برم نام بہشت

یک شیشہ شراب و لب یار و لب کشت
این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت
قومے بہ بہشت و دوزخ اندر گروند
کہ رفت بدوزخ؟ و کہ آمد؟ ز بہشت

روزے کہ گزشتہ است ازو یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گزشتہ بنیاد مکن
حالے خوش باش و عمر بر باد مکن

از درس علوم جملہ بگریزی بہ
زان پیش کہ روزگار خونت ریزد
وانداز سر زلف دلبر آویزی بہ
تو خون پیالہ در قدح ریزی بہ

زان پیش کہ بر سرت شبیخون آرند
تو زر نہ اے غافل نادان کہ ترا
فرمائی کہ تا بادۂ گلگون آرند
در بوتہ نهند و باز بیرون آرند

این عقل کہ در راہ سعادت پوید
دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نہ
روزے صد بار خود ترا می گوید
آن ترہ کہ بدروی و آخر روید

دریاب کہ از روح جدا خواہی رفت
مے نوش ندانی از کجا آمدہ
در پردۂ اسرار فنا خواہی رفت
خوش باش ندانی کہ کجا خواہی رفت

مائیم خریدار مے کہنہ و نو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہی رفت
وانگاہ فروشندۂ عالم بدو جو
مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

یہ فلسفہ کہ انسان نیکی بدی کا کچھ خیال نہ رکھے، جو جی مین آے کرے مزے اُڑاے بظاہر نہایت خطرناک ہے، لیکن خیام سے ایسے خطرناک فلسفہ کی توقع نہین ہوسکتی، اُسنے بہت سی رباعیون مین معاد اور جزاؤ سزا کا اقرار کیا ہی اور نکوکاری اور بُرائیون سے بچنے کی ہدایت کی ہے،

ایشیائی سلطنتون مین، جاہ ومال کے حاصل کرنے مین جن ذلیل، کمینہ، ناجائز اور ناپاک ذریعون سے کام لینا پڑتا ہے، اسکا اندازہ ہمارے ملک مین نہین ہوسکتا، کم سے کم اسکے لیے کسی ہندوستانی ریاست کا سفر اختیار کرنا چاہیے، خیام

کے سامنے زندگی کا جو نمونہ موجود تھا وہ یہی تھا کہ ارباب دنیا رات دن جوڑ توڑ، سازش، حیلہ انگیزی، نفاق، خوشامد، تگ و دو اور ناجائز کوششوں مین مصروف رہتے تھے، پھر ان سب مصیبتون سے جو چیز حاصل کرتے تھے وہ کس قدر ناقابل اعتبار اور سریع الزوال ہوتی تھی، آج ایک شخص وزیر اعظم ہے، کل در بدر مارا پھرتا ہے کل تک ایک شخص تاج و تخت کا مالک تھا آج مسجد کے دروازہ پر گداگری کر رہا ہے، برامکہ نے ابھی تمام عالم کو چھا لیا ہے، ابھی خاندان کا خاندان برباد ہوکر نام نشان تک مٹ گیا، ابوالفضل کل تک ندیم خاص تھا آج دربار مین اُسکا سر کٹ کر آرہا ہے،

ان حالات کو دیکھ کر بے شبہ ایک فلسفی گھبرا اُٹھے گا اور کہے گا کہ دنیا ناقابل اعتبار ہے جاہ و منصب کوئی چیز نہین، خود زندگی کسقدر ہیچ ہے، فریدون کی خاک سے کمہار کے برتن بنتے ہین، جمشید کا کالبد خشت سازی کے کام مین آتا ہے، اسلیے تگ و دو اور تردد و فکر بیکار ہے، تھوڑی سی زندگی ہی، اسکو قناعت، خاموشی، سکون، اور اطمینان کے ساتھ گزار دو، کھاؤ پیو، خوش رہو، اور خوشی خوشی دنیا سے چلے جاؤ،

خیّام اِس بات سے واقف ہے کہ اس قسم کے قانع شخص کو عام لوگ ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، لیکن وہ اسپر تعجب کرتا ہے،

این جمع اکابر کہ مناصب دارند	از غصہ و غم زجان خود بیزارند
وانکس کہ اسیر حرص چون ایشان نیست	این طرفہ کہ آدمیش می نشمارند

نہایت خوبی سے وہ قناعت اور آزادی کی تعلیم کرتا ہی،

چون رزق تو آنچہ عدل قسمت فرمود	یک ذرہ نہ کم شود نہ خواہد افزود
آسودہ زہر چہ نیست می باید شد	وآزادہ زہر چہ ہست می باید بود
خواہی کہ ترا تربیت اسرار رسد	مپسند کہ کس راز تو آزار رسد
از مرگ میندیش وغم رزق مخور	کین ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

خیام جس زندگی کو قابل رشک سمجھتا ہے وہ یہ ہے،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد	وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے	گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

ابن یمین نے اس زندگی کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے،

دو تائے نان اگر از گندم ست یا از جو	دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع	کہ کس نگوید از ینجا بخیز وآن جا رو
ہزار بار فزون تر بنزد ابن یمین	ز فر مملکت کیقباد و کے خسرو

اخلاقی تعلیم | خیام کا فلسفۂ اخلاق نہایت مختصر ہے لیکن جسقدر ہے اس مختصر سی دنیا کے لیے کافی ہے،

غیبت مکن، و دل کسان آزار	در عہدۂ آن جہان منم، بادہ بیار
بدخواہ کسان ہیچ بہ مقصد نرسد	یک بد نہ کند تا بخودش صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بد من	تو نیک نہ بینی و بہ من بد نرسد
گر شادی از آن خویشتن میدانی	کاسودہ دلے را بغمی بنشانی

پندار مصیبت کہ عجب نادانی	در ماتم عقل خویش بنشین ہمہ عمر
بشنو سخنے ز عالم روحانی	اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی
با تست، ہر آنچہ می نمائی آنی	دیوی و ددی و ملک انسانی

یعنی تم شیطان، درندہ، فرشتہ، انسان، سب کچھ ہو سکتے ہو، اب جو چاہو، ہو جاؤ، تم کہو گے کہ یہ ایسی کیا اچھوتی تعلیم ہے، سب اہل مذہب، اسی کی تعلیم دیتے ہین، ہان یہ سچ ہے لیکن اہل مذہب نے اپنی فیاضی کا دائرہ محدود کر دیا ہے، انکے نزدیک نیکی، احسان، بھلائی، ہمدردی، غمخواری، ان تمام اوصاف کا محل صرف اپنے ہم مذہب ہین، لیکن خیّام کے نزدیک آفتاب کی روشنی دشت، و چمن، دونون پر یکسان پڑتی ہے،

خیّام کی اخلاقی تعلیم مین، ریاکاری سب سے بڑا جرم ہے، اور اسنے جس خوبی سے اسکی پردہ دری کی ہے، آج تک کسی نے نہین کی، سعدی اور حافظ ریاکار زاہدون اور پیشواؤن کی دھجیان اُڑانے مین نہایت نامور ہین، اور نہایت عجیب عجیب نادر پیرایون مین اُن لوگون کے تبرے کھولتے ہین، لیکن خیّام نے ایک رباعی مین اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے۔

بنگر زکہ بگسستی و چون پیوستی	زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی
تو نیز چنانکہ مے نمائی ہستی	زن گفت چنانکہ می نمایم ہستم

یعنی ایک زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بدمست ہے، تو خیال نہین کرتی

کہ تو نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا ہے، اُسنے جواب دیا کہ مین تو جیسا اپنے آپ کو ظاہر مین دکھلاتی ہون ویسی ہی ہون بھی، کیا آپ بھی اپنے آپ کو جیسا دکھلاتے ہین ایسے ہی حقیقت مین بھی ہین،

ظاہر و باطن کے یکسان نہونے کی بُرائی کا پیرایہ اس سے زیادہ اچھوتا، نادر اور مُؤثر و عبرت خیز نہین ہو سکتا تھا، خیّام نے اس بات پر بھی خوب غور کیا تھا، کہ کن کن اسباب سے انسان کو خواہ مخواہ ہی ریا مین گرفتار ہونا پڑتا ہے، اسلیے وہ ان موقعون سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے،

	در راہ چنان رو کہ سلامت نہ کنند		با خلق چنان زی کہ قیامت نہ کنند	
	در مسجد اگر روی چنان رو کہ ترا		در پیش نہ خوانند و امامت نہ کنند	

یعنی رستہ اس طرح چلو کہ کوئی تم کو سلام نہ کرے، لوگون کے ساتھ اس طرح بسر کرو کہ لوگ تمھاری تعظیم کے لیے قیام نہ کرین، مسجد مین جاؤ تو اس طرح کہ لوگ تم سے امام بننے کی خواہش ظاہر نہ کرین، مطلب یہ کہ ایسی سادگی بے تکلفی خاموشی سے زندگی بسر کرو کہ لوگ تم کو مقدس نہ خیال کرین، یہ ظاہر ہے کہ انسان جب لوگون کی نظر مین مقدس ہو جاتا ہے تو اُسکو سیکڑون باتین ایسی کرنی پڑتی ہین، جن سے اسکا تقدس قائم رہے حالانکہ وہ باتین بہ تکلف کرتا ہے، اگر اس منصب پر وہ نہ پہنچتا تو اس خودداری اور حفظ مراتب کی اس کو کیا ضرورت تھی،

خیّام کا فلسفہ اخلاق زہاد اور علما کے فلسفۂ اخلاق سے نہایت بلند ہے، یہ مقدس

گر وہ کسی کام کو صرف اِس نظر سے دیکھتا ہے کہ اسپر عذاب یا ثواب ہوگا، ان لوگون کو اگر اِس امر کا اطمینان ہو جاے کہ اِس فعل پر عذاب نہین ہوگا، یا خدا اسکو بخشدیگا، تو پھر ان کو کچھ پروانہ ہوگی، خیّام کسی کام کے کرنیکے وقت صرف یہ دیکھتا ہے، کہ خود یہ کام کیسا ہے؟ اگر وہ کام بُرا ہے تو اِس سے اسکو کچھ تسلی نہین ہوتی، کہ خدا اِس کو بخشدیگا، اِس کے نزدیک یہی بڑا عذاب ہے کہ خدا دیکھ رہا تھا، اور اِس نے جُرم کا ارتکاب کیا،

با نفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم	وز کردۂ خویشتن بہ دردم چہ کنم
گیرم کہ ز من در گزرانی بہ کرم	زین شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

یعنی اے خدا! مین نے مان لیا کہ تو میرا گناہ معاف کردیگا، اور عذاب نہ دیگا، لیکن کیا یہ کم عذاب ہے کہ تیری نظر کے سامنے مین نے ایسا فعل کیا،

فقہا کی نسبت خیّام کی راے خیّام کے فلسفہ، اخلاقی تعلیم اور آزادی خیال، کا نمونہ تم نے دیکھا، ایسا شخص فقہا کی نسبت جو راے رکھ سکتا ہے، تم خود سمجھ سکتے ہو وہ کہتا ہے اور کسقدر سچ کہتا ہے،

با این دو سہ نادان کہ چنان می دانند	از جہل کہ داناے جہان ایشانند
خوش باش کہ از خری ایشان بہ مثل	ہر کو نہ خراست کافرش می دانند

غور کرو، امام غزالی، امام رازی، محی الدین عربی، شیخ الاشراق، ان مین کو ہر شخص فقہا کی تکفیر کا زخم خوردہ ہے، کیون؟ صرف اِس لیے کہ یہ لوگ فقہا، کے سی عامیانہ اور لغو عقائد، اور خیالات نہین رکھتے تھے، اسی نکتہ کو خیام اِس تلخ جملہ مین ادا کرتاہی

کہ جو شخص ان تکفیر کرنے والون کی طرح سے گدھا نہین ہے اسکو یہ لوگ کافر کہتے ہین،
خیام نے گو شاعری کے پردہ مین دل کے پھپولے توڑے لیکن افسوس ہی
کہ فقہا کی سخت گیری کی وجہ سے وہ بھی اسرار اور حقائق کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرسکا،
چنانچہ خود کہتا ہے،

	اسرار جہان چنانکہ در دفتر ماست		گفتن نتوان کہ آن وبال سر ماست	
	چون نیست درین مردم دنیا اہلے		نتوان گفتن ہر انچہ در خاطر ماست	

افسوس! ظاہر پرستون کی گیرودار نے خدا جانے کتنے عجیب و غریب اسرار اور حقائق
دلمین ہی مین دفن کرادیے، آج آزادی کا زمانہ ہے، لیکن اب وہ حقائق، اور اسرار کہان
بازاری اور عامیانہ باتین زبان پر آئین تو اس سے کیا حاصل!!!

	انچہ در کار ست نتوانی تو گفت		انچہ می گوئی تو خود در کار نیست	

خیام اور یورپ

یہ عجیب بات ہے کہ خیام کی قدردانی، ایشیا سے زیادہ یورپ نے
کی، اور کرنی چاہیے تھی، خیام کے خیالات، یورپ سے اسقدر ملتے جلتے ہین کہ آج اگر
موجود ہوتا تو شاید یورپین بنجاتا،
عمر خیام کی نسبت، ۱۸۹۶ء تک جو کچھ یورپ مین لکھا گیا وہ وصایا وغیرہ نہایت محدود
ماخذون سے تھا مگر پروفیسر ژنکوسکی (ZHUKOOSKI) کے قابل یادگار مضمون نے
خیالات مین تغیر عظیم پیدا کردیا اور اب پروفیسر راس ہیرن الین (HERON ALLEN)
وغیرہ نے انگریزی مین عمدہ ترجمے اور تذکرے شائع کیے، انسے پہلے انگلستان مین

فٹز جیرلڈ (FITIZGERALD) کے مشہور ترجمہ کے علاوہ میکارتھی (MECORTHY)
نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا مگر گارنر (GORNER) کا ترجمہ
عالمانہ اور مطلب خیز تھا - ون فیلڈ (WHINPIELD) نے ۱۸۸۳ء مین دو کتابین ایک
مین صرف ترجمۂ رباعیات اور دوسری مین رباعیان اور اُنکے مقابل مین ترجمہ شایع کین،
نِکلس (NICHOLAS) فرانسیسی نے فٹز جیرلڈ سے ایک سال بعد فرنچ مین ایک ترجمہ شائع
کیا تھا، باڈن اسٹیڈ (BODENSTED) نے جرمن مین ایک ترجمہ چھاپا ہے،
اور چند رباعیون کا ترجمہ ہالینڈ کی زبان مین بھی ہو گیا ہے۔

پروفیسر لکھتے ہین کہ اگر وہ تمام کتابین اور رسالے جمع کیے جائین جنمین عمر خیام کا ترجمہ
یا حال شائع ہوا ہے تو درحقیقت ہماری زندگی مین یہ کام پورا نہین ہو سکتا،
اکسفورڈ مین ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اسکو ہیرن ایلن نے عکس مین چھاپا ہے
ایک عمدہ نسخہ پیرس مین ہے مگر اکسفورڈ والے سے پُرانا نہین،

انوری

محمد نام اوحدالدین لقب، انوری تخلص ابیورد کے علاقہ مین بدہنہ ایک گاؤن ہی جو مہنہ کے مقابل واقع ہے، انوری یہین پیدا ہوا، یہ دولت شاہ کا بیان ہے لیکن عرفی کہتا ہے ع انوری گر بود از دہنہ منم از شیراز، اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہین، اس مناسبت سے انوری نے پہلے اپنا تخلص خاوری رکھا تھا، پھر اپنے اُستاد عمارہ کی فرمایش سے بدل کر انوری کر دیا،

انوری نے علوم و فنون کی تحصیل طوس کے مدرسہ منصوریہ مین کی، اور تمام درسی علوم و فنون حاصل کیے، ریاضی مین خصوصیت کے ساتھ کمال پیدا کیا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ انوری ایک دن مدرسہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک شخص بڑے جاہ و تجمل سے گزرا، انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پایہ تخت کا شاعر ہی انوری نے اُسی وقت تعلیم و تعلم کو خیرباد کہا اور رات بھر مین قصیدہ لکھکر طیار کیا جسکا مطلع یہ ہے،

گر دل و دست بحر و کان باشد	دل و دست خدایگان باشد

صبح کو دربار مین جاکر قصیدہ پڑھا، سنجر نہایت سخن شناس تھا بہت محظوظ ہوا، اور کہا نوکری چاہتے ہو یا صلہ، انوری نے آداب بجالاکر عرض کی،

جزآستان توام درجہان پناہی نیست	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

سنجر نے منصب اور وظیفہ مقرر کردیا، سنجر رادکان سے روانہ ہوا تو انوری بھی ساتھ تھا
ہ مین چند قصیدے لکھکر پیش کیئے جن مین سے ایک یہ ہے،

باز این چہ جوانی و جمال ست جہان را	وین حال کہ نو گشت زمین را و زمان را

ہمارے تذکرہ نویسون کی بیخبری دیکھو، یہ واقعہ سب لکھتے آتے ہین، لیکن یہ کسی سے
سکا کہ جس قصیدے کو انوری کی شاعری کا دیباچہ کہتے ہین، اُسکو کبھی اُٹھا کر دیکھ بھی
یا ہوتا، انوری خود اس قصیدہ مین کہتا ہے،

خسروا! بندہ را چو دہ سال است	کہ ہمی آرزوے آن باشد
کز ندیمان مجلس ار نہ شود	از مقیمان آستان باشد

اس مین صاف تصریح ہو کہ یہ قصیدہ ابتداءً نہین، بلکہ دس برس کی امیدواری
ے بعد لکھا گیا ہو، انوری جس طرح سنجر کے دربار مین پہنچا ہے اُسکی کیفیت یہ ہے کہ
وری مدت سے شعر و شاعری مین مشغول تھا، لیکن دربار تک رسائی حاصل
ین ہوئی تھی، جسکی وجہ یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعراء امیر معزی تھا اور وہ کسی کو دربار مین
میاب نہین ہونے دیتا تھا، اسکا حافظہ نہایت قوی تھا، یعنی صرف ایک بار کے سننے
ن قصیدہ یاد کرلیتا تھا، جب کوئی شاعر دربار مین آتا اور قصیدہ سُناتا تو معزی
دشاہ سے کہتا کہ یہ قصیدہ میری تصنیف ہو، چنانچہ قصیدہ کا قصیدہ خود پڑھ کر سنا دیتا
ع خفیف ہوکر چلا آتا، انوری کو یہ حالت معلوم ہوئی تو پھٹے پرانے کپڑے پہن،

پاگلون کی صورت بناکر معزی کے پاس گیا، اور کہا کہ مین شاعر ہون، بادشاہ کی مدح مین قصیدہ لکھ کر لایا ہون، آپ پیش کرا دیجئے، معزی نے کہا کیا لکھا ہے پڑھ کر سناؤ، انوری نے پڑھا۔

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ	زہے میر و زہے میر و زہے میر

معزی نے کہا یون کہتے تو مطلع ہو جاتا،

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ	زہے ماہ و زہے ماہ و زہی ماہ

انوری نے بہکی بہکی باتین کین، معزی نے یہ سمجھ کر کہ دربار کا مسخرہ بنائین گے، انوری سے کہا کل آنا، انوری دوسرے روز پہنچا تو معزی خود ساتھ لیکر دربار مین گیا، اور کہا کہ جو قصیدہ تم نے مدح مین لکھا ہے، سناؤ، انوری نے شاعرانہ اندازمین پڑھا،

گر دل و دست بحر و کان باشد	دل و دست خدایگان باشد
شاہ سنجر کہ کمترین خدمتش	در جہان پادشاہان باشد

دو شعر پڑھ کر رُک گیا، اور معزی کی طرف خطاب کرکے کہا کہ یہ قصیدہ آپ کا ہے تو باقی اشعار سنائیے، معزی چُپ رہا، انوری نے پورا قصیدہ سنایا، سنجر نہایت محظوظ ہوا اور ندیمان خاص مین داخل کیا[1]، رفتہ رفتہ یہ مرتبہ حاصل کیا کہ سنجر نے بآن جاہ وجلال، دو دفعہ انوری کے مکان پر جاکر اُس کی عزت افزائی کی[2]،

انوری کو علم نجوم مین کمال تھا، سنجر کے عہد حکومت مین اتفاق سے سبعہ

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ حبیب السیر مین ہی، [2] خزانۂ عامرہ،

ستارہ برج میزان مین جمع ہوئے، انوری نے اس بنا پر پیشین گوئی کی کہ فلان دن اس زور کا طوفان آئیگا کہ تمام مکانات برباد ہو جائین گے، لوگون نے ڈر کر، تہ خانے اور سرد آب تیار کرائے اور تاریخ مقررہ پر، اُن مین چھپکر بیٹھے اتفاق سے اُس دن اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ چراغ گل ہوتا سنجر نے انوری کو بُلاکر عتاب کیا، انوری نے کہا قرانات کے احکام فوراً ظاہر نہین ہوتے فرید کاتب نے اسپر قطعہ لکھا،

گفت انوری کہ از جہت بادہای سخت	ویران شود عمارت و کُہ نیز بر سری
در سال حکم او نہ وزید است ہیچ باد	یا مرسل الریاح تو دانی و انوری

انوری نے اب دربار مین رہنا مناسب نہ سمجھا اور ترک ملازمت کر کے نیشاپور چلا آیا اب اس کی شہرت دور دور پھیل گئی تھی، ہر طرف سے امرا و رؤسا کے پیغام آتے تھے کہ ہمارے دربار مین قدم رنجہ کیجیے ۵۲۳ھ مین سلطان احمد بیروز شاہ نے اسکو خط بھیجکر بلایا اور ساتھ لیکر خوارزم کی طرف روانہ ہوا، انوری یہ سُنکر کہ دریاے جیحون راہ مین پڑتا ہے اسقدر ڈرا کہ بلخ پہنچکر سلطان احمد سے معذرت چاہی، اور وہین رہ گیا، لیکن بلخ مین اسقدر تکلیف پہنچی کہ تنگ آکر ایک قصیدہ[1] لکھا اور سلطان احمد کی خدمت مین بھیجا، مطلب کی بات اس طرح ادا کی،

اینحال کہ در بلخ کنون دارم	از خوف پریشانی و گمراہی
زین بیش اگر وہم و گمان بُردے	آن مخطے کو تہ نظر شاہی

[1] اس قصیدہ کی شرح مین ابو الحسن فراہانی نے اس قصیدہ کا شان نزول یہی لکھاہی،

بر عبرۂ جیحون نہ بہ آموزشش — چون بط بہ طبیعت شدمی راہی

سلطان احمد نے انوری کو دربار مین طلب کیا اور معتمد خاص بھیجا کہ انوری کو ساتھ لیکر آئے انوری روانہ ہوا لیکن دریاے جیحون کے کنارے پہنچکر اسکے اوسان جاتے رہے، رہبر جو ساتھ تھا، ڈھارس دلانے کے لیے، لنگ باندھکر دریا مین اُترا، تیرتا ہوا دور تک گیا اور چارون طرف چکر لگاکر دکھلایا کہ گھبرانے کی بات نہین انوری بہ ہزار خرابی کشتی مین بیٹھا گھاٹ پر شاہی اہتمام تھا، اور اسپ خاصہ سواری کے لیے آیا تھا، انوری نے آداب شاہی کے لحاظ سے گھوڑے پر سوار ہونے مین تامل کیا، لیکن پیش خدمت کے اصرار سے سوار ہوا، اور دربار مین آیا، قصیدہ راہ مین لکھ رکھا تھا، دربار مین پہنچکر پڑھا، دیکھو تمام واقعات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے،

حبذا بخت مساعد کہ سوے حضرت شاہ	مردمی کرد و رہم داد پس از چندین گاہ
اندر آمد ز در حجرۂ من صبحدمے	روز بہمن جبنر یعنی دوم بہمن ماہ
سال بر پانصد و سی و سہ ز تاریخ عجم	گفت برخیز کہ از شہر بدر شد ہمراہ
چہ روے راہ تردد قضی الامر فقم	چہ کشتی کہ نقش تخیل بلغ السیل زباہ
چون برانگیخت مرا رفت و چراغ افروخت	سبلے تحاشی چو رفیقی کہ بود از اشباہ
تاکہ من جامہ پوشیدم و بیرون رفتم	بہ شتابے کہ وہ اتم نہ رہی کرد و نہ راہ
او برہ بر دبدم فرستش و آوردہ ستور	محلے بست و مرا کرد چو شاہے برگاہ

همچنان جمله را هم بسلامت می برد   نه دران طبع ملالت، نه درین طبع اکراه

تا به حدے که مراد او ہمے سیخے دکفش   تا بجاے که ہمیداد خرم راجو در کاه (گهاس)

چون به جیحون برسیدیم زمن ہوش برفت   گفت لاحول ولا قوة الا بالله

رفت و برلبت از ارسے و به جیحون در جست   وندران جست به یکدم بگذشت او بشناه

باز باز آمد و گفتا که بدیدی سهل است   در نشین، خیز، و مکن وقت گزشتن بیگاه

کشتی آورد و نشستیم در و ہر دو بهم   چون دو یار، او همه یاری ده و من یاری خواه

او چو شیرے به یکے گوشهٔ کشتی بنشست   من سراندرزن[1] و بیرون زن ہچو روباه

آخرالامر چو کشتی بسلامت بگذشت   جستم از کشتی و آمد به لب کشتی گاه

عرصهٔ دیدم چون جان و جوانی بخوشی   شادی افزاے چو جان و جوانی غم کاه

گفتم اے بخت بهشت است سواد ترمد   گفت راضی مشو از روضهٔ رضوان به گیاه

باش تا شهر ببینی، و دربار ملک (دربار ۱۲)   باش تا قلعه ببینی و در و عرض سیاه

تا درین بودم اگر سے ز در شهر نجاست   گفتم آن کیست مرا گفت جبنیت کش شاه

آمد القصه و آورد جبنیت پیشم   دیدهٔ من چو دران شکل و شبه کرد نگاه

بوسه دادم سُم، و زانوے و رکابش ہمه را   گفتم اے روز براق از تو چه رنگ تو سیاه

به سعادت به سر آخر خود باز خرام   که ترا پایه بلند است و مرا پا کوتاه

این همی گفتم و او دست همی کوفت که نے   ترک فرمان همه حال گناه است و گناه

[1] سراندرزن، مونہ اندر کر لینا، یعنی مین لومڑی کی طرح کبھی مونہ باہر نکالتا تھا اور کبھی اندر کر لیتا تھا،

اقسام سخن مین سے انوری کی طبیعت ہجو سے خاص مناسبت رکھتی تھی، ہجو مین وہ نہایت دلچسپ اور لطیف مضامین پیدا کرتا تھا، جو شعر اُس کی زبان سے نکلتا عالم مین پھیل جاتا، اسکے ساتھ طبیعت مین تنک ظرفی اور کم حوصلگی تھی، ذرا کسی سے رنج ہوا اور اُسکی ہجو کا طومار باندہ دیا، اس عادت کی وجہ سے اُسنے سارے زمانہ کو دشمن بنا لیا تھا، چنانچہ سلطان علاء الدین ملک الجبال سے لوگون نے شکایت کی کہ انوری نے حضور کی ہجو لکھی ہے، سلطان نے ملک طوطی کو جو مرو شاہجہان کا رئیس تھا، خط لکھا کہ انوری کو گرفتار کرکے دربار مین بھیجدو، ملک طوطی نے فخر الدین مروزی کو جو اسکے دربار کا شاعر اور منشی تھا حکم دیا کہ انوری کو لکھو کہ مین آپ کے ملنے کا مشتاق ہون، فخر الدین مروزی **انوری** کا بڑا دوست تھا، اُسنے انوری کو اصل حال سے مطلع کرنا چاہا، لیکن ملک طوطی کے ڈر سے صاف صاف نہین لکھ سکتا تھا اس لیے خط کے سرنامہ پر یہ شعر لکھا،

ھی الدنیا تقول بملاء فیھا　　　حذار حذار من بطشی و فتکی

انوری سمجھا کہ کچھ بھید ہے، تحقیق سے اصل واقعہ معلوم ہوا، ملک طوطی کے دربار مین سفارشین پہنچائین، سلطان علاء الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے ملک طوطی کو لکھا کہ انوری کو میرے دربار مین بھیجدو ہزار بکریان صلہ مین دونگا ملک طوطی نے انوری کو بلا کر کہا کہ تمہارے معاوضہ مین مجھکو ہزار بکریان ملتی ہین انوری نے کہا علاء الدین مجھکو ہزار بکریون کے بدلے خریدتا ہے، اور آپ مفت

…بھی نہین لیتے، ملک طوطی کو یہ لطیفہ پسند آیا اور اپنے مقربین مین داخل کیا،[1]

انوری کے مخالف شعرا نے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود ہجوین لکھ کر اُسکے …ام سے مشہور کرتے تھے اور انوری کو اسکا خمیازہ اُٹھانا پڑتا تھا، چنانچہ جب وہ بلخ …ین آیا، تو فتوحی شاعر نے حکیم سوزنی کی فرمایش سے بلخ کی ہجو لکھی اور **انوری** کے …ام سے مشہور کردی،[2] اُسکے چند اشعار یہ ہین،

…پار شہر است خراسان را بہ چار طرف	کہ وسط شان بمسافت کم صد در صد نیست
…گرچہ معمور و خرابش ہمہ مردم دارد	نہ چنان ہست کہ آبستن دام و دد نیست
…بلخ را عیب اگر چند باد باش کنند	بر ہنر بیخبر دست نیست کہ صد بخرد نیست
…مصر جامع را چارہ بود از بد و نیک	معدنِ زر و گہر بے سرب و بُسّد نیست
…چند اشہر **نشاپور** کہ در ملک خدا	گر بہشت است ہمین ست و گرنہ خود نیست

اہل شہر اس پر اس قدر برہم ہوے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی …ڑھا کر گلی کوچون مین تشہیر کی، اس سے بھی زیادہ نوبت پہنچتی لیکن قاضی حمید الدین …جنکی تصنیف سے مقامات حمیدی ہے، اور جنکی شان مین انوری نے لکھا ہے،

بہ مدح و ثنا گر کنم راے نظمے	نہ دشوار گویم نہ آسان فرستم
ولیکن بہ مدح جناب حمیدی	اگر وحے باشد ہراسان فرستم

[1] لب اللباب عوفی یزدی و مجمع الفصحا تذکرہ فخر الدین مروزی، [2] مجمع الفصحا تذکرہ فتوحی مروزی …ریاض الصالحین تذکرہ انوری، دولت شاہ نے لکھا ہے کہ خود انوری نے یہ ہجو لکھی تھی لیکن یہ غلط ہے،

انھون نے انوری کی حمایت کی اور اُس کی جان بچگئی، انوری نے اِن واقعات کا اِس قصیدہ مین ذکر کیا ہے،

اے مسلمانان فغان از دورِ چرخ چنبری

چونکہ انوری کے بچانے مین ابوطالب نعیم صفی الدین عمر، مفتی تاج الدین حسن محتسب، نظام الدین احمد مدرس نے بھی کوشش کی تھی، اسلیے قصیدہ مین سب کا ذکر کیا ہے اور بلخ کی ہجو سے نہایت تبری کی ہے کہ بلخ قبۃ الاسلام ہے مین اِس کی ہجو کیونکر کہہ سکتا ہون،

بالآخر انوری نے تمام لغویات سے توبہ کی، اور گوشہ گزین ہو کر بیٹھا، سلطان علاءالدین غوری جہانسوز نے دربار مین طلب کیا، لیکن اسنے انکار کیا اور یہ قطعہ جواب مین لکھا

کلبۂ کاندرو بروز و بشب
جاسے آرام و خورد و خواب من است

جایکے دارم اندرو کہ ازو
چرخ درعین رشک و تاب من است

ہرچہ در مجلس ملوک بود
ہمہ در کلبۂ خراب من است

رحل اجزاء و نان خشک درو
گرد خوان من و کباب من است

قلم کوتہ و صریر خوشش
زخمۂ و نغمۂ رباب من است

خرقۂ صوفیانہ اطلس
از ہزار اطلس انتخاب من است

ہرچہ بیرون بود ازین کم و بیش
حاش للسامعین عذاب من است

خدمت بادشہ کہ باقی باد
نہ بباز و سے خاک و آب من است

ین قدر راہ رجتم لبتہ است	آن کہ از مرجع و مآب من است
ین طریق از نمائش است خطا	چہ کنم این خطا صواب من است
یست این بندہ را زبان جواب	جامۂ و جلسۂ من جواب من است

ح اور ہجو کے ساتھ غزل کہنی بھی چھوڑ دی، کسی نے پوچھا تو جواب دیا،

ی مزا عاشقی، گفت غزل می گوئی	گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ہم
فت چون؟ گفتمش آن جانب گمراہی بود	حالت رفتہ دگر باز نیاید ز عدم
زل و مدح و ہجا ہر سہ ازان می گفتم	کہ مرا شہوت و حرص و غضبے بود بہم

خیر شعر کا مضمون اگرچہ عربی سے ماخوذ ہے، لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوری شاعری کی حقیقت سے واقف تھا، یعنی یہ کہ شاعری، جذباتِ انسانی کے اظہار کا نام ہے، شہوت، حرص، غصہ، سب جذبات ہین، اور یہی جذبات غزل و مدح ور ہجو کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین،

انوری نے حسب روایت دولت شاہ ۵۴۷ھ مین بمقام بلخ وفات پائی ور سلطان احمد خضرویہ کے پہلو مین دفن ہوا،

انوری بخلاف اکثر شعرا کے اکثر علوم متداولہ مین کمال رکھتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے

ہ چہ دربستم در مدح و غزل یکبارگی	ظن مبر کز نظم الفاظ و معانی قاصرم
لکہ بہر علم کز اقران من داند کسے	خواہ جزوی باشد آن را خواہ کلّی قادرم
طق و موسیقی و ہیات شناسم اندکے	راستی باید بگویم با نصیب وافرم

وز آلہی انچہ تصدیقش کند عقل صریح
گر تو تصدیقش کنی بر شرح و بسطش ماہرم

وز طبیعی رمز چند از چند بے تشویر ہست
کشف دانم کرد اگر حاسد بناشد ناظرم

نیستم ہم جاہل از اعمالِ احکامِ نجوم
ور ہمی باور نہ دانی رنجہ شو من حاضرم

این ہمہ بگذار با شعر مجرد آمدم
چون سنائی ہستم آخر گر نہ ہمچون صابرم

قدرمن صاحب قوام الدین حسن داند از آنک
صدر او را یادگار ناصر الدین طاہرم

ان کمالات کی وجہ سے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے، سلطان سنجر اس جاہ و جلال کا بادشاہ اسکے گھر آتا تھا، فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال الوزرا کے ہان سے سالانہ پانچ سو اشرفیان مقرر تھین، با این ہمہ چونکہ طبیعت کا دنی تھا اور زبان قابو مین نہ تھی اسلیے ذلتین اُٹھاتا تھا، ایک وزیر کی مدح مین قطعہ لکھا اور اخیر مین یہ شعر لکھے،

تو کہ از دور ہمی بینی پوشیدہ مرا
حال بیرون و درونم نہمانا دانی

طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم برون
وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی

یعنی میرے بدن پر مدت کے پھٹے پرانے کپڑے ہین، چادر ابوطالب کی دی ہوئی ہے اور پیراہن ابوالحسن عمرانی کا عنایت کیا ہوا ہے، وزیر نے ناراض ہو کر افتوحی مروزی کو حکم دیا کہ جواب لکھے، چنانچہ اُسنے ایک قصیدہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین،

از پس آنکہ بہ یک مہر دو الف ملکی
داشت در بلخ ملک شاہ ترا ارزانی

وز پس آنکہ ہزار دگرت داد وزیر
قرض آن پیر سرخشی زچہ می بستانی

از پسِ آنکہ ز انعام جلال الوزرا
تو ہر سالہ رسد مہرے پانصد کانی

ای بہ دانائی معروف چرا میگوئی	درشناسے کہ فرستادۂ از نادانی
طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم زبرون	وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی
چہ بخیلی کہ بچندین زر و سیم و نعمت	طاق و پیراہنۂ دوختہ ہمی نتوانی
پانزدہ سال فزون باشد تا کشتہ شدہ است	بوالحسن آنکہ ز احسانش سخن میرانی
پیرہن کہنۂ او گر نہ بجائیست ہنوز	پس مخوان پیرہنش کو زرہ خفتانی
باقی عمر لبس آن پیرہن و طاق ترا	سزد ار ندہی ابرام و دگرستانی

یعنی ابوالحسن عمرانی کو مرے ہوے آج پندرہ برس ہوگئے، اتنی مدت تک اسکا دیا ہوا پیرہن موجود ہے تو پیرہن کا ہے کو زرہ ہے، اور اُسکے ہوتے اب کسی پیرہن کی کیا حاجت ہے،

لطیفہ، ایک دفعہ انوری راہ مین چلا جاتا تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ اشعار پڑھ رہا ہے انوری نے خیال کیا تو اُسی کے اشعار تھے، پوچھا کہ آپ کا تخلص کیا ہے؟ اُسنے کہا "انوری، انوری نے کہا، شعر کے چور پہلے بھی سنے تھے، شاعر چرانے والا آج دیکھا"

کلام پر راے

انوری جس پایہ کا شاعر تھا، اس سے زیادہ بہت خوش قسمت تھا، ایران مین تین شاعر پیغمبر سخن تسلیم کئے گئے، اُن مین ایک **انوری** بھی ہے، چنانچہ مشہور ہے،

در شعر سہ تن پیمبرانند	ہرچند کہ لا نبی بعدی

۱؎ مجمع الفصحا تذکرہ فتوحی مروزی ۱۲

ابیات قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی،

ہاتفی نے مثنوی کی رعایت سے اسکو اس طرح بدل دیا ہے،

در شعر سہ تن پیمبر انند	قولے است کہ جملگی بر انند
فردوسی و انوری و سعدی	ہر چند کہ لانبی بعدی

اباقاآن خان کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہوئی کہ انوری اور ظہیر فاریابی دونون مین کسکو ترجیح ہے، سب نے مجد ہمکر[1] کو ثالث قرار دیا اور ایک منظوم استفتا لکھا،

اے آن زمین وقار کہ بر آسمان فضل	ماہ تجبہ فضلے و خورشید انوری
جمعے ز ناقدانِ سخن گفتہ ظہیر	ترجیح می نہد بر اشعار انوری
جمعے دگر برین سخن انکار می کنند	فی الجملہ در محل نزاع اند و داوری
رجحان یک طرف تو بدیشان نما کہ ہست	زیر نگین طبع تو ملک سخنوری

مجد ہمکر نے جواب لکھا،

جمعے ز اہل خطۂ کاشان کہ بردہ اند	ز ارباب فضل و دانش گوئے سخنوری
کردند بحث در سخن بیشان نظم	تا خود کہ سفتہ بہ دُر در سخنوری
در انوری مناظرہ شان رفت و در ظہیر	تا مر کراست پایۂ بہتر ز شاعری
انصاف چون نیافت گروہ از دگر گروہ	مر بندہ را گزید نظر شان بہ داوری
در کانِ طبع آن چو بگشتم گران گران	در قعر بحر این چو نمودم شناوری

[1] مجد ہمکر اس درجہ کا شاعر تھا کہ بعضون نے اسکو شیخ سعدی کا ہم پلہ مانا ہے،

شعر کے برامدہ چون دُرِ شاہوار | نظم دگر برآمدہ چون مہر خاوری
شعر ظہیر اگرچہ برآمد ز جنس شعر | برتر ز انوری نہ ز ندلان شاعری
بر اوج مشتری نرسد تیر نظم او | خاصہ کہ در ثنا گری و مدح گستری
طعم رطب اگرچہ لذیذ است خوش مذاق | کے با بود ز خاصیت قند عسکری
اینست اعتقاد رہی خوش قبول کن | گر تو مقید سخن مجد ہمگری
زاد این نتیجہ نیم شب از آخر رجب | در خاء عین و دال نہ ہجر پیمبری

امامی ہروئی[1] نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہین،

ای سالکِ مسالکِ فکرت درین سوال | معذور نیستی بحقیقت چو بنگری
تمییز را نہ بہر تناسب درین دو طور | ہیچ احتیاج نیست بدین شرح گستری
کین معجز است وان سحر آن شمع و این چراغ[2] | این ماہ آن ستارہ و آن حور و این پری

انوری ظہیر سے بلکہ اپنے تمام معاصرین سے بڑھ کر ہو تو ہمکو انکار نہین، لیکن اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو مین اسکو جگہ دیجائے، قطعہ مشہور اور مجد ہمگر کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ انوری قصیدہ گوئی مین بغیر بھی اسی طرح فردوسی اور سعدی مثنوی اور غزل مین تھے، لیکن یہ اور بھی حیرت انگیز ہے

[1] یہ وہی امامی ہین جنکو مجد ہمگر نے شیخ سعدی پر ترجیح دی تھی، اور شیخ سعدی نے ناراض ہو کر کہا تھا
ہمگر کہ بعمر خود نکردست نماز * شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد، ۱۲

[2] مجالس المومنین تذکرۂ انوری، ہمگر کے قطعہ کے چند شعر ہمنے چھوڑ دیے ہین،

قصیدہ کا جو انداز چلا آتا تھا، اِسپر انوری نے کچھ اضافہ نہین کیا، اور جس قدر کیا اُس مین اُسکے اور ہمعصر شریک ہین، **انوری** کے قصائد کے خصوصیات یہ بتائے جاتے ہین کہ اُسنے جدید مضامین پیدا کیے، مبالغہ کو ترقی دی، نئی تشبیہین پیدا کین، لیکن عبدالواسع جبلی، ازرقی، اور ظہیر ان باتون مین انوری سے کسی طرح کم نہین، انوری نے ایک قصیدہ مین ہلال کی تشبیہ سے مدح کی طرف گریز کیا ہے، اور وہ انوری کے محاسن اشعار مین محسوب ہی،

دوش سلطان چرخ آئینہ فام	آنکہ دستور شاہ راست غلام
ازکنار نبردگاہِ اُفق	چون بہ دست غروب داد زمام
دیدم اندر سوادِ طرّہ شب	گوشوارِ فلک زگوشۂ بام
گفتم آن نعل خنگ دستور است	قرۃ العین و فخر آل نظام

گھوڑا وزیر

لیکن یہ تشبیہ اور گریز **منطقی رازی** سے ماخوذ ہے، وہ کہتا ہے،

مہِ گردون گر بیار گشتہ	کہ نالید و تنش بگرفت نقصان
بسانِ گوی سیمین بود اکنون	برآمد بر فلک چون نوکِ چوگان
توگفتی خنگ صاحب تاختن کرد	فگند این نعل زرین در بیابان

ممدوح

اس مین جو لطافت اور ندرت ہے **انوری** کے ہان نہین، ظہیر فاریابی نے بھی اس تشبیہ کو لیا ہی لیکن چند اور تشبیہین اضافہ کرکے اسکو زیادہ دلاویز کردیا ہی،

پیدا شد از کرانہ میدان آسمان	شکل ہلال چون سر چوگان شہریار

…ن باخرد بہ حجرۂ خلوت نشستہ نتم	گفتم کہ اے نتیجۂ الطافِ کردگار
…زاین چہ نقش بو العجب و شکل نادر است	کز کارگاہِ غیب ہمے گردد آشکار
…دون ز جامۂ کہ ؟ بریدہ است این طراز	گیتی ز ساعد کہ ؟ ربودہ است این سوار
…ست انچہ بر شمردی ازان جملہ ہیچ نیست	دانی کہ چیست با تو بگویم باختصار
…ل سمند شاہِ جہان ست کاسمان	ہر ماہ بر سرش نہد از بہر افتخار

…ن کی ناقدری مین **انوری** کا مشہور شعر ہے،

…شہر خویش درون بے خطر بود مردم	بکانِ خویش درون بے بہا بود گوہر

…ن یہ بالکل میر معزی کے شعر کا سرقہ ہے،

…ردم بشہر خویش ندارد بسے خطر — گوہر بکان خویش ندارد بسے بہا

غرض انوری کی پیغمبری کے ثبوت مین کوئی معجزہ موجود نہین، البتہ اپنے …عاصرین یعنی ادیب صابر، ازرقی، لامعی، رشید الدین وطواط، عبد الواسع جبلی، معزی …غیرہ سے بعض باتون مین ممتاز ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اور شعرا کی طرح اسکا کلام مدح پر محدود نہین، وہ ہر …ح کے واقعات اور معاملات ادا کرتا ہے، جس سے زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے …ج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے، تو اسکو الفاظ مین، بندش مین، ترکیب …ین، انوری کے سوا اور شعرا کے کلام سے بہت کم مدد ملیگی،

ایک قصیدہ مین شاعری کی برائی اور اسکا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے،

اس مین وہ تمام خیالات ظاہر کیے ہین جوآج کل شاعری کے بیکار ثابت کرنے مین پیش کیے جاتے ہین، اسنے ثابت کیا ہو کہ شاعر کا رتبہ حلال خور سے بھی کم ہے، اسلیے کہ حلال خور دنیا کے لیے ضروری ہے لیکن شاعری کی کیا ضرورت ہے؟ ایک ادنیٰ سی چیز کے بنانے مین بواسطہ اور بلاواسطہ سیکڑون آدمی کی شرکت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن شاعر کونسا کام انجام دیسکتا ہے۔ مدحیہ شعر کہہ کر صلہ کا طالب ہونا کس قدر لغو ہے، ممدوح نے کب کہا تھا کہ تم اسکی مدح کرو البتہ وہ شاعر قدر کی قابل ہو جو کسی کی مدح وغیرہ نہین کرتا ان تمام خیالات کو انوری نے نہایت صفائی اور برجستگی سے ادا کیا ہے

اے برادر بشنوی رمزی ز شعر و شاعری — تا ز ما مشتے گدا، کس را بمردم نشمری

زان کہ از کنّاس ناکس در ممالک چارہ نیست — حاش للہ تا ندانی این سخن را سرسری

زانکہ گر حاجت فتد تا فضلہ را کم کند — ناستلی باید، تو نتوانی کہ خود بیرون بری

کار خالد کے بجعفر مے شود ہرگز تمام — آن یکے جولاہگی داند دگر برزیگری

باز گر شاعر نباشد، ہیچ نقصان نا فتد — در نظام عالم از روے خرد گر بنگری

آدمی را چون مؤنت شرط کار شرکت است — نان ز کنّاسی خوری بہ زان بود کز شاعری

آن شنیدستی کہ سہ صد کس بباید پیشہ ور — تا تو نا دانستہ وے آگہی نانے خوری

در ازاے آن اگر از تو نباشد یاریے (مقابل) — آن نہ نان خوردن بود، دانی چہ باشد مُدبری

چون نداری بر کسے حق حقیقت دان کہ ہست — ہم تقاضا ریشش گاوی ہم بجا

از چہ واجب شد بگو؟ آخر بدین آزاد مرد — اینکہ میخواہی ازو، یا آنکہ زو مستکبری

او ترا کے گفت؛ کاین گلترہ ہارا جمع کن	تا ترا لازم شود چندان حکایت گستری
عمر خود خود میکنی ضائع از و تاوان مخواہ	ہم تو حاکم باش تا ہم زان کہ بفروشی خری
دشمنِ جانِ من آمد شعر چندش پرورم	اے مسلمانان فغان از دستِ دشمن پروری
شعر دانی چیست؟ دور از روی تو حیض الرجال	قائلش گو خواہ حیوان باش و خواہی مشتری
این کہ پرسد ہر زمان این کون خر آن گاو ریش	کانوری بہ یا فتوحی در سخن یا سنجری
راستی بہ بو فراس آمد نگار شاعران	دان نہ از جنسِ سخن بل از کمال قادری
زانکہ ہمچون دیگران مدح و ثنا ہرگز نہ گفت	پس مرنج ار گویدت من دیگرم تو دیگری
مرد را باید کہ حکمت نیز دامن گیردش	تا شفاے بو علی خواند نہ ترّاتِ بحتری

جس زمانہ مین غزون (تاتاریون) نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور کئی برس تک قید مین رکھا، تمام ملک مین بدامنی پھیل گئی، اہل خراسان نے احمد سلیمان سے استغاثہ کرنا چاہا انوری سے درخواست کی کہ ان عبرت انگیز واقعات کو نظم مین ادا کر دے، انوری نے فرمائش کی تعمیل کی،

بر سمرقند اگر بگذری اے باد سحر	نامۂ اہل خراسان بہ برِ خاقان بر
نامۂ مطلع او رنج تن و آفت جان	نامۂ مقطع او درد دل و سوز جگر
نامۂ بر رقمش، آہ شہیدان پیدا	نامۂ در شکنش، خونِ شہیدان مضمر
تاکنون حال خراسان و رعایا بودہ است	بر خداوندِ جہان خاقان پوشیدہ مگر
اے کیومرث بقا، بادشہ کسرےٰ عدل	اے منوچہر لقا، خسرو افریدون فر

قصهٔ اہل خراسان بشنو از سر لطف
زین دل افگار جگر سوختگان می گوئید

خبرت ہست کزین زیر و زبر شوم غزان
بر بزرگان زمانہ شدہ، خردان سالار

شاد الّا بدر مرگ نہ بینی مردم
بر مسلمانان زان شکل کنند استخفاف

خلق را زین غم فریاد رس اے شاہ نژاد
رحم کن رحم بر آن قوم کہ جویند جوین

رحم کن رحم بر آنہا کہ نیابند نمد

چون شنیدی، ز سر رحم در ایشان نگر
کاے دل و دولت و دین را ز تو شادی ظفر

نیست یک تن ز خراسان کہ نشد زیر و زبر
بر کریمان جہان گشتہ لئیمان، مہتر

بکر جز و مدستشکم مام نیابی و خترا
کہ مسلمان نہ کند صد یک آن با کافر

ملک را زین ستم آزاد کن اے پاک سیر
از پس آنکہ نخوردندے از ناز شکر

از پس آنکہ از اطلس شان بودے بستر

کسی دوست کو دعوت مین بلایا ہے اور نظم مین رقعہ لکھا ہے،

ندارد مجلسِ ما بے تو نورے
اگرچہ نیست مجلس درخور تو

چہ فرمائی چہ گوئی مصلحت چیست
تو آئی نزد ما؟ یا ما برِ تو؟

دربارداری اور دریوزہ گری سے توبہ کی تو یہ قطعہ لکھا،

من واین عہد کہ با قحبۂ رعنای جہان
بعد ازان عشق نبازم نہ ببہودہ نہ عمد

قوت دادن اگر نیست مرا بائے نیست
قوت ناستدن ہست فللّٰہ الحمد

یعنی اگر دو سرون کو دینے کا مقدور نہین تو یہ قدرت تو ہے کہ دو سرون سے کچھ نہ لون، علم کی بیقدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہے،

اے خواجہ مکن، تا بتوانی طلب علم	تا در طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز	تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی
فرعون وعذاب ابد و ریش مرصع	موسےٰ کلیم اللہ و چوبی و شبانی

یعنی فرعون کافر ہو کر داڑھی مین موتی پروتا تھا، اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہو کر بکریان چراتے تھے،

عوام کی بے تمیزی، کو ایک فرضی قصہ مین ادا کرتا ہی،

روبہے می دوید در غم جان	روبہے دیگرش بدید چنان
گفت خیر است؟ بازگوی خبر	گفت خرگیری کند سلطان
گفت تو خر نۂ چہ می ترسی	گفت آرے ولیک آدمیان
می ندانند و، فرق می نہ کنند	خر و روباہ شان بود یکسان

شیخ سعدی نے "این ہم بچہ شتر است" کا لطیفہ غالبًا یہین سے لیا ہی،

بات چیت، خط کتابت مین ایشیائی تکلفات سے انوری بھی تنگ آگیا تھا

چنانچہ کہتا ہے اور کس بے تکلفی سے کہتا ہے،

تکلف میان دو آزاد مرد	بود ناپسندیدہ و سخت کام
بیا تا تکلف بیک سو نہیم	نہ از تو رکوع و نہ از ما قیام
بہ سنت کنم اقتدا زین سپس	سلامٌ علیکم، علیکم سلام

ہجو — انوری کا اصلی مایہ فخر ہجو ہے اور کچھ شبہ نہین کہ اگر ہجو گوئی شریعت ہوتی تو

انوری اُسکا پیغمبر ہوتا، ہجو مین اسنے نہایت اچھوتے، نادر، باریک، اور لطیف مضامین پیدا کیئے ہین، ان ہجوؤن مین قوت تخییل جو شاعری کی سب سے ضروری شرط ہے صاف نظر آتی ہے، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس صنف مین اسکا جو کلام زیادہ نادر ہے، اُسی قدر زیادہ فحش ہے، سیکڑون اشعار ہین لیکن دو ایک کے سوا ایک بھی درج کرنیکے قابل نہین، کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو آتشکدۂ آذر موجود ہے ہم اپنے دست وقلم کو اس سے آلودہ نہین کرسکتے، ایک آدہ ہجو فحش سے خالی بھی ہے، وہ حاضر ہے،

پہلے ایک شخص کی مدح لکھی پھر صلہ کا تقاضا کیا، اسکے بعد ہجو کی دہمکی دی، دیکھو کس لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے،

سہ بیت رسم بود شاعرانِ طامع را — یکے مدیح و دگر قطعۂ تقاضائی
اگر بداد سوم شکر، ورنہ داد ہجا — ازین سہ بیت دو گفتم، وگر چہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہے کہ تین نظمین لکھتے ہین، اول مدح پھر قطعۂ تقاضائی جسمین صلہ کا تقاضا ہوتا ہے، اب ممدوح نے صلہ دیا تو شکریہ ورنہ ہجو ان تین نظمون سے، مین دو تو کہہ چکا، فرمائیے اب کیا ارشاد ہوتا ہے،

گھوڑے کی ہجو لکھتا ہے،

بر عادت از وثاق بصحرا برون شدم — با یک دو آشنا ہم از ابنائے روزگار
اسپے چنان کہ دانی زیر از میانہ زیر — وز کاہلی کہ بود نہ سکسک نہ راہوار

رخفت وخیز ماند ہمسر راہِ عید گاہ | من گاہ از دپیادہ دگاہے براو سوار
از غبار خاستہ بیرون شدے بزور | نہ از زمین خستہ برانگیختے غبار
طعنہ از زین کہ رکابش دراز کن | گہ بذلہ از ان کہ عنانش فرد گزار
ن دالہ وخجل متحیر فرو شدہ | سپ چشمے سوے مینم وگوشے سوے سوار

سودانے گھوڑے کی ہجو مین جو قصیدہ لکھا ہے اسی کا تتبع ہے، چنانچہ بحر و قافیہ بھی یہی ہے،

نکتہ، انوری کے دیوان مین چند ہجوین، انوری کی بیوی اور بیٹے کی بھی پائی جاتی ہین، عام لوگون کا خیال ہے کہ انوری کو ہجو کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ بیوی اور بیٹے کو بھی نہ چھوڑ سکا، لیکن غالبًا اور شعرا نے یہ ہجوین لکھ کر اُسکے دیوان مین داخل کردین، اور چونکہ پبلک اُسکی دشمن تھی اسلیئے وہ اسی طرح قائم رہ گیئن، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فتوحی مروزی نے انوری کے نام سے بلخ کی جو ہجو لکھ کر مشہور کردی وہ آج تک انوری کے دیوان مین داخل ہی، حالانکہ ابو الحسن فراہانی شارح قصائد انوری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ ہجو، فتوحی مروزی کی تصنیف ہے،

انوری علوم عربیہ مین کمال رکھتا تھا، اسلیے اسکے کلام مین یہ خصوصیت خودبخود پیدا ہو گئی ہے کہ عربی تلمیحات، عربی جملے، عربی الفاظ، اس خوبی سے شامل کرتا ہے کہ گویا انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے، ملاحظہ ہو،

شاعری، دانی کدامی قوم کردند آن کہ بود | اوّلِ شان امرءالقیس، آخر شان بو فراس

زین کہ من خادم ہمی پردازم اکنون سال رسیت — سامری گوتا بیاید گو شمال لامساس

سنائی کے قصیدے کا جو جواب لکھا ہے اس مین اکثر فلسفیے اسی قسم کے آسئے ہین، مثلاً۔

بر و جان پدر تن در شیست ده کہ دیر افتد — زیا جبج تمنا رخنہ در سدِ دلو نشینا

سبے از ازجا ھدو ایکسر بدست تست این ستر — ولیک از جاھل وا ہم بر نخیزد ہیچ بزفینا

چون مراد خویش را با ملک رے کردم قیاس — درخراسان تازہ بنہادم اقامت (یعنی جاہد وا فینا) اساس

چون غنیمت را مقابل کردہ شد با امنی — عقل سی روز و طمع ماہے بود گا اسنا براس

انظر ونا نقتبس من نورکم کے گفت چرخ — کافتاب از آفتابِ ہمت کرد اقتباس

تاکہ باشد این مثل کالیاس احدی الرحتین — بادے اندر رلتے کور انباشد بیم یاس

بے سپیدہ دم شب خذلان بخواہت چنانکہ — تا بصبح حشر میگویا حادُ ام سداسُ

متنبّی کے اس مطلع کی طرف اشارہ ہے احادُ ام سداسُ فی أحاد۔

دوستان بایک جگر پرخون کہ انیک قد مضٰے — دشمنان بایکد گر پرخندہ کانیک قد ھلک

آدم از نسبتِ وجود تو یافت — اختصاصِ خلقتہ بیدی

دوش با آسمان ہمے گفتم — بر سبیل سوال مطلب اینے

کاے علی اخرج این حشم بر کیست — ہمت گفت قد ضمنت علی

میر آب ست وحق ہمے گوید — کہ من الماء کل شئ حےّ

خصم تو و قاعدۂ ملک او — آن شدہ از بد وجہان مستقیم

چون دو بنا بود برافراشته زلزلۂ تہر تو شان کرد پست	زان دو یکے محدث و دیگر قدیم زلزلة الساعة شیٔ عظیم

جو لوگ انوری کی پیغمبری کے قائل ہین وہ اسکے ثبوت مین اُسکی مضمون آفرینیون سے استدلال کرتے ہین،

متنبی نے مضمون باندھا تھا کہ ممدوح گو انسانون مین داخل ہے لیکن انسانون سے فائق ہی جس طرح نافہ کہ ہرن کے خون سے بنا ہے، لیکن خون سے اسکو کچھ نسبت نہین ہے،

فان تفق الانام و انت منہم　　فان المسک بعض دم الغزال

اس سے ترقی کرکے شراب و انگور کی مثال دی،

فان فی الخمر معنیً لیس فی العنب

یعنی گو شراب انگور سے بنتی ہے لیکن یہ انگور سے بڑھ کر ہے، ممدوح کا بھی یہی حال ہی

انوری نے ان سب تشبیہون کو گرد کر دیا،

در جہانی و از جہان بیشی　　ہمچو معنی کہ در بیان باشد

یعنی اے ممدوح تو دنیا مین ہے لیکن دنیا سے زیادہ ہے جس طرح عبارت مین معنی ہوتے ہین کہ عبارت ذرا سی ہوتی ہے اور مضمون نہایت وسیع ہوتا ہی،

ز حرص خدمتِ او سر نگون ہمے آیند　　بوقتِ زادن از ارحام مادران طفلان

بچے عموماً مان کے پیٹ سے سر کے بھل پیدا ہوتے ہین، انوری اسکا سبب یہ قرار دیتا

ہے کہ انسان فطرۃً ممدوح کی خدمت کے خواہشمند ہین، اِسیلیے دنیا مین آتے ہین تو سر کے بھل آتے ہین، مبالغہ جو عوام کے نزدیک شاعری کی ایک اعلیٰ صفت ہے، انوری، اِس میدان مین سب سے آگے ہے،

ممدوح کی مدح مین — ع اے بیش زآفرینش وکم زآفریدگار

ع چیست کان برتو روانیست مگر عزّوجل

بزرگواری کاندر کمال قدرت خویش — نہ ایزدست وچو ایزد بزرگ بے ہمتاست

گرصبا از کف دست تو وزد وقت بہار — درم افشان ومدا ز شاخ برون دست چنار

انوری اور یورپ انوری کی خوش قسمتی مین ایک نمبر یہ بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ یورپ نے اسکے کلام کے ساتھ نہایت اعتنا کیا، روس کے پروفیسر والنٹن ژوکوسکی نے دسمبر ۱۸۸۳ء مین بمقام سینٹ پٹرسبرگ، انوری کے کلام اور اسکی سوانح عمری پر ایک کتاب لکھی جسکا یہ نام ہے "میٹریلس فار اے بیوگرفی اینڈ کیرکٹرسٹک اسکیچ" یہ کتاب ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکے عنوانات حسب ذیل ہین،

دیباچہ	از صفحہ ۱ تا ۷	
مقدمہ	۸ تا ۲۴	
باب اوّل	از صفحہ ۱ تا ۳۰	اس مین انوری کی سوانح عمری ہے،
باب دوم	از ۳۱ تا ۸۷	مشتمل بر خصوصیات انوری،
باب سوم	از ۹۷ تا ۹۷	مشتمل بر شروح کلام انوری

باب چہارم   از ۹۸ تا ۱۰۲   انوری کی زبان اور تاریخ تصانیف

باب پنجم   از ۱۰۳ تا ۱۳۵   ترجمۂ قصائد انوری،

باب ششم   از ۱۳۵ تا ۱۳۷   ترجمہ غزلیات انوری،

پروفیسر براؤن نے اس کتاب کا حال تفصیل سے لکھا ہے ناظرین اسکو ملاحظہ فرمائین اور غور کرین کہ اہل یورپ ہر زبان کے متعلق، کیا کیا نکتہ سنجیان اور دیدہ ریزیان کرتے ہین کہ ہم اُنکی تقلید بھی نہین کرسکتے،

نظامی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص، باپ کا نام مؤید تھا وطن، عام طور پر گنجہ مشہور ہے، لیکن دراصل قم کے رہنے والے تھے، چنانچہ خود سکندر نامہ مین فرماتے ہین،

چو دُر گرچہ در بحر گنجہ گمم ولے از قہستان شہر قمم

قم کے اضلاع مین تفرش ایک ضلع ہے اصل وطن یہان تھا لیکن چونکہ قم صدر مقام ہے اسلیے انتساب مین تفرش کے بجاے قم کا نام لیتے ہین، نظامی کے والد بزرگوار وطن چھوڑ کر گنجہ مین آئے، نظامی یہین پیدا ہوے، سال ولادت کسی نے بیان نہین کیا لیکن چونکہ بروایت صحیح سن وفات ۵۹۶ھ ہے اور انکی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کیجاتی ہے اسلیے سال ولادت ۵۳۳ھ سمجھنا چاہیے،

نظامی کا خاندان، علمی خاندان تھا، انکے بھائی قوامی مطرزی مشہور شاعر ہین، ان کا ایک قصیدہ ہے جس مین تمام صنائع شاعری جمع کر دیے ہین،

نظامی نے ابتدا مین درسی علوم کی تحصیل کی، انکے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے

لہ یہ ابن رازی اور لطف علی آذر کی تحقیق ہے لیکن سکندر نامہ کے جس شعر سے ابن رازی نے استدلال کیا ہے وہ موجودہ نسخون مین مذکور نہین، تفرش کی مزید تفصیل اور نظامی کی جاے ولادت لطف علی آذر سے ماخوذ ہے،

کہ علمی مسائل انکے پیش نظر ہین، خود بھی دعویٰ کرتے ہین،

ہر چہ ہست از دقیقہاے نجوم	بایکایک نہفتہاے علوم
خواندم و سر ہر ورق جستم	چون ترا یافتم ورق شستم

سلسلۂ طریقت مین واخی فرج زنجانی سے بیعت تھی،

نظامی اگرچہ درویشانہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن شاعری بھی ازل سے ساتھ لائے تھے، گھر مین پہلے سے شاعری کا چرچا تھا، اِسلیے درسی علوم سے فارغ ہوکر، تصنیف کا قلم ہات مین لیا تو حرف موزون نکلے، مشق روز بروز بڑھتی گئی، اور کلام کا شہرہ دُور دُور پہنچا، یہانتک کہ اُس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے اِن کی قدردانی کو لازمۂ سلطنت سمجھا، اور فرمائش کرکے، اُنسے اپنے اپنے نام پر کتابین لکھوائین، اسباب اسکے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا، لیکن، یہ سعادت، دورِ والونکی قسمت مین لکھی تھی، سب سے پہلے جسکو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام شاہ[1] تھا، نظامی نے مخزن اسرار ۵۵۹ھ مین اسی کے نام پر لکھی، اور صلہ مین اسنے پانچہزار اشرفیان، ایک قطار شتر، اور انواع واقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے،

[1] سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے منکوجک غازی کو جو قائم بامر اللہ کا منظور نظر تھا، ارزنجان، اور کماخ وغیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اسکے خاندان مین سے بہرام شاہ نے بہت جاہ وجلال حاصل کیا، یہان تک کہ سلطان قلیج ارسلان سلجوقی بادشاہ روم نے اسکو اپنی لڑکی بیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض اور بلند ہمت تھا، یہی بہرام، نظامی کا ممدوح ہے جسکے نام پر اُنھون نے مخزن الاسرار لکھی، (از ہفت اقلیم امین رازی)

مخزن کی تصنیف کے وقت، نظامی کا سن تقریباً ۲۵ برس کا تھا،

نظامی کا وطن گنجہ، سلجوقیون کی حدود حکومت مین واقع تھا، اور اُس زمانہ مین اِس سلسلہ مین سلطان طغرل بن ارسلان فرمانروا تھا، وہ نہایت دلیر، شجاع اور عدل پرور بادشاہ تھا، علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا، شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ رباعی اُسکی مشہور ہے،

دی روز جہان وصال جان افروزی	وامروز جہان فراق عالم سوزی
حیف است کہ در دفتر عمر ایام	آن را روزے نویسد، این را روزی[۱]

طغرل نے سلطنت کا تمام کاروبار اتابک محمد بن ایلدکز کے ہاتھ مین دیدیا تھا، جو ابتدا مین غلام تھا اور ترقی کرتے کرتے امیرالامرا کے منصب پر پہنچگیا تھا، محمد بن ایلدکز کا بھائی قزل ارسلان جس کی مدح مین ظہیر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے،

نُہ کرسی فلک نہد، اندیشہ زیر پاے	تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

کاروبار سلطنت مین برابر کا شریک تھا،

اسی زمانہ مین نظامی نے شیرین خسرو لکھنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز تھا کہ اِسکے چرچے دور دور پھیل گئے، طغرل کو خبر ہوئی، اُسیوقت فرمان بھیجا کہ ایسی کتاب لکھے کہ یادگار رہ جاے، چنانچہ دیباچہ مین لکھتے ہین،

چو سلطانِ جہان شاہ جوان بخت	کہ برخوردار باد از تاج و از تخت

[۱] حبیب السیر

به سلطانی به تاج و تخت پیوست	بجای ارسلان بر تخت بنشست
من این گنجینه را در می گشادم	بنای این عمارت مے نهادم
اشارت رنگے از درگاه معمور	به شغل بنده القا کرد منشور
کز ینسان تحفۂ عالی بسازد	که عقل از منتش گردن فرازد

جس زمانہ مین نظامی یہ مثنوی لکھ رہے تھے، انکے ایک دوست جو مذہب مین
ایت تعصب رکھتے تھے، انکے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے لہجہ مین کہاکہ کافرون
کے جھوٹ سچ قصے لکھنے سے کیا فائدہ،

فسون بت پرستان افگن از مشت	فسون خوانی مکن بر زند زردشت
در توحید زن کاوازه داری	چرا رسم مغان را تازه داری

لکن نظامی نے جب مثنوی کے چند اشعار پڑھ کر سنائے، تو انھون نے بیساختہ کہا،

چنین سحرے تو دانی ساز کردن	بتے با کعبۂ انباز کردن

شیرین خسرو جب انجام کو پہنچی تو محمد بن ایلدگز جو درحقیقت تاج و تخت کا مالک
ھا، وفات کرچکا تھا اور اسکا بھائی قزل ارسلان اسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اسکو
شیرین خسرو کے تمام ہونے کی خبر پہنچی تو نظامی کی طلبی کا فرمان بھیجا، قاصد فرمان لیکر
یا، نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسہ
یکر کھولا، چنانچہ شیرین خسرو کے خاتمہ مین خود فرماتے ہین،

مثال شاه را بر سر نهادم	سه جا بوسیدم و سر بر گشادم

اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے، اور دشت وبیابان طے کرتے ہوئے قریبًا ایک مہینہ مین پایۂ تخت مین پہنچے۔ قاصد نے جاکر دربار مین اطلاع کی، قزل ارسلان نے شمس الدین محمد کو حکم دیا کہ خود جاکر اِن کو ساتھ لائے، دربار مین پہنچے تو دیکھا کہ مجلس عیش آراستہ ہے، ساز چھڑ رہے ہین، گانا ہورہا ہے، بادہ وجام کا دور چل رہا ہی قزل ارسلان نے فورًا اُنکے ادب سے گانا بجانا بند کرادیا اور تخت سے اُٹھکر تعظیم بجالایا، پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا، ہر طرح کی باتین ہوتی رہین بیچ بیچ مین بزرگانہ نصیحتین بھی کرتے جاتے تھے، مدحیہ نظم لکھکر لیگئے تھے، اُسکو سنانا چاہا قاعدہ یہ تھا کہ شعرا اپنا کلام خود نہین پڑھتے تھے، بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے جو ہمیشہ اُنکے ساتھ رہتا تھا اور اُسکو راوی کہتے تھے، چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا، یہ بھی دستور تھا کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہوجاتا تھا اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا، نظامی نے بھی اس قاعدہ کو بجالانا چاہا لیکن قزل ارسلان نے قسم دلاکر منع کیا،

چو برپا ایستادم گفت بنشین	بسوگندم نشاندا ین منزلت بین

راوی نے مدح کے بعد شیرین خسرو کا قصہ شروع کیا، بادشاہ، نظامی کے کندھے پر ہات رکھے ہوئے نہایت شوق مین سُن رہا تھا اور بار بار بیساختہ تحسین کرتا جاتا تھا، نظامی کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ آپنے ہمیشہ کے لیے میرا نام زندہ کردیا، اسکا صلہ دینا میرا فرض ہے پھر پوچھا کہ بھائی صاحب (اتابک پہلوان محمد بن ایلدکز) نے آپ کی جاگیر مین جو دو گانون دیے تھے وہ آپ کو ملے یا نہین، انھون نے کہا،

	پذیرفت انچه فرمودی زپیشم		بلے شاہ سعید از خاص خویشم	
	مرا سنے جملہ عالم رانہ یان کرد		چو رخت عمر او کشتی روان کرد	

قزل ارسلان نے ایک گانون جسکا نام حمدونیان تھا، اپنی طرف سے جاگیرمین دیا۔[1]

معلوم نہین، جان کر یا غلطی سے، گانون جو جاگیر مین دیا گیا وہ غیر آباد اور بنجر تھا، چنانچہ نظامی نے شیرین خسرو مین، اسکی شکایت اس تقریب سے کی ہے کہ حاسدون نے مجکو طعنہ دیا مین نے جواب مین کہا کہ غیر آباد ہے تو کیا، بادشاہ کا عدل اسکو آباد کردیگا،

نظامی کی شہرت اب اسقدر عالمگیر ہوگئی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آرزو ہوئی کہان سے اپنے نام پر تصنیفات لکھوائین کہ اس ذریعہ سے ان کا نام بھی یادگار رہ جاے انہین علم و فضل کی قدردانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ اخستان تھا، جو سلاطین شروانیہ کے سلسلہ کا درۃ التاج تھا، یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنی بہرام چوبین کی یادگار تھا، منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تھا، خاقانی ابوالعلا گنجوی (استاد خاقانی) ذوالفقار شروانی، شاہفور وغیرہ شعرا، اسی کے خوان کرم کے زلہ خوار تھے، ابوالعلا گنجوی، اسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاقانی کو افضل الشعرا کا خطاب اسی نے عنایت کیا، منوچہر نے اپنے ہات سے نظامی کو دس پندرہ سطرون کا خط لکھ کر بھیجا کہ لیلی مجنون کی داستان نظم کیجئے، چنانچہ دیباچہ مین خود کہتے ہین،

[1] یہ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیرین خسرو کے خاتمہ مین لکھے ہین،

در حال رسید، قاصد از راه	آورد مثال حضرت شاه
نبشته به خط خوب خویشم	ده پانزده سطر نغز بیشم
کای محرم حلقهٔ غلامی	جادو سخن جهان نظامی
خواهم که بیاد عشق مجنون	گوئی سخنی چو دُرِّ مکنون

خط پہنچا تو نظامی کو تردد ہوا، اتفاق سے اِنکے صاحبزادے محمد جنکی عمر اسوقت ۱۴ برس کی تھی، اسوقت موجود تھے، اُنھون نے بھی تحریک کی، نظامی نے کہا جان پدر، قصہ کی شہرت مین کلام نہین، لیکن جہان کی سرگذشت ہے وہان دلچسپی کا کوئی سامان نہین، باغ وبہار، چشمہ وسبزہ زار، رقص وسرود، شاہی دربار، خیل وحشم، جاہ وجلال، کسی چیز کا پتہ نہین، خشک ریگ زار، اور کوہستان ہین، مین کیا صنعت گری دکھاؤنگا،

نے باغ ونہ بزم شہریاری	نے رود ونہ می نہ کامگاری
بر خشکی ریگ و سختی کوه	تا چند سخن رود در اندوه

یہی بھید ہے کہ آج تک کسی نے اس قصہ کو ہات نہین لگایا، صاحبزادے نے کہا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا مؤثر اور عجیب وغریب واقعہ، نظم کی آرائش سے محروم رہ جائے، غرض نظامی نے بادشاہی ارشاد کی تعمیل شروع کی اور کچھ کم چار مہینے مین انجام کو پہنچائی، سال اتمام رجب ۵۸۴ھ ہے،

من گفتم و دل جواب می داد	خاریدم، و چشمه آب می داد

این چار ہزار بیت و اکثر	گفتم بہ چہار ماہ کمتر
گر شغل دگر حرام بودے	در چاردہ شب تمام بودے
تاریخ عیان کہ داشت با خود	ہشتاد چہار بود و پان صد ۵۸۴

نظامی نے اس مثنوی کے صلہ مین بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ انکے صاحبزادے ولیعہد سلطنت کے ندیمون اور مصاحبون مین داخل کئے جائین،

۱۴ رمضان ۵۹۳ھ مین سلطان غیاث الدین کرب ارسلان[1] علاء الدین آقسنقری کی فرمایش سے ہفت پیکر لکھی، جس مین بہرام گور کا قصہ ہی،

قزل ارسلان کے مرنے کے بعد، اسکا بھتیجا یعنی محمد بن ایلدکز کا فرزند ارجمند ابوبکر نصرۃ الدین ۵۸۷ھ مین مسند آرا ہوا، نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا، اسوقت تک انھون نے جو کتابین لکھی تھین، سلاطین وقت کی فرمائش سے لکھی تھین، لیکن سکندر نامہ اپنی خواہش سے لکھا، اور ابوبکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا یہ کتاب ۵۹۹ھ مین انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندر نامہ بحری کے خاتمہ مین لکھتے ہین

بپایان شد این داستان دری	بہ فیروز فالی و نیک اختری
ز ہجرت چنان بر دہم یادگار	نود نہ گزشتہ ز پانصد شمار

کتاب لکھ کر بادشاہ کے حضور مین پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ، سواری کا گھوڑا، بیش قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا،[2]

[1] اسکا حال نہ معلوم ہوسکا، [2] سکندر نامہ بحری کے خاتمہ مین یہ تصریح ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر دیکھو)

اساتذہ سے مین نے سُنا ہے کہ سلاطین وقت نظامی کی اسقدر عزت کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی، انکے بیٹے سے بیاہ دی تھی، مین نے کسی کتاب مین یہ واقعہ نہین دیکھا، لیکن سکندرنامہ بحری کے خاتمہ سے اسقدر بہ تصریح ثابت ہوتا ہے کہ نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمد کو نصرۃ الدین کی خدمت مین بھیجا تھا چنانچہ کہتے ہین،

دو گوہر بر آمد ز دریاے من ۔۔۔ فروزندہ از رومی شان راے من

یکے عصمتِ مریمے یافتہ ۔۔۔ یکے نور عیسٰے بر و تافتہ

فرستادہ ام ہر دو را نزد شاہ ۔۔۔ کہ یاقوت را دُرج دارد نگاہ

عروسے کہ دو را او ز مادر بود ۔۔۔ برادر پردہ دارش برادر بود

بباید چو آید بہ شہر یار را ۔۔۔ چنین پردگی را چنان پردہ دار

چو من نزل خاص تو جان دادہ ام ۔۔۔ جگر نیز با جان فرستادہ ام

اخیر شعر سے صاف یہ راز کُھل جاتا ہے،

اس کتاب کی تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہان اور حکماء کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے، اپنے نام کی بھی سرخی قائم کی ہے، اُسکے ذیل مین لکھتے ہین،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ لیکن تعجب ہے، کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہی، اگر یہ ہزار دینار بھی فرض کر لیے جائین تب بھی ایسی رقم ہے جو نہ نظامی کے شایان ہی، نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہی،

نظامی چو این داستان شد تمام	بر عزم شدن تیز برداشت گام
فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال	کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال

اس کتاب پر اُن کی شاعری اور عمر دونون کا خاتمہ ہوا، سال وفات مین سخت اختلاف ہے، دولت شاہی مین ۵۹۶ھ لکھا ہے، لیکن یہ خود **نظامی** کی تصریح کے خلاف ہے، تقی کاشی نے ۶۰۶ھ لکھا ہے، جامی ۵۹۲ھ بیان کرتے ہین، لیکن اسقدر قطعی ہے کہ ۵۹۹ھ کے بعد اُنکی وفات ہوئی ہے اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہین بڑھی،

چونکہ اُنھون نے تمام عمر گوشۂ عزلت سے قدم نہین نکالا، نہ لوگون سے زیادہ ملتے جُلتے تھے، اسلئے اُن کی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہین، عام تذکرہ نویس، انکے اس وصف کے نہایت مداح ہین کہ وہ بادشاہون کی خوشامد اور درباری داری سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین انکے ساتھ ارادت و اعتقاد کے ساتھ پیش آتے تھے اُن پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن ان کی کتابون مین سلاطین کی جو مدحین ہین اُن مین وہی حد سے زیادہ مبالغہ، خوشامد، اور تملق ہے جو عام مداحون کا انداز ہے، اس سے بڑھکر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہین، اس طرح کرتے ہین کہ معلوم ہوتا ہی کہ ان کو اسکے سوا کسی دربار سے تعلق نہین اور وہ اسکو فرمان روای عالم سمجھتے ہین بے شبہ انھون نے مدحیہ قصائد نہین لکھے لیکن مثنویون مین اس زور کی مدحین لکھین جنکے آگے قصائد کی کوئی ہستی نہین، ملاحظہ ہو،

ولایت ستان شاہ گیتی پناہ	فریدون کمر بلکہ خاقان کلاہ

ستارہ کہ برچرخ ساید سرش	زدہ سکۂ عبدہٗ بر درش
چو تیر از کمان کمین افگند	سر آسمان بر زمین افگند
فرنگ و فلسطین و رہبان روم	پذیرا اے فرمان مہرش چو موم

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہون کے سامنے اپنے آپ کو جس حیثیت سے پیش کرتے ہین، وہی ہوتی ہے جو گداپیشہ شاعرون کا انداز ہے یعنی حضور کا نمک خوار ہون، غلام ہون، بندۂ درگاہ ہون، حضور کی ذراسی توجہ سے میرے سارے کام بنجائین گے، حضور ہی میری مشکلون کو حل کر سکتے ہین،

کلام پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا جو آج مفقود ہے، دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس مین غزلین، موشحات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے، تذکرون مین چند قصائد، قطعات، اور غزل کے جستہ جستہ اشعار پائے جاتے ہین، تعجب یہ ہے کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیان انہی کی بدولت وجود مین آئین، لیکن غزلین پھیکی اور بے مزہ ہین ملاحظہ ہو،

خوشا جانے کز وجانے بیاسود	نہ درویشے کہ سلطانے بیاسود
نکوئی برنکو رسمے بماناد	کہ از لبہاش دندانے بیاسود
بہ عمر خود پریشانی مبیناد	دلے کز وے پریشانے بیاسود
مرا گوئی کہ چونی؟ چونم اے دوست	جگر پر درد و دل پر خونم اے دوست
شنیدم عاشقان را مے نوازی	مگر من زان میان بیرونم اے دوست

پیش تو کردہ ام عیان حال تباہ خویش را تا تو نصیحتے کنی چشم سیاہ خویش را

سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر ز من شوی گر نگری در آئنہ روے چو ماہ خویش را

ختنی جمالی اے مہ ز حبش چہ نام داری تو بجز خطے و خالے ز حبش کدام داری

حبشی منم کہ در تن ہمہ سوخت است خونم ختنی توئی کہ در بر ہمہ سیم خام داری

حبشی است رنگ مویت، ختنی است رنگ رویت تو میان این دو کشور بہ کجا مقام داری

حبشی سفید نبود، ختنی نمک نہ دارد تو بغایت سفیدی نمکے تمام داری

نہی بوڑھے غمزون مین، کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہین،

بوسہ می خواہم ازان لب تو چہ می فرمائی گر صواب است بگو ورنہ خطاے بکنم

مین لب کا ایک بوسہ چاہتا ہون، کہیے کیا راے ہے، مناسب ہو تو بہتر، ورنہ نامناسب ہی کیا جاسئے،

قصیدے بہت ہین، لیکن ان مین بھی کوئی خاص بات نہین، سنائی کا انداز ہے، اخلاق اور تصوف کو ترکیب دیکر کہتے ہین، لیکن سنائی سے بہت پیچھے ہین، اس لیے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف، شستہ اور پُر لطف کہا ہے، جس کا آج تک جواب نہ ہو سکا،

دوش رفتم بہ خرابات مرا راہ نبود می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود

یا نہ بد ہیچ کس از بادہ فروشان بیدار یا کہ من ہیچ کسم ہیچ کسم در نکشود

پاسے از شب بگذشت بیشترک، یا کمتر رندے از غرفہ برون کرد سر و رخ بنمود

گفت خیر است! درین وقت کرا میخواہی بے محل آمدنت بردر ما بہر چہ بود

گفتمش در بکشا، گفت برو ہرزہ مگوی	کاندرین وقت کسے بہر کسے در نکشود
این نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند	کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش استی زود
این خرابات مغان ست درو رندانند	شاہد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود
ہرچہ در جملۂ آفاق درینجا حاضر	مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود
گر تو خواہی کہ دم از صحبت ایشان بزنی	خاک پاے ہمہ شو تا کہ بیابی مقصود

عصمت بخاری اور عرفی نے قوافی بدل کر اسکا جواب لکھا ہے لیکن جواب نہو سکا عصمت کا قطعہ یہ ہے،

سرخوش از کوی خرابات گذر کردم دوش	بطلب گار ہی ترسا بچہ بادہ فروش
پیشم آمد بسر کوچہ پری رخسارے	کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش
گفتم این کوی چہ کوی است ترا خانہ کجاست	اے مہ نو خم ابروی ترا حلقہ بگوش
گفت تسبیح بخاک افگن و زنار ببند	سنگ بر شیشہ تقوی زن و پیمانہ بنوش
بعد ازان پیش من آ تا بتو گویم سخنے	راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش
دین برافگندہ و مدہوش و ویدم در پیش	تا رسیدم بمقامے کہ نہ دین ماند و نہ ہوش
دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست	از خم بادۂ عشق آمدہ در جوش و خروش
بے می و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرود	بے می و جام و صراحی ہمہ در نوشانوش
چون سر رشتۂ ناموس برفت از دستم	خواستم تا سخنی پرسم ازو گفت خموش
این نہ کعبہ است کہ بے پا و سر آئی بطواف	وین نہ مسجد کہ چنین بے ادب آئی بخروش

این خرابات مغان است درو رند آمند	از دم صبح ازل تا بقیامت مدہوش

قصیدہ مین ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ان کو مختلف دربارون سے تعلق تھا، اور جسقدر مثنویان لکھین سب کسی نہ کسی فرمانروا کے نام پر لکھین، تاہم قصیدہ کو اُنھون نے مداحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صنف سے اور بھی مفید کام لیے جاسکتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ اُسکے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، قصیدے اُسوقت سے آج تک خوشامد کی طرز مین ادا کیئے جاتے ہین،

نظامی کی شاعری

نظامی نے شاعری کو جس طرح ترقی دی اور جو باتین اس مین پیدا کین اُنکو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین، لیکن پہلے اُن سب کو اجمالاً لکھ دینا چاہیے تاکہ یکجائی طور سے سب باتین پیش نظر ہو جائین، اُن کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) جامعیت، یعنی شاعری کی ہر صنف کو اُنھون نے ترقی دی،

(۲) زور کلام،

(۳) بلاغت،

(۴) جدت استعارات اور تشبیہات،

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخئیل،

(۶) او لیات یعنی بہت سی باتین اول انہی نے ایجاد کین،

اب ہم ایک ایک کو تفصیل سے لکھتے ہین،

جامعیت | ایران مین جس قدر شعرا گزرے ہین وہ خاص خاص انواع شاعری مین کمال رکھتے تھے، مثلاً فردوسی رزم کا مرد میدان ہے، عشقیہ شاعری مین اُسکو کمال نہین سعدی اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہین، لیکن رزم مین پھیکے ہین، چنانچہ سکندر نامہ کی طرز پر شاطر اصفہانی کی جو حکایت بوستان مین لکھی ہے، اگرچہ اس مین اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے لیکن وہ بوڑھا پن نہین جاتا، ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے دوسرے مین دفعۃً پست ہو جاتے ہین، خیام صرف فلسفہ لکھ سکتا ہے، حافظ صرف غزل لکھ سکتے ہین، بخلاف اسکے نظامی نے رزم، بزم، فلسفہ، عشق، اخلاق، سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہے، البتہ مدح ان سے نہین بن پڑتی، لیکن مدح کوئی شاعری نہین شاعر بھاٹ نہ ہو تو اُس کی شاعری مین کیا نقص ہی،

نظامی کی انواع شاعری پر الگ بحث آگے آتی ہی،

اولیات، نظامی بہت سی باتون کے موجد ہین،

مثلاً سب سے پہلے انھی نے پانچ مختلف بحرون مین مثنویان لکھین، جسکی تقلید اُس وقت سے آج تک تمام بڑے بڑے شعرا کرتے آئے ہین، چنانچہ اسکے خمسہ پر تمام اکابر شعرا نے خمسہ لکھا ہے:

مخزن اسرار اور ہفت پیکر کی بحر کو اول انھی نے مثنوی مین داخل کیا،

سب سے پہلے انھی نے ایک مثنوی (مخزن اسرار) مین پانچ نعتین لکھین، اور

ہر ایک کا جُدا رنگ ہی،

سب سے پہلے انہی سنے فلسفیانہ مباحث کو نظم کیا،

سب سے پہلے انہی سنے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا،

سب سے پہلے اُنہی سنے قصیدہ کو مدح سے پاک کیا،

زورِ کلام

نظامی سے پہلے شعرا کا کلام، صفائی، سادگی، شستگی تک محدود رہا تھا، اور انہی چیزون کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا **نظامی** پہلے شخص ہین جس سنے ترکیبون مین چستی اور کلام مین زور، بلندی، اور شان و شوکت پیدا کی عرفی اور ابو الفضل کی نظم و نثر کا زور مشہور ہے مگر دونون پر **نظامی** ہی کا اثر ہے یہان تک کہ طغرا سنے کہدیا کہ ابو الفضل نے سکندر نامہ ہی کو لیکر نثر کر دیا ہی،

فردوسی کے زمانہ تک روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ مثنویون کی زبان وہی رہی، البتہ قصائد مین جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا، عربی الفاظ اور ترکیبین کثرت سے شامل ہو جاتی تھین، یہانتک کہ علوم عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی وہی مخلوط العربیۃ فارسی ہو گئی اب عربی الفاظ کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بدمزہ اور بے اثر کر دینا تھا اسیلئے **نظامی** نے اس باب مین **فردوسی** کی تقلید نہین کی، بلکہ اُسی زبان کو لیا جو ملک اور قوم کی عام زبان تھی، لیکن انکی نکتہ سنجی یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ انکے ہان آتے ہین، وہ ہوتے ہین کہ اسکا ہم معنی کوئی لفظ اس انداز اور شان و شوکت کا تمام زبان مین نہین

سکتا، یہی بات ہے کہ انکے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظون مین ادا کرنا چاہتا ہے، تو وہ شان قائم نہین رہتی، مثلاً انکا یہ شعر کمند کی تعریف مین ہی،

کمند، اژدہاے مسلسل شکنج	دہن باز کردہ بتاراج گنج

سعدی اسی مضمون کو لیکر یون تصرف کرتے ہین،

بصید هژبران پرخاشس ساز	کمند، اژدہاے دہن کردہ باز

دونون کے مضمون اور معنی مین جو فرق ہی، اُس سے یہان بحث نہین، لیکن الفاظ کی ساخت اور ترکیب پر غور کرو، کسقدر فرق ہے، مسلسل، شکنج، تاراج، گنج، یہ الفاظ، اور اُن کی پرزور ترکیب، سعدی کے ہان کہان ہی،

فردوسی، سعدی اور نظامی کے ہان جو مضامین مشترک ہین، اُنکا باہم موازنہ کرو، بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبون کی چستی اور نظم و نسق مین نظامی کا کلام علانیہ ممتاز نظر آئیگا، نمونہ کے لیے ہم صرف دو ایک مثالین درج کرتے ہین،

فردوسی خدا کی ذات اور عالم غیر عنصری کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو اس طرح ادا کرتا ہے،

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ	کہ او برتر از نام و از جایگاہ
سخن ہر چہ زین گوہران بگذرد	نیابد بدو راہ جان و خرد
ازین پردہ برتر سخن گاہ نیست	بہستیش اندیشہ را راہ نیست

نظامی اسی مضمون کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین،

اساسے کہ در آسمان و زمی است	بہ اندازہ فکرت آدمی است
شود فکرت اندازہ رار ہمنون	سر از حد اندازہ نارد برون
بہر پایۂ دست چندان رسد	کہ آن پایہ را حد بہ پایان رسد
چو پایان پذیرد حد کائنات	نماند در اندیشہ دیگر جہات
نیندیشد اندیشہ افزون ازین	کہ ہستی نۂ، بلکہ بیرون ازین

اسی مضمون کے قریب یہ اشعار ہین،

چنان برکشیدی و بستی نگار	کہ بہ زان نیارد خرد در شمار
چنان بستی این طاق نیلوفری	کہ اندیشہ را نیست زو برتری
چنان آفریدی زمین و زمان	ہمان گردش انجم و آسمان
کہ چندان کہ اندیشہ گردد بلند	سر خود برون ناورد زین کمند

شاید تم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ، اب نامانوس ہین، نظامی انکے بجاے متداول الفاظ لاتے ہین، اسکے سوا، نظامی کو یہ موقع حاصل ہی کہ جہان فارسی الفاظ سے شان و شکوہ نہ پیدا ہو سکے، وہان عربی الفاظ سے کام لین، فردوسی، اپنے التزام کی وجہ سے ایسا نہین کر سکتا، لیکن یہ خیال صحیح نہین، نظامی جہان خود فردوسی کی بولی بولتے ہین، وہان بھی یہ فرق قائم رہتا ہی، عناصر کی ابتدا اور انکی ترکیب کو دونون نے لکھا ہے، اور خالص سادہ فارسی مین لکھا ہی، فردوسی

از آغاز باید کہ دانی درست	سرِ مایۂ گوہران از نخست

یکے آتشے برشده تابناک	میان باد، وآب از بر تیره خاک
نخستین که آتش زجنبش دمید	زگرمیش پس خشکی آمد پدید
وزان پس زآرام سردی نمود	زسردی همان بازتری فزود
چواین چار گوهر بجاے آمدند	زبهر سپنجی سراے آمدند
گهرہا یک اندر دگر ساختہ	زہر گونہ گردن برافراختہ

یعنی عناصر (گوہر) کی ابتدا یون ہوئی کہ پہلے آگ بلندی پر پیدا ہوئی، اسکے پیچھے ہوا، پھر پانی، پھر خاک، آگ حرکت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے یبوست پیدا ہوئی، پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یہ عناصر باہم ترکیب پاکر عالم بنا، **نظامی**

زگشت سپہر آتش آمد پدید	کہ آتش بہ نیروی گرمش دمید
زنیروے آتش ہواے کشاد	کہ مانند او گرم دارد نہاد
بہ بادے گراینده شد گوہرش	کہ گرندگی دور بود از برش
چکید از ہوا ترے در مغاک	پدید آمد آبے چنان نغز وپاک
چو ہر چار گوہر بہ امر خداے	گرفتند بر مرکز خویش جاے
مزاج ہمہ در ہم آمیختند	وزو رستنیہا برانگیختند

ان اشعار مین امر، مرکز، مزاج، کے سوا، باقی تمام الفاظ فارسی ہین، لیکن فردوسی کے الفاظ اور ترکیب الفاظ مین وہ بلندی اور شان نہین، جو نظامی کے ہان ہے گشت سپہر، نیرو،

نهاد، گراینده، گردندگی، مغاک، نغز، ان الفاظ اور ان کی حسن ترکیب نے جو بات پیدا کی مذاق صحیح اسکا اندازہ کرسکتا ہی،

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہی،

نخستین طلسمے کہ پرداختند	زمین بود و ترکیب ازو ساختند
چو نیروی جنبش درد کرد کار	با فسردگی زود آمد بجار
ازو ہرچہ رخشندہ و پاک بود	سزاوار اجرام افلاک بود
دگر بخشہا کان بلندی نداشت	بہر مرکزے مایۂ می گزاشت
یکے بخش ازو آتش روشن است	کہ بالاترین طاق این گلشن است
دگر بخش ازو باد جنبندہ خو است	کہ تا او نہ جنبد نداند کو است
سوم بخش ازو، آب راوق پذیر	کہ ہستش زراوق گری ناگزیر

ان اشعار مین اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجاے فارسی مین ادا کیا ہی، مثلاً

عربی	فارسی	عربی	فارسی
قوت حرکۃ	نیروی جنبش	تسر	افسردگی
نوع	بخش	مادہ	مایہ
متحرک بالطبع	جنبندہ خو	سیّال	راوق پذیر

نظامی کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہوجاتا ہی، مثلاً

نظامی انقلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگیزی کو اس طرح ادا کرتے ہین،

فلک بر بلندی، زمین بر مغاک	یکے طشت خون شد، یکے طشت خاک
نوشته برین هر دو آلوده طشت	ز خون سیاوش بسے سرنوشت

سعدی اِسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہین،

زدم تیشه یک روز بر تل خاک	بگوش آمدم نالۀ دردناک
که زنهار اگر مردی آهسته تر	که چشم و بناگوش و روی است و سر
جوانی شد و زندگانی نماند	جهان گو ممان چون جوانی نماند

عہد شباب کی حسرت کو دونون نے لکھاہے، نظامی کہتے ہین،

چو باد خزانی در افتد به باغ	زمانه دهد جاے بلبل بزاغ
بود برگ ریزان چو شاخ بلند	دل باغبان زان شود دردمند
بنال اے کهن بلبل سالخورد	که رخسارۀ سرخ گل گشت زرد
دوتا شد سهی سرو آراسته	کدیور شد از باغ برخاسته
فرو ماند دستم ز بے خواستن	گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۀ لاجوردی گرفت	گلم سرخی انداخت زردی گرفت
ہیون رونده زره ماند باز	ببالین گه آمد سرم را نیاز

سعدی لکھتے ہین،

چو باد صبا بر گلستان وزد	چمیدن درخت جوان را سزد
نه زیبد مرا با جوانان چمید	که بر عارضم صبح پیری دمید

شمار است نوبت برین خوان نشست	کہ ما از تنعم بشستیم دست
گل سرخ رویم ، نگر زرد ناب	فرو رفت چون زرد شد آفتاب
گلستان ما را طراوت گزشت	کہ گلدستہ بند د چو پژمردہ گشت

قوت تخیل | شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات مین ان کی جدت اور اختراع کی عجیب وغریب صناعیان نظر آتی ہین ، قصہ کے خاکے کھینچنے مین ، ترتیب واقعات مین تمہید مین ، واقعہ نگاری مین ، بندش مضامین مین ، تشبیہات مین ، استعارات مین ، مبالغون مین ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہے ، اور ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی قوت تخیل (امیجنیشن) کسقدر قوی اور زبردست ہے

بادشاہ کی مدح لکھتے ہین ، اور یہ تمہید اٹھاتے ہین ،

علم برکش اے آفتاب بلند	خرامان شو ، اے ابر مشکین پرند
بنال اے دل رعد چون کوس شاہ	بخند اے لب برق چون صبحگاہ
بیار اے ہوا ، قطرۂ ناب را	بگیر اے صدف دُر کن آن آب را
برآ اے دُر از قعر دریاے خویش	بہ تاج سر شاہ کن جاے خویش

قدیم خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہین ، اِس سے بادل پیدا ہوتی ہین ، بادل برستا ہے تو سیپ کے مونہ مین جو قطرے پڑتے ہین ، موتی بنجاتے ہین ، ان خیالات کی بنا پر **نظامی** کہتے ہین ،

اُو آفتاب ، عَلَم اُٹھا ، اُو سیہ پوش بادل ، آہستہ آہستہ چل ،

اُور رعد اِنقارۂ شاہی کی طرح کڑک، او بجلی صبح کی طرح ہنس،
اُدہوا، قطرے برسا، اُو سیپ قطرہ کولیکر موتی بنا، او موتی، دریا کی تہ سے نکل،
اور نکلکر بادشاہ کے تاج پر جگہ لے،

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار ہے، لیکن شاعر کو قوت تخلیل کے ذریعہ سے یہی بات اِس صورت مین نظر آتی ہے کہ عالم کا تمام کاروبار صرف بادشاہ کی اوج وشان، بڑھانے کے لیے ہے، اِس کی قوت خیالیہ اِس سے بھی آگے بڑھتی ہے، ممدوح کے بل پر اسکو تمام عالم اپنا محکوم نظر آتا ہے، اور وہ تحکمانہ انداز سے، آفتاب، بادل، رعد، برق، اور ہوا کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے کام انجام دیکر موتی تیار کرو، تاکہ بادشاہ کے تاج پر ٹانکے جائین، اِسکے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی دروبست کو دیکھو کہ طلسم کا عالم نظر آتا ہے، پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کس طرح صرف ایک ایک مصرع مین کھپا دیا ہی،

مثال ۲ - سکندر نامہ مین متعدد جگہ آفتاب کے غروب اور طلوع کو، بیان واقعہ کی حیثیت سے لکھا ہے لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ قائم کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین،

چو یاقوت خورشید را دزد برُد	بہ یاقوت جستن جہان پے فشرد
بہ دزدی گرفتند مہتاب را	کہ این برُد آن گوہر ناب را

یعنی جب آفتاب کا یاقوت، چوری گیا تو زمانہ نے یاقوت کے ڈھونڈھنے کے لیے ڈور دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جاکر پکڑا کہ اسنے یہ جوہر چرایا ہے، چونکہ آفتاب کے غروب کے

بعد، چاند نکلتا ہے، اسلیے اسکو چور قرار دیا،

کہ چون آتش روز روشن گزشت	پُر از دود شد گنبد تیز گشت
شب از ماه بربست پیرایۂ	شگفتی بود نور در سایۂ

یعنی جب دن کی آگ بجھ گئی تو دھوان اُٹھا (یعنی رات) اور گنبد (آسمان) مین بھر گیا، رات نے چاند کا زیور پہنا، لوگون کو اسپر حیرت ہوئی کہ سایہ مین نور نظر آتا ہی،

دگر روز کین ساقی صبح خیز	زمی کرد بر خاک، یاقوت ریز
چو خورشید برزد سر از گنج نیل	(یعنی دہوپ) فروشست گردون، قبا را ز نیل
چو در برقع کوه رفت آفتاب	سر روز روشن، فرو شد، بخواب
شب تیره چون اژدہای سیاه	زماہی بر آورد سر سوے ماه
سیہ کرد بر شبروان راه را	فرو برد چون اژدہا ماه را
سپاه سحر چون علم برکشید	جہان، حرف شب را قلم درکشید
چو سلطان شب، چتر بر سر گرفت	سواد جہان راه عنبر گرفت
ستاره چنان گنجے از زر فشاند	کہ مہد زمین گاؤ، بر گنج راند
کہ چون شاه چین صبح را بار داد	عروس عدن، دُر، بہ دنیار داد (رات، ستاره، آفتاب)
چو شب در سر آورد کلے پرند	سیر مہ در آمد بہ مشکین کمند

استعارات اور تشبیہات نظامی کی خصوصیات شاعری مین نہایت نمایان خصوصیت استعارات اور تشبیہات کی جدت ہے، استعاره اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنّن

طبع کے کلام آئے تو وہ کوئی بڑی چیز نہین، لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہین جنکا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے، جو بات صفحون مین ادا ہوسکتی ہے، ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے، صورت واقعہ کی تصویر اسطرح سامنے آجاتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہین آسکتی تھی، اس قسم کے استعارات اور تشبیہین اور شعرا کے ہان بہت کم پائی جاتی ہین، لیکن **نظامی** کا کلام ان سے بھرا پڑا ہے، مثلاً دارا جب زخم کھا کر گرا ہی، اس موقع پر اس واقعہ کو یون ادا کرتے ہین،

نسب نامۂ دولت کیقباد	ورق بر ورق ہر سوے برد باد

دارا سلسلۂ کیانی کا اخیر فرمانروا تھا، اور اسکے مرنے سے گویا اس عظیم الشان خاندان کی تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو **تشبیہ** نے کس قدر مؤثر اور بلند کر دیا، دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا، یعنی جس طرح نسب نامہ مین تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہین، دارا کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہے، اور اسکے دیکھنے سے کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس، سب کی مجموعی عظمت و شوکت آنکھون مین پھر جاتی ہے، پھر اس کے مرنے کو یون بیان کیا کہ نسب نامۂ کیانی کا ایک ایک ورق اُڑ گیا، اسی مضمون کو ایک اور **تشبیہ** کے ذریعہ سے ادا کیا ہی،

بہار فریدون و گلزار جم	زباد خزان گشت تاراج غم

سکندر نے جب دارا کی سسکتی لاش کو اپنے زانو پر رکھ لیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین،

سر خستہ را بر سر ران نہاد	شب تیرہ بر روز رخشان نہاد

سکندر نے جب دارا کو گستاخانہ جواب لکھا ہے، تو دارا کہتا ہی،

ازان ابر عاصی چنان ریزم آب | کہ نارد دگر دست بر آفتاب

اس سرکش بادل کو اس طرح نچوڑ دون گا | کہ پھر آفتاب پر ہات نہ بڑھا سکے

سکندر نے جب ایک حبشی سردار پر حملہ کیا ہے تو حملہ کی تیزی اور زور کو اس طرح ادا کرتے ہین،

بہ کبک دری چون ؟ درآید عقاب	چگونہ ؟ جہد بر زمین آفتاب
ازان تیز تر خسرو پیلتن	بہ تندی درآمد بر آن اہرمن

آفتاب سورج کو بھی کہتے ہین اور دھوپ کو بھی، اس موقع پر بلاغت کے انداز کو دیکھو، تشبیہ سے ابتدا نہین کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہین، کہ تم کو خیال ہے کہ عقاب، چکور پر کیونکر گرتا ہے، دھوپ کس طرح زمین پر دفعۃً چھا جاتی ہے ؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن مین اچھی طرح یہ سمان قائم ہو جائے، پھر کہتے ہین وہ اس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ سکندر نے اس دیو پر حملہ کیا، حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کرکے سکندر کو آفتاب اور حریف کو زمین سے تشبیہ دینا، یون بھی موزون تھا، تشبیہ مرکب نے اس لطف کو اور دوبالا کر دیا،

سکندر نے جب ایک روسی پہلوان پر کمند پھینکی ہے، اس موقع پر کہتے ہین،

بینداخت چون چنبر روزگار | کمند عدو بند را شہریار

کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اس طرح کمند پھینکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہین سکتا تھا، اس مضمون کو چنبر روزگار کی تشبیہ نے کس قدر پرزور کر دیا،

رسول اللہ صلعم نے جب خسرو پرویز کو خط لکھا ہے تو خط مین عرب کی رسم کے مطابق اپنا نام خسرو کے نام سے پہلے لکھا تھا، خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران مین بادشاہ کا نام عموماً تمام تحریرون مین پیشانی پر لکھا جاتا تھا، رسول اللہ کا نام سرنامہ پر دیکھکر خسرو سخت جھلا اُٹھا، اور خط کو پُرزے پُرزے کرکے پھینکدیا، اس موقع کو نظامی نے شیرین خسرو مین جہان لکھا ہے، خسرو کی جھلاہٹ اور برہمی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہین،

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید	تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

دیوانہ کتا جب کسی کو کاٹ کھاتا ہے، تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھکر بڑے زور سے جھجکتا ہے

اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ کا خط آب شیرین ہے، خسرو نے چونکہ رسول اللہ کے خط سے بے ادبی کی ہے، اسلئے شاعر اسکو سگ نجس سمجھتا ہے، نوری اور شدت کی جھلاہٹ، سگ گزیدہ کی اس مخصوص حالت سے بڑھکر نہین ہوسکتی، ان سب باتون کو پیش نظر رکھو، تو نظر آئے گا کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہوسکتا تھا اور کسی طرح ادا نہین ہوسکتا تھا،

قدما اور متاخرین کی خصوصیات جدا جدا ہین اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ گو قدما کی متانت، پختگی، جزالت، کے مقابلہ مین متاخرین کا کلام سبک معلوم ہوتا ہے تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتین اس قابل ہین کہ اُن پر رشک کیا جائے، انمین ایک، تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت ہے، قدما آس پاس کی چیزون سے

سادہ سادہ تشبیہین پیدا کرتے تھے، استعارے بھی سادے اور سہل المآخذ ہوتے تھے، لیکن متاخرین کے زمانہ مین تمدن بہت ترقی کر گیا تھا، اسلیے انسانی احساسات نازک اور لطیف ہو گئے تھے، اِس بنا پر اب قدما کی تشبیہین بے مزہ ہو گئی تھین، اسکو مادیات کے ذریعہ سے یون سمجھو کہ جب کسی قوم کا تمدن، ابتدائی حالت مین ہوتا ہے تو وہ نہایت تیز اور کرخت خوشبو کو پسند کرتی ہے، اور کم درجہ کی خوشبو کو اِسکا دماغ اچھی طرح محسوس نہین کر سکتا، یہی سبب ہے کہ عرب مشک، اور عنبر، اور ہند و تلسی اور ناز بو، کی خوشبو پسند کرتے تھے، لیکن آج چونکہ ہر چیز مین لطافت پیدا ہو گئی ہے، مشک اور تلسی کی خوشبو سے بعض وقت دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے، اب گلاب اور کیوڑہ کا عطر درکار ہے بلکہ اِس سے بھی بڑھکر انگریزی عطر محبوب ہے، جو اسقدر لطیف ہوتا ہے کہ عام آدمیون کو اسکی خوشبو محسوس بھی نہین ہوتی، استعارہ اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہی، استعارہ اور تشبیہ کی یہ لطافت، متاخرین کا خاصہ ہے، مثلاً قدما معشوق کے چہرہ کو آفتاب سے، اور اُس کی ہنسی کو خندۂ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق مین ایک شاعر کہتا ہی، ع صبح ز خورشید رخت خندۂ،

یعنی معشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہو گئی، یعنی صبح خود معشوق کی ہنسی کا نام ہی،

استعارہ اور تشبیہ کی اِس لطافت اور نزاکت کے موجد نظامی ہین، انھون نے اِس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہین پیدا کین کہ متاخرین مین سے بھی کسی ایک شاعر کے کلام مین نہین مل سکتین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

بہ باغ شعلہ در، دہقان انگشت — بنفشہ می درود لالہ می کشت

کہنا یہ تھا کہ انگیٹھی مین آگ جلائی تو دھوان کم ہو جاتا تھا اور آگ بھڑکتی جاتی تھی، اس کو اسطرح ادا کیا کہ انگیٹھی کا دہقان، شعلون کے باغ مین بنفشہ کاٹتا جاتا تھا اور لالہ بوتا جاتا تھا،

درآمد نقشبند مانوی دست — زمین را نقشہ ہاے بوسہ می بست

کہنا یہ تھا کہ مصور جب دربار مین آیا، تو آداب دربار کے موافق زمین بوس کرتا آتا تھا اسکو اس طرح پر ادا کیا کہ مصور بوسون سے نقش و نگار کرتا آتا تھا،

بہ نوشین لب، آن جام را نوش کرد — ز لب جام را حلقہ در گوش کرد

پیالہ پینے کے وقت لب، کی جو ہیئت پیدا ہوتی ہے اُسکو حلقہ سے تشبیہ دی ہی، اور اس بنا پر پیالہ کو لب کا حلقہ بگوش قرار دیا ہے،

ہوا بر سبزہ ہا گوہر گسستہ — زمرد را بہ مروارید بستہ

شبنم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرد سے تشبیہ دی ہی، اس بنا پر کہتا ہے کہ ہوا نے سبزہ پر جو موتی بکھیر دیے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمرد مین موتی ٹانک دیے ہین،

ز گیسو گہ کمر سے کرد و گہ تاج + — بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج

معشوقہ جو زلفون کا کبھی جوڑا باندھتی تھی اور کبھی کمر پر چھوڑ دیتی تھی، اسکو تاج و کمر سے تشبیہ دی ہی،

قلم کی تعریف، ع — مشک در جیب لعل در دامان،

عاشق و معشوق کا ہمکنار ہونا،

شبا روزے دگر خفتند مدہوش	بنفشہ در سر و نسرین در آغوش

نوشابہ کا جواب دینا،

بہ پاسخ نمودن زن ہوشمند	ز یاقوت سربستہ بکشاد بند
ازان سیگون سکۂ نوبہار	درم ریز کن برلب جوئبار

آغاز بہار مین جو شگوفے کھلتے ہین اُن کو، بہار کا سکہ قرار دیا ہی،

ز باریدن ابر کافور بار،	سمن رستہ از دستہاے چنار

یعنی چنار کے پتون پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنار کے ہاتون پر چنبیلی کے پھول کھلے ہین،

سمنبر غافل از نظارۂ شاہ	کہ سنبل بستہ بد بر نرگسش راہ

یہ اُسوقت کا بیان ہے کہ شیرین نہارہی تھی، اور زلفون کو چہرہ پر چھوڑ دیا تھا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ شیرین کو خسرو کے نظارے کی خبر نہ تھی، کیونکہ سنبل نے نرگس کا راستہ روک رکھا تھا،

کشادہ طاق ابرو تا سر دوش	کشیدہ طوق غبغب تا بنا گوش
خواب نرگس، خمار دیدۂ او	ناز نسرین، درم خریدۂ او
چو بر فرق، آبے انداخت از دست	فلک بر ماہ مروارید می بست
سمن ساقی و نرگس جام بر دست	بنفشہ در خمار و سرخ گل مست
بنفشہ تاب زلف افگندہ بر دوش	کشادہ باد نسرین را بنا گوش

گونہ گونہ گلے شگفتہ دردو	سبزہ بیدار آب خفتہ درد

بعض اوقات تشبیہ سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے اس قسم کی تشبیہات آج تک کسی نے نظامی سے بڑھکر بلکہ اُن کے برابر بھی نہین پیدا کین، مثلاً،

کمند اژدہاے مسلسل تشنج	دہن باز کردہ بہ تاراج گنج
زمین کو بساطے بُد آراستہ	غبارے شد از جای برخاستہ
دران دجلۂ خون، بلند آفتاب	چو نیلوفر افگندہ زورق در آب
زشمشیر برگشتہ جاے نبود	کہ در غار روے اژدہاے نبود

زخم کو غار، اور تلوار کو، اژدہا سے تشبیہ دی ہے،

اے مدنی برقع و مکی نقاب	سایہ نشین چندبود آفتاب
تاج تو وتخت تو دارد جہان	تخت زمین آمدہ تاج آسمان
زبس خون کہ گرد آمد اندر مغاک	چو گوگرد سرخ آتشین گشت خاک
نہنگ خدنگ، از کمین کمان	نیاسود بر یک زمین، یک زمان

شاعری کی لطافت اور رنگینی، کا ایک بڑا راز یہ ہے کہ بے جان چیزون کو صاحب ادراک قرار دیکر ان کی نسبت ارادی کام منسوب کیے جائین مثلاً عرفی کہتا ہے،

نہ گفت ومن بشنودم، ہر انچہ گفتن داشت	کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم
لبش، چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت	فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یعنی اُسنے کچھ نہین کہا لیکن مین نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرتے ہین، اُس کی نگاہون نے
زبان سے پیشدستی کی، جب ہونٹون نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامعہ کوثر کی موجون
مین ڈوب گیا، یا مثلاً

راضیم از نگہ شوق کہ گوید ہمہ باز		از زبان، انچہ دم عرض تمنا ماند		

متاخرین نے اِس طرز کو نہایت وسعت دی، اور اِس سے نہایت لطیف اور رنگین
نئے نئے اسلوب پیدا کیے، لیکن اِس طرز کے موجد نظامی ہین، شیرین خسرو مین
لکھتے ہین،

مان باشاہی گفت آن بناگوش — کہ مولاے توام، ہا۔ حلقہ در گوشش
سر بپیچید، گیسو مجلس آراست — چو رخ گردید گردن عذر ہا خواست
بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر — سمندش را برقص آرد بیک تیر
بگویم زلف را تا یک فن آرد — شکیش را رسن در گردن آرد

نظامی کے یہ مضامین، متاخرین کے شمع راہ بنے، جس کی روشنی مین انکو ناگون
اسالیب کا سلسلہ ہات آگیا، نظامی نے جب (پہلے شعر مین) بناگوش کی نسبت یہ
باندھا کہ اِسی نے چپکے سے بادشاہ سے کہا، تو بے تکلف ایک شاعر، اسکو یون بدل کر کہہ
سکتا ہے،

ع زلف او خم شدہ در گوش سخن سے گوید،

شعر کے سیکڑون انواع ہین، لیکن بڑی قسمین یہ ہین، رزمیہ عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی،

جذبات انسانی کا اظہار، اور مناظر کی تصویر، ان مین سے ہر نوع کو **نظامی** نے لیا ہے اور معراج ترقی تک پہنچا دیا ہے،

سکندر نامہ مین انھون نے لکھا ہے کہ سکندر کے حالات تین حیثیتین رکھتے ہین سلطنت، نبوت، فلسفہ و حکمت، مین تین قسم کے حالات لکھون گا، اور تفصیل سے لکھون گا

گروہیش خوانند صاحب سریر	ولایت ستان بلکہ آفاق گیر
گروہے ز دیوان دستور راو	بہ حکمت نوشتند منشور او
گروہے ز پاکی و دین پروری	پذیرا شدندش بہ پیغمبری
من از ہر سہ دانہ کہ دانا فشاند	درختے برومند خواہم نشاند

چنانچہ سکندر نامہ بری مین، کشورستانی، اور سکندر نامہ بحری مین، پیغمبری کے واقعات اور فلسفیانہ بحثین ہین،

فارسی مین فلسفیانہ مسائل ناصر خسرو کے سوا کسی نے ادا نہین کئے، لیکن ناصر خسرو نے تمام اصطلاحین وہی عربی کی قائم رکھی ہین، اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی مین فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہین تو نہین کر سکتے، بوعلی سینا کی کتاب حکمت علائیہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہو، لیکن انصاف یہ ہے کہ **نظامی** نے فلسفیانہ مسائل اس حد تک لکھدیے ہین کہ زبان کی کم مائگی کی شکایت نہین ہوسکتی، اور اگر متاخرین بھی اسکے نقش قدم پر چلتے تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زبان بنگئی ہوتی،

سکندر نامہ بحری مین انھون نے ایک خاص داستان سکندر اور حکمای یونان

ی فلسفیانہ بحثون کے متعلق لکھی ہی، اِس مین ارسطو، فلاطون، والیس، بلنیاس، سقراط، فرفوریوس، (پارفیرپس) ہرمس، کے اقوال اور رائین لکھی ہین، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کیے تھے، سکندر کی زبان سے اُنکے جوابات لکھے ہین ان تمام بحثون مین فلسفہ کی اصطلاحین فارسی مین ادا کی ہین، عربی الفاظ جابجا آتے ہین لیکن اِس حد تک کہ زبان نامانوس، اور دساتیر وژند نہ بنجاے،

ایک ہندو حکیم نے سکندر سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہی؟ اِس مین کہان سے تاثیر پیدا ہوتی ہی؟ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جاے تو اُسکی ترقی کا سبب ہوتا ہے بخلاف اِسکے بد نظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اُسی کو نظر لگتی ہی، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھ سے شعاعین نکلکر اُس چیز پر پڑتی ہین، شعاع ہوا سے گزر کر اُس چیز تک پہنچتی ہی، اب ہوا مین اگر سمیت ہے تو یہ شعاعین بھی اُس سے آلودہ ہوکر زہریلی ہوجاتی ہین، اور اُس چیز کو جاکر نقصان پہنچاتی ہین،

اِس سے قطع نظر کرکے کہ سوال وجواب، دونون طفلانہ ہین، یہ دیکھو کہ نظامی ان باتونکو کن الفاظ مین ادا کرتے ہین،

دگر بار ہندو درآمد بہ گفت	گہر کرد با نوک الماس جفت
کہ بر چشم بد، شاہیے دہ مرا	زچشم بد، آگاہیے دہ مرا
چہ نیرو است، در جنبش چشم بد	کہ نیکوی خود را کند چشم زد
ہمہ چیز را کازمائش رسید	چو دیدہ پسندد، فزائش رسید

جز او را که هر چه پسند آورد	سر و گردنش زیر بند آورد
بهر حرفتے چون که دیدیم ژرف	درستی ندیدیم در هیچ حرف
همین یک کماندار شد از نخست	بر آماج گه تیر او شد درست
بگو تا چه نیرو دست، نیروے او	
جهاندار گفتا که طالع شناس	چنین آرد از روی معنی قیاس
که بر هر چه گردد نظر جا گیر	گذر بر هواے کند ناگزیر
بر آن چیز کارد نظر تاختن	کند با هواے دم ساختن
بنہ چون در آرد بدان رخت گاه	هوا نیز یابد بر آن رخنه راه
هوا گر هواے بود سودمند	درارکان آن چیز ناید گزند
مزاج هوا گر بود زهرناک	ببیند از آن چیز را در مغاک
هواے بدست آنکه در چشم زد	بدارد به همراهیے چشم بد

موجودات کی ابتدا، اور اُنکی ترتیب، افلاک، عناصر، سلسلۂ علل، ان تمام بحثون کے متعلق، یونانی حکما کی رائین نقل کی ہین، اور ان تمام مباحث مین بہت کم عربی کے الفاظ کو دخل دیا ہی،

اخلاقی شاعری

نظامی کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے، مخزن اسرار کے سوا جو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مثنویون مین بھی جا بجا اخلاقی ہدایتین موقع بموقع لکھی ہین، چنانچہ کسی صاحب ذوق نے، خاص اس قسم کے اشعار کو اُنکے پنج گنج

ے چن کر یکجا جمع کر دیا ہے اور اخلاق کے ۳۵ عنوان قرار دیکر ایک ایک عنوان کے
یچے تمام مثنویون کے وہ اشعار نقل کر دیے ہین، جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے۔ مین نے
س مجموعہ کا ایک نہایت خوشخط نسخہ، عالمگیری کتب خانے کا حیدرآباد مین دیکھا تھا،

بات انسانی | شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو **نظامی** نے جس رتبہ پر پہنچایا، قدما
ن فردوسی کے سوا، اس کی نظیر نہین مل سکتی، اور انصاف یہ ہے کہ فردوسی بھی اس
وصیت مین اُنکی ہمسری نہین کر سکتا، **فردوسی** نے جہان جذبات کا اظہار کیا ہے
ولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے، بخلاف اسکے نظامی نہایت نازک، لطیف اور
ق پہلوؤن کو پیش نظر رکھتے ہین، مثلاً **دارا** جب زخمی ہو کر گرا ہے تو **سکندر**
کے پاس گیا ہے اور دارا نے اُس سے حسرتناک باتین کی ہین، فردوسی نے اس
قع پر وہی معمولی افسوس اور عبرت کے کلمات ادا کر دیے ہین، جو ہر شخص کے خیال
ن آسکتے ہین لیکن نظامی کی نظران نازک اور دقیق نکتون تک پہنچی ہے، جہان ہر شخص کا
م رسائی نہین پا سکتا، دارا کوئی معمولی آدمی نہ تھا، بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا شاہ اور شاہنشاہ
ا، شکست کھانے اور خود اپنے نوکرون کے ہات سے زخمی ہو کر مرنے کا اُسکو صدمہ ہے
ا سوجہ سے افسوس، حسرت، اور بیکسی کے خیالات اُسکے دل مین ہجوم کرتے ہین،
ن ساتھ ہی شاہنشاہانہ ادعا غرور اور تمکنت کا نشہ بھی سر مین ہے، اسلئے اسکے
ردہ اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لہجہ مین ادا ہوتے ہین، اُسکی آہین
ن نعرۂ جنگ ہین، اُسکی پُرحسرت نگاہین بھی برق غضب ہین، نظامی ان تمام

خصوصیات کو دکھاتے ہیں۔

چو در موکب قلب دارا رسید	ز موکب روان ہیچ کس راندید
تن مرزبان دید در خاک و خون	کلاہِ کیانی شدہ سرنگون
بہ بازوے بہمن برآسودہ مار	ز روئین دژ افتادہ اسفندیار
بہار فریدون و گلزار جم	ز باد خزان گشتہ تاراج غم
نسب نامۂ دولت کیقباد	ورق بر ورق ہر سوے بردہ باد
سکندر فرود آمد از پشت بور	درآمد بہ بالین آن پیل زور
بہ بالین گہ خستہ آمد فراز	ز درع کیانی گرہ کرد باز
سر خستہ را بر سر ران نہاد	شب تیرہ بر روز رخشان نہاد
چو دارا بر ویش نگہ کرد و دید	بہ سوز جگر آہ از دل کشید
چنین داد دارا بخسرو جواب	کہ بگزار تا سر نہم من بہ خواب
رہا کن کہ در من رہائی نماند	چراغ مرا روشنائی نماند
سپہرم بدان گونہ پہلو درید	کہ شد در جگر پہلوم ناپدید
رہا کن کہ خواب خوشم مے برد	زمین آب و چرخ آتشم مے برد
سر سروران را رہا کن ز دست	تو مشکن کہ مارا جہان خود شکست
چو من زین ولایت کشادم کمر	تو خواہ افسر از من ستان خواہ سر
اگر تاج خواہی ربود از سرم	یکے لحظہ بگزار تا بگذرم

مبین سر درا در سر افگندگی	چنان شاہ را در چنین بندگی
درین بندم از زحمت آزاد کن	بہ آمرزشش ایزدی یاد کن
چو گشت آفتاب مرا زردی زرد	نقاب بے بمن در کش از لاجورد
نگردان سر خفتہ را از سریر	کہ گردون گردان بر آرد نفیر
تو اے پہلوان کامدی سوے من	نگہدار پہلو ز پہلوے من
کہ با آن کہ پہلو دریدم چو میغ	ہمے آید از پہلوم بوے تیغ
چہ دستے کہ با مادر ازی کنی	بہ تاج کیان دستبازی کنی
نگہدار دستت کہ دار است این	نہ پنہان چو روز آشکار است این
زمین را منم تاج تارک نشین	مجنبان مرا تا نہ جنبد زمین

اِس واقعہ کو بعینہ **فردوسی** نے بھی لکھا ہی، لیکن زور اور اثر نہین، چنانچہ اِس موقع کے اشعار ہم درج کرتے ہین،

بر آنم کہ از پاک دادار خویش	بیابی تو پاداش گفتار خویش
یکے آن کہ گفتی کہ ایران تراست	سر تاج و تختِ دلیران تراست
بمن مرگ نزدیک تر زانکہ تخت	بپرداخت تخت از نگون گشتہ بخت
برین است فرجام چرخ بلند	خرامش ہمہ رنج و سردش گزند
بمردی نگر تا نگوئی کہ من	فزونم ازین نامدار انجمن
بد و نیک ہر دو ز یزدان شناس	ازو دار تا زندہ باشی سپاس

نمودارِ گفتار من، من بسم   برین داستان عبرت ہر کسم
کہ چندان بزرگی و شاہی و گنج   مرا بود وازمن نشد کس برنج
ہمان نیز چندان سلیح و سپاہ   گران مایہ اسپان و تخت و کلاہ
ہمان نیز فرزند و پیوستگان   چہ پیوستگان داغ دلخستگان
زمین و زمان بندہ بد پیش من   چنین بود تا تخت بد خویش من
چو از من ہمان بخت بیگانہ شد   ہمہ کاخ و ایوان چو ویرانہ شد
زنیکی جدا ماندہ ام زین نشان   گرفتار در دست مردم کشان
ز فرزند و خویشان شدہ نا امید   سیہ شد جہان، دیدگانم سفید
زخویشان کسے نیست فریادرس   امیدم بپروردگار است و بس
برین گونہ خستہ بخاک اندرم   زگیتی بدام ہلاک اندرم
برین است آئین چرخ روان   اگر شہریاری اگر پہلوان
بزرگی بفرجام ہم بگزرد   شکارست و مرگش ہمی بشکرد
سکندر ز دیدہ بباریدخون   بران شاہِ خستہ بخاک اندرون
چو دارا بدید از دل درد اوی   سرشک روان بر رخ زرد اوی
بدو گفت گرہی کز و سود نیست   ز آتش مرا بہرہ جز دود نیست

مناظر

مناظر قدرت کو جابجا لکھا ہے اور جہان لکھا ہی نیچر کی تصویر کھینچدی ہی
مناظر قدرت مین باغ و بہار ایک عام موضوع ہے جسپر تمام شعرا نے طبع آزمائیکی

ن، اور داد سخن دی ہے، لیکن نظامی یہان بھی سب سے علٰحدہ اور سب سے ممتاز ہین، تمام
مرا نے صرف بہار کا سماد کھانے پر اکتفا کیا ہے، لیکن نظامی نے اِسکے ساتھ یہ بھی
جایا ہے کہ بہار مین ایک رنگین مزاج پر کس طرح نشہ سا چھا جاتا ہی، وہ باغ مین جاتا ہی
ولون سے کھیلتا ہے، گلدستے بناکر درختون پر اُچھالتا ہی، نہر کے کنارے ٹیھ جاتا ہی
رشگوفے توڑ توڑ کر نہر مین بہاتا ہے، حوض کے پاس چنبیلی کے پھولون کا بچھونا بچھاتا ہے
ل مین معشوق ہے، اُس کی زلفون کے حلقے اپنی گردن مین ڈالتا ہے، اور دنیا سے
اد ہو جاتا ہے، مرغان چمن سے فرمائش کرتا ہے کہ ہان پھر اسی انداز سے اُڑنا ساتھ ہی
از بھی چھیڑتا جاتا ہے، اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہی

بیا باغبان خرمی ساز کن	گل آمد در باغ را باز کن
نظامی بباغ آمد از شہربند	بیارای بستان بچینی پرند
ز جعد بنفشہ برانگیز تاب	سر نرگس مست برکش ز خواب
ز سیماے سبزہ فرو شوی گرد	کہ روشن بہ شستن شود لاجورد
درختان شگفتند در طرف باغ	برافروختہ ہر گلے چون چراغ
بمرغ زبان بستہ آواز دہ	کہ پرواز پارینہ را ساز دہ
سراینده کن نالۂ چنگ را	برآور برقص این دل تنگ را
سر زلف معشوق را طوق ساز	برافگن ز گردن خود این طوق باز

۵ یہ نکتہ بھی بلحاظ رکھنا چاہیے کہ نظامی نے ان باتون کو بجاے خبر کے انشا کے پیرایہ مین ادا کیا ہی اور یہ زیادہ بلیغ ہے

ریاحین سیراب را دستہ بند	برافشان بر بالاے سرو بلند
ازان سیمگون سکۂ نو بہار	درم ریزکن بر لبِ جوئبار
بہ پیرامنِ برکۂ آب گیر	زسوسن درافگن بساطِ حریر

عشقیہ ایران کی شاعری کا اصل مایۂ ناز عشقیہ شاعری ہی، اور اِس مین شبہ نہین کہ عشق وعاشقی کے معاملات اور راز و نیاز، جس رنگینی اور دلفریبی سے ایرانی شاعری نے ادا کیے، دنیا کی اور کوئی زبان اِس انداز سے ادا نہین کرسکتی، اس قسم کی شاعری کے لیے غزل مخصوص کردی گئی ہی، اور اِسکے موجد **شیخ سعدی** خیال کیے جاتے ہین، نام کے لیے غزل کی بنیاد ان سے بھی بہت پہلے پڑچکی تھی، لیکن انصاف یہ ہی کہ وہ قدما کے بوڑھے غمزے ہین،

بے شبہ غزل کے موجد **سعدی** ہین، لیکن غزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد **نظامی** کا خاص کارنامہ ہی، عشقیہ مثنویان، نظامی سے پہلے بھی لکھی گئین جنمین سے فردوسی کی یوسف زلیخا آج بھی موجود ہے، لیکن مثنویان وہی قدما کی غزلین ہین نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی اور اُسکو ترقی دی اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) عشق وعاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لیے ایک خاص زبان درکار ہے، جسکے الفاظ نازک، لطیف، اور شیرین ہون، خاص قسم کے استعارات اور تشبیہین ہون، ادا مین دلاویزی اور دلفریبی ہو، یہ زبان خاص **نظامی** نے

پیدا کی ہے، قدما کی عشقیہ مثنویون کا نظامی کی کسی مثنوی سے مقابلہ کرو تو یہ فرق صاف نظر آتا ہے،

غزل کے مہمات مضامین یہ ہین معشوق کے حسن کی تعریف، ادا اور ناز و غمزہ کے کرشمے، الگ الگ اعضا کا بیان، اور انکی تشبیہات، عاشق و معشوق کے معاملات یعنی راز و نیاز، اصرار و انکار، سوال و جواب، عجز و غرور، وغیرہ ان تمام مضامین کو نظامی نے اس وسعت، تنوع، رنگینی، اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ انکا ہر ہر شعر سیکڑون غزلون کا سرمایہ ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین،

شیرین کا غسل کرنا،

چو قصد چشمہ کرد آن چشمۂ نور	فلک را آب در چشم آمد از دور
پرند آسمان گون بر میان زد	بشد در آب و آتش در جہان زد
تن صافش کہ می غلطید در آب	چو غلطد قاقمے بر روی سنجاب
چو بر فرق، آب مے انداخت از دست	فلک بر ماہ، مروارید می بست
ز ہر سو شاخ گیسو، شانہ می کرد	بنفشہ بر سر گل، دانہ می کرد
در آب انداختہ از گیسوان شست	نہ ماہی بلکہ ماہ آوردہ در دست

شیرین آراستہ ہوکر خسرو کے سامنے آتی ہی،

پس آنگہ ماہ را پیرایہ بر بست	نقاب آفتاب از سایہ بر بست
فرو پوشید گلنارے پرندے	برو ہر شاخ گیسو چون کمندے

سرآغوشے بر آمودہ بگوہر (دوپٹہ ۱۲)	برسمِ چینیان انگندہ بر سر
بدین طاؤس کردارے ہمائے	روان شد چون تدروے در ہوائے

ایک موقع پر جب خسرو نے شیرین سے زیادہ اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ برہم ہو کر اُٹھی ہے، اس حالت مین اُسکا تن کر کھڑا ہونا، پیشانی کا غصّہ سے سمٹنا، چہرہ کا کھولنا، بدن ڈھکنے مین حُسن کا اور چمکنا، بالون کو کبھی سمیٹنا اور کبھی چھوڑ دینا، ان تمام اداؤن کو کس خوبی سے ادا کیا ہے،

بگفت این وچو سرو از جای برخواست	جبین را گرد کرد و فرق را راست
یہ کہہ کر سرو کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی	پیشانی سمٹ گئی اور قد تن گیا
بہ آن آئین کہ خوبان رابود دست	زنخدان می کشاد و زلف می بست
اس خاص انداز سے جو حسین معشوقون کو کمال ہوتا ہے	چہرہ کھولنے اور بال سمیٹنے لگی:
جمال خویش را در خز و خارا	بہ پوشیدن ہمے کرد آشکارا
اپنے حسن کو حریر اور کمخواب مین جسقدر	چھپاتی تھی، اُسی قدر اور کھلتا تھا،
گہے بر فرق تند آشفتہ می بود	گرہ می بست و بر مہ مشک می سود
کبھی زلفون پر جھلاتی تھی، اس مین	گھونگر بناتی تھی اور چاند پر مشک ملتی تھی
بہ زیور راست کردن دیر می شد	کہ پایش بر سرِ شمشیر می شد
زیور کے سنبھالنے مین دیر ہوئی جاتی تھی	کیونکہ جلدی کی وجہ سے گویا اسکا قدم تلوار پر تھا
زگیسو گہ کمر مے کرد گہ تاج	بدان تاج و کمر گشتہ محتاج

زلفونکو کبھی کمر سے لپیٹتی تھی اور کبھی سر پر جوڑا باندھتی تھی ، جو کمر بند اور تاج بنجاتی تھی اور اس کمر بند اور تاج کا خود خسرو بھی مستحق تھا

ایک موقع پر شیرین جب رنجھ کر اُٹھی تو اِس ادا سے اُٹھی جس مین لگاوٹ بھی پائی جاتی تھی، اسکی تصویر، اِس طرح کھینچی ہی،

بہ چشمے ناز بے اندازہ میکرد	بہ دیگر چشم عذرے تازہ میکرد
چو سر پیچید، گیسو مجلس آراست	چو رخ گردید، گردن عذر ہا خواست
نمود اندر ہزیمت، شاہ را پست	بہ گو گرد سفید آتش ہمی کشت
غلط گفتم نمودش تختۂ عاج	کہ شہ را نیز باید تخت با تاج
حسابے دیگر آن بودش دران کوے	کہ پشتم نیز محرابے است چون روے
دگر وجہ آنکہ گر وجہے شد از دست	ازان روشن ترم وجہے دگر ہست
چہ خوش نازیست نازے خوبرویان	ز دیدہ راندہ را، ز دیدہ جویان
بہ چشمے خیرگی کردن کہ برخیز	بہ دیگر چشم دل دادن کہ مگریز

منھ پھیر کر بھاگنے کی توجیہین کس قدر شاعرانہ ہین، یعنی اُسکو یہ دکھانا تھا کہ جس طرح میرا چہرہ، محرابی اور روشن ہے، اِسی طرح پیٹھ بھی محرابی اور بلوری ہی،

غزلیہ شاعری کا ایک بڑا میدان معشوق کا ناز و غرور ہے نظامی نے داستانکی داستان اِس مضمون پر لکھی ہے، جسکا ہر شعر غزل کا کام دیسکتا ہی،

خسرو نے جب شیرین کو شاہی اقتدار کا زور دکھانا چاہا ہی تو وہ کہتی ہی،

ہنوزت در سر از شاہی غرور است	دریغا کین غرور از عشق دور است

ابھی تک تیرے سر مین سلطنت کا غرور ہے

لیکن افسوس، عشق کو غرور سے کیا نسبت!!

درین گرمی کہ آہ سرد باید

اِس گرمجوشی مین کہ آہ سرد کی ضرورت ہے

دل آسان است بادل درد باید

دل آسان ہے لیکن دل مین درد مشکل ہے

ہنوزم ہندوان آتش پرستند

ابھی تک ہندو، مجھکو پوجتے ہین

ہنوزم چشم چون ترکان مستند

ابھی تک میری آنکھین تُرک ہین

ہنوزم لب پُر آب زندگانی است

ابھی تک میرے ہونٹون مین آب حیات ہے

ہنوزم آب در جوی جوانی است

ابھی تک میرے چشمہ مین آب شباب ہے،

بہ غمزہ گرچہ ترکی دستانم

اگرچہ غمزہ کے لحاظ سے مین ترک ہون

بہ بوسہ دلنوازی نیز دانم

لیکن بوسہ سے مین دلداری بھی کر سکتی ہون

بروتا بر تو نکشانم بخون دست

ہٹ جا!! ایسا نہو کہ مین تیرے اوپر ہاتھ ڈالدون

کہ در گردن چنین خونم بسے ہست

ایسے اور بہت سے خون میری گردن پر ہین

خسرو نے جب **شاپور** کے ہات شیرین کو بلا بھیجا ہے تو وہ کہتی ہے،

اگر خسرو نہ کیخسرو بود شاہ

بناید کردنش سرپنجہ باماہ

بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر

سمندش را برقص آرد بیک تیر

فرستم زلف را تا یک فن آرد

شکیبش را رسن در گردن آرد

مین زلف کو بھیجدونگی کہ چالاکی سے خسرو کے صبر کو گرفتار کرکے لائے،

مزاحی کردم و او خواست پنداشت

دروغے گفتم و او راست پنداشت

مینے تو دل لگی کی تھی، تو وہ تقاضا سمجھے — مینے جھوٹ کہدیا تھا وہ سچ سمجھ گئے

خسرو ایک مرتبہ چند ندیمون کے ساتھ مستی کی حالت مین شیرین کے مکان پر گیا، شیرین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کر کوٹھے سے اُترنا مناسب نہ سمجھا، خواصوان کو بھیجا کہ شہ نشین مین فرش کرکے وہین خسرو کو بٹھائین، خسرو کوٹھے پر جانا چاہتا ہی شیرین منظور نہین کرتی ، اِس موقع کا سمان اور سوال وجواب کا انداز دیکھو،

رقیبے را بنزد خویشتن خواند — کہ مارا نازنین بر در چرا ماند
ایک خواص کو اپنے پاس بُلایا اور کہا — کہ مجھکو نازنین نے باہر کیون بٹھایا
درون شو، گو نہ شاہنشہ، غلامی — فرستاد است نزدیکت پیامی
اندر جاکر کہو کہ ایک شاہنشاہ نے نہین، بلکہ — ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے
کہ مہمانے بہ خدمت مے گراید — چہ فرمائی؟ درآید یا نیاید
کہ ایک مہمان خدمت کے لیے آیا ہی — کیا ارشاد ہی؟ اندر آئے یا نہ آئے
بدین زاری پیام شاہ می گفت — شکرلب می شنید و آہ می گفت
بادشاہ کا عاجزانہ پیغام شیرین سُنتی تھی، اور افسوس کرتی تھی،

کنیزے کاردان را گفت آن ماہ — بخدمت خیز و بیرون شو سوی شاہ
ایک ہوشیار کنیز سے شیرین نے کہا کہ — بادشاہ کے پاس جا
فلان شش طاق دیبا را برون بر — بزن با طاق این ایوان برابر
مخمل کے تھان لے جاکر — شہ نشین مین بچھاوے،

بنه بر پیشگاه و شقّه بربست — پس آنگه شاه را گو کاے خداوند
اور پردے باندھ کر، — بادشاہ سے کہہ،

نه ترکِ این سرا هندوی این بام — شهنشه را چنین داد است پیغام
اس گھر کی ترک (یعنی معشوق) نے نہیں، بلکہ — ہندو (غلام) نے حضور کو یہ پیغام دیا ہی

اِسکے بعد، خسرو اور شیرین سے دو بدو گفتگو ہوئی رہی ہے، خسرو کہتا ہے کہ تم نے دروازہ کیون بند کر دیا، شیرین جواب دیتی ہی،

حدیث آن که در بستم روا بود — که سرمست آمدن پیشم خطا بود
چو من خلوت نشین باشم تو مخمور — ز تهمت رائے مردم کے بود دور
تو می خواهی مگر کز راهِ دستان — به نقلانم خوری چون نقل مستان
بدست آری مرا چون غافلان مست — چو گُل بوی کنی واندازی از دست
رها کن نام شیرین از لبِ خویش — که شیرینی دهانت را کند ریش
تو در عشقِ من از مالی و جاهے — چه دیدی جز خداوندی و شاهے
تو ساغر می زدی با دوستان شاد — قلم شاپور می زد تیشه فرهاد

اِسکے مقابلہ مین رندانہ شوخیان دیکھو، شیرین جب کسی طرح راضی نہین ہوتی تو خسرو اِس سے کہتا ہی،

بگستاخی درآمد کے دلارام — گرفته چند خواهی بد، بیا رام
خسرو نے گستاخانہ کہا کہ اے معشوق — یہ برہمی کب تک، تو ذرا نرم ہو

چو می خوردی و می دادی بمن یار	چرا باید کہ من مستم تو ہشیار

...نے شراب پی، اور مجھکو بھی پلائی، لیکن، یہ خلاف انصاف ہے کہ مین مست ہوجاؤن اور تم ہوش مین ہو،

شمار بوسہ خواہد بود کارم	تو می دہ بوسہ تا من می شمارم
میرا کام صرف بوسہ کا گننا ہوگا،	تم بوسہ دیتی جاؤ مین گنتا جاؤن گا

یعنی یہ کام تمھارا ہی ہے لیکن مین اسکو تمھاری خاطر سے انجام دیدون گا،

سکندر نے جب کنیزک چینی سے اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ غرور کے لہجہ مین ...پنے اوصاف بیان کرتی ہی، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہین، لیکن اِس موقع پر ...ظامی نے جدت آفرینی سے سکندر کا ایک ایک وصف بیان کرکے، اِس کے ...قابلہ مین اسکی ترجیح کی وجہین، کنیز کی زبان سے ادا کی ہین،

ملک گر ز جمشید بالاتر است	رخ من ز خورشید زیباتر است
شہ ار کیقباد بلند افسر است	مرا افسر از مشک و از عنبر است
شہ ار چون سلیمان شود دیو بند	مرا در جہان ہست دیوانہ چند
شہ ار زانکہ عالم گرفت ای شگفت	من آن را گرفتم کہ عالم گرفت
اگرچہ کمند جہانگیر شاہ	فتادہ است در گردن مہر و ماہ
کمندے من از زلف بر سازمش	نہ ترسم بہ گردن در اندازمش
گر او را کمندے بود ماہ گیر	مرا ہم کمندے بود شاہ گیر
گر او ناوک اندازد از دور دست	مرا غمزۂ ناوک انداز ہست

سکندر رہ بہ حیوان، خطا می رود	من اینجا سکندر کجا می رود
اگر راہ ظلمات می بایدش	سر زلف من راہ بنمایدش
لب من کہ یاقوت رخشان درو ست	بسے چشمۂ آب حیوان درو است

رزمیہ

شاہ نامہ کو سو برس سے اوپر ہو چکے تھے، اس عرصہ مین زبان مین، بڑا انقلاب ہو گیا تھا، سیکڑون الفاظ بالکل متروک ہو گئے تھے، اکثر الفاظ، حروف زائد گرا کر خوبصورت قالب مین ڈھل چکے تھے، عربی کے نئے نئے مانوس الفاظ، داخل ہوتے جاتے تھے، زبان کے انقلاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روش بھی بدل گئی تھی، استعارات اور تشبیہات مین لطافت و نزاکت آگئی تھی، طبیعتین مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھین، ان باتون سے شاہنامہ کی عالمگیر آواز دہیمی پڑنے لگی تھی، قصے زبانون پر رہ گئے تھے، لیکن اشعار بھولتے جلتے تھے اِس بنا پر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تھی، جو سکندر نامہ کے قالب مین نمودار ہوا،

سکندر نامہ کے ہیرو کے انتخاب مین غلطی ہوئی، لیکن مجبوری تھی، قومی تاریخ فردوسی کے حصہ مین آچکی تھی، رسول اللہ کے غزوات اور خلفاء کے معرکون مین شاعری کی گنجائش کم تھی کیونکہ اصلیت سے بال برابر بھی ہٹتے تو مذہبی عدالت مین مجرم قرار پاتے اور شاعری کیلیے کچھ نہ کچھ آب و رنگ چڑھانا ضرور تھا خود دیتے مین

چو نظم گزارش بود راہ گیر	غلط کردنِ رہ بود ناگزیر
مرا کار با نغز گفتاریست	ہمہ کار من خود غلط کاریست

	ندارد نوی، نامہ ہاسے کہن		وگر بے شگفتے، گزاری سخن	

اب اِسکے سوا چارہ نہ تھا کہ کسی مشہور کشورستان کی داستان اختیار کیجاسئے اِس حیثیت سے سکندر کا کوئی ہمسر نہ تھا، ایشیا، اور یورپ دونون اسکو مانتے تھے، البتہ یافسوس ہے کہ **نظامی** نے مذہب ملا دیا، یعنی ذوالقرنین کو سکندر بنا دیا جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہے،

سکندرنامہ مین اگرچہ شاعری کے محاسن بہت زیادہ ہین، با این ہمہ **شاہنامہ** کے برابر مقبول نہو سکا، اِسکے خاص اسباب ہین،

۱۔ سکندرنامہ مین اکثر جگہ تعقید ہی، جو بات کہنا چاہتے ہین، اس طرح صاف صاف نہین کہہ سکتے کہ زبان سے نکلنے کے ساتھ دل مین اُتر جاسے، یہی وجہ ہے کہ کثرت سے شرحین اور حاشیے لکھے گئے، اسپر بھی بہت سے مقامات لاینحل رہ گئے، اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنانا پڑا،

۲۔ کتاب کا ہیرو ایک غیر شخص یعنی سکندر رتھا، اسلیے ایرانیون کو اُسکے واقعات سے ایسی دلچسپی اور محبت نہین ہوسکتی تھی، جو خود اپنی قوم سے ہوسکتی تھی، شاہنامہ کے مقبول ہونے کا بڑا گُریہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی،

۳۔ تمام کتاب مین صرف ایک شخص کی داستان ہی، پڑھنے والا اُکتا اُکتا جاتا ہی بخلاف اِسکے شاہنامہ مین سیکڑون اشخاص کے واقعات اور گوناگون حالات ہین، ایک غذا سے جی گھبراسے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہین،

۴. تمام کتاب مین کوئی دردانگیز اور عبرت خیز واقعہ نہین ہی، بخلاف اِسکے شاہنامہ مین رستم و سہراب، منیزہ و بیژن، جمشید و ضحاک، کی داستانین نہایت پُراثر اور حسرت آمیز ہین،

باوجود ان باتون کے سکندر نامہ نے جو قبولیت حاصل کی، تعجب انگیز ہی، شاہنامہ کے سوڈیڑھ سو ہی برس بعد سکندر نامہ لکھا گیا اور شہرت عام پا گیا، سکندر نامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا، اِس مدت مین اس طرز پر بیسیون کتابین لکھی لیکن اُنکا نام بھی کوئی نہین جانتا، سکندر نامہ جامی، آئینۂ اسکندری، ہمای ہمایون، اکبر نامہ، سلیمان نامہ[1] اِنکا نام کس نے سُنا ہی؟

رزمیہ نظم کا یہ اصول ہے کہ پہلے حربی باجون کے بجنے، دار و گیر، ہنگامۂ شور و غل اور عام ہلچل کا نقشہ کھینچا جائے، پھر فوجون کی حملہ آوری، زور و شور، جوش و خروش کا ذکر کیا جائے، پھر آلات جنگ یعنی تیر و کمان، تیغ و سنان، نیزہ و خنجر کی کارستانیان دکھائی جائین پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ مین آنا، رجز پڑھنا، مبارز طلب ہونا، حریف سے لڑنا، داؤن پیچ کرنا، مرنا یا مارنا، ان باتون کا ذکر کیا جائے، اور اِس طرح کیا جاسے کہ میدان جنگ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، سکندر نامہ مین یہ سب باتین ہین اور کمال کے درجہ پر ہین،

حربی باجون کا ذکر،

---

[1] یہ سب مثنویان سکندر نامہ کی طرز پر اور اُسکے جواب مین لکھی گئی ہین،

درآمد به غرّیدن آواز کوس / فلک بر دهانِ دهل داد بوس

زغرّیدنِ کوس خالی دماغ / زمین لرزه افتاده در کوه و راغ

چنان آمد از نای ترکی خروش / که از نای (گلا) ترکان برآورد جوش

برآورده خرمهره (ناقوس) آواز شیر / دماغ از دمِ گاودم (ترنا) گشت سیر

طراقی (تڑاقے کی آواز) که از مقرعه (تازیانہ) خواسته / برون رفت، از زین طاق آراسته

ز بس سیم چاچق که آمد ز تیر / کفن گشت در زیر جوشن حریر

ہنگامہ جنگ

روارو برآمد ز راه نبرد / هزاهز درآمد به مردان مرد

به جنبش درآمد دو دریای خون / شد از موج آتش، زمین لاله گون

زمین گفتی از یکدگر بر درید / سرافیل صور قیامت دمید

یکی گفت هوی و دگر گفت هان / برآورد سرهای وهوی از جهان

جگرتاب شد نعره هاے بلند / گلوگیر شد حلقهاے کمند

سپاه از دو جانب صف آراسته / زمین آسمان وار برخاسته

زسُم ستوران دران پهن دشت / زمین شش شد و آسمان گشت هشت

فرو رفت و بر رفت روز نبرد / نم خون به ماهی و بر ماه گرد

زبس گرد بر تارک و ترک و زین / زمین آسمان، آسمان شد زمین

چنان گرم گشت آتش کارزار / که از نعل اسپان برآمد شرار

زبس خون که گرد آمد اندر مغاک / چو گوگرد سرخ آتشین گشت خاک

زغریدن ژنده پیلان مست | گره در گلوی هژبران شکست
زمین کو بساطے بُد آراسته | غباری شد از جاے برخاسته
ز پولاد پیکان پیکر شکن | تن کوه لرزید بر خویشتن
پدر با پسر کین بر آراسته | محابا شده، مهر برخاسته
ستون علم جامه در خون زده | نجات از جهان خیمه بیرون زده
ز شمشیر برگشته جاے نبود | که در غار او اژدهاے نبود — آلات جنگ
نهنگ خدنگ از کمین کمان | نیاسود بر یک زمین یک زمان
کمند اژدهاے مسلسل شکنج | دهن باز کرده به تاراج گنج
زبس بر دهن ناچخ انداختن | نفس را نه راه برون تاختن
ز نیزه نیستان شده روی خاک | ز گوپالها (گرز) کوه گشته مغاک
سنان در سنان رسته چون نوک خار | سپر بر سپر بسته چون لاله زار
نهنگان شمشیر جوشن گداز | بگردن کشی کرده گردن فراز
به ابرو درآمد کمان را شکنج | شتابان شده تیر چون مار گنج
ز روسی درآمد به ناوردگاه | یکے شیر پرطاس[1] روئین کلاه
مبارز طلب کرد و جولان نمود | به نام آوری خویشتن را سرود — رجز
که پرطاسیان را در این خام چرم | به پرطاسی من نشود پشت گرم

[1] پرطاس ایک مقام کا نام ہے،

پلنگان درم بر سر کوهسار | نهنگان خورم بر لب جویبار
درشتم به چنگال و سختم بزور | به حمله درم پهلوی نره گور
سنانم ز پهلو درآید به ناف | دروغی نمی گویم اینک مصاف
همه خون خام است نوشیدنم | همه چرم خام است پوشیدنم
شه گردنان شاه گردون گرای | ز پرکار موکب تهی کرد جای
پہلوان
زره بر میان گوهر آگین کمر | درآورد پولاد هندی بسر
به تن بر یکی آسمان گون زره | چو مرغول زنگی گره در گره
یمانی یکی تیغ زهراب جوشن | حمائل فروهشته از طرف دوش
به کبک دری چون درآید عقاب | چگونه جهد بر زمین آفتاب
ازان تیزتر خسرو پیل تن | به تندی درآمد بر آن اهرمن
بزد بانگ بر دیو که ای زاغ پیر | عقاب جوان آمد آرام گیر
نخستین نبرد دیو که تدبیر کرد | بر آن تیره دل بارش تیر کرد
چو دژخیم را نامد از تیر باک | زننده شد از تیر خود خشمناک
بدذات
یکی خشت پولاد الماس رنگ | برآورد و زد بر دلاور نهنگ
ز سختی که تن را بهم درفشرد | بر آن خاره شد خشت پولاد خرد
بھی
دگر خشتی انداخت زان تیزتر | بر آن کشتنی هم نشد کارگر
چو دانست کان دیو آهن سرشت | نیندیشد از حربهٔ تیر و خشت

اصلی: بنگ ہے
آراستہ ہو کر حملہ کرنا

بنگ

نہنگ جہانسوز را برکشید | سوے اژدہاے دمندہ دوید
زدش بر کتف گاہ و بروش زجاے | چنان کان ستمگر در آمد زجاے

(تلوار)

لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی، فردوسی کی طرح، خاص لڑائی کی دانون پیچ اور فنون جنگ کی تصویر اچھی طرح نہین کھینچ سکتے،

نظامی اور فردوسی کا موازنہ

اگرچہ انصاف یہ ہے کہ **نظامی** فردوسی کے ہمپایہ نہین ہین، تھوڑا سا شیرین پانی لیکر، بار بار چھانا جاے، مقطر کیا جاے، اور پھر کسی خوشرنگ خوشنما گلاس مین رکھا جاے تو اُسکی شیرینی، خوشگواری، صفائی اور خوشنمائی مین کیا شک ہے؟ لیکن ایک صاف شیرین قدرتی چشمہ، جو پہاڑ کے دامن سے نکلکر بہتا چلا جاتا ہی، اُس سے کیا نسبت، تاہم دونون کا انداز کلام دکھانے کے لیے ہم چند مشترک عنوانون کے اشعار نقل کرتے ہین اور اُنکا فرق دکھاتے ہین،

سکندر کا قاصد بنکر **نوشابہ** کے دربار مین جانا، سکندرنامہ کی مشہور داستان ہے، یہی قصہ شاہنامہ مین بھی ہے فرق یہ ہے کہ شاہنامہ مین نوشابہ کے بجاے **قیدافہ** کا نام ہے جو اندلس کا بادشاہ تھا، باقی حالات مشترک ہین، یعنی بادشاہ نے سکندر کو پہچان لیا ہے اور اِس سے اسکا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے بادشاہ اُس کی تصویر منگا کر سامنے رکھدیتا ہے کہ اپنے چہرہ سے ملالو، سکندر سخت مضطر ہوتا ہے، بادشاہ اُسکو تسلی دیتا ہے کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے،

فردوسی

چو قیدافه را دید بر تخت عاج
ز یاقوت و پیروزه بر سرش تاج
ز زربفت پوشید چینی قباے
فراوان پرستنده پیشش بپاے
رخ شاه تابان بکردار هور
نشستنگهش را ستون ها بلور
پرستنده باطوق و باگوشوار
بپا اندران گلشن زرنگار
سکندر بدان در شگفتی بماند
فراوان نهان نام یزدان بخواند
نشستنگهے دید اقیصر که نیز
نیامد ورا روم و ایران بچیز
بر مهتر اندر زمین داد بوس
چنان چون بود مردم چاپلوس
ورا دید قیدافه بشناختش،
بپرسید بسیار و بنواختش

نظامی

بر آراست نوشابه درگاه را
بزر در گرفت آهنی راه را
پریچهرگان را بصد گونه زیب
صف اندر صف آراست آن دلفریب
بر آمود گوهر به مشکین کمند
فروهشت بر گوهر آگین پرند
بر اورنگ شاهنشهی بر نشست
گرفته معنبر ترنجے بدست
بفرمود کائین بجاے آورند
فرستاده را در سراے آورند
فرستادهٔ از در آمد دلیر
سوے تخت شد چون تتابنده شیر
کمربند شمشیر بکشاد باز
برسم رسولان نه بردش نماز
نهانی دران قصر زیبنده دید
بهشتی سراے فریبنده دید

به رسمِ خوردن اندر گرانمایه شاه
فزون کرد سوی سکندر نگاه
به گنجور گفت آن درخشان حریر
نبشته به صورت دلپذیر
به پیش من آور چنان هم که هست
به تندی بر و هیچ مپسای دست
بیاورد گنجور و بنهاد پیش
چو دیدش نگه کرد زاندازه بیش
به چهر سکندر نکو بنگرید
ازان صورت او را جدائی ندید
بدانست قیدافه کو قیصر است
بران لشکر نامور مهتر است
بدو گفت کای مرد گسترده کام
بیا تا چه دادت سکندر پیام
چنین داد پاسخ که شاه جهان
زبس گوهرین گوش گردن کشان
شده چشم بیننده گوهر فشان
ز تابنده یاقوت و رخشنده لعل
خرامنده را آتشین گشت نعل
نگرکان و دریا بهم تاختند
همه گوهر اینجا بر انداختند
زن زیرک از سیرت شان او
دران داوری شد هراسان او
که این کاردان مرد آهسته رائے
چرا شرط خدمت نیارد بجائے
ز سر تا قدم دید در شهریار
زر پخته را بر محک زد عیار
چو نیکو نگه کرد بشناختش
به تخت خود آرامگه ساختش
سکندر به رسم فرستادگان

ف یعنی بے احتیاطی سے ہات نہ لگانا،

فردوسی

سخن گفت با من میان جهان
که قیدافۂ پاک دل را بگوے
که جز راستی در زمانه مجوے
مگر سر نه پیچی ز فرمان من،
نگهدار بیدار پیمان من
وگر هیچ تاب اندر آری بدل
بیارم یکے لشکرے دل گسل
برآرم دمار از همه لشکرت
به آتش بسوزم همه کشورت
بدو گفت کاے زادۂ فیلقوس
همت رزم بزم ست وهم نعم و بوس
دلیر آمدی پیش من باژ خواه
ندانم ترا اینکه بنمود راه
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پر ز درد و رخان لاجورد
بدو گفت کاے مهتر پر خرد

نظامی

نگه داشت آئین آزادگان
پس آنگه گزارش گرفت از پیام
که شاهِ جهان داور نیکنام
چنین گفت کاے داور نامجوی
ز نام آوران جهان برده گوی
چه افتاد کز ما عنان تافتی
سوے ما تو یک روز نشتافتی
زبونی چه دیدی که توسن شدی
چه بیداد کردم که دشمن شدی
چو من ره درین مملکت ساختم
برو سایۂ دولت انداختم
کمر چون نه بستی بدرگاهِ من
چرا اژدهی پیچیدے از راهِ من
به پاسخ نمودن زن هوشمند
ز یاقوت سربسته بگشاد بند
که صد آفرین بر تو شاه دلیر

چنین گفته از تو نه اندر خورد
منم نیطقون کدخدای جهان
جزاین بچهٔ فیلقوسم مخوان
بدو گفت قیدافه کز داوری
لبت را بپرداز کا سکندری
بیاورد و بنهاد پیشش حریر
نوشته برو صورتی دلپذیر
که گر هیچ جنبش بدی در نگار
نبودی جز اسکندر شهریار

که پیغام خود خود گزاری چو شیر
چنان آیدم در دل ای پهلوان
که با این سرو سایهٔ خسروان
میانجی نه شاه آزاده،
فرستنده نه فرستاده،
پیام تو چون تیغ گردن زند
کرا زهره کین تیغ بر من زند
ز تیغ سکندر چه رانی سخن،
سکندر توئی چارهٔ خویش کن
مرا خواندی و خود بدام آمدی
نظر پخته ترکن که خام آمدی
جهاندار گفت ای سزاوار تخت
پژوهش مکن جز بفرمان بخت

نظامی

سکندر محیط است و من جوی آب
منه تهمت سایه بر آفتاب
بدرگاه او بیش ازان ست مرد
که او را قدم رنجه بایست کرد
دگر بار نوشابهٔ هوشمند
ز نوشین لب خویش بگشاد بند

نظامی

گزین بیش بر دلفریبی مباش … بہ ناراستی یکرکیبی مباش

پیامت بزرگ است نامت بزرگ … نہفتہ مکن شیر در چرم گرگ

فرستادہ را نیست این دسترس … کہ با ما بہ تندی برآرد نفس

نہ جباری خویش را کم کند … نہ در پیش من پشت را خم کند

جوابش چنین داد شاہ دلیر … کہ ناید ز روباہ پیغام شیر

اگر من بہ چشم تو نام آورم … سکندر نیم زو پیام آورم

اگر در میانجی دلیر آمدم … نہ از روبہ از نزد شیر آمدم

برآشفت نوشابہ زان شیر دل … کہ پوشید خورشید را زیر گل

بفرمود کارد کنیزے دوان … حریرے بر و پیکر خسروان

یکے گوشہ از شقۂ آن حریر … بدو داد کین نقش بر دست گیر

ببین تا نشانِ رخ کیست این … درین کارگاہ از پے چیست این

اگر پیکر تست چندین مکوش … بہ ابروی خود آسمان را مپوش

سکندر بفرمان او ساز کرد … حریر نوشتہ ز ہم باز کرد

بعینہ در و صورت خویش دید … ولایت بدست بد اندیش دید

بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ … بدارائے خود برد خود را پناہ

(۱) سب سے پہلے اس پر نظر ڈالو کہ جہاں ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ، ایک ہی

بات کو دونون نے لکھا ہی وہان بھی، بندش الفاظ کے لحاظ سے کسقدر فرق ہی، نظامی کی ترکیبون کی چستی، قافیون کی بلندی، فقرون کے دروبست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہی کہ گویا شیر گونج رہا ہے، اسکے مقابلہ مین فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتا ہے جس طرح کوئی پیرانہ سالم بڈھا پیرانہ لہجہ مین ٹھہر ٹھہر کر باتین کرتا ہے، ان اشعار کا مقابلہ کرو،

نظامی	فردوسی
پریچہرگان را بصد گونہ زیب	ز زربفت پوشید چینی قبائے
صف اندر صف آراستہ آن دلفریب	فراوان پرستندہ پیشش بپاے
سکندر برسم فرستادگان	بر مہتر اندر زمین داد بوس
نگہ داشت آئین آزادگان،	چنان چون بود مردم چاپلوس
نہانے دران قصر زیبندہ دید	سکندر بدان در شگفتی بماند
بہشتی سرائے فریبندہ دید	فراوان نہان نام یزدان بخواند
زسر تا قدم دید در شہریار	بسے خوردن اندر گران مایہ شاہ
ز ربخت سر را بر محک زد عیار	ز دِین کرد سوے سکندر نگاہ
یکے گوشہ از شقۂ آن حریر	بگنجور گفت آن درختان حریر
بدو داد کین نقش بر دست گیر	نبشتہ برو صورتے دلپذیر
چنین گفت کاے داور نامجوی	کہ قیدافہ پاک دل را بگوے
زنام آوران جہان بردہ گوے	کہ جز راستی در زمانہ مجوے

نظامی	فردوسی
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر	دلیر آمدی پیش من باز خواہ
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر	ندانم ترا اینکہ بنمود راہ
میانجی نۂ شاہ آزادۂ	بدو گفت قیدافہ کز داوری
فرستندۂ نہ فرستادۂ	لبت را بپرداز کا سکندری
بترسید و شد رنگ رویش چو کہ	سکندر ز گفتار او گشت زرد
بداراے خود برد خود را پناہ	روان پُر ز درد و رخان لاجورد
سکندر محیط است و من جوی آب	منم نیطقون کد خداے جہان
منہ تہمت سایہ بر آفتاب	جزاین بچۂ فیلقوسم مخوان

(۲) انہی اشعار مین بلاغت کا فرق دیکھو،

نظامی	فردوسی
صف اندر صف آراستہ آن دلفریب	فراوان پرستندہ پیشش بپاے

فردوسی کے بیان سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ غلامون اور لونڈیون کا ہجوم تھا، اور سب کھڑے تھے، لیکن نظامی کے بیان سے اُنکا باقاعدہ صف بصف ایستادہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے "آراست" کے لفظ نے اِس خصوصیت کو اور روشن اور خوشنما کر دیا ہی؛

نظامی	فردوسی
سکندر بہ رسم فرستادگان	بہ بہتر اندر زمین داد بوس

چنان چون بود مردم چاپلوس	نگہ داشت آئین آزادگان

فردوسی نے سکندر کی شان کا کچھ لحاظ نہین رکھا، زمین چومنا خوشامدیونکا شیوہ ہے فردوسی کو اسپر بھی قناعت نہین، بلکہ کھول کر کہتا ہے کہ سکندر نے اس طرح زمین چومی جس طرح خوشامدی چوما کرتے ہین، **نظامی** نے اگرچہ "برسم فرستادگان" کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے کہ سکندر نے قاصدون کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا، تاہم دوسرے مصرع مین دفع دخل بھی کر دیا کہ اِس حالت مین بھی اپنی آن تان نہین چھوڑی،

فردوسی	نظامی
سکندر بدان در شگفتی بماند	تماشا کنان قصر زیبندہ دید
فراوان نہان نام یزدان بخواند	بہشتی سرائے فریبندہ دید

فردوسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر بالکل ندیدہ تھا، دربار کے ٹھاٹ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا، **نظامی** نے مکان اور ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہی لیکن اسیقدر کہ وہ کنکھیون سے دیکھتا جاتا تھا،

فردوسی	نظامی
فزون کرد سوے سکندر نگاہ	زسر تا قدم دید در شہریار

فزون نگاہ کردن، سے صرف اِسقدر ثابت ہوتا ہے کہ قیدافہ سکندر کو بڑی

دیر تک دیکھتا رہا ممکن ہے کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اُس کی نظر جمی رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کے لیے کافی نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے چہرے ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن اور اعضا میں فرق ہوتا ہی، بخلاف اسکے نظامی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پاؤں تک دیکھا، یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ڈیل ڈول، رنگ روپ، سج دہج کو بھی دیکھا، جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ سکندر ہی،

نظامی	فردوسی
چنین گفت کاے داور ناجوی	کہ قیدافہٗ پاک دل را بگوے
ز نام آوران جہان بردہ گوی	کہ جز راستی در زمانہ مجوے

قاصد کا بادشاہ کے دربار میں بادشاہ کا نام لینا، اور پھر فوراً تنبیہ اور نصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہی، اسلئے نظامی نے نام نہیں لیا بلکہ داور ناجو کے لفظ سے خطاب کیا اور اسکے ساتھ مدحیہ الفاظ اضافہ کیئے،

نظامی	فردوسی
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر	دلیر آمدی پیش من باژ خواہ
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر	ندانم ترا این کہ فرمود راہ

فردوسی نے اس بات کو کہ قیدافہ نے سکندر کو پہچان لیا نہایت بے مزہ طریقہ سے بیان کر دیا ہے، اِسکے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہیں کسنے تمکو یہ طریقہ سکھایا، اور بھی

بد تہذیبی ہے، بخلاف اِسکے نظامی اسی بات کو اِس طرح ادا کرتے ہین، جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نوشابہ کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہین کہ مین نے آپ کو پہچان لیا بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے، اور بے اختیار تعریف کرتی ہی،

فردوسی		نظامی
سکندر ز گفتار او گشت زرد		تبر سید و شد رنگ رویش چو کاہ
روان پر ز درد و رخان لاجورد		بر دارا سے خود بر خود را پناہ

اِسقدر مضمون دونون کے ہان مشترک ہی کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اُسکو پہچان لیا، تو وہ ڈرا اور متردد ہوا لیکن **فردوسی** نے اسکے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا جو سکندر کی شان سے بالکل بعید ہی، روان پر ز درد و رخان لاجورد، **نظامی** کے بیان سے بھی اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا اور دل مین خدا سے دعا مانگی کہ اِس خطرہ سے بچ جائے، لیکن اتنا بھی بدحواس نہین ہوا کہ دل مین ٹیس اُٹھنے لگی، فردوسی نے پہلے مصرع مین سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا، لیکن اسپر بھی تسلی نہین ہوئی اور دوسرے مصرع مین پھر کہنا پڑا، "رخان لاجورد"،

(۳) اب عام طرح پر نظر ڈالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (پلین) کیونکر قائم کرتا ہے، اور یہ بلاغت کا پہلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہی،

فردوسی نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہی اُسمین متعدد ناموزونیان ہین،

(۱) سکندر قاصد کے لباس مین خوشامدیون کی طرح دربار مین آداب بجالاتا ہی،

(۲) دربار کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے، گویا کبھی شاہانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا،

(۳) حالانکہ سکندر کی رفتار گفتار، طور وطریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہین ہوئی تھی جس سے اس احتمال کی طرف ذہن جاسے کہ یہ خود سکندر ہی تاہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہے اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھتا ہی، اِسلیے **نظامی** نے اِسکا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصدون کی طرح سجدہ نہین کیا تھا اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد اس دلیری اور جرأت سے ادا نہین کرسکتا تھا، اِس حالت مین شبہ پیدا ہونا ضرور تھا، اور شبہ کو اِسلیے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصویر اُس کی نظر سے گزر چکی تھی،

(۴) **قیدافہ** نے سکندر کے سامنے ہی تصویر منگا کر دیکھی، حالانکہ جب مخفی طور سے سکندر کو پہچاننا مقصود تھا، تو سکندر کے سامنے تصویر منگوا کر دیکھنا نہ چاہیے تھا،

(۵) سکندر جب قاصد کی حیثیت سے پیغام ادا کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آداب شاہی سے ناواقف ہی، اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہی، اِسکے علاوہ پہلے ہی سخت کلامی شروع کردینی، نہایت بدتہذیبی ہی،

بر آرم دمار از همه لشکرت	به آتش بسوزم همه کشورت

(۶) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہے تو اسکو سکندر کا نام بڑی تعظیم وتکریم سے لینا چاہیے تھا، لیکن وہ سکندر کو بچۂ فیلقوس کے خطاب سے یاد کرتا ہی،

ع جز این بچۂ فیلقوسم[1] مخوان،

اِسکے مقابلہ مین **نظامی** نے جس طرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہے وہ یہ ہے،

نوشابہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہے تو اُسنے بڑی ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا، خود بھی بن ٹھن کر ہات مین ایک ترنج لیے ہوے تخت شاہی پر بیٹھی، سامنے پری چہرہ کنیزین صف باندھکر کھڑی ہوئین، پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر دربار مین آیا تو آداب شاہی کے موافق کمربند سے تلوار کھول کر رکھدی، لیکن سجدہ نہین کیا، اِس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ مگ کر رہا تھا، اُسکو نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ مین ادا کیا ہی،

زتابندہ یاقوت درخشندہ لعل	خرامندہ را آتشین گشت نعل
مگر کان و دریا بہم تاختند	ہمہ گوہر آن جا براند اختند

قاصد کے شاہانہ طرز کلام سے نوشابہ کو شبہ ہوا کہ یہ خود سکندر ہی، خوب غور سے دیکھا تو یقین ہوگیا، قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا کہ شہنشاہ نے کہا ہی کہ ہماری طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعتنائی کی، آج تک تم دربار مین نہ آئے، ہم ان اطراف مین بھی آئے لیکن تم نے ادہر رخ نہ کیا،

نوشابہ نے کہا کہ آپ کی جُرأت پر صد ہزار آفرین ہو کہ آپ اپنا پیغام ادا کرتے ہین آپ کی باتین تلوار کا کاٹ کرتی ہین، یہ تلوار اور کس کی مجال ہو کہ مجھ پر چلا سکے

[1] اس بیان مین، فردوسی اور نظامی کے اشعار مکرر آگئے، لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکے لیے ایسا کرنا ضرور تھا،

سکندر انکار کرتا ہے کہ مین سکندر نہین، پھر اُسکی نہایت عمدہ توجیہین بیان کرتا ہی کہ کجا سکندر، کجا مین، سکندر کے دربار مین آدمیون کی کیا کمی ہی کہ خود قاصد بنکر آتا، اِس موقع پر نوشابہ و سکندر کے سوال و جواب کو نہایت بلیغ انداز مین طول دیا ہے، آخر نوشابہ جھلاکر سکندر کی تصویر منگوا کر اُسکو دکھلاتی ہے، اور سکندر لاجواب ہوکر رہ جاتا ہے، اِسکے ساتھ خطرہ کے خیال سے اُسکے چہرہ کی رنگت زرد پڑ جاتی ہی،

اِس تمام سلسلہ مین کہین سے کوئی کسر نہین، تمام واقعات، اصلیت اور نیچر کے مطابق ہین، اِسکے ساتھ فصاحت و بلاغت، تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور لطافت، الفاظ کی شان و شکوہ، ان تمام باتون نے اِس داستان کو سحر سامری بنادیا ہی،

نظامی اور فردوسی مین یہ فرق اور بہت سے موقعون پر نظر آتا ہے، لیکن طول کے لحاظ سے ہم قلم انداز کرتے ہین، سکندر و دارا کی گفتگو اوپر گزر چکی ہی، اِسکو اِس موقع پر ایک بار اور دیکھ لینا چاہیے، اِن سب باتون پر بھی فردوسی فردوسی ہی اور نظامی نظامی،

چند ضروری باتین

۱- شعر العجم کے ۴ حصون مین سے یہ پہلا حصّہ جو شائع ہو رہا ہے اِسمین صرف قدیم شعرا کے حالات اور اُنکی شاعری سے بحث ہے، دوسرا اور تیسرا حصّہ مطبع مین جاچکا ہے پہلے حصّہ کی تالیف مین اگرچہ تدقیق اور محنت مین کچھ کمی نہین کی گئی لیکن مجکو صاف کہنا چاہیے کہ یہ حصّہ اور تمام حصون کی بہ نسبت کم دلچسپ ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اِس قسم کی تصنیف کی دلچسپی یا شعرا کے حالات سے ہو سکتی تھی یا اُن اشعار سے جو جا بجا مثال مین پیش کیے جاتے ہین' قدیم شعرا کے حالات کم ملتے ہین، اور یہ حصّہ قدما ہی تک محدود ہی، دقیقی، عنصری نظامی بہت بڑے رتبہ کے شاعر ہین لیکن انکے حالات اور واقعات اِسقدر کم ہین کہ مجبوراً چھوٹی چھوٹی باتون کو لیکر پھیلانا پڑا ہے، قُدمارین سے دور اوّل کی زبان، آج بالکل نامانوس ہے، دقیقی، فردوسی، منوچہری، عنصری، کے متواتر دو شعر بھی آج کل کی زبان مین نہین ملتے، اِسکے علاوہ انکی شاعری مین عشق کی چاشنی گویا ہی نہین، اِسلیے انکے کلام مین آج کل کے لوگون کو مزا نہین آسکتا،

غرض یہ حصّہ چندان تفریح اور تفنّن کے کام کا نہین، اِسکو ایک علمی خشک مضمون کی حیثیت سے پڑھنا چاہیے، باقی حصّے البتہ دلچسپ، با مزہ اور رنگین ہین،

۲- چونکہ کتابون کی تفحّص اور تلاش کا سلسلہ ابتک قائم ہی اور بعض بعض نادر کتابین

ں حصّہ کی تصنیف کے بعد ہات آئین اِسلیے وہ معلومات جوان کتابون سے ہات آ سئے
ب جو تھے حصّے کے کام آئین گے، مثلاً تمام تذکرون مین مذکور ہے کہ ایران مین سب سے
پہلے بہرام گور نے شعر کہا اور وہ یہ تھا،

منم آن پیل دمان ومنم آن شیر یلہ		نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ	

لمن مین نے اِس روایت کو اِسلیے نظر انداز کیا تھا کہ اوّل تو یہ اُس زمانہ کی زبان
ین ہو سکتی دوسرے یہ کہ بہرام کے کلام مین ابوجبلہ عربی لفظ کیون آتا، لیکن لب اللباب
فی کی پہلی جلد، کتاب کی تصنیف کے بعد چھپکر یورپ سے آئی تو اِسکے دیکھنے سے
لوم ہوا کہ بہرام گور عرب مین پلا تھا، اور عربی زبان مین شعر کہتا تھا چنانچہ عوفی نے اسکا
بی دیوان خود دیکھا تھا لب اللباب مین یہ شعر کسی قدر تغیر کے ساتھ مذکور ہے جس سے
ں کی ساخت اور زبان دونون پر اثر پڑتا ہی،

۳- دنیا مین ناممکنات کی ابتک جو فہرست تیار ہو چکی ہو، اسمین ایک نمبر "کتاب کا
یح چھپنا"، بھی اضافہ کرنا چاہیے، یہ مصیبت، مدت سے مجکو پیش آتی ہی لیکن علاج کی
ئی صورت نہین نکلتی، کاپیون اور پروف کی تصیح چندان کام نہین دیتی، چھپنے مین
رف کچھ سے کچھ ہو جاتے ہین، کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لگانا بھی بیکار سا ہے،
ط نامہ سے کتاب کو مطابق کر کے تصیح کرنا، اتنی بڑی زحمت کون اُٹھائے، اِسی بنا پر
ن نے کبھی اسکا قصد نہین کیا، لیکن شعر العجم فارسی لٹریچر کا آئینہ ہے، اِسکی غلط بیانی کا
ر خود زبان پر پڑ سکتا ہی، اِسلیے چار و ناچار مین خود زحمت اُٹھاتا ہون اور احباب کو

کبھی زحمت دیتا ہون، خفیف غلطیان تو اِسقدر ہین کہ سب کا احصار کرون تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے، اِس لیے موٹی موٹی غلطیان لکھدی ہین، ایک عام غلطی یہ ہے کہ ابین السطور مین جہان کہین، مین نے کسی لفظ کے نیچے اسکے معنی لکھدیے ہین کاتب صاحب وہانسے ہٹا کر کسی دوسرے لفظ کے نیچے وہ معنی لکھدیتے ہین، اور اُس سے مصنف کی سخت جہالت ثابت ہوتی ہی،

ایک جگہ اہل مطبع نے نہین بلکہ مین نے خود سخت غلطی کی ہی جس سے فردوسی کی شاعری پر حرف آتا ہے اِس لیے نہایت ندامت کے ساتھ فردوسی سے اِسکی معافی چاہتا ہون، کتاب کے ۱۶۷ صفحہ سطر ۵ مین یہ عبارت ہی،

«صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوے ہین، اِس مین کھانا بھی سامنے آگیا ہے، لوگ کھا پی کر اُٹھ کھڑے ہوے، اسکو اِس طرح ادا کرتا ہی،

پے مشورہ مجلس آراستند ‌ ‌ ‌ نشستند، خوردند، و برخاستند»

لیکن فردوسی کا شعر مین نے غلط نقل کیا، اور اِسلیے معنی بھی غلط لکھے، شعر کا دوسرا مصرع اصل مین یون آیا ہی،

ع نشستند و گفتند، و برخاستند،

نکتہ دان بلاغت جانتا ہی کہ اِس ایک لفظ (گفتند) کے تغیر سے شعر برباد ہو جاتا ہی،

شعر العجم

حصۂ دوم

خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک

مادۂ تاریخ آغاز تصنیف
تاریخ عجم
سنہ ۱۳۲۴ھ

مادۂ تاریخ اختتام تصنیف
تذکرہ
سنہ ۱۳۲۵ھ

مصنفہ

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شاعری کا دوسرا دور اور اُسکے خصوصیات	۱	وفات	۵۰
اور خصوصیات کے اسباب		عام حالات اور اخلاق وعادات	؍؍
خواجہ فرید الدین عطار	۸	تصانیف	۵۴
خواجہ صاحب کی تصنیفات	۱۱	شاعری	۵۸
کلام پر رائے،	۱۲	آزادی	۶۴
کمال اسمٰعیل	۱۷	اظہار جذبات	۶۶
کمال کی شاعری کی عظمت	۱۹	اخلاقی شاعری	۶۸
کمال کی خصوصیات	۲۰	قوت تخیل	۸۶
شیخ سعدی	۲۹	طرز ادا	۸۸
بچپن کے حالات	۳۰	غزل گوئی اور اُس کی خصوصیات	۹۵
طالب العلمی	۳۲	امیر خسرو دہلوی	۱۰۷
سیر وسیاحت	۳۴	ولادت وتعلیم	۱۰۸
شیراز میں واپس آنا	۴۲	دربار کے تعلقات	۱۱۰
دربار کے تعلقات	۴۳	وفات واولاد واعزہ	۱۲۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نقروتصوف	۱۲۷	نام ونسب اور بچپن	۲۱۲
جامعیت کمالات	۱۳۲	سن رشد اور شاعری کی شہرت	۲۱۴
فن موسیقی کا کمال	۱۳۵	وفات اور اولاد	۲۲۵
تصانیف	۱۳۷	دنیاوی تعلقات	۲۲۸
شاعری	۱۴۲	کلام پر راے	۲۳۳
شاعری مین تلمذ	۱۴۴	غزل	۲۳۵
خود اپنی شاعری کی نسبت اظہار راے	۱۴۷	اساتذہ کا تتبع	۲۳۶
خصوصیات شاعری	۱۵۰	خواجہ صاحب کی خصوصیات	۲۴۴
امیر خسرو کی مثنویان	۱۵۴	جوش بیان	۲۴۵
قصائد	۱۶۴	بدیع الاسلوبی	۲۵۴
غزل	۱۶۹	واردات عشق	۲۶۲
واقعہ بندی	۱۷۶	فلسفہ	۲۶۹
روزمرہ	۱۷۸	فلسفہ اخلاق	۲۷۴
مسلسل غزلین	۱۸۲	واعظین کی پردہ دری	۲۷۶
جدت	۱۸۶	روزمرہ ومحاورہ	۲۸۲
مضمون آفرینی	۱۸۷	خوشنوائی	۲۸۶
صنائع وبدائع	۱۹۱	بندش کی چستی	۲۹۰
سلمان ساوجی	۱۹۶	ظرافت	۲۹۴
کلام پر راے	۲۰۲		
خواجہ حافظ	۲۱۲	**ابن یمین**	۲۹۸

شعر العجم

حصہ دوم

ساتوین صدی ہجری تا ۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاعری بلکہ تمام اسلامی علوم وفنون کا جوش شباب تھا کہ دفعۃً تاتار کی طرف سے اس زور کا طوفان اٹھا کہ دنیا کا شیرازہ بکھر گیا، یعنی ۶۱۷ھ مین چنگیز خان نے تاتار سے نکلکر خراسان سے شام تک بے چراغ کر دیا، کم وبیش چالیس لاکھ آدمی کا خون بہ گیا، سیکڑون ہزارون شہر خاک سے برابر ہوگئے، مدارس اور خانقاہونکی اینٹ سے اینٹ بج گئی، علمی خزانونکا ایک ایک ورق اڑگیا، لیکن اسلام کچھ ایسا سخت جان تھا کہ ان ہنگامون پر بھی زندہ بچگیا، بلکہ جونہی یہ طوفان تھمنا شروع ہوا، دبی ہوئی چنگاریان پھر چمکین، اور چمک کر اس طرح مشتعل ہوئین کہ ایک دفعہ پھر ع عالم تمام مطلع انوار ہوگیا،

چنگیز خان ایک غارتگر کی شان سے اٹھا تھا اور اپنی فوری اور سرسری انتظامات کیلیے اُس نے کچھ قاعدے بھی بنالیے تھے جو تو وہ چنگیز خانی کے نام سے مشہور ہین لیکن جب سلطنت کو استقلال ہوا تو شاہانہ نظم ونسق کی ضرورت پڑی، تاتاری لوٹ مار کے سوا اور کچھ جانتے نہ تھے

اس لیے مسلمانون سے اعانت لینے کے سوا چارہ نہ تھا، چنگیز خان کے بعد اسکا بیٹا اوکتائی قاآن اور اسکے بعد چنگیز خان کا پوتا ہلاکو بن تولی بن چنگیز خان تخت نشین ہوا، ہلاکو نے محقق طوسی کو وزارت کا منصب دیا، رفتہ رفتہ مسلمانون نے دربار پر قبضہ کر لیا یہان تک کہ اس کا بیٹا تکودار خواجہ شمس الدین محمد وزیر سلطنت کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا اور اپنا نام احمد رکھا ترک اسیر بگڑ گئے اور ارغون خان (ہلاکو خان کا دوسرا پوتا) کی افسری مین احمد خان کو گرفتار کرکے ۶۸۳ھ مین قتل کر دیا، لیکن جب ارغون کا بیٹا غازان خان ۶۹۴ھ مین تخت حکومت پر بیٹھا تو وہ بھی مسلمان ہوگیا، اور اسکے ساتھ ساٹھ ہزار ترک مسلمان ہوگئے، غازان ۷۰۳ھ مین مر گیا، اسکے بعد اسکا بھائی خدابندہ اور اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان ابو سعید بادشاہ ہوا، یہ تمام سلاطین نہایت عادل، انصاف پسند، مدبر اور دیندار تھے، اور بالخصوص سلطان ابو سعید کے عدل و انصاف و نظم و نسق کے قواعد و آئین، مساجد اور مدارس پر کندہ ہو کر مدتون قائم رہے، یہان تک کہ اوحدی کرمانی نے جو مشہور صوفی گذرے ہین اپنی مثنوی جام جم مین ابو سعید کی اس طرح مدح سرائی کی ہے،

دو جہان را صلائے عید زدند   سکہ بر نام بو سعید زدند
در چمن گفتہ بلبل و قمرے   مدح این گلبن اولوا لامرے

سلطان ابو سعید نے ۷۳۶ھ مین وفات پائی، تمام ملک نے اسکے مرنے کا ماتم کیا یہانتک کہ مسجد کی مینارون پر ماتمی کپڑے لپیٹے گئے اور ہر شہر کی گلی کوچون مین کئی کئی دن تک خاک اڑتی رہی، چونکہ سلطان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے ہر طرف سردارون نے

دوسری کی، آذربائجان، امیر چوبان و شیخ حسن جلایر نے دبالیا، عراق اور فارس پر
مظفر نے قبضہ کیا، غرض ۷۳۶ھ سے ۷۸۱ھ تک تمام قومین پریشان رہین اور یہ چھوٹے
چھوٹے فرمانروا آپسمین لڑتے بھڑتے رہے، یہی زمانہ ہے جو تاریخ مین طوائف الملوکی کے نام
سے مشہور[۱] ہے

بالآخر تیمور اٹھا اور تمام دعویدارون کو مٹا کر شہنشاہی قائم کی اسکے خاندان مین
حکومت کا جو سلسلہ قائم ہوا، اسکا خاتمہ سلاطین صفویہ کے آغاز سے جا کر ملتا ہے جہان سے
ہماری کتاب کا تیسرا حصہ شروع ہوتا ہے،

مذکورہ بالا واقعات مین ہمارے کام کی جو باتین ہین، حسب ذیل ہین،

۱- تاتار کے قتل عام مین جو بے شمار جانین ضائع ہوئین، انسے مسلمانونکے شجاعانہ
جذبات کو فنا کر دیا، اسکا شاعری پر یہ اثر ہوا کہ رزمیہ نظمین ہمیشہ کے لیے معدوم ہوگئین
شاعری کے فرائض پورے کرنے کے لیے متعدد رزمیہ مثنویان لکھی گئین مثلاً
ہمای ہمایون خواجوی کرمانی، آئینہ اسکندری امیر خسرو، سکندرنامہ جامی، تیمورنامہ
ہاتفی، شاہنامہ قاسم گونابادی، اکبرنامہ فیضی، لیکن صاف نظر آتا ہے کہ کہنے والے منھ
چڑھاتے ہین، دل مین کچھ نہین، قوم اسقدر افسردہ ہوگئی تھی کہ ان کتابونکے دو شعر بھی
زبانون پر نہ رہ سکے،

۲- عام قاعدہ ہے کہ مصیبت مین خدا زیادہ یاد آتا ہے، اسلیے اس عہد مین تصوف کا زیادہ

---

[۱] یہ تمام حالات اول سے آخر تک مجالس المومنین اور دولتشاہی سے لیے گئے ہین،

زور ہوا، عطار، مولنا روم، اوحدی، عراقی، سعدی، مغربی انہی اسباب کے نتائج ہین،

۳۔ جنگی جذبات کے فنا ہونے نے طبیعتون مین انفعالی اثر زیادہ پیدا کیا جو تصوف کے سوا ایک اور رنگ مین ظاہر ہوا یعنی غزل گوئی، یہ مسلم ہی کہ غزل جس چیز کا نام ہے اسکی ابتدا شیخ سعدی اور اُنکے معاصرین سے ہوئی، یہ اسی کا اثر ہے،

تاتار اور تیمور کی عام سفاکی نے قومونکی قومین غارت کر دین بڑے بڑے کج کلاہون اور اورنگ نشینون کا تاج و تخت خاک مین ملا دیا، خراسان سے لیکر شام تک زمین آسمان مین سناٹا ہوگیا ام الدنیا بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، تمام بڑے بڑے پاے تختونمین خاک اڑنے لگی، کم از کم پچاس ساٹھ لاکھ آدمی ایکدم سے فنا ہو گئے، ان امور نے دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کا ایسا نقشہ کھینچ دیا تھا جو مدت تک آنکھونکے سامنے پھرتا رہا اس بنا پر دنیا کی بے ثباتی کے مضامین زیادہ تر اشعار مین آنے لگے شیخ سعدی ابن یمین خواجہ حافظ کے ہان ان مضامین کی بہتات اسی بنا پر ہی، ان لوگون نے یہ سمان خود آنکھون سے دیکھا تھا وہی زبان پر آیا اور پھر ایک روش قائم ہوگئی اور سب اسی انداز مین کہنے لگے،

۴۔ ترک اور مغل بادشاہ اگرچہ اکثر نہایت مدبر اور عادل تھے اور اسلیئے انکے عہد مین عام امن و امان رہا لیکن طبیعتون مین شاعری کا مذاق نہ تھا، اسلیئے دربار مین شعرا کی چندان قدر نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ اس دور کے جو مشہور شعرا ہین، مثلاً سعدی، خواجہ، حافظ

مولانا روم، اوحدی، ابن یمین، کسی دربار سے خاص تعلق نہ رکھتے تھے، نہ سلطنت سے ان کو کوئی خطاب حاصل تھا

۵۔ اسکا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری مین فی الجملہ آزادی کی روح آئی، سعدی اور ابن یمین کے قصائد اور قطعات مین جو خوشامد اور بیہودہ مداحی کی جا بجا عیب گیری پائی جاتی ہے وہ اسی کا اثر ہے،

۶۔ تیموریہ خاندان جو ایران مین قائم ہوا، اُسکا خاتمہ سلطان حسین مرزا پر ہوا، وہ عادل اور ہنر پرور ہونے کے ساتھ شعر و شاعری کا نہایت فریفتہ اور قدردان تھا، اسلیے اس کے عہد مین شاعری اس کثرت سے پھیلی کہ بچّہ بچّہ شاعر بنگیا والہ داغستانی ریاض الشعرا مین لکھتے ہین،

در رعایت فضلا و شعرا سعی بلیغ فرمودہ است و در ترتیب شعرا آن قدر مبالغہ کردہ است کہ فن شاعری کہ فضیلت علوم را لازمہ داشت از علم جدا شد، و ہر بے مایہ بمحض طبیعت موزون ارادۂ شاعری کرد و رفتہ رفتہ فن شاعری کہ الطف فنون بود از درجۂ اعتبار افتادہ بمضحکہ انجامید،

سلطان حسین کا انجام، صفویہ کے آغاز سے ملا ہوا ہے اس لیے صفویہ کے زمانہ مین دفعۃً جو ایران کے چپہ چپہ سے شعرا اُبل پڑے، یہ وہی سلطان حسین کے ابر فیض کے نتائج تھے والہ داغستانی کو تو یہ رنج ہے کہ اس تعمیم کی وجہ سے ہر عامی شعر کہنے لگا اور علمی کمالات کی قید اُٹھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک، اسی بات نے شاعری کو شاعری کے رتبہ پر پہونچایا،

بے شبہہ پہلے شعرا کے لیے علوم عربیہ اور معقول و منقول سے واقف ہونا ضرور ہوتا تھا، لیکن ان کمالات کے بوجھ مین اصلی جذبات دب کر رہجاتے تھے، وقار و متانت اور عوام کے معتقد علیہ ہونے کی وجہ سے اکثر جذبات اس آزادی سے ظاہر نہین ہو سکتے تھے جس طرح دل مین آتے تھے، یہی وجہ ہے کہ متوسطین اور متاخرین کی عشقیہ شاعری اسقدر اصلی جذبات سے لبریز ہے کہ قدما کے ہان اسکا پتہ بھی نہین لگ سکتا،

اس دور مین شاعری مین اصناف ذیل کو ترقی ہوئی،

تصوف، عطار، مولنا روم، اوحدی، عراقی، مغربی،

غزل، مولنا روم، شیخ سعدی، امیر خسرو، حسن، خواجہ حافظ،

اخلاق و موعظت، شیخ سعدی، ابن یمین،

قصیدہ گوئی، کمال اسمٰعیل، سلمان ساوجی،

قصیدہ گوئی مین، جو ترقی ہوئی اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) زبان زیادہ صاف ہوگئی، قدما کے دور مین ظہیر فاریابی نے زبان کو جس حد تک صاف کر دیا تھا وہ اس دور کی اخیر سرحد ہے کمال اسمٰعیل نے اور بھی زیادہ صاف کیا،

(۲) مضمون آفرینی مین بہت ترقی ہوئی، کمال نے ابتدا کی اور سلمان نے اس حد تک پہنچا دیا کہ متاخرین کی سرحد سے ڈانڈا مل گیا،

(۳) خاقانی، انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے کلام کو زیر بار کرتے تھے، یہ بات جاتی رہی، اس عہد کے قصائد ایک عامی کو بھی دیدیے جائین تو اصطلاحات وغیرہ کی بنا پر

اسکو کہین ٹہکانا نہوگا،

اب ہم اس دور کے مشہور شعراء کا حال لکھتے ہین،

اس موقع پر اسقدر لکھدینا ضرور ہے کہ اس دور کے ایک بڑے رکن شاعری یعنی مولانا روم کا تذکرہ ہم کو قلم انداز کرنا پڑا ہی جس کی وجہ یہ ہو کہ ہم ان کے حالات اور ان کی شاعری پر ایک مستقل کتاب، سوانح مولانا روم کے نام سے لکھ چکے ہین، اور وہ گھر گھر پھیل چکی ہے،

در بکر بستن مضمون رنگین لطف نیست　　کم دہد رنگ، ارکسی بند د حنائے بستہ را

خواجہ فرید الدین عطار

ولادت شعبان ۵۱۳ھ ، وفات ۶۲۷ھ

اصلی نام محمد تھا، فرید الدین لقب ہی نیشا پور کے اضلاع مین کدگن ایک گانون ہی وہان کے رہنے والے تھے، انکے والد ابراہیم بن اسحاق، عطاری کا پیشہ کرتے تھے، اور کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، باپ کے مرنے کے بعد انہون نے کارخانہ کو اور زیادہ رونق دی، ریاض العارفین مین لکھا ہی کہ نیشاپور کے تمام کارخانے خواجہ صاحب کے اہتمام مین تھے ارباب تذکرہ متفقاً لکھتے ہین کہ خواجہ صاحب ایک دن دکان مین بیٹھے ہوے تھے، کسی طرف سے ایک فقیر آنکلا اور اُن کی دُکان کے ساز و سامان اور آرایش کو دیر تک غور سے دیکھا کیا، خواجہ صاحب نے ناراض ہو کر کہا کیون بیفائدہ اوقات ضائع کرتے ہو اپنا رستہ لو، اُسنے کہا تم اپنی فکر کرو، میرا جانا کیا مشکل ہی، مین یہ چلا، یہ کہکر وہین لیٹ گیا، خواجہ صاحب نے اٹھکر دیکھا تو تمام ہو چکا تھا، سخت متاثر ہوے، کھڑے کھڑے دکان لٹوا دی اور سارا کاروبار چھوڑ کر فقیر ہو گئے،

لیکن افسوس ہی کہ ہمارے تذکرہ نویسون نے خود خواجہ صاحب کی تصنیفات نہین پڑھین اُن کی کتابون سے ثابت ہوتا ہی کہ تصوف اور فقر کے کوچہ مین آنے کے بعد بھی وہ اپنے قدیم پیشہ مین مشغول رہے اور اسی حالت مین اسرار و عرفان کے حقائق بیان

کتابین لکھتے رہے، مصیبت نامہ اور الٰہی نامہ جو ان کی قابل قدر تصنیفین ہین، اسی زمانہ کی تصنیف ہین، چنانچہ خود لکھتے ہین،

مصیبت نامہ کاندوہ جہان است | الٰہی نامہ کاسرار عیان است
بہ دار وخانہ ہر دو کردم آغاز | چہ گویم، زود رستم زین وآن باز

خواجہ صاحب کی تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ وہ صرف عطار نہین، بلکہ طبیب بھی تھے، اور بڑے زور شور کا مطب تھا، روزانہ پان سو آدمی ان کے مطب مین آتے تھے، خسرو نامہ مین لکھتے ہین،

بہ دار وخانہ پانصد شخص بودند | کہ در ہر روز نبضم می نمودند
میان آن ہمہ گفت وشنیدم | سخن را بہ ازین روے ندیدم

ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

مبن گفت اے بمعنی عالم افروز | چنین مشغول طب گشتی شب و روز
سہ سال است این زبان تالب بہ بستی | بہ زہد خشک در کنجے نشستی

حقیقت یہ ہی کہ خواجہ صاحب بچپن سے، درد آشنا تھے ان کے والد قطب الدین حیدر[1] کے مرید تھے جو مشہور مجذوب گزرے ہین اور ۶۱۸ھ تک زندہ تھے، جب کہ خواجہ صاحب کی عمر ۸۴ برس کی تھی، خواجہ صاحب نے بچپن ہی مین انسے فیض حاصل کیا تھا، لیکن چونکہ اسلام رہبانیت کو گوارا نہین کرتا اور اسی وجہ سے حضرات صوفیہ کو انکے

---

[1] دولت شاہ،

مجاہدات اور ریاضتین مشاغل دنیوی سے مانع نہین آتین، اسلیے خواجہ صاحب نے باوجود فقر اور تصوف کے عطارخانہ اور مطب کا تعلق قائم رکھا، اور متعدد کتابین اسی حالت مین تصنیف کین، یہ ممکن ہی کہ اخیر مین جب جذبہ محبت زیادہ بڑھا تو خود بخود ادر چیزون سے دل اُچاٹ ہوگیا، اسی حالت مین فقیر کا واقعہ گزرا، اور اس نے آگ پر روغن کا کام دیا خواجہ صاحب کی تحریرون سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس عالم مین اُنہون نے مدت تک سیاحی بھی کی، لسان الغیب مین لکھتے ہین،

چار اقلیم جہان گردیدہ ام

سر برآوردہ بہ محبوبے عشق — سیر کردہ مکہ و مصر و دمشق

کوفہ و رے تا خراسان گشتہ ام — کُحن وجیحونش را ببریدہ ام

ملک ہندوستان و ترکستان زمین — رفتہ چون اہل خطا از سوے چین

عاقبت کردم بہ نیشاپور جاے — او فتاد از من بعالم این صداے

در نشاپورم بہ کنج خلوتے — با خداے خویش کردم وحدتے

خواجہ صاحب نے اگرچہ بہت سے بزرگون سے فیض اٹھایا تھا، لیکن جیسا کہ دولت شاہ نے لکھا ہو خرقہ فقر مجد الدین بغدادی سے حاصل کیا تھا،

مجد الدین بغدادی، قطب الدین خوارزم شاہ کے طبیب خاص تھے جس زمانہ مین چنگیز خان دنیا کے مرقع کو زیر و زبر کر رہا تھا، خواجہ صاحب نیشاپور مین تھے، نیشاپور کی

لہ ریاض العارفین۔

غارتگری مین ایک مغل نے خواجہ صاحب کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہا، برابر سی ایک مغل بولا کہ ہزار روپے پر میرے ہات بیچڈالو، خواجہ صاحب نے مغل سی کہا کہ اتنی قیمت پر کبھی نہ بیچنا میرے دام بہت زیادہ ہین، ایک اور مغل آنکلا۔ اُسنے کہا اس غلام کو میرے ہات ایک توبرہ گھانس کے معاوضہ مین فروخت کر دو، خواجہ صاحب نے گرفتار کرنیوالے سی کہا ضرور، بیچڈالو میری قیمت اس سے کہین کم ہی، خواجہ صاحب کی اس خلاف بیانی کو وہ مسخر سمجھا اور اُن کو قتل کرڈالا، وہ اس نکتہ کو کیا سمجھ سکتا تھا، کہ واقعی انسان سی بڑہکر کوئی چیز گران نہین، اور نہ اُس سی بڑھکر کوئی چیز ارزان ہی، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین ۵

مغل نے خواجہ صاحب کو قتل کر دیا، لیکن خواجہ صاحب کا خون خالی نہین جاسکتا تھا مغل کو انکی عظمت کا حال معلوم ہوا تو توبہ کر کے انکے مزار کا مجاور ہو گیا اور مرتے دم تک جدا نہ ہوا[۱]،

خواجہ صاحب کی تصنیفات تصنیفات کی یہ تفصیل ہی، اسرارنامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، جوہر الذات، وصیت نامہ، منطق الطیر، بلبل نامہ، حیدر نامہ، گل دہرمز، سیاہ نامہ، شتر نامہ، مختار نامہ، ان کے علاوہ غزلون اور رباعیون کا دیوان ہی، کل اشعار ایک لاکھ سے زیادہ ہین۔ فقرا کا ایک تذکرہ لکھا ہی جو تذکرۃ الاولیا کے نام سے مشہور ہی، اور حال مین مسٹر براون نے اسکو شائع کیا ہی، عبدالوہاب قزوینی نے

---

[۱] ریاض العارفین،

جو مسٹر براؤن کے شاگرد ہین ایک محققانہ دیباچہ لکھا ہی،

کلام پر راے | صوفیانہ شاعری کے چار ارکان ہین، سنائی، اوحدی، مولنا روم،
اور خواجہ فریدالدین عطار، خود مولنا روم باوجود ہم رتبگی کے فرماتے ہین، ع
ما از پس سنائی و عطار آمدیم۔

ہفت شہر عشق را عطار گشت   ما ہمان اندر خم یک کوچہ ایم

خواجہ صاحب نے تصوف کے جو خیالات ادا کیے ہین وہ حکیم سنائی سے زیادہ دقیق نہین
لیکن زبان اس قدر صاف ہے کہ اس وصف کا گویا انپر خاتمہ ہوگیا، ہر قسم کے خیالات
اس بے تکلفی، روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہین کہ نثر مین بھی اس سے زیادہ صاف ادا
نہین ہو سکتے،

اسکے ساتھ قوت تخئیل بھی اعلیٰ درجہ کی ہے، بہت سے نئے مضامین پیدا کیے ہین،
اور جو پہلے بندھ چکے تھے ان کو ایسے نئے پہلو سے ادا کرتے ہین کہ بالکل نیا مضمون معلوم
ہوتا ہی، مثلاً یہ مضمون کہ، معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد،

سقراط، فارابی، بوعلی سینا، الگ الگ طریقہ سے ادا کر چکے ہین، تاہم خواجہ صاحب
نے اس کی بالکل صورت بدل دی، فرماتے ہین،

کاملے گفتہ است می باید بسے   عقل و حکمت تا شود گویا کسے

باز باید عقل بے حد و قیاس   تا شود خاموش یک حکمت شناس

یعنی ایک کامل کا قول ہی کہ بولنے اور تقریر کرنے کے لیے بہت عقل اور حکمت درکار ہی،

لیکن چپ رہنے کے لیے اس سے بھی کہین زیادہ عقل درکار ہی، مطلب یہ ہی کہ جب انسان انتہائے درجۂ کمال تک پہنچتا ہے، تب جا کر یہ سمجھتا ہی کہ مین نے کچھ نہین سمجھا اور اس بنا پر چپ ہو جاتا ہی، اسی خیال کو ایک رباعی مین ادا کیا ہے،

می پنداری کہ جان توانی دیدن | اسرار ہمہ جہان توانی دیدن
ہرگاہ کہ بینش تو گردد بکمال | کوری خود آن زمان توانی دیدن

وحدت وجود کا مضمون، حد سے زیادہ پامال ہو چکا تھا، تاہم خواجہ صاحب کے پیرایے نئے ہین،

پُر شد از دوست ہر دو کون لیک | سوئی او ذرہ اشارت نیست

فغانی نے اسی مضمون کو اڑایا ہی،

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست | اما نمی توان کہ اشارت باو کنند

خواجہ صاحب کے اور مختلف طرز ادا دیکھو،

از برائے غریب خود خود گشت | جلوہ در قد در قدم رفتار
تاب در زلف، و وسمہ برابرو | سرمہ در چشم، و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت | بوی در مشک، و مشک در تاتار
قم باذنی و قسم باذن اللہ | ہر دو یک نغمہ آمد از لب یار
تو از دریا جدائی وین عجب بین | ز تو یک لحظہ این دریا جدا نیست
درعشق چو من توام تو من باش | یک پیرہن ست گو دو تن باش

خواجہ صاحب کا جو فلسفہ ہے ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا،

عبادت اور وحی کی حقیقت،

روزہ حفظ دل ست از خطرات　　پس بود با مشاہدہ افطار
حج چہ باشد ز خود سفر کردن　　بہ کجا؟ جانب ہدایت کار
وحی چہ بود سرانچہ در دل تو　　سر زند از نتایج اسرار

انسان اصل حقیقت تک نہین پہونچ سکتا،

قرب سی سال بود تا کہ ہمی کند جان　　کہ بجان راہ برم راہ نہ بردم بہ تنم
گرچہ بسیاری سن بازی فکرت کردہ ام　　بیش ازین چیزے نمی دانم کہ در سر حیرم
وصل تو گنجے ست اہم نہان زخود　　ہر کہ گوید یافتم دیوانہ ایست
بیگانہ شدم ز ہر دو عالم　　واگہ نہ کہ آشنای من کیست
چندین در بستہ بی کلید است چہ سود　　کس نام کشادن نشنید ست چہ سود
پیراہن یوسف ست یک ذرات　　یوسف ز میانہ ناپدید است چہ سود
نقش تو در خیال و خیال از تو بے بصر　　نام تو بر زبان و زبان از تو بے خبر
در حقیقت گر قدم خواہی زدن　　محو گردی تا کہ دم خواہی زدن
ہر آن مستے کہ بشناسد سر از پا　　از و دعوی مستی ناپسند است
گر در عشق از عشقت خبر نیست　　ترا این عشق عشق سود مند است
عشق بتان و خویشتن بفروش　　کہ نکوتر ازین تجارت نیست

رین دریا کہ من ہستم نہ من ہستم نہ دریا ہم	نداند ہیچ کس این سِر مگر آن کو چنین باشد
رادر راہ یک یکدم چو معراجیست سوی حق	زیک یک پایہ برتر می گزر چند انکہ تو انی
رفتم در بہشتِ نسیہ نتوانی رسیدن تو	ولے خود را ازین دوزخ کہ نقد تست برہانی

اخیر شعر مین ان لوگونکے خیال کو رد کیا ہی جو یہ کہتے ہین کہ بہشت کوئی چیز نہین اُسکو ادہار سمجھنا چاہیے، خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ مانا کہ بہشت اُدہار ہے لیکن یہ تو کرنا چاہیے کہ اس نقد دوزخ (تفکرات دنیوی) سے نجات ہات آئے،

تو چون در بند صد چیزی خدا را بندہ چون گردی	کہ تو در بند ہر چیزے کہ ہستی بندۂ آنی

عالمِ حقیقت کفر و اسلام دونون سے بالاتر ہے،

الب دریا ہمہ کفرست و دریا جملہ دینداری	ولیکن گوہر دریا ورا ے کفر و دین باشد

انسان ہی مین سب کچھ ہے،

انچہ می جویند بیرون دو عالم سالکان	خویش را یابند چون این پردہ از ہم بردرند
بہ ہمین دیدہ بنگر ی ظاہر	صورت خویش را بصورت یار
ہر کہ این جا ندیدہ محروم ست	در قیامت ز لذتِ دیدار
انا لیلے بگو اگر مردے	ورنہ چون ابلہان سری می خوار

وحدت وجود،

جہان از تو پُر و تو در جہان نہ	ہمہ در تو گم و تو در میان نہ
خموشی تو از گویائی تست	نہانی تو از پیدائی تست

ترا با ذرّه ذره راه بینم — دو عالم ثم وجه الله بینم
دوئی را نیست ره در حضرت تو — همه عالم توئی و قدرت تو
نکو گوئی نکو گفته است در ذات — که التوحید اسقاط الاضافات
خدا را جز خدا یک دوست کس نیست — که در خود خدا ہم اوست کس نیست
درین معنی که من گفتم شکے نیست — تو بے چیزی و عالم جز یکے نیست

کمال اسمٰعیل خلاق المعانی اصفہانی

وفات سنہ ۶۳۶ ہجری

اسمٰعیل نام، اور کمال تخلص تھا، ان کے والد جمال الدین عبدالرزاق مشہور شاعر تھے انکا پورا دیوان آج موجود ہے، آتشکدہ مین انکے بہت سے اشعار نقل کیے ہین، انکے دو بیٹے تھے، عبدالکریم، اور اسمٰعیل، عبدالکریم فقیہ تھے، اسمٰعیل نے بھی مذہبی علوم حاصل کیے تھے، لیکن شاعری کا مذاق خاندانی تھا، اس لیے اسی طرف توجہ کی اور اسی مین کمال پیدا کیا خاندان صاعدیہ[۱] کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، جلال الدین خوارزم شاہ کی مدح مین بھی قصیدہ کہا ہے جو دیوان مین موجود ہے، لیکن درباروں مین چندان قدر نہین ہوئی،

ایک دفعہ لوگون نے پوچھا کہ آپ خاندان صاعدیہ کی مدح کرتے ہین اور سلاطین سے اعراض کرتے ہین، بولے کہ صاعدیہ سخن فہم ہین اُن سے داد سخن ملتی ہے اور مین اسکو صلہ سے بڑھکر سمجھتا ہون[۲] تاہم چارناچار، سلاطین کی مدح بھی کرتے تھے، بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ جب سلطان سنجر سلجوقی، گرجستان کو فتح کرکے اصفہان مین آیا تو کمال نے

---

[۱] یہ کوئی شاہی خاندان نہ تھا بلکہ اصفہان کے قضاۃ مین سے تھے،

[۲] بہارستان سخن از شاہ نواز خان مصنف ماثر الامراء

اس کی مدح مین قصیدہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہی،

حجابِ ظلم تو برداشتی زچہرۂ عدل | نقاب کفر تو بکشادی از رخِ ایمان

بالآخر افسردہ ہوکر ترک تعلقات کیا اور حضرت **شہاب الدین** سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی، دیوان مین ایک قصیدہ بھی ان کی مدح مین موجود ہی، ایک دفعہ کسی بات پر اہلِ وطن سے ناراض ہوے، اور نظم مین بددعا کی،

اے خداوند ہفت سیّارہ | بادشاہے فرست خون خوارہ

تا در وکوہ را چو دشت کند | جوے خون آورد زجو بارہ

عددِ مردمان بیفزاید | ہر یکے را کند بہ صد پارہ

سنہ ۶۳۵ ہجری مین جب ادکتاے قاآن، اصفہان مین پہونچا تو قتل عام کا حکم دیا، اس زمانہ مین یہ گوشہ نشین ہوچکے تھے، اور شہر کے باہر ایک زاویہ[1] مین رہتے تھے، چونکہ لوگ ان کا ادب کرتے تھی، اور ان سے کوئی تعرض نہین کرتا تھا اس لیے اکثر لوگ نقدی وغیرہ ان کے گھر مین لاکر امانت کے طور پر رکھدیتے تھے، گھر مین ایک کنوان تھا وہ ان امانتوںکا خزانہ بنگیا تھا، شہر کی غارتگری مین ایک ترک اس طرف نکل آیا، اور ایک پرند کو غلیل سے مارنا چاہا، اتفاق سے زہ گیر اڑکر کنوئین مین جا پڑی، ترک کنوئین مین اترا، زر وجواہر کا انبار دیکھکر آنکھین کھل گئین، سمجھا کہ اور بھی خزانے گڑے ہونگے، کمال اسمٰعیل کو پکڑا کہ پتہ بتاؤ، اُنھون نے لاعلمی ظاہر کی، اُس نے غصہ مین آکر ان کا خاتمہ کردیا، مرتے وقت یہ

---

[1] اصفہان کے ایک محلہ کا نام ہے،

رباعی کہی اور اپنے خون سے دیوار پر لکھی،

دل خون شد و شرط جانگدازی این است | درحضرت تو کمینہ بازی این است
با این ہمہ ہیچ دم نمے باید زد | شاید کہ ترا بندہ نوازی این است

ریاض الشعرا مین ایک اور رباعی لکھی ہی، جو کمال نے اس حالت مین لکھی تھی،

وہ یہ ہے،

این کشتہ نگر، کمال اسمعیل است | قربان شدنش نہ از رہ تجمیل است
قربان تو شد کمال اندر رہ عشق | قربان شدن از کمال اسمعیل است

ید بیضا مین لکھا ہی کہ ترک کی انگوٹھی گر گئی تھی، اسکے نکالنے کے لیے وہ کنوئین مین اُترا تھا، ید بیضا مین اس واقعہ کا سن ۶۲۶ لکھا ہے،

شاعری کمال کی شاعری، قدما اور متاخرین کی مشترک سرحد ہی یعنی اسکا ایک سرا قدما، اور دوسرا متاخرین سے ملا ہوا ہی، قدما کی متانت، پختگی، استواری اور متاخرین کی مضمون بندی، خیال آفرینی، نزاکت مضمون، دونون یکجا جمع ہو گئے ہین، یہی وجہ ہے کہ متوسطین اور متاخرین دونون اُنکے معترف ہین، خواجہ حافظ فرماتے ہین،

گر با ورت نمی شود از بندہ این حدیث | از گفتہ کمال دلیلے بیاورم
گر برکنم دل از تو و بردارم از تو مہر | آن مہر بر کہ افگنم و دل کجا برم

سلہ یہ تمام حالات آتشکدہ، اور دولت شاہ سے ماخوذ ہین،

عرفی کہتا ہے،

مرا ز نسبت ہمدی کمال غم است
دگرنہ شعر چہ غم دارد از غلط خوانی

حزین کے زمانہ مین بحث پیدا ہوئی کہ کمال اور جمال مین سے کسکو ترجیح ہے، لوگون نے حزین سے استفتا کیا، اس نے یہ جواب لکھا،

درشعر جمال ارچہ جامے بکمال است
امانہ بہ زیبائی افکار کمال است

لفظش بہ صفا آئنۂ شاہد معنی است
یعنے بہ تنکوہے ست کہ طغرای بلاست

صد بار ز سرتا سر دیوانش گزشتم
لیلی ست کہ سرتا بقدم غنج و دلاست

دریوزہ گر رشحۂ اوئید حریفان
الحق رگ ابر قلمش بحر نواست

کمال اور محقق طوسی ہمعصر ہین، کمال کی بلند پایگی کی اس سی بڑھکر کیا دلیل ہوگی کہ محقق طوسی نے عظمت کے لہجہ مین کمال کا ذکر اپنی کتاب معیار الاشعار مین کیا ہی،

کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

۱- بہت سے نئے نئے مضامین پیدا کیے جنسے متاخرین کی مضمون آفرینیون کی بنیاد قائم ہوتی ہے، مثلاً،

چون صبح باز کرد دہن را بوصف باد
چرخش درست مغربی اندر دہان نہاد

اشرفی

جب صبح نے بادشاہ کی تعریف مین مُنھ کھولا تو آسمان نے اسکے صلہ مین اسکے مُنھ مین اشرفی ڈالدی

افگند چار نعل ہلال، آسمان دو بار
تا بار کاب خواجہ عنان بر عنان نہاد

بیرون فگند حرم ترازو زبان زکام
ازبسکہ بار جود برو بیکران نہاد

۲- نہایت مشکل طرحین کرتے ہین اور ان مین نئے نئے مضمون پیدا کرتے ہین، مثلاً

درگرد عزم او نہ رسد برق گرم رو ‏ ‏ در نزا آتشش بود بہ مثل چون شرار پاے
از لین ہمت تو برآرم چو مور پر ‏ ‏ از فرط عجز، اگرچہ ندارم چو مار پاے
ترسم کہ چون ز راز شد این شعر ہیچکس ‏ ‏ در گوش خویش جا نہ دہد چون ہزار پاے

کھنکھجور

ایک بڑا سیر حاصل قصیدہ لکھا ہے، جس کی ردیف برف ہی،

ہرگز کسے ندید بدینسان نشان برف ‏ ‏ گوئی کہ لقمہ ایست زمین در دہان برف
مانند پنبہ دانہ کہ در پنبہ تعبیہ است ‏ ‏ اجرام کوہ گشتہ نہان درمیان برف

پوشیدہ

۳- زبان کی صفائی اور سلاست کی حد جو ظہیر فاریابی پر ختم ہو چکی تھی، کمال نے اس سرحد کو اور آگے بڑہایا، مثلاً

سپیدہ دم کہ نسیم بہار مے آید ‏ ‏ نگاہ کردم و دیدم کہ یار مے آید
شراب در سر و چہرہ ز شرم رنگ آمیز ‏ ‏ چنین میانہ شرم و عقار مے آید
رخش چو شاخ درخت بہشت ہر گل ازان ‏ ‏ کہ می بچیدم، دیگر ببار مے آید

اُسکا چہرہ، بہشت کا درخت تھا کہ جو پھول مین چنتا تھا، اُس کی جگہ دوسرا نکل آتا تھا

زبسکہ داشت دل خستہ بستہ در فتراک ‏ ‏ چنان نمود مرا کز شکار مے آید
گرفتمش ہمہ رہ در حدیث داد گہ گہ ‏ ‏ بقدر حاجت پاسخ گزار مے آید

مین نے اُسکو باتون مین لگا لیا اور وہ بھی کبھی کبھی بقدر ضرورت جواب دیتا جاتا تھا

هرآن فریب کہ از عشوہ بست در کارم — مرا ز سادہ دلی، استوار مے آید
یقین
مراغ در کہ تشریف می دہد او خود — برائے خدمت صدر کبار مے آید
عزت

ایک قصیدہ مین ممدوح کی لیت و لعل کرنے کی شکایت ہی، ردیف ہیچ ہی اور کس روانی سے ہر جگہ ادا ہوتی ہے،

صدرا رو امدار کز انعام خود مرا — محروم ماندہ داری، و آن را بہانہ ہیچ
هر روز بامداد کنم رو بہ در گہت — یک دل پر از امید و پس آنگہ شبانہ ہیچ
چندین ہزار تیر معانی و شست طبع — کردم کشاد، و ماند از و بر نشانہ ہیچ
پنجاہ سال خدمت این خانہ کردہ ام — و امروز نیست بہرہ من جز فسانہ ہیچ
گر مستحق ہیچ نیم من، بدین ہنر — پس نیست مستحق عطا، در زمانہ ہیچ
از طالع است اینکہ من آفتاب چرخ — مشہور عالمیم و بر آن آستانہ ہیچ
زانم نمیدہی کہ ترا در خزانہ نیست — یعنی کریم را نبود در خزانہ ہیچ
بر ہیچ امید من، از وعدہ ہائے تو — دامے است بس شگرف و در ان دام دانہ ہیچ

آگے اور عنوانون کے نیچے جو اشعار آئین گے، ان مین صفائی زبان کی خصوصیت پر بھی لحاظ رکھنا چاہیے،

۴۔ شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یہ ہی کہ شاعری کی ایک صنف یعنی ہجو اور ظرافت جانوری اور سوزنی وغیرہ کی وجہ سے لچون کی زبان بن گئی تھی، کمال نے اسکو نہایت لطیف اور پر مزہ کر دیا، اگرچہ بہتر تو یہی تھا کہ یہ بیہودہ صنف سرے سے اڑا دیجاتی لیکن ہجو شعرا کا

ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کو تعلق تھا، اس لیے وہ اس سے بالکل دست بردار نہین ہو سکتے تھے، امرا، اور سلاطین، جب صلہ کے دینے مین لیت ولعل کرتے تھے تو کمال ہجو اور ظرافت سے کام لیتا تھا لیکن اس طرح کہ خود اُس شخص کو مزہ آئے جس کی ہجو لکھی گئی ہے، ایک دفعہ گھوڑے کے زین ولگام، اور دانہ گھاس کے لیے ممدوح سے درخواست کی، دیکھو کس ظریفانہ پیرا یے مین اس مطلب کو ادا کیا ہے،

دوش خربندہ کرد پیشم یاد — کاسپ خواجہ، زندگی بتو داد
(سائیس)
تنگ دل گشتم از رہ خبرش — کہ جوان بود وزیرک واستاد
گرچہ غمگین شدم ز واقعہ اش — گشتم الحق از ان یکے دلشاد
کہ شنیدم کہ او بہ وقت وفات — بہ وصیت لب و دہان بکشاد
از جو وکاہ واز جل وافسار — ہرچہ بُد، در وجوہ خیر نہاد
(گھاس — زین — لگام) — (یعنی خیرات کیا)
زرچنان وقت این چنین توفیق — ہمہ جا نور خدا بدہاد
واجبم گشت تعزیت نامہ — بتو اے سرور کریم نہاد
بر تو فرض است حق گزاری او — زانکہ در خدمتت بسے استاد
مستحق تر ز اسپ من نبود — گر وصیت ہمی کنی انفاد
(جاری کرنا)
ہیچ تاخیر بر نتابد خیر — زود تعجیل کن کہ خیرت باد

یعنی کل سائیس نے مجھ سے یہ خبر بیان کی کہ حضور کا گھوڑا، مرگیا، مجکو سخت رنج ہوا لیکن اس خیال سے خوشی بھی ہوئی کہ اسنے مرتے وقت وصیت کی اور جو کچھ اس کے

پاس ساز وسامان تھا، سب خیرات کردیا، ایسی توفیق خدا سب کو دے، بہرحال آپ پر اُسکا بڑا حق ہے، اور آپ کو اس کی وصیت پوری کرنی چاہیے، لیکن اس وصیت کا مستحق، میرے گھوڑے سے بڑھکر کوئی نہین،

ایک بخیل کی ہجو کی ہی،

دی مرا گفت دوستے کہ مرا (کل) | با فلان خواجہ از پے دو سہ کار
سخنے چند ہست وازپے آن، | خلوتے مے بباید م ناچار
خلوتے آن چنان کہ اندر وے | ہیچ مخلوق را نباشد بار (گذرا)
گفتم این فرصت ار توانی یافت | وقت نان خوردنش نگہ مے دار

یعنی مجھسے کل ایک دوستنے کہا کہ فلان رئیس سے مجکو کچھ مخفی کام ہے، (خیال رکھو) اس لیے مین ایسی تنہائی کا موقع چاہتا ہون، کہ اسوقت اُنکے پاس کوئی نہو، مین نے کہا ایسا موقع صرف اُن کے کھانے کے وقت ملسکتا ہے،

ایک اور بخیل کی ہجو مین لکھتے ہین،

زمردفانی با درکنم اگر گوید، | کہ من بخانۂ خود مے خورم طعام حلال
نہ آنکہ مال حلالست مردفانی را | کدام مال کہ او دارد و کدام حلال
دے ز مسکی آنگاہ مال خویش خورد | کز اضطرار مراو را شود حرام حلال

یعنی فلان شخص اگر کہے کہ مین اکل حلال کھاتا ہون تو مین یقین کر لونگا، لیکن اس بنا پر کہ درحقیقت اسکا مال پاک اور حلال ہی، بلکہ اسوجہ سے کہ وہ کھانا اتنی دیر کے بعد کھاتا ہی

جبکہ مردار بھی حلال ہوجاتا ہے (کم سے کم تین دن کے بعد)

ایک اور بخیل کی ہجو،

بدہ من نان خواجہ چون بردم | خواجہ گفتا کہ آہ من مردم
گفتمش خواہ میر و خواہ میر | کہ من این لقمہ را فرو بردم

کسی نے کمال کو بُرا کہا تھا، اسکے جواب مین کہتے ہین،

شخصے بد ما بہ خلق مے گفت | ما از بد او دمے خراشیم
ما نیکی او بخلق گفتیم | تا ہر دو، دروغ گفتہ باشیم

(براہین مانتے)

محقق طوسی کا یہ مشہور قطعہ،

نظامِ بے نظام ار کافرم خواند | چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمان خوانمش زیرا کہ نبود | سزاوارِ دروغے جز دروغے

اسی قطعہ سے ماخوذ ہی،

ایک رئیس سے صلہ کا تقاضا کیا ہی، اور کس قدر لطیف پیرایہ اختیار کیا ہی،

سہ شعر رسم بُوَد، شاعران طامع را | یکے مدیح، دوم قطعۂ تقاضائی
اگر بداد، سوم شکر، ور ندادہ ہجا | ازین سہ بیت دو گفتم، دگر چہ فرمائی

یعنی شعرا پہلے مدح کہتے ہین، پھر صلہ کی یاد دہانی کے لیے ایک نظم لکھتے ہین اب اگر ممدوح نے صلہ عنایت کیا تو شکریہ لکھتے ہین، ورنہ ہجو، مین ان تینون نظمون سے

لہ یہ اشعار انوری کی طرف بھی منسوب ہین،

دو لکھ چکا ہون، تیسری کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہی،

غزل کی نسبت یہ مسلم ہو کہ سب سے پہلا خاکہ کمال ہی نے قائم کیا ہے، جسکو شیخ سعدی نے اسقدر ترقی دی کہ موجد بن گئے، خان آرزو مجمع النفائس مین فغانی کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

قدما را در غزل طرزے بود بسیار سادہ، چون نوبت بہ کمال الدین اسمٰعیل رسید، او رنگے دیگر داد، بعد از ان شیخ سعدی و خواجو نمک دیگر ریختند

کمال نے غزل مین سادگی اور صفائی کے ساتھ رنگینی اور جدت مضمون بھی پیدا کی جسکا اندازہ ان مثالون سے ہوگا،

دوش بگذشتم و دشنام ہمیداد مرا | خدمتش کردم و پنداشت کہ من نشنیدم

کل مین اُدھر سے گذرا تو وہ مجکو گالیان دے رہا تھا، مینے اُسکو سلام کیا اور وہ سمجھا کہ مینے گالیان نہین سنین

گرچہ لعلش بہ سزا ناخوشی آنہا میگفت | من از ان خوشتر از و ہیچ سخن نشنیدم

اسکے ہونٹھ اگرچہ بُری طرح گالیان دے رہے تھے لیکن مینے اس سے زیادہ خوشمزہ کوئی بات آجتک نہین سنی،

زمستان است اندازی ندارد چشم کس ہرگز | مگر چشمش کہ چون شد مست ناوک بہتر اندازد

مست آدمی اچھی طرح تیراندازی نہین کرسکتا، لیکن اسکی آنکھین مستی مین اور زیادہ ٹھیک نشانہ لگاتی ہین،

چو اندازد بمن تیرے، کنم در سینہ پنہانش | بدان تا از پئے ہر تیر تیرے دیگر اندازد

از چشم نیم خواب تو امروز روشن است | آن نالہ ہا کہ در غم تو دوش کردہ ایم

بود ہمیشہ جان من رسم تو بے گنہ کشی، | ہیچ نمی کشی مرا، من چہ گناہ کردہ ام!

زبان کی سادگی دیکھو،

روے زان خوبتر تواند بود ؟ — ہان بگوئید اگر تواند بود
آنچنان نازک و چنان شیرین، — لب نباشد، شکر تواند بود

ل خود طلب چو کردم بر نرگس تو، گفتا — بردلے فلان وبہان برمن چہ کار دارد
و بے بگفتم اورا بکرشمہ گفت با من — سر گفتگو ندارم، کہ مرا خمار دارد
(مجھے خمار ہے)
چہ دہی صداع مستان چہ کنی حدیث چیزے (تکلیف) — کہ کمینہ ہندوے (غلام) من بازین ہزار دارد

نخستم دل بدام اندر کشیدی — پس آنگاہم قلم برسر کشیدی
بقصد جان چون من، ناتوانے — ز ردم و ہندو چین لشکر کشیدی
پراگندہ ہمہ غمہاے عالم — ز بہر من، بیک دیگر کشیدی
اگرچہ آستین برمن فشاندی — دگرچہ دامن از من درکشیدی
نہ خواہد رفت ازیادم کہ با من ق — شبے تا صبحدم ساغر کشیدی

رباعی کو جسقدر کمال نے ترقی دی، قدما اور متوسطین مین اُسکی نظیر نہین مل سکتی، رباعی

گل خواست کہ چون رخش نکو باشد و نیست — چون دلبر من برنگ و بو باشد و نیست
صد روے فراہم آورد در سالے — باشد (شاید) کہ یکے چو روے او باشد و نیست

گر لاف زنم که یار خوشخوست، نه   با ما به وفا و عهد نیکوست، نه
زین نادره‌تر که از برای تو مرا   شهری همه دشمن‌اند و تو دوست، نه

در دیدهٔ روزگار نم بایستی   یا با غم او صبر بهم بایستی
یا مایهٔ غم چو عمر کم بایستی   یا عمر به اندازهٔ غم بایستی

یار آمد دوش کردمش مهمانی   هر چیش گفتم نکرد، نافرمانی
می خورد و بخفت، دست در را بستم   وانگاه به او، چه کرده باشم دانی

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

مصلح الدین لقب اور سعدی تخلص تھا، انکے والد اتابک سعد بن زنگی بادشاہ شیراز کے ملازم تھے اس تعلق سے شیخ نے سعدی تخلص اختیار کیا،[۱]

سال ولادت معلوم نہین، وفات کی نسبت سب متفق ہین کہ ۶۹۱ھ مین ہوئی عمر کی مدت عام تذکرون مین ۱۰۲ برس کی لکھی ہے لیکن اس حساب سے سال ولادت ۵۸۹ھ ہوگا شیخ نے تصریح کی ہے کہ وہ ابو الفرج ابن جوزی کے شاگرد ہین اور غالباً یہ وہ زمانہ ہوگا جب شیخ بغداد مین تحصیل علم کے لیے آئے ہین، ابن جوزی نے ۵۹۷ھ مین وفات پائی، شیخ کی ولادت اگر ۵۸۹ھ مین مانی جائے تو ابن جوزی کی وفات تک انکی عمر کل ۹ برس کی ہوگی اور یہ کسی طرح صحیح نہین، بعض تذکرون مین شیخ کی عمر ۱۲۰ برس لکھی ہے اگر یہ خارج از قیاس عمر تسلیم کر لی جائے تو اور واقعات کی کڑیان ملجائینگی، لیکن ایک سخت دقت پھر باقی رہتی ہے وہ یہ کہ شیخ نے گلستان مین لکھا ہے کہ جس زمانہ مین سلطان محمود خوارزم شاہ نے

---

[۱] مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے حیات سعدی مین سعدی کے حالات اور شاعری پر جو کچھ لکھدیا اسکے بعد کچھ لکھنا بے فائدہ ہے، لیکن بعض تعلیم یافتہ دوستون نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور آخر مجبوراً لکھنا پڑا، [۲] تذکرہ دولت شاہی،

خطا سے صلح کی ہین کاشغر مین آیا،،

سلطان محمود ۵۸۹ھ مین مرا ہے اس لیے اس زمانہ مین اُنکی عمر ۱۰ برس کی ہوگی لیکن واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہی کہ شیخ کی شاعری اور کمالات نے کم از کم ۳۰، ۴۰ برس کی عمر مین شہرت پائی ہی، اسلیے یا تو شیخ نے غلطی سے علاء الدین تکش خوارزم شاہ کے بجاے محمود خوارزم شاہ کا نام لکھدیا ہی، یا اُن کی شاعری کی شہرت اُن کے شباب ہی مین ہوچکی ہوگی،

شیخ کے بچپن کے حالات اگرچہ کسی تذکرہ نویس نے قلمبند نہین کیے لیکن خود شیخ کے بیانات سے بہت سی دلچسپ باتین معلوم ہوتی ہین،

شیخ کے والد نے شیخ کو جب پڑھنے کیلیے بٹھایا تو لکھنے کی تختی، کاغذ، اور ایک طلائی انگوٹھی خرید کردی، یہ اُسوقت اسقدر کمسن تھے کہ کسی نے مٹھائی دیکر انسے انگوٹھی اُڑالی، چنانچہ خود فرماتے ہین،

زعہد پدر یاد دارم ہمے،	کہ باران رحمت برو ہر دمے
کہ در طفلیم لوح و دفتر خرید	ز بہرم یکے خاتم زر خرید
بدر کرد ناگہ یکے مشتری	بخرمائے از دستم انگشتری

شیخ کے والد شیخ کو مزید محبت اور تربیت کے خیال سے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے ایک دفعہ عیدگاہ مین ان کو ساتھ لیکر چلے، ہات مین دامن پکڑا دیا تھا کہ ساتھ سے الگ نہو جائین، راستہ مین بچے کھیل رہے تھے یہ دامن چھوڑ کر اُن مین جا ملے اور باپ کا ساتھ

چھوٹ گیا، کشمکش اور ہجوم مین باپ کی صورت نظر نہ آئی تو گھبرا کر رونے لگے، اتفاق سے باپ نے دیکھ لیا، کان پکڑ کر کہا احمق! تجھ سے کہا نہ تھا کہ دامن نہ چھوڑنا، اس قسم کے واقعات ہر بچہ کو پیش آتے ہین، لیکن اس سے یہ پاکیزہ نتیجہ نکالنا کہ

تو ہم طفل راہی بہ سعی اے فقیر　　　　برو دامن پیر دانا بگیر

شیخ کا کام ہے،

ان کے باپ ان کی تربیت اس طرح کرتے تھے جس طرح ایک عارف سالک مرید کو تزکیہ نفس کی منزلین طے کراتا ہے، وہ بات بات پر انکو ٹوکتے تھے اور ان کی غلطیون پر تنبیہ کرتے تھے، ان کے اثر سے شیخ کو بچپن ہی مین زہد و عبادت کا چسکا پڑ گیا تھا، ایک دفعہ حسب معمول باپ کی صحبت مین رات بھر جاگے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہے، گھر کے اور آدمی غافل سو رہے تھے، ان کو خیال آیا۔ باپ سے کہا کہ آپ دیکھتے ہین کہ یہ لوگ کیسے بےخبر سو رہے ہین کسی کو اتنی توفیق نہین ہوتی کہ اُٹھکر دو رکعت نماز پڑھلے، باپ نے کہا جان پدر! اگر تم بھی سو رہتے تو اس سے بہتر تھا کہ لوگون کی غیبت کر رہے ہو،

بچپن مین جب انکو وضو کرنا نہین آتا تھا، محلہ کے ایک مولوی صاحب سے روزہ اور نماز سیکھنی شروع کی، مولویصاحب نے وضو کے سب آداب و سُنن سکھا کر یہ بھی بتایا کہ روزہ مین دوپہر ڈھلنے کے بعد مسواک کرنا منع ہے، پھر کہا کہ ان فرائض کو مجھ سے بڑھکر کوئی شخص نہین جانتا ہوگا، گاؤن کا رئیس بالکل بڈھا پھوس ہو گیا ہے، رئیس نے سُنا تو کہلا بھیجا کہ

نہ مسواک در روزہ گفتی خطا است — بنی آدم مردہ خوردن روا است

یعنی تم نے خود بتایا کہ روزہ مین مسواک کرنا منع ہے لیکن کیا مردہ کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) جائز ہے،

شیخ کے باپ نے انکے بچپن ہی مین وفات پائی اور جس ناز ونعم سے پل رہے تھے وہ سامان جاتے رہے، خود کہتے ہین.

من آنگہ سر تاجور داشتم — کہ سر در کنار پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستے مگس — پریشان شدی خاطر چند کس

کنون دشمنان گر برندم اسیر — نباشد کس از دوستانم نصیر

مرا باشد از درد طفلان خبر — کہ در طفلی از سر برفتم پدر

لیکن انکی والدہ ان کی جوانی تک زندہ رہین اور ان سے بھی انکو اخلاقی سبق ملتے رہتے تھے، **گلستان** مین لکھا ہے،

وقتے از جہل جوانی بانگ بر مادر زدم، دل آزردہ بکنجے نشست

وگریان ہمیگفت مگر خوردی را فراموش کردی کہ درشتی میکنی (باب ششم)

طالب علمی

شیراز مین اگرچہ تحصیل علم کا ہر قسم کا سامان مہیا تھا، سیکڑون علما وفضلا درس وتدریس مین مشغول تھے، اسکے علاوہ اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی المتوفی ۵۹۱ھ کا مدرسہ موجود تھا، لیکن اس زمانہ مین تحصیل کمال کے لیے ممالک دور دراز کا سفر اور مشہور درسگاہون مین حاضر ہونا لازمی امر خیال کیا جاتا تھا، اس زمانہ میں سب سے بڑا مدرسہ جسکو یونیورسٹی

سکتے ہین نظامیہ بغداد تھا، شیخ نے نظامیہ مین تحصیل علم شروع کی اور جیسا کہ عام طریقہ
مدرسہ سے کچھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا، یہ پتہ نہین چلتا کہ نظامیہ مین انھون نے کس
تحصیل علم کی، ان قرائن سے کہ شیخ نے ابن جوزی کی شاگردی کی، ابن جوزی
داد مین رہتے تھے، شیخ نظامیہ مین حدیث پڑھتے تھے، لوگون نے نتیجہ نکالا ہے کہ شیخ
نظامیہ مین ابن جوزی ہی کے آگے زانوے شاگردی[1] تہ کیا، لیکن مدرسین نظامیہ
فہرست مین ہم ابن جوزی کا نام نہین پاتے، بے شبہہ ابن جوزی بغداد مین حدیث
درس دیتے تھے، لیکن اپنے مکان پر دیتے ہون گے، نظامیہ سے انکا تعلق ثابت
ین ہوتا۔

یہ عجیب بات ہی کہ ابن جوزی کا اثر شیخ کی تعلیم پر نہین پڑا، ابن جوزی ان محدثین
ن شمار کیے جاتے ہین جو حدیث اور روایت مین نہایت سخت احتیاط سے کام لیتے
تھے اور مشتبہ اور ضعیف روایتون کو بالکل ترک کر دیتے تھے، لیکن شیخ اتفاق سے
ین کوئی حدیث ذکر کرتے ہین تو عموماً ضعیف بلکہ مصنوعی ہوتی ہے، مثلاً

مزد گر بدورش بنازم جہان — کہ سیّد بہ دوران نوشیروان

یا مثلاً لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب الخ

یا مثلاً حضرت ابوہریرہ کی حدیث زر دنی غبا الخ

یا مثلاً طبیب فارس کی حدیث وغیرہ وغیرہ،

---

[1] جامع التواریخ صفحہ ۳۰

شیخ کی تحصیل علمی کا وہ زمانہ ہے جب اتابکان فارس کے سلسلہ مین سے سعد
زنگی تخت حکومت پر متمکن تھا، وہ نہایت عادل، اور صاحب جبروت حکمران تھا، لیکن
معلوم نہین کیا اسباب تھے کہ شیخ کو شیراز مین امن و آسائش سے رہنا نہین نصیب
ہو سکتا تھا، چنانچہ خود کہتے ہین،

سعدیا! حُبِّ وطن گرچہ حدیثیست صحیح — نتوان مرد بہ سختی کہ من آنجا زادم

غرض شیخ نے تحصیل علم سے فارغ ہوکر، سیر و سیاحت شروع کی اور ایک مدت دراز
تک سفر کرتے رہے جس کی مدت عام تذکرہ نویس ۳۰ برس لکھتے ہین،

سیر و سیاحت کی غرض مختلف ہوتی ہے اور جو غرض پیش نظر ہوتی ہے سیاح اُسی
سفر و سیاحت — حیثیت سے تمام چیزون کو دیکھتا ہے بلکہ تمام چیزین اُسی حیثیت سے خود اس کی نظر مین جلوہ گر
ہوتی ہین، شیخ مین کثرت سے مختلف حیثیتین جمع تھین، وہ شاعر تھے، صوفی تھے، فقیہ
تھے، واعظ تھے، حسن پرست تھے، رند تھے، شوخ طبع تھے، اس لیے اُنھون نے
تماشاگاہ عالم کو ہر ہر پہلو سے دیکھا،

وہ کبھی زہد و ریاضت کے عالم مین حج و زیارت کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے ہین،
نہایت دشوار گذار اور طویل سفر! دن مین پیادہ پا سیکڑون کوس چلے جاتے ہین، رات رات
بھر کی متصل پیادہ روی سے تھک کر چور ہو جاتے ہین اور عین راستہ مین پتھریلی زمین
پر پڑ کر سو جاتے ہین، کبھی نفس کشی کے لیے بیت المقدس مین کاندھے پر مشک رکھکر سقائی
کرتے ہین، لوگون کو پانی پلاتے پھرتے ہین، کبھی کسی صاحبدل درویش کا تذکرہ

ان کی زیارت کیلیے اوم پہونچتے ہین کبھی انبیا کے مزارات پر اعتکاف کرتے
جمعہ کا دن ہے نماز کو جانا چاہتے ہین لیکن پاؤن مین جوتی نہین دل مین شکایت
ہوتی ہی، دفعۃً ایک شخص پر نظر پڑتی ہے، جسکے سرے سے پاؤن ہی نہین صبر آجاتا ہے
سمجھ جاتے ہین، کہ صبر و رضا کی تعلیم ہے،

ایک دفعہ لوگون کی صحبت سے تنگ آکر بیت المقدس کے صحرا مین بادیہ نوردی
شروع کی، اتفاق سے عیسائیون نے پکڑ لیا اور طرابلس (ٹرپولی) مین خندق کھودنے کی
کام پر لگایا، بہت پریشان ہوے لیکن مجبور تھے، اتفاق سے ایک قدیم دوست کا
ادھر گزر ہوا، پوچھا خیر ہے ؟ فرمایا،

گریختم از مردمان بکوہ و بہ دشت	کہ از خدائے نبودم بہ دیگرے پرداخت
قیاس کن، کہ چہ حالت بود درین ساعت	کہ با طویلۂ نامردمم بباید ساخت

یعنی جو شخص آدمیون سے بھاگتا پھرتا تھا جب جانورون مین پھنس جاے تو اس کی
کیا حالت ہوگی، دوست کو رحم آیا، فدیہ دیکر ان کو چھڑایا، اور اپنے ساتھ حلب مین لائے،
اور عنایت سے سو اشرفی مہر پر اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کر دی لیکن صاحبزادی نہایت
تلخ اور زبان دراز تھین شیخ سے ہمیشہ ان بن رہتی تھی، ایک دن کہنے لگین تم اپنی
ہستی بھول گئے، تم وہی تو ہو کہ میرے باپ نے دس دینار دیکر تمکو چھڑایا، شیخ نے کہا
ہان دس دینار دیکر چھڑایا، لیکن سو دینار کے عوض پھر گرفتار کرا دیا،

شیخ نے تصوف و سلوک کی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ

سے حاصل کی، اسی سیاحت کی بدولت سفر دریا مین انکا ساتھ ہوا اور انکی فیض صحبت سے
شیخ نے تزکیہ نفس کے مراتب طے کیے. چنانچہ خود فرماتے ہین،

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش — دگر آنکہ بر غیر بد بین مباش

ایک دفعہ بعلبک کی جامع مسجد مین وعظ کہہ رہے تھے اور نحن اقرب الیہ من
حبل الورید کا نکتہ بیان فرما رہے تھے، کسی پر کچھ اثر نہین ہوتا تھا تاہم یہ اپنے عالم
مین مست تھے اور یہ شعر زبان پر تھا،

دوست نزدیک تر از من بہ من است — وین عجب تر کہ من از وے دورم
چکنم باکہ توان گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

اتفاق سے کوئی صاحبدل آنکلے، اُنھون نے بیساختہ نعرہ مارا، اُنکی اثر سی مجلس
کی مجلس گرما گئی، شیخ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "دوران با بصر نزدیک و نزدیکان بے بصر
دور"، ایک دفعہ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے قاضی کے دربار مین گئے اور اونچی صف مین
جا کر بیٹھے، قاضی صاحب نے تیز نگاہون سے دیکھا، اور میر دربار نے جو لوگونکو حسب مدارج
بٹھانے پر مامور تھا ان کے پاس آکر کہا،

ندانی کہ برتر مقام تو نیست — فروتر نشین، یا برو، یا بایست

شیخ نے وہان سے اُٹھکر صف پائین مین آکر بیٹھے، تھوڑی دیر کے بعد حسب معمول کسی فقہی
مسئلہ پر بحث چھڑی اور ہر طرف سے شور و غل کی آوازین بلند ہوئین، لیکن کوئی شخص

کوئی فیصلہ کن بات نہین کہتا تھا کہ سب اسکے سامنے سر جھکا دین، شیخ کو اظہار کمال کا موقع ملا، صف پائین سے للکار کر کہا،

کہ برہان قوی باید و معنوی — نہ رگہاے گردن بہ حجت قوی

لوگون نے انکی طرف توجہ کی، انھون نے اس خوبی سے اس مسئلہ کو سلجھا کر ادا کیا کہ سب مان گئے، یہانتک کہ خود قاضی صاحب صدر مجلس سے اٹھے اور اپنی پگڑی اُتار کر ان کے سر پر رکھدی،

اُس زمانہ مین اتنا انصاف بھی تھا آج کا دن ہوتا تو کوئی اُنکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا،

اسکندریہ کے مشہور قحط مین جس مین لوگ بھوک کے مارے آدمی کو زندہ بھون کر کھا جاتے تھے، ایک دولتمند مخنث نے اپنا خوان کرم اس قدر وسیع کر رکھا تھا کہ کسی شخص کے لیے روک نہ تھی شیخ اس زمانہ مین اسکندریہ ہی مین تھے، ان کے دوستون نے ان سے کہا کہ مخنث کی دعوت مین چلنا چاہیے، ان کی خودداری نے گوارا نہ کیا، اور کہا،

نہ خورد شیر، نیم خوردہ سگ — ورز سختی بمیرد اندر غار

شیخ کی آزادہ روی اور تجربوں کے لحاظ سے بظاہر قیاس ہوتا ہے کہ انھون نے اہل وعیال کا جھگڑا نہین خریدا ہوگا، لیکن تاریخی شہادتین موجود ہین کہ انھون نے اس تجربہ گاہ کی بھی سیر کی، ایک دفعہ تو وہی مجبوری کا تعلق اختیار کرنا پڑا تھا جسکا ذکر اوپر گذر چکا، دوسری دفعہ

صنعاء (یمن کا صدر مقام) مین نکاح کا اتفاق ہوا، اور اس سے اولاد ہوئی، لیکن بچپن ہی مین جاتی رہی، باوجود آزادی کے شیخ کو اسکا بہت صدمہ ہوا چنانچہ خود بوستان مین فرماتے ہین،

بہ صنعا درم طفلے اندر گذشت	چہ گویم کزانم چہ بر سر گذشت

یہانتک حواس باختہ ہوئے کہ قبر کا ایک تختہ اکھاڑ کر لخت جگر کو دیکھنا چاہا لیکن ہولناک منظر دیکھکر کانپ اُٹھے، اور غشی سی طاری ہوگئی، ہوش مین آئے تو فرزند دلبند نے زبان حال سے کہا،

شب گور خواہی منور چو روز	ازینجا چراغ عمل بر فروز

جس زمانہ مین سلطان خوارزم شاہ نے خطا والون سے صلح کر لی، شیخ کاشغر مین آئے جامع مسجد مین ایک مدرسہ تھا جس مین حسب دستور سیات کی ابتدائی کتابین پڑھائی جاتی تھین، سیر کرتے کرتے مدرسہ مین آئے، ایک خوش جمال لڑکا زمخشری کی کتاب (غالباً مفصل ہوگی) پڑھ رہا تھا اور یہ فقرہ زبان پر تھا ضرب زید عمرا، شیخ نے کہا خوارزم و خطا مین صلح ہوگئی اور زید اور عمر کا جھگڑا ابتک ختم نہین ہوچکا، لڑکا ہنس پڑا اور انکا نام نشان پوچھا، انھون نے کہا خاک شیراز، شیخ کا شہرہ عالم گیر ہوچکا تھا، شیراز کا نام سنکر اُسنے کہا سعدی کے شعر بھی کچھ آپ کو یاد ہین؟ انھون نے عربی کے دو شعر اسی وقت موزون کرکے پڑھے، لڑکا سمجھ نہ سکا، بولا کہ ہمارے ملک مین تو اُنکے فارسی شعر مشہور ہین، آپ فارسی شعر پڑھتے تو مین سمجھ بھی سکتا، شیخ نے برجستہ کہا،

ای دل عشاق بدام تو صید | ما بتو مشغول و تو با عمر و زید

دوسرے دن کسی نے لڑکے سے کہدیا کہ یہی سعدی ہین وہ دوڑا ہوا شیخ کے پاس گیا اور نہایت اخلاص وعقیدت ظاہر کی، اور کہا کہ آپنے نام کیون نہین ظاہر فرمایا کہ مین خدمتگذاری کی سعادت حاصل کرسکتا، شیخ نے جواب میں یہ مصرع باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم (تیرے سامنے مین یہ کہہ نہ سکا کہ مین ہون) لڑکے نے عرض کی کہ چند روز آپکا قیام ہوتا توسب آپ سے مستفید ہوتے، شیخ نے کہا نہین مین نہین ٹھہر سکتا پھر یہ اشعار پڑھے،

بزرگے دیدم اندر کوہسارے | قناعت کردہ از دنیا بہ غارے

بدو گفتم بہ شہر اندر نیائی؟ | کہ بارے بندے از دل برکشائی

بگفت آنجا پری رویان نغزند | چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

وقت کی تہذیب دیکھو! شیخ جیسا مقدس اور صوفی منش ایک امرد کو گلے لگاتا ہی، پیار کرتا ہے منھ چومتا ہے اور پھر دیدہ دلیری سے کہتا ہے،

این بگفتیم و بوسہ چند بر سر و روی یکدیگر دادیم و وداع کردیم،

بوسہ دادن بروی یار چہ سود | ہم دران لحظہ کردنش بدرود

اسی عالم سیاحت مین، شیخ ہندوستان مین بھی آئے، عام تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ شیخ امیر خسرو سے ملے تھے لیکن مستند تاریخون مین اسیقدر ہی کہ امیر خسرو کے ممدوح خان شہید[۱] نے دو دفعہ شیخ کو شیراز سے طلب کیا، لیکن شیخ نے بڑھاپے اور ضعف کا عذر کیا

[۱] خان شہید نے ۶۸۳ھ مین شہادت پائی اور شیخ سعدی کے بلانے کا واقعہ اسی سنہ کا دو چار برس قبل کا واقعہ ہی،

اور گلستان و بوستان اپنے ہات سے لکھکر تحفہ مین بھیجی،

خان شہید نے امیر خسرو کا کلام بھی بھیجا تھا، شیخ نے اس کی بہت تحسین کی اور لکھا کہ یہ جوہر قابل قدردانی کے قابل ہی،

ہندوستان کے سفر کا ایک واقعہ شیخ نے بوستان مین لکھا ہی لیکن بیان واقعہ مین اس قدر غلطیان ہین کہ سرے سے اصل واقعہ مشتبہ ہو جاتا ہی، انکا بیان ہی کہ وہ سومنات مین آئے، یہان ایک عظیم الشان بت خانہ تھا، پوجاریون سے راہ ورسم پیدا کی، ایکدن ایک برہمن سے کہا کہ مجکو سخت تعجب ہے کہ ایک پتھر کو لوگ کیون پوجتے ہین وہ نہایت برہم ہوا اور تمام بت خانہ مین یہ چرچا پھیل گیا، سب ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، انھون نے کہا بت کے ظاہری حسن وخوبی کا مین بھی معترف ہون لیکن جاننا چاہتا ہون کہ معنوی کمال کیا ہی؟ برہمن نے کہا ہان یہ پوچھنے کی بات ہی، مین نے بھی بہت سفر کیے اور ہزارون بت دیکھے لیکن جو معجزہ اس مین ہی کسی مین نہین، یہ ہر روز صبح کو دعا کے لیے خود ہات اٹھاتا ہی، چنانچہ دوسرے دن شیخ نے یہ شعبدہ خود اپنی آنکھون سے دیکھا، شیخ کو نہایت حیرت ہوئی اور اس فکر مین ہوے کہ اصل راز کیا ہی؟ تقیۃً بت کے ہات چومے اور بہت خشوع وخضوع ظاہر کیا اور بت خانہ مین اس عقیدت کے ساتھ رہنے لگے جیسے پوجاری مندر مین رہا کرتے ہین برہمنون کو جب ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ایک دن بت خانہ کا پھاٹک بند کر کے چارون طرف نظر دوڑائی، دیکھا تو بت کی پشت کی طرف ایک مغرق پردہ ہے پردہ کی اوٹ

ں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جسکے ہاتھ مین ایک رسی ہی، رسی مین بت کے ہات بندھے
ے ہین، اندازسے یہ شخص رسی کو کھینچتا ہے تو ہات اُٹھ جاتے ہین، انکو دیکھکر وہ شخص
گا، انھون نے تعاقب کر کے اسکو کوئین مین ڈھکیل دیا اور خود بھاگ نکلے،

ان واقعات کے بیان مین عام غلطیان تو یہ ہین کہ بت کو ہاتھی دانت کا بتایا ہی
انکہ ہاتھی دانت کو ہندو پاک نہین سمجھتے اسلیے اُسکا بت نہین بنا سکتے، برہمنون کو
اسے ہے کہ وہ پاژند پڑھتے تھے،

فتادند گبران پاژند خوان | چو سگ با من از بہر آن استخوان

انکہ پاژند ہندوؤن کی کتاب نہین بلکہ پارسیون کا صحیفہ ہے،
برہمنون کو کہین گبر اور کہین مطران کہتے ہین،

بس پردہ مطران آذر پرست،

انکہ مطران عیسائیون کے پادری کو کہتے ہین، پھر مطران کو آذر پرست کہنا اور بھی لغویت
ان جزئیات کے سوا اصلی واقعہ بھی نہایت دور از قیاس ہی شیخ کتنی ہی بت پرستی کرتے
ن یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسی عظیم الشان بتخانہ مین تمام برہمن اور پجاری اکیلے انکے
ا مین بت خانہ چھوڑ کر باہر نکلجاتے اور انکو یہ موقع ملتا کہ چارون طرف کے دروازے
ر کر کے جو چاہتے کرتے،

حقیقت یہ ہی کہ یہ تازہ ولایت تھے خدا جانے کس چیز کو کیا سمجھے اور کس واقعہ کو کیونکر
گئے، اکثر انگریز سیاحون کا یہی حال ہی دو چار دن ہندوستان مین رہکر سفرنامے لکھتے

ہین جنکو پڑھکر ہندوستانیون کو غور کرنا پڑتا ہے کہ یہ کس ملک کی داستان ہے، شیخ نے اس حکایت کے خاتمہ مین لکھا ہے کہ سومنات سے مین ہندوستان مین آیا؛ غالباً اس زمانہ مین ہندوستان خاص دہلی اور نواح دہلی کو کہتے ہونگے، لیکن شیخ نے کچھ زیادہ تصریح نہین کی اور نہ کہین سے پتہ لگتا ہے کہ کہان تک پہونچے تھے،

شیخ نے جب سیاحت شروع کی تو فارس مین اتابکان سلغری کی حکومت تھی، یہ سلسلہ بھی اور سلسلون کی طرح سلجوقیون کا دست پرورد تھا، اس سلسلہ کا پانچوان حکمران سعد زنگی شیخ سعدی کا ہمعصر تھا، لیکن اسکے اخیر زمانہ تک سعدی وطن مین نہین آئے صاف نہین کھلتا کہ اسکے اسباب کیا تھے، لیکن شیخ کی بعض تلمیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو اس زمانہ مین امن وامان کی طرف سے اطمینان نہ تھا، سعد زنگی نے ۶۲۳ھ مین وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا اتابک ابوبکر بن سعد زنگی تخت نشین ہوا، وہ نہایت شان وشوکت کا بادشاہ تھا، فارس کی حکومت جو دو سو برس سے تاراج گاہ بن رہی تھی اسکے زمانہ مین عروس رعنا بن گئی، ہر طرف نظم ونسق قائم ہوگیا، جابجا مدرسے اور درسگاہین کھل گئین، علماء وفضلا وشعراء دور دور سے کھنچ آئے، شیخ ہمیشہ وطن کے شوق مین بیتاب رہتے تھے، اور وطن پہونچنے کی دعائین مانگا کرتے تھے، چنانچہ ایک قصیدہ مین لکھتے ہین،

چہ خوش سپیدہ دمے باشد آنکہ بینم باز ... رسیدہ بر سر اللہ اکبر[1] شیراز

---

[1] اللہ اکبر، شیراز کے ایک چشمہ کا نام ہے،

نہ لائق ظلمات ست باللہ این اقلیم	کہ تختگاہ سلیمان بدست و حضرت راز

اب جو امن و امان کی طرف سے اطمینان ہوا تو شام سے عراق عجم ہو کر شیراز مین آئے
چنانچہ ایک قطعہ مین غریب الوطنی اور مراجعت کی وجہ بتصریح لکھی ہے،

ایک قطعہ مین اس سے بھی زیادہ صاف لکھا ہے،

ندانی کہ من در اقالیم غربت	چرا روزگارے بکردم درنگی
برون رفتم از تنگ ترکان کہ دیدم	جہان درہم افتاد چون موے زنگی
ہمہ آدمی زادہ بودند لیکن (کشمکش)	چہ گرگان بہ خونخوارگی تیز چنگی
چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم	پلنگان رہا کردہ خوئے پلنگی
چنان بود در عہد اوّل کہ دیدم	جہان پر ز آشوب و تشویش و تنگی
چنین شد در ایام سلطان عادل	اتابک ابوبکر بن سعد زنگی

شیراز پہونچکر شاہی تعلقات سے بالکل آزاد رہنا تو ممکن نہ تھا، ابوبکر بن سعد زنگی کے درباریون مین داخل ہوے، مدحیہ قصائد لکھے، گلستان اور بوستان اسی کے نام سے معنون کی، غالباً صلے بھی (بلا طلب) ملے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آزاد مزاجی کی وجہ سے دربار کے قابل نہ تھے، اور ابوبکر بن سعد نے اس وجہ سے انکی چندان قدردانی نہین کی، چنانچہ ایک قصیدہ مین ہلکی سی شکایت بھی کی ہے،

بہ دولتت ہمہ افتادگان بلند شدند	چو آفتاب کہ بر آسمان برد شبنم
مگر کمینہ آحاد بندگان سعدی	کہ عیش از ہمہ بیش است حظش از ہمہ کم

انکیانو جو اباقا آن خان (پسر ہلاکو خان) کیطرف سے خاندان آتابک کے انقراض کے بعد شیراز کا گورنر مقرر ہوا تھا، اس کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا ہی جسکے دو شعر یہ ہین،

سعدیا چندانکہ میدانی بگو — حق نباید گفتن الّا آشکار
ہر کرا خوف وطمع دربار نیست — از خطا باکش نباشد وز تتار

ان اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ وہ ایشیائی دربارون مین کیونکر فروغ پاسکتے تھے غرض ابوبکر بن سعد نے تو انکے رتبہ کے موافق ان کا احترام نہ کیا، لیکن جو امرا خود صاحب علم وفضل تھے وہ شیخ کی پرستش کرتے تھے،

اس زمانہ مین علم وفضل کے اصلی پشت وپناہ شمس الدین صاحب دیوان اور علاء الدین تھے،

خواجہ شمس الدین ہلاکو خان کا وزیر اعظم تھا، اور ہلاکو خان کے زمانہ مین باجود اختلاف مذہب اور تاتاریون کی سفاکی کے اسلام کا جو نام ونشان رہگیا وہ صرف خواجہ شمس الدین کا صدقہ تھا، تاتاریون مین جب اسلام پھیلا وہ بھی خواجہ شمس الدین ہی کی بدولت تھا سب سے پہلے اس سلسلہ مین نکودار (ہلاکو خان کا بیٹا) اسلام لایا اور سلطان احمد کے لقب سے ملقب ہوا، نکودار نے خواجہ شمس الدین ہی کی ہدایت اور ترغیب کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا،

خواجہ شمس الدین کا دوسرا بھائی علاء الدین ہلاکو خان کی طرف سے بغداد کا حاکم تھا

اور نہایت صاحب فضل وکمال تھا، تاتاریون کی سب سے مفصل اور مستند تاریخ جہانکشا اسی کی تصنیف ہی،

یہ دونون بھائی شیخ سعدی کے مرید اور معتقد خاص تھے، شیخ ایک دفعہ جب حج سے واپس آکر تبریز مین آئے جو ہلاکو خان کا پایہ تخت تھا تو خواجہ شمس الدین سے ملنے گئے، اتفاق یہ کہ اُدہر سے اباقاآن خان (پسر ہلاکو خان) کی سواری آرہی تھی، خواجہ شمس الدین اور علاءالدین بھی ساتھ تھے، شیخ نے اس خیال سے کہ تعارف کا یہ موقع نہین، چاہا کہ نظر بچا کر نکلجائین اتفاق سے دونون بھائیون نے ان کو دیکھ لیا، گھوڑون سے اتر پڑے اور جا کر شیخ کے ہات پاؤن چومے، اباقاآن خان دیکھ رہا تھا، اس کو سخت حیرت ہوئی کہ برسون سے یہ میرے دربار مین ہین اور نمک خوار ہین تاہم جو تعظیم انھون نے اس بوڑھے کی کی میری بھی کبھی نہین کی، جب دونون بھائی شیخ سے رخصت ہوکر جلوس مین شامل ہوے تو اباقاآن نے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا؟ جس کی تم نے اسقدر تعظیم و تکریم کی، انھون نے کہا یہ ہمارا باپ تھا، اباقاآن نے کہا تمھارا باپ تو مرچکا ہی، بولے کہ پدر طریقت ہی، حضور نے سعدی کا نام سُنا ہوگا جنکی نظم و نثر آج تمام عالم مین پھیلی ہوئی ہی وہ یہی بزرگ ہین اباقاآن ملنے کا مشتاق ہوا، دوسرے دن دونون بھائی شیخ کی خدمت مین حاضر ہوے اور بادشاہ کا پیغام کہا، شیخ نے انکار کیا لیکن ان لوگون نے اسقدر اصرار کیا کہ شیخ کو چارناچار جانا پڑا، اباقاآن سے دیر تک صحبت رہی، چلتے چلتے اسنے کہا کہ مجکو کچھ نصیحت فرماتے جائیے، شیخ نے کہا مرنے کے بعد صرف اعمال ساتھ جائینگے، اب تم کو اختیار ہی کہ

اچھے اعمال ساتھ لیجاؤ یا بُرے، اباقاآن نے کہا اس مضمون کو نظم کر دیجیے، شیخ نے برجستہ کہا،

شہے کہ حفظ رعیت نگاہ می دارد | حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی است
دگرنہ راعی خلق است زہر مارش باد | کہ ہر چہ میخورد از جزیت مسلمانی است

اباقاآن کے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور کہا کہ مین راعی ہون یا نہین؟ شیخ نے کہا اگر راعی ہو تو پہلا شعر حسب حال ہی ورنہ دوسرا، اباقاآن بار بار پوچھتا تھا کہ مین راعی ہون یا نہین؟ لیکن شیخ ہر بار وہی شرطیہ جواب دیتے رہے، چلتے ہوے شیخ نے یہ اشعار پڑھے

بادشہ سایۂ خدا باشد | سایہ با ذات آشنا باشد
نشود نفس عامہ قابل خیر | گر نہ شمشیر بادشا باشد
مملکت را صلاح نپذیرد | گر ہمہ راے او خطا باشد
ہر صلاحے کہ در جہان آید | اثر عدل بادشا باشد

اباقاآن پر ان اشعار کا نہایت اثر ہوا،

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے چند سوالات لکھکر شیخ کے پاس بھیجے اسکے ساتھ ایک عمامہ اور پانسو اشرفیان بھی بھیجین، لیکن قاصد نے ڈیڑھ سو اشرفیان خود اڑالین شیخ نے سوالات کے جواب کے ساتھ اشرفیون کی رسید بھی لکھی اور عجیب لطیف طریقہ سے نوکر کی خیانت ظاہر کی،

چونکہ تشریفم فرستادی و مال | مالت افزون باد و خصمت پائمال

ہر بہ دینار یت سالے عمر باد　　　　تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

یعنی آپ کو خدا ہر اشرفی کے بدلے ایک برس عمر دے تاکہ آپ ۳۵۰ برس زندہ رہین خواجہ شمس الدین نے نوکرسی باز پُرس کی، خواجہ علاء الدین برادر خواجہ شمس الدین نے جلال الدین ختنی کو جو شیراز مین ایک معزز عہدہ پر مامور تھے خط لکھا کہ دس ہزار اشرفیان شیخ کی خدمت مین پہونچا دینا، سو، اتفاق یہ کہ جب نوکر شیراز مین پہونچا تو اس سے چھ دن پہلے جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا، نوکر نے جلال الدین کی نام کا خط شیخ کو لیجاکر دیا، شیخ نے علاء الدین کو جواب مین یہ قطعہ لکھا،

پیام صاحب دولت علاء دولت و دین　　　　کہ دین و دہر بہ ایام او ہمے نازد
رسید پایۂ دولت فزود سعدی را　　　　بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال داد کہ صدر ختن جلال الدین　　　　قبول خدمت او را تعہدے سازد
فرمان ۱۲
ولیک بر سر او خیل مرگ تاختہ بود　　　　چنانکہ بر سر ابنائے دہر می تازد
جلال زندہ نخواہد شدن درین دنیا　　　　کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع ندارم از و در سرائے عقبےٰ نیز　　　　کہ از مظالم مردم بما بپردازد

یعنی اسکا تو چندان رنج نہین کہ جلال الدین اب زندہ نہین ہو سکتا کہ میری حق رسی کر سکے، رونا یہ ہی کہ قیامت مین بھی اسکو اوردن کی دادرسی سے اتنی فرصت کہان ہو گی کہ ہم غریبون کی طرف متوجہ ہو،

خواجہ شمس الدین نے قطعہ پڑھکر حکم دیا کہ فوراً پچاس ہزار اشرفیان شیخ کی خدمت مین

بھیجدی جائین شیخ قبول نہین کرتے تھے لیکن چونکہ خواجہ موصوف نے قسمین دلائی تھین شیخ نے اس رقم سے ایک کاروان سرا تعمیر کرادی۔[1]

خواجہ شمس الدین کو ارغون خان (ہلاکو خان کا پوتا) نے ۶۸۳ھ مین قتل کرادیا، انکے بعد بھی شیراز کے تمام حکام اور امرا شیخ کی اسی طرح عزت اور تعظیم کرتے رہے ملک عادل شمس الدین تازی کے زمانہ مین عمال نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ سرکاری باغون کے پھل نہایت گران قیمت پر زبردستی دوکاندارون کے ہات بیچتے تھے اور بیچارون کو خواہ مخواہ مول لینا پڑتا تھا، شیخ کے بھائی بقالی کا پیشہ کرتے تھے، ان کی دوکان اتابک کے محل کے سامنے تھی، انپر بھی چند بار یہ آفت آئی آخر مجبور ہو کر بھائی کے پاس آئے شیخ نے یہ قطعہ لکھکر ملک عادل کے پاس بھیجا،

زاحوال برادرم بہ تحقیق — دانم کہ ترا خبر نہ باشد
خرمای بہ طرح مے دہندش — بخت بدازین تبر نہ باشد
اطفال پراندو مرد درویش — خرما بخورند و زر نہ باشد
آنگہ تو محصلے فرستے، — شخصے کہ از و تبر نہ باشد
چندان بزنندش اے خداوند — کز خانہ رہش بدر نہ باشد
اے صاحب من بغور اورس — لطفے بہ ازین دگر نہ باشد

ملک شمس الدین نے قطعہ پڑھنے کے ساتھ منادی کرادی کہ جن لوگون سے ایسا معاملہ

[1] یہ تمام حالات احمد بن بیستون نے کلیات شیخ کے دیباچہ مین لکھے ہین،

کیا گیا ہی، سب دربار مین حاضر ہون، چنانچہ سب کی دادرسی کی، پھر شیخ کی خدمت مین آیا اور نہایت معذرت کی، ساتھ ہی ہزار اشرفیون کی تھیلی پیش کی کہ آپکے بھائی کے نقصان کا تاوان ہی،

شیخ نے آخر زندگی مین شہر سے باہر ایک زاویہ بنوالیا تھا، رات دن اُن مین رہتے تھے اور عبادت کرتے تھے، سلاطین اور امرا، اسی آستانہ پر حاضر ہوتے اور مراتب اخلاص بجالاتے، کھانے کا یہ انتظام تھا کہ امرا، خود کھانے لیجاتے یا بھجوا دیتے شیخ جسقدر کھا سکتے کھا لیتے باقی ایک زنبیل مین رکھکر دیوار سے لٹکا دیتے کہ ع برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

شیخ جب شیراز مین واپس آئے تو ابوبکر بن سعد کی حکومت کا زمانہ تھا اسکے بعد اس کا پوتا محمد بن سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ وہ نہایت صغیر سن تھا حکومت کے سب کام اس کی ماں انجام دیتی تھی، دو برس سات مہینے کے بعد وہ مرگیا اسکے بعد محمد شاہ بن سلغر بن اتابک سعد بادشاہ ہوا لیکن چونکہ سفاک اور خونریز تھا اسلیے آٹھ مہینے کے بعد ارکان دولت نے اسکو گرفتار کرکے ہلاکو خان کے پاس بھیجدیا پھر اسکے بھائی نے برائے نام حکومت کی اور ۶۶۳ھ مین قتل کردیا گیا اب اس خاندان مین کوئی مرد باقی نہین رہا تھا، آبش خاتون دختر اتابک سعد مسند حکومت پر بیٹھی اسنے ہلاکو خان کے بیٹے منکو تیمور سے شادی کرلی ۶۸۶ھ مین وہ بھی مرگئی اور اب شیراز و فارس براہ راست تاتاریون کی زیر حکومت آگیا،

---

[1] دیباچہ کلیات،

یہ ارغون خان بن اباقا آن خان بن ہلاکو خان کا زمانہ ہی شیخ نے اسکی عہد حکومت
مین ۶۹۱ھ مین وفات پائی، تاریخ وفات "خاص" کے لفظ سے نکلتی ہے، کسی نے اسکو
موزون کردیا ہے، ع زخاصان بود زان تاریخ شد خاص،

شیخ کا مزار مقام دلکشا سے کچھ فاصلہ پر پہاڑ کی تلی مین ہے، اور اب
سعدیہ کے نام سے مشہور ہی، ہفتہ مین ایک دن مقرر ہے، لوگ زیارت کو جاتے ہین،
دن بھر وہین رہتے ہین، چائین پیتے ہین، لطف اٹھاتے ہین اور شام کو چلے آتے ہین،

عام حالات اور اخلاق وعادات

شیخ نے گو اپنی سوانح نہین لکھی لیکن گلستان اور بوستان مین جستہ جستہ ضمنی موقعون پر اسقدر حالات لکھدیئے ہین کہ اُن کے اخلاق اور عادات کی پوری تصویر آنکھون مین پھر جاتی ہے،

شیخ کا شمار صوفیہ کبار مین ہی اور بے شبہہ وہ پاکیزہ باطن اور صاحب حال تھے لیکن اُن کی مخصوص حالت یہ ہی کہ وہ اس رتبہ پر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد پہونچے تھے اُن کی اصلی سرشت یہ تھی، بچپن سے شباب بلکہ ادھیڑپن کے زمانہ تک انمین وہ اوصاف نظر آتے ہین جو مولویون کا خاصہ ہین، یعنی خود بینی، حرفگیری، مشاجرت و مخاصمت، باپ کی صحبت کے اثر سے بچپن مین عبادت کا ذوق شوق پیدا ہو گیا ہی، شب بیداری اور درود وظائف مین مصروف ہین، لیکن ساتھ ہی اورون پر حرفگیری بھی کرتے جاتے ہین کہ دیکھیے کسی کو نماز پڑھنے کی توفیق نہین ہوتی،

نظامیہ مین حدیث پڑھتے ہین، کسی نے انکے خلاف کچھ کہدیا ہی، اسپر آپے سے باہر

وجاتے ہین اور کہتے ہین

چومن دادمعنی وہم درحدیث　　　برآیدبہم اندر دلِ خبیث

ایک درویش سے دولتمندی اور درویشی کے متعلق بحث کرتے کرتے دست

گریبان ہوجاتے ہین اور دہول دہپے تک نوبت پہونچلے دیتے ہین،

دشنامم داد سقطش گفتم گریبانم درید زنخدانش تشکستم،

حج کا سفر ہے، ذوق وشوق مین احرام باندھے پاپیادہ جارہے ہین اس حالت

مین بھی زبان سے ناسزا کلمات نکل رہے ہین، چنانچہ خود فرماتے ہین،

در سرودی ہمدیگر فتادیم وداد فسق وجدال دادیم،

حسن پسندی، امرد پرستی تک پہونچ گئی ہی، اور ایسے کھل کھیلتے ہین کہ اسکا ذکر

تک نہین کیا جاسکتا،

بے شبہہ یہ باتین اُنکے عارض کمال کے داغ ہین لیکن ایک فارمر اور مصلح کیلیے

ان تمام مراحل سے گزرنا ضرور تھا،

مولٰنا روم سے کسی نے ایک بزرگ کی نسبت کہا کہ "شاہد باز بود امّا پاکباز بود"

مولٰنا نے کہا "کاوش کردی وگزاشتی"،

شیخ نے چونکہ بیماریان اُٹھاکر صحت پائی تھی، اسلیے وہ امراض اخلاقی کی حقیقت

ماہیت، علامات، اور طریق علاج سے جسقدر واقف ہوسکے دوسرا نہین ہوسکتا تھا،

اخلاقی بیماریون مین اکثر دل کو دھوکا ہوتا ہی اور مرض کو مرض نہین سمجھتے، مثلاً ایک فقیہ

فطری بدنفسی کی وجہ سی اپنے مخالف کو بُرا کہتا ہی اور اسکو ضرر پہونچاتا ہی لیکن اسکا نفس اسکو یہ دہوکا دیتا ہی کہ چونکہ یہ شخص فلان مسئلہ کا قائل ہی بدعتی اور کافر ہے اسلیے اسکو بُرا کہنا اور اُسکی تکفیر کرنا غیرت مذہب کا اقتضا ہی، یا مثلاً ایک صوفی صاحب امرد پرستی کرتے ہین اور سمجھتے ہین کہ یہ مجازِ حقیقت کا زینہ ہے، شیخ ان غلطیون مین نہین پڑ سکتا، چنانچہ امرد پرستی کی نسبت، نظر باز صوفیون کی اس طرح پردہ دری کرتا ہی،

گروہے نشینند با خوش پسر | کہ ما پاکبازیم و اہل نظر
ز من پرس فرسودۂ روزگار | کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار
چرا طفل یکروزہ ہوشش نہ برد | کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خورد

شیخ کے مزاج مین ظرافت حد سے زیادہ تھی، ایک دفعہ ایک مکان کرایہ پر لینا چاہتے تھے، ایک یہودی پڑوس مین رہتا تھا اس نے کہا ضرور خرید لیجیے مین اس مکان کی حالت سے خوب واقف ہون، اس مین کوئی عیب نہین، شیخ نے کہا بجز اس کے کہ آپ اسکے ہمسایہ ہین،

خواجہ ہمام ایک مشہور شاعر تھے اور محقق طوسی کے شاگرد تھے، شیخ سے اور ان سے تبریز مین ایک حمام مین ملاقات ہوئی، شیخ نے دانستہ ہمام سے چھیڑ چھاڑ شروع کی، ہمام ان سے واقف نہ تھے نام اور نشان پوچھا، شیخ نے کہا شیراز مین رہتا ہون، ہمام نے کہا عجیب بات ہے ہمارے شہر مین شیرازی کتّون سے زیادہ ہین، شیخ نے کہا ہان، لیکن شیراز مین تو تبریزی کتے سے بھی کم (رتبہ) ہین،

اتفاق یہ کہ ایک خوش رو جوان ہمام کو پنکھا جھل رہا تھا، شیخ اُس سے لطف نظر اُٹھانا چاہتا تھا، لیکن ہمام بیچ مین حائل تھے، ہمام نے سلسلہ سخن مین کہا کہ شیراز مین ہمام کے شعر کا بھی چرچا ہے؟ شیخ نے کہا ہان یہ شعر اکثر زبانون پر ہے،

در میان من و دلدار حجاب است ہمام　　وقت آن است کہ این پردہ بیکسو فگنم

ہمام کو گمان ہوا کہ یہ سعدی ہین قسم دلا کر پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے شیخ نے مجبوراً بتایا ہمام نے اُٹھکر شیخ کے پاؤن پر سر رکھدیا، گھر لے گئے اور بڑی گرمجوشی سے مہمانیان کین[۱]

مجد الدین ہمگر شیخ کے معاصر اور اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے جس سے شیخ کو تعلق تھا، آج تو کوئی ان کا نام بھی نہین جانتا لیکن اس زمانہ مین فارس کے ملک الشعرائی کا منصب جو شیخ کا حق تھا قسمت نے ان کو عنایت کیا تھا،

سعد بن ابو بکر سعد زنگی ان کی تعظیم اور تکریم شیخ سے زیادہ کرتا تھا، اسی زمانہ مین امامی ایک شاعر تھا، زمانہ کی بے بصری نے ان کو بھی شیخ کا حریف بنادیا تھا، نوبت یہان تک پہونچی کہ خواجہ شمس الدین محمد اور ملک معین الدین پروانہ اور نور الدین اور افتخار الدین نے یہ قطعہ لکھکر مجد الدین ہمگر کے پاس بھیجا،

زشمع فارس، مجد ملت و دین　　سوالے می کند پروانہ روم
زشاگردان تو ہستند حاضر　　رہی و افتخار و نور مظلوم
تو از اشعار سعدی و امامی　　کدامی بہ پسندی اندرین بوم

---

[۱] دولت شاہ ذکر سعدی،

مجد الدین نے جواب مین لکھا،

ما گرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم | بر شکر گفتہ ہای سعدی مگسیم
در شیوۂ شاعری بہ اجماع امم | ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

شیخ کو بھی اس بے امتیازی کا رنج ہوا، چنانچہ یہ رباعی لکھی،

ہر کس کہ بہ بارگاہ سامی نرسد | از بخت سیاہ و بد کلامی نرسد
ہمگر کہ بہ عمر خود نکردہ است نماز | شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد[1]

شیخ کے سیر و سفر کے ذکر مین جو واقعات ہم اوپر لکھ آئے ہین، اُنکو اس موقع پر دوبارہ پڑھنا چاہیے جن سے شیخ کے اخلاق و عادات کی تصویر، پوری نظر مین آجائیگی،

شیخ کی تصانیف کلیات شیخ کا قدیم ترین قلمی نسخہ کتب خانہ دیوان ہند India office مین موجود ہی جسکا نمبر ۱۱۱۷ ہی تاریخ استنساخ اول رجب ۷۲۸ھ یعنی شیخ کی وفات کے بعد قریب ۳۶ سال ہی، کاتب کا نام ابوبکر بن علی بن محمد ہے جس نے شیخ کے اصلی نسخہ سے نقل لی ہی، چنانچہ وہ لکھتا ہے "منقول من خط الشیخ العارف السعدی" اس نسخہ سے شیخ کا نام شرف الدین بن مصلح الدین پایا جاتا ہی اور اسمین حسب ذیل کتابین ہین (۱) عربی قصیدہ قافیہ میم (۲) دو سرا رسالہ (۳) بوستان جسکا نام یہان سعدی نامہ لکھا ہوا ہے (۴) گلستان (۵) طیبات (۶) بدائع (۷) خواتیم (۸)

---

[1] تذکرہ دولت شاہ تذکرہ امامی مروی،

[2] یہ تمام مضمون شیخ عبد القادر صاحب ایم اے، پروفیسر دکن کالج پونا نے ترجمہ کرکے ہم کو عنایت کیا ہے،

قصائد فارسیہ (۹) مراثی (۱۰) ملمعات (۱۱) مثلثات (تین زبانون مین عربی فارسی، اور ترکی)
(۱۲) قصائد عربیہ (۱۳) ترجیعات (۱۴) مقطعات (۱۵) مجلس ہزل، ہزلیات،
(۱۶) مطائبات (۱۷) رباعیات (۱۸) مفردات،

جو کتابین کہ اس نسخہ مین داخل نہین وہ یہ ہین رسائل ۱، ۳، ۴، ۵، ۶، غزلیات قدیم صاحبیہ، مضحکات،

اہل یورپ نے شیخ کے کلام کے جو حصے شائع اور ترجمے کیے اسکا مختصر حال یہ ہے

(ماخوذ از فہرست کتب قلمی فارسی موجودہ دیوان ہند مرتبہ ڈاکٹر ایتھ Dr. Ethe

رسالہ دوم، پانچ مجلسون مین سے تیسری اور چوتھی مجلسین ایم گوئیدمان M. Guedeman صاحب نے معہ ترجمہ اور شرح کے شائع کین، بمقام برسلا ۱۸۹۵ء Bresla

بوستان، نہایت نفیس اڈیشن معہ شرح فارسی کے، ایچ گراف صاحب K. H. Graff کے اہتمام سے چھپا ہی بمقام وینیا Vienna ۱۸۵۰ء

متن مع نوٹس، مرتبہ اے راجرس A. Rodgers بمقام لندن ۱۸۹۱ء

تراجم، درزبان جرمن کے، ایچ گراف K. H. Graff صاحب کا ترجمہ، جینا Jena ۱۸۵۰ء

" درزبان جرمن شلیخٹا ویسرڈ Schlecha Wessehrd وینا Vienna ۱۸۵۲ء

" " روکرٹ Ruckert صاحب کا ترجمہ لیپزیگ Liepzig ۱۸۸۲ء

" فرنچ، باربیرڈی مینارڈ Barbier de Meynard پارس ۱۸۸۰ء

تراجم، انگریزی، ایچ-ولبرفورس کلارک H. Wilberforce Clark. صاحب
کا ترجمہ، بمقام لندن ۱۸۶۹ء

" جی-ایس-ڈیوی G. S. Davie صاحب کا ترجمہ،
بمقام لندن ۱۸۸۲ء

منتخبات مترجمہ رابنس Robinson لنڈن ۱۸۸۳ء

ایک ترکی مین بمقام قسطنطنیہ ۱۲۸۸ھ مین شائع ہوا ہے،

گلستان، اڈیشنس، گلیاڈون Gladwin صاحب کی متن مع انگریزی
کلکتہ ۱۸۰۶ء

" ای-بی-ایسٹورک E. B. Eastwick صاحب کی مع فرہنگ
بمقام ہرٹ فرڈ Hertford ۱۸۵۰ء

" جانسن Johnson کی مع فرہنگ، ہرٹ فرڈ ۱۸۶۳ء

" جے-ٹی-پلاٹس J. T. Platts. لنڈن ۱۸۷۴ء

تراجم، در فرنچ-اے-ڈیو رائر A. Du Ryer کا ترجمہ ۱۶۳۴ء

ڈالیگر D. alegre کا " ۱۷۰۴ء

گانڈان Gaundin کا " ۱۷۸۹ء

سیملٹ Semelet کا " ۱۸۵۸ء پارس

لاطینی جنٹس Gentius کا " ۱۶۵۱ء اڈیشن دوم ۱۶۵۵ء

اجم، درجرمن، ادم اولیاری اس (Adam Olearius) کا بمقام
شلیسوگ Schleswing سنہ ۱۶۵۴ء
بی۔ ڈارن (B. Dorn) صاحب کا، ہامبرگ
سنہ ۱۸۲۲ء
وولف Wolff کا، سٹٹگارٹ Stuttgart سنہ ۱۸۴۱ء
کے، ایچ، گراف K. H. Graff کا، لیپزگ سنہ ۱۸۴۶ء
درانگریزی، گلیاڈون صاحب Gladwin کا، کلکتہ سنہ ۱۸۰۶ء
لندن سنہ ۱۸۳۳ء
ڈیومولن Dumoulin کا سنہ ۱۸۰۶ء
جیمس راس James Ross کا، لندن سنہ ۱۸۲۳ء
نئی ایڈیشن سنہ ۱۸۹۰ء
ای، بی، ایسٹوک E. B. Eastwick ہرٹ فرڈ سنہ ۱۸۵۲ء
نئے ایڈیشن، لندن سنہ ۱۸۸۰ء
جی، ٹی، پلاٹس J. T. Platts کا، لندن سنہ ۱۸۷۳ء
درروسی، اس، نسرنیز S. Nusariang کا، ماسکو سنہ ۱۸۵۷ء
درپولش، آٹونوسکی Otwinowski کا، وارسا سنہ ۱۸۷۹ء
درترکی، قسطنطنیہ مین سنہ ۱۲۴۹ء سنہ ۱۸۷۶ء مین شائع ہوا اور مع شرح سودی کے

تراجم سنہ ۱۲۶۲ اور سنہ ۱۲۶۳ مین،
عربی مین بمقام بولاق سنہ ۱۲۶۳ھ ہندوستانی مین میر شیر علی افسوس کا کلکتہ سنہ ۱۸۵۲
جو زیر نگرانی جان گلکرسٹ صاحب Jhon-Gilchrist کے شائع کیا گیا
طیبات، کی چودہ غزلین گراف K. H. Graff صاحب نے ترجمہ کرکے جرمن مین شائع کین
بدائع، دس " " " " " " " "
خواتیم سات " " " " " " "
قصائد فارسیہ کی اکیس قصائد " " " " " "
مراثی، چند مراثی " " " " " "
رباعیات، چند رباعیات " " " " " "
مفردات، کو لاٹوش Latouche صاحب نے ایڈٹ اور شائع کیا ہی،
صاحبیہ، کو باخر Bacher صاحب نے مع ترجمہ شائع کیا ہے، اسٹراسبرگ
Strassburg سنہ ۱۸۷۹ء

شیخ کی شاعری | شریعت شعر کے تین پیغمبر ہین ان مین ایک شیخ بھی ہین،

در شعر سہ تن پیمبرانند — ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

ہر پیغمبر جداگانہ شریعت کا پیغمبر ہے، شیخ کی پیغمبری کا صحیفہ غزل ہی، خواجہ حافظ نے غزل کو معجزہ بنا دیا تاہم کہتے ہین،

ع استاذ غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما،

حضرت امیر خسرو غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ غزل مین سعدی کا پیرو ہون، مثنوی نہ سپہر مین لکھتے ہین،

تا بجائے کہ حد پارسیان | اندرین عہد دو تن گشت عیان
زان یکے سعدی ستائیش ہمام | ہر دو ورا در غزل آئین تمام

لیکن اور اصناف سخن مین شیخ کی شاعری اس درجہ پر تسلیم نہین کی گئی امیر خسرو شیخ کی غزل گوئی کی تعریف کر کے لکھتے ہین،

لیک اگر سوی دگر یازی دست | شعر شان ہست بدان گونہ کہ ہست

خود شیخ کے زمانہ مین بھی اکثر لوگون کا یہی خیال تھا، اور اسکا چرچا شیخ تک بھی پہونچا، چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ شیخ اخلاق اور وعظ کے مضامین اچھے لکھ سکتے ہین لیکن رزم کے مرد میدان نہین،

کہ فکرش بلیغ است ورایش بلند | درین شیوۂ زہد وطامات وپند
نہ در خشت وگوپال وگرز گران | کہ این کار ختم است بر دیگران

شیخ کو یہ رای ناگوار گزری، ایک رزمیہ داستان لکھکر بوستان مین شامل کی، جس مین بہت کچھ زور طبع دکھایا، نظامی کے خاص خاص مشہور مضامین اور اشعار کا جواب بھی لکھا اور اُن سے بڑھا دینا چاہا مثلاً نظامی کا شعر تھا،

کمند اژدہاے مسلسل شکنج | دہن باز کردہ بہ تاراج گنج

شیخ اس تشبیہ کو زیادہ صاف اور صورت نما کرتے ہین،

بہ صید ہژبران پرخاش ساز ۔۔۔ کمند اژدہاے دہن کردہ باز

لیکن انصاف یہ ہی کہ شیخ سے یہ کمان زہ نہین ہو سکی، دو چار قدم تن کر اور اکڑ کر چلتے ہین، لیکن پھر طبعی بڑھاپے کے ضعف سے دفعۃً جھک جاتے ہین، رزم کا آغاز کس زور و شور سے کیا ہی

ع برانگیختم گرد ہیجا چو دود،

لیکن دوسرے ہی قدم مین لڑکھڑا کر گرتے ہین،

ع چو دولت نہ باشد تہور چہ سود،

با اینہمہ چونکہ شیخ کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے، ہم اس رزمیہ کی چند اشعار نقل کرتے ہین،

ہماندم کہ دیدیم گرد سپاہ ۔۔۔ زرہ جامہ کردیم و مغفر کلاہ
چو ابر اسپ تازی بر انگیختیم ۔۔۔ چو باران پلالک فرو ریختیم
دو لشکر بہم بر زدند از کمین ۔۔۔ تو گفتی زدند آسمان بر زمین
ز باریدن تیر ہمچون تگرگ ۔۔۔ ز ہر گوشہ برخاست طوفان مرگ
بہ صید ہژبران پرخاش ساز ۔۔۔ کمند اژدہاے دہن کردہ باز
زمین آسمان شد ز گرد کبود ۔۔۔ چو انجم درو برق شمشیر و خود

غرض نا انکا یہ دعوی مسلم ہے کہ وہ رزم مین فردوسی اور نظامی کے دوش بدوش

چل سکتے ہین، نہ امیر خسرو وغیرہ کی یہ رائے صحیح ہی کہ وہ غزل کے سوا اور کچھ نہین لکھ سکتے قصائد اور مثنوی مین اُن کی بلند پائگی سے کون انکار کر سکتا ہے،

ایران مین شاعری کو تین سو برس گذر چکے تھے لیکن شاعری ابتک اصلی جادہ پر نہین آئی تھی، شاعری کی اصلی حقیقت یہ ہی کہ شاعر کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوا اور وہ اس جذبہ کو اُسی جوش وخروش سے ادا کرے جس جوش سے وہ پیدا ہوا تھا، فردوسی نظامی، فرخی، انوری کی کمال شاعری مین کسکو کلام ہے لیکن ان مین سے اپنے دل کے جذبات کسنے لکھے؟ فردوسی قدرتی شاعر ہے، اسلیے وہ غیرون کے جذبات بھی اُسی طرح ادا کرتا ہے کہ گویا خود اسکے دل سے اُٹھے ہین، عرب کی تحقیر اور طعن کے وقت وہ خونریز دگرد بنجاتا ہے، سہراب کی مان کا نوحہ اس درد سے لکھا ہی کہ گویا اُسکو سہراب کی مان کی زبان ہات آگئی ہی لیکن فرض کرو یہ واقعات خود فردوسی پر پیش آتے تو کیا ان شعلون کی شرر فشانی اور نہ بڑھجاتی، مدحیہ قصائد تو بالکل ہی تصنع اورآورد تھی غزل بھی اسوقت تک گویا قصیدہ ہی کی ایک دوسری صوت تھی، محبت عشق کے جذبات اس مین ادا نہین کیے جاتے تھے، بلکہ جس طرح مدحیہ قصائد مین ممدوح کی شجاعت وقدرت، جود وسخا، تلوار اور گھوڑے کی مدح کرتے تھے، غزل مین معشوق کے حسن اور اعضا کے اوصاف بیان کرتے تھے،

شیخ پہلا شخص ہے جس نے شاعری کا صحیح استعمال کیا، تفصیل اس کی حسب ذیل ہے،

آزادی

سب سے بڑی چیز جو شیخ کی خصوصیات شاعری مین ہے آزادی ہے، عرب کی شاعری کی اصلی روح یہی تھی، جو عجم مین آکر گم ہو گئی تھی، عرب کے شعرا سلاطین اور امرا کے متعلق ہر قسم کے خیالات نہایت آزادی سے ادا کرتے تھے متنبی سیف الدولہ کی مدح لکھکر لے جاتا ہے اور ساتھ ہی نہایت گستاخی اور بیباکی سے اسکو صلواتین سُناتا جاتا ہے، فردوسی نے بھی محمود کی جان خراش ہجو لکھی، لیکن رودررو نہین بلکہ چوری سے اور پھر تمام عمر بھاگتا پھرا، شیخ کو کئی دربارون سے تعلق رہا، ابو بکر سعد زنگی اسکا خاص ممدوح اور آقا تھا انکیانو جو خاندان اتابک کے خاتمہ کے بعد ہلاکو خان کے جانشین کی طرف سے شیراز کا گورنر تھا اُس سے بھی شیخ کو تعلق رکھنا پڑتا تھا ان سب کے مقابلہ مین اُس نے اپنی آزادی قائم رکھی، ابو بکر بن سعد نے ہلاکو خان کے اطاعت قبول کر لی تھی یہانتک کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر چڑہائی کی تو ابو بکر نے اپنے بیٹے سعد کو فوج دیکر اعانت کے لیے بھیجا اور جب بغداد تاراج ہوا تو ابو بکر نے مبارکباد کے لیے سفارت بھیجی، با اینہمہ شیخ نے بغداد کی تباہی اور خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کا مرثیہ لکھا اور اس قدر پر اثر لکھا کہ لوگون کے دل ہل گئے، یہ مرثیہ درحقیقت ابو بکر بن سعد زنگی کی ہجو تھی کہ اسنے اسلام کی تباہی اور بربادی مین ہلاکو خان کا ساتھ دیا، شیخ نے اس مرثیہ مین ابو بکر کا بھی ذکر کیا اور ہجو ملیح کے طور پر مدح کے پیرایہ مین چوٹ کی،

خسرو صاحبقران غوث زمان بوبکر سعد | آنکہ اخلاقش پسندیدہ ست و اوصافش گزین
مصلحت بود اختیار رای روشن بین او | زیر دستان را سخن گفتن نشاید جز چنین

نی ابو بکر نے جو ہلاکو کو مدد دی تو اس مین کچھ مصلحت ہو گی۔

انکیانو کی مدح مین شیخ کے متعدد قصیدے ہین، لیکن ہر قصیدہ مین نہایت دلیری سے اُسکو نصیحت کی ہے اور صاف کہدیا کہ جسکو دربار کی طمع نہین وہ دنیا مین کسی سے نہین ڈرسکتا۔

سعدیا چندانکہ میدانی بگو — حق نباید گفتن الا آشکار
ہر کرا خوف و طمع در بار نیست — از خطا باکش نباشد وز تتار
خسرو عادل امیر نامور — انکیانو خسرو عالی تبار

ایک اور قصیدہ مین لکھتے ہین،

حرامش باد ملک بادشاہی — کہ پیشش مدح گویند از قفا ذم
جہان سالار عادل انکیانو — سپہدار عراق و ترک و دیلم
چنین پند از پدر نشنیدہ باشی — الا اگر ہوشیاری بشنو از عم
نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ — سخن ملکے است سعدی را مسلم

بوستان مین لکھتے ہین،

دلیر آمدی سعدیا در سخن — چو تیغت بدست است فتحے بکن
بگو آنچہ دانی کہ حق گفتہ بہ — نہ رشوت ستانی و نہ رشوہ دہ
طمع بند و دفتر ز حکمت بشوے — طمع بگسل و ہرچہ خواہی بگوے

اس زمانہ مین شاعری کا بڑا حصہ مدح تھی اور شعرا اسی کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے

شاعری کی بڑی اصلاح یہ تھی کہ شاعری کے چہرہ سے یہ داغ مٹادیا جائے شیخ نے یہ فرض نہایت نفس کشی کے ساتھ ادا کیا، وہ تنگ حال اور مفلس تھا، لوگ اسکو ترغیب دیتے تھے کہ مدحیہ قصائد لکھو تو اچھی طرح بسر ہوگی، وہ جواب دیتا تھا کہ آزاد گردن کسی کے آگے جُھک نہین سکتی،

گویند سعد یا بچہ بطال ماندہ ۔ سختی مبر کہ وجہ کفافت معین است
یکچند اگر مدیح کنی کامران شوی ۔ صاحب ہنر کہ مال ندارد تغابن است
بی زر میسرت نشود کام دوستان ۔ چون کام دوستان ندہی کام دشمن است
آئے مثل بہ کرگس مُردار خور دہند ۔ سیمرغ را کہ قاف قناعت نشیمن است
از من نیاید این کہ بہ دہقان و کدخدا ۔ حاجت برم کہ فعل گدایان خرمن است

عرب مین مدح کے یہ معنی تھے کہ شاعر جس شخص کا ممنون ہوتا تھا یا جو شخص قوم مین قابل مدح کام کرتا تھا، شاعر اُسکا اظہار کرتا تھا، لیکن صلہ اور انعام سے اُسکو کچھ واسطہ نہوتا تھا زہیر بن ابی سلمے جب ہرم بن سنان کے دربار مین گیا اور ہرم کو سلام کیا تو ہرم نے حکم دیا کہ زہیر جب دربار مین آئے اور سلام کرے تو اسکو صلہ دیا جائے اسکے بعد سے زہیر کا معمول ہوگیا کہ جب دربار مین جاتا تو کہتا کہ تمام مجمع کو سلام کرتا ہون لیکن ہرم کو نہین، عرب مین سب سے پہلے جس شاعر نے قصیدہ پر صلہ لیا وہ نابغۂ ذبیانی تھا، عرب نے اسکو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا،

شیخ نے مدحیہ قصائد کو عرب کے قدیم انداز پر لانا چاہا اسنے سلاطین و امراء کی

ح مین بہت سے قصیدے لکھے ہین لیکن اُنکے صحیح اوصاف بیان کرتا ہے اور مبالغہ آمیز
یالات جو مدحیہ قصائد کے عنصر مین داخل ہو گئے تھے اُن کو لغو بتاتا ہے، مثلاً قصیدہ کے
اتمہ مین ممدوح کو یون دعا دیتے تھے کہ لاکھون کروڑون برس زندہ رہے، یہان تک کہ
رزا غالب نے قصہ ہی فیصل کر دیا، ع تا خدا باشد بہادر شاہ باد
شیخ ہزار برس کی دعا دینے پر بھی راضی نہین۔

ہزار سال نگویم بقاے عمر تو باد | کہ این مبالغہ دانم زعقل نشماری
مین سعادت توفیق برمزیدت باد | کہ حق گزاری وناحق کسے نیازاری
ر کاہد انچہ نوشتہ است عمر و نفزاید | پس اینچہ فائدہ گفتن کہ تا بحشر بپاے

ممدوح کو عموماً ابر گہر فشان اور دریای بیکران کہا کرتے تھے، شیخ کہتا ہے،

گوئمت چو زبان آوران رنگ آمیز | کہ ابر مشک فشانی و بحر گوہر زاے

ایک اور قصیدہ مین لکھتے ہین،

ن این غلط نہ پسندم ز رای روشن خویش | کہ دست و طبع تو گویم بہ بحر و کان ماند

یہ انوری کے اس شعر پر تعریض ہے،

گر دل بحر و دست کان باشد | دل و دست خدایگان باشد

مجد الدین رومی کی مدح مین کہتے ہین،

گوئمت بہ تکلف فلان دولت و دین | سپہر مجد و معالے جہان دانش و داد

خواجہ شمس الدین محمد اور علاء الدین کا تمام دنیاے اسلام پر احسان تھا تاتاریونکے

آشوب ناک زمانہ مین اسلام کی جوکچھ حالت قائم رہگئی وہ انہی بھائیونکی بدولت تھی اس لیے شیخ ان دونون بھائیونکی مدح نہایت اخلاص سے کرتا ہے، لیکن بالکل اسی طرح جس طرح آج کسی گورنر یا حاکم صوبہ کو سچا سپاسنامہ پیش کیا جاتا ہے، مثلاً خواجہ علاء الدین کی مدح مین کہتا ہے،

خدای خواست کہ اسلام در حمایت او | زشیر حادثہ در بارۂ امان ماند
وگرنہ فتنہ چنان کردہ بود دندان تیز | کزین دیار نہ مرغ ونہ آشیان ماند
تو آن جواد زمانی کز ازدحام زمان | درت بہ شرب شیرین کاروان ماند

جذبات (۲) شیخ کی شاعری عموماً جذبات سے لبریز ہے، وہ شاعری کی کسی صنف کو رسم اور تقلید کی حیثیت سے نہین برتتا، وہ جانتا ہے کہ شاعری کا اصلی عنصر جذبات ہین اسلیے وہ اُسی وقت شعر کہتا ہے، جب اسکے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہی، غزل اسوقت تک محض معشوق کی مداحی تھی شیخ نے اس مین عشق کے اصلی جذبات ادا کیے، جن لوگون کا اس نے مرثیہ لکھا وہ لوگ تھے جنکے مرنے سی اسکو سخت صدمہ پہونچا تھا، اخلاقی مضامین بھی وہ اسی وقت ادا کرتا ہی جب کسی موثر واقعہ کے پیش آجانے سے خود اسکے دل پر سخت اثر پڑتا ہے مثلاً

تنم مے بلرزد چو یاد آورم | مناجات شوریدۂ در حرم
یکم روز بر بندۂ دل بسوخت | کہ می گفت و فرماندہش می فروخت
مرا ہستے در دل آمد برین | کہ پاک است و خرم بہشت برین
دران جاے پاکان امیدوار | بگل آلودۂ معصیت را چہ کار

امراءمین سے اُسکو سبسے زیادہ محمد بن ابی بکر بن سعد زنگی سے محبت تھی، وہ نہایت ہنرور
ر شوکت و شان کا شہزادہ تھا، وہ سفر مین تھا کہ باپ کی مرض الموت کی خبر سُنی اضطراب
ور سراسیمگی کی حالت مین شیراز کو روانہ ہوا، لیکن راہ مین قضا کر گیا، چونکہ وہ ولیعہد تھا
ب لوگ منتظر تھے کہ وہ آکر تخت و تاج کا مالک ہوگا، اس بنا پر اسکے مرنے کا عام ماتم
وا، شیخ کو بھی سخت صدمہ ہوا، اسی حالت مین مرثیہ لکھا جس کے ہر شعر سے خون جگر کی
و آتی ہے،

بزرگان چشم و دل در انتظارند — عزیزان وقت و ساعت می شمارند
غلامان دُرّ و گوہر می فشانند — کنیزان دست و ساعد می نگارند
ملک خان و سیاق و بدر و ترخان — بہ رہواران تازی بر سوارند
کہ شاہنشاہ عادل سعد بو بکر — بہ ایوان شہنشاہی در آرند
حرم شادی کنان بر طاق ایوان (بیبیان) — کہ مروارید بر تاجش ببارند
امید تاج و تخت خسروی بود — ازین غافل کہ تابوتش در آرند
چہ شد پاکیزہ رویان حرم را — کہ بر سر کاہ و بر زیور غبارند
نمی دانم حدیث نامہ چون است — ہمی دانم کہ عنوانش بخون است

مرثیہ کی اصلاح

(۲) اسوقت تک مرثیہ کا عام انداز یہ تھا کہ اشخاص کا مرثیہ لکھتے تھے قومی یا ملکی
مرثیہ کا مطلق رواج نہ تھا، شیخ پہلا شخص ہے جس نے قوم اور ملک کا مرثیہ لکھا، عباسیون کی
سلطنت گو اب برائے نام رہگئی تھی پھر بھی پانچسو برس کی اسلامی یادگار تھی اور بغداد تمام

اسلامی دنیا کا مرکز تھا، اسلیے اُسکا مٹنا قوم کا مٹنا تھا، شیخ نے اس بنا پر خلیفہ اور بغداد اور سلطنت کا مرثیہ لکھا اور جس دل سے لکھا اس کا اندازہ ان اشعار سے خود کرسکتے ہیں،

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین | بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنین[1]
اے محمد اگر قیامت سر برون آری زخاک | سر برون آر و قیامت در میان خلق بین
نازنینان حرم راموج خونِ بیدریغ | زاستان بگذشت و مارا خون دل از آستین
دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکت بیت الحرام | قیصران روم سر بر خاک و خاقان بر زمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ | ہم برآن جاے کہ سلطانان نہادندی جبین
باش تا فردا ببینی روز دادو رستخیز | کزلحد باز خم خون آلودہ برخیزد و فین

ان اجمالی اور سرسری خصوصیات کے بعد ہم ان انواع شاعری سے مفصل بحث کرتے ہیں جنکو شیخ نے ترقی دی یا اُسکا رنگ بدل دیا،

اخلاقی شاعری | (۴) **اخلاقی شاعری** شیخ سے بہت پہلے شروع ہوچکی تھی، حکیم سنائی خیام، اوحدی، عطار، نے اس زمین کو آسمان تک پہونچا دیا تھا تاہم شیخ نے اس آسمان کو اور بلند کردیا، اخلاقی شاعری پر دو حیثیتون سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

(۱) کس قسم کے اخلاق کی تعلیم کی، اور ان مین کس حد تک فلسفیت اور نکتہ سنجی پائی جاتی ہے،

---

[1] دیکھو مستعصم کے مرنے کا رنج نہین کرتا بلکہ ملک کے زوال کا رنج کرتا ہی اور انھین باتون کا ذکر کرتا ہی جن سے عام قوم کو تعلق ہے،

(۲) فلسفۂ اخلاق کو کس طرح شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخلاقی مسائل اگر محض سادہ طریقہ پر نظم مین ادا کر دیے جائین تو وہ فلسفہ ہو گا شاعری نہو گی، شیخ نے اخلاقی عنوان جو اختیار کیے وہ حسب ذیل ہین،

عدل و تدبیر، احسان عام، عشق و محبت، تواضع، رضا بالقضار، قناعت، تربیت شکر، توبہ، مناجات،

عدل و تدبیر اصل مین پالٹکس اور سیاست سے تعلق رکھتے ہین لیکن چونکہ ان کو اخلاق سے نہایت قومی تعلق ہی، شیخ نے اسکو بھی اخلاق مین شامل کر لیا، ایشیائی ملکون مین سلطنت کی بنیاد بادشاہ پرستی پر قائم ہوتی ہے اور وہ حاکم علی الاطلاق سمجھا جاتا ہی، اگر وہ عدل و انصاف کرے تو اُس کی عنایت ہی اور نہ کرے تو اُسکو کوئی ٹوک نہین سکتا،

اگر شہ روز را گوید شب است این   بباید گفت اینک ماہ و پروین

لیکن شیخ نے مختلف حکایتون کے پیرایہ مین بتایا کہ ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ بادشاہ پر نکتہ چینی کا حق ہی، شیخ نے آزادانہ اعتراض کو جس پیرایہ مین ادا کیا، آزادی بیباکی اور جانبازی کی اس سے بڑھکر تعلیم نہین ہو سکتی،

ایک ظالم بادشاہ کی حکایت لکھی ہی کہ لوگونکے جانور زبردستی پکڑ کر اُن سی کام لیتا تھا اتفاق سی ایک دن شکار کے پیچھے فوج کا ساتھ چھوٹ گیا اور ایک گاؤن مین رات بسر کرنی پڑی ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے گدھے کو اس طرح مار رہا ہی کہ اسکے ہات پاؤن بیکار ہوے جاتے ہین، بادشاہ نے روکا، اسنے کہا مین اسلیے اسکو بیکار کیے دیتا ہون کہ ہمارے ملک کا بادشاہ

بیگار مین نہ پکڑے، یہ کہکر بادشاہ کو خوب برا بھلا کہا، صبح کو اہل فوج ڈھونڈتے ڈھونڈتے گاؤن مین پہونچے اور بادشاہ تخت گاہ مین واپس آیا، یہان پہونچکر اسنے اس شخص کو پکڑ بلایا اور رات کی گستاخی کی سزا دینی چاہی، اُسنے کہا،

نہ تنہا منت گفتم اے شہریار | کہ برگشتہ بختی و بد روزگار
چرا خشم بر من گرفتی و بس | منت پیش گفتم ہمہ خلق پس

یعنی مجھی پر کیون غصہ ہی، تجکو تو سب برا کہتے ہین، فرق یہ ہی، کہ لوگ پیچھے برا کہتے ہین، مینے سامنے کہا،

چو بیداد کردی توقع مدار | کہ نامت بہ نیکی رود در دیار
ترا چارہ از ظلم برگشتن است | نہ بیچارہ بے گنہ کشتن است

یعنی تجکو یہ مناسب ہی کہ ظلم سے باز آئے یہ نہین کہ ایک بیگناہ کو قتل کردے،

زنا مہربانی کہ در دورِ تست | ہمہ عالم آوازہ جورِ تست
عجب گر منت بردل آمد درشت | بکُش گر توانی ہمہ خلق کشت
بدان کے ستودہ شود بادشاہ | کہ خلقش ستایند در بارگاہ
چہ سود آفرین بر سر انجمن | پسِ پردہ نفرین کنان مرد و زن
ہمی گفت دشمشیر بالاے سر | سپر کردہ جان پیش تیر قدر

ایک اور حکایت لکھی ہی کہ ایک درویش کی حق گوئی سے بادشاہ ناراض ہوا اور اسکو قید کردیا، اُسکے دوستون نے سمجھایا کہ بادشاہ کے سامنے یہ آزادی خلاف مصلحت تھی، درویش

نے جواب دیا،

رسانیدنِ امر حق طاعت است　　　ز زندان نہ ترسم کہ یک ساعت است

کسی نے یہ خبر بادشاہ کو پہونچائی، بولا کہ یہ اس کی حماقت ہی ایک ساعت نہین تمام عمر اُسکو قید خانہ مین رہنا ہو گا، درویش نے کہا،

کہ دنیا ہمی ساعتے بیش نیست　　　غم و خرّمی پیش درویش نیست

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زبان گدّی سے کھینچ لیجائے، درویش نے کہا مجکو اس کی بھی پروا نہین، مجکو جس سے کہنا سننا ہے وہ بولے بغیر میری بات سمجھ سکتا ہے،

من از بیزبانی ندارم غمے　　　کہ دانم کہ ناگفتہ داند ہمے

اس قسم کی متعدد حکایتین نہایت پراثر طریقہ سے لکھی ہین جن سے اسنے اپنے تمام ابنائے زمانہ کے خلاف لوگونکو آزادی اور بیباکانہ حق گوئی کی تعلیم دی ہے اور جب یہ ثابت ہوتا ہی کہ شیخ کا یہ قول نہ تھا بلکہ عمل بھی تھا تو اس کی تعلیم کا دل پر نہایت قوی اثر ہوتا ہے، شیخ نے یہ بھی بتایا کہ ملک کی آمدنی مین بادشاہ کا صرف اسقدر حق ہی کہ بقدر ضرورت اس سے تمتع اُٹھائے، اس سے زیادہ اسکو کوئی حق نہین، ایک سادہ وضع بادشاہ کی حکایت لکھی ہی کہ کسی نے اس سے کہا کہ حضور اگر دیبای چینی کی قبا زیب تن فرماتے تو زیادہ موزون تھا، بادشاہ نے کہا،

نہ از بہر آن می ستانم خراج　　　کہ زینت کنم بر خود و تخت و تاج

مرا ہم ز صد گونہ آز و ہوا است　　　ولیکن نہ تنہا خربنہ مرا است

خزائن پراز بہر لشکر بود | نہ از بہر آئین و زیور بود
چو دشمن خرِ روستائی برد | ملک باج و دہ یک چرامی خورد

یہ خود شیخ کے خیالات ہین لیکن بلاغت کے اُصول کے لحاظ سے بادشاہ کی زبان سے ادا کیا ہے کہ بادشاہون پر اسکا اثر زیادہ ہوگا،

احسان عام | احسان کا مضمون ایشیا کا مرغوب عام مضمون ہی اور شیخ نے اس مضمون کو اُسی عام طریقہ پر لکھا ہی جو ایشیائی طبائع کا عام انداز ہی، حاتم طائی کی فیاضیون کی چھوٹی حکایتین بڑی آب و تاب سے لکھی ہین اور یہ نہ سمجھے،

بیا بہ ملک قناعت کہ درد سر نہ کشی | ز قصہ ہا کہ بہمت فروش طے بستند

یہ بھی ہدایت کی ہی کہ مستحق اور غیر مستحق کی تمیز کی کوئی ضرورت نہین،

گرہ بر سر بند احسان مزن | کہ این مکر و شید است آن زرق و فن

اخیر مین بڑا دل کر کے یہ تفریق کی ہے کہ ظالمون کے ساتھ احسان نہ کرنا چاہیے تاہم اس باب مین بھی شیخ نے بعض نکتے اپنے زمانہ کے عام سطح سے بالاتر لکھے ہین، مثلاً دینداروں کے نزدیک محاسن اخلاق جس قدر ہین مثلاً عفو، حلم، مروت، جود و کرم سب مسلمانون کے ساتھ مخصوص ہین، غیر مذہب والون کے ساتھ عموماً اشداء علی الکفار کا برتاؤ کرنا چاہیئے، لیکن شیخ کے احسان عام کا بادل، ویرانہ و چمن دونون پر یکسان برستا ہی،

اُسنے ایک حکایت لکھی ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک گبر کو مومن سمجھکر

لہ وہ محصول جسکو عربی مین عشر کہتے ہین، یعنی آمدنی کا دسوان حصہ،

ان کیا، جب اسکا گبر ہونا ظاہر ہوا تو دسترخوان پر سے اٹھا دیا اسپر وحی آئی کہ

منش دادہ صد سال روزی جان　　　ترا نفرت آمد از دیک زمان

نی بیٹے تو اسکو سو برس تک کھلایا پلایا، تم دم بھر بھی اسکے ساتھ بسر نہ کرسکے،

عشق　شق شیخ کے زمانہ مین مسلمانون کی قوتون مین یک لخت زوال آچکا تھا، اسلیے عشق ومحبت

ے سوا اور کیا کام باقی رہا تھا، شیخ نے عام مذاق کے لحاظ سے اس راگ کا چھیڑنا بھی

روری سمجھا اور اپنے دانست مین اسمین بھی اصلاح کی یعنی عشق مجازی کو بُرا کہا اور عشق

حقیقی کے محاسن بیان کیے، لیکن سچ یہ ہو کہ اگر ایک اخلاقی کتاب سرے سے اس فتنہ انگیز

مضمون سے پاک رہتی تو بہت اچھا ہوتا

ع اہل زکام را دہ این گل کہ بو کنند،

قناعت　قناعت تواضع اور رضا وغیرہ کو جادو اثر طریقہ سے بیان کیا ہو لیکن حقیقت یہ ہو کہ ان

مضامین کے بار بار اعادہ کرنے سے قوم مین افسردگی، بیکاری، پست ہمتی پیدا

ہوتی ہو اسلیے یہ مضامین ہمارے اخلاقی دفتر سے چندروز کے لیے نکال دینے کے

قابل ہین،

قناعت بظاہر پست ہمتی کا دوسرا نام ہے، اور اس مین شک نہین کہ قناعت کے

جو غلط معنی عموماً علما اور زہاد نے دلون مین بٹھا دیئے ہین انھون قوم کے اپاہج بنانے مین

بہت مدد دی ہو، لیکن انصاف یہ ہو کہ شیخ نے قناعت کے جو معنی قرار دیے وہ انسان کی

خودداری، اور عزت نفس کا سب سے ضروری مرحلہ ہے، ایشیائی حکومتون مین ہر قسم کی بیہودہ

اخلاق مثلاً خوشامد، ذلت نفس، نفاق، ریا، زمانہ سازی صرف اسوجہ سے پیدا ہوتے ہین کہ ان باتون کے بغیر کوئی شخص دولت اور عزت نہین حاصل کر سکتا، اسلیے دولت و عزت کی پروا نہ کرنا ان عیوب سے بچنے کا سب سے پہلا مرحلہ ہے، شیخ اسی بنا پر قناعت کی تعلیم دیتا ہے،

قناعت کن اے نفس بر اندکے — کہ سلطان و درویش بینی یکے
چرا پیش سلطان بخواہش روی — چو یکسو نہادی طمع خسروی
وگر خود پرستی شکم طبلہ کن — در خانۂ این و آن قبلہ کن
قناعت سرفرازد ای مرد ہوش — سر پر طمع بر نیاید ز دوش
کسے را کہ درج طمع در نوشت — نباید بکس عبد و چاکر نوشت
کند مرد را نفس امارہ خوار — اگر ہوشمندی، عزیزش بدار
گر آزادہ بر زمین خسپ و بس — مکن بہر قالی، زمین بوس کس
چو بینی کہ از سعی بازو خورم — بہ از میدہ بر خوان اہل کرم

یعنی اگر تم قناعت اختیار کروگے تو تمکو بادشاہ اور فقیر یکسان نظر آئینگے، تم بادشاہ کے آگے کیون سر جھکاتے ہو، طمع چھوڑ دو تم خود بادشاہ ہو، جو شخص طمع چھوڑ دیگا وہ اپنی آپکو غلام اور خانہ زاد نہین لکھ سکتا، نفس امارہ انسان کو ذلیل کرتا ہی، اگر تمکو عقل ہو تو تم نفس کی عزت کرو، تم کو زمین پر پڑکر سو رہنا چاہیے، لیکن قالین کے لیے کسی کے آگے زمین نہین چومنی چاہیے، اس سے بڑھکر کیا شریفانہ تعلیم ہو سکتی ہے،

اس سے ظاہر ہے کہ اگر عزت نفس کے قائم رہنے کی ساتھ دولت و ثروت،
نام و نمود، جاہ و اعزاز حاصل ہو سکتا ہو تو شیخ اس سے باز رہنے کی تعلیم
نہین دیتا،

ایک حکایت مین شیخ نے اس نکتہ کو صاف اور واضح کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ کسب اور
جہد کو توکل پر ترجیح ہے، حکایت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک لومڑی کو دیکھا جسکے ہات پاؤن
کٹے ہوے تھے، اسکو تعجب ہوا کہ یہ کھاتی پیتی کہان سے ہے؟ اتفاق سے ایک شیر آ نکلا
اسکے منھ مین شکار تھا، جب وہ کھا کر چلا گیا تو لومڑی نے اسکا بچا ہوا جھوٹا کھا لیا، یہ دیکھکر
اس شخص کو خیال ہوا کہ ہات پاؤن ہلانے کی ضرورت نہین، مین بھی اسی طرح پا شکستہ بنکر
بیٹھ رہون، خدا کہین سے روزی بھیجدیگا، لیکن کئی دن گزر گئے یہ یون ہی فاقے کیا
کیے، آخر ہاتف غیب پکارا،

بروشیر غرّندہ باش اے دغل — مینداز خود را چو روباہ شل
یعنی شیر ہو کر لومڑی کیون بنتے ہو،

بہ چنگ آر و با دیگران نوش کن — نہ بر فضلۂ دیگران گوش کن
چو مردان ببر رنج و راحت رسان — مخنث خورد دست رنج کسان
بگیر اے جوان دست درویش پیر — نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر

تربیت، تربیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور بہت سے نکتے ایسے لکھے ہین جو اس زمانہ کی تربیت
سطح سے بالاتر ہین، مثلاً قدیم تربیت مین لڑکون کو زجر و توبیخ بلکہ جسمانی سزا دینی ایک

ضروری چیز تھی، اور آجتک وہ خیال قائم ہے. خود شیخ نے ایک معلم کی زبان سے کہا ہے

ع جور استاد بہ ز مہر پدر،

لیکن شیخ کی خود تعلیم یہ ہے،

نوآموز را ذکر و تحسین وزہ | ز توبیخ و تہدید استاد بہ

صنعت وحرفت کی تعلیم، امرا کے بچون کے لیے بھی لازمی قرار دی ہے حالانکہ آج یورپ کی مثالین دیکھکر بھی ہم اُن چیزون کو ہات نہین لگاتے،

بیاموز پرورده را دست رنج | وگر دست داری چو قارون گنج

بپایان رسد کیسۂ سیم و زر | نگردد تہی کیسۂ پیشہ ور

چہ دانی کہ گردیدن روزگار | بہ غربت بگرداندش در دیار

چو بر پیشۂ باشدش دسترس | کجا دستِ حاجت برد پیش کس

عام خیال یہ ہے کہ بچون کو کم درجہ کی خوراک اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنانا چاہیے تاکہ آرام طلب اور عیش پسند نہو جائین، لیکن شیخ فرماتے ہین،

پسر را نکودار و راحت رسان | کہ چشمش نماند بہ دست کسان

یعنی بچے کو سرد سامان سے رکھنا چاہیے تاکہ اسمین بلند نظری پیدا ہو اور لوگون کی طرف اس کی نگاہین حسرت سے نہ اٹھین،

اس زمانہ مین امرد پرستی کا عام مرض پھیلا ہوا تھا، صوفیہ اور اہل نظر اسکو عشق حقیقی کی منزل اولین قرار دیتے تھے، اور ارباب ذوق کے لیے تفریح خاطر کا اسکے سوا کوئی سامان

نہ تھا، شیخ چونکہ اس سانپ کو کھلا چکا تھا، اس کی مضرتون سے خوب واقف تھا، اسلیے
اسنے نہایت سختی سے اس کی برائیان بیان کین،

سر از مغز و دست از درم کن تہی | چو خاطر بہ فرزند مردم نہی
مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ | کہ فرزند خویشت برآید تباہ

صوفیہ کا پردہ کھولتے ہین،

گروہے نشینند با خوش پسر | کہ ما پاک بازیم و اہل نظر
ز من پرس فرسودۂ روزگار | کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار
ازان برگِ خرما خورد گوسفند | کہ قفل است بر تنگ خرما و بند

صوفیون کے اس دعوی کو کہ جمال سے ہمکو صنعت ایزدی کا مطالعہ مقصود ہوتا ہے اسطرح رد کرتے ہین

چرا طفل یک روزہ ہوشش نہ برد | کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہمان بیند اندر اِبل | کہ در خوبرویان چین و چگل

یعنی اگر صنعت ایزدی کا مطالعہ مقصود ہے تو وہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ مین نظر آتی ہے، خوش جمال اور بدجمال کی کیا تخصیص ہے، ایک باریک بین کو اونٹ کے ناموزون ڈیل ڈول مین بھی وہی صنعت کاریان اور نکتہ آفرینیان نظر آتی ہین جو چین اور چگل کے معشوقون مین ہین،

شیخ حسن پرستی سے منع نہین کرتا لیکن بتاتا ہے کہ اسکا صحیح مصرف کیا ہے،

زن خوب و خوشخوے آراستہ | چہ ماند بہ نادان نوخاستہ
در و دم چو غنچہ دمے از وفا | کہ از خندہ افتد (امرد) چو گل بر قفا

خرابت کند شاہد خانہ کن
بر وخانہ آباد گردان بہ زن

افسوس ہی کہ عورتون کا رتبہ شیخ کے زمانہ مین مردون سی بہت کم سمجھا جاتا تھا، اسلیے جو لوگ اپنی بیوی سے زیادہ محبت رکھتے تھے زن پرست کہلاتے تھے اور لوگ ان کو طعنہ دیتے تھے،

شیخ نے اگرچہ ان لوگون کی طرف سے یہ معذرت کی ہی،

کسے را کہ بینی گرفتار زن
مکن سعدیا طعنہ بروی مزن

تو ہم جور بینی و بارش کشی
اگر یکشبے درکنارش کشی

زنان شوخ و فرماندہ وسرکش اند
ولیکن بدیدم کہ در بر خوش اند

لیکن افسوس ہی کہ اس قدسی پیکر کی غرض و غایت لوگون نے صرف نفس پرستی سمجھی، یہ نہ سمجھے کہ یہ جنس لطیف چہرۂ کائنات کا آب و رنگ ہی،

شیخ نے عورتون کے متعلق ایک اور ہدایت کی ہی جس سے ثابت ہوتا ہی کہ اس زمانہ کا معیار اخلاق کسقدر پست ہو گیا تھا،

زن نو کن اے دوست در ہر بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

لیکن اگر عورت بھی اس فلسفہ پر عمل کرے تو کیا جواب ہوگا؟

شیخ ہمہ تن مذہبی آدمی تھا، اسلیے اُسنے تعلیم و اخلاق کی بنیاد بھی مذہب پر رکھی ہی، مذہبی غلو مین حقیقت شناسی بہت کم قائم رہتی ہی، فرض کرو ایک شہر مین ہزارون مسجدین ہین اور نمازیون کی ضرورت سے زیادہ ہین، باوجود اسکے ایک شخص پھر نئی مسجد بنائے تو مذہبی آدمی کبھی اس کام کو عبث اور بیفائدہ نہین کہہ سکتا، حالانکہ قرون اولی مین ایسی کام سے

علانیہ روک دیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے حکم بھیجدیا تھا کہ کسی شہر مین (بجز کوفہ و بصرہ کے) ایک سے زیادہ مسجد نہ بننے پائے، ولید نے جامع مسجد کی تعمیر مین شاہانہ حوصلہ مندی کی تو قوم نے علانیہ کہدیا کہ بیت المال کا روپیہ اس طرح ضائع نہین کیا جا سکتا،

فرض کرو ایک شہر مین بہت سی مسجدین موجود ہین، لیکن انگریزی تعلیم (جو تحصیل معاش کا ذریعہ ہی) اسکا سامان بالکل نہو، اب ایک شخص ایک مسجد اور دوسرا شخص انگریزی مدرسہ بنائے تو تم کس کام کو ترجیح دوگے؟

شیخ کی نکتہ سنجی پر حیرت ہوتی ہی جب نظر آتا ہے کہ وہ مذہبی جوش اور غلو کے ساتھ حقیقت شناسی سے کبھی الگ نہین ہوتا، ایک حکایت لکھی ہی کہ ایک بادشاہ نے روزہ رکھا باورچی کی بیوی نے کہا سلطان کو اس روزہ سے کیا ثواب ہوگا کہ ہم سب بھوکے مرینگے،

که سلطان ازین روزه گوئی چه خواست | که افطار او عید طفلان ماست

شیخ اس مسئلہ کو زیادہ روشن کرنے کے لیے خود اپنی زبان سے کہتا ہے،

خورنده که خیرش بر آید ز دست | به از صائم الدهر (روزه دار) دنیا پرست
مُسلّم کسے را بود روزه داشت | که درمانده را دهد نان چاشت
وگرنه چه حاجت که زحمت بری | ز خود باز داری و هم خود خوری
خیالات نادان خلوت نشین، | بهم بر کند عاقبت کفر و دین

اخیر شعر مین کہتا ہی کہ سادہ دل خلوت نشین مذہب کو خراب کر دیتا ہے،

ایک حکایت لکھی ہی کہ ایک درویش نے حج کا سفر کیا اور ہر ہر قدم پر دو دو رکعتین نماز

پڑھتا جاتا تھا، اس ریاضت شاقہ پر اسکو دل مین غرور پیدا ہوا، ہاتف غیب نے آواز دی کہ
ایک دل کو خوش کرنا ہزار رکعت سے بہتر ہی،

به احسانے آسودہ کردن دلے | بہ از الف رکعت بہر منزلے

ریاکار عالمون کی قلعی سب نے کھولی ہی لیکن صوفیہ کا گروہ کثیر جو ہمہ تن ریاکار ہی انکی نسبت
کسیکو ریاکاری کا گمان بھی نہین ہوتا اور ہو بھی تو عوام کے ڈر سے ظاہر نہین کرسکتا شیخ اس
راز سے خوب واقف تھا، اسلیے اسنے نہایت دلیری سے اس طلسم کو توڑا. غزلون مین نہایت
لطیف پیرایون مین اس مضمون کو ادا کیا ہی،

برون نمیرود از خانقہ یکے ہشیار | کہ پیش شحنہ بگوید کہ صوفیان مستند
محتسب در قفاے رندان است | غافل از صوفیان شاہد باز

بوستان مین ایک شخص کی زبان سے ان لوگون کی پوری تصویر کھینچی ہی،

کہ زنہار ازین مردمان خموش | پلنگان درندۂ صوف پوش
کہ چون گربہ زانو بہم بر زنند | وگر صیدے افتد چو سگ در جہند
سوے مسجد آوردہ دکان شید | کہ در خانہ کمتر توان یافت صید
سپید و سیہ پارہ بر دوختہ | بہ سالوس پنہان زر اندوختہ
زہے جو فروشان گندم نماے | جہان گرد و سالوس و خرمن گداے
مبین در عبادت کہ پیر اند و سست | کہ در رقص و حالت جوانند و چست
عصاے کلیم اند بسیار خوار | بہ ظاہر چنین زرد روے و نزار

زسنت نہ بینی درایشان اثر		بجز خواب پیشین دنان سحر

سب سے بڑی بات یہ ہی کہ شیخ نے اخلاق کی بنیاد بے تعصبی پر قائم کی، اُسنے مختلف
طریقون سے بے تعصبی کی تعلیم دی ہی اور جتایا ہے کہ تعصب کے ساتھ اخلاق کا لطیف
اور نازک حاسہ قائم نہین رہ سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک گبر سے جو برتاؤ کیا
تھا اس کی نسبت وحی کے ذریعہ سے انکو خدا نے تنبیہ کی کہ ہمارا یہ طریقہ نہین، اس حکایت
سے شیخ کو یہ جتانا تھا کہ معاشرت اور حسن اخلاق مین کافر و مسلم کی تمیز نہین، شیخ عموماً ہر
مذہب وملت کے بڑے لوگون کا نام جب لیتا ہے تو ادب سے لیتا ہی، دارا آتش پرست
تھا تاہم شیخ کہتا ہی،

شنیدم کہ دارای فرخ تبار		زلشکر جدا ماندر روز شکار

نوشیروان کے زمانہ مین پیدا ہونے پر رسول اللہ کا ناز کرنا ثابت کرتا ہی،

سزد گر بدورش بنازم چنان		کہ سید بدوران نوشیروان

فردوسی اور بکا سُنی تھا (علی رغم انف قاضی نوراللہ) لیکن فردوسی کا نام (جو قطعاً شیعہ تھا) اسطرح لیتا ہے،

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد		کہ رحمت بر آن تربت پاک باد

کیا آج کوئی روشن خیال سے روشنخیال سنی عالم، کسی شیعہ کی تربت کو پاک اور اُس کی
نسبت رحمت کی دعا کر سکتا ہی،

شیخ نے اگرچہ فلسفۂ اخلاق، کو شاعرانہ انداز مین لکھا لیکن مسائل اخلاق کے متعلق بہت باریک
سے ایسے نازک، دقیق، اور لطیف دلائل اور وجوہ بیان کیے کہ اخلاق کی فلسفیانہ

تصنیفات مین بھی نہین مل سکتے، کبر، حسد، غیبت، وغیرہ خبائث نفسانی کی برائیون کے وجوہ تمام کتابون مین مذکور ہین، لیکن شیخ ان سب سے الگ دقیق باتین پیدا کرتا ہی، بدگوئی کی برائی کی نسبت کہتا ہے،

برادر حق مردم نیک و بد | مگو اے جوان مرد صاحب خرد
کہ بد مرد را خصم خود میکنی | دگر نیک مرد است بدی کنی

یعنی بدگوئی نہین کرنی چاہیے کیونکہ جس کی بدگوئی کردگے دو صورت سے خالی نہین، اگر وہ اچھا آدمی ہی، تو اچھے آدمی کو برا کہنا مناسب نہین، اور برا ہے تو بُرے آدمی کو اپنا دشمن بنا لینا اچھا نہین، یہ ظاہر ہی کہ برا آدمی کسی کی دشمنی کرتا ہی تو جائز ناجائز کی پروا نہین کرتا اسلیے بُرے آدمی کو اپنا دشمن بنانا اپنے آپ کو بلا مین پھنسانا ہی، یہ تقسیم اور استدلال جسقدر فلسفیانہ ہی اُسی قدر واقعی اور عملی ہے،

یا مثلاً خاموشی کی خوبیان تمام اخلاقی کتابون مین مختلف طریقون سے بیان کی ہین لیکن **شیخ** سب سے الگ فلسفیانہ طریقہ سے اسکو ثابت کرتا ہی،

ترا خامشی اے خداوند ہوش | وقار است و نا اہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبت خود مبر | دگر جاہلی پردۂ خود مدر

یعنی **خاموشی**، عالم و جاہل دونون کے لیے مفید ہی، عالم کا تو وقار بڑھتا ہے اور جاہل کا پردہ ڈھکا رہتا ہے،

یا مثلاً دوسرونکے اعتراض اور نکتہ چینی کا برا نہ ماننا اور اسکو گوارا کرنا اسکو شیخ اسطرح

دلنشین کرتا ہی،

گرآئی کہ دشمنت گوید مرنج　　　درآن نیستی گو، برو باد سنج

یعنی دو حال سے خالی نہین، یا جو اعتراض دشمن کرتا ہی واقعی ہی تو واقعی اور سچی بات کا بُرا ماننا کیا؟ اور جھوٹ اور غلط کہتا ہی تو جھوٹ بات کا کیا رنج، اسکو بکنے دو،

یا مثلاً بدمزاج اور بداخلاق زہاد کی نسبت لکھتا ہی،

نہ خورد از عبادت برآن بیخرد　　　کہ با حق نکو بود و با خلق بد

یعنی اس شخص نے عبادت کا پھل نہین چکھا جو خدا کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا اور مخلوقات کے ساتھ بُرائی سے، یہان یہ دقیق نکتہ بتایا ہی کہ کج خلق عابد جو عبادت کرتے ہین، انکی عبادت، اصلی نیکی اور دل کے اقتضا سے نہین ہوتی، بلکہ سزا اور عقاب کے ڈر سے ہوتی ہی، اسکا ثبوت یہ ہی کہ جس سے ان کو اس قسم کا اندیشہ نہین، (بندگان خدا سے) اُس سے وہ کج اخلاقی اور بدمزاجی اور دل آزاری کا برتاو کرتے ہین،

شیخ نہایت سرسری اور معمولی واقعات سے جو رات دن لوگون کو پیش آتے رہتے ہین، نہایت دقیق نکتے پیدا کرتا ہی، مثلاً چھوٹے بچون کو لوگ میلے ٹھیلے مین ساتھ لیجاتے ہین تو اُسکے ہات مین دامن دیدیتے ہین کہ ہجوم ہین کہین بہک نہ جائے، شیخ کو بچپن مین یہ واقعہ پیش آیا تھا،

شیخ نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا،

ہمے یاددارم زعہد صغر　　　کہ عیدے برون آمدم با پدر

بہ بازیچہ مشغولِ مردم شدم | در آشوب خلق از پدر گم شدم
برآوردم از بیقراری خروش | پدر ناگہانم بمالید گوش
کہ ای شوخ چشم، آخرت چند بار | نگفتم کہ دستت ز دامن مدار
تو ہم طفل راہی بہ سعی اے فقیر | برو دامن نیک مردان بگیر

یعنی جو شخص راہ سلوک کی ابتدائی منزلون مین ہی وہ بچہ ہے اسلیے اُسکو مرشد کا دامن نہین چھوڑنا چاہیے؛

تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنے فضلہ کو خاک مین چھپا دیتی ہی تم کو کچھ خیال بھی نہ آیا ہوگا لیکن شیخ اس بتذل واقعہ سے کس قدر پُر اثر اخلاقی نتیجہ استنباط کرتا ہے۔

پلیدے کُند گُربہ بر جای پاک | چو زشتش نماید بپوشد بہ خاک
تو آزادی از ناپسندیدہ ہا | نترسی کہ بر وی فتد دیدہ ہا

یعنی بلّی کو اتنا خیال ہی کہ وہ اپنے فضلہ کو جو بدنما معلوم ہوتا ہی، چھپا دیتی ہی، تم ہزارون برائیان کرتے ہو اور لوگ دیکھتے ہین اور تمکو شرم نہین آتی،

ایک شخص کیچڑ مین لتھڑا ہوا مسجد مین جانے لگا، مؤذن نے ڈانٹا کہ نجاست کے ساتھ ایسی پاک جگہ مین جاتا ہی شیخ پر اسکا اثر جو ہوا وہ یہ تھا،

ز گل آلودہ راہ مسجد گرفت | ز بخت نگون طالع اندر شگفت
یکے زجر کردش کہ تبت یداک | مرو دامن آلودہ در جای پاک
مرا رقتے در دل آمد برین | کہ پاک است و خرم بہشت برین

دران جای پاکان امید وار	گِل آلودۂ معصیت را چہ کار

بچپن مین شیخ کے والد نے شیخ کو انگوٹھی خرید کر دی کسی عیار نے مٹھائی کا لالچ دیا، انکو انگوٹھی کی کیا قدر تھی، مٹھائی لیکر انگوٹھی دیدی، یہ واقعے عموماً پیش آتے ہین شیخ اس سے کسقدر عظیم الشان نتیجہ پیدا کرتا ہے؛

بدر کرد ناگہ یکے مشتری	بہ شیرینی از دستم انگشتری
چو نشناسد انگشتری طفل خُرد	بہ شیرینی از وی توانند بُرد
تو ہم قیمت عمر نشناختی	کہ در عیش شیرین براند اختی

لطف و احسان کا اثر ایک معمولی واقعہ سے اس طرح ثابت کرتے ہین،

بہ رہ بر یکے پیشم آمد جوان	بہ تگ در پیش گوسفندے دوان
بدو گفتم این ریسمان است و بند	کہ می آید اندر پیت گوسفند
سبک طوق و زنجیر از و باز کرد	چپ و راست پوئیدن آغاز کرد
چو باز آمد از عیش و شادی بجای	مرا دید و گفت اے خداوند رای
نہ این ریسمان می برد بانمش	کہ احسان کمندیست در گردنش

ایک درویش کو کتے نے پاؤن مین کاٹ لیا، زخم کی تکلیف سے رات بھر وہ کراہا کیا اُسکے ایک کمسن لڑکی تھی، اُسنے کہا ابا! پھر آپ نے کیون نہین کُتے کو کاٹا کہ برابر سرابر ہو جاتے درویش نے کہا جان من! میرے دانت کتے کے قابل نہ تھے، شیخ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ تم کو اگر کوئی نااہل بُرا کہے اور تم بھی اُسکو بُرا کہو تو اسکی یہی مثال ہوگی کہ آدمی کُتے

کو کاٹنا چاہیے،

محال است اگر تیغ بر سر خورم — کہ دندان بپاے سگ اندر برم

توان کرد با ناکسان بدرگی — ولیکن نیاید ز مردم سگی

شیخ کی انتہاے قوت تخیل کا اندازہ، اُن فرضی حکایتون سے ہوسکتا ہی جو محض اسکی قوت تخیل کا نتیجہ ہوتی ہین اور جنکو وہ واقعیت اور حسن استدلال کا مجموعہ بنا دیتا ہی مثلاً

یکے قطرہ باران ز ابرے چکید — خجل شد چو پہناے دریا بدید

کہ جای کہ دریاست من کیستم — گر او ہست، حقا کہ من نیستم

چو خود را بہ چشم حقارت بدید — صدف در کنارش بجان پرورید

سپہرش بہ جاے رسانید کار — کہ شد نامور لولوے شاہوار

یعنی بادل سے ایک قطرہ ٹپکا، دریا کا پاٹ دیکھکر شرمایا کہ اسکے آگے میری کیا حقیقت ہے، چونکہ اُسنے اپنے آپکو حقیر سمجھا، سیپ نے اسکو اپنی گود مین لیا، چند روز کے بعد دیکھا تو وہی قطرہ گوہر شاہوار تھا،

یا مثلاً گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوی دل آویز تو مستم

بگفتا من گِل ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

یا مثلاً زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک — بگوش آمدم نالۂ دردناک

که زنهار اگر مردی آهسته تر — که چشم و بنا گوش و روی ست و سر

یعنی مین نے ایک دن ایک خاک کے ٹیلہ پر پھاوڑا مارا، اوس سے آواز آئی کہ میان اگر تم مین آدمیت اور غیرت ہی تو ذرا آہستہ، کیونکہ یہ سب آنکھین اور کان اور چہرے اور سر ہین،

(یعنی آج جو خاک ہی یہ پہلے انسان کی اعضا تھے جو بوسیدہ ہوکر خاک ہو گئی)

یا مثلاً

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ — بتابد بہ شب کرمکے چون چراغ

یکے گفتش اے مرغک شب فروز — چہ بودت؟ کہ بیرون نیائی بروز

ببین کاتشین کرمک خاک زاد — جواب از سر روشنائی چہ داد

کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم — ولے پیش خورشید پیدا نیم

یا مثلاً

شبے یاد دارم کہ چشمم نہ خفت — شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت

کہ من عاشقم گر بسوزم رواست — ترا گریہ و سوز باری چراست

بگفت اے ہوادار مسکین من — برفت از برم یار شیرین من

تو بگریزی از پیش یک شعلہ خام — من استادہ ام تا بسوزم تمام

ترا آتش عشق اگر پر بسوخت — مرا بین کہ از پاے تا سر بسوخت

پیرایۂ ادا

شیخ کی کمال شاعری کا اصلی معیار، اسکا پیرایہ ادا ہے، اس سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا اندازہ نہین کرسکتا کہ کس مضمون کے موثر کرنے کا سب سے بڑھکر، کونسا طریقہ ہے

جن جن مضامین کو اُسنے لیا ہی، ان کو جس پیرایہ مین ادا کیا ہی، متقدمین اور متاخرین مین اسکی نظیر مطلق نہین مل سکتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ اخلاق مین سیکڑون ہزارون کتابین لکھی گئین، صرف ایک مخزن الاسرار نظامی کے طرز پر ۶۵ مثنویان لکھی گئین، اور سب کی سب اخلاق و تصوف مین ہین، لیکن بوستان اور گلستان کے آگے کسی کا چراغ نہ جل سکا چند مثالون سے تم اسکا اندازہ کر سکتے ہو،

مثلاً دولت و حکومت کی تنقیص، ایک پامال مضمون ہی جو سیکڑون دفعہ لوگ مختلف پیرایون مین ادا کر چکے ہین، لیکن شیخ کا صرف ایک شعر سب پر بھاری ہی،

گدارا کند یک درم سیم سیر | فریدون بہ ملک عجم نیم سیر

شیخ نے اسکے ساتھ فلسفیانہ طریقہ سے ثابت کر دیا ہے کہ دولتمندی درحقیقت محتاجی ہے،

خبر دہ بدرویش سلطان پرست | کہ سلطان ز درویش مسکین ترست

نگہبانی ملک و دولت بلا است | گدا بادشاہ است نامش گدا است

بخسپند خوش، روستائی وجفت (دہقان، بیوی) | بذوقے کہ سلطان در ایوان نخفت

اسی مضمون کو ایک مصرع مین ادا کیا ہی،

ع آنانکہ غنی ترا ند محتاج ترا ند،

یہ ظاہر ہی کہ انسان جس قدر دولتمند اور امیر ہوتا جاتا ہی، اُس کی ضرورتین اور حاجتین بڑھتی جاتی ہین، اسلیے زیادہ دولتمندی درحقیقت زیادہ محتاجی ہی،

یا مثلاً یہ تلقین کرنا تھا کہ دولتمندون کو، غریبون پر رحم کرنا چاہیے، اسکو شیخ نے
ں حکایت کے پیرایہ مین ادا کیا،

ملک صالح از بادشاهان شام | برون آمدے صبحدم با غلام
بگشتے در اطراف بازار و کوی | برسم عرب نیمه بربسته روی
دو درویش در مسجدے خفته یافت | پریشان دل و خاطر آشفته یافت
یکے زان دو می گفت با دیگرے | که هم روز محشر بود داورے
گر این بادشاهان گردن فراز | که با لهو و عیش اند و با کام و ناز
در آیند با عاجزان در بهشت | من از گور سر بر نگیرم ز خشت
بهشت برین ملک و ماوای ماست | که بند غم امروز بر پای ماست
اگر صالح آن جا بدیوار باغ | در آید، به کفشش بدرم دماغ

کایت کا ماحصل یہ ہی کہ ملک صالح (شام کا بادشاہ، اور سلطان صلاح الدین کے اندان سے تھا) ایک دن، شہر کے گشت کو نکلا، دو فقیر ایک مسجد مین لیٹے تھے، اور جاڑے ر بھوک کی تکلیف سے بیتاب تھے، ایک دوسرے سے کہ رہا تھا کہ آخر قیامت مین بھی ئی حاکم ہوگا، اگر یہ بادشاہ لوگ جو دنیا مین مزے اڑاتے پھرتے ہین، ہم غریبون کے ساتھ شت مین داخل ہونگے تو مین قبر سے سر نہ اٹھاؤنگا، بہشت ہمارا حصہ ہی کہ ہم آج مصیبتین ر رہے ہین، صالح اگر وہان بہشت کی دیوار کے پاس بھی آیا تو اسکا سر توڑ دونگا،

دولتمندون کو غریبون پر رحم دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہی کہ تکلیف کی حالت

ہین غریبون کو امیرون کی ناز و نعمت پر جو رشک، جلن اور غصہ پیدا ہوتا ہی، اسکو دکھایا جائے شیخ نے اُس کی نہایت صحیح تصویر کھینچی، اخیر کا شعر باوجود اسکے کہ تہذیب کی حد سے بڑھا ہوا ہے واقعیت اور اصلیت کی اصلی تصویر ہی. لیکن شیخ نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ بادشاہ کی فیاضانہ طرز عمل کو بھی دکھایا،

روان ہر دو کس را فرستاد و خواند	بہ ہیبت نشست و بہ حرمت نشاند
بر ایشان ببارید باران جود	فروشست شان گرد ذل از وجود
شہنشہ ز شادی چو گل بر شگفت	بخندید و در روی درویش گفت
من آن کس نیم کز غرور حشم	ز بیچارگان روی درہم کشم
من امروز کردم، در صلح باز	تو فردا مکن، در بروئیم فراز

یعنی بادشاہ نے اُن فقیرون کی مہانی اور حاجت روائی کرکے کہا کہ آج مین آپ لوگونکے ساتھ عاجزی اور دوستی کا برتاؤ کرتا ہون، آپ بھی میرے ساتھ قیامت مین مہربانی کیجیے گا اور مجکو بہشت مین آنے سے نہ روکیے گا،

سننے والے پر فقیرون کے غم اور غصہ سے جو اثر پیدا ہتا وہ بادشاہ کے شریفانہ طرز عمل اور حکیمانہ جواب سے کس قدر اور زیادہ قوی ہوگیا، ممکن نہین کہ ایک دردمند دل اُسکو پڑھے اور اُسکے آنسو نکل نہ آئین،

یا مثلاً غیبت کی بُرائی کو، لوگون نے مختلف پیرایون مین ادا کیا تھا شیخ نے سب سے زیادہ چھوتے لیکن نہایت موثر طریقہ سے اس حکایت کے پیرایہ مین اس مضمون کو ادا کیا،

طریقت شناسانِ ثابت قدم — بہ خلوت نشستند چندے بہم

یکے زان میان غیبت آغاز کرد — در ذکر بیچارۂ باز کرد

کسے گفتش اے یار شوریدہ رنگ — تو ہرگز (کبھی) غزا کردۂ در فرنگ

بگفت از پس چار دیوار خویش — ہمہ عمر ننہادہ ام پائے بیش

چنین گفت درویش صادق نفس — ندیدم چنین بخت برگشتہ کس

کہ کافر ز پیکارش ایمن نشست — مسلمان ز جور زبانش نہ رست

نی چند آدمی ایک صحبت مین شریک تھے، ایک شخص نے کسی کی غیبت شروع کی، ایک یک نفس نے کہا کہ کیون یار! کبھی تم نے کافرون سے لڑائی بھی کی ہی، اسنے کہا مین نے تو ھی، گھر سے قدم بھی باہر نہین نکالا، نیک نفس نے کہا سبحان اللہ! کافر تو آپ کے حملہ سے حفوظ رہا، لیکن مسلمان، آپ کی تیغ زبان سے نہ بچ سکا، ایک اور طریقہ سے اسی مضمون و ادا کیا ہے،

زبان کرد شخصے بہ غیبت دراز — بدو گفت دانندۂ سرفراز

کہ یاد کسان، پیش من بد مکن — مرا بدگمان در حق خود مکن

زیادہ گوئی کی بُرائی نہایت پامال مضمون ہی شیخ اس مضمون کو کس قدر عجیب اسلوب سے ادا کرتا ہی،

کمال است در نفس انسان سخن — تو خود را بہ گفتار ناقص مکن

نی قوت ناطقہ ہی انسان کا سب سے بڑا کمال ہی، ایسا نہ کرو کہ یہی وصف (زیادہ گوئی کیوجہ سے)

تمھارے نقصان کا سبب قرار پائے،

کم آواز ہرگز نہ بینی خجل　　جوی مشک بہتر کہ یک تودہ گل

حذر کن ز نادان دہ مردہ گوی　　چو دانا یکے گوی و پروردہ گوی

صد انداختی تیر و ہر صد خطا است　　اگر ہوشمندی یک انداز و راست

یعنی سیکڑوں تیر تم نے نشانہ پر لگائے اور سب خالی گئے اگر عقلمند ہو تو ایک تیر لگاؤ لیکن ٹھیک نشانہ پر لگاؤ،

مناجات، تضرع، استغفار اور توبہ فی نفسہ ایک موثر مضمون ہی لیکن شیخ نے اسکو ایک حکایت کے پیرایہ مین کس قدر اور زیادہ مؤثر کر دیا ہی،

شنیدم کہ مستی ز تاب نبید　　بہ مقصورۂ عابدے در دوید

بنالید بر آستان کرم　　کہ یارب بہ فردوس اعلے برم

مؤذن گریبان گرفتش کہ ہین　　سگ و مسجد اے فارغ از عقل و دین

چہ شائستہ کردی کہ خواہی بہشت　　نمی زیبدت ناز با روی زشت

بگفت این سخن پیر و بگریست مست　　کہ مستم بدار از من اے خواجہ دست

عجب داری از لطف پروردگار　　کہ باشد گنہگارے امیدوار

ترا می نگویم کہ عذرم پذیر　　در توبہ باز است و حق دستگیر

ہمی شرم دارم ز لطف کریم　　کہ خوانم گنہ پیش عفوش عظیم

یعنی ایک مست نشہ کے زور مین مسجد مین گھس گیا اور رو کر پکارا کہ اے خدا مجکو بہشت مین لیجانا

موذن نے اسکا گریبان پکڑ کر کہا کہ او سگ نجس! مسجد مین تیرا کیا کام، تونے کون اچھا عمل کیا ہی کہ بہشت کا دعوی ہی مست رو پڑا اور بولا کہ کیا آپ کو خدا کے لطف عمیم سے یہ تعجب معلوم ہوتا ہی کہ ایک گنہگار اس کی مغفرت کا امیدوار ہو، مین نے آپ سے تو مغفرت کی خواہش نہین کی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہی، اور خدا دستگیر ہی مجکو تو شرم آتی ہی کہ مین خدا کے عفو کے مقابلہ مین اپنے گناہ کو زیادہ سمجھون،

غور کرو شیخ نے اس مضمون کے مؤثر کرنے کیلیے بلاغت کے کن نکتونکو ملحوظ رکھا ہے،
سب سے پہلے یہ کہ مناجات مین براہ راست خدا کو مخاطب نہین کیا، کیونکہ انسان کسی شخص کو جب مخاطب کر کے اس کی مدح، یا اسکی نسبت، حسن ظن ظاہر کرتا ہی تو اس مین ظاہرداری اور خوشامد کے شائبہ کا احتمال ہوتا ہی، یہی نکتہ ہی کہ سورۂ الحمد مین خدا کی حمد صیغۂ غائب سے ادا کی ہی، مؤذن کی ڈانٹ بتانیسے، مناجات مانگنے والے کی نسبت دل مین رحم کا اثر پیدا ہوتا ہی کیونکہ اس سے اسکی نہایت مظلومی اور موذن کی بے رحمی ظاہر ہوتی ہی اب اسکا یہ جواب کہ مین آپ سے تو رحم کا خواستگار نہین، مجکو جس سے امید ہی، وہ اور ہی کریم النفس ذات ہے مناجات کے قبول کے لیے کس قدر مؤثر ہی، یہ قاعدہ ہی، کہ کوئی شخص، اگر کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی مہربانی اور رحم پر اپنا بھروسہ ظاہر کرے تو اس شخص کو خواہ مخواہ اس کی شرم اور اسکا پاس ہوگا، ان باتون کی مجموعی ترتیب نے مناجات اور طلب مغفرت کے مضمون کو نہایت مؤثر کر دیا ہی،

ہم نے اطناب کے ڈر سے صرف چند مثالون پر قناعت کی، عموماً جن مضامین کو

شیخ نے ادا کیا ہی، اُن کا مقابلہ، اور شعرا اور مُصنّفین سے کرو تو صاف نظر آئیگا کہ شیخ کو اس خصوصیت مین کیا ترجیح حاصل ہی،

مناظر قدرت اس قسم کے مضامین مین بہار کا مضمون سب سے زیادہ پامال ہی اور ابتک پامال ہوتا آتا ہی لیکن شیخ کے قصیدہ کا ابتک جواب نہو سکا،

بامدادان که تفاوت نکند لیل و نهار (یعنی دن اور رات برابر ہو گئے)	خوش بود دامن صحرا و تماشای بهار
آدمی زاده اگر در طرب آید چه عجب	سرو در باغ به رقص آمده و بید و چنار
باش تا غنچهٔ سیراب دهن باز کند	بامدادان چو سر نافهٔ آهوی تتار
باد گیسوی عروسان چمن شانه کند	بوی نسرین و قرنفل ببرد در اقطار
ژاله (شبنم) بر لاله فرود آمده هنگام سحر	راست چون عارض گلبوی عرق کرده یار
ارغوان ریخته بر درگه خضرای چمن	هم چنان است که بر تختهٔ دیبا دینار
این هنوز اول آذار جهان افروزی است	باش تا خیمه زند دولت نیسان و ایار (بہار کے مہینے ہین)
شاخها دختر دوشیزهٔ باغ اند هنوز	باش تا حامله گردند به الوان ثمار (رنگ برنگ کے پھل)
تا نه تاریک شود سایهٔ انبوه درخت	زیر هر برگ چراغی بنهند از گل نار
سیب را هر طرفی داده طبیعت رنگی	هم بدان گونه که گلگونه کند روی نگار
گو نظر باز کن و خلقت نارنج ببین	ایکه باور نکنی فی الشجر الاخضر نار
آب در پای ترنج و به و بادام روان	همچو در زیر درختان بهشتی انهار

غزل یہ عموماً مسلم ہی کہ شیخ غزل کے ابوالآبار ہین، قدما، تو سرے سی غزل کہتے نہ تھے قصائد کے ابتدا مین عرب کے طرز پر جو تشبیب کہتے تھے یہی اُس زمانہ کی غزل تھی متاخرین قُدما، مثلاً انوری، ظہیر، وغیرہ نے قصیدہ سی الگ کرکے غزلین لکھین لیکن اُنمین کسی قسم کا اثر، اور کسی قسم کی خیال بندی اور نکتہ آفرینی نہ تھی البتہ چونکہ زمانہ کی امتداد سی قدرتی طور پر زبان خود روز بروز سادہ اور صاف ہوتی جاتی تھی اسلیے غزل کی صفائی اور سادگی بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، کمال اسمٰعیل کے غزل کا نمونہ اوپر گذر چکا، اس زمانہ کے اور شعراء کی سادگی کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہوگا،

غزل (از محمد بن نصیر)

گل کہ شایان بادہ بود، رسید | آمدن وعدہ دادہ بود، رسید
جنگ لالہ گذشت و لشکر گل | گرچہ بستر فتادہ بود، رسید
سرو آزاد، بہر سوسن راست | منتظر ایستادہ بود، رسید
لالہ رفت، ارچہ پاے در گل بود | گل اگرچہ پیادہ بود، رسید

دیگر (از صفی)

چہ دردست این کہ عشقش نام کردند | دزو آشوب، خاص و عام کردند
ہرانچہ اندر زمانہ درد دل بود | یکے کردند و عشقش، نام کردند
خراباتے است اندر عشق کان جا | زخون دل، می اندر جام کردند
بیک[۱] ساغر دران بت خانہ مارا | چنین سرمست و بے آرام کردند

[۱] یہ سب غزلین لب الالباب عوفی یزدی مین موجود ہین،

دیگر

فتنہ ہا بر دلم انبار مکن، گو نہ کنم ‌ ‌ بار ہا کردۂ اینکار، مکن، گو نہ کنم

شیخ کو سادگی اور صفائی کے متعلق کچھ کوشش نہین کرنی پڑی، جو زبان انکے زمانہ مین موجود تھی پہلے ہی منجھ چکی تھی، شیخ نے جو باتین غزل مین پیدا کین، حسب ذیل ہین،

(۱) شیخ کے زمانہ سے پہلے جو شعرا گزرے وہ عشق کے زخم خوردہ نہ تھے، ان مین سے بعضون نے تو سرے سے عشق کو ہات بھی نہین لگایا تھا، بعضون نے حسن سخن کے لیے اُس سے کام لیا، لیکن وہ نرے الفاظ ہی الفاظ تھے، اندر کچھ نہ تھا، شیخ کے زمانہ مین قوم کے شجاعانہ جذبات فنا ہو چکے تھے، اسلیے زندگی کا جو کچھ سہارا رہگیا تھا یہی عشق و عاشقی تھی، حُسن اتفاق سے شیخ مین یہ جذبہ فطری تھا اور چونکہ وہ تمام عمر ہر قسم کے دنیوی تعلقات سے آزاد رہا اسلیے اس جذبہ کی گرمی اور تیزی اسی طرح مشتعل رہی، اسی آگ کے شعلے ہین جو اسکی زبان سے نکلتے ہین، اُسنے معشوقون کے جور و ستم اور بے مہری اور بیوفائی کے جان گداز صدمے اُٹھائے ہین، اسلیے اسکا سینہ، درد اور سوز و گداز کا آتشکدہ ہے، اشعار ذیل سے اسکا اندازہ کرو،

خبر ما برسانید بہ مرغانِ چمن ‌ ‌ کہ ہم آواز شما در قفسے افتادہ است

گر دلے داری بہ دلدارے سپار ‌ ‌ ضائع آن کشور کہ سلطانیش نیست

ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق ‌ ‌ گفت معزول است و فرمائیش نیست

گفتم کہ عشق را بہ صبوری دوا کنم ‌ ‌ ہر روز عشق بیشتر و صبر کمتر است

به خشم رفتهٔ ما را که می برد پیغام؛ | بیا که ما سپر انداختیم اگر جنگ است

همه از دست غیر ناله کنند | سعدی از دست خویشتن فریاد

درسوخته پنهان نتوان داشتن آتش | ما هیچ نگفتیم و حکایت بدر افتاد

گفتمش سیر ببینم مگر از دل برود | آن چنان جای گرفتست که مشکل برود

دلے از سنگ بباید بسر راه وداع | که تحمل کند آن لحظه که محمل ببرد

ندانمت ز کجا آن سپر بدست آری | که تیر آه مرا ز آسمان بگردانی

حدیث عشق چه داند کسے که در همه عمر | بسر نکوفته باشد در سرائے را

سعدیا! این همه فریاد تو بے چیزے نیست | آتشے هست که دود از سر آن مے آید

سعدیا! نوبتے امشب دہل صبح نکوفت | یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

دو دوست قدر شناسند رو ز صحبت را | که مدتے ببریدند و باز پیوستند

اگه گفتی مرو اندر پے خونخوارهٔ خویش | با کسے گوی که در دست عنانے دارد

۲۔ شیخ سے پہلے، عشق کے واردات اور معاملات نہیں بیان کرتے تھے شیخ پہلا شخص ہی، جنے اس کی ابتدا کی، خسرو، شرف جہان قزوینی نے اسکو ترقی دی اور وحشی یزدی پر اس طرز کا خاتمہ ہو گیا،

بوسهٔ از لب جان بخش بده یا بستان | کاین متاعی است که بخشند و بہا[1] نیز کنند

امشب مگر بوقت نمی خواند این خروس | عشاق بس نکرده هنوز از کنار و بوس | شب وصل

تا نشنوی ز مسجد آدینه بانگ صبح | یا از در سرای اتابک غریو کوس

[1] بہا کردن، قیمت لینا،

لب از لب چو چشم خروس ابلہی بود　　برداشتن بہ گفتن بیہودہ خروس

مرا راحت از زندگی دوش بود　　کہ آن ماہ رویم در آغوش بود

ندانستم از غایت لطف و حسن　　کہ سیم و سمن یا بر و دوش بود

بہ دیدار و گفتار جان پرورش　　سراپاے من دیدہ و گوش بود

مؤذن غلط گفت بانگ نماز　　مگر ہمچو من مست و مدہوش بود

اذان ۱۲

سرمست بتے لطیف و سادہ　　در دست گرفتہ جام بادہ

در مجلس بزم بادہ نوشان　　بستہ کمر و قبا کشادہ

لعلش چو عقیق گوہر آگین　　زلفش چو کمند، تاب دادہ

بنشستہ زمین بہ حضرت وے　　گردونش بہ خدمت ایستادہ

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست　　تا ندانند حریفان کہ تو منظور منی

۳۔ شیخ کی غزلون کے حسن قبول کی بڑی وجہ یہ ہو کہ وہ جو خیالات ادا کرتا ہی عموماً وہ ہوتے ہین جو عموماً عشاق اور ہوس پیشہ لوگون کے دلون مین پیدا ہوتے ہین، اس بنا پر جب اس مذاق کے لوگ ان اشعار کو سنتے ہین تو انکو نظر آتا ہو کہ کوئی شخص اُن ہی کے خیالات کی سفارت کر رہا ہے، اور ایسے دلنشین اور مؤثر طریقہ سے کر رہا ہو کہ وہ خود نہین کر سکتے تھے، مثلاً عشق پر ملامت کرنے کے وقت عاشق کے دل مین عموماً یہ خیال پیدا ہوتا ہی کہ یہ کوئی نئی بدعت نہین سبھی اس مرض مین مبتلا ہین، اور اچھی صورت کیطرف دل لگا نہ کھچنا ہو بھی تو نہین ہو سکتا، شیخ اسی خیال کو نہایت برجستگی اور صفائی سے ادا کرتا ہی،

عشق بازی نہ من آخر بہ جہان آوردم | یا گناہی است کہ اول من مسکین کردم
گر کند میل بہ خوبان، دل من خردہ مگیر | کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند
رفیق و مہربان و یار ہمدم | ہمہ کس دوست می دارند و من ہم
نظر بر نیکوان رسمے است معہود | نہ این بدعت من آوردم بہ عالم
تو گر دعوی کنی پرہیز گاری | مصدّق دانمت واللہ اعلم
وگر گوئی کہ میل خاطرم نیست | من این دعوی نمیدارم مسلم
حدیث عشق، اگر گوئی گناہ است | گناہ اوّل ز حوّا بود و آدم
دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم | باید اوّل بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

اس شعر کی بلاغت پر لحاظ کرو، کہنا یہ تھا کہ لوگ مجکو عاشقی سے منع کرتے ہین لیکن یہ نہین دیکھتے کہ معشوق کا حسن ہی ایسا دلفریب ہی کہ دل قابو مین نہین رہ سکتا،

اس بات کو کہ معشوق کا حسن نظر فریب ہی، یون ادا کیا کہ یہ معشوق سی پوچھنا چاہیے کہ وہ اس قدر حسین کیون ہی؟ اس طرز ادا مین پھر یہ جدّت کہ خود معشوق کو مخاطب بنایا اور یہ کہا کہ یہ تو تجھ سے پوچھنا چاہیے کہ تو اسقدر حسین کیون ہی؟ معشوق کے حسن کی تعریف، خود اسکے مُنھ پر، اسکا پہلو اس سے بڑھ کر کیا لطیف اور دلاویز ہو سکتا ہے،

شیخ پہلا شخص ہی جسنے غزل مین، زاہدون اور واعظون کا پردہ فاش کیا ہی اور ریاکاری کی دقیق اور باریک کارسازیون کی قلعی کھولی ہی خیام نے رباعیون مین اس مضمون کو ادا کیا تھا لیکن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظون مین شیخ کی طرح چھپی اور چبھتی ہوئی چوٹین

نہ تھین جن سے ریا کارون کے دل برما جائین،

محتسب در قفائے رندان است　　غافل از صوفیان شاہد باز

یعنی محتسب رندون کا تعاقب کرتا پھرتا ہی، لیکن شاہد باز صوفیون کی اس کو خبر تک نہین کہ یہ چھُپ چھُپ کر کیا کرتے ہین،

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار　　کہ پیش شحنہ، بگوید کہ صوفیان مستند

گر کند میل بخوبان دل من خردہ مگیر　　کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس مضمون کو خواجہ حافظ نے اسقدر پھیلایا کہ خاص انکا ہو گیا، لیکن اصل بنیاد شیخ نے قائم کی،

اے محتسب از جوان چہ پُرسی　　من توبہ نمے کنم کہ پیرم

اس شعر مین، اورونکے بجاے خود اپنے آپکو ملزم قرار دیا ہے اور یہ بلاغت کا خاص پہلو ہے

ہیچ کس بے دامن تر نیست اما دیگران　　بازی پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

۵۔ مدح، ذم، رزم، مرثیہ، غرض جسقدر انواع مضامین ہین، اگرچہ ان پر ہزارون بلکہ لاکھون اشعار ل سکتے ہین لیکن اساس مضامین چند ہی ہوتے ہین، اُن ہی کو سو سو طرح الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہین، اسلیے اصلی شاعری کا حقدار وہی ہی جسنے یہ بنیادین قائم کی ہون، شیخ کے بعد، اگرچہ غزل کو بہت ترقی ہوئی اور خواجہ حافظ نے اس عمارت کو اس قدر بلند کر دیا کہ طائر خیال بھی وہانتک نہین پہونچ سکتا لیکن غور سے دیکھو تو اکثر مضامین اور طرز خیال کی داغ بیل شیخ نے ڈالی تھی مثلاً،

سعدی	حافظ
اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم	بنال بلبل اگر با منت سر یاری است
تو عشق گلے داری من عشق گل اندامے	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است
〃	〃
فریاد دوستان ہمہ از دست دشمن است	من از بیگانگان ہرگز ننالم
فریاد سعدی از دل نامہربان دوست	کہ با من ہر چہ کرد آن آشنا کرد
〃	〃
گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر	من ار چہ عاشقم و رند و می کش و قلاش
کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند	ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

خواجہ حافظ نے نہایت لطیف طریقہ سے اس مضمون کو ادا کیا ہے لیکن اصل خیال کی بنیاد وہی شیخ کا شعر ہے،

سعدی	حافظ
اے قافلہ سالار چنین تند چہ رانی	تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
آہستہ کہ در کوہ دگر باز پسانند	پیادہ میروم و ہمرہان سوارانند
ع سجدہ کایزد را بود گو سجدہ در میخانہ باش	ع ہمہ جا جلوۂ یار است چہ مسجد چہ کنشت
اے گنج نوشدارو بر خستگان گذر کن	چہ عذر از بخت خود جویم کہ آن عیار شہر آشوب
مرہم بدست و مارا مجروح می گذاری	بتلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد
سعدی	حافظ

شبے وجمعے وگویندہ وزیبائے
دویار زیرک واز بادہ کہن ودمنے

ندارم از ہمہ عالم جزین تمنائے
فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے

"

من این مقام بدنیا وآخرت ندہم
اگرچہ درپیم افتند خلق انجمنے

"

اے برادر ما بہ گرداب اندریم
وان کہ شنعت می زند بر ساحل است
طعنہ ۱۲

"

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنین ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل

"

ولے از سنگ بباید بسر راہ وداع
کہ تحمل کند آن لحظہ کہ محمل برود

قمی

قمی آن صبر وتحمل کہ با وی نازی
می نمایم بتو چون یک دو سہ منزل برود

"

گر تو خواہی کہ بجوئی دلم، امروز بجوے
ورنہ بسیار بجوئی ونیابی بازم

یہ شعر گویا واسوخت کی بنیاد ہے،

اس شیخ سے پہلے غزل میں جو مضامین ادا کیے جاتے تھے صاف صاف سرسری طور پر ادا کردیتے تھے، شیخ نے طرز ادا میں بہت سی جدتیں کین اور بیان کے نئے نئے اسلوب پیدا کیے، وہ ایک معمولی سی بات کو لیتے ہین اور طرز ادا سے اس مین اعجوبگی پیدا کردیتے ہین، مثلاً اُن کو کہنا یہ تھا کہ گناہ سب کرتے ہین، فرق یہ ہے کہ اور لوگ پردہ مین کرتے ہین، اور ہم ریاکاری سے چھپاتے نہین، اس مضمون کو شیخ اس طرح

یا کرتا ہے،

ہیچ کس بے دامن تر نیست اما دیگران　　　　باز می پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

دامن تر گناہ کو کہتے ہین، بر آفتاب افگندن، دھوپ مین ڈالنا، اور کسی کام کے علانیہ کرنے کو
بھی کہتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہی کہ گناہ کون نہین کرتا، فرق یہ ہی کہ اور لوگ چھپاتے ہین اور
ہم علانیہ کرتے ہین، دامن تر، اور بر آفتاب افگندن کے محاورہ اور اس طرز ادا نے
اس قدر خوبی پیدا کر دی ہی، دھوپ مین ڈالدینے سے چیز خشک ہو جاتی ہی اسلیے یہ بھی
کنایہ ہی کہ ریاکاری سے بچنا کسی نہ کسی دن ہم کو گناہ سے مجتنب بھی کر دیگا، یا یہ کہ خدا
ایسا گناہ معاف بھی کر دیگا، لیکن ریاکاری کا گناہ نہ چھوٹ سکتا ہی نہ معافی کے قابل ہی

کشتہ ببینند و قاتل نشناسند کہ کیست　　　　کین خدنگ از نظر خلق نہان می آید

خواستم تا نظرے افگنم و باز آیم　　　　گفت از ین کوچہ ما راہ بدر می نرود

جمال در نظر و شوق ہمچنان باقی　　　　گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند، گدا است

بعض جگہ معمولی واقعات اور حالات کو اس پیرایہ مین دکھاتے ہین کہ نہایت عجیب ہو جاتا ہے
مثلاً معشوق کی بیوفائی کو جو ایک عام بات ہی، اس طریقہ سی بیان کرتے ہین،

فریاد دوستان ہمہ از دست دشمن است　　　　فریاد سعدی از دل نامہربان دوست

یعنی اور لوگ تو دشمن کے ہات سے نالان ہوتے ہین سعدی کی بدقسمتی دیکھو کہ اسکو دوست
اور معشوق کے ہات سے فریاد کرنی پڑتی ہے، یا مثلاً یہ شعر،

ہر کس از دست غیر نالہ کند　　　　سعدی از دست خویشتن فریاد

ہر شخص اپنے کیے کو بھگتتا ہی اور یہ ایک معمولی بات ہی شیخ نے اسی بات کو طرز ادا سے ایک اعجوبہ بنا دیا، یعنی اور لوگ تو غیرون سے فریاد کرتے ہین سعدی خود اپنی آپ سے فریاد کرتا ہے، یا مثلاً یہ شعر،

مبارزان جہان، قلب دشمنان شکنند　　　تراچہ شد کہ ہمہ قلب دوستان شکنی

بعض جگہ ایک دعویٰ کرتے ہین، جو نہایت مستبعد ہوتا ہی پھر اسکو شاعرانہ توجیہ سے معمولی واقعہ ثابت کردیتے ہین، مثلاً

یادت نمی کنم ہمہ عمر زان کہ یاد　　　آن کس کند کہ دلبرش از یاد می رود

پہلے مصرع مین دعویٰ کیا کہ مین کبھی معشوق کو یاد نہین کرتا، یہ امر عاشقی کے منصب سے نہایت مستبعد تھا، اسکو اسطرح ثابت کیا کہ یاد وہ کرے جو کبھی بھولتا بھی ہو، مین کبھی بھولتا ہی نہین تو یاد کیا کرون، بعض جگہ ایک ممکن اور معمولی واقعہ کو شاعرانہ تخیل سی، ناممکن یا مستبعد بنا دیتے ہین، مثلاً

خلق را بیدار باید بود ز آب چشم من　　　وین عجب کان دم کہ میگریم کسی بیدار نیست

من از دست تو در عالم نہم روی　　　ولیکن چون تو در عالم نباشد

بلطف دلبر من در جہان نہ بینی کس　　　کہ دوستی کند، و دشمنی بیفزاید

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم　　　چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

اسی طرح، جدت ادا کے سیکڑون اسلوب پیدا کیے، جن کی الگ الگ تشریح نہین ہو سکتی، اشعار ذیل سے ایک عام اندازہ ہوگا،

دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست | با غمزہ بگو تا دل مردم نہ رباید
ن مپرس کہ از دست او دلم چون است | از دو بپرس کہ انگشتہاش پر خون است
پند از گناہ خلق بہ شعبان | در رمضان نیز چشم ہای تو مست است

یر خسرو کی ایک غزل ہی،

ای مسلمانان کسی وزہ بدینسان دارد

نیال ہین سے لیا ہے،

من آن نیم کہ حلال از حرام نشناسم | شراب با تو حلال ست و آب بے تو حرام
بہ چشم رفتہ ما را کہ ای بر دپیغام | بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ است
دی زمانی بر سعدی بہ تکلف بنشست | فتنہ بنشست و چو برخاست قیامت برخاست
ما نامہ بہ او سپردہ بودیم | او نافہ مشک اذفر آورد
ای تماشاگاہ عالم روی تو | تو کجا بہر تماشا میروی
اے مسلمانان بہ فریاد م رسید | کان فلانے بیوفائی می کند
یار من او باش و قلاش است و رند | لیک بر من پارسائی می کند
قاضی شہر عاشقان باید | کہ بیک شاہد اختصار کند

شاہد معشوق کو کہتے ہین، اور گواہ کو بھی، مقدمات کے ثبوت مین عموماً دو گواہ ضرور ہین، شاعر کہتا ہی کہ گو عام قاعدہ یہی ہے کہ مقدمہ کے ثبوت مین دو گواہ کی ضرورت ہوتی ہی لیکن عاشقون کے ملک مین قاضی کو ایک ہی شاہد (معشوق) پر اکتفا کرنا چاہیے، شاہد کے

ذو معنیین ہونے نے جو لطف پیدا کیا ہی وہ مخفی نہین،

برخیز کہ چشم ہاے مستت، خفتہ است و ہزار فتنہ بیدار

اے محتسب از جوان چہ پُرسی من توبہ نے کنم کہ پیرم

حضرت امیر خسرو دہلوی[1]

ترکون کا ایک قبیلہ لاچین کے لقب سے مشہور ہی، امیر خسرو اسی قبیلے سے ہین،
ن کے والد کا نام سیف الدین محمود ہی، ترکستان مین ایک شہر کش ہی، وہان کے رہنے
لے اور اپنے قبیلے کے رئیس تھے، فرشتہ اور دولت شاہ نے لکھا ہی کہ بلخ کے امرا مین سے
، چنگیز خان کا فتنہ جب اٹھا تو سیف الدین ہجرت کر کے ہندوستان مین آے،
سلطان محمد تغلق کے دربار مین ایک بڑے عہدہ پر مامور ہوے محمد تغلق انکی نہایت
ر منزلت کرتا تھا، ایک مہم مین کفار سے لڑ کر شہید ہوے،

لیکن صاحب بہارستان سخن، تاریخی استدلال سے اس واقعہ کا نا ممکن ہونا ثابت
کے لکھتے ہین،

پس انچہ دولت شاہ در تذکرہ خود نوشتہ کہ پدر امیر خسرو در عہد سلطان

---

[1] امیر خسرو کا حال تمام تذکرون مین کسیقدر تفصیل سے پایا جاتا ہی، تاریخ فرشتہ مین بھی دلچسپ واقعات ہین، لیکن خود امیر موصوف
غرۃ الکمال کے دیباچہ مین جو مختصر حالات لکھے ہین وہ سب سے زیادہ قابل اعتبار ہین اور جہانتک اس مین
ورین مین نے اسی کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے، امیر کی دیگر تصنیفات سے بھی انکے واقعات معلوم ہوتے ہین
انچہ موقع بموقع انکے حوالے دیے جائینگے، ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم لندن کی قلمی کتابونکی جو فہرست مرتب کی ہی
س مین امیر خسرو کی تصنیفات سے انکے حالات مرتب کیے ہین، کہین کہین اس سے بھی مدد لی گئی ہے،

محمد تغلق شہید شدہ و امیر خسرو را در حق وے قصائد غرا است خلاف صریح و محض غلط است غالباً شاہزادہ سلطان محمد شہید را کہ حاکم ملتان بود بہ علت اشتراک اسمی سلطان محمد تغلق خیال کردہ،،

بہرحال سیف الدین کے تین بیٹے تھے اعز الدین علی شاہ، حسام الدین اور امیر خسرو، سیف الدین کے انتقال کے وقت امیر خسرو کی عمر ۷ برس کی تھی، امیر خسرو کی والدہ عماد الملک کی بیٹی تھین جو مشہور امرائے شاہی مین تھے، اور دس ہزار فوج کے افسر تھے، امیر خسرو ۶۵۱ھ مین بمقام پٹیالی[1] پیدا ہوے، قدیم خوش اعتقادی نے یہ روایت پیدا کی کہ جب وہ پیدا ہوے تو امیر سیف الدین ایک خرقہ مین لپیٹ کر ایک مجذوب کے پاس لے گئے، مجذوب نے دور ہی سے دیکھکر کہا کہ وہ شخص آتا ہی جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائیگا، مجذوب صاحب کے کمالات معنوی کا ہم انکار نہین کرتے لیکن ان کے شاعرانہ مذاق کا تسلیم کرنا مشکل ہی خاقانی کو امیر خسرو سے کیا نسبت،

جب انھون نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے ان کو مکتب مین بٹھایا اور خوشنویسی کی مشق کے لیے مولنا سعد الدین خطاط کو مقرر کیا لیکن امیر کو پڑھنے لکھنے کے بجاے شعر گوئی

---

[1] والہ داغستانی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ امیر خسرو، باپ کے ساتھ غزنین کے اطراف سے ہندوستان مین آئے پھر لکھتے ہین کہ بعض یہ بھی کہتے ہین کہ امیر خسرو کی مان حاملہ آئی تھین، خسرو، دلی مین پیدا ہوے لیکن پہلی روایت بظاہر صحیح ہی تمام واقعات تاریخی سے ثابت ہے کہ خسرو ہندوستان زا ہین لیکن والہ داغستانی کو کیونکر گوارا ہو سکتا ہی کہ ہندوستان کی خاک سے ایسا شخص پیدا ہو[2] پٹیالی ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ مین چھوٹا سا قصبہ ہی پہلے یہی مقام ضلع کا صدر تھا، اب ایٹہ ہی، کسی زمانہ مین دریاے گنگ اسکے نیچے بہتا تھا لیکن اب میلون کا فاصلہ ہی، یہان اب اسٹیشن بھی ہی،

لی دہن رہتی تہی، جو کچھ موزون ناموزون کہ سکتے تھے کہتے تھے اور وصلیون پر اُسی کی مشق کیا کرتے تھے، خواجہ اصیل کوتوال کے نائب تھے وہ کبھی کبھی سعد الدین خطاط کو خطوط وغیرہ لکھوانے کے لیے بلا لیا کرتے تھے ایک دن بلایا تو امیر خسرو بھی ساتھ گئے خواجہ اصیل کے مکان پر خواجہ عزیز الدین بھی تشریف رکھتے تھے سعد الدین نے خواجہ صاحب سے کہا کہ یہ لڑکا ابھی سے کچھ غون غان کرتا ہی معلوم نہین کہ موزون بھی کہتا ہی یا نہین؟ آپ ذرا اسکی کلام کو سن لیجیے، خواجہ عزیز کے ہات مین اشعار کی بیاض تھی، امیر خسرو کو دی کہ کوئی شعر پڑھو، امیر نے نہایت خوش الحانی سے پڑھا، چونکہ آواز مین قدرتی تاثیر تھی لوگون پر اثر ہوا، سب کی آنکھین بھر آئین اور سب نے بے اختیار تحسین کی، انکے استاد نے کہا شعر گوئی مین امتحان لیجیے خواجہ عزیز الدین نے چار بے جوڑ چیزون کا نام لیا کہ ان کو ملا کر شعر کہو، مو، بیضہ، تیر، خربزہ امیر نے برجستہ کہا،

ہر موے کہ در دو زلف آن صنم است	صد بیضۂ عنبرین بر آن موی ضم است[1]
چون تیر بدان راستدلش راز یرا کہ	چون خربزہ دندانش درون شکم است

خواجہ عزیز الدین کو سخت حیرت ہوئی، پوچھا نام کیا ہی؟ انہون نے کہا خسرو، باپ کا نام پوچھا انہون نے اصل نام کے بجاے قبیلہ کا نام بتایا، یعنی لاجین، خواجہ صاحب نے ظرافت سے کہا، لاجین یعنی "چین نہین" پھر کہا "ترک خطا است" یعنے ان کو ترک کہنا خطا ہی، انہون نے اسی لفظ کو الٹ کر کہا "بے خطا ترک است" یعنی قطعًا وہ ترک ہی، خواجہ صاحب نے کہا چونکہ تم کو

[1] جس نسخہ سے یہ رباعی نقل کی ہی وہ غلط تہا مینے اسی طرح نقل کر دیا،

دربار سلطانی سے تعلق ہی اس لیے تم کو سلطانی تخلص رکھنا چاہیے چنانچہ تحفۃ الصغر کی اکثر غزلون مین یہی تخلص ہی،

امیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ عربی کی تحصیل تمام تہی لیکن تذکرہ نویسون نے اسکے متعلق کچھ تفصیل نہین لکھی، تاہم یہ قطعی ہی کہ ۱۵-۲۰ برس کی عمر مین یہ تمام درسی علوم و فنون سے فارغ ہو چکے تھے،

دربار ی تعلقات

امیر خسرو جب سن رشد کو پہونچے تو دلی کے تخت پر سلطان غیاث الدین بلبن صدر نشین تھا جو ۶۶۴ھ مین تخت حکومت پر بیٹھا تھا، اسکے امراے دربار مین سے کشلو خان معروف بہ چھجو[1] بہت بڑی رتبہ کا سردار تھا، وہ سلطان کا بھتیجا اور باربکی کے عہدے پر مامور تھا،

[1] یہ تمام حالات اپنے امیر خسرو نے خود تحفۃ الصغر مین لکھے ہین [2] چھجو خان کا نام تاریخون مین اسطرح مختلف لقب اور خطاب سے آتا ہے کہ دھوکا ہوتا ہے کہ ایک شخص ہی یا کئی ہین، امیر خسرو غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ مین نانا کی وفات کے بعد سب سے پہلے خان معظم کشلو خان عرف چھجو کے دربار مین پہونچا، اس سے اس قدر ثابت ہوا کہ کشلو اور چھجو ایک ہی شخص ہین، بدایونی (صفحہ ۱۵۰ جلد اول) مین ہے کہ چھجو آخر مین کڑہ مانک پور سے کے ساتھ سامانہ کا حاکم مقرر ہوا تھا، اور سلطان معز الدین کیقباد نے اسکی بیٹی سے شادی کی تھی،

فرشتہ مین لکھا ہی کہ علاء الدین محمد بن اعز الدین، سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا، سلطان نے اسکو باربک مقرر کر کے خان اعظم کو کشلی خان خطاب دیا، بدایونی (صفحہ ۱۶۴) مین ملک چھجو کو برادر زادہ سلطان غیاث الدین لکھ کر لکھا ہی کہ اس کو کشلو خان خطاب ملا تھا، ان تمام عبارتون کو ملاؤ تو ثابت ہو گا کہ علاء الدین کشلو خان، چھجو ایک ہی شخص ہین،

فرشتہ مین لکھا ہی کہ "مجلس آرائی اور جود و کرم کی وجہ سے حاتم کی طرح مشہور ہو گیا تھا اور مصر، شام، روم، بغداد، عراق، خراسان، ترکستان، وغیرہ سے اہل کمال اور شعرا اسکے دربار مین آتے تھے اور کامیاب ہو کر جاتے تھے، بار ہا ایسا اتفاق ہوا کہ جو کچھ نقد اسباب سامان تھا سب لُٹا دیا، یہانتک کہ خود اسکے بدن پر پیراہن کے سوا کچھ نہ رہا

امیر خسرو کو جیسا کہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھا ہی سب سے پہلے اسکے دربار مین رسائی حاصل ہوئی اور دو برس تک اسکے دربار مین ملازم رہے، چنانچہ اکثر قصیدے اس کی مدح مین لکھے ہین، ایک قصیدہ مین مدح کی تمہید لکھتے ہین،

بود نہان آفتاب آن دم کہ صبح ہمدمی با باد عنبر بو نمود
صبح را گفتم کہ خورشیدت کجا است آسمان روے ملک چھجو نمود

امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر مین لکھا ہی،

زشاہان کسے کا دلم کرد یاد معز الدنا بود شہ کیقباد

لیکن اس سے کشلو خان کی اولیت پر حرف نہین آتا، کشلو خان امرا مین سے تھا، بادشاہ نہ تھا بادشاہون مین سے البتہ سب سے پہلے جس نے امیر کی قدردانی کی وہ معز الدین کیقباد تھا،

امیر خسرو اکثر کشلو خان کے دربار مین قصیدے لکھکر لیجاتے اور مجلس گرم کرتے تھے،

ایکدن اتفاق سے بغرا خان (سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا) بھی موجود تھا اور شعر و شاعری کے چرچے ہو رہے تھے، شمس الدین دبیر، اور قاضی اثیر جو مشہور شعرا مین سے تھے وہ بھی حاضر تھے، امیر خسرو نے اپنی زمزمہ سنجی سے یہ سمان باندھا کہ بغرا خان نہایت متاثر

ہوا، اور صلہ کے طور پر لگن بھر کر روپے دیے کتلو خان کو یہ ناگوار ہوا کہ اسکا وابستۂ دولت دوسرے دربار کا احسان اٹھائے، چہرہ سے ملال کے آثار ظاہر ہوے امیر خسرو نے اسکے بعد بار بار مختلف موقعون پر اسکی تلافی کرنی چاہی لیکن کتلو خان کے دل سے وہ پھانس نہ نکلی،

بغرا خان سامانہ کا حاکم تھا، امیر خسرو نے ملک چھجو سے مایوس ہو کر سامانہ کا قصد کیا، بغرا خان نے نہایت قدر و عزت کی اور ندیم خاص بنایا، اسی زمانہ نے یعنی ۶۷۸ھ مین لکھنوتی (بنگال) مین طغرل نے بغاوت کی اور شاہی لشکر کو بار بار شکستین دین، بالآخر سلطان غیاث الدین بلبن نے خود اس مہم پر جانے کی تیاریان کین اور بغرا خان کو ساتھ لیا امیر خسرو بھی اس سفر مین ساتھ گئے، سلطان غیاث الدین اس بغاوت کو فرو کر کے دلی واپس آیا اور بنگالہ کی حکومت بغرا خان کو عنایت کی امیر خسرو کو اب زیادہ امن و اطمینان کا موقع حاصل تھا دربار کے شعرا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر بھی ان کے قیام پر مصر تھے، لیکن وہ دلی کو بنگال کے معاوضہ مین نہین دیسکتے تھے، چنانچہ رخصت لیکر دلی مین آئے، اتفاق سے اسی زمانے مین سلطان غیاث الدین کا بڑا بیٹا

۱؎ یہ تمام حالات خود امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھے ہین، ۲؎ تاریخ فرشتہ، ۹۳؎ امیر خسرو نے غرۃ الکمال کے دیباچہ مین ان واقعات کو خود لکھا ہے لیکن اسقدر پیچیدہ لکھا ہے کہ بڑی مشکل سے اور تاریخون کے باہم مقابلہ کرنے سے اصل حال کا پتہ چلتا ہے ایک اور دقت سخت تر یہ ہے کہ غرۃ الکمال کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ سخت غلط اور گویا بالکل مسخ ہے،

ملک محمد قاآن (مشہور بہ خان شہید) دلّی مین آیا تھا، وہ نہایت قابل، صاحب علم، فیاض اور قدر دان علم و فن تھا، تہذیب و متانت کا یہ حال تھا کہ جب دربار مین بیٹھتا تو گو کبھی کبھی دن کا دن گزر جاتا تھا، لیکن زانو نہین بدلتا تھا، اس کی مجلس مین ہمیشہ شاہنامہ، دیوان خاقانی انوری، خمسۂ نظامی کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ایک بیاض تیار کی تھی جس مین اپنے مذاق کے موافق بیس ہزار شعر انتخاب کرکے درج کیے تھے، تاریخ فرشتہ مین لکھا ہو کہ ان اشعار کے حسن انتخاب پر امیر خسرو اور حسن دہلوی بھی داد دیتے تھے،

یہ بیاض ایسی نادر چیز تھی کہ جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو سلطان غیاث الدین نے اپنے خاص دوات دار امیر علی کو دی، امیر علی کے بعد امیر خسرو کے ہات آئی ارباب ذوق اس کی نقلین لیتے تھے اور بیاضون مین درج کرتے تھے[1]،

امیر خسرو کی شاعری کا شہرہ ہو چکا تھا، سلطان محمد نے ان کو بلا کر شعرائے خاص مین داخل کیا، اور جب وہ ملتان کا حاکم مقرر ہو کر گیا تو انکو اور انکے ساتھ حسن دہلوی کو بھی ساتھ لیگیا، پانچ برس تک یہ اسکے دربار مین رہے، اس زمانہ مین ہلاکو خان کا پوتا ارغو خان ایران کا حکمران تھا، اسکے امرا مین سے تیمور خان بیس ہزار سوار لیکر لاہور اور دیبال پور کو فتح اور غارت کرتا ہوا ملتان کی طرف بڑھا، سلطان محمد قاآن نے ملتان سے نکلکر تیمور خان کو شکست دی، لیکن چونکہ ظہر کی نماز نہین پڑھی تھی ایک تالاب کے کنارے پانچسو آدمیون کے ساتھ نماز مین مشغول ہوا، یہ موقع پاکر تاتاریون نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا

---

[1] تاریخ فرشتہ

سلطان محمد نے اپنی نمازیون کے ساتھ نماز سے فارغ ہوکر تاتاریون کا مقابلہ کیا اور گو بار بار ان کو شکستین دین لیکن اتفاق سے ایک تیر آکر لگا اور زخم کھاکر مرگیا[۱]

امیر خسرو اور حسن دہلوی بہی اس معرکہ مین شریک تھے چنانچہ تاتاری انکو گرفتار کرکے بلخ لے گئے، یہ واقعہ ۶۸۳ھ مین پیش آیا[۲]، امیر خسرو نے نہایت پر اثر مرثیے لکھے اور دلی بھیجے، مہینون تک لوگ گھر گھر ان مرثیون کے اشعار پڑھتے تھے اور اپنے مقتول عزیزدن پر نوحہ کرتے تھے، چند اشعار ہم ذیل مین درج کرتے ہین،

واقعہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید — آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید

راہ در بنیاد عالم داد سیل فتنہ را — رخنۂ کامسال در ہندوستان آمد پدید

مجلس یاران پریشان شد چو برگ گل ز باد — برگ ریزی گوئی اندر بوستان آمد پدید

بسکہ آب چشم خلقے شد روان در چارسو — پنج آبے دیگرے اندر مولتان آمد پدید

جمع شد سیارہ در چشم مگر طوفان شود — چون بہ برج آبی انجم القران آمد پدید

من نخواہم جز ہمان جمعیت و این کے شود

خود محال ست این بنات النعش پروین کے شود

تا چہ ساعت بد کہ شاہ از مولتان لشکر کشید — تیغ کافر کش برائے کشتن کافر کشید

انچہ حاضر بود لشکر، لشکر دیگر نہ جست — زانکہ رستم را نشاید منت لشکر کشید

چون خبر کردندش از دشمن ان قوت کہ داشت — بے محابا خشم در سر کرد و رایت بر کشید

---

[۱] تاریخ فرشتہ، [۲] بدایونی صفحہ ۱۳۱،

یک کشش از مولتانش تا بہ لاہور اوفتاد | یعنی اندر عہد من کافر تواند سر کشید
آنچنان رنگین کنم امسال خاک از خون شان | کز زمین باید شفق را گونۂ احمر کشید
او درین تدبیر و آگہ نے کہ تدبیر فلک | صفحۂ تدبیر را خطِ مشیت در کشید

تا چہ ساعت بُد کہ کافر بر سر لشکر کشید
جوق جوق از آب بگزشتند و ناگہ در رسید

بہت بڑا مرثیہ ہی اور لڑائی کی تمام کیفیت لکھی ہی، اخیر کے بند جہان شہزادہ کی شہادت کا ذکر ہی نہایت پر اثر ہین،

دو برس کے بعد امیر نے کسی طرح تاتاریونکے ہات سی رہائی پائی، اور دلّی مین آئے خان شہید کے مرنے پر جو مرثیہ لکھا تہا، غیاث الدین بلبن کے دربار مین جاکر پڑھا دربار مین کہرام پڑ گیا، کسی کو کسیکا ہوش نہ تہا، سلطان اس قدر رویا کہ بخار آگیا اور بالآخر اسی صدمہ مین انتقال کر گیا،

امیر دلّی سی پٹیالی مین آئے اور گنگا کے کنارے قیام پذیر ہوے، ۶۸۶ھ مین سلطان غیاث الدین بلبن نے وفات پائی اور درباریون نے اسکے خلاف وصیت، اسکے پوتے کیقباد کو جو بغرا خان کا بیٹا تہا، تخت نشین کیا،

کیقباد نے امیر خسرو کو دربار مین طلب کیا لیکن چونکہ عنان سلطنت ملک نظام الدین کے ہات مین تہی، اور وہ امیر سے صاف نہ تہا امیر نے تعلق پسند نہ کیا اور خان جہان جو امرائے شاہی مین تہا اُس کی ملازمت اختیار کی،

خان جہان اودھ کا صوبہ دار مقرر ہوا اور امیر کو ساتھ لیگیا، چنانچہ خود قران السعدین مین فرماتے ہین،

خان جہان حاتم مفلس نواز
گشت باقطاع اودہ سرفراز

من کہ بُدم چاکر او بیش ازان
کرد کرم انچہ کہ بد بیش ازان

تا ز چنان بخشش خاطر فریب
بندہ شدہ لازمۂ آن رکیب

در اودم بر وز لطف چنان
کیست کہ از لطف بتابد عنان

در اودہ از بخشش او تا دو سال
ہیچ غم و نالہ نبود از منال

دو برس تک اودھ مین رہے، ان کی والدہ کو ان سے حد سے زیادہ محبت تھی، وہ دلی مین تھین، اور انکے خطوط آتے رہتے تھے کہ مین تم سے دور رہکر زندہ نہین رہ سکتی امیر کو بہی مان سے بے انتہا محبت تہی، چنانچہ سب تعلقات چھوڑ کر دلی مین آئے، مان نے گلے سے لگالیا اور آنکھون سے محبت کے دریا بہائے،

مادرم آن خستہ تیمار من
چون نظر افگند بہ دیدار من

پردہ ز روے شفقت بر گرفت
اشک فشانان بہ برم در گرفت

کیقباد جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو عیاشی اور رندی شروع کی، اسکا باپ بغرا خان بنگال مین تھا، یہ حالت سنکر بنگال سے روانہ ہوا، کیقباد نے ناخلفی سے باپ کا مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک عظیم الشان فوج تیار کرکے دلی سے روانہ ہوا، راہ مین نامہ و پیغام ہوتے رہے آخر صلح پر خاتمہ ہوا اور کیقباد دلی کو واپس آگیا،

امیر خسرو نے باپ بیٹے کے اتحاد اور مصالحت پر ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہین،

زہے ملک خوش چون دو سلطان یکے شد — زہی عہد خوش چون دو پیمان یکے شد
پسر بادشاہے، پدر نیز سلطان — کنون ملک بین چون دو سلطان یکی شد
ز مہر جہانداری و بادشاہی — جہان را دو شاہ جہانبان یکے شد
یکے ناصر عہد محمود سلطان — کہ فرمانش در چار ارکان یکے شد
دگر شہ معز جہان کیقبادے — کہ در ضبطش ایران و توران یکے شد

کیقباد چاہتا تہا کہ یہ واقعات، نظم کے پیرایہ مین آئین امیر خسرو کو بلا کر یہ خواہش ظاہر کی چنانچہ امیر نے چھ مہینے کی مدت مین قرآن السعدین لکھی، جس مین باپ بیٹے کے مراسلات اور ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہی، اسوقت امیر کی عمر ۳۶ برس کی تہی اور سنہ ہجری ۶۸۸ تھا چنانچہ خود فرماتے ہین،

ساختہ گشت از روش خامہ — از پس شش ماہ چنین نامہ
در رمضان شد بہ سعادت تمام — یافت قران نامہ سعدین نام
انچہ بہ تاریخ ز ہجرت گزشت — بود سن ششصد و ہشتاد و ہشت
سال من امروز اگر بر رسے — راست بگویم ہمہ شش بود و سی

کیقباد عیاشی مین بیمار رہ کر تین برس حکومت کے بعد ۶۸۹ھ مین مرگیا یا مارا گیا، اسکے بعد اسکا

لہ بدایونی،

خرد سال بیٹا شمس الدین کیکاؤس تخت نشین ہوا، وہ بالکل بچہ تھا، تین مہینے کے بعد امرائے دربار نے تخت سے اُتار کر قید کر دیا، اب اس خاندان مین کوئی شخص دعویدار سلطنت نہین رہا تھا اس لیے ترکی امرائے دربار مین سے ملک فیروز شائستہ خان خلجی جس کی عمر ۷۰ برس کی تھی اور جس نے دربار مین بڑا اثر حاصل کیا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا، اور سلطان جلال الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا، وہ بڑے عظمت اور اقتدار و جاہ و جلال کا بادشاہ تھا اسکے ساتھ نہایت صاحب مذاق، رنگین طبع، خوش صحبت تھا، شعر بھی کہتا تھا، چنانچہ بدایونی نے اسکے دو شعر بھی نقل کیے ہین،

آن زلف پریشانت ژولیدہ نمے خواہم ‏ ‏ وان روی چو گلنارت تفسیدہ نمے خواہم

بے پیر منت خواہم یک شب بکنار آئی ‏ ‏ ہان بانگ بلندست این پوشیدہ نمے خواہم

احباب اور شریک صحبت بھی جسقدر تھے، سب قابل، اہل فن، موزون طبع اور رنگین مزاج تھے، مثلاً ملک تاج الدین کرجی، ملک فخر الدین، ملک اعز الدین، ملک قرابیگ، ملک نصرت، ملک حبیب، ملک کمال الدین ابو المعالی، ملک نصیر الدین کہرانی، ملک سعد الدین، انیس اور ہم صحبت تھے،

اسی طرح اکثر بڑے بڑے اہل کمال ندیمی کے لیے انتخاب کیے تھے، چنانچہ تاج الدین عراقی خواجہ حسن دہلوی، موید جاجرمی، موید دیوانہ، امیر ارسلان، اختیار الدین باقی، ندمائے خاص مین تھے، ساقی، مغنی اور مطرب بھی وہ لوگ تھے جو زمانہ مین انتخاب تھے، مثلاً امیر خاصہ، حمید، راجہ، نظام، محمد شاہ، نصیر خان، بہروز

ـــــــــــــ

؎ فرشتہ،

ایسے گوناگون صاحب مذاق بادشاہ کے دربار کے لیے امیر خسرو سے زیادہ کون
زدون ہو سکتا تہا، وہ عالم بھی تھے، فاضل بھی، مغنی بہی، مطرب بہی، اور شاعر تو تھے ہی،

عز الدین کیقباد کے زمانہ مین جب سلطان جلال الدین عارض تہا، اسیوقت اسنے امیر خسرو
کو قدردانی کی نگاہ سے دیکھا تھا، چنانچہ معقول مشاہرہ مقرر کر کے خاص اپنا لباس عنایت
کیا تھا، تخت پر بیٹھا تو امیر کو ندیم خاص بنایا اور مصحف[۱] داری اور امارت کا عہدہ دیا، اسکے
ساتھ جامہ اور کمر بند جو امرا ر کبار کا مخصوص لباس تھا انکے لیے مقرر کیا، امیر خسرو جو "امیر" کے
خطاب سے پکارے جاتے ہین، اس کی وجہ یہی ہے،

امیر نے جلال الدین خلجی کے تمام فتوحات نظم کیے اور تاج الفتوح نام رکھا، اسکی
تفصیلی کیفیت آگے آئیگی، جلال الدین خلجی کو اسکے بھتیجے سلطان علاء الدین خلجی نے
۶۹۵ھ مین دہوکے سے قتل کرادیا، اور خود تخت نشین ہوا، سلطان علاء الدین نے اگرچہ غدا
اور بے رحمی سے تخت سلطنت حاصل کیا تھا اور اگرچہ سخت دلی اور سفاکی اسکی طینت کا جوہر
تھا، تاہم بہت بڑے عزم و استقلال اور شوکت و شان کا فرمان روا گزرا ہے، تعجب انگیز
فتوحات اور انتظامی کارنامو نکو چھوڑ کر علمی فیاضیان بھی کچھ کم حیرت خیز نہین اسکا دربار
شعرا، علما، فضلا شعرا سے ہر وقت معمور رہتا تھا، ان مین بعض کے نام حسب ذیل ہین[۲]،

قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی فخر الدین کرمانی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم،

---

[۱] جسکو قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوتی تھی، اسکو مصحف دار کہتے تھے،

[۲] یہ فہرست بدایونی سے ماخوذ ہے:

قاضی ضیا،الدین، مولنٰنا ظہیرالدین لنگ، مولنٰنا ظہیرالدین بھکری، قاضی زین الدین ناقلہ،
مولنٰنا شرکتی، مولنٰنا نصیرالدین رازی، مولنٰنا علاءالدین صدر شریف، مولنٰنا میران بابک کلہ،
مولنٰنا نجیب الدین بیانوی، مولنٰنا شمس الدین، مولنٰنا صدرالدین، مولنٰنا علاء، الدین لاہوری،
قاضی شمس الدین کازرونی، مولنٰنا شمس الدین نخشی، مولانا شمس الدین، مولنٰنا صدرالدین بادہ،
مولنٰنا معین الدین لوری، مولنٰنا افتخارالدین رازی، مولانا معیرالدین اندرپتی، مولنٰنا نجم الدین،
مولنٰنا حمیدالدین بلوری، مولنٰنا علاءالدین کرک، مولنٰنا حسام الدین ساوہ، محی الدین کاشانی،
مولنٰنا کمال الدین کوہی، مولنٰنا وجیہ الدین کابلی، مولنٰنا منہاج الدین، مولنٰنا نظام الدین کلاتی،
مولنٰنا نصیرالدین کری، مولنٰنا نصیرالدین بوبی، مولنٰنا علاءالدین تاجر، مولنٰنا کریم الدین جوہری،
مولنٰنا محب ملتانی، مولنٰنا حمیدالدین، مولنٰنا برہان الدین بھکری، مولانا افتخارالدین،
مولنٰنا حمیدالدین ملتانی، مولنٰنا گل محمد شیرازی، مولانا حسام الدین سرخہ، مولنٰنا شہاب الدین
ملتانی، مولنٰنا فخرالدین نسوی، مولنٰنا فخرالدین شقاقلی، مولنٰنا علیم الدین،

قراء مولنٰنا نشاطی، مولنٰنا علاءالدین سفری، خواجہ زکی،

واعظین، مولنٰنا حسام الدین درویش، مولنٰنا شہاب الدین، مولنٰنا کریم،

شعراء، خواجہ حسن دہلوی، صدرالدین عالی، فخرالدین قواس، حمیدالدین راجہ، مولانا
عارف عبدالحکیم، شہاب الدین، لیکن امیر خسرو کے آفتاب کمال نے ان تمام ستارون
کو بے نور کر دیا تھا،

چنانچہ اس وسیع مرقع مین صرف امیر موصوف کی تصویر نمایان نظر آتی ہی، اسکے بعد

اگر کسی کے خط و خال پہچانے جاتے ہین تو وہ خواجہ حسن ہین کہ وہ بھی امیر ہی کا فیض ہی،
علاءالدین نے امیر خسرو کا ایک ہزار سالانہ ٹنکہ مقرر کیا تھا[1]، امیر نے سلطان علاءالدین
کی تمام فتوحات کو نہایت تفصیل سے لکھا جسکا نام خزائن الفتوح ہی، تفصیل اس کی
آگے آئے گی،

۶۹۸ھ مین امیر کی والدہ اور ان کے بھائی حسام الدین نے انتقال کیا، چنانچہ
لیلی مجنون مین اس واقعہ کو نہایت پُردرد مرثیہ کی صورت مین لکھا ہے،
نظامی کی پنج گنج کا جواب اسی زمانہ مین لکھا، چنانچہ ہر کتاب سلطان علاءالدین کے
نام سے معنون ہی، سب سے آخری مثنوی ہشت بہشت ہی جو ۷۰۱ھ مین تمام ہوئی،

اسی زمانہ مین امیر نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ہات پر بیعت کی چنانچہ
تفصیل آگے آئیگی، سلطان علاءالدین نے ۲۱ برس کی حکومت کے بعد ۷۱۶ھ مین وفات کی؛
اسکے بعد اسکا بیٹا شہاب الدین (مدت حکومت ۳ ماہ) اور اسکے بعد ۷۱۶ھ مین قطب الدین
مبارک بن علاءالدین خلجی، بادشاہ ہوا، وہ اگرچہ نہایت عیاش بے مغز، اور سبک سر تھا،
لیکن امیر کی قدر دانی سب سے بڑھکر کی، چنانچہ امیر نے جب ۷۱۸ھ مین اسکے نام پر
مثنوی نہ سپہر لکھی تو ہاتی برابر تول کر روپیے دیے، چنانچہ خود امیر قطب الدین کی
زبان سے لکھتے ہین،

بتاریخ ہمچون من اسکندرے	کند ہر کہ آرائش دفترے

[1] تاریخ فرشتہ، غالبًا یہ طلائی سکہ ہوگا،

زگنج گران مایۂ بے شمار — دہم بار بخششں نہ آن پیلبار

مرا خود درین رہ پدر شہ دلیل — کہ میداد زر، ہم ترازوے پیل

شناسد کسے کش خرد رہنمون — کہ از پیلبار است وزنش فزون

چو میراث شد پیل زر دادنم — نہ زیبا است زین سہل تر دادنم

شہا! گنج بخشا! کرم گسترا! — معانی شناسا سخن داورا

چنین بخششے کز تو جم یافتم — در ایام پیشینہ کم یافتم

کنون لا بد از سحر سنج چو من — بہ اندازۂ بخشش آمد سخن

قطب الدین خلجی نے ایک ہندو نو مسلم غلام کو خسرو خان کا خطاب دیکر قلمدان وزارت عطا کیا تھا، اسنے سنہ ۷۲۱ھ مین قطب الدین کو قتل کر کے خود تخت حکومت پر جلوس کیا، چونکہ اُسنے دربار مین تمام ہندو بھر دیئے اور خاندان شاہی پر طرح طرح کے ظلم کیے، امرا نے بغاوت کی، چنانچہ ۴ مہینے کی حکومت کے بعد سنہ ۷۲۱ھ مین غازی ملک کے ہات سے قتل ہوا،

اب خلجی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اور امرای دربار مین سے غازی ملک نے جسکا باپ سلطان غیاث الدین بلبن کا تُرکی غلام اور مان ایک ہندنی تھی، دربار مین پکار کر کہا کہ مجکو تخت سلطنت کی آرزو نہین، خاندان شاہی سے کسی کو تخت نشین کیا جائے، لیکن چونکہ خلجی خاندان مین سے کوئی شخص باقی نہین رہا تھا اور ملک غازی کی خدمات کا تمام دربار معترف تھا، اس لیے سب نے بہ اتفاق اسی کو بادشاہ بنایا، وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے مشہور ہوا، اسنے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور نئی نئی فتوحات حاصل کین،

غلق آباد کا مشہور قلعہ اسی کی یادگار ہے امیر خسرو کی اسنے نہایت قدردانی کی اور ان کو
ولت اور مال سے نہال کر دیا، امیر نے بھی اسکے احسانات کا حق ادا کیا چنانچہ اسکے نام پر
غلق نامہ لکھا، جو تغلق کے عہد حکومت کی مفصل تاریخ ہے،

تغلق نے جب بنگال کا سفر کیا تو امیر خسرو ساتھ گئے، تغلق واپس آیا لیکن امیر خسرو
ہین رہ گئے، اسی اثنا مین خبر مشہور ہوئی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے انتقال کیا
میر یلغار کرتے ہوے دلّی مین آے، اور جو کچھ زر و مال پاس تھا خواجہ صاحب کے نام پر نثار
ر دیا، ماتمی سیاہ کپڑے پہن کر خواجہ صاحب کی قبر پر مجاور ہو بیٹھے، چھ مہینے کے بعد — وفات
یقعدہ ۷۲۵ھ مین انتقال کیا، خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میرے پہلو مین
فن کرنا، لوگون نے اس وصیت کی تعمیل کرنا چاہی، لیکن ایک خواجہ سرا نے جو وزارت
ا منصب رکھتا تھا کہا کہ لوگون کو دونون قبرون کی تمیز کرنے مین دھوکا ہوگا، غرض
واجہ صاحب کے پائنتی دفن کیا، اور اس سے بڑھ کر ان کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی تھی[1]،
ن کا مقبرہ مہدی خواجہ نے جو سلطان بابر کے امرا مین سے تھا تعمیر کرایا اور ملا شہاب
عمائی نے تاریخ لکھکر لوح پر کندہ کرائی،

شد "عدیم المثل" یک تاریخ او — وان دگر شد "طوطی شکر مقال"

خاندان و آل اولاد، — امیر کو خدا نے فرزندان معنوی کے علاوہ اولاد ظاہری بھی عنایت کی تھی[2]،
نکے ایک صاحبزادہ کا نام ملک احمد ہے، وہ شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے دربا

---

[1] خزانہ عامرہ، [2] فرشتہ حالات خسرو،

مین ندیم تھے، ان کی شاعری نے چندان فروغ حاصل نہین کیا لیکن شعر اور شاعری کے دقائق سے خوب واقف تھے، اشعار کے عیب و ہنر کو خوب پرکھتے تھے، اور نہایت نازک اور دقیق نکتے پیدا کرتے تھے چنانچہ اکثر اساتذہ کے اشعار پر جو حرف گیریان کین عموماً اہل فن اسکو تسلیم کرتے ہین، ظہیر کا شعر ہے،

کلاہ گوشۂ حکم تو از طریق نفاذ ربودہ از سر گردون کلاہ جباری

ملک موصوف نے ربودہ کو فگندہ سے بدل دیا جس سے مصرع کی ترکیب چست ہو گئی، بخیل کی ہجو مین مشہور شعر ہے،

این سہل سہل بود کہ گو گردِ سرخ خواست گر نان خواجہ خواستی آن را چہ کردمے

ملک صاحب نے یون اصلاح دی،

این سہل سہل بود کہ آبِ حیات خواست گر نان خواجہ خواستی آن را چہ کردمے

نان کے ساتھ آب حیات کے مقابلہ نے لطف پیدا کر دیا،

ایک اور شعر تھا،

گر مشک خواند خاک درت را فلک مرنج نرخ گہر بہ طعن خریدار نشکند

ملک موصوف نے پہلے مصرع کو یون بدل دیا،

گر لعل خواند سنگ درت مشتری مرنج،

لیکن انصاف یہ ہے کہ امیر خسرو کی یادگار سے ہم اس سے زیادہ توقع رکھتے تھے، بدایونی نے ان جملہ نکتون کو نقل کر کے سچ لکھا کہ ملک احمد چونکہ خسرو کی یادگار تھے اسلیے

بادشاہ اور درباری اسکو بھی امیر کا تبرک سمجھتے تھے اور غنیمت جانتے تھے،

امیر خسرو کی ایک صاحبزادی تھین لیکن سخت افسوس ہی کہ اس زمانہ مین عورتون کی ایسی بیقدری تھی کہ امیر کو اُنکے پیدا ہونے کا رنج تھا، جب وہ سات برس کی ہوئین تو امیر نے لیلی مجنون لکھی، اس مین صاحبزادی سے خطاب کرتے ہین،

اے زعفت فگندہ برقع نور — ہم عفیفہ بنام وہم مستور

کاش ماہ تو ہم بہ چہ بودے — دررحم طفل ہشت مہ بودے

لیک چون دادہ خدائی روست — باخداداد گان ستیزہ خطاست

من پذیرفتم انچہ یزدان داد — کانچہ او داد بازنتوان داد

پدرم ہم زمادر است آخر — مادرم نیز دختر است آخر

پہلے آرزو کی ہی کہ کاش تم نہ پیدا ہوتین، یا ہوتین تو بیٹی کے بجاے بیٹا ہوتین، پھر طرح طرح کی تاویلون سے دل کو تسلی دی ہی کہ خدا کے دیے کو کون ٹال سکتا ہی اور آخر میرا باپ بھی تو عورت سے پیدا ہوا، اور میری مان بھی تو آخر عورت ہی تھی،

صاحبزادی کو جو نصیحتین کی ہین ان سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانہ مین عورتون کی حالت نہایت پست تھی، امیر خسرو اس قدر صاحب دولت وثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہین کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر ادھر نہ جھانکنا،

دوک وسوزن گزاشتن نہ فن است — کالت پردہ پوشی بدن است

پا بہ دامان عافیت سر کن — رو بہ دیوار و پشت بر در کن
در تماشای روزنت ہوس است — روزنت چشم سوزن تو بس است

امیر کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی، بڑی عمر کو بھی پہنچکر وہ اس جوش محبت سے مان سے ملتے تھے جس طرح چھوٹے بچے مان سے لپٹ جاتے ہین، اودھ کی معقول ملازمت صرف اس بنا پر چھوڑ دی کہ مان دلی مین تھین اور ان کو یاد کیا کرتی تھین اودھ سے جب دلی مین آئے ہین تو مان سے ملنے کا حال اس جوش سے لکھا ہی کہ لفظ لفظ سے محبت کی شراب ٹپکتی ہی،

ایک موقع پر جب مان سے ملے ہین اور مان نے سینہ سے لگایا ہی تو ایک شعر بے اختیار زبان سے نکلا ہی جسکا مطلب یہ ہی کہ مان کا سینہ بہشت ہی، چنانچہ دو نہرین دودھ کی اُس مین جاری ہین، ۶۹۸ھ مین اُنہون نے انتقال کیا، اسی سال اُنکے چھوٹے بھائی حسام الدین نے بھی انتقال کیا، لیلی مجنون مین دونون کا مرثیہ ایک ساتھ لکھا ہی،

امسال دو نور ز اخترم رفت — ہم مادر و ہم برادرم رفت
یک ہفتہ ز بخت خفتۂ من — گم شد دو مہ دو ہفتۂ من
بخت از دو شکنجہ داد پیچم — چرخ از دو طانچہ کرد ہیچم
ماتم دو شد و غمم دو افتاد — فریاد کہ ماتمم دو افتاد
حیف است دو داغ چون منے را — یک شعلہ بس است خرمنے را

یک سینہ دو بار برنگیرد — یک سر دو خمار برنگیرد
چون مادر من بزیر خاک است — گر خاک بسر کنم چہ باک است
اے مادر من کجائی آخر — روی ازچہ نمی نمائی آخر
خندان زدل زمین برون آئی — برگریۂ زار من بہ بخشای
ہرجاکہ زپای تو غباری است — ما را ز بہشت یادگاری است
ذات توکہ حفظ جان من بود — پشت من و پشت بان من بود
روزے کہ لب تو در سخن بود — پند تو صلاح کار من بود
امروز منم بہ مہر پیوند — خاموشی تو ہمی دہد پند

اٹرتالیس برس کی عمر میں ماں کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح کمسن بچہ ماں کے لیے بلکتا ہے، اس سے آگے بھائی کے مرثیہ کے شعر ہیں اور وہ بھی خون جگر سے رنگین ہیں؛

امیر خسرو اگرچہ خاندان کے اثر سے شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے اور اسی قسم کی زندگی بسر کرتے تھے جو عام دنیا داروں کا طریقہ ہے لیکن یہ امر ان کی اصل فطرت کے خلاف تھا، درباداری، خوشامد اور شخص پرستی سے ان کو طبعی نفرت تھی اور ہر موقع پر یہ خیالات بے اختیار ان کی زبان نکل جاتے تھے، لیلی مجنون ۶۹۸ھ میں لکھی تھی جب ان کو سلطان علاء الدین خلجی جیسے جبار بادشاہ سے تعلق تھا، تاہم خاتمہ میں لکھتے ہیں؛

شب تا سحر و ز صبح تا شام — درگوشۂ غم نگیرم آرام
باشم زبرائے نفس خود رائے — پیش چو خودے، ستادہ بر پائے

اسپر مزید یہ ہوا کہ انکے والد نے انکو آٹھ برس کی عمر مین حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے قدمون پر ڈال دیا تھا اور برکت کے لیے بیعت کرا دی تھی، خواجہ صاحب کی روحانی تاثیر چپکے چپکے اپنا کام کرتی جاتی ہی، امیر خسرو کی طبیعت مین عشق و محبت کا مادہ بھی ازلی تھا وہ سرتاپا عشق تھے اور یہ بجلی ان کی رگ رگ مین کوندتی پھرتی تھی آخر یہ نوبت پہونچی کر ۶۷۱ھ مین جیسا کہ خود افضل الفوائد مین لکھا ہی خواجہ صاحب کے ہات پر دوبارہ بیعت کی خواجہ صاحب نے چار گوشہ کی ٹوپی جو اس سلسلہ کی نشانی تھی عنایت کی اور مریدان خاص مین داخل کیا، قدرت اللہ قدرت نے طبقات الشعرا مین لکھا ہی کہ امیر نے جب خواجہ صاحب سے بیعت کی تو جو کچھ نقد اور اسباب تھا، سب لٹا دیا اور پابدامن ہو کے بیٹھ گئے،

خواجہ صاحب سے امیر کی ارادت اور عقیدت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے، اور گویا انکا جمال دیکھکر جیتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی انکے ساتھ یہ تعلق تھا کہ فرمایا کرتے تھے "کہ جب قیامت مین سوال ہوگا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کر دونگا"، دعا مانگتے تھے تو خسرو کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے، الٰہی

بسوز سینۂ این ترک مرا بہ بخش،

ایک دفعہ خواجہ صاحب لب دریا ایک کوٹھے پر بیٹھ کر، ہندوونکی عبادت اور اشنان کا تماشا دیکھ رہے تھے، امیر خسرو بھی حاضر تھے خواجہ صاحب نے فرمایا دیکھتے ہو،

ع ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے

اسوقت خواجہ صاحب کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی تھی امیر نے اوس کی طرف اشارہ کرکے

برجستہ کہا، ع

ما قبلہ راست کردیم بر طرف کجکلاہے

جہانگیر نے تزک جہانگیری مین لکھا ہے کہ میری مجلس مین قوال یہ شعر گا رہے تھے، مینے اسکا شان نزول پوچھا، مُلّا علی احمد مُہرکن نے واقعہ بیان کیا، مصرع آخر کے ختم ہوتے ہوتے مُلّا کی حالت بدلنی شروع ہوئی یہان تک کہ غش کھا کر گرے، دیکھا تو دم نہ تھا[1]

خواجہ صاحب نے امیر خسرو کو تُرک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارتے تھے امیر نے جا بجا اسپر فخر کیا ہے، چنانچہ ایک قصیدہ مین جو خواجہ صاحب کی مدح مین ہی فرماتے ہین،

برزبانت چون خطاب بندہ ترک اللہ رفت   دست تُرک اللہ گیر دہم بہ اللہش سپار

خواجہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ خسرو کو میری قبر کے پہلو مین دفن کرنا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر مین دو لاشونکا دفن کرنا جائز ہوتا تو مین اپنی ہی قبر مین ان کو بھی دفن کراتا،

امیر نے تصوف مین جو مدارج حاصل کیے، اُن کو ہم نہ جان سکتے اور نہ بیان کرسکتے ہین، یہ البتہ نظر آتا ہے کہ امیر کا ہر شعر جو بجلیان گراتا ہے وہ اسی وادی ایمن کی شرربار یان ہین،

امیر کی صوفیانہ زندگی کا ایک بڑا واقعہ حسن دہلوی کے تعلقات ہین، حسن نہایت

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۱۰، مطبوعہ علی گڈھ،

صاحب جمال تھے اور نان بائی کا پیشہ کرتے تھے، امیر کا عین شباب تھا کہ ایک دن اتفاق سے ان کی دوکان کے سامنے سے گزرے، آفتاب حُسن کی شعاعین ان پر بھی پڑین وہین ٹھہر گئے اور پوچھا کہ کس حساب سے روٹی بیچتے ہو حسن نے کہا کہ ایک پلڑے مین روٹی رکھتا ہون اور خریدار سے کہتا ہون کہ دوسرے پلّہ مین سونا رکھے، سونے کا پلّہ جُھک جاتا ہے تو روٹی حوالہ کر دیتا ہون، امیر نے کہا اور خریدار مفلس ہو؟ حسن نے کہا تو سونے کے بدلے درد اور نیاز لیتا ہون، اس انداز گفتگو نے امیر کو اور بھی بے اختیار کر دیا، ف، نظام الدین اولیا کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا، حسن سے گو ناوک اندازی کی تھی، لیکن خود بھی شکار ہو گئے، اسی وقت دوکان بند کرکے خواجہ صاحب کی خدمت مین پہونچے، اور اپنے دلدادہ (امیر خسرو) سے ملے، اسی تعلق سے خواجہ صاحب کی خدمت مین اکثر آتے جاتے رہتے تھے[۱]۔

امیر سے اس قدر تعلقات بڑھے کہ دونون ایک دم کے لیے بھی جدا نہین ہوتے تھے امیر نے جب خان شہید کی ملازمت کی تو حسن بھی ساتھ ملازم ہوئے چنانچہ جب ملتان مین خان شہید کو تاتاریون نے ہلاک کیا تو خسرو کے ساتھ حسن بھی اس موقع پر موجود تھے دونون کے تعلقات کا چرچا زیادہ پھیلا تو لوگون نے خان شہید سے شکایت کی امیر نے

---

[۱] یہ واقعہ اکثر تاریخون اور تذکرون مین منقول ہی لیکن صاحب بہارستان سخن نے اسکی معقول بنا پر تکذیب کی ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی یہ عبارت نقل کی ہی "وبہ قیاس چنان درمی یابد حسن را بہ نسبت امیر خسرو گونہ تقدم باشد، چہ امیر حسن را در مدح سلطان غیاث الدین بلبن قصائد غرا است و در کلام امیر خسرو در مدح سلطان کمتر چیزے میتوان یافت"

اس واقعہ پر یہ غزل لکھی،

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید | خسروا فرمان دل بردن ہمین بار آورد

خان شہید نے بدنامی کے خیال سے حسن کو امیر کے ملنے سے منع کردیا، لیکن کچھ اثر نہوا،
خان شہید نے غصہ مین آکر حسن کے ہات پر کوڑے لگوائے، حسن سیدھے خسرو کے
پاس گئے، خان شہید کو اسی وقت پرچہ لگا، نہایت متحیر ہوا اور امیر کو بلوا بھیجا، آئے
تو کہا کیا حالت ہی؟ امیر نے آستین سے ہات نکال کر دکھایا اور کہا ع

گواہ عاشق صادق در آستین باشد،

دیکھا تو جہان حسن کے کوڑے لگے تھے وہین خسرو کے ہات پر بھی کوڑے کے
نشان تھے[1]

چونکہ حسن کا تذکرہ ہم الگ نہین لکھتے، اور صنف غزل پر ان کا خاص احسان ہی،
اسلیے ان کے شیدائی، امیر خسرو ہی کے تذکرہ مین ان کے اشعار نقل کرتے ہین،

خلق گوید دل از صبر بجا آور باز | ایدل از صبر نشانی دہ اگر جاے ہست
ایکہ نظارہ دیوانہ نکردی ہرگز | قدمے رنجہ کن این سوی کہ رسواے ہست

برچون تو کسے دگر گزیدن | کارے دگرست کار من نیست
گفتی کہ چرا جدائی از من | این از فلک ست از حسن نیست

---

[1] یہ تمام واقعات فرشتہ نے امیر خسرو کے تذکرہ مین لکھے ہین لیکن اخیر کا واقعہ آجکل کون تسلیم کریگا،

باز این ظلم بسوی دلارام می رود | از دام جسته باز بسوی دام می رود
ایام در نیامده با ما به دوستی | وان شوخ هم بسیرت ایام می رود

ای خواجه! در محله تقوی قیام گیر | در کوی عاشقی نتوان نیکنام شد
عقلم که زین بر ابلق ایام می نهاد | آخر بتازیانهٔ عشق تو رام شد

طرفه سر و کارے است که با وعدهٔ معشوق | صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد
از حسن این چه سوال ست که معشوق تو کیست | این سخن را چه جواب ست تو هم می دانی

دو سه بار، با تو گفتم که مرا بهیچ بستان | نه شد اتفاق، شاید که بدین بها گرانم

تلخ کردم جهانیان را خواب | زان دعاها که مستجاب نبود
ای حسن یار گر خطاے کرد | هم شکایت ازو، صواب نبود

به تقوی نام نیکو برده بودم | نکورویان مرا بدنام کردند

گفتی که چرا حال دل خویش نگوئی | من خود کنم آغاز بپایان که رساند

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو سوز و گداز، اور جذبہ و اثر، انکے کلام مین موجود ہے ان کے کشتۂ محبت (امیر خسرو) مین بھی نہین،

جامعیت در کمالات | ہندوستان مین چھ سو برس سے آجتک اس درجہ کا جامع کمالات نہین پیدا ہوا، اور سچ پوچھو تو اسقدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع، ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت مین دو ہی چار پیدا کیے ہونگے، صرف ایک شاعری کو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے، فردوسی، سعدی، انوری، حافظ،

عرفی، نظیری بے شبہہ اقلیم سخن کے جم و کے ہین، لیکن ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہین بڑھتے، فردوسی مثنوی سے آگے نہین بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو بات نہین لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہین سکتا، حافظ، عرفی، نظیری، غزل کے دائرہ سے باہر نہین نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری مین غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، سب کچھ داخل ہی اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہای سخن یعنی تضمین، مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہین، تعداد کے لحاظ سے دیکھو تو اس خصوصیت مین کسی کو انکی ہمسری کا دعوی نہین ہو سکتا، فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے صائب نے ایک لاکھ شعر سے زیادہ کہا ہے، لیکن امیر خسرو کا کلام کئی لاکھ سے کم نہین، اکثر تذکرون مین خود امیر خسرو کے حوالہ سے لکھا ہی کہ ان کا کلام تین لاکھ سے زیادہ اور چار لاکھ سے کم ہی، لیکن اس مین غالباً ایک غلط فہمی ہی، امیر نے ابیات کا لفظ لکھا ہی، اور قدما کے محاورہ مین بیت ایک سطر کو کہتے ہین چنانچہ نثر کی کتابون کے متعلق یہ تصریحین جا بجا نظر آتی ہین کہ اس مین اس قدر بیتین ہین

انواع شاعری

اشعار کی تعداد

ان سب پر مستزاد یہ کہ اوحدی نے تذکرہ عرفات مین لکھا ہی کہ امیر کا کلام جسقدر فارسی مین ہی اسیقدر برج بھاکا مین ہی کس قدر افسوس ہی کہ اس مجموعہ کا آج نام و نشان بھی نہین،

مختلف زبانون کی زباندانی کا یہ حال ہو کہ ترکی اور فارسی اصلی زبان ہی، عربی مین ادبای عرب کے ہمسر ہین،

سنسکرت کے ماہر ہین، چنانچہ مثنوی نُہ سپہر مین تواضع کے لہجہ مین اسکا ذکر کیا ہی سنسکرت دانی

ع من قدرے برسر این کار شدم،

شاعری کے بعد نثاری کا نمبر ہی، اسوقت تک کسی نے نثر لکھنے کے اصول اور قاعدے نہین مرتب کیے تھے، انھون نے ایک مستقل کتاب اعجاز خسروی تین جلدون مین لکھی اور اگرچہ افسوس ہو کہ زیادہ تر زور، صنائع و بدائع پر بیکار گیا، لیکن انکی طباعی اور ذہانت سے کون انکار کرسکتا ہی،

موسیقی مین یہ کمال پیدا کیا کہ نایک کا خطاب، انکے بعد آجتک پھر کوئی شخص حاصل نہ کرسکا، چنانچہ اسکی تفصیل مستقل عنوان مین آتی ہی، موسیقی

ان مختلف الحیثیات شغلون کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے، کہ گویا، عالم قدس کے سوا دنیا فانی کو نظر اٹھا کر نہین دیکھا، چنانچہ اسکا ذکر بھی الگ عنوان مین آئیگا، فقر و تصوف

ان سب باتون کے ساتھ جب اسپر نظر کیجاتی ہی کہ اُن کو، ان کامون مین مشغول ہونے کے لیے وقت کس قدر ملتا تھا، تو سخت حیرت ہوتی ہی، وہ ابتدا سے ملازمت پیشہ تھے اور دربارون مین تمام تمام دن حاضری دینی پڑتی تھی، کام جو سپرد تھا، وہ شاعری نہ تھی بلکہ اور اور اشغال تھے، لیلی مجنون کے خاتمہ مین لکھتے ہین، عدیم الفرصتی

مسکین من مستمند مدہوش | از سوختگی چو دیگ پُر جوش،
شب تا سحر و ز صبح تا شام | در گوشۂ غم نہ گیرم آرام
باشم ز برائے نفس خود رای | پیش چو خودی ستادہ برپای

یعنی نفس پروری کی وجہ سے اپنے ہی جیسے کے آگے، صبح سے شام تک مؤدب کھڑا رہتا ہون،

تاخون نہ رود ز پاے تا سر　　　دستم نہ شود ز آب کس تر

جب تک پاؤن کا پسینہ سر تک نہین پہنچتا، کھانا کھانے کو نہین ملتا،

ان حالات کے ساتھ اگر صانع قدرت اُنکے پیدا کرنے پر ناز کرے تو چندان ناموزون نہو گا،

موسیقی امیر کی ہمہ گیر طبیعت نے اس نازک اور لطیف فن پر بھی توجہ کی اور اس درجہ تک پہنچایا کہ چھ سو برس کی وسیع مدت نے بھی ان کا جواب پیدا نہ کیا، انکے زمانہ کا مشہور جگت اُستاد جو تمام ہندوستان کا اُستاد تھا، نایک گوپال تھا اسکے بارہ سو شاگرد تھے، جو اسکے سنگھاسن یعنی تخت کو کہارون کی طرح کاندھے پر لیکر چلتے تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے اسکے کمال کا شہرہ سنا تو دربار مین بلایا امیر خسرو نے عرض کی کہ مین تخت کے نیچے چھپ کر بیٹھتا ہون، نایک گوپال سے گانے کی فرمایش کیجائے، نایک نے چھ مختلف جلسون مین اپنا کمال دکھایا، ساتوین دفعہ امیر بھی اپنے شاگردون کو لیکر دربار مین آے، گوپال بھی ان کا شہرہ سُن چکا تھا، ان سے گانے کی فرمائش کی، امیر نے کہا مین مغل ہون، ہندوستانی گانا کچھ یون ہی سا جانتا ہون، پہلے آپ کچھ سنائین تو مین بھی کچھ عرض کرونگا،

گوپال نے گانا شروع کیا، امیر نے کہا یہ راگ تو مدت ہوئی مین باندھ چکا ہون پھر خود اسکو ادا کیا، گوپال نے دوسرا راگ شروع کیا، امیر نے اسکو بھی ادا کرکے بتایا کہ مدتون پہلے مین اسکو ادا کر چکا ہون، غرض گوپال جو راگ راگنی اور سُر ادا کرتا تھا امیر اسکو اپنا ایجاد

ثابت کرتے جاتے تھے، بالآخر کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ تھے، اب مین اپنے خاص ایجادات سناتا ہون، پھر جو گایا تو گوپال مبہوت ہوکر رہگیا[1]،

امیر خسرو چونکہ ہندی کے ساتھ فارسی راگون سے بھی واقف تھے، اسلیے اُنہون نے دونون موسیقی کو ترکیب دیکر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، چنانچہ اُنکے ایجاد کردہ راگ حسب ذیل ہین[2]،

کن راگون سے مرکب ہے،	نام راگہاے مخترع امیر خسرو
غار اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہے	مجیر،
پوربی، گورا، کنگلی، اور ایک فارسی راگ قران السعدین مین اسکا ذکر کیا ہی چنانچہ کہتے ہین	سازگری
کردہ بہ گلبانگ عراق اتفاق	زمزمۂ سازگری در عراق
ہنڈول اور نیریز	ایمن

[1] عالمگیری علما مین فقیر اللہ جسکا لقب سیف خان تہا ایک مشہور امیر تھا، ناصر علی نے اسی کی شان مین کہا ہے،

گفتگوے طوطی از آئینہ می خیزد علے   گر نباشد سیف خان ما نفس در کار نیست

وہ موسیقی کا بڑا ماہر تہا، فن موسیقی کی ایک مستند کتاب مانکتوہل تہی فقیر اللہ نے اسکا فارسی مین ترجمہ کیا، اور اور بہت سے فوائد اضافہ کیئے اور اسکا نام راگ درپن رکھا، چنانچہ مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۹۷ مطبوعہ کلکتہ مین یہ تفصیل مذکور ہے، اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس ہے اور ایک ندوہ کے کتب خانہ مین ہے گوپال کا واقعہ و آئندہ امیر خسرو کی ایجادات مین نے اسی کتاب سے لیے ہین،

[2] راگ درپن کے دو نسخے جو میرے استعمال مین ہین دونون غلط ہین اسلیے راگونکے نام صحیح نہین پڑھے گئے اسلیے کہین کہین مینے صرف صورت نویسی کر دی ہے،

شاق	سازنگ اور بسنت اور نوا
وافق	توڑی و مالڑی و دوگاہ حسینی
نم	پوربی مین ذرا تغیر کر دیا ہے،
لیف	کھٹ راگ مین شہ ناز کو ملایا ہی
رغنہ	کنگلی اور گورا مین فرغانہ ملایا ہی،
سرپردہ	سازنگ، بلاول، اور راست کو ترکیب دیا ہی
باخرز	دیسکار مین ایک فارسی راگ ملادیا،
ردوست (یا) پہر دوست	کانہڑا، گوری، پوربی، اور ایک فارسی راگ سے مرکب ہی،
نم	کلیان مین ایک فارسی راگ شامل کیا ہی

راگ درپن مین لکھا ہی کہ ان راگون مین سازگری، باخرز، عشاق اور موافق مین موسیقی کا کمال دکھایا ہی، باقی راگون مین کچھ یون ہی ادل بدل کر کے دوسرا نام رکھدیا ہی قول ترانہ، خیال، نقش، نگار، بسیط، تلانہ، سوہلہ، یہ سب بھی امیر خسرو کی ایجاد ہین، ان مین سے بعض خاص اُن کی ایجاد ہین، بعض کے نام ہندی مین پہلے موجود تھے امیر نے ان مین کچھ تصرف کر کے نام بدل دیا،

تصانیف | جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہی کہ امیر خسرو نے ۹۲ کتابین تصنیف کین یہ بھی مشہور ہی کہ امیر نے خود کسی کتاب مین تصریح کی ہی کہ میرے اشعار پانچ لاکھ سے کم اور

چار لاکھ سے زیادہ ہین، اوحدی نے عرفات مین لکھا ہی کہ امیر کا کلام جس قدر فارسی مین ہے اس سے زیادہ ہندی مین ہی،

امیر کی کثرت تصنیف سے کسکو انکار ہوسکتا ہی؟ لیکن بیانات مذکورۂ بالا مبالغہ سے خالی نہین، چار پانچ لاکھ اشعار کی یہ کیفیت ہے کہ قدیم زمانہ مین سطر کو بیت کہتے تھے، اور یہ استعمال نہایت کثرت سے مروج ہی، اس بناپر ان کی ہر قسم کی تصانیف کی ۴، ۵ لاکھ سطرین ہون، تو چندان تعجب نہین، لوگون نے بیت اور شعر کو مرادف سمجھ کر بیت کیجگہ شعر لکھدیا، ہندی کلام مدوّن نہین ہوا، اسلیے مبالغہ کے لیے کافی موقع ہی، بہرحال جسقدر تصنیفات آج ملتی ہین وہ بھی کم نہین، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہی،

دیوان تحفۃ الصغر[1]	اسکے دیباچہ مین خود لکھتے ہین کہ یہ سب سے پہلا دیوان ہی جس مین ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس تک کا کلام ہی،
دیوان وسط الحیات	اس مین ۲۰ برس کی عمر سے ۲۳ یا ۲۴ برس کا کلام ہی، اس مین جو قصائد ہین، سلطان شہید

[1] امیر نے اپنے چارون دیوانون کے دیباچون مین تصنیف کے متعلق کچھ کچھ حالات بھی لکھے ہین، تحفۃ الصغر اور غرۃ الکمال کا دیباچہ اسوقت میرے پیش نظر ہی، اور دیوانون کے دیباچے بھی نظر سے گذرے ہین، لیکن اسوقت سامنے نہین اسلیے اُنکی نسبت مین جو کچھ لکھتا ہون وہ ڈاکٹر ریو (آر آئی ای وی) کے اس ریویو سے ماخوذ ہے جو اُنھون نے برٹش میوزیم کے کتب خانہ کی فہرست مین لکھی ہین، اس اطلاع کے متعلق مین مولوی عبدالقادر پروفیسر پونا کالج کا ممنون ہون،

	کشلو خان وغیرہ کی مدح مین ہین،
غرۃ الکمال	یہ دیوان اپنے بھائی علاء الدین علی خطاط کے اصرار سے مرتب کیا، ۳۴ برس کی عمر یعنی ۶۸۵ھ سے تقریباً ۶۹۵ھ تک کا کلام ہی، دیباچہ مین اپنی مختصر سی سوانح عمری لکھی ہی، سلطان معز الدین کیقباد، اور جلال الدین خلجی کے مدحیہ قصائد ہین، دو ہفتہ مین اسکی ترتیب کی اور دیباچہ لکھا،
بقیہ نقیہ	بڑہاپے کا کلام ہی، تاریخ تالیف مذکور نہین لیکن سلطان علاء الدین خلجی کا مرثیہ اسمین موجود ہی اسلیے کم از کم ۷۱۵ھ کے بعد تک کا کلام ہی،
نہایۃ الکمال	پانچوان دیوان ہی، اس مین غزلون کے علاوہ قطب الدین مبارک خلجی المتوفی ۷۲۰ھ کا مرثیہ اور اسکے ولی عہد کی مدحین ہین، ایک قصیدہ مین ۷۲۵ھ کا ایک واقعہ مذکور ہی اور اسی سن مین خسرو نے انتقال کیا ہی،
قران السعدین	سب سے پہلی مثنوی ہی ۶۸۸ھ مین جبکہ مصنف کی عمر ۳۶ برس کی تہی لکہی، کیقباد، اور بغرا خان کے مراسلات

	اور صلح و ملاقات کا حال ہی،
مطلع الانوار	مخزن الاسرار کا جواب ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر لکھی ۳۳۱۰ شعر ہین، دو ہفتہ مین تمام ہوئی سال اختتام ۶۹۸ھ ہی، تصوف کے مضامین ہین اور پنج گنج کے سلسلہ کی پہلی کتاب ہی،
شیرین خسرو	رجب ۶۹۸ھ مین تمام ہوئی ۴۱۲۴ شعر ہین،
آئینہ اسکندری	سکندر نامہ کا جواب ہے سال اختتام ۶۹۹ھ ہی اشعار کی تعداد ۴۴۵۰
لیلی مجنون	۲۶۶۰ شعر ہین، ۶۹۸ھ مین ختم ہوئی،
ہشت بہشت	سلسلہ پنج گنج کی سب سے اخیر مثنوی ہے ہفت پیکر نظامی کا جواب ہی، ۷۰۱ھ مین تمام ہوئی ۳۳۰۲ شعر ہین،
	یہ خمسہ سلطان علاء الدین خلجی کے نام پر ہی کل ۱۸ ہزار شعر ہین، خمسۂ نظامی مین ۲۰ ہزار شعر ہین یہ پانچون کتابین دو برس کی مدت مین تمام ہوئین،
تاج الفتوح	سلطان جلال الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سال اول یعنی ۶۸۹ھ سے جمادی الآخر ۶۹۰ھ تک کے

حالات ہین اور اسی سنہ مین یہ مثنوی تمام بھی ہوئی
مطلع یہ ہی، سخن بر نام شاہے کردم آغاز،

نہ سپہر

قطب الدین خلجی کے نام پر ہی، نو باب ہین اور ہر باب جُدا گانہ بحر مین ہی، اس مناسبت سے نُہ سپہر نام رکھا ہی، اسوقت امیر خسرو کی عمر ۶۵ برس کی ہو چکی تھی ۷۱۸ھ مین تمام ہوئی،

دول رانی گجرات کے راجہ کی لڑکی تھی، خضر خان سلطان علاء الدین کا بیٹا تھا، وہ دول رانی پر عاشق ہو گیا تھا اور اس سے شادی کی، خضر خان نے خود یہ حالات بطور یادداشت کے لکھے تھے، اس کی فرمایش سے امیر خسرو نے اسکو نظم کا لباس پہنایا، اور عشقیہ نام رکھا، چار مہینے مین تمام ہوئی، ۴۲۰۰ شعر تھے، خضر خان کے مرنے پر دول رانی کو جو واقعات پیش آئے، اُنکو لکھا تو ۳۱۹ شعر دن کا اضافہ ہوا، ۷۱۵ھ مین تمام ہوئی،

افضل الفوائد

خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہین،

اعجاز خسروی

نثر نویسی کے اصول اور قواعد منضبط کیے ہین اور

	سیکڑون صنعتین اختراع کی ہین، ۷۱۹ھ مین تمام ہوئی تین جلدون مین ہی،
تغلق نامہ	غیاث الدین تغلق کے حالات اور فتوحات ہین،
خزائن الفتوح	سلطان علاء الدین کی فتوحات ہین،
مناقب ہند، تاریخ دہلی	ان کتابون کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے،

دولت شاہ نے لکھا ہو کہ ان تصنیفات کے علاوہ فن حساب اور فن موسیقی مین بھی ان کی تصنیفین ہین،

شاعری، امیر خسرو اگرچہ ہندی نژاد تھے، لیکن ایرانی شعرا کو بھی اُنکی شاعری اور زباندانی کا اعتراف کرنا پڑا، جامی بہارستان مین لکھتے ہین کہ خمسۂ نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہین لکھا، طوطی ہند جو اُن کا خطاب تھا، ایرانی بھی اسی خطاب سے ان کو یاد کرتے ہین،

عرفی، بہ روح خسرو ازین پارسی شکر دادم — کہ کام طوطی ہندوستان شود شیرین

خواجہ حافظ شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

آذری نے جواہر الاسرار مین لکھا ہو کہ شیخ سعدی شیرازی خسرو سے ملنے کے لیے شیراز سے دلی مین آئے،" اگرچہ یہ روایت قرین قیاس نہین، اور بعض تذکرہ نویسون نے صراحۃً اس واقعہ سے انکار کیا ہو، تاہم اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آذری کے نزدیک خسرو اس پایہ کے شخص تھے کہ سعدی کا ان کی ملاقات کے لیے سفر کرنا

ممکن تھا اور اس قدر تو تمام مورخون اور تذکرہ نویسونکو تسلیم ہی کہ جب سلطان شہید نے سعدی کو شیراز سے بلایا تو انھون نے بڑھاپے کا عذر کیا اور لکھ بھیجا کہ خسرو جوہر قابل ہیں انکی تربیت کیجاے، اسوقت خسرو کی عمر تیس برس سے زائد نہ تھی،

تاہم بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہین سکے، عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے[1]،

غلط افتاد خسرو راز خامی | کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

امیر کی شاعری قدرتی تھی، وہ مان کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوئے تھے، انکے باپ دادا، شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ قلم کے بجاے تیغ سے کام لیتے تھے، تاہم امیر کے دودھ کے دانت بھی نہین ٹوٹے تھے کہ اُن کی زبان سے بے اختیار شعر نکلتے تھے، دیباچۂ غرۃ الکمال مین خود لکھتے ہین،

دران صغر سن کہ دندان می افتاد، سخن می گفتم و گوہر از دہانم میریخت،

دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ مین لکھتے ہین،

چون مرا استادے سر آمدہ بر سر نیامدہ بود کہ بر سر دقایق دال شدے و آہوے مشکبار قلم را از سواد خطا باز آوردے،،

ایک مدت تک یون ہی بطور خود کہتے رہے، استاد کے بجاے اساتذہ کے دیوان کو سامنے رکھکر ان کا تتبع کرتے تھے، جس دیوان کا مطالعہ کرتے تھے، اسی انداز پر کہنا

[1] بدایونی جلد اول صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳،

شروع کرتے، خاقانی کا کلام دیکھا تو بہت مغلق نظر آیا، اسکے الفاظ حل کیے، لیکن خود تحفۃ الصغر مین لکھتے ہین کہ اسکا تتبع نہ ہو سکا، پہلا دیوان بالکل بے اصلاحی ہی، امیر اسکو مرتب کرنا بھی نہین چاہتے تھے، لیکن بھائی کی خاطر سے مجبور ہو گئے،

لیکن بالآخر وہ اپنا کلام اساتذہ کو دکھلانے لگے، ہشت بہشت کے خاتمہ مین تصریح کی ہی کہ یہ کتاب شہاب کی اصلاح یافتہ ہی، شہاب کی پہلے نہایت تعریف کی ہی پھر لکھتے ہین،

من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش	او بہ اصلاح راند، خامۂ خویش
دید ہر نکتہ را رقم بہ رقم	رنج بر خود نہاد و منت ہم
نظرے تیز کرد و موے شگاف	نے بہ عمیا نظارۂ بگزاف
این دقائق کہ شد ز مغزش پوست	مو بمو شعر بیز کردۂ اوست
شمع من یافتہ ضیا از وے	مس من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش	برکشیدم نمس ز شربت نوش
وانچہ ننمود من نہ جستم پے	عیب آن بر من است نہ بر وے
یارب او چون ز تیغ نامۂ من	برد بیرون خطائے خامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد	در قیامت خط امانش باد

اخیر کے شعرون سے معلوم ہوتا ہی کہ پانچون مثنویان شہاب کی اصلاح دادہ ہین یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ امیر نرے مقلد نہ تھے، جہان ان کو اصلاح کی وجہ سمجھ مین نہین آتی تھی

ان اُستاد کی راے تسلیم نہین کرتے تھے، گو ادب کا پاس اب بھی ملحوظ رکھتے تھے ع

عیب آن بر سخن است نہ بر وے،

عجیب بات ہی وہ اُستاد جس کے دامن تربیت مین خسرو جیسا شخص پلکر بڑا ہو، آج اُسکا

م ونشان تک معلوم نہین؛

معاصر اُستادونکے علاوہ خسرو نے قدیم اساتذہ سے بھی بہت فیض حاصل کیا ہی

ہ اُن کے کلام کو سامنے رکھکر کہتے تھے، اور اُسی طرح اُس سے فائدہ اُٹھاتے تھی جس طرح

ئی شاگرد زندہ اُستاد سے شاعری سیکھتا ہی، اسی بناپر لیلی مجنون مین نظامی کی نسبت

ھتے ہین،

زندہ است بہ معنی اُستادم | دہ غیبت منش حیات دادم

یخ سعدی سے استفادہ کا اشارہ کرتے ہین،

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت | شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

ریخ فرشتہ مین لکھا ہی کہ خسرو جوانی کے جوش مین اکثر اساتذہ کی شان مین گستاخی کرتے تھی

چنانچہ جب مطلع الانوار لکھتے ہوے یہ شعر کہا،

کوکبۂ خسرویم شد بلند | زلزلہ در گور نظامی فگند

غیب سے ایک تلوار نکلی، اور خسرو کی طرف بڑھی خسرو نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کا نام

یا، دفعۃً ایک ہات نمودار ہوا اور اُسنے آستین تلوار کے سامنے کردی، تلوار آستین کو کاٹتی

ئی ایک بیری کے درخت پر جا لگی، یہ واقعہ جسقدر عقل کے خلاف ہی اُسی قدر تاریخ کے بھی

مخالف ہی، خسرو نے مطلع الانوار ۶۹۸ھ مین لکہی ہی، اسوقت انکی عمر ۴۸ برس کی ہو چکی تھی یہ شباب کا زمانہ کہان ہی، شباب کے زمانہ مین انہون نے غرۃ الکمال مرتب کیا ہی، اُس کے دیباچہ مین صاف لکھتے ہین کہ مین مثنوی مین نظامی کا پیرو اور شاگرد ہون،

اسی زمانہ مین قران السعدین لکہی اُس مین لکھتے ہین،

نظم نظامی بہ لطافت چو دُر | وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پختہ از و شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودای خام
بگذر ازین خانہ، کہ جای تو نیست | وین رہ باریک بہ پای تو نیست
کالبدی داری و جان اندر وست | ہر چہ تو دانی بہ ازان اندر وست
تابود این سکہ بہ عالم درست | بر تن تو کے بود این شقہ چیست
مثنوی او راست ثنای بگوے | بشنوش از دور دعاے بگوے
این ہمہ زانصاف نگر زور نیست | گر تو نہ بینی دگرے کور نیست

نظامی کی نسبت لیلیٰ مجنون مین لکھتے ہین،

زندہ است بہ معنی او ستادم | ور نیست منش حیات دادم

غرض امیر نے کبھی اساتذہ کی استادی سے انکار نہین کیا وہ تمام استادونکا نہایت ادب کرتے تھی مطلع الانوار مین جو کہدیا ہی وہ ایک اتفاقیہ فخریہ جوش تہا جس سے نظامی کی تحقیر منظور نہ تھی

امیر کی حالات شاعری مین یہ سب سے عجیب تر واقعہ ہی کہ وہ اپنے کلام پر آپ ریویو کرتے ہین اور ایسی بے لاگ رائے دیتے ہین کہ انکا دشمن سے دشمن بہی ایسی آزادانہ راے نہین

دیکھتا، قران السعدین مین اُنہون نے کیقباد اور بغراخان کا حال لکھاہی، لیکن اصلی واقعہ کو
چھوڑکر خاص خاص چیزون کی تعریف مین اس قدر مصروف ہوجاتے ہین کہ واقعات کا
سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہی اور کلام نہایت بے ربط ہوجاتا ہی، اس عیب کو خود ظاہر
کرتے ہین،

وصف بران گونہ فرو راندہ ام — کز غرض قصہ فرو ماندہ ام
عیب چنان نیست کہ بنہفتہ ام — کانچہ بگویند ہمہ گفتہ ام
چون منم اندر قلب کان خویش — معترف عجز بہ نقصان خویش
عیب یکے نیست کہ جویند باز — چون ہمہ عیب است چگویند باز

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ شاعری کی ین قسمین ہین،
اُستاد تمام، جو کسی طرز خاص کا موجد ہو، جیسے حکیم سنائی، انوری، ظہیر، نظامی،
اُستاد نیم تمام، خود کسی طرز خاص کا موجد نہین، لیکن کسی خاص طرز کا پیرو ہو اور اسمین
کمال بہم پہنچایا ہے،
سارق، جو اورون کے مضامین چُراتا ہی، پھر لکھتے ہین کہ اُستادی کی چار شرطین ہین،
طرز خاص کا موجد ہو، اسکا کلام شعرا کے انداز پر ہو، صوفیون اور واعظون کی طریقہ
پر نہو، غلطیان اور لغزشین نہ کرتا ہو،
یہ شرائط لکھکر فرماتے ہین کہ مین درحقیقت اُستاد نہین، اسلیے کہ چار شرطون مین سے
مجھ مین صرف دو شرطین پائی جاتی ہین، یعنی مین سرقہ نہین کرتا، اور میرا کلام صوفیون اور واعظون

کے انداز پر نہین، لیکن دو شرطین مجھ مین موجود نہین، اوّل تو مین کسی طرز خاص کا موجد نہین دوسرے میرا کلام لغزشون سے خالی نہین ہوتا، خود اُنکے الفاظ یہ ہین،

بندہ را ازان چہار شرط اُستادی کہ گفتہ شد، اول شرطے کہ ملک طرز است برحکم ماجرا سے کہ درنجرا سے قلم جریان یافت، کہ چندین استاد را متابع کلمات بودہ ام،

چون پس رو طرز ہر سوادم　　پس شاگردم نہ اوستادم

دشرط دوم آنکہ در نافہ سواد، بوی خطا نہ باشد از ان نیز دم نتوانم زد، کہ نظم بندہ اگرچہ بیشتر روان ہست اما جا بجا در غزل ونغز نغزیدنی ہم است، درین دو شرط معترفم کہ از لاف اُستادی قرعہ بر فال نتوانم غلطانید،

کیا دنیا مین اس سے زیادہ کوئی انصاف پرستی اور بےنفسی کی مثال ملسکتی ہی، امیر کے کلام پر ریویو کرنے کے لیے اس سے زیادہ بڑھکر کیا دلیل راہ ہوسکتا ہی،

امیر نے یہ بتادیا ہی کہ وہ اصناف سخن مین سے کس صنف مین، کسکے پیرو ہین، تفصیل اسکی یہ ہی،

غزل، سعدی

مثنوی نظامی

مواعظ وحکم، سنائی وخاقانی

قصائد، رضی الدین نیشاپوری، وکمال اسمٰعیل خلاق المعانی،

لیکن لغزشین کون بتاسے؟ یہ کس کا مُنھ ہی، ہم دبی زبان سی صرف اسقدر کہہ سکتے ہین کہ بعض کلام ہین (قران السعدین و اعجاز خسروی) لفظی رعایت بہت ہی جو ضلع جگت کی حد تک پہنچ گئی ہی، اور بعض جگہہ بالکل تکلف اور آورد ہی،

امیر نے شعر و شاعری کے متعلق دیوانون کے دیباچہ مین بہت سے نکتے لکھی ہین، جن سے اس فن کے متعلق مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہین، غرۃ الکمال کے دیباچہ مین اسپر بحث کی ہی کہ فارسی اور عربی شاعری مین کسکو ترجیح ہے، فیصلہ فارسی کے حق مین کیا ہی اور اس کی یہ دلیلین لکھی ہین،

(۱) عربی مین ایسے زحافات ہین کہ اگر فارسی مین ہون تو کلام ناموزون ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہی کہ فارسی کے اوزان ایسے منضبط اور لطیف ہین کہ ذرا سی کمی بیشی کی برداشت نہین کر سکتے،

(۲) عربی زبان مین ایک ایک چیز کے لیے متعدد مترادف الفاظ ہین، اسلیے شاعری آسان ہی، ایک لفظ کسی وزن یا بحر مین نہ کھپ سکا تو دوسرا موجود ہی، بخلاف اسکی فارسی مین نہایت محدود الفاظ ہین، باوجود اسکے فارسی شعرا پر میدان شاعری تنگ نہین،

(۳) عربی زبان مین صرف قافیہ ہی، ردیف نہین،

اب غور کرو عربی زبان کو متعدد طرح کی وسعت حاصل ہی، وزن اتنا وسیع کہ جتنے زحافات چاہین استعمال کرتے جائین، لفظونکی یہ بہتات کہ ایک لفظ کے بجاے دوسرا اور دوسرے کے بجاے تیسرا موجود ہی، ردیف کی سرے سی ضرورت نہین، نرے قافیہ پر مدار ہے،

جسقدر قافیے لاتے جائین کہتے جاو، ان سب سعتون کے ساتھ عربی شاعری فارسی شاعری پر غالب نہین آسکتی،

اسکے علاوہ عرب کا شاعر اگر ایران مین آئے اور برسون قیام کرے تاہم فارسی زبان مین شعر نہین کہہ سکتا، لیکن ایران کا شاعر بے تکلف عربی مین شاعری کرسکتا ہی، زمخشری اور سیبویہ عجمی تھے، لیکن زباندانی مین عرب عربا سے کم نہ تھے، فارسی کے وجوہ ترجیح لکھکر لکھتے ہین کہ دد اور بہت سے وجوہ ہین لیکن مین اسلیے قلم انداز کرتا ہون کہ کوئی مذہبی تعصب کے پردہ مین مخالفت پر نہ آمادہ ہوجائے،

امیر خسرو فن شاعری مین جن خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہین، ان کی تفصیل حسب ذیل ہی،

(۱) ایران مین جسقدر شعرا گزرے ہین، خاص خاص اصناف شاعری مین کمال رکھتے تھے، مثلاً فردوسی و نظامی، مثنوی مین، انوری اور کمال قصائد مین، سعدی اور حافظ، غزل مین، یہی لوگ جب دوسری صنف مین ہات ڈالتے ہین، تو پھیکے پڑجاتے ہین، بخلاف اسکے امیر، قصائد، مثنوی اور غزل تینون مین ایک درجہ رکھتے ہین، مثنوی مین نظامی کے بعد آجتک ان کا جواب نہین ہوا، غزل مین وہ سعدی کے دوش بدوش ہین قصائد مین ان کی چندان شہرت نہین ہوئی، لیکن کلام موجود ہی، مقابلہ کرکے دیکھ لو، کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہین، تفصیل اسکی آگے آتی ہی،

(۲) ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہی کہ خاص خاص چیزون پر نظمین نہین لکی گئین،

مثلاً: قلم، کاغذ، کشتی، دریا، شمع، صراحی، جام، خاص خاص میوؤن اور پھولون وغیرہ وغیرہ پر
ایسی مسلسل اور لمبی نظمین نہین ملتین جن سے اُن کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، امیر خسرو
نے ایشیائی شاعری کی اس کمی کو پورا کر دیا ہی، انہون نے قران السعدین مین اکثر اسی
قسم کی نظمین لکھی ہین، اور اس کتاب سے اُن کا بڑا مقصد اسی قسم کی شاعری کا نمونہ قائم
کرنا تھا چنانچہ خود فرماتے ہین،

بود در اندیشۂ من چند گاہ | کز دل دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آبش دہم | مجمع اوصاف خطابش دہم
طرز سخن را روشش نو دہم | سکہ این ملک بہ خسرو دہم
سکہ خود زین فن اندیشہ زاے | تا نہ نشانم نہ نشینم ز پاے
وصف نہ زان گونہ شاز دل بران | کان دگرے را بدل آید گران

اس قسم کی شاعری کا نام امیر نے "وصف نگاری" رکھا، اور یہ نہایت موزون نام ہی،
اگرچہ افسوس ہی کہ زمانہ کے مذاق کے لحاظ سے اس مین نیچر کا پورا رنگ نہین آیا، بلکہ تکلف
اور مضمون آفرینی کا رنگ چڑھا یا ہی، تاہم جسقدر ہی غنیمت ہی،

کاغذ کی تعریف،

کاغذ[1] شامی نسب و صبح وام | آنکہ شد آرایش صبحش ز شام
سادہ حریرے ز وے اصلش ز خویش | با قصب و خز شدہ پیوند خویش

[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کاغذ شام سے آتا تھا،

تا سے حریر آمدہ اندر نورد | طرفہ حریرے کہ توان جزو کرد

آمدہ اجزاش فراہم ز آب[1] | لیک پراگندگیش ہم ز آب

بسکہ شد از کوشش بسیار پست | پشت دوتا گردوش از یک شکست

گہ بود از دستہ تیغش گزر | گہ دہد از تیغ بہ مقراض سر

گہ خلہ سوزن مسطر کشد | گہ کشش رشتہ دفتر کشد

حرف بحرف از قلم آرد سخن | لیک بہ پیچد ہمہ بر خویشتن

بہت سے شعر لکھے ہین، ہمنے قلم انداز کردیے،

کشتی کی تعریف،

ساختہ از حکمت کار آگہان | خانہ گردندہ بہ گرد جہان

نادرہ حکم خداے حکیم | خانہ روان، خانگیانش مقیم

اہل سفر را ہمہ بروے گذر | ہمرہ او ساکن و او در سفر

جاریہ ہند ز بانش سلیم | حامل چندین بچہ، لیکن عقیم

بیشتر از مرغ پرد، در کشاد | بیشتر از باد رود، روز باد

رفتہ دو منزل بہ دمے، بل دو چند | بار سن و سلسلہ و تختہ بند

ہمچو کلنگان بہ ہوا سر فراز | پر چو حواصل ز دو سو کردہ باز

[1] اس سے ثابت ہوتا ہی کہ پہلے بھی اسی طرح کاغذ بناتے تھے کہ روئی اور کپڑے کے چھیچھڑون کو پانی مین بھگو کر پانی کی طرح سیال بنا لیتے تھے، پھر خشک ہو کر کاغذ ہو جاتا تھا،

هر طرفش رہ بشتاب دگر | هر قدمش بر سر آب دگر
گرچہ بدریا گذر روبش وکم | آب نباشد نگرش تا شکم
دست چو در آب فراز افگند | آب بدست آرد و باز افگند
لطمہ زدہ بر رخ دریا بہ زور | آب ازان لطمہ بہ فریاد و شور
در رہ بے آب نداند شدن | کیست کہ بے آب تواند شدن

(۳) تشبیہ شاعری کے چہرہ کا غازہ ہی، لیکن تقلید پرستی نے یہ حالت پیدا کردی تھی کہ جن چیزون کی جو تشبیہین ایک دفعہ قدما کے قلم سے نکل گئین اُنکے سوا گویا دنیا کی تمام چیزین بیکار تھین،

امیر نے بہت سی نئی تشبیہین خود پیدا کین، چنانچہ غرۃ الکمال مین خود لکھتے ہین:

تشبیہات نو بسیار است این مجمل جملہ را تحمل نتواند کرد، اما دو سہ نظیر برای یاد کردن گرد شدہ،

اسکے بعد دو تین مثالین لکھی ہین،

ز انتظار دو ماہی ساق تو صد چشم | بزیر ہر مو دارم چو دام ماہی گیر
مژہ ہاے کژ دل آویزت | کژ ہاے دکان قصاب است
نیے خرامش آن نازنین بہ عیارے | کبوترے بہ نشاط آمدست پندارے

امیر چونکہ ہندی زبان سے آشنا تھے اسلیے تشبیہات مین انکو برج بھاکا کے سرمایہ سے بہت مدد ملی ہوگی، اخیر شعر غالباً اسی خرمن کی خوشہ چینی ہے۔ فارسی شعرا معشوق کی

رفتار کو کبک کی رفتار سے تشبیہ دیتے تہی، ہندی مین ہنس کی چال عام تشبیہ ہر لیکن کبوتر مستی کی حالت مین جس طرح چلتا ہر وہ مستانہ خرام کی سب سے اچھی تصویر ہر،

قصیدہ، مثنوی، غزل مین انہون نے جو جدّتین پیدا کین، اُن کی تفصیل علیحدہ عنوانون مین آگے آتی ہر،

مثنوی | مثنوی مین جیسا کہ وہ خود لکھتے ہین، نظامی کے پیرو ہین، نظامی کے پنج گنج مین تین قسم کی مثنویان ہین، رزمیہ، عشقیہ، صوفیانہ، خسرو نے بہی تینون مضامین کو لیا ہر اور ہر رنگ کو نظامی کے انداز مین لکہا ہر،

ایک ایک مثنوی پر ریویو کرنا خاص انکے سوانح نگار کا کام ہر۔ البتہ نمایان مثنویون کا ذکر کرنا ضروری ہر،

قران السعدین، یہ سب سے پہلی مثنوی ہر جو ۳۶ برس کی عمر مین لکھی، اسلیے اس مین تکلف اور آورد بہت ہر لیکن باوجود اسکے اکثر جگہ نہایت بلند رواں اور برجستہ ہر، مثنوی کا قصہ نہایت بیہودہ تھا یعنی باپ بیٹون کی مخالفانہ خط و کتابت اور حملہ کی تیاری، بیٹا یعنی کیقباد نہایت گستاخ اور بے تمیز تہا، لیکن مشکل یہ تھی کہ وہی صاحب تخت تھا، اور اسی کی فرمایش سے یہ مثنوی لکھی گئی، بیٹا یہ بہی چاہتا تھا کہ اس کی گستاخیان جنکو وہ اپنی دلیری کے کارنامے سمجھتا تھا بالتفصیل اور آب و رنگ کے ساتھ لکھی جائین، اور یہ ثابت کیا جائے کہ باپ کے ہوتے، تخت سلطنت کا مستحق بیٹا ہر، اس جھوٹی منطق کو امیر نے جہانتک ہوسکا، خوب نباہا ہے، چنانچہ بیٹے کی زبان سے کہتے ہین،

گر بہ گہر تاج ستانِ توام | عیب مکن گوہر کان توام
در ہوس تاج ترا در سر است | من گہرم تاج مرا در خور است
چون سرم از بخت سرافراز گشت | تاج تو بر تارکِ من باز گشت
تخت جہان بہر تو بر پاے کرد | لیک بران تخت مرا جاے کرد
ملک بہ میراث نیابد کسے | تانزند تیغ دو دستی بسے
از تو اگر نام پدر روشن است | خطبۂ جدبین کہ بنام من است
ہر دو جوانیم من و بخت من | با دو جوان پنجہ بہم در مزن
گرچہ برویت نہ کشم در ستیز | از پئے تعظیم تو شمشیر تیز
لیک تو دانی کہ چو کین آورم | شیر فلک را بزمین آورم
جز تو کسے گر دم ازین در زدے | سرزنش تیغ منش سر زدے
لیک توئی چون بہ پے این سریر | من ندہم گر تو توانی بگیر

باپ نے جو جواب لکھا ہے دیکھو کس طرح حرف حرف، پدرانہ محبت کے نشے سے چور ہے،

اے ز نسب گشتہ سزاے سریر | وز پسری ہمچو پدر بے نظیر
گرچہ غبار است ز کار توام | سرمۂ چشم است غبار تو ام
تا تو نہ دانی کہ درین گفتگوے | از پئے ملک است مرا گفتگوے
گرچہ توانم ز تو این پایہ برد | از تو ستانم بکہ خواہم سپرد
شکر کہ شد زندہ در ایام تو | من ز تو و نام من از نام تو

باش بکامم کہ بہ کامم توام — زندہ و نازندہ بنامم توام
خواہمت از جان کہ بپاے مرا — در تو بخواہی و نخواہی مرا
جز بہ تمناے تو سودام نیست — بہتر ازین ہیچ تمنام نیست
گرچہ کہ سلطان جہانم بہ ملک — تاج دہ و تخت ستانم بہ ملک
لیک چو دورم ز تو ای نیک بخت — نے خوشم از تاج و نہ شادم ز تخت
بخت من ار پاے بر افلاک سود — با تو چو یک دم نہ نشینم چہ سود

ان خاراگداز الفاظ نے بیٹے کے دل پر بھی اثر کیا، اب اسکا لہجہ بدل جاتا ہی، اور فرزندانہ جوش محبت مین کہتا ہی،

من کہ گلے رستہ باغ توام — پرتوے از نور چراغ توام
گر ہمہ بر ماہ رسد افسرم — ہم بہ تہ پاے تو باشد سرم
زابر و خود کن تو اشارت بہ چین — من سر خاقان فگنم بر زمین
تاج ز من، سر ز تو افراختن — تاج ز تو، تخت ز من ساختن
در بہ ملاقات رہی راے تست — افسر من خدمت پاے تست
نیست مرا آن محل و آن شکوہ — کز سر خود سایہ فشانم بہ کوہ

باپ جب بیٹے سے ملنے آیا ہی تو بیٹا تخت شاہی پر متمکن تھا، باپ کو دیکھکر بے اختیار تخت سے اُترا اور باپ کیطرف بڑہا۔ باپ نے چھاتی سے لگا لیا، دیر تک دونون جوش محبت مین ایک دوسرے سے جدا نہو[...] تھے، پھر بیٹے نے باپ کو لیجا کر تخت پر بٹھایا،

گرم فرو جست ز تخت بلند — کرد بہ آغوش تن ارجمند
داشت بہ آغوش خودش تا بدیر — سیر نہ شد چون شود از عمر سیر
باخودش از فرش بہ اورنگ برد — تخت کیان باز کیان را سپرد
گاہ ز دیدہ بہ نثارش گرفت — گاہ دو بارہ بہ کنارش گرفت
گاہ نظر بر رخ زیباش کرد — گاہ دل از مہر شکیباش کرد
پرسش از اندازہ ز غایت گزشت — حد نوازش ز عنایت گزشت

قران السعدین کی بڑی خصوصیت یہ ہی کہ نظم اور لطائف نظم کی پابندی کے ساتھ تاریخی حیثیتین تمام ملحوظ رکھی گئین ہین، اسطرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھکر ان باتونکو نہ لکھتا

خمسہ | خمسہ مین پانچ مثنویان ہین یعنی مطلع الانوار، شیرین خسرو، لیلی مجنون، آئینہ سکندری، ہشت بہشت،

جس ترتیب سے ہم نے ان کتابونکے نام لکھے ہین، یہی اُنکی تصنیف کی ترتیب ہے چنانچہ امیر نے خود ہشت بہشت مین تصریح کی ہی، ان پانچون کتاب کی تصنیف کا زمانہ کل سوا دو برس ہی، اور یہ قادر الکلامی اور پُرگوئی کا حیرت انگیز اعجاز ہی،

اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ نظامی کے جواب مین جسقدر خمسے لکھے گئے ان مین نسبتًہ امیر کا خمسہ سب سے بہتر ہے لیکن حقیقت یہ ہی کہ ان مین بعض نظامی کی تصنیف سے کچھ نسبت نہین رکھتین، مطلع الانوار مین صاف خامی نظر آتی ہی اور آئینہ سکندری بالکل پھیکی اور کمزور ہی، معلوم ہوتا ہی کہ خود امیر کے دل مین بھی بے اطمینانی تھی، آئینہ اسکندری

ہین لکھتے ہین

دگر باز گیری تو پیوند خویش	مرا خود عزیز است فرزند خویش
سزد گرچہ آواز خر، خندہ را	بود ارغنون گوش خربندہ را
برو باد بخشایش دادگر	کہ بر من ببخشش گمارد نظر
ہنر جوی و در عیب جوئی مکوش	ترا نیز عیبی است بر خود بپوش

نظامی کے پُرزور رزمیہ معرکون کے مقابلہ مین، انکی زور طبع کا یہ نمونہ ہے،

بہ گردون شد از نای زرین خروش	بہ دریای لشکر در افتاد جوش
ہزاہز در آمد بہ ہر دو سپاہ	رو ارو در آمد بہ خورشید و ماہ
علم سر ز عیوق بر تر کشید	سنان چشم سیارہ بر سر کشید
بیابان ہمہ بیشہ شیر گشت	جہانے پر از شیر و شمشیر گشت
غبار زمین کلہ بر ماہ بست پردہ	نفس را درون گلو راہ بست
چنان گشت روی ہوا گردناک	کہ سیارہ گم کرد خود را بہ خاک
سپاہ از زرہ موج زن تا بہ اوج	چو دریا کہ بادش در آرد بہ موج
بدریای آہن جہان گشتہ غرق	ہوا پر ز میغ و زمین پر ز برق
ز بانگ ہیونان گیتی نورد	شدہ پر صدا گنبد لاجورد
عرق کردن توستان در شتاب	ز دریای آتش بر انگیخت آب
شرارہ کہ زد نعل ہنگام رو	ستارہ برون ریخت از ماہ نو

نفیر زہ از چاشنی کمان | شدہ چاشنی بخش جان ہر زمان
گرہ بر گرہ دشت پیکان زنان | زرہ بر زرہ پشت روئین تنان
بزیر سپر تیغ رخشان ز تاب | چنان کز تہ برگ نیلوفر، آب

اس کمی کے مختلف اسباب ہین، مثنوی امیر کا اصلی مذاق نہین، سلاطین کی فرمایش سے وہ مثنویان لکھتے تھے اور گویا بیگار ٹالتے تھے، چنانچہ خمسہ کا خمسہ دو سوا دو برس مین لکھا ہی اور مطلع الانوار تو صرف دو ہفتہ کی کمائی ہی،

ان کتابون کی تصنیف کے زمانہ مین دربار کی خدمتون سے بہت کم فرصت ملتی تھی لیلیٰ مجنون کے خاتمہ مین لکھتے ہین کہ نظامی کو شاعری کے سوا کوئی شغل نہ تھا، اور کسی قسم کی بے اطمینانی نہ تھی، میرا یہ حال ہی کہ پانون کا پسینہ سر پر چڑھتا ہی تب روٹی ملتی ہی،

مسکین من مستمند بیہوش | از سوختگی چو دیگ در جوش
شب تا سحر و ز صبح تا شام | در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برائے نفس خود رائے | پیش چو خودے ستادہ بر پائے
تا خون نہ رود ز پائے تا سر | دستم نشود ز آب کس تر

اس خمسہ مین ایک کتاب انکے خاص مذاق کی ہی، یعنی لیلیٰ مجنون اگرچہ اس کتاب مین بھی انہون نے خاکساری سے نظامی کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کہا ہے،

می داد چو نظم نامہ را پیچ | باقی نہ گذاشت بہر ما ہیچ

لیکن انصاف یہ ہی کہ انکی لیلیٰ مجنون اور نظامی کی لیلیٰ مجنون مین اگر کچھ فرق ہی تو اسقدر

نازک ہی کہ خود وہی اسکو سمجھ سکتے ہین،

اس کتاب مین ہر قسم کی شاعری کے موقع پیدا کیے ہین، اوران کاکمال دکھلایا ہی

مثلاً ایک موقع پر دھوپ کی شدت اور گرمی کا سمان دکھاتے ہین،

آتش زدہ گشتہ کوہ وکان ہم | تفسید زمین و آسمان ہم
جاے نہ کہ دیدہ را برد خواب | ابرے نہ کہ تشنہ را دہد آب
مرغان چمن خزیدہ در شاخ | دررفتہ چرندگان بہ سوراخ
ریگ از تف پختہ در گرانی | چون تابہ روز میہمانی
از گرمی ریگہاے گردان | پُر آبلہ پاے رہ نوردان

عشق و محبت کے جذبات کے دکھانے کا اس سے بڑھکر کونسا موقع ملسکتا تھا، اس لحاظ سے اس مثنوی کا ہر شعر گویا ایک پُر درد غزل ہی، سگ لیلیٰ کا واقعہ عموماً مشہور ہی اور شعرا نے اس دلچسپ روایت کو طرح طرح سے رنگا ہی امیر خسرو نے اسکو سب سے زیادہ موثر طریقہ سے ادا کیا ہے مجنون کتے سے خطاب کرتا ہی،

ہستیم من و تو ہر دو شب گرد | لیکن تو بنالہ و من از درد
چون باز گذر کنی دران کوی | بر خاک درش ز من نہی روے
ہر خس کہ برو گذاشت گامے | از من برسانیش سلامے
ہر جا کہ نہاد پاے روشن | زنہار بہ بوسی از لب من
خواہد چو ترا درون دہلیز | یاد ش دہی از سگان (ضرور) گریز

زنجیر خودت نہد چو بر دوش	از گردن من مکن فراموش

اس پیرایۂ ادا کو دیکھو کہتے ہین کہ جب لیلیٰ آتجکو ڈیوڑھی کے اندر بلائے تو ایک اور رنگ وو
یاد دلا دینا، جب لیلیٰ تیری گردن مین طوق ڈالے تو دیکھنا میری گردن کو بھول نہ جانا،
عاشق کا پیغام وسلام سب لکھتے ہین، لیکن معشوق عاشق کو کیا لکھتا ہو اور کیونکر لکھتا ہو
نہایت نازک مقام ہو، دیکھو امیر خسرو اس نازک موقع کو کیونکر نباہتے ہین، لیلیٰ مجنون کو
لکھتی ہے۔

اے عاشق دور ماندہ چونی	وے شمع ز نور ماندہ چونی
روزت ز غم کہ شب نشان است	شبہاے سیاہ برچہ سان است
از من بکہ می بری حکایت	با خود ز کہ می کنی شکایت
در گوش کہ ؟ نالہ می رسانی	دریاے کہ قطرہ می فشانی
بازار تو در کدام سوئی است	سیلاب تو در کدام جوئی است

معشوق اسقدر ضرور جانتا ہے کہ عاشق رونے دھونے اور درد دل کہنے سے باز نہین
رہ سکتا، اب اُسکی غیرت یہ سوالات پیدا کرتی ہے کہ کس کے سامنے روتا ہو؟ کس سے درد
دل کہتا ہے کس کے آگے میرا نام لیتا ہے، یہ باتین تو رازداری اور معشوق پرستی کے
خلاف ہین ان سچے جذبات اور خیالات کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

آئینہ سکندری چھپکی ہو لیکن اس کتاب مین بھی ان کے مذاق کا جو میدان آیا ہو آئین وہ
نظامی کے دوش بدوش ہین، نظامی نے سکندر اور ریت چینی کی بزم آرائی کا قصہ

بڑی آب وتاب سے لکھا ہے، خاص اس موقع پر خوب زور طبع دکھایا ہی جہان وہ دلربا سکندر کی ایک ایک بات پر اپنی ترجیح ثابت کرتی ہے۔

خسرو نے بھی یہ معرکہ باندھا ہی اور اسی طرح بت چینی کا فخریہ لکھا ہی نظامی کے فخریہ سے ملا کر دیکھو معشوق چینی کہتا ہی اور سکندر کے ایک ایک وصف کے مقابلہ مین اپنی ترجیح ثابت کرتا ہے۔

مشعبد کہ داند جہان سوختن | زمن بایدش بازی آموختن
ہمہ خون خوبان کشش می خورم | ولے نوش بادم کہ خوش می خورم
رخ ہر صنم ناپدید از من است | صنم خانہ ہا را کلید از من است
سپہر آفتاب زمین خواندم | دگر ماہ بیند ہمین خواندم
سکندر کہ گرد آب حیوان ہوس | نظیر منش بود مقصود وبس
گر او ہست کیخسرو جام جوے | مرا جام گیتی نمای است روے
گر از مجلس او دمن می دمد | مرا لالہ وگل ز تن می دمد
گر او راست بر تخت اپنے نشست | مرا در دل او ست جاے نشست
گر او تاج خواہد ز شاہان خراج | من از سروران سرستانم نہ تاج
گر اقبال و دولت درا پادرند | مرا ہر دو چون کمترین چاکرین
گر او دشمنان را بہ خون خوردن است | مرا خون صد دوست در گردن است
گر او را یکے آئینہ برکف نشست | دو آئینہ دارم من از پشت دست

کمان شے ارصد شکار افگند | یک ابروے من صد ہزار افگند
کمند وے ارصید بند دوام | من آنم کہ صیاد گیرم بدام
گراو را کلاہے است بر آسمان | مرا صد کلاہ است بر آستان

ت بہشت | یہ سبے اخیر مثنوی ہی اور امیر کی شاعری اس مین پختگی اور پُر کاری کی اخیر حدتک
نچ گئی ہی، خاص جو بات اس مین ہی وہ واقعہ نگاری کا کمال ہے، ساری کتاب مین فرضی
نائیں لکھی ہین، لیکن التزام کیا ہے کہ جو واقعہ لکھا جاے، اسکے نہایت چھوٹے چھوٹے
زئیات جنکے ادا کرنے سے زبان قاصر ہوئی جاتی ہے، ادا کیے جائین،

تمام کتاب کا یہی انداز ہے اور اس خصوصیت کے لحاظ سے فارسی زبان کی کوئی مثنوی
سکا مقابلہ نہین کر سکتی،

مثلاً ایک قصہ لکھا ہی کہ حسن ایک سُنار تھا، اسکو بادشاہ نے ایک جرم کی بنا پر یہ
زادی کہ ایک اونچی لاٹ پر چڑھوا دیا، حسن کی بیوی لاٹ کے پاس گئی، حسن نے لاٹ پر
سے کہا کہ بازار سے ریشم اور قند لا، جب وہ لائی تو کہا کہ ریشم کے تار کے سرے پر قند چپکا کر
سی چیونٹی کے منھ مین جو لاٹ پر چڑھ رہی ہو دیدے، اور خود جلد جلد تار کی گولی کھولتی
جاے، چیونٹی تار کو لیے ہوے اوپر چڑھتی چلی گئی، حسن کے قریب پہونچی تو حسن نے تار
لیکر اس سے رسی بٹی، اور پھر ایک خاص تدبیر سے اُسی کے سہارے نیچے اترا، تمام
قصہ بہت لمبا ہے ابتدا کے چند شعر ہم نقل کرتے ہین،

چون نگہ کرد خواجہ از بالا | کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز گفت بر سر تار | پارۀ قند کن بزودے یار
وہ بہ مورے کہ می رود بر میل | تا بہ بالاش می رود تعجیل
رشتہ راز ود زود می کن باز | کز نشیب آورد بہ سوے فراز
ہمچنان کرد زن کہ او فرمود | داد رشتہ بہ مور و مور ربود
راند بالاے میل تا رکشان | رسن فتنہ بر حصار کشان
چون بہ نزدیک رخنہ رفت بزور | ریسمان را ربود خواجہ ز دور

قصائد | قصیدہ مین ان کا کوئی خاص انداز نہین ہی، کمال اسمٰعیل، خاقانی اور انوری کی تقلید کرتے ہین اور جسکے جواب مین قصیدہ کہتے ہین، اسکا تتبع کرتے ہین، خاقانی کا مشہور قصیدہ ہی،

مجلس دو آتش دادہ، بر این از شجروان از حجر | این کرد منقل را مقروان جام را جا داشتہ

اسکے جواب مین بہت بڑا قصیدہ لکھا ہی، وہی انداز، وہی ترکیبین، وہی استعارے ہین اور چونکہ خاقانی کا مقابلہ ہی اس لیے ۷۰ شعر کہکر دم لیا ہی، اس مین بھی واقعہ نگاری کا خاص انداز قائم ہی، عید کا بیان کیا ہی، اور عید کا پورا سمان دکھایا ہے،

ہر سو جوانان نو سلب (لباس) ہر سو عروسان در قصب | طفلان نہ خفتہ از طرب دیدہ بہ فردا داشتہ
از شیر و خرما مرد و زن در شیر خواری آن تن | چون شیر خواران در دہن پستان خرما داشتہ
خورشید چون سر بر زدہ ہر کس براہے در شدہ | این رو بہ سوی کدۂ او رو بہ مصلا داشتہ
فاسق کہ می نا خوردہ گہ، در عیدگہ بیہودہ رہ | سر بر زبا سجدہ گہ، دل سوی صہبا داشتہ

زاروی معلول است می بل جان مملول است مے | خورشید منخول است می در طاس بیناد اشتہ

ان کے قصائد مین مدحیہ مضامین ہمیشہ بدمزہ اور پھیکے ہوتے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ
رح دل سے اُن کو پسند نہین، صرف معاش کی ضرورت سے یہ ذلت گوارا کرتے ہین، اسلیے
صیدہ مین اور اور مضامین کو لیتے ہین اور ان مین زور طبع دکھاتے ہین، مثلاً بہار کا سمان،
رسات کی رُت، صبح و شام کی کیفیت، ایک قصیدہ مین برسات کے آغاز سے تمہید شروع
ی ہے اور صرف مطلع مین سب کچھ کہہ دیا ہے۔

ابر بارید و ہمہ روی زمین اتر کرد | خبر آرید کہ سبزہ چہ قدر سر بر کرد
سپیدہ دم کہ صبا گشت بوستان فرمود | بساط خاک زدیبا و پرنیان فرمود
چو روی نازک گل تاب آفتاب نداشت | زمانہ بر سرش از ابر، سایہ بان فرمود
لالہ خواست چمن ساغر و سبک بخشید | زابر خواست زمین شربت و رَوان فرمود
ہر آنچہ در ورق خویش، غنچہ مشکل داشت | بنفشہ گوش نہاد و صبا بیان فرمود

صبح کا سمان،

سپیدہ دم کہ فلک روشنی بہ گیہان داد | نسیم غالیہ در دامن گلستان داد
چو چرخ پیر بہ رخ زسپیدی و سُرخی | بدستش آئینہ داد آفتاب و خندان داد
درست مغربی آفتاب را کہ فلک | نہاد زیر زمین بامداد تابان داد
ستارہ را ز چہ شد دیدہ خیرہ از خورشید | چو شب ز حقہ میناش سُرمہ چندان داد
سلام باد صبا ام کہ بامداد و پگاہ | صلای عیش بہ عشرت سرای مستان داد

لہ روان فرمودن، فوراً حاضر کرنا،

باغ، نوبہارست و چمن جلوہ چو حورا کردہ | ابر ہا ریختنی لولو لالا کردہ
گرہ طرہ سنبل کہ صبا باز شدہ | دامن لالہ پر از عنبر سارا کردہ
برگل و لالہ خیابان میرود آنکہ قمری | پاے آلودہ بخون پائچہ بالا کردہ
عاشقان رفتہ بہ گلزار و دل سوختہ را | بہ تکلف ز گل و لالہ شکیبا کردہ
نوبہار امسال مارا روزہ فرماید ہمے | گل چنان تر دامن از مے لب نیالاید ہمے
بر دہان غنچہ گہ گرمی زند بوسہ نسیم | کان شکر لب جز بہ بوسہ روزہ نکشاید ہمے
باد در کہسار جام لالہ را بر سنگ زد | گل بہ خندہ گفت آری این چنین باید ہمے
نرگس رعنا قدح بردست و چشم اندر ہوا | گوئیا میخوارہ ماہ عید را پاید ہمے

برسات | گویا شراب خوار ماہ عید کو ڈہونڈھتا ہے

ہوای خرم است و ہر طرف باران ہمی بارد | نگویم قطرہ کز بالا گل و ریحان ہمی بارد
نگون سر شاخہای سبز گوئی در ہمی چینند | زبس کابر در افشان لولوی غلطان ہمی بارد

یعنی شاخین جو جھکی ہوئی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ بادل نے جو زمین پر موتی برساے ہین یہ ان کے رولنے کو جھکی ہین،

چکان قطرہ ز سرہاے انار تر تو پنداری | کہ ہر دانہ کہ بودہ است اندرو پنہان ہمی بارد
خوش آن وقتے کہ مطرب در سماع نیکوان سرخوش | خرامان درمیان سبزہ دبالان ہمی بارد

بعض قصائد سرتاپا موعظت و اخلاق مین ہین، ان مین بحر الابرار جو بڑا اسیر حاصل قصیدہ ہی مشہور ہی، التزام کیا ہی کہ ہر شعر مین دعوی اور اسکے ساتھ دلیل ہو،

س شہ خالی و بانگ غلغلش در دسر است | ہر کہ قانع شد بہ خشک و ترشہ بحر و بر است
شقے رنج است مردان را لیکن راحت است | سلسلہ بند است شیران را بہ گردن زیور است

ی عاشقی مین گو تکلیف ہی لیکن مردون کو وہی آرام وہ ہی، جس طرح شیر زنجیر مین بندہا ہوتا ہی
د یہی زنجیر اسکا زیور ہے۔

د پنہان در گلیمے بادشاہ عالم است | تیغ خفتہ در نیامے پاسبان کشور است
ہر و چون در ریا کو شد مرید شہوت است | بیوہ زن چون رخ بیارا ید بہ بند شوہر است
س خاک تست ہر کہ نور بالا بر تو تافت | سایہ زیر پا شود ہر گہ کہ بر تاک خور است
راین جا کن کہ تشویش است در محشر بسے | آب زین جا بر کہ در دریا بسے شور و شر است
س و کس ہر کہ حرص مال دارد دوزخی است | عود و سرگین ہر چہ در آتش فتد خاکستر است
ے برادر با در د ہر از خورد خونت مرنج | چون ترا خون برادر بہ ز شیر مادر است
ہر خاکے را نمونہ می کند کین مردم است | بحر آبے را غلولہ می کند کین گوہر است

اہل سخن کے نزدیک قصیدہ مین شاعر کی جدت طبع کا اندازہ مخلص یعنی گریز سے ہوتا ہی
س معیار کے لحاظ سے امیر خسرو اپنے تمام ہمعصرون سے ممتاز نظر آتے ہین، انکے مخالص
ی چند مثالین ذیل مین ہین،
رسات کے ذکر کے بعد،

آمد ابر در بخشش و گرزان پایہ در غلط | نگیرد ہیچ کس نقش مگر شاہ جہانگیر و
ار کی تمہید کے بعد

گل ار کم عمر شد گو باش دانی | کہ در خور کیست عمر جاودان را
نہال باغ شاہی رکن حق آنکہ | ز بزم اوست رونق بوستان را
کشادہ چہرہ کہ ماہے شدم بروے زمین | در ملک بنمودم کہ آسمان این است

طلوع صبح کا بیان کرکے،

صبح را گفتم کہ خورشید کجاست | آسمان روے ملک جہجو نمود
ندارد روی آن نازک گرا ہیچ آسیبے | مگر در سایۂ رایات شاہ کامگار آمد

طلوع آفتاب کے بیان کے بعد۔

خورشید جہانگیر مپندار کہ در بزم | شمشیر کشیدہ ملک المشرق بر آمد

قصائد مین امیر نے جس قدر جدید مضامین لطیف استعارات نئی نئی تشبیہین گوناگون اسلوب پیدا کیے اسکا احاطہ نہین ہوسکتا ہم اس موقع پر صرف بہاریہ تمہید کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتے ہین کہ بہار شعرا کا پامال میدان ہے، لیکن امیر اس مین بھی سب سے الگ ہین۔

بوستان شگفت روی لالہ خندان گشت باز | بر رخ گل طرۂ سنبل پریشان گشت باز
سبزہ خطے چند بہر خواندن بلبل نوشت | بلبل آنکہ از خط خوبان غزل خوان گشت باز
خون لالہ گوئیا خواہد چکید از تیغ کوہ | یا چکید آن خون کہ کوہ آلودہ دامان گشت باز

زل، اوپر پڑھ آئے ہو کہ غزل قدما کے زمانہ تک کوئی مستقل چیز نتھی سعدی نے غزل کو
زل بنا دیا، امیر خسرو کی غزل گوئی پر تقریظ کرنی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہو کہ وہی خمخانۂ سعدی
ی شراب ہی جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہی،

غزل کی جان کیا ہی؟ درد، سوز و گداز، جذبات، معاملات عشق، عجز و نیاز، اسکے
ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ جذبات و معاملات جس زبان مین ادا کیے جائین وہی زبان ہو جسمین
عاشق معشوق سے راز و نیاز کی باتین کرتا ہے، یعنی سادہ ہو، بے تکلف ہو، نرم ہو، لطیف
ہو، نیاز آمیز ہو، اسکے لیے یہ بھی ضرور ہی کہ چھوٹی چھوٹی بحرین ہون، جملون کی ترکیبون
مین نام کو بھی الجھاؤ نہ ہو، قریب الفہم خیالات ہون، اس حد تک امیر خسرو شیخ سعدی کے
دوش بدوش ہین، لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہین، انھون نے غزل کی اصلیت کے علاوہ
کمال شاعری کی بہت سی چیزین اضافہ کین، اور ایجادات و اختراعات کے چمن کھلا دیے
جسکا اجمال تھا، تفصیل ذیل مین ہی،

بحرون کی موزونی | وہ اکثر شگفتہ اور چھوٹی بحرین اختیار کرتے ہین جن مین خواہ مخواہ بات
کو صفائی، سادگی، اور اختصار سے ادا کرنا پڑتا ہے، مثلاً،

سرے دارم کہ سامان نیست اورا | بہ دل دردے، کہ درمان نیست اورا
فرامش کرد عمرم رو زرا زانکہ | شبے دارم کہ پایان نیست اورا
بہ راہ انتظارم ہست چشمے | کہ خوابے ہم پریشان نیست اورا
یار من دل ز دوستان بر داشت | مہر دیرینہ از میان بر داشت

دردل او نہ کرد کار ارچہ — سنگ از نالہ ام فغان برداشت
دی بہ تندی بلند کرد ابرو — از پئے کشتنم کمان برداشت

آن دوست کہ بود برگران شد — وان صبر کہ داشتم نہان شد
گفتم کہ اسیر گردی اے دل — دیدی کہ بہ عاقبت ہمان شد
دل بردگرے نہم ولیکن — عاشق بہ ستم نمی توان شد
بہ جبر

عاشقے راچو نامہ باز کنید — نام من بر سرش طراز کنید
گر شما دین عاشقان دارید — بعد ازین پیش بت نماز کنید
گاہ مُردن، شنیدہ ام محمود — گفت رویم سوے ایاز کنید

داد من آن بُت طراز نہ داد — پاسخے نیز دل نواز نہ داد
خواب مارا بہ لبت و باز نہ کرد — دل مارا بہ بُرد و باز نہ داد
تو چہ دانی نیازمندی چیست — چون خدایت بہ کس نیاز نہ داد

سوز وگداز سوز وگداز کے خیالات جب وہ ادا کرتے ہین تو معلوم ہوتاہے کہ آگ سے دہوان اُٹھ رہاہی، اسمین کبھی معشوق سے اپنا حال کہتے ہین، کبھی اپنی تصویر کھینچتے ہین کبھی خود اپنے آپ پر ان کو رحم آتاہی،

ماجرائے دوست پرسیدی کہ چون بگذشت حال — ای سرت گردم چہ می پرسی بدشواری گذشت

اکثر ایسا ہوتاہی کہ عاشق معشوق سے اپنی سرگذشت جب بیان کرتاہے تو تھوڑا سا کہکر اسکو رونا آتاہی، ٹھہر جاتاہی، رو لیتاہے، پھر آگے بڑھتاہی، اسکی تصویر کھینچتے ہین،

خسرواست وشب افسانہ ویاروہر بار　　قدرے گرید دپس بر سر افسانہ رود

زانوش خسرو بزیر سر نیافت　　سر نہادہ بر سر زانو بخفت

اے آشنا کہ گریہ کنان پند می دہی　　آب از برون مریز کہ آتش بجان گرفت

کبھی کبھی عاشق کا دل کہتا ہی کہ صبر سے کام لینا چاہیے، پھر دل پر غصہ آتا ہی اور کہتا ہی کہ کمبخت جو بات ہو نہین سکتی اسکے کہنے سے کیا فائدہ، اس معاملہ کو باندھتے ہین۔

غصہ ام می کشد اے دل سخن صبر مگوے　　دہ چرا گوئی ازان کار کہ نتوانی کرد

حسد می بری ای دشمن ابہ عقل و دانش خسرو　　بیا تا بر مراد خاطر خود بینی اکنونش

رنج اور غم کی اس سے بڑھکر عبرت انگیز تصویر نہین کھینچی جا سکتی، عاشق جسکا فضل و کمال اور عقل و سمجھ عموماً مسلم ہی، عاشق ہو کر تمام اوصاف کو کھو چکا ہے، وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہی تو خیال آتا ہے کہ دشمنون کی امید بر آئی، اسکو کس مؤثر طریقہ سے ادا کیا ہے،

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز　　دردہا دادی و در مانی ہنوز

گفتی اندر خواب گہ گردی خود بنمائیست　　این سخن بیگانہ را گو، کاشنا را خواب نیست

غمز کا تو بر دل سلطان زند　　ور نہ رنجی بر دل درویش ہم

یعنی تیرا غمزہ بادشاہون کے دل پر حملہ کرتا ہے، اور برا نہ مان تو فقیرون پر بھی، "ور نہ رنجی" سے کسقدر عاشقانہ خضوع ظاہر ہوتا ہے

کشتم از تیغ جفا لیش خویش را　　بر تو آسان کردم و بر خویش ہم

من کجا خسپم کہ از فریاد من … شب نمی خسپد کسے در کوی تو

صبر طلب می کنند از دل عاشق … ہیچ خراجے کہ بر خراب نویسند

یعنی معشوق، عاشق کے دل سے صبر چاہتے ہین، یہ ایسی بات ہی کہ بنجر زمین پر محصول لگایا جاے،

ای دیدہ چہ ریزی ز برون آب … کین شعلہ بہ جان گرفت ما را

ای خواب ابرو کہ باز امشب … سودای فلان گرفت ما را

ای عشق کار تو بہ چو من ناکسے فتاد … گویا کسے نماند جہان خراب را

دل ندارم غم جانان بچہ بتوانم خورد … پیش ازین گرچہ غمے بود دلے ہم بودہ است

کس چہ داند کہ چہ رفت از غم تو دوش بہ من … از شب تیرہ، خبر پرس کہ محرم بودہ است

بیا بر دوستان جانان قضا کن … ہر آن تیرے کہ بر دشمن خطا شد

دل باز سوی آن بت بدخو چہ میرود … آن خو گرفتہ باز دران کوچہ میرود

جان میرود ز تن چو گرہ می زند بہ نف … مردن مرا است از گرہ او چہ میرود

گر ببینی دل ویران مرا … گوئیا ہیچ گہ آباد نبود

کافرے رخت دلم غارت کرد … شہر اسلام و مرا داد نہ بود
میرا انصاف نہ کیا گیا

کرشمہ چند کنی بر من آخر این جان است … نمی دہد ز زمین و صبا نمی آرد

اس مضمون پر تین سو برس کے بعد اہلی نے یون دست درازی کی،

کرشمہ چند کنی با من آخر این جان است … نمی دہد ز زمین تر آسمان نمی بارد

بہ بسم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم　　پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

جدت اسلوب | غزل کی ترقی کا نور دز، لطف ادا اور جدّت اسلوب ہی جسکے موجد شیخ سعدی ہین لیکن پھر وہ نقش اولین تھا، امیر کی بوقلمون طبیعت نے جدت اسلوب کے سیکڑون نئے نئے پیرایے پیدا کر دیے، جو اگلون کے خواب وخیال مین بھی نہ آئے تھے مثلاً یہ مضمون کہ معشوق ظلم وستم کرنے کے ساتھ ہی محبوب ہے، یون ادا کرتے ہین،

جان زتن بردی و در جانی ہنوز　　دردہا دادی و درمانی ہنوز

مثلاً معشوق کی گران قدری کو اس پیرایے مین ادا کرتے ہین۔

ہردو عالم قیمت خود گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

معشوق کی آنکھ کو سب مخمور اور مے آلود باندھتے تھے، اسی مضمون کو دیکھو امیر نے کس انداز سے کہا ہے،

مے حاجت نیست مستیم را　　در چشم تو تا خمار باشد

معشوق کا عاشقون کے رنج وغم سے بے خبر ہونا، عام مضمون ہی اسکو کس لطف سے ادا کیا ہے۔

گل چہ داند کہ درد بلبل چیست　　او ہمین کار رنگ وبود اند

معشوق معشوقانہ اداؤن کو چھوڑنا چاہتا ہے، اسکو یون باز رکھتے ہین،

ہنوز ایمان و دل بسیار غارت کردنی دارد　　مسلمانی میاموز آن دو چشم نا مسلمان را

رخصت کے وقت معشوق کو ٹھہراتے ہین کہ میرے آنسو تھم جائین تو جانا،

می روی و گریہ مے آید مرا | ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

لطف اور قہر کی نگاہ کی تاثیر کا فرق،

گفتم چگونہ می کشی و زندہ می کنی | از یک نگاہ کشت و بہ نگاہ دگر نہ کرد

سعدی کا شعر ہے۔

دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم | باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

یہ مضمون اگرچہ نیچرل ہونے کی حیثیت سے اسقدر اعلیٰ درجہ کا تھا کہ اسپر ترقی نہین ہو سکتی تھی لیکن امیر نے ایک درجہ دیدہ اسلوب پیدا کیا،

جراحت جگر خستگان چہ می پرسی | ز غمزہ پرس کہ این شوخی از کجا آموخت

غالب نے اسی خیال کو اور زیادہ بدیع اور شوخ کر دیا ہے،

نظر کہین نہ لگے اُن کے دست و بازو کو | یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

معشوق کی آمد کی دلفریبی کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین،

بتے و آفت تقویٰ و آخر این نمیدانی | کہ در شہر مسلمانان نباید این چنین آمد

اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ معشوق کے آنے سے لوگون کے زہد و تقویٰ مین فرق آتا ہے، بجاے اس کے خود معشوق سے خطاب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مسلمانون کے شہر مین یون نہین آیا کرتے، گویا معشوق کا فتنہ انگیز ہونا اسقدر حد سے بڑھ گیا ہے کہ اپنی حالت کا خیال نہین، بلکہ یہ فکر ہے کہ اسلام کی حالت خراب نہ ہو جاے،

معشوق کی زیادتی لطف کو اس انداز سے بیان کرتے ہین،

ما بہ بوی مست و ساقی پُر دہد پیمانہ را
جان ز نظارہ خراب ناز او ز اندازہ بیش

وحشی یزدی نے اسی خیال سے ایک اور لطیف خیال پیدا کیا۔

شراب لطف پُر در جام میریزی و می ترسم
کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

اکثر جگہ، صرف لفظون کی الٹ پلٹ سے عجیب لطیف بات پیدا کر دیتے ہین،

چشم بد دور از چنان روئے
کہ از و چشم دور نتوان کرد

مردمان در من دہیوشی من حیرانند
من در آن کس کہ ترا بیند و حیران نشود

گفتیم نا خوشس چرائی خسرو!
چون کنم؟ آن قد و آن بالا خوش است

گفتم کہ ہمین ترا غلامم
گر ہست گناہ من ہمین است

دہنت ذرّہ کم از ذرہ است
رخ ز خورشید ذرّہ کم نیست

ایہام یعنی ذو معنین الفاظ سے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہین۔

زبان شوخ من تُرکی و من ترکی نمیدانم
چہ خوش بودی اگر بودی زبانش در دہان من

بیش از ین بر خودم یقینے بود
کہ دلم ہیچ دلستان نبرد

ق

تو بہ بُردی ہمہ یقین مرا
بہ طریقے کہ کس گمان نبرد

دی روی تو دیدم و نہ مُردم
شرمندہ بماندہ ام ز رویت

دیگر سر آن نیست کہ من زہد فروشم
ساقی قدحے بادہ کہ بر روی تو نوشم

اکثر جگہ جملہ معترضہ یا شرطیہ جملہ سے عجیب عجیب لطیفے پیدا کرتے ہین اور یہ اُنکا خاص

مذاق ہی:

بروئے باد ابوسے زن برآن پائے	دگر چیزے نگوید بر دہان ہم
غمزۂ تو برصف سلطان زند	ورنہ رنجی بردل درویش ہم
رشکم آید کہ برم پیش تونام دگران	وگرانصاف بود پیش تو ہم نتوان گفت
کشتم از تیغ جفایت خویش را	برتو آسان کردم و برخویش ہم
غمے دارم کہ باداز دوستان دور	بحق دوستی کز دشمنان ہم

واقعہ گوئی اور معاملہ بندی | مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین[1]،

مخفی نماند کہ ہنگامہ آرائے سخن طرازی شیخ سعدی شیرازی کہ مروج طرز غزل است خال خال وقوع گوئی ہم دارد مثل این بیت،

دل و جانم بتو مشغول و نظر درچپ و راست | تاندانند رقیبان کہ تو منظورمنی

اما ناسخ نقوش مانوی امیر خسرو دہلوی کہ معاصر شیخ سعدی است بانی وقوع گوئی گردید و اساس آن را بلند ساخت،،

عشق وہوسبازی مین جو حالات پیش آتے ہین، انکے ادا کرنے کو وقوع گوئی کہتے ہین اہل لکھنؤ نے اسکا نام معاملہ بندی رکھا ہی، بہر حال اس طرز کے موجد جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے امیر خسرو ہین،

شرف قزوینی، ولی دشت بیاضی، اور وحشی یزدی نے اسکو ترقی کی حد تک پہنچا دیا، آزاد نے وقوع گوئی کی مثال مین امیر خسرو کے یہ اشعار پیش کیے ہین،

[1] صفحہ ۲۵

خوش آن زمان کہ بہ پیش نظر نہفتہ کنم | چو سوی من نگرد او، نظر بگردانم
غلام آن نفسم کامدم چو خانۂ او | بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش
چو رفتم بر درش بسیار، دربان گفت این مسکین | گرفتار است شاید کین طرف بسیاری آید

امیر خسرو کے کلام کی زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ہر قسم کے نازک و لطیف اور شوخی آمیز معاملات ادا کیے ہین،

چند گویند کہ گہ بر دلش می گذری | این حدیثے است کہ بہر دل ما نیز کند

یعنی لوگ کہتے ہین کہ خسرو! تم کو وہ کبھی کبھی یاد کرتا ہے، لیکن یہ بات تو لوگ تسلی دینے کے لیے بھی کہدیا کرتے ہین اسلیے اعتبار کیونکر آئے،

جانا! اگر شبیت دہن بر دہن نہم | خود را بخواب ساز و مگو کین دہان کیست

معشوق سے کہتے ہین کہ اگر مین کبھی رات کو تیرے منھ پر منھ رکھدون تو اپنے آپ کو سوتا بنا لینا، یہ نہ کہنا کہ ارے یہ کس کا منھ ہے،

دل من مست بود غصۂ دوست | گہے ز انجام و گہ ز آغاز می گفت
اندک اندک گہ گہے با یار بودن خوش بود | در پیش گردم بسیار بودن ہم خوش است
تو شبینہ می نمائی بہ برکہ بودی؟ امشب | کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد
مست آن دم کہ شب در کوی خویشم دید و گفت | کیست این؟ گفتند مسکینے گدائی می کند
جان با دفدات آندم کز بعد دو سہ بوسہ | گویم کہ یکے دیگر، گوئی تو کہ نتوانم
وعدہ می خواہم و در بند وفا نیز نیم | غرض آنست کہ بارے بہ تقاضا باشم

روزمرہ اور عام بول چال	عموماً شعراء اور اہل فن اپنے کلام کا رتبہ عام بول چال سے برتر سمجھتے ہین

اسکا یہ نتیجہ ہی کہ ایک جداگانہ زبان پیدا ہو گئی ہے، جسکا نام علمی زبان ہی،

سعدی و نظامی وغیرہ کی بولنے کی زبان اگر قلمبند کی جاتی تو بوستان اور سکندرنامہ کی زبان سے صاف الگ نظر آتی، بلکہ آج اگر اس عہد کی بول چال کی کوئی کتاب ہات آجائے تو ہم کو سمجھنے مین دقت ہو گی، لیکن یہ شاعری کا بہت بڑا نقص ہی، بے شبہہ شاعری اور عام تصنیف مین ایسے بہت سے مضامین اور خیالات ادا کرنے پڑتے ہین جو عام زبان مین ادا نہین ہو سکتے ہین اسلیے انکے لیے علمی الفاظ وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہی لیکن یہ ضرور نہین کہ ضرورت کے علاوہ اور اور موقعون پر بھی یہی مصنوعی زبان استعمال کیجاے خصوصاً غزل کی زبان، روزمرّہ اور عام بول چال ہونی چاہیے، کیونکہ عاشق و معشوق علمی زبان مین باتین نہین کرتے،

قدما مین فرخی اور متوسطین مین سعدی اور امیر خسرو نے خاص اسکا خیال رکھا کہ روزمرّہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت دیجاے، سعدی اور خسرو کے کلام مین جو روانی، شستگی اور صفائی پائی جاتی ہی اسکا ایک بڑا گر یہی ہے،

امیر خسرو کی غزلین اکثر اُس زبان مین ہوتی ہین کہ گویا دو آدمی آپس مین بیٹھکر بالکل بے تکلف سیدھی سادی باتین کر رہے ہین، اس مین کہین کہین خاص خاص محاورے بھی آجاتے ہین جو آج ہم کو اسلیے کسیقدر نامانوس معلوم ہوتے ہین کہ ہمکو اس زمانہ کے روزمرّہ کے محاورات سے واقفیت نہین،

دل سبے بُردہ ہانکو بشناس — آن کہ مجروح تراز ان من است

ی تم نے بہت سے دل لیے ہین، خوب غور کر کے دیکھو جو بہت زخمی ہو، وہی میرا دل ہے،

صبح روے تو بہ بنیان کہ برآمد امروز — نیست امکان کہ چو من خستہ تا شام کشد[1]

لب دہان رخت ہر یکے بلای دل اند — یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

نی تیرا لب، دہن، اور چہرہ، سب بلا ہین، میرا دل کیا کرے، کدھر کدھر جاے،

گفتم ای دل مرو آنجا کہ گرفتار شوی — عاقبت رفت و ہمان گفتہ من پیش آمد[2]

خلقے براہ منتظر جان سپردن اند — ای ترک نیم مست عنان را کشیدہ تر
ذرا باگ کو روکے ہوے،

بوسہ گفت و زبان گردانید — خود ہمے گوید و ہمے گرداند

بوسہ دینے کو کہا اور پلٹ گیا، آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی پلٹ جاتا ہے

بوے خوشم آید از تو در جیب — گل داری، یا ہمین است بویت

تیرے بدن سے خوشبو آ رہی ہے، تیری جیب مین پھول ہے یا یہ تیری بو ہے

خشک سالی است درین عہد فراقت یک — زان حوالی کہ تو می آئی باران چون است
جدہر سے تم آتے ہو ادہر بارش کیسی ہے

ای گل دہن تنگت صد تنگ شکر چیزی — گل با تو نمی ماند در حسن مگر چیزے
ذرا سا

گوئم غم دردم بین گوئی کہ بتر خواہم — بسم اللہ اگر خواہی زین ہر دو بتر چیزے

چو سبزہ خویش را خطا تو خواند جای آن باشد — کہ گل از خندہ بر خاک افتد و غنچہ شکم گیرد

نی سبزہ جب تیرے خط کی برابری کرے تو یہ زیبا ہے کہ پھول ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ
جائے اور غنچہ کے پیٹ مین بل پڑ جائین،

[1] تا شام کشد یعنی شام تک زندہ رہ جاے، [2] یعنی وہی میرا کہا سامنے آیا،

دلم می خواستی برہم عفاک اللہ چنان دیدی — مرا می خواستی رسوا الحمد اللہ کہ آن ہم شد

اے صیادی کہ فلانے بہ چمن مے می خورد — ہیچ یاد من گم گشتۂ زندانے کرد

از کجا آمدی اے باد کہ دیوانہ شدم — بوی گل نیست کہ می آیدم این بوی کسی است

دل من دور نہ رفت است نکو مے دانم — باز جوئید ہمین جای کہ در کوی کسی است

مشتبہ می شودم قبلہ ز رویت چہ کنم — کہ ز ابروے تو چشم بدو محراب افتاد

تیرا چہرہ دیکھکر مجکو قبلہ مین دہوکا سا ہوتا ہے کیونکہ مجکو تیرے ابروسے دو محراب نظر آتی ہین

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبین — زین ذوق مست و بیخبرم کان سخن چہ بود

سب کو منھ دکھلایا اور مجھ سے کہا کر تو نہ دیکھ مین اس مزہ مین مدہوش ہون کہ یہ کیا بات کہی

ساکنان سر کوے تو نباشند بہ ہوش — کان زمین است کہ آنجا ہمہ مجنون خیزد

ز چشمت کاروان صبر من تاراج کافر شد — مسلمانان کسے دیدہ است کاندر شہر رہ افتد

مسلمانون کسی نے شہر مین بھی ڈاکہ پڑتے دیکھا ہے

بہ بازی سوے من آمد بہ شوخی دل ز من بستد — بدو گفتم چہ خواہی کرد گفتا کار می آید

عام محاورہ بکار می آید ہے کار می آید امیر خسرو کے سوا اور کسی کے کلام مین نظر نہین گزرا

حسن تو عالمے بخواہد سوخت — ہم در آغاز می توان دانست

نرخ کردی بہ بوسۂ جانی — بندہ بخرید رائگان دانست

تونے ایک بوسہ کی قیمت جان قرار دی مین نے خریدا اور یہ سمجھا کہ مفت لیا

از بہر آن کہ لاف جمال تو میزند — صد بار لالہ بر دہن یاسمن زدہ است

ماجان فدای خنجر تسلیم کردہ ایم　　خواہی بہ بخش دخواہ بکش رای رای تست

ساقی بیار می کہ چنان سوخت دل ز عشق　　کز سوز این کباب ہمہ خانہ بو گرفت

راست کردی ز ابروان محراب　　می نماید نماز خواہی کرد

ابرون سے تونے محراب درست کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا ارادہ ہے

من آن ترک طناز را می شناسم　　من آن مایۂ ناز را می شناسم

شبم تازہ شد جان بہ دشنام مستی　　تو بودی من آواز را می شناسم

باد صبا چو از رخ او زلف در ربود　　ابر سیہ کشادہ شد و آفتاب کرد
دہوپ نکل آئی

تو حال من ہم از این روی زرد ہجران بر　　کہ من بہ روی تو پیدا نمی توانم کرد

سالہا شد کہ نیابم خبر و در کویت　　دل ویران شدہ را آیم و آواز کنم

من از سر زندہ گردم اگر تو با رایک سخن گوئی　　تو می دانم نگوئی لیک من گفتا ز میگویم

مجھ کو معلوم ہی کہ تم نہ کہو گے لیکن مین بات کہتا ہون

دعوی خون بہای دل خویش می کنم　　یک بوسہ بر لبم زن و بالا کلام کن

امیر نے ایسے بھی بہت سے محاورے باندھے ہین جو اُن کے سوا کسی اور اہل زبان کے
ہان نہین ملتے، مثلاً

از گرہ ادچہ میرود،

آواز کردن، پکارنا

پیدا کردن، ظاہر کرنا،

گفتار میگویم، یون ہی ایک بات کہتا ہون،

ما لا کلام کردن، کسی کو ساکت اور بند کرنا،

اس بات نے بدگمانون کو موقع دیا ہو کہ یہ ہندوستان کی سکونت کا اثر ہی کہ ہندی محاورے اُن کی زبان سے نکلجاتے ہین، ممکن ہو ایسا ہی ہو لیکن چونکہ ہم کو اپنے تتبع اور استقرا پر اعتماد نہین، اسلیے ہم اس بدگمانی مین شریک نہین ہوسکتے،

تسلسل مضامین | غزل کا یہ بڑا عیب تھا کہ کسی مسلسل خیال کو ادا نہین کرتے تھے، قصائد کا موضوع مدح ہے، مثنویان قصے یا اخلاق کے لیے مخصوص ہین، قطعات مین بھی اور اور باتین ہوتی ہین، عشق اور محبت کے معاملات مین تفصیلی حالات بیان کرے ہون تو کیونکر کرین، اسکے لیے صرف مسلسل غزل کام دے سکتی ہو لیکن قدما، بلکہ متاخرین مین بھی اسکا بہت کم رواج ہوا، امیر خسرو نے البتہ اکثر مسلسل غزلین لکھی ہین اور خاص خاص کیفیتونکا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اسکی نظیر نہین ملسکتی،

مثلاً عاشق قاصد یا اپنے رازدار سے معشوق کا حال پوچھتا ہے کہ کہان ہو؟ اور کن لوگون کے ساتھ ہو؟ کیا کرتا ہو؟ میرا بھی کچھ ذکر کرتا ہے کہ نہین وغیرہ وغیرہ، دیکھو کس اشتیاق، کس حسرت، کس انداز سے یہ باتین پوچھتے ہین،

ای صبا باز بمن گوی کہ جانان چون است؟	آن گل تازہ و آن غنچۂ خندان چون است؟
با کہ می می خورد آن ظالم و دردی خوردن	آن رخ پرخوی و آن زلف پریشان چون است؟
چشم بدخوش کہ ہشیار نہ باشد مست است	چشم میگونش کہ دیوانہ کند آن چون است؟

ی وزلف بت عیار کہ آن ہر دو خوش اند — دل دیوانہ من پہلوی ایشان چون است ؟

ز ہا شد کہ دلم رفت و دران زلف بماند — یارب آن یوسف گم گشتہ بزندان چون است ؟

پھتے پوچھتے دفعۃً خیال آتا ہی کہ معشوق کے ذکر مین اپنا تذکرہ خلاف عاشقی ہی، اسلیئے ان
ب باتون کو چھوڑ کر کس محویت سے کہتا ہی،

م بہ جان و سر جانان کہ کم و بیش مگوے — گو ہمین یک سخن راست کہ جانان چون است ؟

ن معشوق کی جان کی قسم ادہر اُدہر کی باتین نہ کہہ، صرف یہ بتا کہ معشوق کس حالت مین ہی؟

معشوق نے روزہ رکھا ہی، اسپر عاشق کے دل مین جو جو خیالات پیدا ہو سکتے ہین
ن کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

ماہ من روزہ میان شکرستان دارد — ای خوش آن روزہ کہ جا در لب جانان دارد

لب مے آلودہ دہان پر شکر نرگس مست — ای مسلمانان! کس روزہ بدینسان دارد

خضر گر بر لبش آید شکند روزہ خویش — کان بسر در تہ لب چشمہ حیوان دارد

خون من می خورد آخر زنش پنہان نیست — من گرفتم کہ خود او روزہ پنہان دارد

جان من گر تو قدم رنجہ کنی، بندہ تو — قدرے آب و چشم، و دل بریان دارد

معشوق سر و سامان کے ساتھ سوار آرہا ہی، عاشق پر حیرت طاری ہوتی ہی کہ کیا آسمان سے
ر اتر آیا ہی؟ یہ خوشبو کیسی پھیل رہی ہی؟ کیا ہوا پھولون مین بس کر آرہی ہی؟ پھر خیال آتا ہی کہ
ن معشوق آتا ہے، لیکن ان دلفریبیون کے ہوتے کس کا ایمان سلامت رہیگا، اسلامی
ی مین یون نہین آنا چاہیے، ان خیالات کو مسلسل ادا کرتے ہین،

کہ می آید ؟ چنین یارب مگر مہ بر زمین آمد | چہ گرد است اینکہ میخیزد کہ باجانِ ہمنشین آمد
کہ می رانند چنیبت را کہ میدان عنبرآگین شد (سواری) | گدا این بادمی جنبد کہ بوے یاسمین آمد
بتی وآفتِ تقوی و آخر این نمیدانی | کہ در شہر مسلمانان نباید این چنین آمد

بہار آئی ہی عاشق باغ مین جاتا ہی مجلس آرائی کے سامان ساتھ ہین، قاصد کو معشوق کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجتا ہے کہ باغ مین عجیب بہار ہی، سبزۂ لب جو اور عالم آب کی سیر قابل دید ہی، قاصد سے یہ بھی کہدیا ہی کہ ادہر اُدہر کی باتون مین ٹالنا چاہے تو نہ ماننا، اور جسطرح ہوسکے ساتھ لانا، اور اگر عالم مستی مین ہو تو اسی طرح مست اُٹھا لانا، ان تمام خیالات کو تفصیل کے ساتھ ایک غزل مین ادا کیا ہے،

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش | وقتے است خوش بہار کہ وقت بہار خوش[1]
در باغ با ترانۂ بلبل درین ہوا | مستی خوش است و بادہ خوش است و بہار خوش
مائیم و مطربے و شرابے و محرمے | جامے بزیر سایۂ شاخ چنار خوش
ای باد کاہلی مکن و سوی دوست رو | ما را بکن بہ آمدن آن نگار خوش
چیزے دگر مگوے، ہمین گو کہ در چمن | سبزہ خوش است و آب خوش و جویبار خوش
گر خوش کند ترا بہ حدیثے کہ باز گرد | پیشش کن و بیار مشو زینہار خوش
در بینیش کہ مست بود خفتنش مدہ | ہم ہمچنانش مست بہ نزد من آر خوش
من مست خوش حریفی اویم کہ آن حریف | سرخوش خوش است و مست خوش و ہوشیار خوش

[1] وقت کسے خوش بودن، دعائیہ جملہ ہے، یعنی خدا اُن کو خوش و خرم رکھے،

ز دران زمان کہ بنش راہ می دہد　　بازی خوش است و بوسہ خوش است و کنار خوش

د پیادہ خوش بود اندر چمن ولیک　　آن سرو من پیادہ خوش است و سوار خوش

بہار مین کیا کیا چاہیے؟ اسکو تفصیل سے لکھتے ہین،

ہنگام گل است بادہ باید　　ساقی و حریف سادہ باید

گر غنچہ گرہ در ابرو افگند　　پیشانی گل کشادہ باید

ساقی برخیز، و یار بنشان　　کین شیشہ و آن ستادہ باید

دانگاہ، حریف سادہ و مست　　در چنگ من اوفتادہ باید

رکا سامان،

بوستان جلوہ در گرفت اینک　　گل ز رخ پردہ در گرفت اینک

آتش لالہ بر فروخت ز باد　　دامنِ کوہ در گرفت اینک

بلبل آمد، نشست بر سرِ گل　　بے نوا بود، زر گرفت اینک

غنچہ در پیش فاختہ ز ہمہ دل　　سبقے تازہ بر گرفت اینک

ورق غنچہ را کہ تر شدہ بود　　ورقش یکدگر گرفت اینک

یعنی غنچہ کے ورق چونکہ نم تھے اسلیے چپک کر رہ گئے،

آب را گرچہ چشم ہا پاک است　　بوستان را بر گرفت اینک

یعنی پانی گو پاک نظر ہی، تاہم اُسنے باغ کو سینہ سے لپٹا لیا،

خار چون تیز کرد پیکان را　　گل بصد تو سپر گرفت اینک

طوطی آغاز شعر خسرو کرد — روی گل در شکر گرفت اینک

جدّت | جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین امیر کا دعویٰ ہے کہ اُنھون نے سیکڑون نئی تشبیہین ایجاد کین اور یہ دعوی بدیہی دعویٰ ہے، انکی ایک غزل بھی نہین ملسکتی جس مین کوئی نہ کوئی جدید تشبیہ نہو، چند مثالین ہم ذیل مین نقل کرتے ہین،

راز خون آلود خویش ای دل منہ با من بزن — کین ورق خام است حرف ازوی برون خواہد گذشت

اے دل اپنا بھید مجھ سے نہ کہہ کیونکہ یہ کاغذ کچا ہے اس مین حرف پھوٹ نکلے گا،

زلف او پہلوی خال لب او — گوئی از شہد مگس می راند

نرود مہ براوج در شب تار — تا زِ زلف تو نردبان نبرد

یعنی چاند اندھیری رات مین بلندی پر نہین چڑھ سکتا، جبتک تیری زلفونکی سیڑھیان نہ لگائے (چہرہ کو چاند اور زلف کو زینہ سے تشبیہ دی ہے)

ہست صحرا چون کف دست و بر از لالہ جام — خوش کف دستی کہ چندین جام صہبا بر گرفت

اس مضمون کو دانش مشہدی نے عجیب لطیف پیرایہ مین بدل دیا ہے،

دیدہ ام شاخ گلے برخویش می پیچم کہ کاش — می توانستم بیکدست این قدر ساغر گرفت

یعنی مین نے ایک ڈالی پھولون سے بھری دیکھی، اور تڑپ گیا کہ کاش مین ایک ہات مین اتنے ہی پیالے، لے سکتا،

غلام نرگس مستم کہ بامداد و پگاہ — قدح بدست گرفتہ ز خواب برخیزد

گلستان نسیم سحر یافتہ است — صبا غنچہ را خفتہ دریافتہ است

چنان خواب دیدہ است نرگس بخواب　　　که گویا یکے جام زر یافتہ است

نرگس کے پھول مین جو زرد کٹوری ہوتی ہی، اسکو جام زر سے تشبیہ دیتے ہین اور یہ تشبیہ
م تھی، لیکن اس اسلوب بیان نے کہ نرگس نے خواب مین دیکھا کہ اسکو جام زر ہات آگیا ہی
ب خاص لطف پیدا کر دیا، اور چونکہ نرگس کو مخمور اور خواب آلود باندھتے ہین اسلیے خواب
ھنے کی توجیہ واقعیت کا پہلو رکھتی ہے،

میروی وگریہ مے آید مرا　　　ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

سو کی جھڑی کو سب بارش سے تشبیہ دیتے آئے ہین، لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ
وق سے کہتے ہین کہ تیرے جانے کیوقت مجھکو رونا آتا ہی، اتنا ٹہر جا کہ بارش تھم جاے،
ین مزید لطف یہ ہی کہ معشوق کا جانا ہی اس بارش کی علت ہی اسلیے وہ جانا چاہیگا تو بارش
ی، اور اسلیے وہ کبھی نہ جا سکیگا،

ی میان شیشۂ ساقی نگر　　　آتشے گویا بہ آب آلودہ اند

ابر آمد و بہ ساغر لالہ شراب کرد　　　در گوش ہای باغ بسے در ناب کرد

فراش باغ بارگہ خود بہ باغ زد　　　وانگہ برآب خرگہ سیم از حباب کرد

نرگس کہ شب خفت ز فریاد بلبلان　　　بنہاد سر بہ بالش گل میل خواب کرد

ن آفرینی | خیال بندی اور مضمون آفرینی کا موجد کمال اسمٰعیل خیال کیا جاتا ہی لیکن کمال کی
قصائد کے ساتھ مخصوص ہی، غزل مین اسنے اس رنگ کی مطلق آمیزش نہین کی ہی، غزل
گی نئے مضامین اور نئے نئے اسلوب پیدا کرنے امیر خسرو کا ایجاد ہے، اور انہین پر خاتمہ

بھی ہو گیا، متاخرین کی مضمون آفرینیان گو حد سے بڑھ گئین لیکن اسکا دوسرا انداز ہی، وہ اور سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آگے چل کر اس کی حقیقت کھُلے گی،

امیر خسرو کی مضمون آفرینیان مختلف قسم کی ہین، مثالون سے اندازہ ہوگا

بخانۂ تو ہمہ روز بامداد بود — کہ آفتاب نیارد شدن بلند آنجا

تیرے گھر مین ہمیشہ صبح رہتی ہے کیونکہ وہان آفتاب اونچا نہین ہوسکتا

زلف تو سیہ چراست مانا — بسیار در آفتاب، گشتہ است

غالباً[۱] — پھرا[۱]

مشتبہ می شودم قبلہ ز رویت چہ کنم — کہ ز ابروی تو چشم بدو محراب افتاد

چشم مست تو کہ دی بر من بیتاب افتاد — تو نیفگندی از آلودگی خواب افتاد

زہر آن چنین تاریک باشد خانۂ چشم — کہ ہرگز آفتاب من درین روزن نمی آید

پیش تو آفتاب نتوان جست — روز روشن چراغ نتوان کرد[۱]

می روی و گریہ می آید مرا — ساعتے بنشین کہ باران بگذرد

دل من بہ زلف و رویت شد اسیر چون نگردد — شب ماہتاب دزدے کہ بہ خانہ در آید

زہے عمر دراز عاشقان گر — شب ہجران حساب عمر گیرند

یعنی اگر شب ہجر کو بھی شامل کرلیا جاے تو عاشقونکی عمر کسقدر بڑی ہوتی ہی،

زلف ازان می برد آن شوخ کہ شبہاے غم — گر شود کوتہ ازان جا بہمہ پیوند کنند

یعنی اپنی زلف وہ اسلیے تراشتا ہی کہ میرے غم کی راتین چھوٹی ہوجائین تو ان مین جوڑ لگاکر بڑہا دے

---

[۱] چراغ کردن، چراغ جلانا،

راہی است برائے بردن دل ابروی تو کز میان کشاد است

یعنی تیرے دونون ابرؤون کے درمیان مین جو فاصلہ ہے اسلیے ہے کہ دل لیجانیکے لیے راستہ رہے

زلفت سرو با شکستہ زان است کز سرو بلند تا فتاد است

شب ز رخ خویش چراغیم کرم کن تا قصۂ اندوہ تو ہم پیش تو خوانم

سی رات کو، اپنے چہرہ کا چراغ عنایت کرو کہ مین اسکی روشنی مین اپنا قصہ تمھارے سامنے پڑھکر سناؤن

خانہ چشم من خراب شدہ است کہ بہ بنیاد خانہ، نم رفتہ است

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ نازکشی مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

شکرین لعل تو کان نمک است گرچہ شکر نہ مکان نمک است

آب روے تو ملاحت افزود گرچہ از آب زیان نمک است

ای ایجان برو و خواہ بمن باش کہ من مردنی نیستم امروز کہ جانان اینجاست

آئینہ کرد، حسن وی از آسمان سوال برخواست آفتاب بہ زانو جواب کرد

یعنی اُسکے حسن نے آسمان سے آئینہ مانگا آفتاب نے ادب سے زانو ٹیک کر کہا کہ حاضر ہے

ابروی تو گر دم گرہش باز کشای کہ کمانست نہ بہ اندازۂ بازوی کسی است

بپند کہ زلف تو سیاہی است جہانگیر زین گونہ پریشان نتوان کرد سپہ را

بہ سایہ خفتہ بدم من کہ یار آمد و گفت چہ خفتۂ کہ رسید آفتاب در سایہ

شاعرانہ اجتماع النقیضین ثابت کرتے ہین اور وہ طبیعت پر استعجاب کا اثر

کرتا ہے،

ع درد ہا دادی ودرمانی ہنوز،

یاد باد آنکہ ہمہ عمر نہ کردی یادم

صنائع | امیر نے اعجاز خسروی مین صنائع بدائع پر اسقدر ہمت صرف کی کہ ہمکو بڑا ڈر تھا کہ جو جال انہون نے بچھایا اُس مین خود بھی پھنس نہ جائین، لیکن یہ عجیب حسن اتفاق ہو کہ جن جن لوگون نے صنائع و بدائع کو فن بنایا اور اُسپر مستقل کتابین لکھین، مثلاً فرخی و ابن المعتز وغیرہ وہ خود اس بدعت سے محفوظ رہے۔

امیر خسرو، اورون کی بہ نسبت کسی قدر آلودہ ہین، تاہم ان کے صنائع بہت سے بے تکلف بھی ہوتے ہین اور اس حد تک نہین پہونچتے کہ نکتہ گیری کی زد مین آئین، صنعت طباق یعنی اضداد اُنکی خاص مرغوب چیز ہے اور وہ اسکو بڑی خوبی سے نباہتے ہین،

ع درد ہا دادی ودر مانی ہنوز،

زبند دو جہان آزاد گردم | اگر تو ہمنشین بندہ باشی
من درویش را کشتی بہ غمزہ | کرم کردی الٰہی زندہ باشی
گفتیم ناخوش چرائی خسروا | چون کنم؟ آن شکل و ان بالا خوش است
بندہ را در غم تو نیست خبر | ہمہ یاران بندہ را خبر است
خرد سالے بہ من کند بیداد | اے بزرگان شہر داد دہید

عربیت | اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ امیر کو عربی علم ادب مین کمال تھا، اور اس فن کی نادر کتابین انکے حافظہ مین مخزون تھین، تاہم ان کو اس فن مین دعویٰ نہین، غرۃ الکمال

دیباچہ مین عربی کے چند اشعار لکھے ہین، جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ باوجود
اف عجز کے ان کو اس زبان پر کس قدر قدرت ہے، اشعار یہ ہین،

ذاب الفواد وسال من عینی الدم | وحکی الدوامع کل ما انا اکتم

دل گھل گیا، اور آنکھ سے خون، بہا اور آنسوؤن نے وہ سب کہدیا جو مین چھپاتا تھا

واذا ابحت لذی الوری اکرب النوی | تبکی الاحبة والاعادی ترحم

جب مین لوگون کے سامنے، فراق کی تکلیف بیان کرتا ہون تو دوست روتے ہین، اور دشمنون کو رحم آتا ہے

یاعاذل العشاق، دعنی باکیا | ان السکوت علی المحب، محرم

او ناصح! تو مجھے رونے دے چپ رہنا، عاشق پر حرام ہے

من بات مثلی فصوید رخلیلتی | طول اللیالی کیف بات متیم

جو شخص میری طرح رات گذارے وہ البتہ سمجھ سکتا ہے کہ عاشقون کی رات کس طرح گذرتی ہے

اعجاز خسروی مین، عربی زبان مین خطوط لکھے ہین، جن سے ان کی عربیت کا اندازہ
سکتا ہے، اگرچہ ان مین قافیہ بندی اور لغو تکلفات ہین، لیکن یہ اُس زمانہ کا عام انداز تھا، تنہا
ن پر الزام نہین آسکتا،

وان انا الا من غزیة، ان غوت | غویت وان ترشد غزیة ارشد

ن بہرحال قبیلہ غزیہ کا آدمی ہون، غزیہ گمراہ ہو تو مین بھی گمراہ ہون، اور وہ ٹھیک راستہ پر ہو تو مین بھی ہون،

ائع وبدائع | امیر خسرو نے صنائع وبدائع مین جو زورآوریان صرف کین، اگرچہ وہ کندن اور
برآوردن ہین، لیکن اس لحاظ سے کہ انکی محنت بالکل رائگان نہ جانے پائے، ان کا اجمالی تذکرہ

کرنا ضرور ہے،

ان مین بہت سی صنعتین وہ ہین جو عربی مین موجود تھین، لیکن فارسی مین اُنکا ادا کرنا اسلیے مشکل تھا کہ فارسی زبان کی کم وسعتی اس کی متحمل نہین ہوسکتی، مثلاً صنعت منقوطہ یعنے عبارت مین ایسے الفاظ لانا جنکا ایک ایک حرف نقطہ دار ہوا امیر نے اس قسم کی صنائع مین صفحے کے صفحے لکھی ہین، بعض فارسی مین تھین، لیکن ایک آدہ سطر سے زیادہ کوئی شخص لکھ نہ سکا امیر خسرو نے ورق کے ورق لکھے. بعض صنائع مین انہون نے تصرفات کیے، اور بعض بالکل خاص انکے ایجاد ہین، چنانچہ ہم انہی کو مختصر طور پر لکھتے ہین،

دو رُو، یعنی ایسی عبارت لکھنی کہ نقطون کے ردوبدل سے دو مختلف زبانون مین پڑھی جاسکے اور بامعنی ہو، امیر نے اس صنعت مین کئی صفحے لکھے ہین، لیکن کاتبون کی غلط نویسی سے ان کا صحیح پڑھنا ناممکن ہے، اسلیے صرف ایک آدھ سطر پر اکتفا کرتا ہون۔

رسیدی بدیدی مرا، دی بہ خانے　　　زمانے بباشی، بہ یاری بشا لی

کل [۱۲] مکان [۱۲]

اس شعر کو اگر فارسی مین پڑہین تو اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے،

کل تو آیا اور تو نے مجکو ایک مکان مین دیکھا، ایک ذرا ٹھہر جا تو دوستی کرنیکے قابل ہے،

لیکن اگر اسی کو عربی مین پڑہین تو یون پڑھ سکتے ہین،

رشیدی، انا بدی، مرادی، نجاتی　　　رمانی بیاس، تبادی نسائی

تو میرا ہدایت یافتہ ہے، بے نظیر ہے، میری مراد ہے، میری نجات ہے، مجکو اس بات نے نا امید کیا ہے کہ میری عورتین باہم لڑتی ہین،

لب اللسانین، بہت سے اشعار لکھے ہین کہ فارسی مین ہین، لیکن اگر اُن کو اُلٹ کر پڑہین تو
ر.بی عبارت بن جائے، مثلاً،

بسی با کامرانی در جہان باش،
می باش بہ کار شادمانی،
بای یار ما کہ کار می کنسیم ہم
دوست ما یار منی بہ یاری ما آئی،
بکن داد و بکشور کامران باش

ان تمام مصرعون کو اُلٹ کر پڑہین تو عربی عبارت بن جاتی ہے،

صل الحرفین، یہ وہ صنعت ہے، کہ جس قدر الفاظ عبارت مین آئین، ان ہین کہین کوئی حرف
لگ نہ آئے، بلکہ دو دو، یا تین تین، حرف کا لفظ ہو، مثلاً۔

چاکر خاصہ، حاجی شرقانی، سرخدمت، بر پایت می مالد، و می گوید، کہ بدین جانب
اطر ما با فرحت قرین می باشد باید کہ گہ گہ جانب ما، نامہ فرماید، تا ہر خوشی کہ براست فرخی
اصل باید،

یہ اُس صنعت کا نقیض ہے، جسکا ہر لفظ الگ الگ حرفون مین لکھا جاتا ہے، مثلاً
در دور رو داد آدرو، در و دار، دارای درارای دوّار، ذات داور دوران را، الخ
امیر نے اس صنعت پر کئی صفحے کی عبارت لکھی ہے،

ادبعۃ الاحرف، اس صنعت پر امیر کو بہت ناز ہے، کئی کئی سطرون کی بامعنی عبارت

لکھی ہی، اور یہ التزام کیا ہو کہ صرف چار حرف یعنی الف، ہ، واو، ے، کے سوا اور کوئی حرف نہ آنے پائے، یعنی تمام الفاظ صرف انہی حرفون سے بنے ہین،

لیکن جو عبارت لکھی ہے، وہ بالکل سہل معلوم ہوتی ہے، اور اُس کا پڑھنا سخت مشکل ہے،

معجزۃ الالسنۃ والشفاہ، اس صنعت پر اور بھی ان کو ناز ہے اس مین ایسے الفاظ جمع کیے ہین کہ سطرین کی سطرین پڑھتے جاؤ لیکن کہین ہونٹون کو جنبش نہین ہو گی صرف حلق سے تمام الفاظ نکلین گے،

ترجمۃ اللفظ، یہ صنعت بھی خاص اُن کی ایجاد ہے، اس مین یہ التزام ہے کہ جو لفظ آتا ہے، اُس کے بعد کا لفظ، دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہو جاتا ہے، مثلاً

سودای رخ تو کشت مارا

یہ فارسی مصرع ہی، لیکن کشت کا اگر اردو مین ترجمہ کرین تو "مارا" ہو گا اسلیے مصرع کا اخیر لفظ، پہلے لفظ کا ترجمہ بھی ہے، امیر نے اس صنعت مین پورے صفحہ بھر کی عبارت لکھی ہی،

محتمل المعانی، ایک شعر مین ایک لفظ لائے ہین کہ اسکے سات معنی ہین، اور ہر معنی وہان مراد لیے جا سکتے ہین،

موقوف الآخر، ایک رباعی لکھی ہی جسکا ہر قافیہ، دوسرے مصرعہ کی آغاز کا

محتاج رہتا ہے، مثلاً

در حسن ترا، کسے نماند! لا   خورشید کہ ہر صبح برون آید، تا

خدمت کند، و پای تو بوسد، آنا   بینی تو ببوسے او، چو پا بوسد، تا

انہی صنعتون اور بیجا کاوشون مین کئی جلدین لکھ ڈالی ہین، اگر کسی صاحب کو میر خسرو سے زیادہ مغز کاوی مقصود ہو تو اعجاز خسروی موجود ہے، مطالعہ فرمائین

سلمان ساوجی

وفات ۷۶۹ھ یا ۷۷۸ھ

عراق عجم مین سادہ، ایک مشہور صوبہ تھا، صاحب آتشکدہ لکھتے ہین کہ "اب صرف چند قصبے باقی رہ گئے ہین" سلمان یہین کے رہنے والے تھے، عربی مین نسبت کے وقت ہ، ج سے بدل جاتی ہے، اسلیے ساوجی کہلاتے ہین، ان کا خاندان ہمیشہ سر معزز چلا آتا تھا اور سلاطین وقت انکا بہت احترام کرتے تھے، سلمان کے والد جن کا نام خواجہ علاء الدین محمد تھا، دربار شاہی مین ملازم تھے، سلمان کی ابتدائی تعلیم بھی اسی حیثیت سے ہوئی تھی، چنانچہ دفتر کے کاروبار اور علم سیاق مین نہایت کمال رکھتے تھے اس زمانہ مین جو طوائف الملوک حکومتین جا بجا قائم ہوگئی تھین، انہین ایک جلایر کا خاندان تھا، جسکا پای تخت بغداد تھا، اس خاندان نے ۹۵ برس تک حکومت کی، اور چار شخص مسند حکومت پر بیٹھے، اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا حسن ایلکانی تھا، حسن ایلکانی کے فرزند سلطان اویس جلایر نے بڑا جاہ اور اقتدار پیدا کیا، ۷۶۵ھ مین آذربایجان، اران، موغان، شیروان، موصل وغیرہ فتح کرکے، اپنے حدود حکومت مین داخل کرلیے، ۱۹ برس تک بڑے عظمت و اقتدار کے ساتھ حکومت کی، مختلف علوم وفنون مین کمال رکھتا تھا، تصویر ایسی عمدہ کھینچتا تھا کہ بڑے بڑے مصور دنگ

رہجاتے تھے، خواجہ عبدالحیٔ جو مشہور مصوّر گذرا ہی اسی کا تربیت یافتہ تھا، علم موسیقی مین اکثر چیزین اسکی ایجاد ہین، ان باتون کے سوا حسن وجمال کا یہ حال تھا کہ جب اسکی سواری نکلتی تھی تو راستہ تماشائیون سے رُک جاتا تھا، ۷۷۶ھ[1] مین وفات پائی، خواجہ سلمان انہی دونون کے دربار کے ملک الشعرا تھے،

خواجہ سلمان کی ابتدائی تقریب کا یہ واقعہ ہی کہ انہون نے حسن ایلکانی کی فیاضیون کا شہرہ سُنکر بغداد کا قصد کیا، اور دربار مین پہونچے، ایک دن حسن تیراندازی کی مشق کر رہا تھا، سلمان بھی اس موقع پر موجود تھے، برجستہ یہ اشعار کہکر پیش کیے،

چو در بار چاچی کمان رفت شاہ	تو گفتی کہ در برج قوس است ماہ
دو زاغ کمان با عقاب سہ پر	بدیدم بیک گوشہ آوردہ سر
نہادند سر بر سر گوش شاہ	ندانم چہ گفتند در ہوش شاہ
چو از شست بکشادہ خسرو گرہ	بر آمد ز ہر گوشہ آواز زہ
شہا تیر در بند تدبیر تست	سعادت دوان در پی تیر تست
بعہدت ز کس نالہ برنخاست	بغیر از کمان کو بنالد رواست
کہ در عہد سلطان صاحبقران	نکرد است کس زور جز بر کمان

حسن نے سلمان کی غیر معمولی قادر الکلامی دیکھکر مقربین خاص مین داخل کیا،

سلطان حسن کی حرم دلشاد خاتون نہایت قابل اور لائق عورت تھی، سلطان

[1] مجمع الفصحا و تذکرہ دولت شاہ،

براے نام بادشاہ تھا، سلطنت کا نظم ونسق دلشاد خاتون کے ہات مین تھا، وہ شعر اور سخن کی بہت قدردان تھی، اس بنا پر سلمان کی نہایت قدردانی کرتی تھی، سلمان نے بھی اس کی مدح مین جی کھول کر زور طبع دکھایا ہے۔

سلطان اویس کو شاعری کے ساتھ خاص مذاق تھا، خود شعر کہتا تھا، اور سلمان کو دکھاتا تھا، اس بنا پر سلمان نے اسکے دربار مین نہایت تقرب حاصل کیا،

ایک دفعہ سلمان رات کیوقت سلطان اویس کی مجلس عیش مین شریک تھے جلسہ ختم ہوچکا تو سلمان اُٹھے، سلطان نے ملازم ساتھ کردیا کہ روشنی دکھانے کے لیے شمع ساتھ لیجائے، گھر پر پہونچے تو ملازم شمع وہین چھوڑ آیا، صبح کو شمع لینے گیا، تو خواجہ صاحب اس بنا پر گھبرائے، کہ شمع کے ساتھ طلائی تھالی بھی تھی، وہ ہات سے جاتی ہے، اُسیوقت یہ شعر لکھکر ملازم کو دیا، کہ سلطان کی خدمت مین پیش کرنا،

شمع خود سوخت بہ زاری شب دوش و امروز
گر لگن می طلبد شاہ[1] زمن می سوزم

سلطان نے ہنسکر کہا کہ شاعر سے کوئی چیز کون واپس لے سکتا ہے

سلمان جب بہت ضعیف ہوگئے تو ملازمت سے استعفا دینا چاہا اور مسلسل چار قطعے لکھکر پیش کیے،

بادشاہا! بندہ درحضرت برسم عرضداشت
انبساطے می نماید بر امید رحمتت

قرب چل سال است تا ارکان شرق و غرب را
طبع سلمان می کند ور گوش دُر مدحتت

در ثنائی حضرتت عہد جوانی گشت صرف
نوبت پیری رسید اکنون بامر حضرتت

[1] دولت شاہ،

گوشۂ خواہم گرفتن تا اگر عمرے بود | چند روزے بگذرانم در دعای دولتت
علت پیری و درد پا، وضعفِ جسم و چشم | می برد درد سر من بندہ را از خدمتت
گفتہ ام در باب خود فصلے دو سہ آنرا جواب | چشم دارد بندہ از درگاہ گردون حشمتت

قطعۂ دوم

اوّل آن است کہ چون نیت عزلت دارد | بندہ زین دائرۂ جمع، جدا خواہد بود
مدتے مالک ملکِ شعرا بود بہ حق | زین زمان خادم جمع فقرا خواہد بود
پیش ازین، در پئے مخلوق بہ سر می گردید | بعد ازین بر در معبود بپا خواہد بود
بندہ تا زندہ بود وجہ معاش بندہ | ہیچ شک نیست کز احسان شما خواہد بود
لیک دارم طمع آن کہ معین باشد | کہ مرا وجہ معیشت ز کجا خواہد بود

قطعۂ سیوم

دیگر آن است کہ محبوب جہان مقری شاہ | آمد از بندگی[1] شاہ کہ مے فرماید
رو بگو بندۂ دیرینۂ ما سلطان را | کہ بخواہ از کرمم ہر چہ ترا می باید
بندہ بر حسب اشارت طلبی کردم و شاہ | داشت مبذول جہان کز کرم شاہ آید
وعدہ دین است زدین من اگر ز انچہ کند | ذمۂ ہمت خود شاہ بری مے شاید

قطعۂ چہارم

دیگر از خرج زیادہ ز دخل کمش قرضے چند | ہست و فرض است کہ قرض غربا باز دہد

---

[1] بندگی کا لفظ اس زمانہ مین اس طرح بولتے تھے جس طرح آجکل بادشاہ کے لیے ہز مجسٹی کہتے مین،

بندہ را غیر درِ شاہ درِ دیگر نیست قرض باید کہ ز انعام شہا باز دہد
وجہ این قرض کہ از من غربا می خواہند گرنہ خواہد ز تو سلمان ز کجا باز دہد

سلطان نے فی البدیہ پہلے قطعہ پر یہ شعر لکھا،

ہر چہ تا غایت بنام او مقرر بودہ است ہمچنان باشد بنام او مقرر ہمچنان

دوسرے قطعہ پر یہ لکھا،

دہ ایرین کہ در حد دو سے است بد ہندش کہ التماس وے است

غرض جاگیر اور تنخواہ کی بحالی کے ساتھ قرض بھی ادا کر دیا گیا[1]،

سلمان نے گوشہ نشینی اختیار کی اور جب تک زندہ رہے ہر قسم کے تعلقات سے آزاد رہے، حسب روایت دولت شاہ ۷۶۹ھ مین وفات پائی، لیکن مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ مین نے دیوان سلمان کا ایک نسخہ ۷۹۱ھ کا لکھا ہوا دیکھا، اُسکے خاتمہ مین ایک قطعہ تھا، اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قطعہ سلمان کا معاصر ہے، قطعہ یہ ہے۔

محل آیت اعجاز پارسی سلمان کہ کرد ناطقہ پیش دمش بہ عجز اقرار
ندید بر سر شاخ گل سخن اصلا بہار طبع چو او عندلیب خوش گفتار
نماز شام دوشنبہ ۱۲ از صفر بودہ کہ نقد عمر بہ یکدم چو صبح کرد نثار
بساط دار قرار است سال تاریخش چو کرد میل بسوی بساط دار قرار

[1] یہ تمام تفصیل خزانۂ عامرہ مین ہے،

س سے ،،، نکلتے ہین،

ناصر بخاری اس زمانہ مین مشہور شاعر تھے، اور درویشانہ وضع رکھتے تھے، حج

جاتے ہوے بغداد مین آئے، خواجہ سلمان کی شہرت عالمگیر ہو چکی تھی انکو بھی ملنے کا

وق پیدا ہوا، ایک دن سلمان دجلہ کے کنارے عالم آب کی سیر کر رہے تھے،

اصر وہین پہنچے، سلمان نے مزاج پرسی کے بعد نام و نشان پوچھا، ناصر نے کہا

شاعر ہون، سلمان نے فی البدیہ یہ مصرع پڑھا۔

ع دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست

ناصر نے برجستہ دوسرا مصرع پڑھا

ع پائی در زنجیر و کف برلب مگر دیوانہ ایست[1]،

سلمان نے گلے سے لگا لیا اور کئی دن تک مہمان رکھا، ناصر باوجود کمال

ستادی کے سلمان کی شاگردی کا دم بھرتے تھے،

عبید زاکانی، ہجو گویون کا پیشوا، اُسی زمانہ مین تھا، ایک دفعہ خواجہ سلمان

سفر مین امیرانہ ساز و سامان کے ساتھ ایک چشمہ کے کنارے خیمہ زن تھے، اتفاق

سے عبید زاکانی کہین سے آنکلا، سلمان نے پوچھا کدھر سے آنا ہوا، عبید نے کہا

ز دین سے، سلمان نے کہا، سلمان کا کلام کچھ یاد ہو تو سناؤ، عبید نے یہ

شعر پڑھے،

---

[1] دولت شاہ تذکرہ ناصر بخاری،

من خراباتیم و بادہ پرست　　در خرابات مغان عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش　　می برندم چو قدح دست بدست

ساتھ ہی کہا، لیکن سلمان بڑے رتبہ کا شخص ہے، یہ شعر اسکے نہین ہو سکتے، عجب نہین اُنکی بیوی کا کلام ہو، سلمان بہت برہم ہوے، لیکن قیاس سے سمجھا کہ عبید ہے، قسم دیکر پوچھا، عبید نے اقرار کیا، اور کہا کہ تم بے دیکھے لوگون کی ہجوین کرتے ہو، یہ زیبا نہین مین بغداد خاص اس غرض سے آیا تھا کہ تم کو ہجو گوئی کا مزہ چکھاؤن، تمھاری خوش قسمتی ہے کہ مین نے قصداً چھوڑ دیا، سلمان نے شکرگزاری کی، خود گھوڑے پر سوار کرایا، نقدی اور کپڑے دیے، اسپر بھی ہمیشہ عبید کی ہجوگوئی سے ڈرتے رہتے[1]،

کلام پر رائے　سلمان کی کمال شاعری کا تمام اساتذہ نے اعتراف کیا ہے، خواجہ حافظ معاصر تھے، تاہم کہتے ہین۔

سرآمد فضلاے زمانہ دانی کیست　　ز راہ صدق و یقین نز راہ کذب و گمان
شہنشہ فضلا بادشاہ ملک سخن　　جمال ملت و دین خواجہ جہان سلمان

سلمان نے شاعری کی عمارت کمال اسمٰعیل اور ظہیر فاریابی کی داغ بیل پر قائم کی اکثر قصائد انہی دونون کے جواب مین اور اسی طرز مین لکھے ہین، مولانا جامی بہارستان مین لکھتے ہین، کہ سلمان کے اکثر مضامین، اساتذہ قدیم خصوصاً کمال اسمٰعیل

[1] دولت شاہ حالات عبید زاکانی،

ماخوذ ہین، لیکن سلمان نے ان کو اسقدر ترقی دی کہ جای اعتراض نہین، اور اسکی
مثال ہے،

نی نیک بود شاہد پاکیزہ بدن		کہ ہرچند درو جامہ دگرگون پوشند
وت عار بود باز ہمین خلعت او		کرنہ در خوبیش از بیشتر افزون پوشند
رست اینکہ کہن خرقہ پشمین زبرش		بدر آرند و در و اطلس واکسون پوشند

شاعری مین سلمان کا ایک خاص درجہ ہے، یعنی وہ قدما اور متوسطین مین برزخ ہین
ا کلام، قدما کے دور کا خاتمہ اور متوسطین کا آغاز ہے، انہون نے کمال اسمعیل اور ظہیر سے
بان کی صفائی اور شستگی لی ہی، اور اس مین ایجاد مضامین کی رنگ آمیزی کی ہے،
ضمون بندی جو متوسطین اور متاخرین کا ما بہ الامتیاز جوہر ہے، گو کمال نے شروع کی،
لیکن سلمان نے کمال کو پہنچا دیا،

سلمان نے قصیدہ، مثنوی، غزل سب کچھ کہا ہی، مثنوی جمشید و خورشید اُن کی
مشہور مثنوی ہے، اسکا اندازہ اشعار ذیل سے معلوم ہوگا،

شگوفہ چو نازک تنے سیم بر		زصندوق چوبین برآوردہ سر
بنفشہ چو مشکین سر زلف یار		بُریدہ ز بار خودش روزگار
برآنم کہ سوسن پریزادہ است		زبان آورے خوب آزادہ است
شنیدم کہ پروانہ با بلبلے		ہمی کرد در عشق گُل، غلغلے
ہمی گفت کین بانگ و فریاد چیست		زبیداد معشوق این داد چیست

زمن عاشقی باید آموختن | کہ ہر گز نے نالم از سوختن
بروز من وحال من کس مباد | کہ یارم رود پیش چشم بہ باد
بباید بدان زندہ بگریستن | کہ بے یار خود بایدش زیستن

سلمان نے اگرچہ مثنوی، قصیدہ، غزل، سب کچھ لکھا ہی، لیکن انکی شاعری کا اصلی میدان قصیدہ گوئی ہے، انکے قصائد کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

ا۔ زبان کی صفائی اور روانی کے ساتھ، ترکیبون مین وہ چستی جوان سے پہلے نہ تھی اور جو خاص متوسطین شعرا کا انداز ہے، مثلاً۔

خندۂ زد دہنت، تنگ شکر پیدا کرد | سخنی گفت لبت لولوی تر پیدا کرد
بودنا یافت میان تو ولیکن کمرت | چست بربست میان او بہ زر پیدا کرد
پردہ از چہرہ برانداز کہ آن زلف سیاہ | در سپیدی عذار تو اثر پیدا کرد

باد نوروز نسیم گل رعنا آورد | گرد، مشک ختن از دامن صحرا آورد
شاخ را باغ بہ نقش دم طاؤس نگاشت | غنچہ را باد بہ شکل سر ببغا آورد
لالہ از دامن کوہ آتش موسیٰ بنمود | شاخ بیرون زگریبان ید بیضا آورد
از پے خسرو گل، بلبل شیرین گفتار | نغمۂ باربد و صوت نکیسا آورد
سرو را باد صبا منصب بالا بخشید | لالہ را لطف ہوا، خلعت والا آورد

صبحگاہے کہ صبا مجمرہ گردان باشد | گل فروکردہ بدان مجمرہ، دامان باشد
جامۂ سرو ز استبرق و سندس بافند | کمر کوہ، ز پیروزہ و مرجان باشد

می کند باد صبا طفل چمن را در خواب | ورنہ مہد شجرش بہر چہ جنبان باشد
آب در رود، نواہاے تر و تازہ زند | مرغ بر عود سحر ساختہ الحان باشد

۲۔ دقیق اور نازک مضمون آفرینی جو متوسطین اور متاخرین کا کارنامۂ فخر ہی، چند مثالین
ذیل مین درج ہین۔

دہن، دندان، لب، خال کی تشبیہ

دُر دُرج دُر عقیق لبت نقد جان نہاد | جنس نفیس بود، بہ جاے نہان نہاد
قُفلے ز لعل بر در آن دُرج زد لبت | خالت ز عنبر آمد و مہرے بر آن نہاد
باریک تر ز مو، کمرت را دقیقہ | ناگاہ در دل آمد و اسمش میان نہاد

یعنی کمر بند کے خیال مین ایک مضمون یاد آیا جو بال سے بھی باریک تھا، کمر بند نے اسکا نام
کمر رکھدیا، مطلب یہ ہی، کہ معشوق کی کمر، درحقیقت ایک باریک خیال ہے،

جدت تشبیہ

بعد ازین از گرہ زلف مغان کن تسبیح | پس ازین از خم ابروی بتان کن محراب
نوش بر آ ہمچو حباب از می گلگون دمنہ | ہیچ بنیاد برین گنبد گردون چو حباب
رفتے گردش این دائرہ ما را، از ہم | ہمچو پرکار جدا کرد، و بہم باز آورد

حسن تعلیل تشبیہ

غنچہ را بیش دہان تو، صبا خندان یافت | آن چنان بر دہنش زد کہ دہن پُر خون شد
از ین دائرہ بیرون نہنہم یکسر مو | گر سراپاے چو پرکار کنند م بدونیم

۱؎ اوپر جو اشعار گذرے ان کو مضمون بندی کی حیثیت سے بھی دیکھنا چاہیے۔

۲؎ یعنی تیرے ہونٹون نے عاشق کی نقد جان کو موتی کے ڈبہ (دہن) مین رکھا، اسلیے کہ وہ نفیس چیز تھی، اور نفیس چیز کو
ایسی ہی مخفی جگہ رکھتے ہین، پھر ہونٹون نے ڈبہ پر یاقوت کا قفل لگا دیا، اور تل نے آکر عنبر کی مُہر کردی،

دامن از من بکش ای سرو کہ چون آب روان | من سری در قدمت سے نم و می گذرم

۳۔ مخلص یعنی گریز مین نئے نئے پیرا سے پیدا کیے، ایک قصیدہ ہی جسکی ردیف دست ہی اور قافیے ہزار، نگار، بہار، اس مین گریز کا شعر ہے،

سودائی است ورنہ چرا می کند دراز | زلفت بہ عہد معدلت شہریار دست

تیری زلف سودائی ہی، ورنہ بادشاہ کے زمانہ مین دست درازی کیون کرتی،

ایک قصیدہ مین تشبیب کے بعد کہتے ہین۔

بعد ازین غم مخور ای دل کہ غم امروز ہمہ | روزی دشمن دارای مظفر شدہ است

اب اے دل غم نہ کھا کیونکہ اب تو غم، مظفر شاہ کے دشمن کی خوراک بنگیا ہے،

عیش اور رقص و سرود کا بیان کرتے کرتے کہتے ہین،

مطرباراہ طرب خوش بزن امروز کہ نیست | جز تو در عہد شہنشاہ جہان راہ زنے

نیست پیدا دہنت برخ، و در دولت شاہ | فتنہ آن بہ کہ بہر وجہ کہ پنہان باشد

دور مستی است درین دور نہ زیبد کہ بود | بجز از بخت خداوند جہان کس بیدار

سایۂ زلف تو بر چشمۂ خورشید فتاد | خم زلف تو مگر چتر شہ دادگر است

۴۔ مشکل مشکل ردیفین ایجاد کی ہین اور اُن مین اسی روانی اور صفائی کے ساتھ کہتے جاتے ہین گویا معمولی ردیفین ہین، اسکے ساتھ ہر جگہ ردیف نہایت خوبی سے نمایان ہوتی ہے، مثلاً،

لہ راہ کے معنی راگنی کے بھی ہین اور راستہ کے بھی پہلے مصرع مین پہلے معنی لیے ہین، اور دوسرے مین دوسرے معنے،

نم امروز بلائے شب ہجران، برسر — کردہ درکار تو چون شمع دل و جان برسر
ست آنم نہ کہ در دامنت آویزم دست — تا مگر گستردم لطف تو دامان برسر
سرو بر پای تو می میرد و مرغان چمن — می کنندش ہمہ شب نالہ و افغان برسر
اہ تابان تو یابد شب مشکین بردوش — سرو رعنائے تو دارد گل خندان برسر
آفتاب تو اگر سایہ زمن باز گرفت — باز یابند مرا سایۂ سلطان برسر

مدح کے بعد فخریہ کہتے ہین،

شعرم از تربیت لطف تو جای برسید — کہ نہندش ہمہ اشراف خراسان برسر

دعائیہ ملاحظہ ہو،

تا زند خسرو گل، تخت زمرد در باغ، — تاج یاقوت نہد لالۂ نعمان برسر
یر باران کند، از رو ے ہوا قوس قزح — ہر دم آرد، سپر لعل، گلستان برسر
شجر روضۂ بخت تو چنان مثمر باد — کہ فلک را فگند سایۂ احسان برسر

اسی طرح دست، پاے، رو، وغیرہ ردیفون مین قصیدے لکھے ہین،

قطعات قصیدہ کی افتاد ایسی بُری پڑگئی تھی کہ اس مین بجز معشوق اور ممدوح کی مداحی کے ور کچھ کہا نہین جاسکتا تھا، جو شعرا، اور اور خیالات ادا کرنے چاہتے تھے وہ قطعات کے ذریعہ سے ادا کرتے تھے،

سلمان نے نہایت کثرت سے قطعات لکھے ہین، اور اُن مین ہر قسم کے عجیب و غریب مضامین ادا کیے ہین، افسوس ہے کہ سلمان کا جو دیوان بمبئی مین چھپا ہے، اُس مین یہی قطعات

نہین ہین، جو دیوان کی جان ہی، ہمارے پاس جو قلمی مجموعہ ہے، اسمین سے بعض نمونے
درج کیے جاتے ہین،

بادشاہ نے سلمان کو ایک سیاہ رنگ گھوڑا عنایت کیا تھا، سلمان نے واپس یا
کہ دوسرے رنگ کا گھوڑا مرحمت ہو، داروغۂ اصطبل نے وہ بھی رکھ لیا، اسپر کہتے ہین۔

شاہا مرا با اسپے موعود کردہ بودی — در قول بادشاہان قیلے دگر نباشد
اسپے سیاہ و پیرم دادند و من بر آنم — کاندر جہان سیاہے زان پیر تر نباشد
آن اسپ باز دادم، تا دیگرے ستانم — بر صورتے کہ کس را زین سر خبر نباشد
اسپ سیہ بدادم، رنگ دگر ندادند — آری "پس از سیاہی رنگ دگر نباشد"

ایک اور قطعہ مین گھوڑے کی ہجو کی ہے،

شاہا امید بود کہ خواہم بدولتت — بر مرکبے بلند و جوان و روان نشست
اسپیم بیرد کاہل و کوتہ ہمی دہند — اسپے نہ آن چنان کہ توانم بران نشست
چون کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است — جہل مرکب است بر اسپے چنان نشست
از بندہ مہتر است بسی سال راستی — گستاخی است بر زبر مہتران نشست
(ٹھیک برابر)

آنکھون مین آشوب کی وجہ سے دربار مین جانا بند ہو گیا تھا، اسکی معذرت مین ایک قطعہ لکھا ہے،

خسروا خاکِ درگہ تو مرا است — از غبار زروے نیکو تر
نیک در عین حالتے کہ مرا است — غیبتم از حضور نیکو تر
حال چشمم بد است، دور از تو — چشمِ بد، از تو دور نیکو تر

بدن پر کپڑے نہین رہے تھے، بادشاہ کو قطعہ لکھا،

ای زما مستغنی واز امثال ما | بر شما احوال ما پوشیدہ نیست
برتنم پوشیدنی این ست وبس | بندہ را ہیچ از شما پوشیدہ نیست

بادشاہ نے ملبوس خاص، بدن سے اُتار کر بھیجا اور یہ شعر لکھا۔

ہرچند ترا، جامۂ ما پوشیدن | عیب است ولیکن این عیب بپوش

دردپا کی وجہ سے دربار مین نہ جا سکتے تھے، اس کی عذر خواہی کرتے ہین۔

در استقبال شاہ از فرق وسر کردم قدم | خواستم تا رو بہ درگاہ ہمایون آورم
درد پایم گشت از ان مانع کہ آرم درد سر | من کہ درد پای دارم، درد سر چون آورم

سلمان کی بدعات | سلمان سب سے پہلے شخص ہین جسنے صنعت ایہام کو نہایت کثرت سے برتا، اس مین اکثر لطیف اور نئے نئے پیرائے پیدا کیے، مثلاً

با قدّ تو صنوبر در چشم من نیاید | او کیست تا قدرت را قائم مقام باشد
کی تواند دلم از موی میان تو گذشت | کہ شب تیرہ و تاریک ہمی بر کمر ست
چشم سرست ترا عین بلا می بینم | لیکن ابروی تو چیزی ست کہ بالای بلاست
فتنہ در دور تو بیمار و ضعیف افتادہ است | آن چنان نیست کہ تا حشر تواند برخاست
چنین عارضہ وضعف. تمنای نجات | دارم اما ہمہ موقوف اشارات شماست
سرورا باد صبا منصب بالا بخشید | لالہ را لطف ہوا خلعت والا آورد
نسبت با دلم دہن تنگ او بہ ہیچ | او این چنین مضائقہ بسیار می کند

نیست سودا ای سر زلف تو کار ہمہ کس — کان طریقے است خم اندر خم و دل گیر و دراز

لیکن اکثر اس قدر بے اعتدالی برتی کہ ضلع جگت کی حد تک نوبت پہونچ گئی، سیکڑوں اشعار ہین جن مین صرف رعایت لفظی سے کام لیا ہی، خدا کا شکر ہے کہ یہ بدعت مقبول عام نہوئی ورنہ ایران مین بھی بہت سے امانت پیدا ہو جاتے،

غزلین — سلمان کی غزلین چندان مقبول نہین ہوئین، ان سے پہلے سعدی کا رنگ عالم کو مسخر کر چکا تھا، اس رنگ مین وہ کہہ نہین سکتے تھے، اسلیے مضمون آفرینی شروع کی لیکن لوگونکے کانون مین سعدی کی لے گونج رہی تھی، اسلیے ان کی آواز خالی گئی، سعدی ہی کا رنگ جب خواجہ حافظ نے اختیار کیا اور اس شراب کو اور تیز کر دیا تو ع حریفان را نہ سر ماند و نہ دستار

نمونہ کے طور پر ہم سلمان کی ایک دو غزل اور متفرق اشعار نقل کرتے ہین

بہ سر کوئے تو سوگند کہ تا سر دارم — نیست ممکن کہ من از حکم تو سر بر دارم

ای کہ در خواب غروری خبری نیست کہ من — ہر شب از خاک درت بالش و بستر دارم

ساغرم پر می، و می در سر و سر در کف دست — تو چہ دانی کہ من امروز چہ در سر دارم

گفتہ در قدم من گہر انداز ز چشم — اینک از بہر قدمہاے تو گوہر دارم

دل برد و دلبر و می دانم بلاش اندازد — دل ما برد، کنون تا بہ کجاش اندازد

چشم فتان تو ہر جا کہ بلا انگیزد — ای بسا کس کہ دران عرصہ بلاش اندازد

ہر کجا مرغ دلے بال گشاید، الحال — بہ کمان خانہ ابروے زہواش اندازد

خوش کمندی است سر زلف شکن پر شکنش — وہ چہ خوش باشد اگر بخت بہ ماش اندازد

ماقل آن است که در پای تو انداز دسر — پیشتر زان که فراق تو زپاش انداز د

وی گیسوی تو هر جا که جگر سوخته ایست — در پی قافله باد صباش انداز د

هر کرا درد بیند اختت دوا چاره کند — که کند چارهٔ سلمان چو دواش انداز د

یک شب خیال چشم تو دیدیم ما بخواب — زان شب دگر به چشم ندیدیم خواب را

غمزه ات دل می برد چشم توام خون می خورد — روز و شب او در شکار این در شراب افتاده است

زاهد دهدم توبه ز روی تو زهی روی — هیچش ز خدا شرم و ز روی تو حیا نیست

من خراباتیم و باده پرست — در خرابات مغان عاشق و مست

می کشندم چو سبو دوش بدوش — می برندم چو قدح دست بدست

ظاهر نمی شود اثر صبح گوئیا — دود دلم دریچهٔ خاور گرفته است

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہین ہو سکتا کہ خواجہ حافظ
کے حالات زندگی اسقدر کم معلوم ہین کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہین ہو سکتے
اس پایہ کا شاعر یورپ مین پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اس کی سوانحعمریان
لکھی جاتین کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خد و خال آنکھون کے سامنے آجاتا، لیکن ہمارے
تمام تذکرہ نویسون نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کر دیا جائے، تب بھی انکی زندگی کا کوئی
پہلو نمایان ہو کر نہین نظر آتا، جسقدر تذکرے ہین سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہین، اور وہی چند
واقعات ہین جنکو باختلاف الفاظ سب نقل کرتے آئے ہین، ان سب مین عبد النبی فخر الزمانی
نے اپنے تذکرہ میخانہ مین جو جہانگیر کے عہد مین سنہ ۱۰۳۶ھ مین لکھا گیا، ابتدائی حالات اورونکی
بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہین، حبیب السیر مین جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہین، خود حافظ
کے کلام مین جا بجا واقعات کے اشارے ہین، ان سب کو ترتیب دیکر انکی زندگی کی
تصویر کھینچتا ہون، لیکن در اصل یہ تصویر نہین بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہین
بلکہ محض چند لکیرین ہین۔

نام و نسب: خواجہ صاحب کے دادا اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے

اتابکان شیراز کے زمانہ مین شیراز مین آئے اور وہین سکونت اختیار کرلی، خواجہ صاحب کے
والد کا نام بہاء الدین تھا، اُنھون نے یہان تجارت شروع کی اور کاروبار کو اسقدر ترقی
دی کہ دولتمندون مین اُنکا شمار ہونے لگا، بہاء الدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے
انکو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا، چندروز مین باپ کی
کمائی سب اُڑ گئی، بیٹے پریشان ہوکر کہین کے کہین نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کمسنی
کی وجہ سے اپنی مان کے ساتھ شیراز ہی مین رہگئے، گھر مین فاقے ہونے لگے تو انکی مان
نے انکو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کردیا کہ اپنی خدمت مین رکھے، اور کھانے پینے
کی کفالت کرے، لیکن یہ شخص بداطوار تھا، خواجہ سن شعور کو پہونچے تو اسکی صحبت ناگوار
ہوئی، چنانچہ اس سے قطع تعلق کرکے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدھی رات سے اُٹھکر
صبح تک خمیر گوندھتے، گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا، محلے کے سب لڑکے اُس
مین پڑھتے تھے، خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے نکلتے، تو دل مین تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی،
رفتہ رفتہ شوق اسقدر بڑھا کہ مکتب مین داخل ہوگئے، خمیر سے جو کچھ حاصل ہوتا اُسمین
سے ایک تہائی مان کو اور ایک معلم کو دیتے، بقیہ خیرات کرتے، مکتب مین قرآن مجید
حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بھی لیاقت حاصل کی، اس زمانہ مین شعر و شاعری کا گھر گھر
چرچا تھا، محلے مین ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزون طبع تھا، اس مناسبت
سے ارباب ذوق بھی اُسکی دکان پر آبیٹھتے تھے، اور شعر و سخن کے چرچے رہتے
تھے، خواجہ صاحب پر بھی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت

موزون نہ تھی، بے تکے شعر کہتے اور لوگون کو تفریح طبع کا سامان ہات آتا، رفتہ رفتہ اُن کی لغوگوئی کی شہرت تمام شہر مین پھیل گئی، لوگ تفریح کے لیے انکو صحبتون مین بلاتے اور لطف اُٹھاتے، دو سال تک یہی حالت رہی لوگون کا استہزا حد سے بڑہا تو ان کو بھی احساس ہوا، ایک دن نہایت رنجیدہ ہوے اور بابا کوہی کے مزار پر جاکر پھوٹ پھوٹ کر رو دئے، رات کو خواب مین دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہین اور کہتے ہین کہ جا اب تجھپر تمام علوم کے دروازے کُھل گئے، نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہین، صبح کو اُٹھے تو یہ غزل لکھی۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند　　　　واندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر مین آئے تو لوگون نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمایش کی اُنھون نے وہی غزل پڑھی، سب کو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہے، امتحان کے لیے طرح دی، اُنھون نے طرح مین بھی عمدہ غزل لکھی، اُسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا،

یہ تمام واقعات عبد النبی نے میخانہ مین لکھے ہین، اسمین اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتین بڑہادی ہین یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہے تاہم بہت کچھ اصلی واقعات بھی ہین،

خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور کے سلاطین و امرا نے اُنکے بلانے کے لیے خطوط بھیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ مین شیراز مین متعدد حکومتین

قائم ہوئین اور حسن اتفاق یہ کہ فرمانروا عموماً خود صاحب علم وفضل اور علما اور شعرا کے نہایت قدردان تھے،

غازان خان (چنگیز خان کا پوتا) کے زمانہ مین غازان خان کیطرف سے محمد شاہ انجو، فارس اور شیراز کا حکمران مقرر ہوکر آیا تھا، اسکے خاندان مین سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ مین تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تھا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تہا، اسکے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو لعب کا دلدادہ تھا، اس بنا پر اگرچہ ملکی انتظامات بے اصول تھے، لیکن گھر گھر عیش ونشاط کے چرچے تھے، اور شیراز باغ ارم بنگیا تھا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلون مین اس دور کا اثر شامل ہے،

شاہ ابو اسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ مین محمد مظفر نے اسپر لشکر کشی کی، فوجین شہر پناہ کے دامن مین آگئین لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہین کر سکتا تھا امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہی، حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائین، ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چارون طرف فوجین پھیلی ہوئی ہین، پوچھا کہ یہ کیا ہی؟ لوگون نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہی مسکرا کر کہا عجب احمق ہی، اس بہار مین یون اوقات خراب کرتا ہی یہ شعر پڑھکر نیچے اتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم ٭ چو فردا شود، فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت

رنج ہوا، چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس مین اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا،

بعہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق — بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش — کہ گوی فضل بود او و داد بخشش و داد
دوم بقیہ ابدال شیخ امین الدین — کہ بود داخل اقطاب و مجمع اوتاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دین — کہ قاضیٔ بہ از و آسمان ندارد یاد
دگر چو قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف — بنای شرح مواقف بنام شاہ نہاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریادل — کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا در داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند — خدای عز و جل جملہ را بیامرزاد

شاہ ابو اسحاق کے مرنے کا صدمہ خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلون مین بھی بے اختیار ابو اسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے،

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی — خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمران ہوا، وہ اصل مین خراسان کا باشندہ تھا، جس زمانہ مین سلطان ابو سعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے لشکر و فوج فراہم کرکے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا، سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اسکے حدود و حکومت نہایت وسیع ہو گئے، محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونے کے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کیے اور تمام میخانے بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی مین لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر

غزل لکھی ہی،

گرچہ بادہ فرح بخش و باد گلریز است | بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است
در آستین مرقع، پیالہ پنہان کن | کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
ز رنگ بادہ بشوئید، خرقہا از اشک | کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوان مین ایک غزل ہے جو شراب خانون کے بند ہونیکا نہایت
پُراثر مرثیہ ہے،

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند؟ | گرہ از کار فرو بستۂ ما بکشایند
گیسو چنگ ببرید بمرگ مئی ناب | تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دوتا بکشایند
نامۂ تعزیت دختر رز بنویسید | تا حریفان ہمہ خون از مژہ ہا بکشایند
در میخانہ ببستند خدایا میسند | کہ در خانۂ تزویر و ریا بکشایند
اگر از بہر دل زاہد خودبین بستند | دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند

یہ غزل اسی زمانہ کی ہی،

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جسکا ذکر آگے آتا ہی اُسنے بھی اس موقع پر ایک
رباعی لکھی اور خوب لکھی۔

در مجلس دہر ساز مستی پست است | نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است
رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند | جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اسکا بیٹا شاہ شجاع فرمان روا ہوا، وہ اس سلسلہ کا سرتاج

اور علم وفن کا پشت وپناہ تھا، وہ علم وفن کی گود مین پلا تھا، سات برس کے سن مین تعلیم شروع کی، نو برس مین قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے مین عربی کے چھ سات شعر یاد ہوجاتے تھے، عربی اور فارسی مین اسکے مکاتبات اہل ادب مین مقبول عام ہین، علم وفضل کی قدردانی کی وجہ سے اسکا دربار علما وفضلا کا قبلۂ حاجات تھا، شعر بھی کہتا تھا، تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ مین بہت سے اشعار لکھے ہین، ایک رباعی یہ ہے،

احوال بدم ز خلق پنہان مے کن — واحوال جہان بردلم آسان می کن
امروز خوشم بدار وفردا با من — انچہ از کرم تو می سزد آن می کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانون کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اُٹھادی، خواجہ صاحب کے دیوان مین ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہی،

غزل یہ ہی،

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش — کہ دور شاہ شجاع است می دلیر بنوش
شد آن، کہ اہل نظر برکنارہ می رفتند — ہزار گونہ سخن بر دہان ولب خاموش
بہ بانگ چنگ بگوئیم آن حکایتہا — کہ از شنیدن آن دیگ سینہ میزد جوش
رموز مملکت خویش خسروان دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہی کہ شاہ شجاع کی آزادپسندی نے میخوارونکو بہت آزاد کردیا تھا، اس بنا پر

خواجہ صاحب اسکے بہت ممنون ہین، اور جو غزلین شاہ شجاع کی مدح مین لکھی ہین، سب مین اسکا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے،

قسم بہ حشمت وجاہ وجلال شاہ شجاع	کہ نیست باکمم از بہر مال وجاہ ونزاع
بہ بین کہ رقص کنان می رود بنالۂ چنگ	کسے کہ اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل مین کہتے ہین،

چنگ در غلغلہ آمد کہ کجا شد منکر	جام در قہقہہ آمد کہ کجا شد مناع
عمر خسرو طلب ار نفع جہان می طلبی	کہ وجودیست عطابخش وکریمی نفاع
مظہر لطف ازل روشنی چشم امل	جامع علم وعمل جان جہان شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار مین شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل مین فرماتے ہین،

خیال آب خضر بست وجام کیخسرو	بجرعہ نوشی سلطان ابوالفوارس شد

شاہ شجاع کی کیفیت

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا، شجاع کے عہد مین خواجہ عماد فقیہ مشہور عالم تھے، شجاع انکا نہایت معتقد تھا،

خواجہ عماد کی ایک بلی تھی جسکو انہون نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے تو بلی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ مین ایک غزل لکھی،

صوفی بہ جلوہ آمد و آغاز ناز کرد	بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل مین ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریا کار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا[1]

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز　　غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

غالبًا شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی، رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ ٹرہتی گئی ایک دن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی کوئی غزل یکسان اور ہموار نہین ہوتی ایک شعر مین تصوف، دوسرے مین می پرستی، تیسرے مین شاہد بازی، اس طرح ہر شعر مین رنگ بدلتا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے کہا ہان، لیکن ان سب برائیون کیساتھ بھی میری غزلین میری زبان سے نکلکر تمام دنیا مین پھیل جاتی ہین، بخلاف اورون کے کہ انکا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہین نکلتا، شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا،

اتفاق یہ کہ اُسی زمانہ مین خواجہ صاحب نے ایک غزل لکھی جسکا مقطع تھا،

گر مسلمانی این است کہ حافظ دارد　　وای اگر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوے، حسن اتفاق یہ کہ مولٰنا زین الدین ابوبکر تائبادی حج کو جاتے ہوے شیراز سے گزرے، خواجہ صاحب نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا، اُنھون نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک در شعر لکھدو جس سے مقطع دوسرے کا مقولہ بنجائے، خواجہ صاحب نے اُسی وقت کہا،

---

[1] حبیب السیر،

وشی دو بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت   بادف و بربط و نے ہنجیہ ترسائے

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ مین انتقال کیا، اسکے بعد شاہ منصور بن محمد مظفر بادشاہ ہوا،
وہ بھی بڑی شوکت و شان کا بادشاہ تھا، خواجہ صاحب نے اس کی مبارکباد مین غزل لکھی،

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید   نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تھا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا،

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا، لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ
تمام عالم مین پڑ چکا تھا، اسلیے چاہا کہ شیراز سے نکلجاے، شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچا تو ایک بڑھیا
نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت مین چھوڑ کر کہان بھاگے جاتے ہو؟
منصور وہین سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور کی فوجون
کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہنچگیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، تماری ایتاق نام ایک افسر
نے بڑھ کر تلوار کو سپر پر روکا، چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ تماری ایتاق
سپر ہو جاتا تھا اور تیمور کو بچا لیتا تھا، بالآخر فوجون نے چارون طرف سے ہجوم کر کے منصور
کو قتل کر دیا، جسکا خود تیمور کو افسوس رہا. وہ کہا کرتا تھا کہ آج تک معرکون مین کسی کو
منصور کا ہمسر نہین دیکھا،

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ مین نے تمام عالم کو اسلیے ویران کیا کہ سمرقند
اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کرون، تم ان کو ایک تل کے عوض مین دیے ڈالتے ہو،

لہ حبیب السیر،

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیون کی بدولت تو اس فقر و فاقہ تک نوبت پہنچی ہے،

خواجہ صاحب کی غزلین اب چار دانگ عالم مین پھیل گئین، چنانچہ خود کہتے ہین،

بشعر حافظ شیراز می گویند و می رقصند — سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ مین جسقدر سلاطین تھے سب آرزو رکھتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے لطف اُٹھائین، چنانچہ عراق، عرب، ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد کا فرمان روا سلطان احمد بن ادیس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا مصوری، زرنگاری، کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون مین بڑے بڑے صناع اس کی شاگردی کا دم بھرتے تھے، موسیقی مین یہ کمال تھا کہ خواجہ عبدالقادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس فن مین اسکی متعدد تصنیفات ہین جو مدت تک گویون کا دستور العمل رہین ان باتون کے ساتھ سخن سنج اور شاعر بھی تھا[1]، خواجہ صاحب کو اُسنے بار بار بُلایا، خواجہ صاحب بھی للچائے چنانچہ بعض غزلون مین اسکے اشارے بھی ہین لیکن پھر بھی رُکنا باد کی خاک دامن نہین چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہین،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر — نسیم باد مُصلّی و آب رکنا باد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی[2]،

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ،

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان | احمد شیخ اویس حسن ایلخانی
ن بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد | آن کہ می زیبد اگر جان جہانش خوانی
گل فارسیم، غنچہ عیشے نہ شگفت | حبذا دجلہ بغداد دمے روحانی
لکن کاکل تُرکانہ کہ در طابع تُست | دولت خسروی و منصب چنگیز خانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد جانہ سکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل مین کھٹکتا رہا، چنانچہ
بجا اسکے اشارے پائے جاتے ہین،

رہ نہ بُردیم بہ مقصود خود اندر شیراز | خرم آن روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن مین سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت
بل در صاحب کمال تھا، عربی اور فارسی دونون زبانون مین نہایت فصاحت اور
روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب وعجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ
ایک ہزار تنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام مین دیے جائین،
اس کی قدر دانیون کا شہرہ سُنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا، لیکن
خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار مین صدارت کے منصب پر
ممتاز تھے، انہون نے زاد راہ بھیجکر طلبی کا خط لکھا، خواجہ صاحب نے اُس روپے مین سے کچھ
بھانجون کی ضروریات مین صرف کیے، کچھ ادائے قرض مین صرف ہوا، جو باقی رہگیا اس سے
زاد راہ سفر کا سامان کر کے شیراز سے روانہ ہوئے، مقام لار مین پہونچے تو وہان ایک دوست
سے ملاقات ہوئی، جنکا مال و اسباب جال ہی مین لُٹ گیا تھا، خواجہ صاحب نے جو کچھ پاس تھا

اُنکے حوالہ کردیا اور آپ خالی ہات رہگئے، اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد
کازرونی جو مشہور تاجر تھے، ہندوستان آرہے تھے، اُنکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب
ئے مصارف کے کفیل ہوے، لیکن سوداگرون سے ایک نازک مزاج شاعر کی نازبرداریان
کہان انجام پاسکتی ہین، خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن
سے ہرمز کے بندرگاہ مین آیا تھا، اور ہندوستان کو واپس جارہا تھا، سوار ہوے، سو اتفاق
یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہین اُٹھایا تھا کہ ہوا کا طوفان اُٹھا، خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اُتر
آئے اور یہ غزل لکھکر فضل اللہ کو بھیجی،

دمے باغم بسر بُردن جہان یکسر نمی ارزد | بمی بفروش دلقِ ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است | کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
بکوئے میفروشانش بجامے در نمی گیرند | زہی سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا بہ بوی دُر | غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت مین پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا، سلطان
نے مُلّا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا مین سے تھے، ایک ہزار ٹنکہ طلا دیا کہ ہندوستان
کے عمدہ مصنوعات خرید کرکے لیجائین اور خواجہ صاحب کی خدمت مین پیش کرین[1]،

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانروائے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۸ھ مین
تخت نشین ہوا تھا، خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا، چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا،

---

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

ع ساقی حدیث سرو گل ولالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی،

ساقی حدیث سرو وگل ولالہ می رود — وین بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین — غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۳ ؁ھ مین وفات پائی، خاک مصلّٰی تاریخ ہے جس مین ایک عد

می ہے۔

مصلّٰی ان کا محبوب مقام تھا، اسلیے دفن بھی یہین ہوے، سلطان بابر بہادر کے

ہ مین محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف

ر تیار کرایا جو ابتک قائم ہی، ان کے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہی،

ہ مین ایک خاص دن مقرر ہی لوگ زیارت کو وہان جاتے ہین، وہین دن بسر کرتے

ن کھانے پکاتے ہین، چاء پیتے ہین، کہین کہین شراب کا دور بھی چلتا ہی، کوئی رنگین مزاج

جہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے، خواجہ صاحب نے پان سو برس پہلے

دیا تھا،

برسر تربت ما چون گذری ہمت خواہ — کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

ی اولاد | خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہی کہ بیوی بچون کے بکھیڑون

ے آزاد ہونگے لیکن واقعہ یہ ہی کہ شادی بھی کی تھی اور اولاد بھی تھی، صاحبزادہ کا نام

شاہ نعمان تھا، وہ ہندوستان مین آے اور یہین بمقام برہان پور وفات کی انکی
قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے[1]،

دیوان مین ایک قطعہ ہے،

صباح جمعہ بدوساد سس ربیع اول | کہ گشت فرقت آن مہ بکشتیم حاصل
بسال ہفتصد و شصت و چہار از ہجرت | چو آب حل بشدم این دقیقۂ مشکل

غالبًا یہ قطعہ بیوی کی وفات مین لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے،

دلا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند | چہ دید اندر خم این طاق رنگین
بجای لوح سیمین در کنارش | فلک بر سر نہادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانہ مرگ کی شان مین ہو، لیکن زیادہ قیاس یہی ہے کہ خود انکا
کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر مین گزر گیا تھا،

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور اُنکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسون نے مطلق نہین لکھا
میخانہ سے جسکا حوالہ اوپر گذر چکا ہے، صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ محلہ مین جو مکتب تھا اسمین
تعلیم پائی تھی، لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُنہون نے علوم درسیہ کی تحصیل
مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلون مین عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہین اس سے
اُنکی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

بعض غزلون مین متعدد شعر، خالص عربی مین ہین، اور سلاست و فصاحت مین

---

[1] خزانۂ عامرہ بحوالہ مرآۃ الصفا،

ن رکھتے،

الا اے ساربان محمل دوست — الی رکبانکم طال اشتیاقی
درونم خون شد از نادیدن یار — الا تعسًا لِاَیَّامِ الفراق
بیا ساقی بدہ رطل گرانم — سقاک اللہ من کاس دہاق
نہانی الشیب من وصل لعذاری — سوی تقبیل خدّ و اعتناق

سلام اللہ من کرّ اللیالی — علی مَلِکِ المکارم والمعالی
نحبک راحتی فی کلّ حینٍ — وذکرک مونسی فی کل حال
سَبَتْ سلمیٰ بصدغیہا فؤادی — وروحی کل یوم لی تنادی

گر تیغ بارد در کوے آن ماہ — گردن نہادیم الحکم للہ
الصّبر مرٌّ والعمر فانٍ — یالیت شعری حتّامَ اَلقاہ

جا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہین کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے

ست آب حیاتت بدست، تشنہ میر — فلا تمت ومن الماء کل شیٍٔ حیّ
ئ بوے خدا نشنود، بیا حافظ — پیالہ گیر وسخن در زر والضمان علیّ

ن مجید اور تفسیر کے ساتھ اُن کو خاص لگاؤ تھا، دیوان کے دیباچہ مین لکھاہی کہ تفسیر
ف پر حاشیہ بھی لکھاہی، خود فرماتے ہین،

زحافظان جہان کس چو بندہ جمع نکرد — لطائف حکما با کتاب قرآنی

ں سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر مین معقول کو منقول سے

تطبیق دیتے تھے، فن قرارت مین کمال تھا، اسکے ساتھ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ مین تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے[1]،

قرآن مجید حفظ یاد تھا اور اس مناسبت سے حافظ تخلص رکھا تھا، قرآن دانی پران کو ناز تھا، چنانچہ اشعار مین جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہین،

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ | بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ | انچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

تجرد اور آزادی | عام تذکرون کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین وامرا سے بے نیاز رہتے تھے، لیکن خود انکے کلام سے اس کی تصدیق نہین ہوتی، انکے زمانہ مین شیراز کے جو جو فرمان روا گذرے، سب کی مدح مین اُنکے قصائد موجود ہین، اور اُسی شان کے ہین جو عام مدح گویون کا انداز ہی، شاہ شجاع کی مدح مین نونیہ قصیدہ ہی، جس مین لکھتے ہین،

دارای دہر، شاہ شجاع، آفتاب ملک | خاقان کامگار و شہنشاہ نوجوان

حکمش روان چو باد براطراف بحر و بر | مہرش روان چو روح در اعضای انس و جان

بے طلعتِ تو جان نہ گراید بہ کالبد | بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخوان

سلطان ابو اسحاق کی مدح مین بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہی، جسکا مطلع یہ ہے،

---

[1] ہفت اقلیم امین رازی،

پیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد | چمن زلطف ہوا نکتہ برجنان گیرد
مدح مین لکھتے ہین،
مال چہرۂ اسلام شیخ بو اسحاق | کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان محمود کی مدح مثنوی مین لکھی ہی جسکا ذکر آگے آئیگا منصور کے وزرا مین سے
یک بدہمت نے راے دی تھی کہ علما وفضلا کے وظیفے جن کی تعداد ۰۰، تومان تھی بند
ر دیے جائین، منصور نے نہ مانا، اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا،[1]

جوز اسحر نہاد حمائل برابرم | یعنی غلام شاہم وسوگند میخورم
منصور بن محمد غازی است حرز من | وزاین خجستہ نام براعدا مظفرم
ای شاہ شیرگیر چہ گردد، اگر شود | در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

یا بجا خود اُنکے کلام سے ثابت ہوتا ہی کہ سلاطین اور امرا کے نام مدحین لکھکر بھیجین کہ
صلہ ہات آئے، چنانچہ ایک قطعہ مین فرماتے ہین،

شاہ ہرمز م نہ دید و بے سخن صد لطف کرد | شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نہ داد
ار شاہان این چنین باشد تو ای حافظ مرنج | داور روزی رسان توفیق و نصرت شان ہاد

ایک اور قطعہ مین لکھتے ہین،

خسروا! دادگرا! شیردلا! بحرکفا | اے کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی
در دو سال انچہ بیند وختم از شاہ ووزیر | ہمہ بربود بہ یکدم فلک چوگانی

[1] حبیب السیر،

غرض یہ بالکل غلط ہی کہ خواجہ صاحب ہات پاؤن توڑکر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہی کہ اُن کے تمام معاصرین بلکہ بیشتر و نہایت ذلیل اور کمینہ طریقون سے کام لیتے تھے انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اُسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کردیتے تھے اور یہانتک نوبت پہنچاتے تھی کہ تہذیب و شایستگی آنکھین بند کرلیتی تھی، ظہیر وغیرہ کے کلام مین سیکڑون قطعے اور قصائد ہین، جن مین اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہی کہ ان کو دیکھکر شرم آتی ہی، خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے بری ہین، وہ مدح لکھتے ہین، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہہ کے چُپ ہو جاتے ہین کہ تقدیر مین نہ تھا، کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہین، لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے، ایک قطعہ مین فرماتے ہین،

بسمع خواجہ رسان ای رفیق وقت شناس	بہ خلوتے کہ دران اجنبی صبا باشد
لطیفۂ بمیان آر در خوشش بخندانش	بہ نکتۂ کہ دلش را دران رضا باشد
پس آنگہے ز کرم اینقدر بپرس بلطف	کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ مین کس لطف سے کنایہ کیا ہی،

دوش در خواب چنان دید خیالم کہ سحر	گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی،
بستہ بر آخور او استر من جو می خورد	توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی

اصطبل خچر

ہیچ تعبیر نمی دانمش این خواب کہ چیست	تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی مینے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہان میرا خچر

کھار ہا تھا، مجکو دیکھکر اسنے تو بڑہ کا رخ میری طرف کرکے جھاڑا، اور کہا کہ کیون مجکو پہچانتے ہو
س خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہین معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہین آپ ہی بتائین کہ اس
ی تعبیر کیا ہے،، مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کر دیجیے،

اشرت | انکے اشعار اور جستہ جستہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور
زادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے، قرآن مجید کے نکات اور حقائق پر درس
یتے تھے، لیکن باین ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے، صاف دل بے تکلف
ھے، جو دل مین تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے مین چھپاکر
کرتے، رکناباد جو ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے، اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی
ہے، خواجہ صاحب کے زمانہ مین وسیع چشمہ ہوگا، اسکے کنارے بیٹھکر عالم آب کا لطف
ٹھاتے تھے، دوست احباب جمع ہوتے، ہر قسم کی صحبتین رہتین، اکثر اشعار مین مزے
لے لے کر اسکا ذکر کرتے ہین،

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا را

رکناباد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اسکا بھی ذکر جا بجا کرتے ہین،

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست
تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلون مین انکا ذکر احسانمندی
کے ساتھ کرتے ہین، یہ طریقہ اُن کا خاص انداز ہے،

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد
وزیر ملک سلیمان عماد بن محمود

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریاے اخضر فلک و کشتی ہلال ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب بپردہ سازی، شاید اگر بخواند از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بہ این ناز کی و سرکشی اے شمع چوگل لائق بزمگہ خواجہ جلال الدینے

با تو گر زین پس فلک خواری کند باز گو در حضرت دارائے رے

خسرو آفاق بخشش کز عطا نامۂ حاتم ز نامش گشت طے

از براے صید دل در گردنم زنجیر زلف چون کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرت الدین شاہ یحیٰی آن کہ تاج آفتاب از سر تعظیم و قدرت در تراب انداختی

اے در رخ تو پیدا انوار بادشاہی در فکرت تو پنہان صد حکمت الٰہی

عمرے است بادشاہا کز می تہی است جامم اینک ز بندہ دعویٰ وز محتسب گواہی

انصاف پسندی | خواجہ صاحب اگر چہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ اُن کے تمام ہمعصر شعرا غزل گوئی مین اُنکے سامنے ہیچ تھے تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہین، بلکہ اپنے آپکو اُن کا پیرو کہتے ہین خواجو کرمانی کی نسبت کہتے ہین،

اُستاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما دارد غزل حافظ طرز و روش خواجو

فخر کے جوش مین آکر کہتے ہین

چہ جاے گفتۂ خواجو و شعر سلمان است کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ اُنکے لیے ننگ ہے، ظہیر کو غزل مین اُن سے کیا نسبت؟

اس زمانہ مین کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے خواجہ صاحب سے انسے

راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلین منگوایا کرتے اور اپنا کلام اُن کو بھیجتے،

ایک دفعہ اپنی یہ غزل بھیجی،

ت یار از غیر ما پوشان نظر گفتم بچشم — وانگہے در دیدہ در مامی نگر گفتم بچشم

غزل مین یہ شعر بھی تھا۔

ت اگر سر در بیابان غم خواہی نہاد — تشنگان را مژدہ از ما بر گفتم بچشم

جہ صاحب اس شعر پر پہونچے، تو اُنپر حالت طاری ہوئی، افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی

نص کا پایہ بہت بلند ہے[1]،

تذکرہ می خانہ مین لکھا ہی کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس مین تیار ہوا

ن یہ قطعاً غلط ہے، خلاف قیاس ہونے کے علاوہ غزلون مین جا بجا جن لوگون کے نام آتی

ی اُنکے زمانون مین برسون کا آگا پیچھا ہی۔

خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل مین ہی لیکن انہون نے قصائد اور مثنویان

ی لکھی ہین، اور گو وہ تعداد مین کم ہین، لیکن اُن سے اندازہ ہوتا ہی کہ شاعری کے تمام

اف پر اُنکو قدرت حاصل تھی، عام خیال ہی کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہین قصیدہ اور

ی اچھی نہین لکھتے، لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہین اور مثنوی مین تو وہ

ائی لطافت اور زور ہی کہ نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے

[1] دولت شاہ تذکرۂ کمال خجند۔

سر فتنه دارد دگر روزگار	من و مستی و فتنهٔ چشم یار
فریب جهان قصهٔ روشن است	ببین تا چه زاید شب آبستن است
همان مرحله است این بیابان دور	که گم شد درو لشکر سلم و تور
همان منزل است این جهان خراب	که دیداست ایوان افراسیاب
چه خوش گفت جمشید با تاج و گنج	که یک جو نیرزد سرای سپنج
مغنی کجائی به گلبانگ رود	بیاد آور آن خسروانی سرود
مغنی بزن چنگ بر ارغنون	براز دلم فکر دنیای دون
چنان برکش آهنگ این داورے	که ناهید چنگی برقص آورے
مغنی دف و چنگ را ساز ده	بیاران خوش نغمه آواز ده
مغنی کجائی نواے بزن	بیکتائی او دوتاے بزن
بیا ساقی این نکته بشنو ز نے	که یک جرعه مے به ز دیهیم کے
بیا ساقی آن آب اندیشه سوز	که گر شیر نوشد شود بیشه سوز
بیا ساقی آن آتش تابناک	که زردشت می جویدش زیر خاک
بده تا بگوید ز آواز نے	که جمشید کے بود و کاوس کے
می ده که بدنام خواهم شدن	خراب می و جام خواهم شدن
بیا ساقیا مے که تا دم زنیم	قلم بر سر هر دو عالم زنیم
سبک باش و رطل گرانم بده	وگر فاش نتوان نهانم بده

کہ این چرخ داین انجم و آبنوس | بسے یاد دارد ز بہرام و طوس
بدہ ساقی آن آب افسردہ را | بیا، زندہ ساز این دل مردہ را
کہ ہر پارہ خشتے کہ بر منظری است | سر کیقبادے و اسکندری است
ہر آن گل کہ در گلستانی بود | مہ عارض دلستانی بود
ہر آن شاخ سروی کہ در گلشنے است | قد دلبرو زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی مین بھی اساتذہ سے پیچھے نہین، لیکن انکا اصلی
د غزل گوئی ہی، یہ عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود مین آجتک کوئی شخص غزل مین انکا ہمسر
نکا، متوسطین اور متاخرین، غزل کے بزم آرا ہین، لیکن ان کو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا
از کسی کو نصیب نہین ہوا،

صائب | است صائب اگر نیست از رہ دعوی | تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است
" | ئب چہ توان کرد بہ تکلیف عزیزان | در نہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

" | ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم | م معتقد نظم خواجہ حافظ باش | کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

عرفی نے کبھی غزل مین کسی استاد کا نام نہین لیا، تاہم کہتا ہے،

عرفی | ن تتبع حافظ روا ست چون عرفی | کہ دل بکاود ودر د سخنوری داند

جہ صاحب کی | غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن نے اسکو ترقی دی
زل گوئی | ساتوین صدی کا چمن انہی بلبلون کے زمزمون سے گونج رہا تھا کہ

سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی، سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ اُن کو فروغ نہین ہو سکتا تھا، لیکن یہ دونون اور اصناف سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی مین اسقدر نامور اور نام آور تھے کہ اُس اثر نے غزل مین بھی کام دیا۔ اسکے ساتھ ان لوگون نے غزل مین کچھ جدتین بھی پیدا کین جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھین اسلیے اور بھی مدد ملی اس پر طرہ یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو ابو اسحاق فرمانروا ے شیراز کے دربار مین سب سے ممتاز تھے،

اساتذہ کا تتبع

غرض خواجہ حافظ نے آنکھین کھولین تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا خواجہ صاحب نے دونون کا زمانہ پایا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب ۷۵۲ھ مین شیراز مین وفات پائی، تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر مین ہوے جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی اور جس کی شان مین فرماتے ہین

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

خواجہ صاحب نے غزل گوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہین،

ع دارد سخن حافظ، طرز و روش خواجو،

جو غزلین ہم طرح ہین اُنمین جا بجا مصرعے تک لڑگئے ہین اور مضامین اور ترکیبین تو کثرت سے متوارد ہین سلمان کی غزلون پر بھی اکثر غزلین ہین اور ان سے بھی اسقدر جا بجا توارد ہے کہ لوگونکو دونون کے کلام مین اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، یہانتک کہ بعض بعض غزلین

ونون کے دیوان مین موجود ہین، اور ایک نقطہ کا فرق نہین اسی بنا پر بعض تذکرون مین
ھا ہی کہ کاتبون نے حافظ خواجو اور سلمان کے دیوانون مین نہایت خلط ملط کردیا ہی،

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہی
آج کسی کو حافظ کی ترجیح مین کلام نہین، بلکہ خواجہ صاحب کی غزلونکے مقابلہ مین
اجو اور سلمان کی غزلون کا کوئی نام بھی نہین جانتا، لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری
ب ہی کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھائے جائین یہ ایک واقعہ ہی کہ سعدی خواجو
ر سلمان ہی کے خاکے ہین، جن پر حافظ نے نقش آرائیان کی ہین، اس لیے اُن کے
ہی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا شعر العجم کا ضروری فرض ہے،

سعدی اور خسرو اور حسن تک غزل مین زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات و معاملات
یان کرتے تھے خواجو نے دنیا کی بے ثباتی، وسعت مشرب، اور رندی و مستی پر زیادہ
ور دیا، اکثر غزلین پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہین مثلاً یہ غزل،

یش صاحب نظران ملک سلیمان باد است — بلکہ آن است سلیمان کہ ز ملک آزاد است
ین کہ گویند کہ بر آب نہادہ ست جہان — مشنو ای خواجہ کہ چون درنگری برباد است

یا مثلاً یہ غزل

شو بہ ملک سلیمان و مال قارون شاد — کہ مال و ملک بود ذرہ حقیقت باد

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے،

سلمان کا خاص مذاق مضمون آفرینی، جدت تشبیہ اور صنائع لفظی ہی، خواجہ حافظ

بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ اُن کا خاص انداز نہیں، سعدی، خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق سوز و گداز، بیان شوق، نا امیدی اور حسرت ہے، خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلیں انکی غزلوں پر لکھی ہیں، لیکن وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے، اسلیے درد و غم کے نوحے ان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے،

خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو، سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں، اُنہیں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہو سکے،

حافظ	خواجو
خرقہ، رہن خانہ خمار دارد پیر ما	دوش از مسجد سوے می خانہ آمد پیر ما
اے ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما	چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہے، اور یہ محتاج اظہار نہیں،

حافظ	خواجو
در خرابات مغان ما نیز ہمدستان شدیم	گر شدیم از بادہ، بدنام جہان تدبیر چیست
کاین چنین رفت است از روز ازل تقدیر ما	ہمچنین رفت است از روز ازل تقدیر ما

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اور افسوس ہے کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی، دوسرا مصرع تو حرف بحرف خواجو ہی کا مصرع ہے، پہلا مصرع

و کا زیادہ برجستہ اور صاف ہی، اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سے
ہے، خواجہ صاحب نے یہ حسن بھی کھو دیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ شراب نے
کو رسوا کر دیا تو علاج کیا؟ تقدیر یون ہی تھی۔ خواجہ صاحب کہتے ہین ہم کو بھی مغون
تھ دینا پڑا، تقدیر مین یہی لکھا تھا، خواجہ صاحب کو مضمون کے لحاظ سے بھی کچھ
نہین،

حافظ	خواجو
عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است	دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم
عاقلان دیوانہ گردند از پے زنجیر ما	با عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلونکے دیوانہ زنجیر
نے کی وجہ ظاہر کر دی، یعنی یہ کہ زلف کی قید کسقدر پر لطف ہی، اسکے علاوہ خواجہ صاحب
لا مصرع زیادہ صاف اور ڈہلا ہوا ہے، لیکن خواجو کے مصرع مین ایک خاص نکتہ ہی جو
جہ صاحب کے ہان نہین، خواجو کہتا ہی کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف مین پھنس گیا، یہ وہ
یر ہے کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بنگئے، جس سے اس بات کی معذرت نکلتی ہے کہ
ب عقلا اس زنجیر مین پھنستے ہین تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہے؟ اسکے علاوہ دیوانونکو
تا زنجیر مین باندھتے ہین، اسلیے دل کا زلف مین گرفتار ہونا قدرتی بات تھی
واجہ صاحب نے دل کی دیوانگی کا کچھ ذکر نہین کیا، اسلیے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ
ین خواجو کے ہان عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب

سکے ہان وہ بھی نہین،

حافظ	خواجو
تیر آہ ماز گردون بگذرد جانان خموش	از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو
رحم کن بر جان خود، پرہیز کن از تیر ما	کز کمان زم زخمش، سخت باشد تیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہین دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کردیا، خواجو نے معشوق سے صرف اسقدر کہا تھا کہ "غافل مشو، خواجہ صاحب" خاموش اور رحم کن بر جان خود"، سے معشوق کو خطاب کرتے ہین، جو آداب عشق کے بالکل خلاف ہے،

حافظ	خواجو
نسیم صبح سعادت بر آن نشان کہ تو دانی	بیا صبا خبرے کن مرا ازان کہ تو دانی
گذر بکوی فلان کن دران زمان کہ تو دانی	بدان زمین گذرے کن بدان زمان کہ تو دانی
تو پیک حضرت شاہی مراد و دیدہ بر اہست	چو مرغ در طیران آئی و چون باوج رسی
بمردمی نہ بفرمان ببر ہر آن کہ تو دانی	نزول ساز وران آشیان کہ تو دانی
بگو کہ جان ضعیفم، زدست رفت خدا را	چنان مرو کہ غبارے بدو رسد زگذارت
ز لعل روح فزایت بہ بخش ازان کہ تو دانی	بدان طرف چو رسیدی چنان بدان کہ تو دانی
من این دو حرف نوشتم چنان کہ غیر ندانست	
تو ہم ز روی کرامت بخوان چنان کہ تو دانی	

ماحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہی محتاج اظہار نہین،

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلین اکثر ہم طرح ہین اختصار کے لحاظ سے ہم ایقدر

ظا کرتے ہین،

خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلون پر غزلین لکھی ہین جن مین کہین سلمان کی

ی ہی کہین سلمان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایے مین ادا کیا ہی کہین سلمان

نہ کو زیادہ جلا دیدی ہے،

حافظ	سلمان
عیداست وموسم گل ساقی بیار بادہ	ہ جمالت تا درجہان فتادہ
ہنگام گل کہ دیدہست بے می قدح نہادہ	تجویت سر درجہان نہادہ

دونون مطلع بالکل الگ الگ ہین ان مین کوئی موازنہ نہین ہو سکتا،

حافظ	سلمان
گل رفت اے حریفان غافل چرا نشینید	ی زہد خشکم بر باد دادہ حاصل
بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام و بادہ	ب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے،

حافظ	سلمان
زین زہد و پارسائی بگرفت خاطر من	بستہ دل را در لعل دلکشایت
ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ	ب بخندہ بکشا تا دل شود کشادہ

صنعت اضداد کا دونون نے لحاظ رکھا ہے، لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہین

بستن وکشادن، گرفتن اور کشادن مین بھی گو یہی صنعت ہے، لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی

نہین ہین بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کیے ہین، اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان
ہان لفظاً اور معنیً دونون لحاظ سے زیادہ روشن ہی، یعنی تو لب کھول تو ہمارا دل بھی
کیونکہ ہمارا دل تیرے لبون مین بندھا ہوا ہے، پیالہ سے دل کھلنے مین یہ بات نہین

حافظ	سلمان
در مجلس صبوحی، دانی؟ چہ خوش نما	سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ
عکس عذار ساقی بر جام می فت	شوریدگان مویت دریکدگر فتادہ

مضمون کے لحاظ سے دونون شعر الگ الگ ہین البتہ قافیہ مشترک ہی اور سلمان
ہان اچھا بندھا ہے، یون بھی سلمان کا شعر اچھا ہے،

سعدی اور حافظ

شیخ سعدی کے جواب مین بھی گو اکثر غزلین ہین لیکن درحقیقت دونون کے
الگ الگ ہین، اسلیے انمین موازنہ نہین ہوسکتا، تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب
شیخ سعدی سے لیے ہین لیکن انکے اسلوب کو اسطرح بدل دیا ہے کہ یہ نہین معلوم ہوتا
یہ موتی انہی قطرون سے بنے ہین، مثالین جدت اسلوب کے عنوان مین آئینگی،

خواجہ صاحب کی خصوصیات

تم نے دیکھا! خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفون سی ط
غزلون مین چندان بلند رتبہ نہین ہین، اُنکی شاعری کے مہات مضامین بھی انکا ذاتی سر
نہین، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہین، بااین ہمہ اُن کی غزلون نے دنیا مین جو
برپا کردیا، اسکے آگے سعدی، خسرو، خواجہ، سلمان کی آوازین بالکل پست ہوگئین
کچھ سبب ہوگا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہین۔

نے صبا کو قاصد بنایا ہے اور اُسکو ہدایتین کی ہین، خواجو نے صبا کو مرغ سے اور
کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بد مزگی پیدا کردی، لیکن اخیر کا شعر نہایت لطیف ہے
ے صبا اس طرح آہستہ اور مُودب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے اور بتانے کی کیا
ہی؟ تو تو خود آداب دان ہے جیسا مناسب سمجھنا کرنا

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہی، صبا کے بجاے نسیم اور اسپر صبح سعادت
نے لطف پیدا کردیا ہی، خواجو کے مصرع مین زمین و زمان کا جو لفظی تناسب تھا تکلف سے
تھا اسلیے خواجہ صاحب نے اُسکو اڑا دیا بدان زمین" کے بجای بہ کوی فلان"، کا
زیادہ لطیف ہے، دوسرا شعر بھی نہایت لطیف ہی، کہتے ہین کہ تو شاہی قاصد ہی مین تجکو
ین دیسکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضا سے توقع رکھتا ہون، اخیر شعر اور زیادہ پرمزہ
ذوق سے کہتے ہین کہ مین نے یہ دو سطرین اس طرح چھپا کر لکھی ہین کہ غیرون کو خبر
ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا، جیسا مناسب ہو، یعنی کسی کو خبر نہونے پائے

حافظ	خواجو
مجو درستی عہد از جہان سست بنیاد	درین پیرزن عشوہ گر دہر مبند
کہ این عجوزہ، عروس ہزار داماد است	ردسے است کہ در عہد بسے داماد است

مضمون وہی ہی لیکن خواجہ صاحب کی بندش مین زیادہ حُسن ہی، پہلے مصرع مین
اس قدر کہنا چاہیے کہ دنیا مین دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہیے کہ یہ ایک ایسی
ہی جو ہزارون کے نکاح مین ہے، خواجو نے پہلے ہی کہدیا کہ عجوزۂ دہر سے دل

نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا تو اس دلیل کی ضرورت نہین رہی کہ وہ کثیر الازدا
ہی کیونکہ بُڑھیا سے یون بھی انسان کو محبت نہین ہوتی، **خواجہ صاحب** نے پہلے دنیا کی بُرا
کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہین بتائین یعنی یہ بوڑھی
اور کثیر الازدواج بھی ہے،

حافظ	خواجو
ہمہ کس طالب یارا ند چہ ہشیار چہ مس	منزل ار یار قرین است چہ دوزخ چہ بہشت
ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنش	سجدۂ گر بر نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہے، اوّل تو خواجو نے مطلع مین جیسی
قافیہ کی پابندی ہوجاتی ہی ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہی، اسکے ساتھ دونون عالم کی دو دو
چیزین لے لین یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت، ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم
اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہی، **خواجہ صاحب** کے ہان مطلق نہین، خواجہ صاحب
کہتے ہین کہ مسجد اور گرجا دونون عشق کے گھر ہین اور ایک ہی چیز ہین، خواجو دونونکو مخالف
تسلیم کرکے کہتا ہی کہ سجدۂ نیاز وہ چیز ہی کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہے
اس مین یہ بھی اشارہ ہی کہ سجدۂ نیاز گرجا مین بھی ادا کیا جائے تو مسجد بنجائے،

حافظ	خواجو
عشق تو در وجودم و مہر تو در دل	کے برکنم دل از رخ جانان کہ مہر او
با شیر در بدن شد و با جان بدر شو	با شیر در دل آمد و با جان بدر شود

می ترسم از خرابی ایمان که می برد — محراب ابروی تو حضور نماز من — معشوق کی دلفریبی

زان پیشتر که عالم فانی شود خراب — ما را به جام بادهٔ گلگون خراب کن — مستی کی تمنا

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران هم بکنند آنچه مسیحا می کرد — کمال کسی پر محدود نہین

ما قصهٔ سکندر و دارا نخوانده ایم — از ما بجز حکایت مهر و وفا مپرس — ہمہ تن وفا و محبت ہونا

داستان در پرده می گویم و لے — گفته خواهد شد بدستان (زور سے) نیز هم — اعلان راز

محتسب داند که حافظ می خورد — آصف ملک سلیمان نیز هم

رنگ و تزویر پیش ما نبود — شیر سرخیم و افعی سیهیم — ظاہر و باطن یکسان ہونا

گرچه پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر — تا سحر گه ز کنار تو جوان برخیزم — معشوق کی روح افزائی

ای نور چشم من سخنی هست گوش کن — تا ساغرت پر است بنوشان و نوش کن — جود و کرم کی ترغیب

بس تجربه کردیم درین دیر مکافات — با دُرد کشان هر که درافتاد برافتاد — غریبونکے ستانے کا انجام

سوز آه و سینهٔ سوزان من — سوخت این افسردگان خام را — سوز دل کا اثر

بیان کا اصلی موقع وہان آتا ہی جہان کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہی مثلاً رنج
و ناز، غیظ و غضب، عشق و محبت،

خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام مین
یہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہی کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی مین اسکی
ین ملسکتی، اسکے اندازہ کرنے کے لیے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور رہنا ہو، کہ
وہ مستی کے جوش و خروش مین ہوتا ہے، تو اسکے دل مین کیا کیا خیالات آتے ہین، وہ

مزے مین آکر پکارتا ہی کہ مجکو نام و ننگ کی کچھ پروا نہین ساقی پیالہ پر پیالہ دیے جا، اور کسی نہ ڈر، زاہد کیا جانتا ہی کہ جام مین کیا کیا گوناگون عالم نظر آتے ہین، مطرب سے کہدو یہ ترانہ گا کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہی، کل خاک مین جانا ہی ہو آج کیون نہ عالم مین غلغلہ ڈالدو تم مجھے حقیر سمجھتے ہو شراب خانہ مین آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہی؟ میری ہاتھ مین جو پیالہ ہی جمشید کو بھی نصیب نہوا ہوگا، مین شراب آج سے نہین پیتا، مدت سے آسمان اس غلغلہ سے گونج رہا ہی، صوفی اور واعظ رازدانی کی شیخیان بگھارتے ہین، حالانکہ جو کہتے ہین مجھی سے سن لیا تھا، یہ عالم لطف اٹھانے کے لیے کافی نہین، آؤ آسمان کی چھت توڑ کر ایک اور نیا عالم بنائین، خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین جس طرح ایک سرمست کے دل مین آتے ہین۔

ابھی یہ بحث چھوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہی یا انگور کی مستی دونون مین ہی اور یہان صرف مستی سے غرض ہے،

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

آؤ پھول برسائین اور شراب پیالہ مین ڈالین　　آسمان کی چھت توڑ ڈالین اور نئی بنا ڈالین

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد　　من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم عاشقون کے مقابلہ کے لیے فوج تیار کرے، تو ہم اور ساقی دونون ایکا کر کے اسکی جڑ اکھاڑ کر پھینکدین

چو در دست است رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش　　کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

رند مزے مین آکر جب گاتا ہی تو دونون طرف ہاتھ جھٹکتا ہی، پاؤن زمین پر دے دے

صیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہین جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہین
جس قدر ضبط تحریر مین آسکتا ہے وہ حسب ذیل ہی،

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری مین متعدد ایسی باتین جمع ہوگئی ہین جنکا مجموعہ
ن گیا ہی، ممکن ہی کہ انمین سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لین تو اورونکے ہان
ائے لیکن خواجہ صاحب کا کلام ع انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری،، کا
راق ہی

انمین بعض اوصاف ایسے بھی ہین جو اورون کے کلام مین اس درجہ تک نہین پائے
، مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی مابہ الامتیاز ہے لیکن
ا چیز ہے جسکے مدارج کی حد نہین، ممکن ہی کہ ایک شعر خود نہایت روان اور صاف
ستہ ہو، لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو
طرح نغمہ اور حسن کہ انکے مدارج ترقی کی کوئی حد نہین،

ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایان وصف ہی جوش بیان
ی طرح تنوع مضامین بھی، ان سے پہلے اسقدر نہ تھا، چنانچہ ہم انکے کلام کے تمام
اف کو الگ الگ عنوان کے ذیل مین لکھتے ہین،

بیان | فارسی شاعری، باوجود ہزارون گوناگون اوصاف اور خیالات کے، جوش بیان
الی ہی، فردوسی اور نظامی کے ہان خاص خاص موقعون پر جوش بیان کا پورا زور
ن وہ اورونکے خیالات اور واردات ہین، خود شاعر کے حالات اور جذبات

نہین بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام مین جو جذبات ہین وہ خود اُسکے واردات اور حالات ہین اسلیے اُن کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین کہ ایک عالم چھا جاتا ہی

جوش بیان کیلیے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہین، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہی، البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتین بدل جاتی ہین، مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہی تو اس انداز سے کرتا ہی کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہے، قہر اور غضب کا بیان ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا مذکور ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ تمام عالم ہیچ ہی غصہ اور غضب کا مضمون ہی تو نظر آتا ہی کہ مُنھ سے انگارے برس رہے ہین،

خواجہ صاحب نے سیکڑون گوناگون خیالات ادا کیے ہین اور جس خیال کو ادا کیا ہی اس جوش کے ساتھ کیا ہی کہ سُننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہی جو خود خواجہ صاحب کے دل مین ہوتا ہے،

زمانہ کی بے اعتباری

اعتمادے نیست بر دور جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود — کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

استقلال و ثابت قدمی

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است — ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

وجد و ذوق

در نمازم خم ابروی تو ام یاد آمد — حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

افسانۂ عشق کی دلآویزی

از حدیث سخن عشق ندیدم خوشتر — یادگاری کہ درین گنبد دوار بماند

واعظون کی وعظ اور پند کی تحقیر

بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو — اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود　　ز زہد ہمچو توئی یا ز رندی چو منی

با مرد زہد و توبہ و طامات نیستم　　با ما بہ جام بادۂ صافی خطاب کن

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب　　ما را بہ جام بادۂ گلگون خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے، اسکے لیے جھگڑون اور بکھیڑون مین پڑنے سے
حاصل کھاؤ پیو لطف اُٹھاؤ اور دنیا سے گزر جاؤ، سو سو طرح بندھ چکے ہین، اور خیام کی
م شاعری کی یہی کائنات ہے لیکن **خواجہ صاحب کے** ہان جو جوش بیان پایا جاتا ہے
رسی شاعری اس سے خالی ہے؛

رب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش　　کہ تا یکچند بیاسایم ز دنیا و ز شر و شورش

د صید بہرامے بیفگن جام مے بردار　　کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام است نہ گورش
گور خر

مَی دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ　　ہمین بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دومنے　　فراغتی و کتابے و گوشۂ چمنے

من این مقام بدنیا و آخرت ندہم　　اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

دنیا کی شان و شوکت، جاہ و جلال، دھوم دھام، ان کو للچانا چاہتی ہین، لیکن اُنکے
سے یہ صدا آتی ہے کہ تاکے؟ یہ نیرنگیان کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کے لیے زندگی
یون آلودہ کیا جائے۔

ن زکبر و ناز کہ دیدہ است روزگار　　چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

ل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست　　بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست

بیفشان جرعہ بر خاک و حال اہل شوکت بین — کہ از جمشید و کیخسرو ہزاران داستان دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد — کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اسقدر چھا گیا تھا کہ بوریاے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، وہ خود اس خیال مین مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اُٹھائین، وہ مناظر قدرت سے، بہار سے، آب روان سے، سبزہ و مرغزار سے، لطف اُٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے، اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کے فلسفہ کی تعلیم دیتے ہین، یونان مین اپکیورس کی بھی یہی تعلیم تھی، لیکن وہ فلسفی تھا اسلیے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ کے انداز مین کہتا تھا، خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اسلیے اُنھون نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے،

عید است ساقیا قدحے پر شراب کن — دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند — چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند

دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد — بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بدردسر نمی ارزد

غم دنیای دنی چند خوری بادہ بخور — حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

خوشتر از فکر می و جام چہ خواہد بودن — چون خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

بہار سے لطف اُٹھاتے ہین

رتا ہے، سر کو دائین بائین جھٹکے دیتا ہے، یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہی

ساقی بہ نور بادہ برافروز جام ما | مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم | اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما
ساقیا برخیز و دردہ جام را | خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلان | مانمی خواہیم ننگ و نام را
تا زمی خانہ و مے نام و نشان خواہد بود | سر ما خاک رہ پیر مغان خواہد بود
حلقۂ پیر مغانم زازل در گوش است | ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود
بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ | کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود
عاقبت منزل ما وادی خاموشان است | حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز
حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست[۵] | بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست
ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو | انکار ما مکن کہ چنین جام جم نداشت
خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت | از دست داد و ہیچ غم بیش و کم نداشت
ما می بہ بانگ چنگ نہ امروز می خوریم | بس دور شد کہ گنبد چرخ این صدا شنید
سر خدا کہ عارف و سالک بکس نگفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
ساقی بیا کہ عشق ندا می کند بلند | کان کس کہ گفت قصۂ ما ہم ز ما شنید
من ترک عشق بازی و ساغر نمی کنم | صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم

[۵] یعنی کچھ ایسی کائنات نہین،

من رند و عاشق و آنگاه توبه — استغفر الله استغفر الله

ما زهد و تقوی کمتر شناسیم — یا جام باده یا قصه کوتاه

شراب و عیش نهان چیست کار بی بنیاد — زدیم بر صف رندان و هر چه باداباد

سخن درست بگویم نمی توانم دید — که می خورند حریفان و من نظاره کنم

گدای میکده ام لیک وقت مستی بین — که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

نه قاضیم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه — مرا چکار که منع شراب خواره کنم

با من خاک نشین خیز و سوی میکده آی — تا ببینی که در آن حلقه چه صاحب جاهم

ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف — سر و دستار نداند که کدام اندازد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن — چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

پیر میخانه چه خوش گفت معمائی دوش — از خط جام که فرجام چه خواهد بودن

باده خور غم مخور و پند مقلد مشنو — اعتبار سخن عام چه خواهد بودن

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور — حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می — طامات تا بچند و خرافات تا بکی

شیخم به طنز گفت حرام است می مخور — گفتم بدو که گوش بهر خر نمی کنم

که برد؟ به نزد شاهان ز من گدا پیامی — که بکوی می فروشان دو هزار جم بجامی

صبح است ژاله می چکد از ابر بهمنی — برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی

ساقی بهوش باش که غم در کمین ماست — مطرب نگاه دار همین ره که میزنی

منی جسنے اُس کی آنکھ دیکھی بول اُٹھا کہ کہین محتسب نہین کہ مست کو گرفتار کرے:

معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہی خواجہ صاحب اسکو اس طرح

دا کرتے ہین،

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہی کہ تصویر کھینچدی ہے، بنفشہ گویا ایک حسین اور جمیلہ ہی، اسکی

زلفین نہایت خوبصورت اور گھونگروالی ہین، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی

مین گرہین لگا رہی ہی، اتنے مین کہین سے صبا آنکلی، اسنے معشوق کی زلفونکا ذکر چھیڑ دیا

بنفشہ عین غرور اور ناز کی حالت مین شرما کر رہگئی،

جدت مین جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہو جانا بیان نہین کیا کہ اسکے

اظہار کی ضرورت نہین،

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہین کرتا تاہم

چونکہ اس کی فتوحات اور نذور، ریا اور زور کے ذریعہ سے ہات آتی ہین اسلیے وہ بھی

حرام سے کم نہین، اس مضمون کو یون ادا کیا ہے،

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما

شراب

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی، میرے اب حرام (شراب) کر بازی

نہ لیجا سکے جدت اسلوب کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی،

ترسم سے دکھانا ہی کہ مین اس بات کو بطور شماتت کے نہین کہتا، بلکہ ہمدردی کے لحاظ

سے مجکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہین ایسا نہو، قیامت کو باز خواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہی جس سے
یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہی،

نان حلال، اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، اصل مضمون کو نہایت بلیغ کردیا ہے، یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے، میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے، تو زاہد کے لیے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد — کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

اس طرز ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہرحال اچھی ہی، خود فقیہ کی زبان سے کرایا ہی، اسکے ساتھ مست کی قید لگادی ہی جس سے یہ دکھانا مقصود ہی کہ فقیہ سچی بات کا اظہار یون کا ہیکو کرتا مست تھا، اسلیے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل مین تھا زبان سے کہہ گیا،

زاہد خدا کا تصور جو دلون مین قائم کراتے ہین وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر و غضب ہی، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہوا اور نہایت بے رحمانہ سزائین دیتا ہی لیکن اہل نظر کے نزدیک خدا سرتاپا لطف اور رحم ہی، اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہین؛

پیر دروے کش ما گرچہ ندارد زر و زور — خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

"خدائے" کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہی، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہی زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہین،

یہ مضمون کہ مین نے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ ہر شخص نے اسکی

نفس باد صبا مشک فشان خواہد شد | عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد
ارغوان جام عقیقی بہ سمن خواہد داد | چشم نرگس بہ شقائق نگران خواہد شد
مطربا مجلس انس است غزل خوان و سرود | چند گوئی کہ چنین است وچنان خواہد شد
بلبل ز شاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی | می خواند دوش درس مقامات معنوی
مرغان باغ قافیہ سنجید و بذلہ گو | تا خواجہ می خورد بہ غزل ہاے پہلوی
در ویشیم و گدا و برابر نمی کنم | پشمین کلاہ خویش بہ صد تاج خسروی
خوش فرش بوریا و گدائی و خواب امن | کین عیش نیست در خور اورنگ خسروی
آخر الامر گل کوزہ گران خواہی شد | حالیا فکر سبو کن کہ پُر از بادہ کنی
ای کہ در کوی خرابات مقامے داری | جم وقت خودی ار دست بہ جامے داری
ای کہ با زلف و رخ یار گذاری شب و روز | فرصتت باد کہ خوش عیش دوامے داری
می خواہ گل افشان کن از دہر چہ می جوئی | این گفت سحر گہ گل بلبل تو چہ می گوئی
مسند بہ گلستان بر شاہد و ساقی را | لب گیری و رخ بوسی می نوشی و گل بوئی

خواجہ صاحب کے اس خاص کمال (جوش بیان) کا اندازہ اسوقت اچھی طرح ہوسکتا ہی جب انہی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جاے نمونہ کے لیے ہم صرف چند شعرون پر اکتفا کرتے ہین

سلمان | حافظ
رندی و عاشقی و قلاشی | عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست | تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام

حافظ	سلمان
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	در دن صافی از اہل صلاح ذزہد مجوی
کین حال نیست صوفی عالی مقام را	کہ این نشانۂ رندان دردی آشام است
گرچہ بدنامی است نزد عاقلان	مکن ملامت رندان دگر بہ بدنامی
مانمی خواہیم ننگ و نام را	کہ ہرچہ پیش تو ننگ ست نزد ما نام است
جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو	غرض از کعبۂ و بت خانہ توی سلمان را
خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم	چکنم خانۂ بے خانہ خدا باید رفت
فاش می گویم واز گفتۂ خود دلشادم	من ازان روز کہ در بند توام آزادم
بندۂ عشقم واز ہر دو جہان آزادم	بادشاہم چہ بدست تو اسیر افتادم
یارب این باکہ توان گفت کہ آن نوشین لب	ای گنج نوشدارو ورخستگان نظر کن
کشت مارا و دم عیسی مریم با اوست	مرہم بدست و مارا مجروح می گزاری

بدیع الاسلوبی یعنی جدت وخوبی ادا | اکثر مضامین ایسے ہین جو مدتون کی بندھے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجای خود معمولی مضمون تھے، جن مین کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدت ادا نے اسکو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور، سرشار اور مست کہتے آئے ہین، خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہین،

ہرکس کہ بدید چشم او گفت | کو محتسبی کہ مست گیرد

د دی، اسکو یون ادا کرتے ہین،

رس کہ دید روی تو بوسید چشم من — کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نکرد

یعنی جسنے تیرا چہرہ دیکھا میری آنکھین چوم لین کہ کیا عمدہ انتخاب ہی، میری آنکھ

ے جو کام کیا دیکھ بھال کے کیا،

شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہین، عام مضمون ہے

عدی فرماتے ہین،

لند سیل بہ خوبان دل من خردہ مگیر — کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہین

ن رچہ عاشقم و رند و مست نامہ سیاہ — ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہی کہ مین اگرچہ گنہگار اور نالایق ہون لیکن خدا کا شکر ہی کہ

ہر مین اور لوگ پاکیزہ اخلاق ہین جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اورون

نہ پڑیگا، لیکن حقیقت مین یہ اورون پر درپردہ چوٹ ہی، سعدی نے کھُلے لفظون

ن کہدیا، خواجہ صاحب کنایۃً ادا کرتے ہین،

خدا کے عفو کے بھروسہ پر شراب پینے کی جرات اس پیرایہ مین دلاتے ہین،

یار بادہ بخور زان کہ پیر میکدہ دوش — بہ حدیث غفور و رحیم و رحمن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جن سے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہے، لانا

س قدر بلاغت ہے،

دنیا کی بے ثباتی کو اس انداز مین ادا کرتے ہین

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود — کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہین اسلیے یہ چندروزہ زندگی عیش و عشرت مین گذار
کل خدا جانے کیا ہوگا، اس مضمون کے لیے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے عیش اور
کامیابی مین جمشید سب سے نام آور ہی تاہم خود اُس کی مجلس مین یہ راگ گایا جاتا تھا اس سے
بڑہکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہوگا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب
وخطاب ایک طرف پورا نام بھی نہین، اس مضمون کو نہایت با اثر کر دیتا ہے،

شرم ازان چشم سیہ بادش و مژگان دراز — ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است

اس مضمون کے ادا کرنیکا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا
ہے اگر معشوق کو دیکھ لیتا تو اعتراض سے باز آتا، اسکو یون ادا کیا ہی کہ جو شخص میری دلباختگی
پر اعتراض کرتا ہی اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سی شرم نہین آتی یعنی مجھ پر اعتراض کرنا
گویا آنکھون کی دلربائی سے انکار کرنا ہے،

یارب بہ کہ بتوان گفت این نکتہ کہ در عالم — رخسارہ بکس ننمود آن شاہد ہرجائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ مین چمکتا ہی لیکن اسکی
حقیقت کسی کو معلوم نہین ہوئی اور نہو سکتی ہے، کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہی یعنی کسقدر تعجب ہے
کہ ہرجائی بھی ہی اور آجتک کسی نے اسکو دیکھا بھی نہین، وصالی نے اسی مضمون کو یون
ادا کیا ہے،

اے کہ در ہیچ جانہ داری جا　　بوالعجب ماندہ ام کہ ہر جائی

خواجہ صاحب کی طرز ادا مین لطافت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سے سمجھ مین آنے کے لیے ہم چند مثالین لکھتے ہین سے ظاہر ہوگا کہ ایک مضمون جو کسی اور اُستاد نے باندہا تھا خواجہ صاحب نے خوبی سے اسکو کسقدر بلند رتبہ کر دیا ہے،

حافظ	سعدی
درراہ عشق فرق غنی و فقیر نیست	تو گرچہ امیر و ما فقیریم
ای بادشاہ حُسن سخن باگدا بگو	دل داری دوستان ثواب است

حافظ	سعدی
بنال بلبل اگر بامنت سر یاری است	بلبل گر نالی من باتو ہم آوازم
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است	تو گلے داری من عشق گل اندامی

صاحب کہتے ہین کہ "بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو مین بھی تیرا ساتھ دینے جود ہون، مجکو تجھ سے ہمدردی کی یہ وجہ ہی کہ تو گل پر عاشق ہے اور میرا معشوق بھی اندام ہی" غرض شیخ نے ہمدردی کی وجہ معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہے، یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے ذرا ہٹا ہوا ہے، اسلیے خواجہ صاحب ہمدردی جہ صرف عشق کی شرکت قرار دیتے ہین معشوق کے اشتراک سے کوئی تعلق نہین، ساتھ خود بلبل کے پیرو نہین بنتے بلکہ بلبل کو اپنا پیرو بناتے ہین "دو" کے لفظ پر

جز ورد یا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے صحیح دعویدار صرف دو ہی ہو سکتی ہیں
عاشق اور بلبل ان باتوں کے ساتھ زار اور زاری کے اجتماع اور مطلع ہونے کی
شرط کو نہایت بلند پایہ کر دیا ہے،

سعدی — حافظ

ای گنج نوشدار و در خستگان نظر کن — چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب
مرہم بدست و مارا مجروح می گزاری — بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کسقدر لطیف کر دیا ہے،

سلمان — حافظ

رندی و عاشقی و قلاشی — عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست — تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام

چستی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہیں کہ مجھ میں یہ سب
باتیں ضرور ہیں، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان باتوں پر اُن کو فخر ہی یا ندامت
خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ان کو
باعث ناز قرار دیتے ہیں، ع تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام،

سلمان — حافظ

مکن ملامت رندان و گریہ بدنامی — گرچہ بدنامی است نزد عاقلان
کہ ہرچہ پیش تو ننگ است دما نام است — مانمی خواہیم ننگ و نام را

ن کہتے ہین کہ ہم کو ملامت نکرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک
دی کی بات ہی، اس مضمون مین یہ نقص ہی کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہے کہ
کو نام کی خواہش ہے، گو وہ نام آورون کے نزدیک ننگ ہے، خواجہ صاحب فرماتے
ں کہ ہم کو نام و ننگ سے سرے سے غرض ہی نہین اور رندی کی یہی شان ہے،

سلمان	حافظ
ہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل	شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد
ہد آن است کہ این دارد و آنے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

ۂ ام طلعت زیباش کہ آنے دارد۔
تا ہمہ شیفتہ من از پے آن می گردم

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضا کا نام نہین، بلکہ اصلی چیز ناز
و انداز ہی، سلمان نے اس مضمون کو جسطرح ادا کیا، اسمین ایک اور لفظی خوبی یعنی این و
ن کا مقابلہ شامل کر دیا، جس سے اصل مضمون کا زور بٹ گیا، اسلیے خواجہ صاحب نے
ں مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا، لیکن این و آن کا لطف
ہات سے دینے کے قابل نہ تھا اسلیے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایان
رایہ مین ادا کیا،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن	یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین، ہم کو صرف نمونہ دکھانا مقصود تھا۔

ان جزئی اسالیب سے قطع نظر کرکے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن
مضامین کو زیادہ تر باندھا ہی وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی
بے ثباتی، واعظون اور زاہدون کی پردہ دری ہے، انمین سے ہر مضمون کے ادا
کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہی اس سے بہتر خیال مین نہین آسکتا، اور یہی وجہ ہی کہ انہی
مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑون ہزارون اشعار موجود ہین لیکن عام محفلون مین
خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانون پر ہین،

واردات عشق خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہے اور ہر نوع کو اعلیٰ رتبہ
پہنچایا ہی لیکن انکی اصلی شاعری، عشق و عاشقی اور رندی و سرمستی ہی، رندانہ مضامین وہ
جس آزادی، رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین، اس کی تفصیل جوش بیان کے
عنوان مین گذر چکی، عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہی لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے
(جیسا کہ ہم ابتدا مین لکھ آئے ہین) کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق
رکھتے ہین، وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے، اسلیے عشق و عاشقی سے انکو وہین تک
تعلق ہی جہانتک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آے، وہ ناامیدی، حسرت، یاس وغیرہ
کچھ لکھتے ہین تو محض تقلید ہوتی ہی، وہ غمگین منہ بنانا بھی چاہتے ہین تو چہرہ سے شگفتگی
نہین جاتی، اس بنا پر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی، مجلس افروزی کے
جذبات اچھی طرح ادا کرسکتے ہین، وہ اس قسم کا عشق نہین کرتے کہ کسیکے پیچھے زندگی برباد
کردین گلیون مین پڑے پھرین، انکا عشق بھی لطف نظر ہے، اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی

تازہ ہوگیا، پاس بیٹھ گئے، ہمزبانی کا لطف اُٹھایا، زیادہ پھیلے تو سینہ سے لگا لیا
ین باہین ڈالدین، اس حالت مین بھی کوئی بُرا خیال نہین پاکبازی اور پاک
ی کی روک قائم ہی، خود فرماتے ہین،

منم کہ شہرۂ شہرم بہ عشق ورزیدن　　منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بدیدن

ہمہ عشق و محبت مین جو جو واردا تین گذرتی ہین ایک ایک سے باخبر ہین اور ان سب
ت کو اُسی سچائی اُسی واقفیت اُسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہین، جس طرح دل
آتے ہین اور یہی اصلی شاعری ہی، وہ کوئی بات نہین کہتے جب تک کوئی جذبہ دل
نہین پیدا ہوتا معشوق کی تعریف بھی جو شاعرون کا رات دن کا وظیفہ ہی کرنا چاہتے
تو اُسی وقت کرتے ہین جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دلپر نئی چوٹ پڑتی ہی، ورنہ
کچھ کہہ جاتے ہین تو اُسکو بیکار سمجھتے ہین، خود فرماتے ہین،

تا سنجیدہ گفتم دلبرا! معذور دار　　عشوۂ فرماے تا من طبع راموزون کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز مین کہا ہے،

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر　　تو خیالبستی و من معنی رنگین بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہین کہ عشق محض ظاہری حسن و جمال سے
پیدا ہوتا اور رہتا ہی تو وہ عشق نہین بلکہ ہوس پرستی ہے عشق کے لیے معشوق مین
و جمال کے سوا اور بہت سی ادائین ہونی چاہئین، اسی نکتہ کو سلمان ساوجی نے
دا کیا تھا،

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل　　شاہد آن ست کہ این دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کردی، خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہین،

شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد　　بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

لیکن یہین تک بس نہین کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہین،

ہزار نکتہ درین کاروبار دلداری است　　کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری است

عاشق جب عشق سے لطف اٹھاتا ہے تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اور ونکو بھی اس مزہ کے اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے،

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار　　بگذارند و سر زلف نگارے گیرند

شہرے پر از حریفان وز ہر طرف نگارے　　یاران صلاے عشق ست گر می کنید کارے

اس مستی کو دیکھو کہ "یارو کوئی کام کرنا ہے تو بس یہ (عشق) کرنے کا کام ہے"،

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہین کہ معشوق کو طرح طرح آراستہ کرونگا، پھولون کے زیور پہناؤنگا، تخت پر بٹھاؤنگا، اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھے اور تماشائیون پر بجلی گرائے، ان جذبات کی تصویر دیکھو،

بہ تخت گل بنشانم بتے چو سلطانے　　ز سنبل و سمنش ساز و طوق و یارہ کنم
　　(چنبیلی، زیور، طوق، کنگن)

کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن　　بہ غمزہ رونق بازار سامری بشکن

بباد دہ، سر و دستار عالمے، یعنی　　کلاہ گوشہ بہ آئین دلبری بشکن
(لوگونکی پگڑیان اچھال)

چو عطرسائی شود زلف سنبل از دم باد　　تو قیمتش بہ سر زلف عنبری بشکن

به زلف گوئی که آئین دلبری بگذار | به غمزه گوے که قلب ستمگری بشکن
برون خرام و ببر گوی خوبی از همه کس | سزای حور بده رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہین کہ وصل مین دل کے کانٹے نکلجاتے ہین اور تسکین ہوجاتی ہے لیکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل مین آتش شوق اور بھڑکتی ہے اور دل کا ولولہ کسیطرح کم نہین ہوتا، اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے،

بِكُلٍّ تَدَاوَيْنَا فَلَمْ يَشْفِ مَا بِنَا | عَلَى اَنَّ قُرْبَ الدَّارِ خَيْرٌ مِنَ الْبُعْدِ

یعنی ہم سب کرکے دیکھ چکے، کسی سے تسلی نہین ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہی، خواجہ صاحب اس نکتہ کو یون ادا کرتے ہین،

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت | وندران برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست؟ | گفت مارا جلوۂ معشوق درین کار داشت

معشوق نے چندروز بیوفائی برتی ہی، پھر صاف ہوگیا ہی، عاشق کو پچھلی باتین یاد آتی ہین لیکن قصداً بھلاتا ہے اور معشوق کو مطمئن کرتا ہی کہ مجکو کوئی شکایت نہین، اتفاقیہ باتین تھین، ہوگئین، اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت | ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم وستم کو معشوق کی طرف منسوب نہین کرتا، بلکہ زلف کا نام لیتا ہی اور اسکو ہندو (جو ر ظالم) کہتا ہے کہ اس سے یہ کیا بعید ہے،

برق عشق ار خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت | جور شاہ کامران گر بر گدائی رفت رفت

گر دلم از غمزۂ دلدار تاب بے بُرد بُرد — درمیان جان وجانان ماجرائی رفت رفت

کبھی عاشق کے دل مین یہ جذبہ اُٹھتا ہی کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہونگے لیکن میری سی جانبازی کون کرسکتا ہے، اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کردیتا ہے،

خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ مین ادا کرتے ہین،

شبے مجنون بہ لیلی گفت کای معشوق بی ہمتا — ترا عاشق شود پیدا ولے مجنون نخواہد شد

اس موقع پر مجنون کے لفظانے کیا بلاغت پیدا کی ہی، یہ مضمون سیکڑون نے باندھا ہی لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہوا،

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہی تو عاشق تنگ آکر کہدیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذر یے، دنیا مین اور ہزارون صاحب جمال ہین، معشوق بھی جانتا ہے کہ بات سچ ہی لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منصب کے خلاف ہے، ان سچے جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہین،

صبحدم مرغ چمن باگل نوخاستہ گفت — نازکم کن کہ درین باغ بسی چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم ولے — ہیچ عاشق سخنے سخت بمعشوق نہ گفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کے لیے خاص ہین لیکن بڑہاپے مین بھی یہ آگ سرد نہین ہوتی، عاشق پر اس زمانہ مین مختلف حالات گذرتے ہین، کبھی کہتا ہی،

ع رندی وہوسناکی در عہد شباب اولے،

کبھی خیال کرتا ہی کہ عشق کی گرمی خود جوان بنا دیگی، اس حالت مین کبھی معشوق سے کہتا ہے،

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر | کہ سحر گہ ز کنار تو جوان برخیزم

کبھی کہتا ہے،

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتوان شدم | ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

اسی بنا پر رکناے کاشی نے کہا ہے ع عشق در ایام پیری چون بسر آتش است،

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت مین خود اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لہجہ مین کہتا ہی،

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم | با من چہ کرد دیدۂ معشوقہ باز من

یہ سب اصلی واردا تین ہین، جو عاشق کو پیش آتی ہین، خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست ادا کیا ہے،

معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس اور کم مایہ ہوتا ہی تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہی، لیکن عاشق مین یہ امتیاز ملحوظ نہین، اس بنا پر قاصد سی خطاب کرکے کہتا ہے،

گر دیگرت بران در دولت گذر بود | بعد از ادای خدمت و عرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست | اے بادشاہ حُسن سخن با گدا بگو

غرض اسطرح کے سیکڑون جذبات ہین جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہی

اور جس کی مثال، اساتذہ کے کلام مین نہین مل سکتی، ہم سرسری طور پر یکجائی چند اشعار نقل کرتے ہین،

معشوق کی نسبت بدگمانی،

خواب آن نرگس فتّان تو بے چیزی نیست   تاب آن زلف پریشان تو بی چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد،

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب   کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

رقیب سے چھپ کر سرگوشی،

خدارا ای رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ   کہ من با لعل جان بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت،

زلف در دست صبا گوش بہ پیغام رقیب   این ہمہ با ہمہ در ساختۂ یعنی چہ

عشق سے پارسائی مین فرق آنے کا خطرہ،

می ترسم از خرابی ایمان کہ می برد   محراب ابروی تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہو کر چارہ نوازی نہ کی،

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب   بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

با کہ ایں نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل   کشت مارا و دم عیسی مریم با او ست

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ،

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ما ست   بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کرکے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند　　ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز،

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز　　دگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

اوروں کی کامیابی پر حسرت،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر حریفان بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی،

یک قصہ بیش نیست غم عشق وین عجب　　از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اسکا اعتراض،

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع　　او خود گذر بہ ما چو نسیم سحر نہ کرد

معشوق کی یاد مین شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح　　بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

معشوق نہ زر سے ہات آتا اور نہ خود ملتفت ہوتا۔

از بہر بوسۂ لبش جان ہمی دہم　　اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

اہل تقویٰ برا مانین تو مانین، شاہد پرستی نہین چھوڑی جا سکتی،

شراب لعل کش و روی مہ جبینان بین　　خلاف مذہب آنان جمال اینان بین

فلسفہ | خواجہ صاحب کا فلسفہ قریبًا وہی ہی جو خیام کا ہی، خواجہ صاحب نے انہی مسائل

کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح، اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ ہم اُنکو بدفعات بیان کرتے ہین،

(۱) ان کا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور انکی حقیقت کچھ معلوم نہین، اور نہ معلوم ہو سکتی! اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا، لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہین وہ اُنکا خاص حصہ ہی،

بروای زاہد خود بین! کہ ز چشم من و تو | راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

انداز بیان کی بلاغت کو دیکھو! کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہی جس سے زاہد کی دعوی رازدانی کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہے، خود بین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہی کہ یہ دعوی صرف خود بینی کی بنا پر ہوتا ہی، زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہے جس سے زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود ہی، یعنی اس امر مین عارف و زاہد، عالم و جاہل سب برابر ہین، دوسرے مصرع مین ماضی کے ساتھ آیندہ زمانہ کو بھی داخل کر لینے سے دعوی مین زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہی،

عنقا شکار کس نشود دام باز چین | کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را

حدیث از مطرب و می گوی و راز دہر کمتر جو | کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز | ہنگامہ باز چید و در گفتگو ببست

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست | اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

اقیا جام میم ده که نگارندهٔ غیب | نیست معلوم که در پردهٔ اسرار چه کرد
ن که بر نقش زد این دائرهٔ مینائی | کس نه دانست که در گردش پرکار چه کرد
شوی واقف یک نکته ز اسرار وجود | گر تو سر گشته شوی دائرهٔ دوران را
ر کارخانه ای که ره عقل و علم نیست | وهم ضعیف رای فضولی چه اکند
از بردن در شده مغرور صد فریب | تا خود درون پرده چه تدبیری کنند
ک هفتاد و دو ملت همه را عذر بنه | چون نه دیدند حقیقت ره افسانه زدند
ز درون پرده چه داند فلک خموش | ای مدعی نزاع تو با پرده دار چیست
یچ کس نشانی زان دلستان ندیدم | یا من خبر ندارم یا او نشان ندارد
ردم در انتظار درین پرده راه نیست | یا هست و پرده دار نشانم نمی دهد

(۲) شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہی، اور ذرہ ذرہ مین اُسکی چمک موجود ہی، لیکن
ی شخص اسکو پہچان نہین سکتا،

(۳) اسرار کائنات اگرچہ حقیقت مین معلوم نہین ہوسکتی، لیکن جو کچھ بھی معلوم ہوسکتا ہی
ہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہین معلوم ہوسکتا، بلکہ مجاہدہ، ریاضت،
دان اور کشف سے معلوم ہوسکتا ہی، خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام
اقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہی اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغان اور بادہ فروش کی حلقہ بگوشی
دعوی کرتے ہین، اور انکے مقابلہ مین زہاد یعنی علماے ظاہری کو بے حقیقت
مجھتے ہین،

راز درون پردہ ز رندان مست پرس — کین حال نیست صوفی عالی مقام را

سر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز — ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی — ترسم این نکتہ بتحقیق ندانی دانست

سر ز حیرت بدر میکدہا برکردم — چون شناسای تو در صومعہ یک پیر نبود

حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید — از **شافعی** مپرسید امثال این مسائل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے،

آن راز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است — بردار توان گفت و بہ ممبر نتوان گفت

(۴) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونیکا ذریعہ بیرونی چیزون کا مطالعہ نہین ہے، اُنکے نزدیک دل پر جب ایک خاص طریقہ سے توجہ، اور مدت تک اسپر مواظبت کی جاتی ہے تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہی، جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہین آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہی خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے؛

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست — وندران آئینہ صد گونہ تماشا می کرد

گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم — گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

یعنی مین نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہی ہاتھ مین شراب کا پیالہ ہی اسکو بار بار دیکھتا ہی، اور اُس مین اسکو گوناگون عالم نظر آتے ہین، مین نے پوچھا کہ

پرداز فطرت نے تم کو یہ جام جہان بین کسدن عنایت کیا تھا، بولا کہ جبدن یہ سبز گنبد
مان) تعمیر کر رہا تھا،

(۶) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان
ختار نہین ہر کوئی اور قوت ہی جو اس سے کام لے رہی ہی، اگرچہ بعض جگہ اسکے خلاف
ان کے قلم سے نکل جاتا ہے مثلاً

ع ہر عمل اجرے وہر کار جزاے دارد،

ن انکا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہی، یہ مسئلہ اگرچہ لبظاہر خلاف عقل ہے لیکن
ہ کی انتہائی منزل یہی ہے، اور ارباب فنا بھی اسی نشہ مین چور رہین، خواجہ صاحب جب
عالم مین آتے ہین تو اُن کی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہی اور عجیب جوش وخروش کا
ہوتا ہی،

ن مستوری و مستی ہمہ بدست من وتست — انچہ استاد ازل گفت، بکن آن کردم
لفتہ ام وبار دگر مے گویم — کہ من دل شدہ این رہ نہ بخود می پویم
ی ناصح وبر دُرد کشان خردہ مگیر — کار فرمای قدر می کند این من چہ کنم
غیرت کہ چنین می جہد از پردۂ غیب — تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم
ر نکورویان زسر بیرون نخواہد شد — قضای آسمان است و دیگرگون نخواہد شد
وز ازل کارے بجز رندی نفرمودند — ہر آن قسمت کہ آن جا شد کم وافزون نخواہد شد
ر و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند — ما دل بہ عشوہ کہ دہیم، اختیار چیست؟

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　انچہ استاد ازل گفت ہمان میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہین یہ غلط ہی کہ ع حریفان

بادہا خوردند و رفتند،

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　دیگران ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

(۶) بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے وہ بات ہر شخص کو نصیب نہین ہوسکتی؛

گوہر جام جم از طینت خاکِ دگر است　　تو توقع زگل کوزہ گران میداری

فلسفہ اخلاق **خواجہ صاحب** کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے

ان کا طرز عمل خود اُن کی زبان سے یہ ہے،

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن　　کہ در شریعت ما غیر ازین گناہے نیست

ع فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم

ما نہ گوئیم بد و میل بہ ناحق نہ کنیم　　جامۂ کس سیہ و دلق خود ازرق نہ کنیم

نہ صرف اچھون بلکہ برون کو بھی ہم بُرا کہنا پسند نہین کرتے کیونکہ گو بُرے کو بُرا کہنا چندان

مضائقہ نہین پھر بھی بُرائی سے خالی نہین اسلیے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے،

عیب درویش و تونگر بہ کم و بیش بد است　　کار بد مصلحت آن است کہ مطلق نکنیم

ہم اپنے نکتہ چینیون اور مخالفون سے بھی ناراض نہین ہوتے اسلیے کہ اگر وہ حق کہتے ہین

تو حق کے بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہین، اور اگر غلط کہتے ہین تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ ار خصم خطا گفت نگیریم بر او　　ور بحق گفت جدل با سخن حق نہ کنیم

ہماری مجلس عام ہی کسی کی تخصیص نہین جو چاہی آئے، ہم سب کے ساتھ یکسان برتاؤ
، ہین واعظون اور زاہدون کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کا فرق
یان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہین کرتا،

خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو　　گیر و دار حاجب و دربان درین درگاہ نیست
پیر خراباتم کہ لطفش دائم است　　ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست گاہ نیست

ہم کو صرف مہر و محبت سے کام ہی دشمنی بغض، اور کینہ ہمارا طرزِ عمل نہین،

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم　　کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن
میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات　　بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرائض اور عبادات بہشت کے لالچ سے نہین کرنی چاہئین بلکہ اسلیے کرنی چاہئین کہ
انسانی ہین، بہشت بے شک معاوضہ مین ملیگی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ نہین ہونا چاہیے،

ندگی چو گدایان بہ شرطِ مزد مکن　　کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
آن نگین سلیمان بہ ہیچ نستانم　　کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

مشہور ہی کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کی تاثیر سے تمام جن اور
ن انکے تابع تھے، ایک دفعہ ایک شیطان نے اسکو کسیطرح اڑا لیا، حضرت سلیمان کی سلطنت
ان شوکت سب جاتی رہی، یہانتک کہ مچھلیان بیچکر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ صاحب
ہین کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے، مین اسکو کوڑی کے مول بھی

نہین خریدتا۔

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم　　گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم

بہ خرمن دو جہان سر فرو نمی آرند　　دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بین

ما ملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم　　ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ای

لیاقت جب تک نہ ہو بڑون کی برابری نہین کرنا چاہیے،

تکیہ بر جاے بزرگان نتوان زد بگزاف　　مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے، خاندانی شرف کافی نہین،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما　　ور خود از گوہر جمشید و فریدون باشی

تحصیل مقصد کے لیے کوشش درکار ہے،

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان　　شرط اول قدم آن است کہ مجنون باشی

ترغیب عمل،

اے دل بہ کوی عشق گذاری نمی کنی　　اسباب جمع داری و کارے نمی کنی

چوگان بدست داری و گوی نمی زنی　　بازے چنین بدست و شکارے نمی کنی

علما اور واعظین کی پردہ دری

اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہے کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس
جو عیب اور برائیان کھلی کھلی ہوتی ہین، انکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دقیق، مخفی، اور سر بستہ
عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہین پہونچ سکتی، اسلیے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دین
چاہتا ہے، اسکے لیے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہے، اسکے ساتھ یہ بھی ضرور

یف اور دل آویز طریقون سے یہ عیوب ظاہر کیے جائین تاکہ لوگونکو گران نہ گذرین
اردؔ انکو اُنکے سُننے مین لطف آئے، مخفی اور دقیق عیوب جسقدر علمار واعظین اور زہاد
ن پائے جاتے ہین کسی فرقہ مین نہین پائے جاتے، چنانچہ امام غزالی نے احیار العلوم مین
نہایت تفصیل سے لکھاہے، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہاہے اسلیے اسکے عیوب کا
ہر کرنا آسان بات نہین، امام غزالی نے اسکا جو نتیجہ اُٹھایا، یہ تھاکہ انکی جان تک معرض
رین آگئی، اسلیے کسی کو ہمت نہوئی، شعرا مین سب سے پہلے خیام نے یہ جرات کی اسکے بعد
سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً

ب در قفاے رندان است	غافل از صوفیان شاہد باز
ن نمی رود از خانقہ یکے ہشیار	کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیان مستند
ند سیل بہ خوبان دل من خردہ مگیر	کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا
ت کسی سے نہوسکا،

ظان کین جلوہ بر محراب منبر می کنند	چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند
لے دارم ز دانشمند محفل باز پرس	توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند
یاد او رنمی دارند روز داورے	کین ہمہ قلب و دغا در کار داور می کنند
ا دوبیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت (قیامت)	بر در میکدہ با دف (کھوٹ) و نے ترسا ئے (خدا)
لمانی این است کہ حافظ دارد	وای اگر در پس امروز بود فردا ئے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجا کر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا نام ہی جو حافظ مین پایا جاتا ہی تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنیوالا ہی، تو ہائے"

اس شعر کا پیرایۂ بیان بھی کس قدر بلیغ ہی، اول تو جو کہنا ہی اسکو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہی، جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہی کہ غیرون کو بھی ان بدعمالیون پر افسوس اور رحم آتا ہی گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہی کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سُنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی، اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہی کہ دوسرونکا عیب کہتے تو اُنکو توجہ نہوتی،

سب سے بڑا عیب مولویون اور واعظون مین ریاکاری کا ہوتا ہی اسلیے نہایت دلیری سے اُنکی بُرائیان بیان کی ہین،

گرچہ بر واعظ شہر این سخن آسان نشود
تا ریا ورزد و سالوس، مسلمان نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گران گذریگی، لیکن ہی یہ کہ جب تک وہ ریا کرتا رہیگا مسلمان نہین ہوسکتا

غلام ہمت دردی کشان یک رنگم
نہ آن گروہ کہ ازرق لباس دل سیہ اند (نیلا)

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریاے نبود
بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیر مغان دیدم کرامت ہاے مردانہ
کہ این دلق ریائی را بہ جامی در نمی گیرد

می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب
بہتر ز طاعتے کہ بہ روی و ریا کنند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو بہ صومعہ کان جا سیاہ کارانند (خانقاہ)

نقد ہا را بود آیا کہ عیار سے گیرند　　　تا ہمہ صومعہ داران پے کارسے گیرند

یعنی اگر سکے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے،

مولویون اور واعظون کو اسمین بڑا کمال ہوتا ہے کہ تقدس کے پردہ مین اس طرح برائیان کرتے ہین کہ کسی کو اُن کی نسبت گمان بھی نہین ہوسکتا، خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے،

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز　　　مست است و در حق او کس این گمان ندارد

خرقہ پوشان ہمگی مست گذشتند و گذشت[1]　　　قصۂ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

صوفیان واستدند از گروِ می ہمہ رخت　　　دلق ما بود کہ در خانۂ خمار بماند

یعنی صوفیون نے اپنا خرقہ شراب کی عوض مین رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسیکو کانون کان خبر بھی نہوئی، ہم رند یون رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ رہن پڑا رہگیا،

داشتم دلقے و صد عیب مرا می پوشید　　　خرقہ رہن مے و مطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہے کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دار و گیر کیجاے، اس راز کو خواجہ صاحب اس طرح فاش کرتے ہین،

بادہ با محتسب شہر نہ نوشی زنہار　　　کہ خورد با تو می و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا، وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پیے گا اور تمہارا پیالہ بھی توڑ ڈالیگا،

[1] یعنی گئی گذری بات ہوئی،

مولویون اور واعظون مین ریاکاری علانیہ نظر آتی ہے اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہین ہوتے، اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہین،

می خور کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب — چون نیک بنگری ہمہ تزویر می کنند

صوفیان جملہ حریف اند نظر باز ولے — زان ہمہ حافظ سودا زدہ بد نام افتاد

علما کے اوصاف و اخلاق پر خوب غور کرو، تو نظر آئیگا کہ عوام کی عقیدتمندی اور نیازمندی کی وجہ سے اُنمین نہایت عجب اور غرور پیدا ہوجاتا ہے، اور اس وصف کو اسلیے ترقی ہوتی جاتی ہے کہ اُنکو یہ باتین مذہبی پیرایہ مین نظر آتی ہین، وہ کسی کو بُرا کہتے ہین تو سمجھتے ہین کہ امر بالمعروف کی تعمیل ہے، سلاطین اور حُکام کی دربارداری کرتے ہین تو سمجھتے ہین کہ احکام شرعی کے اجرا کے لیے اس کی ضرورت ہے، کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہین تو کہتے ہین کہ یہ بغض للہ ہے، غرور اور فخر کرتے ہین تو سمجھتے ہین کہ عزت نفس ہے، اس بنا پر یہ تمام عیوب اُن مین راسخ ہوتے جاتے ہین، خواجہ صاحب ان تمام عیبوں کی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون مین پردہ دری کرتے ہین،

گر از پردہ بردن شد دل من عیب مکن — شکر ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند

در راہ ما شکستہ دلی می خرند، وبس — بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است

یعنی ہمارے بازار مین صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اس کا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہے،

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزید — من ہم ار مہر نگارے بگزینم چہ شود

منی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو ہم بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائین آو کیا
رج ہی، یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے،

اخفاے حق

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند
عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

علما کی عام حالت یہ ہی کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہین کرتے بلکہ اگر
س مین کوئی برائی کا پہلو ہی تو صرف اُسی پر زور دیتے ہین، آجکل مغربی تعلیم قوم کے لیے
سقدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہی لیکن صرف اس وجہ سے کہ عوام اس سے وحشت
رتے ہین کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہین دے سکتا بلکہ ہمیشہ اس کی مخالفت کیجاتی ہے
واجہ صاحب نے نہایت مؤثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے، وہ کہتے ہین
عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو، شراب مین فائدہ بھی ہی اور نقصان بھی
ر نقصان فائدہ سے زیادہ ہی تاہم خدا نے قرآن مجید مین فرمایا فیہما اثم کبیر و منافع
ناس و اثمہما اکبر من نفعہما یعنی قمار اور شراب مین فائدے بھی ہین اور نقصان بھی،
یکن نقصان زیادہ ہے، جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بری چیز
ہے، اسکے فائدون کو چھپانا نہین چاہا، البتہ یہ بتادیا کہ فائدہ سے نقصان زیادہ
ہے، اور اسلیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر
ائز ہو سکتا ہی،

خواجہ صاحب نے اس بات کو جابجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون مین ادا کیا ہے
ولویون اور واعظون کی نیکیان بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہین، اسلیے درگاہ الٰہی مین

مقبول ہونے کے قابل نہین؛

درمی خانہ بہ بستند خدایا مپسند | کہ درخانۂ تزویر و ریا بکشایند
ترسم کہ صرفۂ نہ برد روز باز خواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما
این خرقہ کہ من دارم دررہن شراب اولی | وین دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

روزمرہ ومحاورہ | خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہی کہ اسکے ہان کلام مین روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین جو الفاظ اور ترکیبین رات دن استعمال مین آتے رہتے ہین اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہی عموماً وہی ہوتے ہین جو فصیح سلیس، نرم اور رروان ہون، اور اگر ان مین کسی قدر کمی ہوتی ہی تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکلجاتی ہی کیونکہ رات دن سُنتے سُنتے وہ الفاظ کانون کو مانوس ہوجاتے ہین محاورات کا بھی یہی حال ہی، محاورہ اُسوقت بنتاہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی مین استعمال کرتا ہی، اس لیے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح سلیس، اور رروان ہو، ورنہ تجاوُر عام مین نہین آسکتا،

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان مین مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانون کے نہایت کم ہین اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی، شاعری کے لیے زبان پر قدرت تام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہی، خواجہ صاحب کی قادرالکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہی کہ اُنہون نے جسقدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعرا مین سے غالباً کسی نے نہین برتے اور یہ اُن کی قادرالکلامی کی

ایک بڑی دلیل ہی،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے، لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہین[1]،

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما (شراب)

صلاح کار کجا و من خراب (قیامت) کجا بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین کین جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

ترسم آن قوم کہ بر درد کشان می خندند در سر کار خرابات کنند ایمان را

برو بہ کار خود ای واعظ این چہ فریاد است مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتادہ است

زدی خوب است و کمال ہنر و دامن پاک لاجرم ہمت مردان دو عالم با اوست

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز ہنگامہ باز چید و در گفتگو ببست

در راہ ما شکستہ دلی می خرند و بس بازار خود فروشی ازان راہ دیگر است

---

[1] جو محاورات ان اشعار مین آئے ہین اُنکے معنی ہم یہان لکھدیتے ہین

صرفہ بردن بازی لیجانا، دائم بازچیدن جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ ہات نہ آنا، خدمت سلام، درسر کار چیزے کردن صرف کر دینا یا لگا دینا، تراچہ افتادہ است تم کو کیا پڑی ہی، ہمت توجہ اور ہمدردی، بے اندام بے ڈول، ازان راہ دیگر است یعنی اسکا اور راستہ ہے،

اگرچه باده فرح بخش و باد گلبیز ست	به بانگ چنگ مخور می که محتسب تیز[۱] است
می خواست گل که دم زند[۲] از رنگ و بوی دوست	از غیرت صبا نفسش در دهان[۳] گرفت
آسوده بر کنار چو پرکار می شدم	دوران چو نقطه عاقبتم در میان[۴] گرفت
فرصت نگر که فتنه در عالم اوفتاد	عارف به جام می زد و[۵] از غم کران گرفت
حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید	غیرے چگونه نکته[۶] تواند بر ان گرفت
مستم کن آن چنان که ندانم ز بیخودی	در عرصه خیال که آمد کدام رفت
در حق من لبت آن لطف که می فرماید	سخت خوب است ولیکن قدرے بهتر ازین
همای همتم عمرے ست کز جان	هوا[۷]ے آن قد و بالا گرفت است
دلم جز مهر مهرویان طریقے بر نمی گیرد	ز هر در می دهم پندش ولیکن در[۸] نمی گیرد
رخ و چشمے باین خوبی تو گوئی دل ازو برگیر	برو کین وعظ بے معنی مرا در سر نمی گیرد
میان گریه می خندم که چون شمع اندرین مجلس	زبان آتشینم هست لیکن در نمی گیرد
بدین شعر تر و شیرین ز شاهنشه عجب دارم	که سر تا پای حافظ را چرا در زر[۹] نمی گیرد
یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب	بازی چرخ ازین یکدو سه کاری بکند
نقدها را بود آیا که عیارے گیرند	تا همه صومعه داران پے کاری[۱۰] گیرند

[۱] تیز، جھلا اور غصہ ور [۲] دم زدن، دعوی کرنا [۳] نفس در دہان گرفتن، دم گھٹنا [۴] در میان گرفتن گھیر لینا [۵] زدن، کسی چیز پر ٹوٹ کر گرنا

[۶] نکتہ گرفتن، اعتراض کرنا [۷] ہوا گرفتن، ہوا میں اڑنا [۸] در گرفتن، اثر کرنا، یا لگ جانا [۹] در زر گرفتن، سونے میں تلوا دینا

[۱۰] پے کارے گرفتن، کسی کام کے پیچھے پڑنا، لیکن ایسے موقعوں پر "اپنا راستہ لینا" کے معنے میں آتا ہے؛

خرقه پوشان همگی مست گذشتند و گذشت¹ — قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند
مطرب عشق عجب ساز و نوای دارد — نقش هر پرده که زد راه بجایی² دارد
جو راگ چھیڑا
از راه نظر مرغ دلم گشت³ هواگیر — ای دیده نظر کن که به دام که درافتاد
بس تجربه کردیم درین دیر مکافات — با دردکشان هر که درافتاد برافتاد⁴
چه مستی است ندانم که رو به ما آورد — که بود ساقی؟ و این باده از کجا آورد
رسیدن گل و نسرین به خیر و خوبی باد — بنفشه شاد و خوش آمد⁵ سمن صفا آورد
از دیده خون دل همه بر روی ما رود — بر روی ما ز دیده ندانم چها رود⁶
من و انکار شراب! این چه حکایت باشد — غالباً این قدرم عقل کفایت باشد
آن شد ای خواجه که در صومعه بازم بینی — کار ما با رخ ساقی و لب جام افتاد
رطل گرانم ده ای مرید خرابات — شادی⁷ شیخی که خانقاه ندارد
شراب و عیش نهان چیست کار بی‌بنیاد — زدیم بر صف رندان، و هرچه بادا باد
یارب بوقت گل گنه بنده عفو کن — وین ماجرا بسرو لب جویبار بخش
حاشا که من بموسم گل ترک می کنم — من لاف عقل میزنم، این کار کی کنم
ای مگس عرصهٔ سیمرغ نه جولانگه تست — عرض خود می بری و زحمت⁸ ما می داری
آبرو

گذشت، گئی گذری بات ہوئی، راہ بجای دارد، اصول اور قاعدہ کیموافق ہی، درافتادن اُلجھنا، صفا آورد خیر مقدم کے وقت کہتے ہیں، چہا رود، کیسے گذر گئی، شادی شیخی ایعنے اُسکے آرزہین، بہ فلان بخشیدن، اُسکے صدقہ مین، زحمت کشت برداشتن، کسی کو ستانا،

درد مندان بلا زہر ہلاہل نوشند — قتل این قوم خطا باشد، ہان تا نہ کنی[1]

اکثر محاورے ایسے ہین جو صرف بول چال اور بے تکلفی مین استعمال ہوتے ہین، اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہین، تصنیفات مین استعمال نہین کرتے، مثلاً اُردو مین یہ محاورات "جاؤ بھی، رہنے بھی دیجئے، دیکھ لیا،" وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال مین آتے ہین لیکن ناسخ، خواجہ درد، سودا وغیرہ ان کو نظم متانت کے خلاف سمجھتے ہین، لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے، اس لیے جن شعرا کو زبان کا خیال زیادہ ہی مثلاً داغ وغیرہ ڈہونڈھ ڈہونڈھ کر یہ تمام محاورات لاتے ہین، فارسی مین روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی، انکے کلام مین ایسے بہت سے محاورات ملین گے جو کسی اور کے کلام مین نہین مل سکتے، یہانتک کہ بول چال کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لے لیے ہین جو خاص لہجہ کے محتاج ہین اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ مین نہین آسکتے، مثلاً

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق — گفتم ای خواجۂ غافل! ہنرے بہتر ازین

ہنرے بہتر ازین، کو ایک خاص لہجہ سے پڑہنا چاہیے، جس سے استفہام کے معنی پیدا ہون یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہوگا، یا مثلاً یہ شعر ع

کنار و بوسہ و وصلش چگویم چون نخواہد شد،

یعنی جب یہ ہونا نہین ہی تو اسکا ذکر کیا کرون، اس قسم کی اور بہت سی مثالین ہین،

خوش نوائی

صاحب فن دق صاف محسوس کرتا ہے، کہ خواجہ صاحب کے کلام مین ایک خاص قسم

---

[1] ہان تا نہ کنی، دیکھو ایسا کبھی نکرنا،

ا خوش گواری پائی جاتی ہی، شاعری مین موسیقی بھی شامل ہی، اسلیے جو شعر موسیقی اور
وش نوائی سے الگ ہو گا شاعری کے رتبہ سے گھٹا ہو گا، خواجہ صاحب کے کلام مین یہ
صف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزلون کی بحرین ایسی رکھتے ہین جو موسیقی
سے مناسبت رکھتی ہین، شعرون کے ارکان اور ان کے ٹکڑے ایسے لاتے ہین جو تال
ورسم کا کام دیتے ہین، اس غرض کے لیے اکثر ہموزن الفاظ کا پے درپے آنا مدد
دیتا ہی، اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہی مثلاً،

بدور دست روے خوش زن مطرب سرودے خوش	کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سرانداز یم
یکے از کفر می لافد دگر طامات می بافد	بیا کین داوری ہارا بہ پیش داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد	من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزم	نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم
سرو روان من چرا میل وطن نمیکند	ہمدم گل نمی شود، یاد وطن نمی کند
دردم از یارست و درمان نیز ہم	دل فداے او شد و جان نیز ہم
گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت رفت	ورز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

ایک نکتہ یہان خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی، قدما کے کلام مین صنائع لفظی یعنے
صنعت اشتقاق، ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، مراعات النظیر کو
(تناسب لفظی) بھو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہے، سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ
زمانہ تک بڑے زور و شور سے جاری رہی، ان صنعتون کو عموماً شعرا نے محض صنعت

کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اسکا التزام دقت آفرینی ہے اور دقت آفرینی ایک کمال کی بات ہے، اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے، چنانچہ مراعات النظیر اور ایہام وطباق اُن کے ہان بھی جا بجا پائے جاتے ہین، مثلاً،

تا دل ہرزہ گرد من رفت بہ چین زلف او　　زان سفر دراز خود قصد وطن نمی کند

سخا نماند سخن طے کنم شراب کجاست　　بدہ بہ شادی روح روان حاتم طے

ع نان حلال شیخ ز آب حرام ما،

لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر اُن لفظی صنعتون کو لیا ہے جن سے خوش آہنگی اور خوش نوائی پیدا ہوتی ہے مثلاً،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن　　یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس شعر مین این و آن کا جو مقابلہ ہے اُسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت اضداد ہے لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ ان دو لفظون کی آواز کا تناسب ایسا ہے جو خود بخود کانون کو خوش معلوم ہوتا ہے اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھین تو گویا گیت کے اجزا ہین، مثلاً،

قاصد حضرت سلمےٰ کہ سلامت بادا　　چہ شود گر بہ سلامے دل ما شاد کند

اس مین سلمیٰ سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہین انسے عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا، لیکن اصل مین یہ تناسب الفاظ اور اسے فاصلہ پر بار بار آکر کانون کو خوش آیند معلوم ہوتے ہین، یا مثلاً،

ای صبا گر بجوانان چمن باز رسی — خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

اس شعر مین سرو و گل و ریحان جو الفاظ آئے ہین، عام لوگ اسکا نام مراعات النظیر
یا صنعت اعداد وغیرہ رکھین گے لیکن اس شعر کی بحر اور اُسمین خاص ان متناسب لفظون
کا اخیر مین آنا ایک خوش نوائی پیدا کرتا ہی جو دوسری صورت مین ممکن نہ تھی حالانکہ
ممکن تھا کہ وہ صنعتین باقی رہتین،

خواجہ صاحب کے کلام مین جہان اس قسم کی صنعتین نظر آئین غور سے دیکھو تو انہین
اصل خوش نوائی اور خوش آہنگی کا وصف ملحوظ ہوتا ہے، ملاحظہ ہو،

ادے نیست بر دو جہان — بلکہ بر گردون گردان نیست هم
ہر بوسۂ زلبش جان ہمی دہم — ایئم نمی ستاند و آنم نمی دہد
کہ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح — چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش
ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
دست زلف مشکینت خطای رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت
عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت — جور شاہ کامران گر بر گدای رفت رفت
دلم از غمزۂ دلدار تابے برد برد — در میان جان و جانان ماجرای رفت رفت

غور کرو ان اشعار مین جہان مکرر الفاظ آئے ہین کسقدر کانونکو خوش معلوم ہوتے
ہین ظاہر بین اسکو صنعت تکرار کہدیگا لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا
کرتا ہے،

کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش — کے روی؟ رہ ز کہ پرسی؟ چہ کنی؟ چون باشی؟

مصرع اخیر مین تم کو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہی کہ پے در پے سوالات آئے ہین جس سی صنعت استفہام پیدا ہوگئی ہی لیکن اس سی قطع نظر کر کے دیکھو یہ الفاظ کسطرح کانون کو ایک خاص متناسب کھٹکا دیتے ہین، اور خوش آیند معلوم ہوتے ہین،

خدارا رحمی اے منعم کہ درویش سر کویت — درے دیگر نمی داند، رہ دیگر نمی گیرد

بندش کی چستی بندش کی یہ چستی ایک وجدانی چیز ہی اس کی تعریف اور تحدید نہین ہو سکتی لیکن مذاق صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہی، مثلاً ان اشعار مین باوجود اتحاد مضمون اور الفاظ کے بندش کی چستی کا جو فرق ہی ہر شخص محسوس کر سکتا ہی،

سلیم مشاطہ را جمال تو دیوانہ می کند — کائینہ را خیال پری خانہ می کند

صائب دل را نگاہ گرم تو دیوانہ می کند — آئینہ را رخ تو پری خانہ می کند

غنی ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود — آئینہ از رخ تو پری خانہ میشود

صائب سرچشمۂ حیات لب می چکان اوست — عمر دوبارہ سایۂ سرو روان اوست

فطرت عیش ابد بہ کام دل دردمند تست — عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست

صائب ہمیشہ صاحب طول امل غمین باشد — کہ چین بقدر بلندی در آستین باشد

بیدل دستگاہت ہر قدر بیش است کلفت بیشتر — در خور طول است چین جا کہ دارد آستین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انہون نے متعدد موقعون پر تصریح کی ہی، سلمان اور خواجو کی غزلون پر غزلین لکھتے ہین، ان غزلون کے مقابلہ کرنیسے بندش کے زور اور چستی کا فرق

ف نظر آجاتا ہے،

سلمان	حافظ
بنان مہر توام مونس جان است کہ بود	گوہر مخزن اسرار ہمان است کہ بود
بنان ذکر توام ورد زبان است کہ بود	حقۂ مہر بدان مہر و نشان است کہ بود

مونس جان" کے قافیہ کے جواب مین خواجہ صاحب کا شعر ہی،

ز صبا پرس کہ مارا ہمہ شب تا دم صبح — بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

سلمان	حافظ
شوقم افزون شد و آرام کم و صبر نماند	عاشقان بندۂ ارباب امانت باشند
در فراق تو دلے عہد ہمان است کہ بود	لاجرم چشم گہربار ہمان است کہ بود

اس شعر مین سلمان کی بندش کی سُستی صاف ظاہر ہی "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا مین ہی، وہان سے الگ ہو کر دلے کے ساتھ اسکی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہی،

سلمان	حافظ
کے بود کے کہ بگویند سراسر اغیار	طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
کہ فلان یار ہمان یار فلان است کہ بود	ہمچنان در عمل معدن و کان است کہ بود
در ازل عکس مئ لعل تو در جام افتاد	عکس روی تو چو در آئینۂ جام افتاد
عاشقِ سوختہ دل در طمع خام افتاد	عارف از پرتو مے در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ مین حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہون،

آن شد ای خواجه که در صومعه بازم بینی	کارمن بارخ ساقی ولب جام افتاد

سلمان	حافظ
عشق بر کشتن عشاق تفاءل می کرد	صوفیان جمله حریف اند ونظر باز ولے
اولین قرعه که زد برمن بدنام افتاد	زان میان حافظ سودا زده بدنام افتاد
خال مشکین تو در عارض گندم گون دید	درخم زلف تو آویخت دل ازچاه زنخ
آدم آمد زپے دانۂ و در دام افتاد	آه کز چاه برون آمد و در دام افتاد

ان اخیر کے دونون شعرون کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہوجائیگا، سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزون ہی، چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہین بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہی، لیکن سلمان کے شعر مین بندش کی جو چستی ہے، خواجہ صاحب کے شعر مین نہین مصرع آدم آمد زپے دانہ و در دام افتاد، آدم، دانہ، دام، یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہوگئے ہین کہ مصرع مین نہایت برجستگی پیدا ہوگئی ہے، خواجہ صاحب کا مصرع پھُس پھُسا ہی، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل کم وزن کردیا ہے،

سلمان	حافظ
دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد	آن کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد
چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد	باز با دل شدگان ناز وعتابے دارد

سلمان	حافظ
ون چشم من از ان ریخت که تا ظن نه برم	چشم من کرد بهر گوشه روان سیل سرشک
برش مردم صاحب نظر آبے دارد	تا سهی سرو ترا تازه به آبے دارد
ن زلف تو سر رشتهٔ جان من و شمع	ماه خورشید نمایش ز پس پردهٔ زلف
ر یک از آتش رخسار تو تابے دارد	آفتابے است که در پیش سحابے دارد
ن که ز ابرو و مژه تیر و کمانے دارد	شاهد آن نیست که موے و میانے دارد
شم ها کرده سیه قصد جهانے دارد	بندهٔ طلعت آن باش که آنے دارد

ان مقابلون سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمھاری سمجھ مین آگیا ہوگا
ب خواجه صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو،

ن شمع سر گرفته دگر چهره برفروخت	وان پیر سالخورده جوانی ز سر گرفت
ن عشوه داد عشق که مفتی ز ره برفت	وان لطف کرد دوست که دشمن حذر گرفت
نا رزان عبارت شیرین و دل فریب	گوئی که پستهٔ تو سخن در شکر گرفت
ن ایستاده تا کنمش جان فدا چو شمع	او خود گذر بمن چو نسیم سحر نه کرد
ی و مرغ دوش نه خفت از فغان من	وان شوخ دیده بین که سر از خواب بر نکرد
بالا بلند عشوه گر سرو ناز من	کوتاه کرد قصهٔ زهد دراز من
مش خرم و خندان قدح باده بدست	وندران آئینه صد گونه تماشا می کرد
تم این جام جهان بین بتو کے داد حکیم	گفت آن روز که این گنبد مینا می کرد

زلفین سیہ خم بہ خم اندر زدہ باز — بخت من شوریدہ بہم بر زدہ باز
بر شیشہ صبرم زدہ سنگ نہ لیکن — با توچہ توان گفت کہ ساغر زدہ باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن بندش ہے،

جاحظ کا قول ہی کہ مضمون بازاریون تک کو سوجھتے ہین، جو کچھ فرق اور امتیاز ہی، لطف ادا اور بندش کا ہی، سیکڑون مثالین موجود ہین کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا، الفاظ تک اکثر مشترک ہین لیکن لفظون کے اُلٹ پلٹ اور ترتیب سے وہی مضمون کہان سے کہان پہنچگیا،

شوخی وظرافت | خواجہ صاحب کے کلام مین جابجا شوخی اور ظرافت بھی ہی لیکن نہایت لطیف اور نازک ہی، شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہین، لیکن زیادہ کھل جاتے ہین، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت دیکھو،

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند — قول ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہین، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہین ہی، رہا فرشتہ ہے! یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا،

بہ کوی می فروشانش بہ جامے در نمی گیرند — زہی سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
گر ز مسجد بہ خرابات شدم عیب مگیر — مجلس وعظ دراز ست و زمان خواہد شد

یعنی مین اگر مسجد سے اٹھ کر شراب خانہ مین چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہی، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، مین پی کے چلا آؤنگا،

سی مضمون کو قائم نے اُردو مین ادا کیا ہی،

مجلس وعظ تو تا دیر رہیگی قائم　　یہ ہی میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہین

حافظ

محتسب خم شکست و بنده سرش　　سن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید مین قصاص کی آیت مین مذکور ہی کہ زخم کا بدلا زخم ہی، مثلاً اگر کوئی کسیکا دانت

توڑ ڈالے تو اسکا بھی دانت توڑ ڈالا جائیگا،

خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا، مین نے قصاص کے

حکم کے موافق اسکا سر توڑ دیا،

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت　　ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہون کے بدلہ مین بیچ ڈالا تھا، مین اگر ایک

جو کے بدلہ مین نہ بیچون تو ناخلف ہون،

من و انکار شراب! این چہ حکایت باشد　　غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

مین اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہی، یعنی یہ سمجھ لون کہ شراب

چھوڑنا مجھکو زیبا نہین، اس سے زیادہ عاقل و دور اندیش ہونا مجکو ضرور نہین،

من ز بے عملی در جہان ملولم و بس　　ملامت علما ہم ز علم بے عمل است

مین بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہین ہی) دل گرفتہ ہون، بے عمل ہونا برا ہی

اسی لیے عالم بے عمل بھی اچھا نہین ہوتا،

نقد دمے کہ بود مرا صرف بادہ شد　　　قلب سیاہ بود بہ جاے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہین اور کھوٹے سکہ کو بھی، اس بنا پر کہتے ہین کہ میرا قلب اگر شراب مین صرف ہوا تو ہونا ہی چاہیے تھا کہ مالِ حرام بود بجاے حرام رفت،

مسلسل مضامین | ایشیائی غزل گوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خیال کو مسلسل نہین ظاہر کر سکتے، ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہے، غزل کے جو مہمات مضامین ہین مثلاً حُسن عشق سراپاے معشوق، وصل ہجر ہزار دن دفعہ بندھے ہین لیکن اُنمین سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل و تفصیلی بیان کہین نہین مل سکتا، اگرچہ حقیقت مین یہ چندان اعتراض کی بات نہین، مسلسل خیالات کے لیے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہے، قصائد اور قطعات سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے، غزل اس ضرورت کے لیے خاص کر دی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل مین آتے رہتے ہین، ضائع نہ جانے پائین اس صنف کے لیے نہایت قادر الکلامی درکار ہے، یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہے، لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعرون سے کم مین نہین ادا کر سکتے بخلاف اسکے ہمارے شعرا نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتین بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر مین ادا کر دیتے ہین، جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانون پر چڑھ جاتے ہین، تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعض مضامین ایسے ہوتے ہین جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ اُنکے لیے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعرون مین سما جائین، اسلیے اس قسم کے مضامین کے لیے غزلین ہی مناسب ہین اس صورت مین ضرور ہے کہ غزل مسلسل ہو، یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک ہی مضمون کے لیے

خاص کر دئے جائین، اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہین ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہین اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی ان کی اکثر غزلون مین ایک خاص خیال یا ایک خاص سمان دکھایا گیا ہے، اس قسم کی چند غزلون کے مطلع ہم نقل کرتے ہین،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند | وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند | گرہ از کار فرو بستۂ ما بکشایند

مدادان کہ بہ خلوت گہ کاخ ابداع | شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع

ی پیک پی خجستہ چہ نامی فدیت لک | ہرگز سیاہ چہرہ ندیدم بر این نمک

ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت | ورز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

نون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود | بنفشہ در قدم او نہاد سر بہ سجود

(بہار کے ذکر مین ہے)

یاد باد آن کہ نہانت نظری با ما بود | رقم مہر تو بر چہرۂ ما پیدا بود

ری غزل مین پہلی دلچسپیون کو یاد دلایا ہے، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے،

خوشا شیراز و وضع بے مثالش | خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف مین ہے)

سیم صبح سعادت بدان نشان کہ تو دانی | خبر بہ کوئی فلان بر بدان زمان کہ تو دانی

(قاصد سے پیغام کہا ہے)

ابن یمین فریومدی

باپ کا نام محمود ہی، قوم کے ترک تھے، اور ترکستان وطن تھا، سلطان محمد خدابندہ کے زمانہ مین خراسان مین آئے اور فریومد مین جو ایک قصبہ کا نام ہی قیام اختیار کیا، یہان زمین اور جائداد مین خریدین، یہ الجائیو سلطان کا عہد حکومت تھا، اور علاء الدین محمد وزیر سلطنت تھے، علاء الدین نے انکی نہایت قدردانی کی، شعر کہتے تھے یہ رباعی ان کی انداز کلام کا نمونہ ہے،

دارم ز عتاب فلک بوقلمون ... وز گردش روزگار خس پیچ وردون
چشمے چو کنارۂ صراحی ہمہ اشک ... جانے چو میانۂ پیالہ ہمہ خون

ابن یمین فریومد مین پیدا ہوئے، باپ نے شاعری کی تعلیم دی، اکثر جن طرحون پر خود کہتے تھے، بیٹے سے بھی کہلاتے تھے، چنانچہ اوپر کی رباعی پر ان کی رباعی بھی ہی،

دارم ز جفای فلک آئینہ گون ... پر آہ دلے کہ سنگ ازو گردد خون
روزے بہ ہزار غم بہ شب روز آرم ... تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیرون

ابتدا مین سربدارون کی مداحی کرتے تھے،

بالآخر فقر و قناعت اختیار کی اور شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، تھوڑی سی زمین
…صنہ مین تھی اس کی کاشتکاری سے زندگی بسر کرتے تھے، ۸ جمادی الثانی سنہ ۱۱۶۹ء مین
…فات پائی، مرتے وقت یہ رباعی لکھی تھی،

…نگر کہ دل ابن یمین پر خون شد | بنگر کہ ازین سرای فانی چون شد
…صحف بہ کف و چشم بہ رہ، روی بہ دوست | با پیک اجل غمزہ زنان بیرون شد

…لام | انکا دیوان سربدارون کے ہنگامہ مین ضائع ہو گیا، غلام علی آزاد ید بیضا مین لکھتے
…ین کہ مین نے انکا دیوان دال کی ردیف تک دیکھا ہے، لیکن یہ غالبًا قطعات کا دیوان
…ہو گا، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین وہ غزل اور قصائد سب کچھ کہتے تھے،
…ید بیضا مین ان کی غزل کے بعض اشعار نقل کیے ہین،

…سر مدہ اے دیدہ ہر دم اشک غماز مرا | تا نسازد فاش پیش مردمان راز مرا
…ز خود بیگانہ بودن در رہ عشق | بہ آن معشوق طرح آشنائی است
…عشق تا دل آمد نہ در آمد نہ نمود | بادہ پر شور نشد تا کہ بہ مستان نہ رسید[1]

ان اشعار سے اگرچہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ غزل مین کم مایہ نہین، لیکن انکا خاص رنگ
اخلاقی شاعری اور اسمین بھی قناعت اور خودداری ان کا خاص حصہ ہے، ان مضامین کو
…انسے بہتر آجتک کوئی ادا نہ کر سکا، اور چونکہ ان کا قال حال کی تصویر ہے، اسلیے ایک خاص
اثر رکھتا ہے جو ہر شخص کے کلام مین پیدا نہین ہو سکتا،

[1] یہ تمام حالات ید بیضا سے اور تذکرۂ دولت شاہ سے لیے گئے ہین،

دو قرص نان، اگر از گندم است یا از جو | دو تای جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار خود بہ خاطر جمیع | کہ کس نگوید از ین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین | ز فرّ مملکت کے قباد و کے خسرو

اگر دو گاؤ بدست آوری و مزرعۂ | یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی
بدان قدر چو کفاف معاش تو، نہ شود | روی و نان جوے از یہود، وام کنی
ہزار بار از ان بہ کہ از پے خدمت | کمر بہ بندی و بر مردکے سلام کنی

ز دیوانہ، کرد روزے سوال | سلیمان مرسل علیہ السلام
کہ چون بسینی این سلطنت کز پدر | مرا ماند با این ہمہ احتشام
چہ خوش گفت دیوانہ اورا جواب | کہ چون نیست این مملکت مستدام
پدر بدتے آہن سر د کوفت | تو در باد پیمودنے صبح و شام

حضرت داؤد زرہ بنایا کرتے تھے، اور حضرت سلیمان کی نسبت مشہور ہے کہ اُن کا تخت ہوا پر چلتا تھا، فارسی مین آہن سرد کوفتن، اور باد پیمودن کے معنے بیکار کام کرنے کے ہین، دیوانہ نے حضرت داؤد کے زرہ بنانے اور حضرت سلیمان کے تخت ہوا پر چلنے کو آہن سرد کوفتن اور باد پیمودن سے تعبیر کیا ہے،

مرد آزادہ درمیان گروہ | گرچہ خوش گوی و عاقل و دانا است

محترم اسے کہ تواند بود | کہ از ایشان بہ مالش استغنا است
دان کہ محتاج خلق شد، خوار است | گرچہ در علم بوعلی سینا است

شنیدہ ام کہ یکے عقربے ز خانۂ خویش | برون دوید و ہمی زد ہر آنچہ آمد پیش
بہ پیشش آمد سنگے عظیم و بس منکر | بزد بہ سنگ دو صد نیش تا بگرد وریش
ز سنگ نعرہ بر آمد کہ خویش رنجہ مدار | کہ ضرب نیش تو ما را نہ کم کند نہ بیش
جواب دادش و گفتش کہ راست می گوئی | ولے پدید کند ہر کہ ہست جوہر خویش

شاعری نیست پیشہ کہ ازان | رسدت نان و نیز ترہ بہ دروغ
راستی سخت زشت و بے معنی است | اجرتے خواستن براسے دروغ
واقعی
زان بود کار شاعران بے نور | کہ ندارد چراغ کذب فروغ

قناعت اور توکل کے ساتھ، یہ نکتہ بھی ابن یمین کے ذہن نشین ہے کہ زر کے بغیر اطمینان نہیں حاصل ہوتا، چنانچہ فرماتے ہیں،

لالہ را گفتم اسے پری پیکر | سیرتت خوب و صورتت نیکوست
راست گو این سیہ دلی از چیست | مگرت زحمتے رسید از دوست
گفت زیرا کہ من ندارم زر | زر کہ اسباب شادکامی از دوست
غنچہ را بین کہ خندہ دارد | مے نہ گنجد ز خرمی در پوست

کبھی کبھی فلسفہ کہہ جاتے ہین،

زدم از کتم عدم خیمہ بہ صحراے وجود   از جمادی بہ نباتے سفرے کردم ورفت
بعد ازانم کشش نفس، بہ حیوانی برد   چون رسیدم بوی ازوی گذرے کردم ورفت
بعد ازان در صدف سینۂ انسان بہ صفا   قطرۂ ہستی خود را گہرے کردم ورفت
با ملائک پس ازان صومعۂ قدسی را   گرد برگشتم و نیکو نظرے کردم ورفت
بعد ازان رہ سوی او بردم و چون ابن یمین   ہمہ او گشتم و ترک دگرے کردم ورفت

کتاب خانہ

شعر العجم

حصۂ سوم

فغانی سے ابو طالب کلیم تک

مادۂ تاریخ آغاز تصنیف

تاریخ عجم

سنہ ۱۳۲۴ ہجری

مادۂ تاریخ اختتام تصنیف

تذکرہ

سنہ ۱۳۲۵ ہجری

مصنفہٗ

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں طبع ہوئی

طبع سوم سنہ ۱۹۲۰ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
فارسی شاعری کا دور آخر،	۱	**عرفی**	۸۲
تیموری دور مین شاعری،	۴	ابو الفتح کے دربار مین رسائی،	۸۵
اس دور کی خصوصیتین،	۱۹	خانخانان اور عرفی،	۸۶
فغانی شیرازی	۲۷	جہانگیر کے دربار مین رسائی،	۸۹
فیضی	۳۱	وفات	۹۱
فیضی کا خاندان اور ولادت،	۳۳	اخلاق وعادات،	۹۲
دشمنون کی مخالفت،	۳۴	تصنیفات،	۹۵
اکبر کے دربار مین رسائی،	۳۸	دیوان کی ترتیب،	۹۷
ملک الشعرائی کا خطاب،	۴۳	کلام پر رائے،	۹۸
دکن کی سفارت،	۴۴	نظیری کی نکتہ چینی عرفی پر،	۱۰۰
وفات	۴۷	عرفی کی نسبت فیضی کی رائے،	۱۰۱
عام حالات اور اخلاق وعادات	۴۸	عرفی کی شاعری کی خصوصیات،	۱۰۲
فیضی کا مذہب،	۵۴	عشقیہ شاعری اور عرفی،	۱۱۷
تصنیفات،	۶۲	فلسفہ،	۱۲۳
شاعری،	۷۰		

مضمون	صفحہ
نظیری	
عام حالات وعادات،	۱۴۴
نظیری کی خصوصیات،	۱۴۵
پہلی خصوصیت،	״
دوسری خصوصیت،	۱۴۷
تیسری خصوصیت،	۱۴۹
چوتھی خصوصیت،	۱۵۴
پانچوین خصوصیت،	۱۵۵
چھٹی خصوصیت،	۱۵۸
ساتوین خصوصیت،	۱۶۱
آٹھوین خصوصیت،	۱۶۴
طالب آملی	۱۶۵
ہندوستان مین آنا،	۱۶۸
عبداللہ خان کا طلب کرنا،	۱۷۲
جہانگیر کے دربار مین رسائی،	۱۷۵
اعزہ واولاد،	۱۷۹
اخلاق وعادات،	۱۸۱
شاعری،	۱۸۴
میرزا صائب	۱۸۹
ہندوستان مین آنا،	۱۹۱
میرزا صائب اور ظفرخان،	۱۹۲
ایران کو واپس جانا،	۱۹۴
عام حالات وعادات،	۱۹۵
میرزا صائب کی بیاض،	۲۰۰
کلام پر راے،	۲۰۳
ابوطالب کلیم	۲۰۵
عام حالات،	۲۰۸
شاعری،	۲۱۰
قصائد،	۲۱۳
غزل،	۲۱۷
قوت تخیل،	۲۲۲
روزمرہ محاورہ	۲۲۷

ایرانی شاعری
کا
دورِ آخر

ایران مین تیموری خاندان کا اخیر فرمان روا سلطان حسین میرزا تھا اسکے آخری زمانے مین سلطنت **صفویہ** کا آغاز ہوا جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ شیخ صفی الدین آردبیلی ایک مشہور خاندان سادات کے سجادہ نشین تھے، ان کی اولاد مین سلطان حیدر ایک بزرگ پیدا ہوئے جنکے مرید قرمزی رنگ کی بارہ گوشے کی ٹوپی پہنتے تھے اور اس مناسبت سے قزلباس کہلاتے تھے جسکا لفظی ترجمہ سرخ سر ہے وہ ایک معرکہ مین شہید ہوگے، ان کے صاحبزادے شاہ اسمٰعیل نے محرم ۹۰۵ھ ہجری مین ستر آدمیون کے ساتھ آذربائجان پر چڑھائی کی اور رفتہ رفتہ اپنی جماعت اس قدر بڑھائی کہ شروان پر حملہ آور ہوکر وہان کے

فرمان رواکو شکست دی، انھون نے ۲۵ برس کی مدت مین ایک وسیع سلطنت قائم کرلی
اور حکومت **صفویہ** کی بنیاد ڈالی، سنہ ۹۳۰ھ ہجری مین ان کا انتقال ہوگیا،

ان کے بعد ان کے بیٹے **طہماسپ** نے سلطنت کو اور زیادہ ترقی دی چنانچہ فوج کی
تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہونچائی اور دُور دُور تک کے صوبہ فتح کرلیے، ۵۵ برس
حکومت کرکے سنہ ۹۸۴ھ ہجری مین وفات پائی، ان کے بعد اِن کا بیٹا اسمٰعیل مرزا اور پھر اسکے بعد
اسکا بیٹا شاہ **عباس** سنہ ۹۹۵ھ ہجری مین فرمان روا ہوا، شاہ عباس وسعت حکومت اور انتظامات
ملکی مین دوسرا **اکبر** یا شاہجہان تھا، اسنے ایران کو اس سرے سے اُس سرے تک زیرنگین کیا،
اُزبکون سے خراسان چھینا، آرمینیہ پر فتح حاصل کی، عراق عرب کو مسخر کیا، ترکون سے برابر کی صلح
کی، غرض خراسان سے لیکر عراق تک اس کی حدِ حکومت مین آگیا، اسنے ملک کی امن و امان
آبادی اور سرسبزی کے لیے جو جو کام کیے، ہندوستان کا تیموری خاندان بھی نہ کرسکا، ملک مین
اس سرے سے اُس سرے تک کاروان سرائین بنوائین، جن مین مسافرون کے لیے سلطنت
کی طرف سے تمام چیزین مہیا رہتی تھین، والہ داغستانی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہے،

جمیع عمارات معظمہ ایران بنا کردہ آن شہریار است، چندین شہر در مازندران
و خراسان و عراق و آذربائجان ساختہ است، خصوصاً اصفہان را کہ رشک جنان
نمودہ، قانونے بجہت مہمانداری مسافران بحر و بر لبستہ بود کہ در جمیع مراحل و
منازل از یک ہزار و از ہزار تا دہ ہزار از غریب تو نگر از رعیت و سپاہ کہ از بومی
و غریب ہر کس و بہر قدر بودند در کاروان سراہا کہ ساختہ است ہر گاہ وارد می شدند

ہمان لحظہ مایحتاج حتی بستر و فراش درخور ہرکس ملازمان شاہی کہ باین کارگماشتہ بودند، حاضر می کردند و ظروف درکمال تکلف از چینی و غوری وغیرہ درہر منزل و مکان آن قدر بودہ کہ ہمہ مسافران راکفایت ہمی کرد و باز بہ تحویلداران مکان سپردہ می شد و این امر بیشتر از عراق تا مازندران بودہ و دراطرف و بلاد دیگر نیز رواج داشتہ لیکن نہ باین افراط،

شاہ عباس نے ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰۳۸ھ ہجری مین وفات پائی، اس کے بعد شاہ صفی اور اسکے بعد شاہ عباس ثانی تخت نشین ہوا اور ۱۰۷۷ھ ہجری مین وفات پائی۔

اس خاندان نے اگرچہ سُنی مذہب کو نہایت ظلم اور بے رحمی اور سفاکی کے ہاتھ ایران سے معدوم کر دیا، یعنی جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہ کرتے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے، چنانچہ ماثرالامراء وغیرہ مین اس کی متعدد داستانین نقل کی ہین۔

لیکن بہرحال تمام ملک مین یکسوئی پیدا ہو گئی، اتنا بڑا وسیع ملک جھگڑون سے پاک ہو گیا تمدن و تہذیب[۱] کو نہایت ترقی ہوئی، ہر چیز مین حد سے زیادہ نفاست اور تکلف شروع ہوا، اس کا اثر شاعری پر بھی پڑا، اور اس لیے شاعری مین نہایت لطافت اور نزاکت پیدا ہو گئی،

---

[۱] خدانخواستہ اسکے یہ معنی نہین کہ سُنی مذہب کے مٹانے کو تہذیب و تمدن مین دخل ہر بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر کسی ملک مین مذہبی نزاعین مٹ جائین تو ضرور ملک مین ترقی ہو گی۔ اگر ایران مین شیعہ مذہب بالکل مٹ جاتا، تب بھی یہی نتیجہ ہوتا،

صفوی خاندان خود صاحب علم و فضل اور سخن سنج اور سخن شناس تھا، اس لیے اسنے شعر کی نہایت قدر و منزلت کی۔

شاہ عباس ایک دفعہ کوکبۂ شاہی کے ساتھ جا رہا تھا، اُدھر سے حکیم **شفائی** مشہور شاعر آرہا تھا، شاہ عباس نے سواری سے اُتر جانا چاہا، شفائی نے بڑے اصرار سے روکا تاہم امرا اور دربار ی گھوڑے سے اُتر پڑے[1]، شاہ عباس اکثر **مسیح کاشی** کے گھر اُن سے ملنے جایا کرتا تھا،

چونکہ اسی زمانے مین ہندوستان مین تیموری خاندان شاہانہ فیاضیون کا دریا بہا رہا تھا اور ایران کے شعرا دولت کی کشش سے ادھر کھچے چلے آتے تھے، اسلیے صفوی خاندان اور بھی رقیبانہ حوصلہ مندیون پر مجبور رہتا تھا، لیکن **ایران** سے اس معرکہ مین آخر **ہندوستان** ہی نے بازی جیتی،

ہندوستان مین اگرچہ شاعری **بابر** کیساتھ آئی، چنانچہ آتشی قندھاری جسکا یہ مطلع مشہور ہے

بیا در کشتی چشمم نشین و سیر دریا کن | سر شکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا کن

بابر[2] کے ساتھ ہندوستان مین آیا، لیکن شاعری کی تربیت بیرم **خانخانان** سے شروع ہوئی، وہ خود پختہ کار شاعر تھا اور ترکی اور فارسی دونون زبانون مین کہتا تھا، اکثر شعرا اسکے دربار مین ملازم تھے **نظیری** سمرقندی نے اسکے اشارہ سے شاہنامہ ہمایونی لکھنا شروع کیا تھا اور کئی داستانین نظم کین، چنانچہ جب سکندر لودی کا معرکہ نظم کرکے سنایا تو بیرم خانخانان نے

---

[1] سرو آزاد، [2] بدایونی جلد سوم صفحہ ۱۸۰،

اسیر نکتہ چینی کی، نظیری نے بیرم خان کی اصلاح اور ہدایت کے موافق ایک رات مین چار شعر لکھ کر سنلئے اور بیش بہا صلہ حاصل کیا، بدایونی نے بعض اشعار نقل بھی کیے ہین،

اکبر گو اُمی تھا لیکن نہایت خوش ذوق اور قدردان سخن تھا، اسنے ملک الشعرائی کا خاص عہدہ قائم کیا، جسپر سب سے پہلے **غزالی** مامور ہوا، اکبر کی فیاضیان دیکھ کر ایران کے تمام شعرا ہندوستان مین اُمنڈ آئے، اکبری شعرا کی فہرست جو ابو الفضل نے آئین اکبری مین درج کی ہے حسب ذیل ہے،

حکیم سنائی، غزالی، عرفی، نظیری نیشاپوری، حزنی صفہانی، قاسم کاہی، میلی ہردی، جعفر بیگ قزوینی، خواجہ حسین مروی، حیاتی گیلانی، شکیبی صفاہانی، انیسی شاملو، صالحی ہروی، محوی ہمدانی، صرفی ساوجی، قراری گیلانی، عتابی نجفی، ملا صوفی ماژندرانی، جدائی مرزی، وقوعی نیشاپوری، خسروی قاینی، وفائی سپاہانی، شیخ ساقی، رفیعی کاشانی، غیرتی شیرازی، حالتی، سنجر کاشی، جذبی، تشبیہی کاشی، اشکی قمی، اسیری رازی، فہمی رازی، قیدی شیرازی، پیروی ساجی، کامی بزواری، پیامی، سید محمد ہروی، قدسی کربلائی، حیدری تبریزی، سامری، فریبی شاپور، فسونی شیرازی، نادری ترشیزی، نوعی مشہدی، بابا طالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، وخیل اصفہانی، قاسم ارسلان مشہدی، غیوری حصاری، قاسمی ماژندرانی، رہی نیشاپوری،

یہ وہ لوگ ہین جو دربار مین پہونچے،

ابو الفضل ان نامون کو لکھ کر لکھتا ہے، "و آنانکہ سعادت بار نہ یافتند و از دور دستہا گیتی خداوند را ستایشگر، بس انبوہ" چون قاسم گونابادی، ضمیری سپاہانی، وحشی بافقی، محتشم کاشی،

ملک قمی، ظہوری ترشیزی، ولی دشت بیاضی، نیکی، صبری، فگاری، حضوری، قاضی نوری، صافی طوفی طبرزی، رشکی ہمدانی، ان مین سے بھی بجز دو تین کے سب ہندوستان مین آگئے تھے

اکبر اور جہانگیر وغیرہ سلاطین، خود صاحب مذاق اور نکتہ سنج تھے اسلیے شعرا فن شعر مین ترقی کرنے کی کوشش کرتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ہر شاعر دوسرے سے بڑھ جانا چاہتا تھا، اسلیے خود بخود ان سخن سنجون کے کلام مین زور پیدا ہوتا جاتا تھا، اور ہر ایک اپنے کلام مین کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرتا تھا،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیان کین، اور نقادان فن نے اس کی تنقید کی داد دی، ایک دفعہ کسی نے **فغانی** کا یہ شعر پڑھا۔

میسحا یا رو خضر ش ہمرکاب ہم عنان عیسیٰ — فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے برجستہ اصلاح دی، **مصرع** — فغانی شہسوار من بدین اعزاز می آید

جہانگیر کا ذوق شاعری اسی قدر صحیح تھا جس قدر ایک بڑے نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی نسبت اسنے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھکر اسکے متعلق ریویو نہین کیا جا سکتا،

طالب آملی ایک مدت تک اس کے دربار مین شاعری کرتا رہا لیکن اسنے ملک الشعرائی کا خطاب اسکو اُسوقت دیا جب وہ درحقیقت اس منصب کے قابل ہوا، چنانچہ خود لکھتا ہے،

درین تاریخ (تخت نشینی کے چودھوین سال) طالب آملی بخطاب ملک الشعراء خلعت امتیاز پوشیدہ، چون رتبہ سخنش از ہمگنان درگذشت، در سلک شعرای پایۂ تخت منتظم گشت، این چند بیت از وست،

پھر چند شعر طالب کے انتخاب کیے ہین کہ خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہین کر سکتا تھا،

ایک دفعہ خانخانان نے یہ غزل طرح کی، ع ہر یک گل زحمت ہر خاری بایدکشید، مرا دصفوی اور مرزا مرادنے بھی اس طرح مین غزلین لکھین، طرح کا مصرع چونکہ نہایت شگفتہ تھا جہانگیر نے فی البدیہ مطلع کہا،

ساغرے بر رخ گلزار[1] می بایدکشید　　　ابر بسیار ست مے بسیاری باید کشید

طرح کا مصرع جامی کی غزل کا ہے، جہانگیر نے پوری غزل نکلوا کر دیکھی، لیکن چونکہ یہی ایک مصرع کام کا تھا، تزک مین لکھتا ہے۔

"این مصرع ظاہر شد کہ از مولانا عبد الرحمٰن جامی ست، غزل او تمام بہ نظر درآمد غیر ازان مصرع کہ بطریق مثل زبان زد روزگار شدہ دیگر کاسے نساختہ بغایت سادہ وہموار گفتہ[2]"،

ایک دفعہ دربار مین امیر الامرا کا یہ شعر پڑھا گیا،

بگذر مسیح از سرِ ماکشتگانِ عشق　　　یک زندہ کردن تو بصد خون برابر ست

جہانگیر کے اشارے سے سب نے اسپر غزلین لکھین، جہانگیر نے ملا احمد مُہر کن کا شعر پسند کیا چنانچہ یہ تمام واقعہ خود تزک مین لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

بہ تقریبے این بیت امیر الامرا، خواندہ شد، ع بگذر مسیح از سر ماکُشتگان عشق

[1] بر رخ گلزار یعنی گلزار کے سامنے، [2] تزک جہانگیری مطبوعہ علی گڈھ صفحہ ۲۲۳،

چون طبع من موزون ست گاہے بہ اختیار و گاہے بے اختیار مصراعے

و رباعی، یا بیتے در خاطرم سرمیزند این بیت بر زبان گذشت،،

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس — یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

چون خوانده شد ہر کس کہ طبع نظمے داشت درین زمین بیتے گفتہ گذرانید،

علی احمد مہرکن کہ احوال او پیش ازین گذشت، بدنہ گفتہ بود،

ای محتسب زگریہ پیر مغان بترس — یک خم شکستن تو بصد خون برابر است

فرہنگ جہانگیری جب جہانگیر کے سامنے اسکے مصنف نے پیش کی تو جہانگیر

نے نہایت قدردانی کی چنانچہ لکھتا ہے۔

"میر عضدالدولہ از آگرہ آمدہ ملازمت نمود، فرہنگے کہ در لغت ترتیب دادہ

بنظر در آورد، الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را

از اشعار علما رقد ما مستشہد آوردہ، درین فن کتابے مثل[۱] این نمی باشد،

ایک دفعہ[۲] ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح مین قصیدہ لکھکر پیش کیا، مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا ع

اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا تم عروض بھی جانتے ہو؟ شاعر نے کہا نہین، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا ورنہ

تمھارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کرکے بتایا کہ دوسرا رکن یون آتا ہے "دولت بر سرت"

اور یہ سخت بے ادبی ہے،

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۱۱۱، [۲] تزک جہانگیری صفحہ ۲۵۹، [۳] تذکرہ سرخوش، ذکر جہانگیر

اس زمانے مین مئی تخلص ایک شاعر تھا جو قوم کا کلال تھا، کلالون کی قوم شاہی دربارون مین دربانی اور چاؤشی کے لیے مخصوص تھی، مئی نے بہ تقریب شاعری **نور جہان بیگم** کے ذریعہ سے جہانگیر کے دربار مین رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگون کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن چونکہ نور جہان کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، مئی نے یہ شعر پڑھا،

مئی بگر یہ سرے دارد اے نصیحت گر　　کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان ست

جہانگیر نے کہا دیکھا ہی اپنے پیشے کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نور جہان بیگم نے تقریب کی، مئی نے مطلع پڑھا،

من میروم و برق زنان شعلۂ آہم　　اے ہمنفسان دور شوید از سر راہم

جہانگیر نے ہنسکر کہا وہ اثر کہان جاسکتا ہے[1]۔

سلسلۂ سخن مین ہم کہان سے کہان نکل آئے، جہانگیر کی لائف لکھنی مقصود نہین، لیکن یہ دکھانا ہے، کہ ان سلاطین کے دربار مین شعر و شاعری کو جو ترقی ہوئی وہ صرف اسلیے نہ تھی کہ شاعری سے دولت ہاتھ آتی تھی بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ یہ سلاطین خود موزون طبع تھے، نقاد فن تھے، اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے، موقع بہ موقع شعرا کو ٹوکتے رہتے تھے، ان کو صحیح داد دیتے تھے اسلیے اُن کے دربار حقیقت مین شاعری کی تعلیم گاہ تھے،

دکن مین ابراہیم **عادل شاہ** کی قدر دانی اور فیاضی نے **بیجاپور** کو ایران کا ٹکڑا بنا دیا تھا

---

[1] تذکرۂ سرخوش ذکر مئی،

ظہوری اور ملک قمی اسکے دربار کے ملازم تھے اور اکبری کشش بھی ان کو دکّی اور آگرے نہ کھینچ سکی، برہانپور مین نظام شاہ بحری گویا اس فن کا مربی تھا، ظہوری نے ساقی نامہ اسی کی شان مین کہا ہے، جسکا بیش بہا صلہ عطا ہوا تھا۔

ہندوستان کی یہی فیاضیان تھین جنکی بنا پر تمام ایران ادھر کھچا چلا آتا تھا، خود شعرا کی زبان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،

میرزا صائب

ہمچو عزم سفر ہند کہ در ہر دل ہست
رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

ابوطالب کلیم

اسیر ہندم وزین رفتن بیجا پشیمانم
کجا خواہد رساندن پرفشانی مرغ بسمل را

بہ ایران میرود نالان کلیم از شوق ہمراہان
بپائے دیگران ہمچون جرس طے کردہ منزل را

ز شوق ہند زان سان چشم حسرت بر قفا دارم
کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

علی قلی سلیم

نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال
تا نیامد سوئے ہندوستان حنا رنگین نشد

دانش مشہدی

راہ دور ہند پابست وطن دارد مرا
چون حنا شب در میان رفتن بہندستان خوش ست

ہندوستان کی قوت کشش اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہین ہمیشہ سے اس کی قدردانی کے شہرے ایرانیون کے لیے دام تسخیر تھے، خواجہ حافظ کو بادشاہ بغداد نے

ر بار بلایا، لیکن جگہ سے نہ ملے، شیراز ہی مین بیٹھے بیٹھے غزلین لکھ کر بھیجدین، لیکن دکن سے
تحریک ہوئی تو جہاز مین سوار ہو کر ہرمز تک آئے، جامی ایران مین تھے لیکن قصیدے
ہندوستان مین بھیجتے تھے،

جامی اشعار دلاویز تو جنسیست لطیف ... بو دش از حسن بود دز سر سنے تارش
ہمرہ قافلہ ہند روان کن کہ رسد ... شرف عز قبول از ملک التجارش

علی نقی کمرہ نے ۶۵ شعرون کا قصیدہ فیضی کی مدح مین لکھ کر بھیجا، جس مین کہتا ہے،

مرا فگند بر نظم امور م پرتو فیضی ... ابو الفیض آن گزین اکبر و شیخ کبیر من

ہندوستان مین، سلاطین اور شہزادون کے علاوہ امرا اکثر سخن فہم اور قدردان تھے
ان مین ابوالفتح گیلانی اور عبدالرحیم خانخانان نے شاعری کی اکاڈیمی (بیت العلما) قائم
کی، جس کی بدولت شعرا نے اس فن مین نہایت ترقی کی، ابوالفتح ایک خط مین خانخانان
کو لکھتا ہے،

"قصائدے کہ یاران آن جا گفتہ بودند شعراے این جا فرسودہ شد، بنام
نامی شما ہر گاہ با تمام می رسد بہ ملازمت فرستادہ خواہد شد، ملا عرفی و ملا حیاتی
بسیار ترقی کردہ اند[1]"

عبدالباقی ماثر رحیمی مین لکھتا ہے،

اکثرے از اعیان دولت و ارکان سلطنت بادشاہ مرحوم (اکبر)

---

[1] چہار باغ یعنی مکاتیب حکیم ابوالفتح،

دست گرفتہ و تربیت کردہ وے (حکیم ابوالفتح) اند دہرکہ تازہ از ولایت آمدہ

بندگی و مصاحبت ایشان اختیار می نمودہ، چنانچہ خواجہ حسین ثنائی و میرزا

قلی میلی و عرفی شیرازی و حیاتی گیلانی و سائر مستعدان در خدمت

او بودہ اند،

شعر کی تاریخی زندگی مین یہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان مین آکر فارسی شاعری نے ایک خاص جدت اختیار کی، جس کی تفصیل ہم کسی آیندہ موقع پر لکھین گے، یہ جدت حکیم ابوالفتح کی تعلیم کا اثر تھا؛ مآثر رحیمی مین ہے،

و مستعدان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان

در میانہ شعرا مستحسن است و شیخ فیضی، و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بہ آن روش

حرف زدہ اند، بہ اشارہ و تعلیم ایشان (حکیم ابوالفتح) بودہ (مآثر رحیمی

تذکرۂ حکیم حاذق)

اسی طرح **خانخانان** کی شاہانہ فیاضیون اور شاعرانہ نکتہ سنجیون نے شعر و شاعری کے حق مین ابر کرم کا کام دیا، خانخانان نے احمد آباد مین ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا جس مین ہر فن کی نہایت نادر کتابین جمع کین، ایک عجیب خصوصیت اس کتب خانے کی یہ تھی کہ جس قدر مشہور شعرا اس کے دربار مین تھے، ان کے دیوان خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتب خانے مین محفوظ تھے، اکثر شعرا اس کتب خانے کی خدمت پر مامور تھے، ہین غزلون کی طرحین دیجاتی تھین، شعرا مشاعرے کرتے تھے، خانخانان خود بھی شریک صحبت ہوتا تھا

ور قدر دانی سے دل بڑھاتا تھا، خود بھی ان طرحون مین غزلین کہتا تھا،

رسمی قلندر ایک ایرانی درویش شاعر تھا، اس نے خانخانان کی تربیت شعر و شعرا کا ذکر
ایک قصیدے مین تفصیل سے کیا ہے، چنانچہ خانخانان کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

زمین مدح تو آن نکتہ سنج شیرازی (یعنے عرفی) | رسید صیت کلامش بہ روم از خاور
بطرز تازہ ز مدح تو آشنا گروید | چو روے خوب کہ یابد ز ماشطہ زیور
زفیض نام تو فیضی گرفت چون خسرو | بہ تیغ ہندی اقلیم سبعہ را یکسر
ز ریزہ چینی خوانت نظیری شاعر | رسیدہ است بجاے کہ شاعران دگر
کنند بہر مدیحش قصیدہٴ انشا | ق | کہ خون رشک چکد از دلِ سخن پرور
سواد شعر شکیبی جو کحل اصفاہان | بہ تحفہ سوے خراسان برند اہل نظر
ز مدحت تو حیاتی حیات دیگر یافت | بلے مقوی طبع عرض بود جوہر
حدیث نوعی و کفوی بیان چہ سازم من | چو زندہ اند بمدح تو تا دم محشر
زنعمت تو بہ نوعی رسید آن مایہ | کہ یافت میر معزی زنعمت سنجر

خانخانان اس درجے کا سخن سنج تھا کہ اگر وہ شاعری مین پڑتا، تو عرفی اور نظیری کا ہمسر
ہوتا، اس طرح مین، چندست، پندست، فرزندست تمام مشہور شعرا نے زور آزمائیان
کی ہین، نظیری اور خانخانان کی غزلین ہم بالمقابل درج کرتے ہین، دونون کا خود موازنہ
کرو،

سلہ اس کتب خانے کا حال مآثر رحیمی کے مختلف مقامات مین درج ہے،

خانخانان

شمار شوق ندانسته ام کہ تا چندست
جز این قدر کہ دلم سخت آرزومندست

بہ کیش صدق و صفا حرف عہد بیکارست
نگاہِ اہل محبت تمام سوگندست

نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم
کہ پاے تا بسرش ہرچہ ہست در بندست

مرا فروخت محبت ولے ندانستم
کہ مشتری چہ کس ست و بہاے من چندست

اداے حق محبت عنایتی ست ز دوست
وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خرسندست

ازان خوشم بہ سخنہاے دلکش تو رحیم
کہ اندکے بہ اداہاے عشق مانندست

نظیری

بحرف اہل غرض قُرب بُعد مابندست
دل شکستہ ما را ہزار پیوندست

ازان دمم کہ بحسرت فگندہ دیدن او
نگہ بگوشۂ چشم ہنوز در بندست

نظر دلیر نشد تا مژہ بہ پیش آمد
حجاب اگر پر کاہ ست کوہ الوندست

دو چشم ساکن بیت الحزن بمن گردید
کہ من اسیر بمعشوقم او بہ فرزندست

دراز دستی حسن کہ گل بہ چشم ریخت
کہ تا بدانم از جیب در شکر خندست

بہ کینہ جوئی افلاک عشق می بازم
کہ ہر کہ دشمن ما شد بہ دوست مانندست

نظیری از تو بجان کندنست لب بکشاے
باین قدر کہ بگوئی بمیر خرسندست

دونون غزلون کے موازنہ کرنے کا یہ موقع نہین، لیکن صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ **خانخانان** کے کلام مین جو صفائی، شستگی، دلاویزی اور سوز و گداز ہے **نظیری** کی غزل اس سے بالکل

خالی ہے، خانخانان کی فیاضی اور قدردانی سے جو شعرا اور اہل کمال اسکے دربار مین جمع ہوگئے
سلاطین کو بھی یہ بات نصیب نہین ہوئی، مآثر رحیمی مین ان تمام شعراؤن کا مفصل تذکرہ ہے،
عُرفی نے جب یہ قصیدہ پیش کیا ع اے داشتہ در سایہ ہم تیغ و قلم را،
تو ایک لاکھ روپے دلوائے[۱]،

عرفی خانخانان کی مدح مین خصوصیت کے ساتھ اپنے کمال سخن کی داد چاہتا ہے کیونکہ
جانتا ہے کہ وہ خود اس فن کا حریف ہے، چنانچہ کہتا ہے،

سخن شناسا دیدی و دیدہ باشی ہم | علو پایۂ من در مقام سحبانی
فلان مربی و من تربیت پذیر این بس | ز فضل خود چہ زنم لاف ہاے طولانی

مربیان سخن کے سلسلہ مین علی قلی خان، خان زمان، خان اعظم کوکلتاش، ظفر خان، اور
غازی خان، کا نام بھی نظرانداز نہین کیا جا سکتا، **خان زمان** اکبری دربار کے امراے کبار
مین سے تھا، جو بالآخر حریف سلطنت بنکر مارا گیا، وہ خود شاعر اور قدردان سخن تھا، سلطان
تخلص کرتا تھا، چنانچہ بدایونی نے شعرا کے ذیل مین اس کا حال لکھا ہے، اکثر شعرا اسکے دربار مین
ملازم تھے، ایک دفعہ جب اسنے یہ غزل لکھی،

باریک چو موئے ست میانے کہ تو داری | گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری

تو اکثر شعرا نے اسکا تتبع کیا، ایک شاعر نے یہ مطلع لکھا،

گفتم کہ گلے نیست دہانے کہ تو داری | گفتا کہ یقین ست گمانے کہ تو داری

---

[۱] کلمات الشعرا سرخوش ذکر خانخانان

غزالی جب ایران سے دکن مین آیا اور حسب دلخواہ اُس کی قدر دانی نہین ہوئی تو خان زمان نے ہزار روپے اور چند گھوڑے بھیجکر بلایا اور یہ قطعہ لکھکر بھیجا،

اے غزالی بحق شاہ نجف — کہ سوے بندگان بیچون آئے
چون کہ بے قدر گشتہ، آن جا — سرِ خود گیر زود بیرون آئے

"سرِ خود گیر" سے ہزار روپے کا کنایہ تھا، کیونکہ غزالی کا پہلا حرف غ ہے جس کے عدد ہزار ہین، غزالی دکن سے جون پور مین آیا اور جب تک خان زمان زندہ رہا اس نے اور کسی دربار کی طرف رخ نہین کیا، جون پور مین آکر اُس نے ایک مثنوی نقش بدیع لکھ کر پیش کی جس مین ایک ہزار شعر تھے، خان زمان نے وہ صلہ دیا جو سلطان محمود نہ دے سکا تھا، (فی شعر ایک اشرفی) اس مثنوی کے چند شعر اس لحاظ سے نقل کرتا ہون کہ ناظرین خان زمان کی صحیح المذاقی کا اندازہ کرسکین،

خاک دل آن روز کہ می بیختند — شبنمے از عشق برو ریختند
دل کہ بہ آن رشحہ غم اندود شد — بود کبابے کہ نمک سود شد
بے اثر مہر چہ آب و چہ گل — بے نمک عشق چہ سنگ و چہ دل
ذوق جنون از سر دیوانہ پرس — لذت سوز از دل پروانہ پرس

خان زمان کے مرنے کے بعد غزالی اکبر کے دربار مین آیا، اور ملک الشعرا کے خطاب سے ملقب ہوا، خاندان تیمور یہ مین یہ پہلا شخص تھا جو اس منصب پر ممتاز ہوا،

سلہ خزانہ عامرہ ذکر غزالی،

(۳)

لفتی یزدی خان زمان ہی کے دربار مین ملازم تھا،

خان اعظم کوکلتاش اکبر کا رضاعی بھائی تھا اور اسکے ساتھ کا کھیلا تھا، اکبر اسکی ناز برداریان
تا تھا، اور کہتا تھا "چہ کنم درمیان من و خان اعظم دریاے شیر حائل ست" خان اعظم نہایت
ابل نہایت نکتہ سنج اور بہت بڑا مورخ تھا، جہانگیر اس کی نسبت لکھتا ہے۔

درعلم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت و در تحریر و تقریر بے نظیر بود، و در
مدعا نویسی ید طولی داشت، و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و شعر ہمواری می گفت
این رباعی از واردات اوست،

عشق آمد و از جنون برومندم کرد   وارستہ ز صحبت خردمندم کرد
آزاد ز بند دین و دانش گشتم   تا سلسلہ زلف کسے بندم کرد

ملاے بدایونی اس کی نسبت لکھتے ہین "بہ انواع فضائل و ہنر موصوف ست و لفہم
الی و ادراک بلند او کسے دیگر را از امر انشان نمی دہند" ملا صاحب نے اسکا ذکر شعرا کے
یل مین کیا ہے، اور اسکے اشعار بھی نقل کیے ہین، ایک مطلع سُننے کے قابل ہے،

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی   اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی؟

خان اعظم نے اکثر شعرا کی تربیت کی جن مین سے جعفر بہروی، سہمی، مدامی، بدخشی، مقیمی،
بزواری کا ذکر بدایونی نے اپنی تاریخ مین کیا ہے،

میرزا غازی قندھار کا صوبہ دار تھا ایران کے شعرا جو کابل اور قندھار کی راہ سے

لہ بدایونی جلد سوم تذکرہ الفتی صفحہ ۱۸۹، سلہ تزک جہانگیری،

ہندوستان مین آتے تھے پہلے میرزا غازی ہی کے خوان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے،

ظفرخان صوبہ دار کشمیر اس رتبہ کا شخص تھا کہ کلیم اور مرزا صائب کو اُس کی اُستادی اور مربی گری کا اعتراف ہے، صائب ایک مدت تک اسکے دربار مین رہا اور اس کی بدولت شاعری مین ترقی کی، ظفرخان اسکے کلام مین موقع بموقع دخل اور تصرف کرتا تھا، صائب نے اپنے دیوان کی ترتیب بھی اسی کے اشارے سے[1] کی، چنانچہ صائب ان باتون کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتا ہے،

حقوق تربیتت را کہ در ترقی باد | زبان کجاست کہ در حضرتت فرو خوانم
تو جان ز دخل بجا مصرع مراد ادی | تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم
ز دقت تو معنی شدم چنان باریک | کہ می توان بہ دل مور کرد پنہانم
چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود | نہ داشت طرۂ شیرازہ روے دیوانم
تو غنچہ ساختی اوراق باد بردۂ من | دگرنہ خار نمے ماند از گلستانم

صاحب مآثر الامرا ظفرخان کے حال مین لکھتے ہین،

زرہا بمردم ایران می داد خصوصًا در حق شعرا طرفہ بذل و کرم می فرمود ما

---

[1] ظفرخان کا نام احسن اللہ خان اور احسن تخلص ہے، ظفرخان کا باپ خواجہ ابوالحسن سنہ ۱۰۳۲ ہجری مین جہانگیر کا وزیر اعظم مقرر ہوا اور کابل کی حکومت مستزاد ملی، ظفرخان باپ کی نیابت مین کابل کا صوبہ دار ہو گیا، شاہجہان نے ابوالحسن کو سنہ ۱۰۴۱ ہجری مین کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا، جب وہ اسی سنہ مین انتقال کر گیا تو ظفرخان کشمیر کا مستقل حاکم مقرر ہوا، ظفرخان نے اپنے ایام حکومت مین تبت کو فتح کیا، اور سنہ [illegible] ہجری مین وفات پائی، ظفرخان صاحب دیوان ہے، ذیل کے شعر سے اسکی طبیعت کا اندازہ ہوگا،

دلم بکوے تو امید وار می آید | نگاہ دار کہ روزے بکار می آید

سخنوران صاحب استعداد دل از اوطان برداشتہ روی امید بدرگاہش می گزاشتند

وبمنتہاے تمنای رسیدند، افصح المتاخرین میرزا صائب تبریزی چون از ایران کابل

رسید از گرمجوشی و دریا بخشی اودل بستہ مجتش گردیدہ،

ظفرخان نے ایک عجیب مرقع طیار کرایا تھا جو آج ہاتھ آتا، تو لاکھون روپے کو ارزان

(یعنی ایک بیاض تیار کرائی تھی، جس مین ہر شاعر اپنا منتخب کلام خود اپنے ہاتھ سے

لکھتا تھا، اور صفحہ کی پشت پر اُس کی تصویر ہوتی تھی[۱]،

اس زمانے مین شاعری کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعرہ کا رواج قائم ہوا

اس سے پہلے شعرا بطور خود، اساتذہ کی غزلون پر غزل لکھتے تھے: اب (یعنی فغانی کے زمانے

سے) یہ طریقہ قائم ہوا کہ کسی امیر صاحب مذاق کے مکان پر شعرا جمع ہوتے تھے، پہلے سے کوئی

طرح دیدی جاتی تھی، سب اسطرح مین غزلین لکھ کر لاتے تھے اور پڑھتے تھے، کبھی کبھی بر سر محفل

برابر کے دعویدارون مین چوٹ چل جاتی تھی، سوال وجواب ہوتے تھے، اور اسطرح مسابقت

در حریف پختگی شاعری) کو ترقی دیجاتی تھی،

ان تمام مجموعی حالات نے شاعری پر جو اثر کیا، اور جو خصوصیتین پیدا کین حسب ذیل ہین

(۱) غزل کی ترقی،

اگرچہ اس زمانے مین قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، اِن تمام اصناف سخن کا بہت بڑا

ذخیرہ پیدا ہوگیا، لیکن درحقیقت یہ عہد غزل کی ترقی کا عہد ہے۔ غزل مین مختلف اسٹائل (طرز)

---

[۱] مآثرالامراء،

قائم ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

واقعہ گوئی یا معاملہ بندی | یعنی اُن واقعات اور معاملات کا ادا کرنا جو عشق عاشقی مین پیش آتے ہین

ہم پہلے لکھ آئے ہین کہ واقعہ گوئی کے موجد سعدی ہین، اور امیر خسرو نے اسپر معتد بہ اضافہ کیا لیکن اس عہد مین یہ ایک مستقل صنف ہوگئی، جسکا بانی اول میرزا اشرف جہان قزوینی ہے جو شاہ طہماسپ صفوی کا وزیر تھا، مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ مین لکھتے ہین،

چون نوبت سخن سنجی بہ میرزا اشرف جہان رسید طبع او مائل وقوع گوئی بسیار افتادہ این طرز را بحد کثرت رسانید،

شرف جہان کا دیوان ہمارے کتب خانے مین ہے ہم اس سے اس کتاب کے چوتھی حصے مین کام لین گے، یہان ہم اسکے بعض اشعار اس غرض سے نقل کرتے ہین کہ وقوع گوئی کا مفہوم سمجھ مین آسکے،

با ہر کہ بینمش چو بہ پرسم کہ کیست این — گوید کہ این ز عہد قدیم آشنای ماست

نہان از و بہ رخش داشتم تماشائی — نظر بجانب من کرد و شرمسار شدم

چنان گوید جواب من کز ان گردد رقیب آگہ — بمجلس گر من بیدل از و حرفے نہان پرسم

شرف جہان نے ۹۶۲ھ ہجری مین وفات پائی،

اس طرز کو جن لوگون نے اپنا خاص موضوع بنالیا، وہ وحشی یزدی، علی قلی میلی اور علی نقی کمرہ ہین، وحشی یزدی چونکہ رند اور اوباش مزاج تھا اور بازاری معشوقون سے اسکو زیادہ سروکار رہا، اسلیے اس طرز کو اسنے کسی قدر اعتدال سے بڑھا دیا، واسوخت کی

بتداہی اسی نے کی اور اسی پر اسکا خاتمہ بھی ہوگیا،

فلسفہ | غزل مین فلسفہ کی آمیزش عرفی نے خاص طور پر کی، لیکن اس طرز کو بہت ترقی نہین ہوئی، اسکے ہمعصرون اور مابعد کے شعرانے بہت کم اس طرز مین کہا،

مثالیہ | یعنی کوئی دعوی کرنا اور اس پر شاعرانہ دلیل پیش کرنا، اس طرز کے بانی کلیم، علی قلی سلیم، میرزا صائب اور غنی ہین، یہ طرز نہایت مقبول ہوا یہانتک کہ شاعری کے خاتمے تک قائم رہا،

تغزل | تغزل سے یہ مراد ہے کہ عشق اور عاشق کے جذبات موثر الفاظ مین ادا کیے جائین، یہ وصف اگرچہ لازمہ غزل ہے لیکن نظیری نیشاپوری، حکیم شفائی اور علی نقی نے اسکو زیادہ نمایان کیا، ان لوگون مین اور وقوع گویون مین یہ فرق ہے کہ وقوع گو شعرا ہوس پرست اور بازاری معشوقون کے عاشق ہوتے ہین، اور اُسی قسم کے واقعات اور خیالات باندھتے ہین، بخلاف اسکے متغزلین کا معشوق شاہد بازاری نہین ہوتا، اور نہ ان کا عشق مبتذل اور اوباشانہ ہوتا ہے،

خیال بندی اور مضمون آفرینی | یہ وصف تمام متاخرین مین ہے لیکن اس طرز خاص کا نمایان کرنے والا جلال اسیر ہے جو شاہ جہان کا ہمعصر ہے، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ وغیرہ نے اسکو زیادہ ترقی دی، اور ہمارے ہندوستان کے شعرا بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے تیراک ہین،

قصیدہ، قصیدہ کا ایک خاص طرز عرفی نے قائم کیا جس کی کوئی تقلید نہ کرسکا۔ ظہوری

طالب آملی، حسین ثنائی نے بھی اس صنف کو کچھ کم ترقی نہین دی،

مثنوی، مثنوی بالکل اپنے درجے سے گر گئی (فیضی اس سے مستثنیٰ ہے) مثنوی مین عموماً تاریخی واقعات یا اخلاقی مضامین ادا کیے جاتے ہین لیکن ان مضامین کے لیے سادگی اور پختگی درکار ہے، متاخرین ہر بات مین رنگینی کے عادی ہو گئے تھے؛ اس لیے، مثنوی مثنوی نہین رہی، بلکہ غزل بن گئی، کلیم کا شاہجہان نامہ پڑھو رزم لکھتے ہین اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزم نشاط مین گانا ہو رہا ہے۔

رباعی، یہ زمانہ اس امتیاز پر ناز کر سکتا ہے کہ رباعی نے فلسفہ کے تمام مسائل ادا کر دیے، **سحابی**، استرآبادی جو اکبر کا ہمعصر اور نجف مین معتکف تھا اُسنے کم از کم سترہ ہزار رباعیان لکھین جو سرتاپا فلسفہ سے مملو ہین، اسکا ایک انتخاب جس مین سات ہزار رباعیان ہین، ہمارے پاس ہے اور ہم **شعر العجم** کے چوتھے حصہ مین جہان فلسفیانہ شاعری پر بحث کرینگے اسکے کلام کا انتخاب پیش کرینگے یہ تمام تفصیل خاص خاص انواع شاعری کے متعلق تھی، عام طور پر طرز ادا اور اسلوب بیان مین جو جدتین پیدا ہوئین، اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) قدما اور متوسطین کسی خیال کو پیچیدگی سے نہین ادا کرتے تھے، متاخرین کا خاص انداز ہے کہ جو بات کہتے ہین پیچ دیکر کہتے ہین، یہ پیچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جو خیال کئی شعرون مین ادا ہو سکتا تھا، اسکو ایک شعر مین ادا کرتے ہین، مثلاً قدسی کہتا ہے،

عیش این باغ باندازۂ یک تنگدل است   کاش گل غنچہ شود تا دل ما بکشاید

مطلب یہ ہے کہ دنیا کا باغ ایک نہایت مختصر باغ ہے اس مین اسی قدر وسعت ہے کہ

صرف ایک تنگ دل آدمی خوش ہوے، اسلیے یہ نہین ہو سکتا کہ میرا دل بھی شگفتہ ہو،
اور پھول کی کلی بھی کھل سکے، اس بنا پر آرزو کرتا ہے کہ کاش پھول کلی بن جائے۔ تاکہ
میرے دل کی شگفتگی کی گنجایش نکل سکے، اس مضمون کو فلسفیانہ نظر سے دیکھین تو یہ خیال ادا
کرنا مقصود ہے کہ دنیا مین جب کسی کو فائدہ پہونچتا ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ دوسرے کو
نقصان پہونچا، کسی بادشاہ نے ملک فتح کیا، یعنی دوسرے کو شکست ہوئی،

یہ خیال کسی حیثیت سے دیکھا جائے ایک شعر مین سمانے کے قابل نہ تھا، اسلیے جب
…ہی شعر مین اُسکو ادا کرنا چاہا تو خواہ نخواہ پیچیدگی پیدا ہو گئی،

کبھی یہ پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی مبالغہ، یا استعارہ یا تشبیہ نہایت دور
…ر ہوتی ہے، اسلیے سننے والے کا ذہن آسانی سے اُسکی طرف منتقل نہین ہو سکتا، مثلاً
…ت بخاری کہتا ہے،

…ن ہا را آشیان مرغ آتش خوارہ کرد　　　برق عالم سوز یعنی شعلۂ غوغاے من

شعر کا مطلب یہ ہے کہ مین نے جو آہین کین اس قدر گرم تھین کہ اس سے شعلے نکلے، یہ
شعلے لوگون کے کانون مین پہونچے، یہانتک کہ لوگون کے کانون مین آگ بھر گئی، اس
بنا پر مرغ آتش خوار نے جس کی غذا آگ ہے کانون مین اپنا گھونسلا بنا لیا کہ ہر وقت
غذا ملتی رہے۔

چونکہ کسی شخص کا ذہن اس طرف نہین جا سکتا کہ آہ کی گرمی سے کان آتشکدے
…جائین گے اسلیے مضمون آسانی سے سمجھ مین نہین آ سکتا،

(۲) اس زمانے کے اکثر مضامین کی بنیاد الفاظ پر اور صنعت ایہام پر ہے یعنی لفظ کے لغوی معنی کو ایک حقیقی بات قرار دے کر اسپر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہین، مثلاً

امروز نیم شہرۂ عالم ز ضعیفی　　　عمریست کہ از ضعف فتادم بزبانہا

بر زبان افتادن کے اصطلاحی معنے مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی "زبان پر پڑنا ہے" مضمون کی بنیاد اسی لغوی معنی پر ہے، کہتا ہے کہ کمزوری اور ضعف مین مین کچھ آج سے مشہور نہین ایک مدت ہے کہ مین زبانون پر چڑھ گیا ہون، "زبان پر پڑنے" کے معنے چونکہ اصطلاح مین مشہور ہونے کے ہین، اسلیے یہ دعوی صحیح ہے لیکن شاعر لغوی معنی لیکر ضعف کو یون ثابت کرتا ہے کہ مین اس قدر ضعیف ہون کہ لوگون کی زبانون پر چڑھا پھرتا ہون،

متاخرین کی شاعری سے اگر ایہام کو الگ کر دیا جائے، تو انکی شاعری کا بہت بڑا حصہ دفعتہً برباد ہو جائے گا،

(۳) اس دور کا بڑا امتیازی وصف، استعارات کی نزاکت اور جدت تشبیہ ہے تمدن کی ترقی مین جس طرح تمام اسباب معاشرت و تمدن مین تکلفات پیدا ہو جاتے ہین اسیطرح زبان اور خیالات مین بھی نزاکت اور تکلفات پیدا ہو جاتے ہین مثلاً "آنکھین فرش راہ ہین" گو بجائے خود اچھا استعارہ ہے، لیکن نظیری کہتا ہے،

می خواست بوسہ رخت اقامت بگسترد　　　از فرش جبہہ راہ بر آن خاک کو نبود

بوسہ چاہتا تھا کہ بستر اڈالے لیکن اُس کی گلی مین اس قدر پیشانیون کا فرش بچھا ہوا تھا کہ جگہہ نہ تھی،

یا مثلاً شانی کہتا ہے،

دلت کج کلہان مائل ست باز — این لالہ را بطرف کلاہ کہ میزنی

یعنی اے شانی تیرا دل کج کلاہون پر مائل ہو رہا ہے۔ اس پھول کو کس کی ٹوپی مین لگانا چاہتا ہے۔

استعارات کی جدت و نزاکت، متاخرین کا عام انداز ہے، لیکن اس خاص وصف مین صبا آملی سب سے زیادہ ممتاز ہے،

(۴) اس زمانے مین الفاظ کی نئی تراشین اور نئی نئی ترکیبین کثرت سے پیدا ہوئین، پہلے میکدہ، آتشکدہ وغیرہ مستعمل تھے، اب نشترکدہ، مریم کدہ وغیرہ ترکیبین پیدا ہوئین، یا مثلاً پہلے یک گلشن گل یک چمن گل کہتے تھے، اب یک خندہ لب یک آغوش یک دیدہ نگاہ وغیرہ کہنے لگے، اس قسم کی ترکیبین عرفی، فیضی، نوعی، کثرت سے پیدا کین، ان ترکیبون سے اکثر جگہ مضمون کا اثر بڑھ جاتا ہے، مثلاً

ع شکن بروی شکن خم بروی خم چیند،

ع موج بر موج شکستم چو بہ عمان رفتم،

ع بہر یک لب خندہ نتوان منت شادی کشید،

ع ردے بروے حسن کن دست بدست ناز دہ،

اس سے زیادہ یہ کہ ایک بڑا خیال ایک چھوٹے سے لفظ سے ادا ہو جاتا ہے

یہ شعر،

بہ دورگردی من از غرور می خندد   حریف سخت کمانے کہ در کمین دارم

کنایہ تھا کہ مین معشوق سے محبت کرتا ہون لیکن الگ الگ رہتا ہون کہ تیرعشق کا گھائل نہ ہوجاؤن، لیکن معشوق میرے اس کترائے پھرنے پر ہنستا ہے کہ میری زد سے بچ کر کہان جائیگا، اس خیال کے ادا کرنے کے لیے دورگردی کا لفظ نہ ہو تو ایک شعر مین یہ مطلب ادا نہین ہوسکتا تھا،

چونکہ ان تمام خصوصیات کی زیادہ تفصیل ان شعرا کے کلام کے ذیل مین آئے گی جن کے ہان یہ خصوصیات زیادہ پائے جاتے ہین، اسلیے اس موقع پر ہم اس گرہ کو زیادہ نہین کھولتے،

فغانی شیرازی

تمام اہل فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری مین انقلاب پیدا
ر جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالون کا دور کہلاتا ہی، اس کا بانی فغانی ہی
ن افسوس اور سخت افسوس ہی کہ ایسے شخص کے حالات بھی ارباب تذکرہ دو چار سطر سے
دہ لکھنا گوارا نہین کرتے، بہرحال ایک ایک نکتہ کا سراغ لگا کر جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے
نذر احباب ہے۔

فغانی کا وطن شیراز ہی، سام میرزا نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہی کہ "پہلے چاقو بنایا کرتے
"، شاعری کا آغاز تھا کہ ہرات مین آئے، اس زمانے مین شاعری کا جو انداز مقبول عام
سلطان حسین میرزا کے شعرا کا انداز تھا، چونکہ فغانی کا رنگ ان سے الگ تھا، اسلیے
ہنے ان کی قدر نہ کی بلکہ ان کے کلام کو اس قدر لغو سمجھتے تھے کہ جب کسی کا کوئی مہمل شعر
ا جاتا تھا تو کہتے تھے فغانیہ ہی، جامی اس وقت تک زندہ تھے، فغانی اُن سے
لے، لیکن ان سے بھی فغانی کو داد نہ ملی، بالآخر تبریز مین آئے، یہان سلطان
قوب فرمان روا تھا، اس نے ان کی نہایت قدردانی کی، چنانچہ انھون نے

ء تذکرہ عرفات اوحدی

اس کی مدح مین قصیدے لکھے جو دیوان مین موجود ہین، سلطان نے ان کو بابا کا خطاب[1] دیا، سلطان یعقوب کے انتقال کے بعد ابیورد مین آکر قیام کیا،

نہایت لاابالی مزاج اور رند تھے، شراب حد سے زیادہ پیتے تھے، اکثر میخانون مین گذرتی تھی، اسی بنا پر ابیورد کے حاکم نے ان کا روزینہ شراب اور گوشت مقرر کردیا تھا اخیر عمر مین توبہ کی اور مشہد مین معتکف ہوگئے، ۹۲۵ھ ہجری مین وفات پائی،

شروع مین جب اپنے بھائی کی دکان مین چھری بنایا کرتے تھے تو اس مناسبت سے سکاکی تخلص[2] رکھا تھا، پھر فغانی رکھا،

ان کا دیوان ایک لڑائی کے ہنگامے مین ضائع ہوگیا تھا، بھائی کو خط لکھا، کہ جہان کہین سے جو کچھ مل سکے جمع کرو، چنانچہ جگہ جگہ سے تلاش کرکے وہ مجموعہ مرتب ہوا جو آج موجود ہے، لیکن اصل مرتب شدہ دیوان جاتا رہا،

کلام پر رائے | ان کو تمام اہل سخن مجدد فن مانتے ہین، والہ داغستانی لکھتے ہین،

بابای مغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش از وی احدی بآن روش شعر نگفتہ وپایہ سخنوری را بجاے رسانیدہ کہ عقلاے اندیشہ پیرامون اونمی توانند رسید اکثر استادان زمان مولانا وحشی یزدی ومولانا نظیری نیشاپوری ومولانا ضمیری اصفہانی وخواجہ حسین ثنائی ومولانا عرفی شیرازی وحکیم شفائی اصفہانی وحکیم مسیحا رکنای کاشی ومولانا محتشم وغیرہم متتبع ومقلد وشاگرد وخوشہ چین من

[1] ید بیضا، [2] عرفات اوحدی،

طرز وروش ادبند،

متاخرین کی جو خصوصیتین ہین اُن کو ہم تمہید مین لکھ چکے ہین فغانی کے کلام مین وہ خصوصیتین متوسط حد تک موجود ہین، ورنہ اصلی ترقی عرفی، نظیری، شرف قزوینی وغیرہ نے دی ہے، ہم صرف کلام کے نمونے پر اکتفا کرتے ہین،

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست | بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست
ای کہ می گوئی چرا جامی بجانی می خری | این سخن با ساقی ماگو کہ ارزان کردہ است

طرز ادا کا لطف دیکھو، معترض کو یہ اعتراض تھا کہ شراب ایسی کیا چیز ہے جو جان کے عوض مین خریدی جائے، لیکن اسنے اختصار کے لیے صرف اس قدر کہا کہ تم ایک پیالہ جان کے عوض مین کیون خریدتے ہو، مے خوار شراب کے لطف کا اس قدر گرویدہ ہے کہ وہ یہ سمجھا کہ اعتراض اسپر ہے کہ شراب اتنی ارزان کیون خریدتے ہو، اس کی قیمت تو جان سے بڑھ کر کوئی چیز دینی چاہیے، اسکا جواب دیتا ہے کہ مین کیا کرون، یہ اعتراض تو ساقی پر کرنا چاہیے اُسنے قیمت گھٹا کیون دی،

بدگفتن من شد ہنر حاسد منکر | صد شکر کہ عیبم ہنر بے ہنران است
خراب آن کمر نازکم کہ چون مہ نو | بہ شیوہ ہای بلند از میان زین پیداست
ساقی مدام بادہ باندازہ مے دہد | این بیخودی گناہ دل زودمست ماست
آن کہ این نامہ سربستہ نبشت است نخست | گرچہ سخت بسر رشتۂ مضمون زدہ است
مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عین اوست | اما نمی توان کہ اشارت بہ او کنند

بردن خرام که بسیار شیخ و دانشمند — خراب آن شکن طره و بنا گوشند

مقصود صحبت است زگل ورنه بوی گل — انصاف اگر بود ز صبا می توان شنید

آلودهٔ شراب فغانی به خاک رفت — آه ار ملائکش کفن تازه بو کنند

تا می توان شکست دل دوستان مخواه — کین خانه را به کعبه مقابل نهاده اند

درماندهٔ صلاح و فسادیم الحذر — زین رسمها که مردم عاقل نهاده اند

با آه و ناله گرچه سرآمد زمان وصل — از نقد عمر آن دو نفس در حساب بود

هزاران چاره ضایع گشت و یکدم نشد ساکن — کنون دردی دگر از پهلوی هر چارهٔ دارم

تو ای گل بعد ازین با هر که می خواهد دلت بنشین — که من چون لاله با داغ جفایت زین چمن رفتم

دلی میباید و صبری که آرد تاب دیدارش — فغانی گر دلی داری تو باش این جا که من رفتم

از فریب نقش، نتوان خامه نقاش دید — ورنه در این سقف رنگین جز یکی در کار نیست

ملک الشعرا فیضی

تولد ۹۵۴؁ہجری، وفات ۱۰ صفر ۱۰۰۴؁ ہجری

فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت مین ہندوستان مین صرف دو شخص
پیدا کیے، جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، میرزا صائب فیضی
کی طرح پر غزل کہتے ہین، اور مقطع مین کہتے ہین،

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت — در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

علی نقی کمرہ، ایران کے مشہور شاعر نے ایک قصیدہ ۲۵ شعر کا فیضی کی
مدح مین اصفہان سے لکھ کر بھیجا، جس کے چند شعر یہ ہین[۱]،

مرا فگند بر نظم اموہ م پرتو فیضی — ابو الفیض آن گزین اکبر و شیخ کبیر من
اگر ہستم مجیر اندر سخن او ہست خاقانی — وگر من ستجیر آستانِ او مجیرِ من،
کیم با او رسد در شاعری دعوائے ہمچشمی — کہ در این خانقاہم من مرید دست پیرِ من

افسوس یہ ہی کہ شاعری کی شہرت نے فیضی کے اور تمام کمالات پر پردہ ڈالدیا
وہ کہتا ہی اور سچ کہتا ہے،

---

[۱] سرو آزاد،

امروز نہ شاعرم حکیمم دانندہ حادث و قدیم

لیکن شاعری کی شہرت عام اور تصنیفات علمی کی گم شدگی نے اس دعوی کو بے دلیل کر دیا فیضی کے مذہبی اور علمی خیالات کا برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے تو ان اتہامات سے جو بدایونی نے نہایت بے دردی سے اُس پر لگائے ہیں، تاہم ایک نکتہ دان کو اس غلط اور جھوٹی تصویر مین بھی، اصلیت کے خط و خال نظر آتے ہین، لیکن ابھی ان بحثون کے چھیڑنے کا موقع نہین، ابھی اُس کے سرسری حالات زندگی سننے چاہیین،

فیضی عربی النسل ہی، اسلاف یمن مین رہتے تھے، شیخ موسی جو فیضی کی پانچوین پشت مین ہین، وطن سے ترک تعلق کر کے سیاحت کو اُٹھے، اور چلتے پھرتے سندھ کے علاقے مین آئے، ریل ایک قصبہ ہی، یہان قیام کیا، اور شادی کر لی، دسوین صدی ہجری مین شیخ خضر، فیضی کے دادا وطن چھوڑ کر ناگور مین آئے، یہان ایک عربی خاندان مین شادی کی، جس سے شیخ مبارک پیدا ہوئے فیضی اسی نخل کمال کا نونہال تھا شیخ مبارک بڑے پایہ کا شخص تھا، علوم ظاہری اور باطنی دونون مین کمال رکھتا تھا، چار جلدون مین تفسیر کبیر کے انداز پر ایک تفسیر لکھی، جس کا نام منبع العیون رکھا، نہایت سیر چشم اور قانع تھا، شیر شاہی حکومت مین سلطنت کی طرف سے جاہ و عزت کی ترغیبین دلائی گئین، لیکن اُس کی چشم استغنا نے نظر اُٹھا کر نہ دیکھا، ان کے مفصل حالات، ابوالفضل نے آئین اکبری مین لکھے ہین؛

شیخ مبارک، ناگور سے گجرات اور گجرات سے آگرہ مین آئے، جمنا کے

نارے میر رفیع الدین حسینی کے ہمسایہ مین قیام اختیار کیا، اور یہین ایک معزز خاندان
ین شادی کی، خدانے کثرت سے اولاد دی، جن مین سب سے پہلا فیضی تھا جو ۹۵۴ھ
ین پیدا ہوا، فیضی نے ابتدائی اور انتہائی تعلیم باپ سے حاصل کی،

بدایونی نے خواجہ حسین مروی کے حال مین لکھا ہے کہ فیضی اُسکا تربیت یافتہ تھا
واجہ حسین مروی، شیخ علاء الدولہ سمنانی کے خاندان سے تھے، معقولات مین ملا
عصام الدین کے شاگرد تھے، دینیات، شیخ ابن حجر مکی سے حاصل کی تھی، شاعری
نشا پردازی، حسن تقریر، اور ظرافت ولطیفہ گوئی مین کمال رکھتے تھے، اکبر کے حکم
سے سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ نظم مین کرنا شروع کیا تھا، ۹۷۹ھ ہجری مین وفات پائی
یضی نے وام ظلہ سے مادۂ تاریخ نکالا،

بدایونی نے یہ نہین لکھا کہ فیضی نے کس فن مین ان سے تربیت پائی تھی، لیکن
غالبًا یہ شاعری کا فن ہوگا، شباب کو پہونچا تو اس کا دامن کمالات کے پھولون سے بھر اتھا
یکن قسمت نے مدتون عجیب عجیب مصیبتون مین مبتلا رکھا، جس کی داستان نہایت لمبی ہے
یکن چونکہ دلچسپ بھی ہے اسلیے بالکل قلم انداز بھی نہین کرسکتا،

شیخ مبارک کو وسعت نظر اور ہمہ دان ہونے نے تقلید اور تعصب کی بندشون
سے آزاد کردیا تھا، خود حنفی تھا، لیکن شیعی، سنی، مسلمان، کافر سب سے ملتا تھا، اس زمانے
ین مہدوی فرقہ نہایت مطعون خلائق تھا، شیخ کو ان سے ملنے مین بھی دریغ نہ تھا،
عوام مین شہرت پھیلی کہ شیخ رافضی ہے، مہدوی ہے، دہری ہے، اسو اتفاق یہ کہ اسی

زمانے یعنی ۹۷۴ھ ہجری مین کہ اکبر کی سلطنت کا چودھوان برس تھا شیخ گوشہ عزلت سے نکل کر، افادۂ عام کی مسند پر بیٹھا، اکبر اس زمانے تک متعصب مولویونکے قبضے مین تھا. اُس کے بل پر درباریون کو شیخ کے ستانے کا موقع ملا، ان مین سے ایک شخص آدھی رات کے وقت ہانپتا کانپتا فیضی کے پاس آیا، کہ امراے دولت سب کے سب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہین، مصلحت یہ ہر کہ شیخ کو لیکر کہین نکل جائیے، جب یہ فتنہ فرو ہوجائے تو پھر اختیار ہر، فیضی گھبرایا ہوا باپ کے پاس آیا، شیخ مبارک نے بڑے استقلال سے جواب دیا کہ مین جگہ سے نہین ہلتا، جو ہونا ہر ہوگا، لیکن فیضی اس قدر حواس باختہ تھا کہ تلوار نکال کر کہا آپ کو اختیار ہر، چلیے یا نہ چلیے، مین تو اپنے آپ کو ہلاک کیے ڈالتا ہون،

باپ کو محبت نے مجبور کیا، ابو الفضل کو سوتے سے جگایا، تینون باپ بیٹے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، لیکن کچھ معلوم نہ تھا کہ کہان جاتے ہین، چلتے چلتے فیضی کو ایک آشنا کا خیال آیا، اُس کے گھر پہونچے، وہ ان لوگون کو دیکھ کر سخت گھبرایا، مکان کے اندر گئے تو وحشت کدہ دیکھا، وہان سے بھی چل کھڑے ہوئے، ابو الفضل نے واپس چلنے کی راے دی، لیکن فیضی نے نہ مانا، ایک شخص کا نام لیا کہ اُس کے ہان ضرور امن ملے گا، غرض اُسکے گھر پہونچے، اُس نے نہایت گرمجوشی کا اظہار کیا، دو

سلہ آئین اکبری مین یہی سنہ ہے، لیکن تعجب ہر کہ خود ابو الفضل نے اکبرنامہ مین فیضی کے اول مرتبہ دربار مین پہونچنے کو بارھوین سال کے واقعات مین بیان کیا ہے،

ن تک یہان ٹھہرے، اُدھر مخالفون نے **اکبر** کو برہم کرکے فرمان شاہی صادر کرایا تھا
شیخ مبارک کا سارا خاندان دربار مین حاضر کیا جائے، شاہی چوبدار شیخ مبارک کے گھر
پہنچے، اور چارون طرف پہرے بیٹھ گئے،[1] **ابوالخیر**، فیضی کا چھوٹا بھائی گھر مین تھا، اسکو
کر بادشاہ کے سامنے لے گئے، شیخ کے دشمنون کو اکبر کے بھڑکانے کا موقع ملا کہ شیخ
ے دل مین چور نہ ہوتا، تو روپوش کیون ہو جاتا، اکبر کو مخالفون کی سختی اور جوش انتقام
یہ کر رحم آیا، درباریون سے کہا، ایک غریب گوشہ نشین کی جان کا دشمن بنتا کیا ضرور ہے
ہ اکثر سیر کو نکل جاتا ہے، اس وقت بھی کہین چلا گیا ہوگا، اس بیچارے لڑکے (ابوالخیر)
یون پکڑ لائے ہو، غرض ابوالخیر چھوڑ دیا گیا، اور پہرا بھی اُٹھ گیا،

دشمنون نے اب بادشاہ کی زبان سے جھوٹی خبرین مشہور کرنی شروع کین، کہ شیخ مبارک
ر فیضی معتوبان بارگاہ ہین، چند روز کے بعد صاحب خانہ نے بے اعتنائی شروع کی،
ہ کو کھٹکا ہوا، کہ خود صاحب خانہ کہین پکڑوا نہ دے، رات کو بے سروسامانی کے ساتھ
ن سے نکلے، اتفاق سے ایک شاگرد راہ مین مل گیا، اُس نے لے جاکر مہمان رکھا
ن اُسکی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا، بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ اس شہر سے نکل جانا
ہیے، فیضی بھیس بدل کر نکلا اور ایک امیر کے پاس جس سے قدیم ملاقات تھی گیا،
س نے میزبانی کو اپنا فخر سمجھا، کچھ ترک جوان ساتھ کردیے کہ شیخ کو ساتھ لائین، آدھے
ے **فیضی** نے جاکر باپ بھائی کو یہ مژدہ سنایا، سب نے بھیس بدلے اور غیر معروف رستون سے

[1] اکبرنامہ مین اس واقعہ کی تاریخ ۲۰- ربیع الاول سنہ ۹۷۴ ہجری بیان کی ہے،

امیر کے پاس پہونچے، دس دن تک یہان اطمینان سے گذرے، لیکن دشمنون نے امیر کو دربار مین پکڑ دا بلایا، مجبوراً یہان سے بھی نکلنا پڑا، چلتے چلتے ایک باغ نظر آیا ٹھہر گئے کہ ذرا آرام لے لین، بدقسمتی سے جاسوسون کا ایک گروہ، جو شیخ کی تلاش مین ہر طرف پھرتا تھا، باغ کے پاس اُترا ہوا تھا، یہان سے بھی گھبرا کر نکلے، راستہ مین ایک باغبان نے پہچانا، اور ولدہی کر کے اپنے گھر لے گیا، باغبان کا آقا باہر سے آیا، تو اُس نے شیخ سے شکایت کی کہ میرے ہوتے آپ نے کیون اس قدر تکلیف اُٹھائی، چونکہ شیخ کے قیافے سے بے اطمینانی ظاہر ہوتی تھی، اُس نے چور گھر مین لے جا کر رکھا کہ آپ اطمینان سے رہیے، مہینے سے کچھ اوپر یہان قیام کیا،

چونکہ اکبر اس زمانے مین فتحپور مین رہتا تھا، فیضی آگرہ سے فتحپور گیا کہ ان مصیبتون سے بچنے کی کوئی تدبیر نکالے، لیکن قسمت کی گردش یہان بھی ساتھ تھی، فیضی نے جب اپنی مظلومی کی داستان سُنائی، تو درباریون مین سے ایک نیک دل امیر کو اسقدر جوش آیا کہ اُسیوقت اُٹھا اور دربار مین بغیر اسکے کہ شاہی آداب بجالائے، گستاخانہ لہجے مین کہا، کہ اس ظلم کی کچھ انتہا ہی، اکبر نے کہا خیر ہی؟! امیر نے کیفیت واقعہ بیان کی، اکبر نے کہا تم کو خبر بھی ہی؟ تمام علما نے فتوے تیار کیے ہین، اور مجھ کو چین لینے نہین دیتے کہ جہان سے ہو شیخ مبارک کا خاندان ڈھونڈھ کر پیدا کیا جائے، اور اُس کو سزا دیجائے، مجھ کو شیخ کا قیام گاہ معلوم ہی (یہ کہکر اکبر نے خاص چور محل کا پتا دیا، جہان شیخ کا قیام تھا) لیکن دانستہ ٹالتا ہون، کل کوئی جا کر شیخ کو دربار مین لائے،

فیضی یہ واقعہ سنکر سخت گھبرایا، راتون رات گرتا پڑتا باپ کے پاس آیا، اُسی وقت سب نے بھیس بدلے، اور گھر سے نکلے، جس مصیبت اور پریشانی مین گھر سے نکلے ہین، اُس کی تصویر ابوالفضل نے ان لفظون مین کھینچی ہے،

نورستان آفتاب دتاریک ہاے بدگوہر، وہجوم مسالک شہر، وہنگامہ ژروہندگانِ نافرجام، ویادرنا پدید، وبارانداز نایافت، قلم چوبین راچہ یارا کہ قدرے ازان حال گزارد،

غرض ایک ویرانے مین جا کر پناہ لی، چونکہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ اپنی ذات سے مہربان ہے، اس لیے یہ رلے ٹھہری کہ پاے تخت مین چل کر بادشاہ تک رسائی کرسامان پیدا کیے جائین، ایک امیر سے پُرانی ملاقات تھی، اُس کے پاس گئے، اُس نے کہا کہ پہلے آتے تو معاملہ آسان تھا، اب حضور کے دل مین بھی رنج آگیا ہے، یہان رہنا کسی طرح مناسب نہین، یہ کہکر گاڑی منگوائی اور اُس مین بٹھا کر ایک گانؤن مین بھجوادیا، وہان پہونچکر معلوم ہوا کہ گانؤن کا رئیس اس خاندان کا قدیمی دشمن ہے، غرض یہان سے بھی نکلے، اور ایک اور گانؤن مین پہونچے،

یہان بھی ایک مفسد کا سامنا ہوا، اب پھر پھرا کر آگرے مین آئے، اور ایک دوست کے گھر ٹھہرے، دو مہینے تک یہان قیام رہا، صاحب خانہ نیک دل اور نیک طینت تھا، اور چند لوگ بھی شیخ کے طرفدار پیدا ہوگئے، دربار شاہی مین تقریب ہوئی ۹۷۴ سنہ ہجری ۱۲ جلوس مین اکبر نے بڑے احترام سے بلایا، ابوالفضل کی طبیعت مین اس وقت تک نہایت

آزادی اور بے پروائی تھی، اُس نے دربار مین جانے سے انکار کیا، فیضی گئے اور شاہانہ نوازش سے بہرہ یاب آئے، آئین اکبری[1] مین اس موقع پر پہونچکر ابوالفضل پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار یہ رباعی اس کی زبان سے نکلتی ہے،

ای شب نہ کنی آن ہمہ پرخاش کہ دوش   رازِ دل من چنان مکن فاش کہ دوش
دیدی چہ دراز بود دوشینہ شبم   ہان ای شب وصل آن چنان باش کہ دوش

فیضی جس شان سے دربار مین پہونچا ہے، شہنشاہ نے جس طرح اُسکی قدرافزائی کی ہے، حاسدون نے جس نگاہ رشک سے اس کو دیکھا ہے، دربار کی جو خدمتین اُس کو سپرد ہوئی ہین، ان سب حالات کو فیضی نے ایک قصیدے مین لکھا ہے، ہم اسکے جستہ جستہ اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی   رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی
مبشران سعادت ندا کنان، کہ نجوان   نجات نامۂ خود اے حزین زندانی
مرا نظارہ اش از دور، بیقراری داد   چہ بیقراری باصد قرار ارزانی
بہ بوسہ کردم پایش نگار، ازان غافل   کہ کارگر دد دشوار در قدم رانی

---

[1] یہ تمام تفصیل آئین اکبری مین ہے، تعجب یہ ہے کہ ابوالفضل نے فیضی کے پہلی مرتبہ دربار مین پہونچنے کے تذکرہ مین ان واقعات کو لکھا ہے، لیکن اس قدر اختصار کیا ہے کہ واقعہ کی صورت بدل گئی ہے، اور بعض بعض بات مین دونون بیان مختلف و متناقض معلوم ہوتے ہین،

ندم سوار سبک گام توسنے چالاک — که کردی از سر دانش سپهر جولانی
ربار گه شهریار شد کانیک. — رسید بر در فردوس مرغ بستانی
طاب شد که تلطف کنان رسانندش — به آسمان سعادت زتیره ظلمانی
ست بوسه زدم خاک آستان یعنی — به چشمه سار رساندم لب شفاه عطشانی
شاره رفت که در پیش گاه مجلس انس — شگفته دل بنشینی و شوق بنشانی
پیش پایهٔ اورنگ شاه بنشستم — زبان ناطقه لب ریز در ثنا خوانی
و نه گو نه تفقد شهنشهم بنواخت — که پایه پایه فرود آمدم ز حیرانی
ریش من بشهنشاه بنده پرور بود — چو با خدای، کلام کلیم عمرانی
فت خیز و علم از قلم بکش کاین روز — مسلّم است ترا کشور سخن رانی
بان بنکته بجنبان که در بدائع نظم — فرزدقی بتو ارزانی ست و حسّانی
سید حکم که از نکته سنجی شعرا — به عرض ما برسان آن قدر که بتوانی
بان وری که دگر با تو در سخن پیچد — سزد بدست ادب گردنش به پیچانی
گویم آن که ز لطفش چه طرف بربستم — زهر چه لازمه خانی است و ترخانی

(یک لقب ہے)

یہ تمام داستان (قصیدہ کو چھوڑ کر) ابوالفضل نے آئین اکبری کے خاتمہ مین لکھی ہی
لکن اس تصریح کو دانستہ قلم انداز کر گیا، کہ شیخ کے خاندان پر یہ تمام آفتین کس کی بدولت
ئین؟ اور دربار کے تقرب کا سبب کون ہوا؟ اس کے علاوہ ابوالفضل کے بیان سے
ھی نہین کھلتا کہ اس قدر مخالفت اور کینہ پروری کے اسباب کیا تھے؟ اسلیئے ان بہانات

کی تفصیل ذیل مین کی جاتی ہے،

اکبر کے ابتدائی دور مین دو شخص مذہبی حیثیت سے نہایت جاہ واقتدار رکھتے تھے

مخدوم الملک، اور شیخ عبد النبی، مخدوم الملک کا نام عبد اللہ انصاری ہے، شیر شاہ نے اپنے عہد سلطنت مین ان کو صدر الاسلام کا خطاب دیا تھا، سلیم شاہ ان کو اپنے تخت پر بٹھاتا تھا ہمایون نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا، بیرم خان نے لاکھ روپے سالانہ تنخواہ مقرر کی تھی[1]،

شیخ عبد النبی جو شیخ عبد القدوس گنگوہی کے نواسے تھے، صدارت پر ممتاز تھے، یعنی جس قدر مذہبی اوقاف اور جاگیرین تھین، سب کا انتظام انکے ہاتھ مین تھا، انھون نے اکبر کو اس قدر اپنا گرویدہ کیا تھا کہ اکبر انکے گھر پر جاکران سے حدیث پڑھتا تھا انکے فیض صحبت سے اکبر کی مذہبی خود رفتگی کی یہ نوبت پہونچی کہ اپنے ہاتھ سے مسجد مین جھاڑو دیتا تھا،

ایک دفعہ سالگرہ کی تقریب مین اکبر نے کپڑون پر زعفران کا رنگ چھڑکا، شیخ عبد النبی نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ لکڑی اٹھا کر ماری، اکبر کو ناگوار ہوا محل مین جاکر مریم مکانی (اکبر کی والدہ) سے شکایت کی کہ بھرے دربار مین ذلیل کرنا مناسب نہ تھا، مریم مکانی نے کہا کہ بیٹا دل پر میل نہ لانا، یہ نجات اُخروی کا سبب ہے، قیامت تک چرچا رہیگا کہ ایک مفلوک الحال نے بادشاہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا، اور اُس نے برداشت کیا[2]،

---

[1] مآثر الامرا، تذکرہ مخدوم الملک

[2] مآثر الامرا، جلد دوم، صفحہ ۵۶۰، حالات شیخ عبد النبی، صدر الاسلام،

یہ دونون بزرگ جس قدر دیندار تھے، اُسی قدر جاہلانہ تعصب رکھتے تھے، جیسا کہ
عام طور پر دینداری کا مقتضیٰ سمجھا جاتا ہے، ان لوگون نے اکبر کو آمادہ کیا کہ ملک مین جو
بدعقیدہ لوگ ہین، ان کا استیصال کر دیا جائے، چنانچہ عام دار و گیر شروع ہوئی، اور بہت سے لوگ
قتل اور قید کیے گئے، مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی نے اکبر سے کہا کہ شیخ مبارک بھی
بدعتی ہے، اس کو سزا ملنی چاہیے، چنانچہ اُسی وقت محتسب متعین ہوئے کہ شیخ کو پکڑ لائین
شیخ گھر مین نہ تھا اس کی مسجد کا منبر توڑ کر چلے آئے[1]۔
ایک دفعہ ایک مجلس مین شیخ عبد النبی، یا مخدوم الملک (ابو الفضل نے آئین اکبری
مین صاف نام نہین لیا، بلکہ لکھا ہے کہ سرآمد فتنہ جویان) سے اس قسم کی سختیون کے متعلق
ابو الفضل سے بحث ہو گئی، ابو الفضل نے دلائل سے ان کو بند کر دیا،
اسی زمانہ مین یا اس سے کچھ پہلے فیضی شیخ مبارک کو ساتھ لیکر شیخ عبد النبی کے
پاس گیا، اور اپنی شکستہ حالی کا اظہار کر کے کچھ مدد معاش کی درخواست کی شیخ نے
تشیعیت کا الزام لگا کر، نہایت ذلت کے ساتھ نکلوا دیا[2]،
اب یہ دونون بزرگ اس خاندان کے استیصال پر آمادہ ہوئے، علماء سے فتوے
لے کر جاسوس متعین کیے کہ شیخ کو ڈھونڈھ لائین، تمام ملک مین مشہور کرا دیا کہ شیخ کے
خاندان کے لیے دربار سے قتل کا حکم ہو چکا ہے، شیخ نے پہلے شیخ سلیم چشتی کی خدمت

---

[1] بدایونی، صفحہ ۱۹۸،

[2] مآثر الامرا، جلد دوم، صفحہ ۵۷۵ و ۵۷۶،

ہیں التجا کی کہ میری جان بچائیے، شیخ سلیم نے کچھ زادراہ بھیج کر کہلا بھیجا کہ سر دست مصلحت یہی ہو کہ کہیں نکل جائیے، یہاں سے نا اُمیدی ہوئی تو میرزا عزیز کے پاس گیا، مرزا عزیز کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا، اسلیے وہ اکبر کی خدمت میں نہایت گستاخ تھا، ابوالفضل نے آئین اکبری میں جو لکھا ہو کہ ایک امیر نے اکبر کے سامنے نہایت گستاخانہ سفارش کی، اس سے مرزا عزیز ہی مراد ہے، مرزا عزیز نے بارہا اکبر کو سر دربار سخت سُست کہا اور اکبر یہ کہکر چپ ہو جاتا تھا کہ کیا کروں میرے اور عزیز مرزا کے بیچ میں دودھ کا دریا حائل ہی، (دودھ بھائی ہونے کا یہ پاس ہوتا تھا) میرزا عزیز ہی کے توسل سے فیضی کے خاندان کو دربار میں رسائی ہوئی،

اکبر مخدوم الملک[1] اور شیخ عبدالنبی کی تنگ خیالیوں سے تنگ آچکا تھا اور ان لوگوں کے زور کو گھٹانا چاہتا تھا، لیکن خود جاہل تھا اسلیے مذہبی نقود نکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، فیضی اور ابوالفضل دربار میں پہونچے تو اکبر کو گویا دو بازو ہاتھ آگئے، ان لوگوں نے ہر موقع پر ان متعصبوں کو شکستیں دیں، اور ان کا سارا بھرم کھل گیا، چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی،

فیضی کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا، لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہ کی، طبیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انھیں مشغلوں میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۲۴ سنہ جلوس میں شہزادہ دانیال

[1] بدایونی صفحہ ۱۹۹،

لیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنون مین فیضی نے اسکو ضروری مراتب
ڈیے، جہانگیر نے تزک مین لکھا ہے کہ شہزادہ دانیال ہندی (برج بھاکا) کی شاعری
واقف تھا اور خود بھی کہتا تھا، یہ فیضی ہی کی صحبت کا اثر ہوگا، اسی سنہ مین اکبر
جتہاد و امامت کے دعوے سے مسجد مین جاکر خطبہ پڑھا، یہ خطبہ فیضی نے لکھا تھا،
نچہ تفصیل اس کی آگے آئے گی۔

۹۹۰ھ ۲۵ جلوس مین اکبر نے اظہار عقیدت کے لیے شہزادہ دانیال کو اجمیر کی زیارت
لیے بھیجا تو فیضی کو بھی اسکے ساتھ متعین کیا۔

اکبر نے شیخ عبدالنبی کا زور توڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیے تھے، چنانچہ ۹۹۱ھ ہجری
، آگرہ، کالنجر اور کالپی کی صدارت فیضی کو دیگئی ۹۹۳ھ ۳۰ جلوس ہجری مین جب یوسف زئی
نون پر اکبر نے فوجین بھیجین تو فیضی بھی اس مہم پر مامور کیا گیا،

۹۹۶ھ ہجری مین جو اکبر کی تخت نشینی کا تینتیسوان سال تھا فیضی کو ملک الشعراء کا خطا
عجیب اتفاق یہ کہ اس سے دو ہی تین دن پہلے فیضی نے ایک قصیدہ لکھا تھا،

آن روز کہ فیض عام کردند — مارا ملک الکلام کردند
از بہر صعود فکرت من — آرایش ہفت بام کردند
مارا بہ تمام در ربودند — تا کار سخن تمام کردند

۹۹۷ھ ہجری مین اکبر نے کشمیر کا سفر کیا تو فیضی بھی ساتھ تھا، قصیدہ کشمیر یہ اسی سفر

۵ اکبر نامہ نولکشوری، صفحہ ۲۲۵، جلد سوم،

مین لکھا ہی جسکا مطلع یہ ہی،

ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر　　　　که بارعیش کشاید به خطۂ کشمیر

دکن کی حکومتون کو جب اکبر نے فتح کرنا چاہا، تو ۳۶ سنہ جلوس مطابق ۹۹۹ سنہ ہجری مین پہلے ایک ایک کے پاس سفارتین بھیجین خاندیس کی سلطنت کا فرمانروا، راجے علی خان تھا فیضی کو اس کی سفارت پر متعین کیا، فیضی کو اگرچہ یہ خدمت ناگوار تھی، لیکن قبول کرنیکے سوا چارہ نہ تھا، اس نے سفارت کے معاملات اس خوبی سے انجام دیے کہ راجے علی خان نے حلقہ بگوش بن کر آنے کی اطلاع دی، فیضی نے برہانپور مین دربار آراستہ کیا، تخت پر شاہی تلوار، خلعت اور فرمان شاہی رکھا گیا، راجے علی خان دور سے پیادہ ہوا، تخت کے قریب آکر، جوتیان اُتارین، کھڑے ہو کر تین تسلیمین بجا لایا، فیضی نے فرمان شاہی دونون ہاتون مین ادب سے لیکر کہا کہ حضور نے تمھارے نام فرمان بھیجا ہے، راجے علی خان نے فرمان دونون ہاتون سے تھام کر سر پر رکھا اور تین تسلیمین بجا لایا، اسی طرح خلعت اور تلوار عطا کیے جانے پر تسلیمین کین، چنانچہ فیضی نے اپنی عرضداشت مین یہ تمام امور تفصیل سے بیان کیے ہین، یہان کی مہم سے فارغ ہو کر احمد نگر مین برہان نظام شاہ سے ملا، اور سفارت کے مراتب انجام دیے،

اس سفر مین اصلی خدمت اگرچہ سفارت کا انجام دینا تھا، لیکن فیضی نے ملک کی ایک ایک چیز پر بصرانہ نظر ڈالی، اور بادشاہ کو عرضداشت مین مفصل رپورٹ بھیجی، مثلاً راستون کا کیا انتظام ہی، عہدہ دار اپنی خدمتون کو کیونکر انجام دیتے ہین، شہر دنین، رفاہ عام کی

کیا عمارتین ہین، قلعون کی کیا حالت ہی، زمین کیسی ہی پیدا وار کیا کیا ہی، پھل کیا کیا پیدا
تے ہین، صنعت کے کارخانے کہان کہان ہین، چنانچہ اس رپورٹ کے جستہ جستہ
رے ہم درج کرتے ہین،

بلوچی که به فوجداری مقرر شد و نزدیک به تنگی کوه در میان لدھیانہ و
سرہند چسپیده است، و دزدانے که از کوه فرود می آیند، به او ہم حق نذری
می دہند، یعقوب بدخشی خدمت فوجداری و عملداری تھانیسر و پرگنات
ہردو بواجبی می تواند کرد،

چون به دھول پور رسید، سرائے دیہ از سنگ بغایت رفیع، که
صادق خان ساختہ، و متصل آن حمام گرمے می باشد، و باغے دلکشا
مشتمل بر عمارت دلکش، الیسر ش رشید آن جا بود، سیر قلعه گوالیار
نیز کرده شد،

و سجاول پور خواجہ امین خویش و وزیر خان به رعایا سلوک خوب کرده
و تقاوی داده و پرگنه معمور ساختہ، کارخانہاے پارچہ بافی ترتیب داده
که چیره و فوطه (یعنی لنگی) براے حضرت می بافتند، برہان پور و حوالی
ادانک جاے ست بغایت تنگ، اکثرے بوستان، ہر جا قطعہ زمینے
بوده و مزروع شده، از میوه انجیر خوب می شود، خربزه فرنگی بشاخ درخت
بستہ، ابست دسی، بسی خوشہ جنبان ست، خربزه ہندوستانی ہم ہفتہ باشد

کہ رسیدہ،،

یہ تو خاص ہندوستان کے حالات تھے، غیر ملکون کے بھی ہر قسم کے مفید اور ضروری اور قابل اعتنا حالات بہم پہونچائے، اور عرضداشتون مین اکبر کو لکھے، مثلاً ایک عرضداشت مین لکھتا ہے،

اب کی چھ جہاز ہرمز سے چلے، خواجہ معناے عمدۃ التجار، عراقی گھوڑے لے کر آرہا تھا، فرنگیون کا قاعدہ ہے، کہ گھوڑے چھین لے جاتے ہین، اور جو پسند آتا ہے رکھ لیتے ہین، تین جہاز، بندرگاہ چول مین سلامت آ ئے، حسن قلی افشار اور حسین بیگ لشکر نویس جو صفویہ سلطنت کے عہدہ دار ہین، آستان بوسی کے ارادہ سے آتے ہین، یہ لوگ اپنے حرم کو بھی ساتھ لاتے ہین، شاہ عباس صفوی کا سن بیس برس کا ہے، تفنگ اندازی اور چوگان بازی وغیرہ کا شیفتہ ہے، پارسال دو مرتبہ گھوڑے سے گرا، شجاعت اور بہادری اس کے حالات سے ظاہر ہے، ابھی تک کاروبار خود اپنے ہاتھ مین نہین لیے، فرہاد خان وکیل، اور حاتم بیگ وزیر اعظم تمام کامون کو انجام دیتے ہین، پارسال عباس نے خراسان پر لشکر کشی کرنی چاہی تھی، ہرات پہونچکر فوج مین طاعون پھیلا، اسلیے واپس گیا،

اسی طرح ایران اور روم کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہین، اور جن باتون کو پالٹیکس سے تعلق ہے ان کے ساتھ خاص اعتنا کرتا ہے، ان خطوط کے پڑھنے سے

معلوم ہو سکتا ہی کہ وہ کس قدر ملکی معاملات کی تہ تک پہونچتا تھا۔

اس عرضداشت مین ملک قمی اور ظہوری کی بھی تقریب اور نہایت تعریف کی ہی اور ان کے عمدہ اشعار نقل کیے ہین، ان کے علاوہ اور ہر فن کے ارباب کمال کا ذکر کیا ہی، بیچ بیچ مین دلچسپ اور لطیف حکایتین بھی لکھتا جاتا ہے،

غرض ایک برس آٹھ مہینے چودہ دن اِن اطراف مین رہا، اور سفارت کا کام نہایت خوبی سے انجام دے کر ۱۰۰۱ھ ہجری مین پاے تخت مین آیا،

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ فیضی کو ملکی معاملات سے کبھی سروکار نہین پڑا تھا، وہ شاعر اور حکیم تھا اور یہی اُسکا اصلی مذاق تھا، لیکن اُس زمانے مین تعلیم کے طریقے کی یہ خوبی تھی کہ ایک عالم کو جس قسم کی خدمت دیجاے اسکو انجام دے سکتا تھا، آجکل کا سا حال نہ تھا کہ مولوی اور عالم، مُردہ شوئی اور جنازہ خوانی کے سوا، اور کسی کام نہین آسکتے،

۳۹ جلوس مین اکبر نے اصرار کے ساتھ خواہش کی کہ نظامی کے خمسہ کا جواب لکھا جائے، اور نل دمن سے آغاز کیا جائے، چنانچہ فیضی نے نل دمن چار مہینے مین پوری کر کے پیش کی، تفصیل اس کی آگے آئے گی،

اسی زمانے مین فیضی کو دمہ کا عارضہ ہوا، اور بیماری کے آغاز مین یہ رباعی کہی،

دیدی کہ فلک چہ زہرہ نیرنگی کرد | مرغ دلم از قفس شب آہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے درو می گنجید | تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

---

[5] مآثر الامرا،

یہ شعر اکثر زبان پر رہتا تھا،

گر ہمہ عالم بہم آیند تنگ　　بر نشود پائے یکے مور لنگ

حکیم مصری اس زمانے کا نہایت مشہور معالج تھا، اس نے بڑی مستعدی سے علاج کیا، لیکن موت کا کیا علاج تھا، مرنے سے دو دن پہلے غفلت طاری رہتی تھی، اکبر کو خبر ہوئی، اسی وقت پہونچا، فیضی نے آنکھیں کھولیں، اور آداب بجالایا، اکبر نے خدا کو سونپا اور اُٹھ کر چلا آیا، ابوالفضل نے تیمارداری کے لیے بادشاہ سے چار دن کی رخصت لی، عین نزع کے وقت آدھی رات کو اکبر کو خبر ہوئی، بیقراری کی حالت میں آیا، اور فیضی کا سر ہاتھ میں لے کر دو تین دفعہ پکار کر کہا، شیخ جیو! (اکبر اسی لقب سے فیضی کو خطاب کیا کرتا تھا) میں حکیم علی کو علاج کے لیے لایا ہوں، آپ بولتے کیوں نہیں؟ شیخ نے جب کچھ جواب نہ دیا، تو سر سے پگڑی اُتار کر پھینکدی اور ابوالفضل کو تسلی دے کر چلا آیا[۳]، صفر ۱۰۰۴ہجری میں انتقال کیا،

عام حالات اور اخلاق وعادات

فیضی پر اگرچہ بظاہر شاعری کا احسان ہے کہ آج اُس کو جو شہرت ہے، اسی نام سے ہے، لیکن حقیقت میں شاعری ہی نے اس کے تمام کمالات کو مٹا دیا، ملا عبدالقادر بدایونی سے بڑھ کر اس کا دشمن کون ہوگا تاہم اسکا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کرتے ہیں،

در فنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشا

---

[۱] بدایونی حالات حکیم مصری، [۲] اکبرنامہ، [۳] بدایونی،

عدیل در روزگار نداشت،

علوم متداولہ مین سے، اسکو فقہ، مناظرہ، سیاق اور تاریخ و محاضرات سے رغبت
تھی، چنانچہ ایک قطعہ مین خود لکھتا ہے،

یا حریف درین بزمگاہ فیضی را — گمان مبر کہ ز خیلِ تہی سبویان ست
رہ دو دشت معانی کہ مرغ پر نزند — بہ چابکیِ تَعقُّل دو اسپہ پویان ست
مسائلِ فقہ مقلدانِ ہوا — کہ علم حیلہ گران و بہانہ جویان ست
مخارجات فرائض کہ کس نخواناد ش — از و مپرس کہ او علم مُردہ شویان ست
خلاف و جدل ہم بخویشتن نکشود — کہ آن مقدمۂ جنگ تندخویان ست
ہ نامۂ اہل سیاق ہم ننوشت — کہ کار تیرہ درونان سخت پویان ست
ار حرف بتاریخ ہم مدار کہ آن — فسانہاے ملال دروغ گویان ست

ایشیائی درباروں مین خوشامد اور تملق کے بغیر کوئی شخص فروغ نہین پاسکتا،
ن فیضی نے علم کی آبرو قائم رکھی، اس نے یہ گوارا کیا کہ باوجود اس قدر تقرب اور
نینی کے اسکا منصب چارصدی سے نہ بڑھا، حالانکہ ابوالفضل اسکا چھوٹا بھائی
نیم ہزاری تھا، لیکن اورون کی طرح اس نے عزت نفس کو برباد نہین کیا، صاحب
ثر الامرا فیضی سے خوش نہین، تاہم فرماتے ہین،

بیش آمد مصاحبت شیخ در پیشگاہ خلافت بہ عنوان علم و کمال بود زیادہ
بر چارصدی منصب نیافت،،

کتب خانہ شیخ کا اصلی مذاق علم وفن کی خدمت تھی، کتابون کا نہایت شایق تھا، ایک
گران بہا کتب خانہ جمع کیا تھا جس مین ۴۳۰۰ کتابین تھین، اور اکثر خود مصنف کے ہاتھ
کی یا اُن کے زمانے کی لکھی ہوئی تھین، یہ کتابین تین قسم کے علوم وفنون پر مشتمل تھین، طب
نجوم وموسیقی، حکمتؔ وتصوف وہئیت وہندسہ، تفسیرؔ وحدیث وفقہ وغیرہؔ، دوستون کو اکثر
خطوط مین کتابون کے بہم پہونچانے کی فرمایش کرتا ہے، ایک دوست کو لکھتا ہی،

از کتب حکمت باقسامہا انچہ بہم رسد بجہت فقیر بگیر ند و بہر بہاے کہ باشد،

اجمیر مین ایک دفعہ کسی نے کہا کہ فلان صاحب نے میر ہزارہ کے ہاتھ سعید ہروی کا
دیوان بھیجا ہی، فوراً اُنکے گھر پہونچا، اور کتاب کا تقاضا کیا، امیر خسرو کے تغلق نامہ کا ایک
نسخہ ہاتھ آیا، لیکن اول و آخر سے ناقص تھا، ایک دوست کو لکھتا ہے،

بہ یکے از خدمتگاران امر فرمایند کہ بہر خطے مسودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب
حاملان عریضہ فرستند،

فیاضی نہایت فیاض اور سخی تھا، اہل کمال کے لیے اس کا گھر مہمان سراے عام تھا،
عرفی ایران سے آیا تو اول اسی کا مہمان ہوا اور بہت دنون تک اسکے گھر پر مقیم رہا
اس کی تفسیر کی تاریخ حیدر معمائی نے سورۂ قل ہو اللہ سے نکالی، تو دس ہزار روپیے
صلہ مین دیے

سلہ کتب خانہ کے متعلق یہ تفصیل بدایونی نے فیضی کے تذکرہ مین لکھی ہی،

سلہ مآثر الامرا، ذکر فیضی،

درویش پرستی

فقرا اور اہل دل کا نہایت گردیدہ تھا اور اکثر بزرگون کے مزار پر حاضر ہوتا تھا،
اجہ فریدالدین شکر گنج کی خدمت مین خاص ارادت تھی، ان کے مزار پر جب گیا ہی تو
ن قطعے لکھے ہین، ایک یہ ہی،

فر گزیدہ ترین نعمتے ست درعالم	زبہر ذوق خدا دانی و خدا بینی
رین سفر زپے طوفِ اولیاے عظام	کہ بودہ اند شہان در لباس مسکینی
یدہ بہر طواف مزار گنج شکر	کہ کردہ زیر سرش نہ سپہر بالینی
بلے چو خوان کرم اہل نعمت آرایند	برسرِ مائدہ آخر کشند شیرینی

ایک اور قطعہ ہے؛

طب ربانی فریدالدین شکر گنج آنکہ خلق	درمقام او بہ صدر رنج سفر پے بردہ اند

دو تین شعر کے بعد کہتا ہے،

طوطیان دیدیم در پرواز گرد مرقدش	گوئی اینہا ہم بآن گنج شکر پے بردہ اند

ایک دوست کو لکھتا ہی،

دراحوال ذکر مشائخ ہند، آنچہ داشتہ باشند، از ملفوظات وغیرہ ہمہ
ہمراہ آرند، البتہ بدست عزیزے کتابے دراحوال مشائخ ہند بود
موسوم بہ تذکرۃ الاصفیا، اگر دران شہر بہم رسد، بہم رسانند کہ بسیار
مطلوب ست،،

رشک وحسد اور نا توان بینی شعرا کا عام خاصہ ہی لیکن فیضی تمام معاصرین کا نام

نہایت عزت اور محبت سے لیتا ہے" اور دربار شاہی مین اُنکی سفارش کرتا ہی، اکبر کو ایک عرضداشت مین لکھتا ہی،

دراحمدنگر دو شاعر خاکی نہاد صافی مشرب اند و در شعر رتبہ عالی دارند یکے ملک قمی کہ بکس کمتر اختلاط می کند، و ہمیشہ مژہ ترے دارد، دیگر ملا ظہوری کہ بنہایت رنگین کلام ست، و در مکارم اخلاق تمام عزیمت آستان بوس دارد،

دونون کے اشعار بھی نقل کیے ہین،

ملک قُمی کا دیوان اوّل اوّل فیضی ہی دکن سے اپنے ساتھ لایا[1] غزالی شاعر مرا تو اُس کی تاریخ کہی،

قدوۂ نظم، غزالی کہ سخن | ہمہ از طبع خدا داد او نوشت
عقل، تاریخ وفاتش بدو طور | سنہ نہصد و ہشتاد نوشت

عرفی کی نسبت، عام طور پر یہ مشہور ہی کہ فیضی اس سے جلتا تھا، اور دونون مین ہمیشہ نوک جھوک رہتی تھی، چنانچہ اس قسم کے قصے، خافی خان اور بدایونی نے بھی نقل کیے ہین، لیکن فیضی کے مکاتب موجود ہین، اس مین ایک دوست کو خط لکھا ہی، او عرفی کی اس قدر تعریف کی ہی کہ اس سے زیادہ نہین ہو سکتی، ہم اُسکے خاص الفاظ عرفی کے حال مین نقل کرین گے۔

---

[1] بدایونی، تذکرۂ ملک قمی

نہایت حلیم اور نیک نفس تھا، ملا عبد القادر بدایونی کا برتاؤ جو اسکے ساتھ تھا، اسکا اندازہ اُن الفاظ سے ہو سکتا ہی جو ملا صاحب نے اس کی نسبت استعمال کیے ہین چنانچہ اسکے حالات مین لکھتے ہین،

مُخترع جد و ہزل و عُجب و کبر و حقد و مجموعۂ نفاق و خباثت و ریا و حُب جاہ و خیلا و رعونت بود، در واب عناد و عداوت با اہل اسلام و طعن در اصل اصولِ دین و اہانتِ مذہب و مذمت صحابہ کرام و تابعین و سلف و خلف متقدمین و متاخرین و مشائخ و اموات و احیا و بی ادبی و بے تحاشی نسبت بہمہ علما و صلحی و فضلا سرًّا و جہارًا لیلاً و نہارًا ہمہ یہود و نصاریٰ و ہنود و مجوس بر و ہزار شرف داشتند،

لیکن **فیضی** کا سلوک ملا صاحب کے ساتھ یہ تھا کہ ملا صاحب جب دربار اکبری سے معتوب ہوئے تو سنہ ہجری مین اُس نے احمد نگر سے ایک خط اکبر کو لکھا جسمین ملا صاحب کے کمالات کی بے انتہا تعریف کی، اسکے علمی اور اخلاقی کمالات آٹھ دس سطر مین گنائے ہین، آخر مین لکھا ہی کہ گویا مین خود حضور کی درگاہ مین حاضر ہو کر نامبردہ کے اوصاف عرض کر رہا ہون، اور نہ کرتا تو حق پوشی کا مجرم ہوتا، ملا صاحب کی غیرت کی داد دینی چاہیے کہ خود اس خط کو اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہی، اور چونکہ یہ کھٹکا بھی تھا کہ لوگ کیا کہین گے اسلیے فرماتے ہین،

اما چہ توان کرد کہ حق دین و حفظ عہد آن بالاتر از ہمہ حقوق ست الحب للہ و البغض للہ،

ملا صاحب اور اُن کے تمام پیرون نے متفقاً فیضی کو ملحد، بیدین، زندیق اور کافر لکھا ہی، ملا صاحب نے یہ بھی لکھا ہی کہ فیضی مرنے کے وقت کتون کی طرح بھونکتا تھا، اور اسکے ہونٹھ سیاہ ہو گئے تھے، لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ لوگ فیضی کے رتبہ کو سمجھ نہین سکتے تھے وہ جو حکیمانہ خیالات ظاہر کرتا تھا، ان لوگون کو الحاد اور زندقہ نظر آتا تھا، فیضی کے مذہب اور اسکے خیالات سے اسکا دیوان بھرا پڑا ہے، اسکے پاکیزہ خیالات خود اُس کی زبان سے سنو،

ما طائر قدسیم نوا را نشناسیم — مرغ ملکوتیم ہوا را نشناسیم
بُرہانِ ثبوتیم ز ما نفی نیاید — از ما نعم آموز کہ لا را نشناسیم
در کشف حقایق سبق آموز ضمیریم — ترتیب دلیلِ حکما را نشناسیم
با اہل جدل نکتۂ توحید نہ گوئیم — در وحدت حق چون و چرا را نشناسیم
اصحاب یقینیم گمان را نہ پسندیم — ارباب صوابیم خطا را نشناسیم
از قافلۂ ما نتوان یافت نشانے — رقص جرس و بانگ درا را نشناسیم
نور جبروتیم، ز ظلمت نہ ہراسیم — آئینۂ صبحیم، مسا را نشناسیم
بر دانش ما انجم و افلاک بخندند — گر صاحب لولاک لما را نشناسیم
صد شکر کہ ما پیرو اصحاب سولیم — در شرع، دگر راہ نما را نشناسیم

اس کے بعد چارون خلفا کے اوصاف بیان کیے ہین،

بدایونی وغیرہ کہتے ہین کہ فیضی فلسفہ کو شرع پر مقدم سمجھتا تھا، لیکن وہ خود مرکز دائرہ

مین لکھتا ہے،

معنی قرآن چو ادا می کنی | این ہمہ تاویل چرا می کنی
حق ز تو با غیر مشابہ شدہ | پیش تو محکم متشابہ شدہ
فہم تو از قول نبی اجنبی | بے خبر از سرِ حدیث نبی
چون سخن از شرح کجی می رود | فکر تو چون حاشیہ کج می رود
طعنہ مزن این ہمہ بر اختلاف | کز پے تسہیل تو رفت اختلاف
گر بمیان ور بہ طرف رفتہ اند | راہ چنان رو کہ سلف رفتہ اند
بہر ریاضی بہ ریاضت مکوش | نور الٰہی بہ طبیعی میوش
از خط اقلیدس دستخطش مگوی | تختۂ اشکال محسطی بشوی
بگذر ازین علم و عمل پیش گیر | ترک تو این جدل پیش گیر

با این ہمہ وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویون نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہی، یہ اسلام کی اصلی تصویر نہین، شیعہ، سُنّی، کے جھگڑون کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا اور اِن خانہ جنگیون کی ہنسی اُڑاتا تھا، اکبر کی ایک عرضداشت مین لکھتا ہے کہ، ایک اُزبک ترک ہاتھ مین دھاگا لیے پھرتا تھا، لوگون نے پوچھا یہ کیا ہی؟ بولا کہ میری مان نے دیا ہے کہ کسی رافضی کے خون سے رنگین کرلا، تو مین رکھ چھوڑ دون کہ میرے کفن کے سینے مین کام آئے، اسی عرضداشت مین لکھتا ہے، کہ چند احباب ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، ایک

شخص نے کہا کل اسی طرح حوض کوثر کے چار دن کونے پر خلفاے اربعہ تشریف رکھتے ہونگے، اور مومنین کو آب کوثر پلاتے ہون گے، ایک شیعہ جس کا نام محمود صباغ تھا، بولا کہ کیا فضول بکتے ہو، حوض کوثر مدور ہی اور وہاں کے ساقی مرتضی علی ہین، یہ کہکر بھاگا،، یہ حکایتین لکھ کر **فیضی** حضرت خواجہ فریدالدین عطار کے یہ شعار نقل کرتا ہے،

زنا دانی دل پُر جہل دپُر کر گرفتار علی ماندی وبوبکر

چو یک دم زین تخیل می نرستی نمی دانم خدا را کے پرستی

فیضی پر بڑا الزام یہ ہی کہ اس نے اکبر کو لا مذہب اور ملحد بنا دیا، اس جھوٹ مین صرف اس قدر سچ ہے کہ ایک زمانے مین شیخ عبد النبی، اور مخدوم الملک نے اس قدر تعصب پھیلا دیا تھا کہ غیر مذہب کے لوگ علانیہ قتل اور گرفتار کیے جاتے تھے، خود بدایونی کی کتاب مین متعدد واقعات ہین کہ بہت سے لوگ بدعتی اور رافضی ہونیکے جرم مین قتل کر دیے گئے، فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کی اس تنگ خیالی کی اصلاح کی، لیکن عبد النبی اور مخدوم الملک کا اثر ملک پر اسقدر غالب آچکا تھا کہ انکا زور توڑنا مشکل تھا، فیضی اور ابوالفضل نے علمی مجلسین قائم کرائین، جن مین درباریون کو علانیہ نظر آیا کہ ان متعصبون کے پاس لعن اور تکفیر کے سوا کوئی ادزار نہین، اس کے بعد ۹۸۶ھ ہجری (۲۴ جلوس) مین ایک محضر نامہ طیار کرایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہی اسکو یہ منصب حاصل ہے کہ مسائل مختلفہ مین جس مجتہد کے قول کو چاہے اختیار کرے، اور وہی حجت ہو گا،،

اس محضر کی عبارت شیخ مبارک نے لکھی، اور فیضی اور ابو الفضل نے اُس پر دستخط کیے، لطف یہ کہ شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک کو بھی دستخط کرنے پڑے، اکبر نے یہ بھی چاہا، کہ اعلان عام کی غرض سے جمعہ کی نماز بھی پڑھلائے، تاکہ منصب امامت مسلم ہو جائے، فیضی نے خطبہ لکھدیا،

بنام آن کہ مارا سروری داد ۔۔۔ دلے دانا و بازوے قوی داد
بود وصفش ز حدِ فہم برتر ۔۔۔ تعالےٰ شانہ، اللہ اکبر

ان کارروائیون نے متعصب مولویون کا زور توڑدیا اور اکبر کو موقع ملا کہ وہ ایک ایسی وسیع اور آزادانہ حکومت قائم کرے، جس کے سایہ مین ہندو، مسلمان، یہود نصاریٰ، سب آزادی کے ساتھ اپنے اپنے فرائض مذہبی، ادا کرسکین، اور یہی طرز حکومت خلفاے راشدین نے قائم کیا تھا،

اس مین شبہہ نہین کہ اکبر اس عالم مین حد سے تجاوز کرگیا تھا، درباریون نے اسکو بنانا شروع کیا، اور وہ بنتا گیا، وسعت مشرب مین اُس نے آتش پرستی اور آفتاب پرستی تک کی، لیکن اسمین فیضی کا کیا قصور ہے، فیضی سے جہان تک ہوسکا اُسنے ہر موقع پر مذہبی پہلو قائم رکھا، یاد ہوگا جب اکبر کے حکم سے ابو الفضل نے توریت کا ترجمہ سنانا شروع کیا اور یہ مصرع پڑھا،

اے نامی دے ژژ دکرسٹو (جنیرس کرائسٹ)
تو فیضی برابر سے بولا ع سُبحانکَ لا سِواکَ یا ہو،

فیضی نے تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہے لیکن ایک ذرہ مسلّماتِ عام کی شاہ راہ سے نہین ہٹا، حالانکہ تفسیر مین ہر قدم پر اُسکو آزادخیالی دکھانے کا موقع حاصل تھا، ملا صاحب تو فرماتے ہین کہ وہ تمام عقائد اسلام کا منکر تھا، لیکن وہ اُن تمام عقائد کا معترف نظر آتا ہے جنکو معتقداتِ عوام کہتے ہین، معراج کی نسبت اکثر علمائے اسلام کا خیال ہے کہ روحانی تھی لیکن فیضی اس پر راضی نہین چنانچہ کہتا ہے،

رہ راست برو کہ راہ کج نیست　　　حاجت بہ دلائل و حجج نیست

آن راچہ وقوف ازین مقام ست　　　کو منکر خرق والتیام است

سچ تو یہ ہے کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہین، زبانی سنتے ہین، تصنیفات مین تو وہ ملاے مسجدی نظر آتا ہے،

فیضی اگرچہ ریاکار مولویون کو نہایت برا سمجھتا تھا، لیکن اصلی مقدس بزرگون سے نہایت عقیدت رکھتا تھا، شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے اسکو نہایت خلوص تھا ایک مدت تک فتح پور مین بلاکر ان کو مہمان رکھا، پھر جب دربار کی مذہبی بدنامی پھیلی، تو شیخ دلّی چلے گئے، فیضی نے بار بار بلایا لیکن شیخ نے عذر کیا، بالآخر شیخ نے ایک خط لکھا جس مین اُن کو آئندہ تکلیف نہ دینے کا اظہار کیا، لیکن یہ بھی لکھا کہ خط کتابت سے دریغ نہ کیجئے گا[1]، اخیر کے فقرے یہ ہین،

اگر بال و پرے مے داشتم، ہر روز بر بام آن حجرہ می نشستم، و دانہ چین

---

[1] تاریخ بدایونی، تذکرۂ شیخ عبدالحق دہلوی،

نکات محبت می شدم، دیگر چہ نویسم، طلب ہاے دردانہ ازان جا دیر
می رسد از برای خدا بہ من قافلۂ اسرار خود در راہ نہ بندند،

ملا صاحب، ان تمام باتون کو فیضی کی ستم ظریفی سمجھتے ہین، اور فرماتے ہین کہ وہ
گرمی محفل کے لئے ان بزرگون کو اپنے یہان ملاتا تھا،

اس زمانے مین نشانی صاحب ایک مُہر کن ملا صاحب کے ساختہ پرداختہ
تھے، وہ فیضی کے عروج کو دیکھکر سخت جلتے تھے، اور اس کی شان مین ہجو آمیز
اشعار کہا کرتے تھے، فیضی نے ایک قصیدہ لکھا تھا،

شکر خدا کہ عشق بتان ست رہبرم | بر ملتِ برہمن و بر دین آذرم

اگرچہ فیضی نے اس شعر کے بعد بت اور برہمن کے معنی بتا دئے تھے کہ
متداول معنی مراد نہین،

بُت چیست ہر رخ نگاشتہ معنی مُبین | کاندر کلیسیاے ضمیر ست مضمرم
استاد برہمن کہ زبت خانۂ خیال | در سجدۂ حضور فرود آورد سرم

لیکن نشانی صاحب، اس لطف کو کیا سمجھ سکتے تھے، انھون نے اس کی
چوٹ پر فوراً ایک قصیدہ لکھ ڈالا،

شکر خدا کہ پیرو دین پیمبرم | حب رسول و آل رسول ست رہبرم
قائل بہ روز حشر و قیام قیامتم | امیدوار جنت و حوری و کوثرم

یہانتک بھی غنیمت ہے لیکن ایک مثنوی مین فیضی کے کمال شاعری کا بھی انکار

کرتے ہین،

دعوی احیاء معانی مکن | شمع نہ چرب زبانی مکن
طبع تو ہرچند درِ ہوشش زد | یک سخن تازہ نشد گوشش زد
انچہ تو گفتی دگران گفتہ اند | دُر کہ تو سفتی دگران سفتہ اند
خانہ کہ از نظم بیارا ستی | آب و گلش از دگران خواستی
تازگی آن نہ ز باران تست | از خوی پیشانی یاران تست
چند پے نقد کسان سوختن | چشم بہ مالِ دگران دوختن
شربتِ بیگانہ فراموش کن | آب ز سرچشمۂ خود نوش کن
گر خضری آب حیات تو کو؟ | ور شکری شاخ نبات تو کو؟

ملا صاحب نے ان اشعار کو (نشانی کے حال مین) نہایت جوش سے نقل کیا ہی، خود بھی فیضی کے حال مین فرما چکے ہین کہ چالیس برس تک استخوان بندی کرتا رہا، لیکن ایک شعر مزہ کا نہ نکلا، لطف یہ کہ نلدمن کے ذکر مین خود لکھ چکے ہین، کہ تین سو برس سے ایسی مثنوی نہین لکھی گئی، ملا صاحب کی ان دورنگیون پر بے ساختہ یہ شعر یاد آتا ہے،

از ان بہ درد دگر ہرزمان گرفتارم | کہ شیوہ ہای ترا باہم آشنائی نیست

فیضی کو اپنے خاندان سے نہایت محبت تھی، تفسیر مین کوئی موقع نہ تھا؛ لیکن اپنے آٹھون بھائیون کا ذکر کیا ہے، خطوط مین ابوالفضل کو علامی اخوی

داب اخوی، لکھتا ہی اور اس انداز سے لکھتا ہے کہ محبت کا نشہ ٹپکتا ہے، قصیدہ فخریہ مین
بوالفضل کی نسبت لکھتا ہی،

با این چنین پدر کہ نوشتم مکارمش | درفضل مفتخر زگرامی برادرم
صد سالہ درمیان من و اوست کمال | در عمر اگرچہ یک دو سہ سالے فزونترم

۹۹۸ھ ہجری مین اکبر کے ساتھ پشاور مین تھا کہ خبر پہونچی کہ والدہ بیمار ہین، بادشاہ کا
ساتھ چھوڑ کر لاہور پہونچا، یہان اُن کا انتقال ہو چکا تھا، بے تاب ہوگیا، اس عالم مین
جو خط لکھے ہین، اُن سے خون ٹپکتا ہے، ایک دوست کو لکھتا ہے،

بالفعل حالے دارد کہ بندہ رائی توان شناخت، بدن در کاہش افتادہ
واندوہ کارگر آمدہ، ضعف واسہال روی نمود، ودل ازحیات سرد شدہ
بخدای خدا سوگند کہ از ہزار یکے نوشتہ است،،

تین برس کا بچہ مرگیا ہی اُس کے غم مین جانگداز مرثیہ لکھا ہی،

شد وقت آن کہ دیدہ چو دل غرق خون کنم | خون نابہ گرہ شدہ از دل برون کنم
آن غصۂ کہ پیش نخوردم کنون خورم | وان نالۂ کہ پیش نکردم کنون کنم
گویند غافلان رہِ صبر اختیار کن | چون اختیار در کف من نیست چون کنم
اے روشنی دیدہ کہ ردشن چگونۂ | من بے تو تیرہ روز تو بے من چگونۂ
ماتم سراست خانۂ من در فراقِ تو | تو زیر خاک ساختہ مسکن چگونۂ
برخار وخس کہ بستر و بالین خواب تست | اے یاسمین عذار سمن تن چگونۂ

تصنیفات صاحب مآثر الامراء نے لکھاہی کہ فیضی نے ایک سو ایک کتابیں تصنیف کین، ان مین سے جن کتابون کا پتہ چلتا ہی اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

خمسہ یعنی نظامی کی پانچون مثنویون کا جواب، ان کی تفصیل خود ایک خط مین کی ہے چنانچہ لکھتے ہین،

اسامی کتب خمسہ این ست، اول مرکز ادوار کہ اکثرے در فتح پور گفتہ شدہ بود، دوم سلیمان وبلقیس کہ پیش ازین ہفت سال در لاہور بنیاد کردہ بود، وچیزے چند از ان گفتہ، سوم نلدمن کہ تمام شد، چہارم ہفت کشور کہ در احوال ہفت اقلیم گفتہ خواہد شد، پنجم اکبر نامہ کہ آن ہم جستہ جستہ دقتے گفتہ بود،

ان مین سے دو کتابین یعنی نلدمن اور مرکز ادوار انجام کو پہونچین اور آج بھی ملتی ہین، مرکز ادوار کی ترتیب شیخ ابو الفضل نے فیضی کے مرنے کے بعد کی، مرکز ادوار کا عمدہ نسخہ ہمارے کتب خانہ مین جو ابندوہ پر وقف کردیا گیا موجود ہے۔

سنہ ۳۰ جلوس مین فیضی کو خمسہ کا خیال پیدا ہوا، اور سب سے پہلے مرکز ادوار شروع کی اسکے ساتھ اور مثنویون کی بھی بنیاد ڈالی، اور سب کے کچھ کچھ شعر کہے، لیکن چونکہ بہت سی مشغولیتین آتے رہتے تھے، کوئی کتاب انجام کو نہ پہونچ سکی، سنہ ۳۹ جلوس ۱۰۰۲ھ مین اکبر نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خمسہ کو پورا کرنا چاہیے، اور سب سے پہلے نلدمن انجام پائے چونکہ ہندوُن کا قصہ تھا، اکبر کی میلان طبع نے اس کو مقدم رکھا، چنانچہ چار مہینے مین تمام ہوئی

(چ)ار ہزار شعر ہین، چنانچہ خود کہتے ہین

این چار ہزار گوہر ناب — کانگیختہ ام بہ آتشین آب

فیضی نے یہ مثنوی اکبر کی خدمت مین پیش کی، اور دستور کے موافق اشرفیان (ن)ذر کین، اکبر نہایت محظوظ ہوا، اور حکم دیا کہ خوشخط لکھوا کر جا بجا مرقعے اور تصویرین شامل (کی) جائین، نقیب خان کو حکم ہوا کہ وہ پڑھ کر سنایا کرے،[1]

ملا عبد القادر صاحب بدایونی، ہر جگہ جہان فیضی کا ذکر آتا ہے بے نقط سناتے (ہ)ین لیکن یہان انکو بھی مجبور ہو کر تعریف کرنی پڑی، چنانچہ فرماتے ہین،

والحق مثنوی ست کہ درین سہ صد سال، مثل آن بعد از امیر خسرو، شاید در ہند کسے دیگر گفتہ باشد،

ابو الفضل نے اکبر نامہ مین لکھا ہے، کہ سب مثنویان پوری ہوئین، لیکن کوئی (ع)ملی شہادت پیش نہین کی، بلکہ فیضی کے اشعار سے استدلال کیا ہے، لیکن جو شعر استدلال (م)ین نقل کیے ہین، اُن سے یہ ثابت نہین ہوتا، اشعار یہ ہین،

زین ہفت رباط و چار منزل — بندم بہ جمازہ پنج محمل،
آن چار عروس ہفت خرگاہ — کا ورد میان بہ نیمہ راہ
چندین اگرم امان دہد بخت — یک یک ببرم بپایۂ تخت
گر نشکندم سپہر پیمان — بلقیس برم بہ سلیمان

[1] یہ پوری تفصیل اکبر نامہ واقعات سنہ ۳۹ جلوس مین ہے،

نلدمن اور مرکز ادوار پر ریویو آگے آئے گا، **سلیمان بلقیس** کا یہ انداز ہے

الٰہی پردۂ تقدیس بکشاے　　سلیمانِ مرا بلقیس بنماے

دل من با بتانِ آذری چند　　سلیمانے گرفتار پری چند

چنانم از بلندی دردہ آواز　　کہ آید ہدہد شوقم بہ پرواز

گرہ شد ہفت دریا در گلویم　　کشایش نیست ممکن تا نہ گویم

دگر رفتم کہ بگذارم مقابل　　شگافِ خانہ را با رہزنِ دل

اکبر کی مہم گجرات پر ایک مثنوی لکھی تھی وہ بھی ناپید ہے، چند شعر ایک خط میں نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہوں،

ہمانند اہالی و حکام شہر　　کہ در شہر بودند مشہور دہر

ہمہ کردہ آویزۂ دستِ خویش　　کلیدِ درِ گنج شاہان بہ پیش

رسیدند از سر قدم ساختہ　　ز شادی سراپاے نشناختہ

سرِ خود نہادند بر پاے شاہ　　کہ مائیم سرتا قدم در گناہ

ز عمرے کہ نگذشتہ در بندگی　　بصد گونہ داریم شرمندگی

رسیدیم در خدمتت بندہ وار　　بجز بندگی بندگان را چہ کار

نہایت پھس پھسی اور ہندیانہ ترکیبیں ہیں، اس لیے قلم انداز کرتا ہوں،

موارد الکلم، تفسیر غیر منقوط لکھنے کا جب ارادہ کیا، تو مشق کے طور پر پہلے یہ کتاب لکھی کہ ہاتھ صاف ہو جائے، کلکتہ میں چھپ گئی ہے، **فیضی** کے ایک رقعے

علوم ہوتا ہے، کہ ۹۸۵ہجری کی تصنیف ہے، فیضی نے اسکو بلاد عرب مین بھیجا تھا، اور لوگون نے
حسب دستور اس کو بہت کچھ داد دی،

سواطع الالہام، یعنی تفسیر غیر منقوط ۱۰۰۲ہجری مین تمام ہوئی، کل مدت تصنیف
ڈھائی برس ہے، اس تفسیر پر فیضی کو بڑا ناز ہے، دوستون کو جو خطوط لکھے ہین، اُن مین
اکثر فخر سے اسکا تذکرہ کرتا ہے، جن لوگون نے تاریخین اور تقریظین لکھین، ان کے نام بھی
لکھے ہین، ایک خط مین لکھتا ہی،

در عاشر ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ اثنین والف کہ سال حال ست، تمام شد،
این عطیہ غیبی مخصوص فقیر بود، غرابتش زیادہ ازان ست، کہ حیرت افزاے
اہل این فن نہ گردد،

دیباچہ مین لکھا ہی کہ جب ابتدا کی تو والد کو دکھایا، وہ بہت خوش ہوئے اور بعض فقرے
بدل دیئے، چھٹا حصہ تمام ہوا، تو اکبر نے فیضی کو دکن کی مہم پر بھیجدیا، اس مہم مین ایک سال سے
زیادہ توقف ہوا، اسی اثنا مین شیخ مبارک کا انتقال ہوگیا، پھر تفسیر رُک گئی، اور ایک سال
سے کچھ کم رُکی رہی، دوسرے سال کے آغاز مین شروع کی، اور انجام کو پہونچائی، تفسیر خیر جو
لکھی ہی لیکن تاریخین اور تقریظین خوب لکھی گئی ہین، ملا حیدر کاشانی نے پوری قل ہو اللہ
سے تاریخ نکالی، یعنی اس سورۃ کے حرفون کے عدد شمار کیے جائین تو ۱۰۰۲ ہوتے ہین،
ایک اور شخص نے اس آیت سے تاریخ نکالی لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین
ظہوری اور ملک قمی نے قصیدے اور رباعیان لکھین، چند رباعیان درج کرتا ہون، جن مین

غیر منقوط ہونے کی توجیہ شاعرانہ طریقہ سے کی ہے،

دانلے از ین دفتر گل دریا شد — پیداست نقاطش زچه ناپیدا شد
شد وقت حصاد، دانها خرمن گشت — شد سیر تمام، قطره ها دریا شد

از چین سخن گران سخن نتوان ساخت — بسے بوزید صفحہ مشک افشان ساخت
صیاد خیال از سپے، آہوے قلم — ہر نافہ کہ چید در بغل پنہان ساخت

این نسخہ کہ شاد کرد ناسغادان را — رو ساختہ شاگردی استادان ر
بر نقطہ زتار خط نیفگند کمند — در بند ردا نداشت آزادان ر

اے بخت بیا یاری این بیکس کن — تا پیش روم موانع رہ پس کن
ہر نقطہ کہ کرد ندازین نسخہ برون — شد مہر لب سخن ظہوری بس کن

این خردہ چہ خردہ ہا کہ نایاب شدند — ذرات درین شعشعہ سیماب شدن
از پردۂ لفظ حسن معنی بدمید — خورشید بر آمد، اختران آب شدن

فیض ازل از چہرہ بر انگند نقاب — از اوج خرد، مستر د آثار حجاب
سر زد خورشید معنی از مشرق لفظ — نیلوفر نقطہ سر فرو برد بہ آب

سخت تعجب ہی کہ فیضی جیسے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر یہ بیہودہ مغز کاوی گوارا کی تفسیر کو پڑھکر بجز اس کے، کہ جا بیجا مہمل الفاظ جمع کر دیے ہین، اور کچھ اثر طبیعت پر نہین ہوتا، یہ سچ ہے کہ اور کوئی شخص اس کمان کو زہ نہین کر سکتا، لیکن بہر حال ایک لغو کام ہی کسی سے بن آئے یا نہ آئے، طرہ یہ کہ فیضی کے مخالفین نے اس موقع پر بھی اعتراض کیا تو یہ کیا کہ آج تک کسی نے بے نقط تفسیر نہین لکھی، اس لیے یہ بدعت ہے، اور اس لیے خلاف شریعت ہے، فیضی نے برجستہ جواب دیا، کہ خود کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسُولُ اللہ، سرتاپا غیر منقوط ہے،

انشای فیضی، نور الدین محمد عبد اللہ بن حکیم عین الملک، کہ نسلاً ایرانی اور خود ہندوستان زاد تھے، فیضی کے بھانجے اور شاگرد تھے، انھون نے فیضی کے تمام مکاتیب و خطوط مہیا کر کے، ایک مجموعہ مرتب کیا، اور لطیفہ فیضی نام رکھا، اسوقت تک خطوط اور مراسلات سے بیان واقعہ کے بجاے زیادہ تر اظہار انشا پردازی مقصود ہوتا تھا، فیضی پہلا شخص ہی، جس نے سادہ نگاری کی ابتدا کی، اس طرز مین اس کا کوئی نظیر ہے تو حکیم ابو الفتح ہے، جسکے رقعات چار باغ کے نام سے مشہور ہین،

فیضی کے خطوط سے اس زمانے کے تمدن، تہذیب معاشرت، آداب رسوم ہر قسم کے حالات معلوم ہو سکتے ہین، بعض بعض جگہ ہندی الفاظ بھی بول جاتا ہے، مثلاً والدہ کو "بُوا جیو" کہا کرتا تھا، خط مین اُن کا ذکر آگیا ہے تو یہی لفظ لکھ دیا ہے،

دیوان غزلیات کچھ اوپر نو ہزار شعر ہین، خود دیباچہ لکھا ہے اور یہ تحدی کی ہے کہ

لکھی ہی، دیباچہ مین یہ بھی عذر کیا ہے، کہ اس مین پست و بلند ہر قسم کا کلام ہی، خاتمہ مین چند
رباعیان لکھی ہین، ایک یہ ہی،

این قصر سخن یافت عمارت از من — دریافت زاحباب اشارت از من
ہر نکتہ کہ می ریخت ز نوکِ قلم — معنی ز خدا بود عبارت از من

دیوان کا نام طباشیر الصبح رکھا، ایک خط سے جو ایک دوست کو لکھا ہے، معلوم
ہوتا ہے کہ یہ دیوان جب مرتب ہوا ہی، تو فیضی کی عمر بہت کچھ ادپر تھی، اسی خط سے
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غزل گوئی کا سلسلہ بند نہین ہوا، بلکہ دوسرے دیوان کی طیاری
کی ہے،

قصائد، مختصر سا مجموعہ ہی، حمد، نعت، مدح، فخر، تصوف، اخلاق، وغیرہ مضامین پر
الگ الگ قصیدے لکھے ہین، قصیدون کی تعداد کم ہے، قصائد کئی کئی سو شعر کے
ہین، طرحین بھی اپنے معاصرون سے الگ اختیار کی ہین، بیٹے کا ایک مرثیہ بھی ہے او
نہایت پُر درد ہے، خاتمہ مین قطعات بھی ہین، لیکن یہ قطعات دیوان مین بھی شامل ہین
بعض قصائد الحاقی معلوم ہوتے ہین، مثلاً یہ قصیدہ،

وصیِ نبی آن کہ از صلب فطرت — بہ شاہِ اولوالعزم توام نشد
امامے کہ روز وفاتِ پیمبر — خلافت گذارد بہ ماتم نشی
گرفتم معاند درین تنگ میدان — براشہب خرامد برا و ہم نشد
کجا رتبۂ کعبہ یا بدسفیہے — کہ فرد ابہ قعر جہنم نش

جہان پُرشد از فتنہ یا شاہِ مردان　　　تو برخیز کاشوب عالم نشیند

ابو الفضل کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہی،

تذکرہ شعرا کا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا، لیکن اسکے سوا کہین اُسکا پتہ نہین چلتا، کہ ایک خط مین ایک دوست کو لکھتے ہین،

کتاب مقاصد الشعراء البتہ البتہ چون تشریف آرند ہمراہ آرند کہ اختتام

تذکرہ موقوف بہ آن ماندہ، واز کتب دیگر ہم انچہ توانند استنباط فرمودہ

فرمایند کہ فقیر می خواہم، در خطبۂ آن ذکر شریف کنم،

مہابھارت ۹۹۰ھ ہجری مین اکبر نے حکم دیا کہ مہابھارت کا ترجمہ کیا جائے، بڑے بڑے گُنوان پنڈت جمع ہوئے، اکبر خود عبارت کا مطلب نقیب خان کو سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی مین ترجمہ کرتا تھا، پھر عبدالقادر بدایونی، ملا شیری وغیرہ کو الگ الگ ٹکڑے سپرد کیے، دو فن فیضی کے حصے مین آئے،[1]

اتھروَن بید اس کا ترجمہ بھی فیضی کی طرف منسوب ہو، لیکن عبدالقادر بدایونی کی تحریر سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ۹۸۳ھ ہجری مین بھاون نام ایک برہمن جودکن کا رہنے والا تھا، اسلام لایا، اور دربار مین حاضر ہوا، اکبر نے اسکو حکم دیا کہ اتھروَن بید کا ترجمہ کرلے، اول اول یہ کام ملا عبدالقادر بدایونی کے سپرد ہوا، یعنی بھاون

[1] بدایونی واقعات ۹۹۰ھ ہجری؛

مطلب سمجھا جائے اور یہ فارسی مین لکھتے جائین، لیکن چونکہ اس کی عبارت نہایت پیچید تھی، ملا صاحب نے عذر کیا، اکبر نے ملا صاحب کے بجاے فیضی اور پھر فیضی کے بجاے ابراہیم سرہندی کو ترجمہ کا حکم دیا، فارسی رامائن کو بھی عام لوگ فیضی کی طرف منسوب کرتے ہین، لیکن یہ محض غلط ہے، رامائن کا ترجمہ اصل مین بدایونی نے ۹۹۹ھ ہجری مین چار برس کی محنت مین کیا تھا، پھر مسیحاے پانی پتی نے نظم مین لکھا، جو آج عام طور پر مشہور ہے،

لیلاوتی، حساب مین ہی، فیضی نے سنسکرت سے فارسی مین ترجمہ کی،

فیضی کی شاعری فیضی فطرۃً شاعر تھا، اسکا خاندان شاعری سے کچھ تعلق نہین رکھتا تھا، تعلیم و تربیت بھی شاعری کی حیثیت سے نہین ہوئی تھی، تاہم وہ بچپن ہی سی شعر کہتا تھا، لیکن چونکہ طبیعت مشکل پسند تھی اور عربیت کا زور تھا اسلیے طبیعت زیادہ تر صنائع کی طرف مائل تھی، اپنا بچپن کا کلام کوئی شاعر محفوظ نہین رکھتا، فیضی نے بھی ضائع کردیا ہوگا، لیکن ملا عبد القادر صاحب بدایونی کی بدولت ہم کو ایک غزل ہاتھ آئی ہے[۱]

اے قد نیکوے تو سرو روان ۔۔۔ وے خم ابروے تو شکل کمان
حلقۂ گیسوے تو دام جنون ۔۔۔ طرۂ ہندوے تو کام جنان
ہم لب جادوے تو آب حیات ۔۔۔ ہم خط دلجوے تو خضر زمان

پانچ شعرون کی غزل ہی اور صنعت یہ ہی کہ باوجود صنعت ترصیع کے ہر شعر چار بحرون

---

[۱] بدایونی جلد ۳، تذکرہ محوی شاعر،

ن پڑھا جاتا ہے،

ابتدا مین جو قصیدے ہین اُن مین عربی نامانوس الفاظ کثرت سے ہین، اور یہی

مائیت کا زور ہے مثلاً،

یکے معلمے شاہزادہ ہاے عظام | کہ بہ نہال فلک ہی کنند غصانی

کشمیر کا پورا قصیدہ دیکھو،

ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ابوالفرج رونی کا تتبع کرتا تھا،

فیضی منم آن کہ در معانی | گامے بہ دو صد نہج گرفتم

تا کرد دلم عروج مستی | نہ چرخ درج درج گرفتم

ذوقے کہ توان گرفت از شعر | از شعر ابوالفرج گرفتم

لیکن جس قدر اہل زبان سے اختلاط بڑھتا گیا زبان سادہ اور صاف ہوتی گئی،

عرفی، ظہوری، ملک قمی سے اکثر صحبتین رہتی تھین، خصوصاً عرفی کی زور طبع اور چاشنی

سخن کا نہایت معترف ہی،

محتشم کاشانی کی تعریف مین لکھتا ہی،

حریر باف سخن محتشم کہ در کاشان | بہ طرزِ تازۂ طرز سخنوری دارد

یکے ز نکتہ وران گفت یدم اشعارش | عبارتے ست کہ معنی سرسری دارد

بگفتمش سخن او عبارتے ست ولے | عبارتے کہ بہ معنی برابری دارد

ان باتون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکی شاعری پر کن چیزونکا اثر پڑتا تھا،

فیضی نے قصیدہ، مثنوی، غزل سب کچھ کہا ہی، لیکن قصیدے بے مزہ ہین ابتدائے کلام ایک طرف اخیر کے قصائد سے بھی ملائیت کی بو آتی ہی، البتہ مثنوی اور غزل لاجواب ہی، اور انھین دونون صنف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین،

جوش بیان

فیضی کی خصوصیات مین سب سے بڑھکر جوش بیان ہے، جسکا وہ موجد بھی ہم اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ مین بھی ہی اور اعلیٰ درجہ پر ہی، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہی، فیضی کے ہان فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین مین وہی جوش پایا جاتا ہی، جوش بیان اسکے ذاتی حالات کا خاص اثر ہی جو کسی اور کو نصیب نہین ہو سکتا تھا،

غور کرو ایک شخص جس کے سینے مین تمام علوم وفنون کے خزانے بھرے ہوئے ہین، فلسفہ اور حکمت کے نہایت دقیق نکتون تک اسکی نظر پہونچتی ہی اور وہ دیکھتا ہی کہ اور حریف معمولی سطح سے آگے نہین بڑھ سکتے، آزاد خیالی اور بلند نظری اسکو آسمان تک پہونچا دیتی ہی، ان سب باتون کے ساتھ قسمت کی یاوری نے اسکو تخت شاہنشاہی کے برابر کھڑا کر دیا ہی، ایسے شخص کے جوش مضامین کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، جب وہ تخت شاہی کے پاس کھڑے ہو کر اکبر کو مخاطب کرتا ہی تو یہ معلوم ہوتا ہی کہ ایک سیہ مست جوش مستی مین آپے سے باہر ہوا جاتا ہی، اور ہنکار رہا ہے،

شاہنشاہا! خسروا! نیرو ہا! | دریا گہرا! فلک شکوہا!
بزمے ست جہان بعیش پیوست | دور تو شراب و آسمان مست

امروز بہ این نوائے چون شہد | من بار بدم تو خسرو عہد
زین خامہ کہ کردہ ام فلک سائے | پیش تو ستادہ ام بیک پائے
این نامہ کہ عشق بر زبان برد | طغرائے ترا بہ آسمان برد
این چار ہزار گوہرِ ناب | کانگیختہ ام بہ آتشین آب
بپذیر کہ آب گوہرِ تست | از بہر نثار افسرِ تست
پیمانۂ من اگر نشد پُر | دریا کنمت نثار نہ دُر
گر عشق چنین بسوزدم پاک | مہتاب بر دن برآرم از خاک
بگداختہ آبگینۂ دل | آئینہ دہم بدست محفل
آنم کہ بہ سحرکاری ژرف | از شعلہ تراش کردہ ام حرف
بانگِ قلمم درین شبِ تار | بس معنیِ خفتہ کرد بیدار
ہر صبح بہ فیض بادشاہی | من بودم و باد صبح گاہی

اکبر نے جب نلدمن کی فرمایش کے لیے دربار مین بلایا ہی، اس حالت کو دیکھو کس جوش سے بیان کرتا ہے،

برخاستم از زمین فلک تاز | برخاستہ مو بمو بہ پرواز
چشمے کہ برہ گذار کردم | چشم دگرش نثار کردم
بگذشتم ازان درِ ادب نیز | کو زین گذاشتہ بہ دہلیز
دیدم دو جہان بیک جہان در | صد عمر ابد بیک زمان در

پیوند زمینیان گسستم، نزدیک بہ آسمان نشستم

یہی جوش فلسفیانہ اور عشقیہ مضامین مین بھی قائم ہی

ای عشق از رخصت ست کہ از دوش آسمان	بر دوش خود نہم علم کبریای تو
نظر فیض چو بر خاک نشینان فگنم	مور را مغز سلیمان رسد از قسمت ما
از تف بادۂ ما بال ملائک بگداخت	دلی آن روز کہ برقی جہد از شیشۂ ما
روی کشادہ باید و پیشانی فراخ	آن جا کہ لطمہ ہای ید اللہ می زنند
این چہ می بود کہ ساقی بقدح ریخت فرو	کہ مسیح و خضر از رشک کشاکش کردند
مپرس اہل نظر چون بعرش پیوستند	کہ پا بکنگرۂ دل نہادہ بر جستند
عشق، صبر و خرد و ہوش ز فیضی بربود	ز ذرہ بین کہ بآن قافلہ سالار چہ کرد
شدیم خاک ولیکن ببوی تربت ما	توان شناخت کزین خاک مردمی خیزد
عشق تا پای بیفشرد در اندیشۂ ما	ہمہ معشوق تراود ز رگ و ریشۂ ما
بادہ در جوش ست دیاران منتظر	ساقیا! خُذ ما صفا دَع ما کدر
می کشد شعلہ سری از دل صد پارۂ ما	جوش آتش بود امروز بفوارۂ ما
ہیچ دانی دل ما خورد چرا اشکستند	آسمان آئینہ ہا ساخت ز سیارۂ ما
درین دیار گروہی شکر لبان ہستند	کہ بادہ با نمک آمیختند و بدمستند
فیضی کنم تہی دورہ عاشقی بہ پیش	دیوان خود مگر بدو عالم گرو کنم

اقسام سخن مین فیضی فخریہ خوب کہتا ہی، اور اس عالم مین اسکا جوش بیان حد سے

گذر جاتا ہے، ملاحظہ ہو،

امروز نہ شاعرم حکیمم | دانندۂ حادث و قدیمم
ہر موے زمن تمام گوش ست | خاموشی من بصد خروش ست
تا تازہ و تر زنم رقم را | در بادہ کشیدہ ام قلم را
این شیشہ نہادہ ام بران طاق | کان جا نہ رسیدہ دست عشاق
اسراف معانیم نظر کن | زین گنج بہ مفلسان خبر کن
می ریخت ز سحر کاری ژرف | از صبح ستارہ و زمن حرف
دروازۂ صبح بر رخم باز | کلکم ز شگاف پر تو انداز
این بادہ کہ جوشد از ایاغم | خونے ست چکیدہ از دماغم
صد دیدہ بورطۂ دل افتاد | کین موج گہر بہ ساحل افتاد
دکانِ ہنر چنین کشودن | سامان سخن چنین نمودن
این کار من ست کارکس نیست | اندازۂ اختیار کس نیست
چون بر سپہم نظر فگندند | در معرکہ ام سپر فگندند
بر تافتہم از درم سبک سیر | ناقوس برہمنان نہ دیر
بنگر کہ چسان بصد تگ و تاز | بر تار معانیم رسن باز
ہر نغمہ کہ بستہ ام برین تار | ناقوس نہفتہ ام بہ زنار
این گل کہ بہ بوستان نثاری است | از من بہ بہار یادگاری است

(۲) فیضی کی ممتاز خصوصیات شاعری مین سے استعارات کی شوخی اور تشبیہات کی ندرت ہی، اکبری دور کے شعرا مین یہ خصوصیت عام ہی، لیکن نوعی شیرازی اور عرفی اس وصف مین اپنے معاصرین سے ممتاز ہین، اور فیضی ممتاز ترہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی کہ اس خاص وصف مین فیضی پر عرفی کا اثر پڑا ہے، یا خود عرفی نے فیضی سے یہ شوخیان سیکھی ہین، ایک مستند ایرانی تذکرہ نویس نے فیضی کے حق مین یہ فیصلہ کیا ہی، لیکن چونکہ تذکرہ نویس صاحب فیضی کے معاصر ہین، اور فیضی دربار کا ملک الشعرا تھا، اسیلے خوشامد کے سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے،

بہرحال استادی وشاگردی کی بحث نہین، لیکن فیضی کی شوخی استعارات اور جدت تشبیہات سے انکار نہین ہوسکتا، مثالین ملاحظہ ہون،

بزمے ست جہان بہ عیش پیوست	دورِ تو شراب و آسمان مست
زین خامہ کہ کردہ ام فلک سائے	پیش تو ستادہ ام بیک پائے
گر عشق چنین بسوزدم پاک	مہتاب برون برآرم از خاک
بگداختہ آبگینہ دل	آئینہ دہم بدست محفل
بگداختہ ام دل وزبان را	کین نقش نمودہ ام جہان را
امروز بدودمان ایام،	زد نوبت من سپہر بر بام
آنم کہ بہ سحر کاری ژرف	از شعلہ تراشس کردہ ام حرف
بانگ قلم درین شب تار	بس معنی خفتہ کرد بیدار

برخاستم از زمین فلک تاز برخاسته مو بمو به پرواز

(۳) وہ اکثر فلسفیانہ مضامین باندھتا ہے، جس کے ساتھ ادّعا اور غرور کی جھلک بھی ہوتی ہے،

گویند ہمرہان طریقت کہ اے رفیق آگاہ شو کہ قافلہ ناگاہ می زنند
روے کشادہ باید و پیشانی فراخ آن جا کہ لطمہ ہاے ید اللہ می زنند

اس شعر کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جہان خدا کے ہاتھ کی طمانچے پڑتے ہیں، وہاں شگفتہ روئی اور کشادہ جبینی درکار ہی، مطلب یہ ہی کہ صدمات قضا و قدر کی برداشت، یا تجلیات کی برق افگنی کے لیے نہایت صبر و استقلال درکار ہی،

عجب تر از دلِ فیضی ندیدہ ایم طلسم کہ ہم گہر بود و ہم محیط و ہم غواص
چہ کششہاست کہ در زلف بتان تعبیہ شد کز حقیقت دو جہان رو بہ مجاز آوردند
گر دلے گم شود از حلقۂ عشاق بپرس ہرچہ بردند درین قافلہ باز آوردند
عشق تا پاے بیفشرد در اندیشۂ ما ہمہ معشوق ترا ود زرگ و ریشۂ ما
مسافرانِ طریقت ز من جدا مشوید کہ دور بینم و چشم بہ منزل افتادہ است
غافل نیم ز راہ و لے آہ چارہ چیست زین رہزنان کہ بر دل آگاہ می زنند
اگر سرے نہ کشم سوے بیخودی چہ کنم مرا ز ہمدمے خود ملال می گیرد
بگریز کہ دورانِ فلک عربدہ خیز ست آئینِ حریفان ہمہ کج دارو مریز ست
در دشت آرزو بنہ و بیم دام و دو راہے ست این کہ ہم ز تو خیزد بلاے تو

خاک بیران رہ فقر بہ جاے نرو ند گوئی این طائفہ این جا گُہرے یافتہ اند

فیضی کے دل مین فلسفیانہ خیالات کا جب زور ہوتا ہے اور اُنکے اظہار مین جب وہ مجبور ہوتا ہے تو اس مجبوری کو عجب انداز سے ظاہر کرتا ہے،

فلسفیانہ مسائل اسکے دل و دماغ مین بھر گئے ہین چاہتا ہو کہ ظاہر کرے لیکن جانتا ہے کہ لب ہلے اور ظاہر بین علما قابو سے جاتے رہے، چونکہ علما ہی کے گروہ مین زندگی بسر کی ہے اور اپنے آپ کو اس دائرہ سے باہر نکالنا نہین چاہتا اس لیے چاہتا ہو کہ اصل حقیقت بھی ظاہر کی جائے اور ہم فنون کا ساتھ بھی نہ چھوٹنے پائے، لیکن یہ کیونکر ہوسکتا ہو مجبورًا ساتھیون سے انقطاع پر آمادہ ہوتا ہے، اور کہتا ہے،

آن نیست کہ من ہم نفسان بگذارم با آبلہ پایان چہ کنم قافلہ تیز است

اسی مضمون کو ایک اور پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

فیضی از قافلۂ کعبہ روان نیست برُن این قدر ہست کہ از ما قدمے در پیش ست

بعض وقت اس کو خیال آتا ہو کہ مسلمان بت پرستی کے سخت دشمن ہین لیکن کعبہ کی در و دیوار کی تعظیم مین ان کا جو طریق عمل ہو اُس مین ظاہر پرستی کا صاف شائبہ پایا جاتا ہے اس خیال کو یون ادا کرتا ہو،

آن کہ می کرد مرا منع پرستیدن بت در حرم رفتہ طواف در و دیوار چہ کرد

پھر غور کرتا ہو اور سمجھتا ہے کہ نہین کعبہ پرستون کی یہ آخیر منزل نہین، مقصود اصلی وہی ذات بحت ہو لیکن مبتدیون کو ان ابتدائی منزلون سے گزرنا پڑتا ہو، اس بنا پر کہتا ہو،

کعبہ را ویران مکن ای عشق کانجا یک نفس　　　گہ گہے پس ماندگان راہ منزل می کنند

(۴) غزل مین عام شعرا کا قاعدہ ہے کہ کوئی قدیم طرح سامنے رکھ لیتے ہین، پھر ایک ایک قافیہ پر نگاہ ڈالتے ہین اور جو قافیہ جس انداز سے بندھ سکتا ہے باندھتے جاتے ہین رفتہ رفتہ غزل پوری ہوجاتی ہی، یہ بہت کم ہوتا ہے کہ پہلے کوئی مسلسل یا مفرد خیال دلمین آئے اسکو شعر مین ادا کرین، پھر غزل پوری کرنے کے لیے اور اشعار بھی لکھتے جائین، لیکن فیضی کی اکثر غزلون مین صاف نظر آتا ہے کہ کسی واقعہ کے اثر سے کوئی خیال دل مین آتا ہی اور اسی کو وہ ادا کردیتا ہی، خطوط مین جابجا لکھتا ہے کہ فلان واقعہ نے یہ خیال پیدا کیا، اور وہ غزل کی صورت مین ادا ہوا، مثلاً دکن کے سفر مین ایک دفعہ کچھ ہنگامہ ہوا، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے، فیضی نے بہت روکا کسی نے نہ سُنا اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے یہ غزل ادا ہوئی،

بازیاران طریقت سفرے درپیش است　　　رہ نوردان بلا را خطرے درپیش است

کس نمی گویدم از منزل اول خبرے　　　صد بیابان بگذشت و دگرے درپیش است

ہمرہان این ہمہ نومید مباشید از من　　　کہ دعاے سحرم را اثرے درپیش است

مانہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگذاریم　　　شکر کن قافلہ را راہبرے درپیش است

اے صبا! برسرِ آفاق گُل مژدہ بریز　　　کہ شب تیرۂ ما را سحرے درپیش است

فیضی از قافلۂ کعبہ روان بیرون نیست　　　این قدر ہست کہ از ما قدمے درپیش است

اسی طرح اکبر جب گجرات کی مہم سے آیا ہے، تو ایک غزل لکھی ہے، جسکا

مطلع یہ ہے،

نسیم خوش دلی از فتحپور می آید | کہ بادشاہ من از راہ دور می آید

احمد آباد گجرات مین پہونچاہے تو دہان کے دلفریب حسن نے اسپر ایک خاص اثر کیا ہی

وہی غزل مین ادا کرتا ہی،

منم کہ کشتۂ گجراتیان بیدادم | خراب عشوۂ خوبان احمد آبادم

سہی قدے ز سرناز جلوۂ ننمود | کہ ہمچو سایہ بدنبال آن نیفتادم

بہر طرف کہ خرامید سرو آزادی | غلام او شدم و خط بندگی دادم

چو رنگ گلشن فردوس احمد آباد است | از و مبا د برونم کشند چون آدم

بحسن مردم گجرات باد نیست دلے | نمی روند جوانان دہلی از یادم

لیکن انصاف یہ ہی کہ ایک حکیم، ایک فلسفی، ایک ادیب، عشق کی کڑیان نہین

جھیل سکتا،

بسوز عشق، شاہان راچہ کار است | کہ سنگ لعل، خالی از شرار است

اس بنا پر فیضی کے عشقیہ اشعار مین وہ سوز و گداز نہین، جو عاشق تن شعرا کا

خاصہ ہے نظیری فتنہ گران گجرات کی شان مین کچھ کہتا، تو تم دیکھتے کہ سننے والے

دل تھام کر رہجاتے،

بہرحال فیضی کے تغزل کا اندازہ کرنا چاہو تو اشعار ذیل سے کر سکتے ہو،

انچہ بہ فیضی نظر دوست کرد | مشکل اگر دشمن جانی کند

ناشکری عشق چون توان کرد　　غم بر سرِ غم فزود ما را
حیران فسون سازی عشقم که خیالت　　از دیده درون آید و در سینه نگنجد

شب وصل کے ذکر مین ایک غزل لکھی ہی، دو شعر سُننے کے قابل ہین

نه گویم اے فلک از کجروہایت تو بر گردی　　شب وصل است خواہم اندکے آہستہ تر گردی
ز مہتاب رُخش کاشانۂ من روشن است امشب　　اگر وقت طلوعت آید اے خورشید بر گردی

عرفی شیرازی

عرفی کا نام و نسب | محمد نام، جمال الدین لقب، عرفی تخلص، باپ کا نام زین الدین علوی
اور دادا کا جمال الدین چادر باف تھا، ایران مین اُن محکمجات اور عدالتونکو جو مذہبی
صیغہ سے تعلق نہین رکھتین، "عرف" کہتے ہین، عرفی کا باپ شیراز کی دار الحکومت
مین ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھا، عرفی نے اسی مناسبت سے اپنا تخلص عرفی رکھا تھا
مآثر رحیمی مین ہے،

چون پدرش بعض اوقات در دیوانِ حکامِ فارس بامرِ وزارت داروغہ
دار الافاضل شیراز مشغولی می نمود مناسبت شرعی عرفی را منظور داشتہ
تخلص خود عرفی کرد،

ملہ عرفی کے حالات اگرچہ مختصراً عام تذکرون مین ملتے ہین لیکن مستند اور دلچسپ واقعات مآثر رحیمی اور
تذکرہ عرفات اوحدی کے سوا اور کسی تذکرہ مین نہین پائے جاتے، مآثر رحیمی، اصل مین عبد الرحیم
خانخانان کی سوانح عمری ہے، لیکن اس مین تمام اُن شعرا اور اہل فن کا تذکرہ ہے، جو خانخانان کے دربا
سے تعلق رکھتے تھے، اس کتاب کا مصنف خود اُن شعرا کا ہمعصر تھا، اس لیے دلچسپ حالات بہم
پہونچائے ہین، اور اکثر واقعات چشم دید لکھے ہین، عرفات کا مصنف بھی قریب قریب اسی زمانہ مین تھا
اور اسنے عرفی کو تیس برس کی عمر مین دیکھا تھا، یہ دونون کتابین میرے پیش نظر ہین،

اس تخلص کے اختیار کرنے کے متعلق اس قدر اور کہنا ضرور ہے کہ عرفی فطرۃً مغرور اور خود ستا تھا، چونکہ ایران کے اکثر شعرا معمولی خاندانون سے تھے، مثلاً خاقانی بڑھئی تھا، فردوسی باغبانی کرتا تھا، باقر کاشانی خردہ فروش تھا، برخلاف اسکے عرفی ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اور اس کا باپ سرکاری محکمہ سے بھی تعلق رکھتا تھا، اسلیے تخلص مین بھی فخر کی ادا قائم رکھی، عرفی نے نام ونسب پر اکثر فخر کیا ہے اور یہ بھی اُس کے خصوصیات مین ہے، ورنہ ایران کے شعرا مین نسب کا فخر بہت ہی شاذ ونادر پایا جاتا ہے،

عرفی کی تعلیم وتربیت شیراز مین ہوئی، شاہ نواز خان (مصنف مآثر الامرا) نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی نے علاوہ معمولی علوم کے مصوّری ونقاشی کی بھی تعلیم پائی تھی، عرفی نے جب ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا، اور طہماسپ وعباس کی علم پروری نے تمام ایران کو علم وہنر کی نمائشگاہ بنا دیا تھا، بالخصوص شاعری بڑے زورون پر تھی، محتشم کاشی، وحشی یزدی، غیرتی وغیرہ نے فغانی کی طرز کو اور زیادہ شوخ کر دیا تھا اور تمام ملک انکی زمزمہ سنجیون سے گونج اُٹھا تھا، عرفی نے بھی اپنے اظہار کمال کے لیے یہی میدان پسند کیا، اور باوجود کم سنی کے بڑے بڑے پرانے استادون کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کر دی، اس زمانے مین فغانی کی اکثر غزلین طرح کی جاتی تھین، اور محتشم کاشی وغیرہ اِن مین غزلین لکھتے تھے، عرفی بھی انھین طرحون پر غزلین لکھتا تھا اور عام مشاعرون مین بے باکانہ پڑھتا تھا، وحشی یزدی یزد مین سکونت رکھتا تھا اسلیے

اس سے تحریری مناظرات رہتے تھے، اوحدی نے لکھا ہی کہ جب مین شیراز گیا تو مشہور شعرار کے نام دریافت کیے، لوگون نے غیرتی کا پتہ دیا، شیراز مین ایک دُکان تھی جو شعرا کا دنگل تھا، یہان عارف لاہجی، حسین کاشی مورخ، میر ابو تراب، تقیای شبستری مخاطب بہ مورخ خان، رضای کاشی وغیرہ مشاعرے کرتے تھے، مشاعرہ مین غیرتی اور عرفی سے مباحثہ ہوا، عرفی نے دعوی کے دونون پہلو مخالف اور موافق لیے اور دونون مین غیرتی پر غالب آیا،

عرفی کی قدردانی کے لیے اگرچہ ایران مین بھی کچھ کم سامان نہ تھا، تاہم ہندستان کی سی بات کہان نصیب ہو سکتی تھی، جس کی بدولت ایران کے ہر ہر گوشے سے اہل فن کھنچے چلے آتے تھے،

بعض تذکرون مین لکھا ہی کہ عرفی شہزادہ سلیم کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر آیا، بہرحال اس نے ہندوستان کا رخ کیا، راستہ مین ڈاکہ پڑا اور اس کی کل کائنات جاتی رہی، اسپر یہ رباعی لکھی،

دو شنبیہ کہ برد بُرد بر دو شم بود   زانو چو عروسِ نو در آغوشم بود

پوشیدنیے نہ داشتم غیر از چشم   چیزے کہ بزیر سرنہم گوشم بود

ہندوستان مین اگرچہ سیکڑون امرا، اور اہل دول تھے، لیکن عرفی نے ان سب مین فیضی کو انتخاب کیا جس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس کے دربار تک پہونچنا آسان تھا، یا یہ کہ سخن شناسی کی توقع جو فیضی سے ہو سکتی تھی اور کسی سے نہین ہو سکتی تھی

عرفی فتح پور سیکری مین فیضی سے ملا، فیضی نے اسکی پوری قدردانی کی، پنجاب کے سفر مین وہ اٹک تک فیضی کے ہمرکاب رہا اور اسکی تمام ضروریات فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتی رہین[1]، لیکن عرفی کی نخوت پرستی کی وجہ سے صحبت برآر نہو سکی اور بالآخر اس دربار سے قطع تعلق کرنا پڑا،

اس زمانہ مین اکبری دربار کے نورتن سب موجود تھے، انمین حکیم ابوالفتح گیلانی اگرچہ ظاہری منصب و اقتدار کے لحاظ سے سب سے کم پایہ تھا، یعنی صرف ہزاری منصب رکھتا تھا، لیکن بہت بڑا عالم اور علم و فضل کا بڑا قدردان تھا، اسکے ساتھ عرفی کا ہم وطن اور ہم مذہب تھا، ان خصوصیات کی بنا پر اسنے اسی کو ترجیح دی اور قصیدہ مدحیہ لکھکر پیش کیا یہ پہلا دن تھا کہ عرفی کے غرور کی آن ٹوٹی، غالباً خود عرفی کو بھی اسکا سخت صدمہ ہوا، چنانچہ قصیدہ مین اسکے اشارے پائے جاتے ہین

چونکہ حکیم ابوالفتح بڑا نکتہ شناس اور نقاد فن تھا، عرفی نے اسکی فیض صحبت سے بہت ترقی کی، حکیم ابوالفتح نے ایک رقعہ مین جو خانخانان کے نام ہے یہ الفاظ لکھے ہین

ملا عرفی و ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند[2]،

اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ اُمرا اور اہل دول علم و فضل مین یہ پایہ رکھتے تھے کہ عرفی جیسے اہل کمال اُنکی صحبت سے مستفید ہو سکتے تھے، عرفی نے بھی حکیم ابوالفتح کی احسانمندی کا پورا حق ادا کیا، جس زور کے قصیدے حکیم صاحب کی شان مین لکھے اکبر و خانخانان کی

[1] تاریخ بدایونی، [2] خزانہ عامرہ ذکر حیاتی گیلانی،

مدح مین بھی نہین لکھے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ جب تک ابوالفتح زندہ رہا، عرفی خود اپنی خواہش سے کسی دربار کی طرف رُخ نہین کیا،

حکیم ابوالفتح اور خانخانان سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، حکیم موصوف کی فرمایش سے **عرفی** نے خانخانان کی مدح مین قصیدہ لکھا، جسکا مطلع یہ ہے ع ایا کہ بادلم آن می کند پریشانی اس قصیدہ مین اس واقعہ کا نہایت لطیف پیرایہ مین ذکر کیا ہی، چنانچہ کہتا ہی

ازان نہ دیدہ ثنا گویت کہ می بینم — ترا و با ایکتن بچشم روحانی

دلیل واضحم این بس کہ مدح خود نخواست — مرا بمدح تو فرمود گوہر افشانی

حکیم ابوالفتح نے ۹۹۷ ہجری مین انتقال کیا، عرفی پر اس واقعہ کا سخت اثر ہوا، چنانچہ اس زمانہ مین خانخانان کی مدح مین جو قصیدہ لکھا ہی، اُس مین کہتا ہے،

چہ احتیاج کہ گویم کہ مُرد و عرفی را — چہ بر سر از ہوس مرگ ناگہان آمد

برفت و لطف تو بر من گذاشت این مدحست — بہ نزد عقل کہ تاوان آن زیان آمد

تو آگہی کہ مرا از غروب این خورشید (یعنی ابوالفتح) — چہ گنجہاے سعادت زیان جان آمد

حکیم ابوالفتح کے مرنے کے بعد عرفی، خانخانان کی درباریون مین داخل ہوا اور پھر خاندان شاہی کے سوا، اور کسی کے آستانہ پر کبھی سر نہین جھکایا، چنانچہ خود فخریہ کہتا ہے،

یک منعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر — صد شکر کہ تقدیر چنین راندہ قلم را

خانخانان امراے اکبری کا گل سرسبد تھا، اس زمانے مین وہی ایک شخص تھا جسکے تاج فخر پر صاحب السیف والقلم کا طرہ زیب دیتا تھا، گجرات کی فتح جس مین اسنے دس ہزار

فوج سے چالیس ہزار کی جمعیت کو شکست دی، اس کی شجاعت کا ایک معمولی کارنامہ ہے
خود شاعر اور شعرا کا بڑا قدردان تھا، عبدالباقی نہاوندی نے اسکے مفصل حالات تین جلدون
مین لکھے ہین، ایک جلد مین صرف اس کے دربار کے شعرا اور اہل کمال کا تذکرہ ہی،
عرفی نے خانخانان کے دربار مین پہونچکر خاطرخواہ ترقی حاصل کی، ماٰثر رحیمی مین لکھا ہے
بہ اندک فرصتے بیمن تربیت و شاگردی و مداحی این دانای رموز پختگی تمام
و ترقی الاکلام در منظوماتش بہم رسید،
چونکہ خانخانان کے دربار مین بڑے بڑے نامور شعرا مثلاً نظیری نیشاپوری، شکیبی صفہانی
انیسی، ظہوری وغیرہ سے مقابلہ رہتا تھا، عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا یہانتک
کہ تقرب و اختصاص مین بھی وہ حریفون کی صف کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا، یہ بات اسی کو
نصیب ہوئی کہ دربار مین جاتا تھا تو عام طریقہ پر آداب و کورنش نہین بجالاتا تھا، اور جس جگہ
جس طرح چاہتا تھا بیٹھ جاتا تھا، ماٰثر رحیمی مین ہی،
در ایام ملازمت تسلیم و کورنشے کہ در ہندوستان متعارف ست کہ بعوض سلام
بصاحبان می کنند بہ صاحب خود نمی کرد، و بہر طرز و طور و روشے کہ میخواست
در مجالس می نشست، و اہل عالم تقدیم او را قبول می نمودند،
خانخانان نے عرفی کے ساتھ وقتاً فوقتاً جو فیاضیان کین، اسکی ایک ادنی مثال
یہ ہے کہ ایک قصیدے پر ستر ہزار روپے انعام دلوائے[۱]،

[۱] خزانۂ عامرہ تذکرۂ عرفی،

عرفی نے اگرچہ خانخانان کے سوا امرا اور اہل دربار مین سے کسی کی مدح سرائی گوارا نہ کی، لیکن فرمان رواے وقت سے یہ بے نیازی ممکن نہ تھی، اسلیے خود اپنی خواہش یا خانخانان کی فرمایش سے اکبر کی مدح مین اسنے متعدد قصائد لکھے لیکن ابوالفضل اور فیضی کے آگے اسکا چراغ نہین جل سکتا تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ اور آئین اکبری دونون مین اسکا تذکرہ کیا ہے لیکن اس طرح کہ نہ کرتا تو اچھا تھا، اکبر نامہ مین لکھتا ہی،

درے از سخن سرائے بر وکشودہ بودند در خود نگریست و بر پاستانیان زبانِ
طعن کشود، غنچہ استعداد نشگفتہ پژمرد،

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عرفی حد سے زیادہ مغرور اور خود ستا تھا، اور اساتذہ سلف کا نام اپنے مقابلہ مین تحقیر سے لیتا تھا، چنانچہ کہتا ہی،

انصاف بدہ بوالفرج و انوری امروز — بہر چہ غنیمت نشمارند عدم را
بسم اللہ ز اعجاز نفس جان شان دہ باز — تا من قلم اندازم و گیرند تسلم را
تفرجے کہ من از بہر روح سازدہم — نہ انوری نہ فلانی دہد نہ بہانی
نازش سعدی بہ مشت خاک شیراز از چہ بود — گر نمی دانست باشد مولد و ماوائے من
دم عیسی تمنا داشت خاقانی کہ برخیزد — بہ امداد صبا اینک فرستادم بشر دانش

اسکے فخر و غرور سے تمام ہمعصر نالان تھے، یہانتک کہ نظیری نیشاپوری جو ایک مرنج مرنجان شاعر تھا اس سے بھی ضبط نہو سکا، چنانچہ ایک قصیدہ مین جو عرفی کی مرنے کے بعد اس کے جواب مین لکھا ہے کہتا ہے،

درین قصیدہ بہ گستاخی اربہ عرفی گفت — بداغ رشک پس از مرگ سوخت خاقانی

کنون بگور چنان اوبرشک می سوزد — کہ در تنور، تو ان گوسفند بریانی

قصیدۂ کشمیریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے ۹۹۷ھ ہجری مین کشمیر کا جو سفر کیا تھا اُسین عرفی بھی ہمرکاب تھا، ایک قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی انعام مین دیا تھا، لیکن عرفی نے بجاے اسکے کہ شکر کا اظہار کرتا، اُسنے گھوڑے کی ہجو لکھی،

شاہنشہا حقیقت اسپی کہ دادہ — بشنو ز لطف تا برسانم بعز عرض

ہستم براد سوار دبمعنی پیادہ ام — گاہے بطول می زدم اکنون زدم بعرض

خانخانان اور اکبر کے سوا عرفی نے کسی اور آستانہ کی ناصیہ سائی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا اور عرفی کی تاریخ زندگی مین یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہے، تمام تذکرے متفق ہین کہ عرفی شہزادۂ مذکور کا جان دادہ تھا، یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہے لیکن عرفی کے قصائد مین بے شبہہ یہ جھلک پائی جاتی ہے، شاہزادۂ موصوف کی شان مین اسکے جو قصیدے ہین انکے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ اور کوئی جوش ہے جس کا رنگ مداحی کے لباس مین بھی جھلکتا ہے عرفی کو اس خوش قسمتی پر ناز ہو سکتا ہے کہ شہزادہ نے خود اُسکو یاد کیا اور دربار مین بلا کر قصیدہ لکھنے کی فرمایش کی عرفی جس شان سے دربار مین پہونچا ہے اور شہزادہ نے جس طرح اُس سے نگاہ پنہان کی زبان سے باتین کی ہین، اس کی تصویر خود عرفی نے نہایت خوبی سے کھینچی ہے

کہ ناگہان ز درم در رسید فرخ دہ بے — چنان کہ از چمن طالعم بمغز شمیم

چہ گفت، گفت کہ ”ای مخزن جواہر قدس“ | چہ گفت، گفت کہ ”اے مطلب بہشت نعیم“
بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا | بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم
بر ہ فتادم و گشتم چنان شتاب زدہ | کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم
مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد | بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم
رموز کورنش و تسلیم را ادا کردم | بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج ندیم
نگفت و من بشنودم ہر انچہ گفتنی داشت | کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم
لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت | فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

اخیر کے دونون شعرون کا مطلب یہ ہی،

شہزادہ نے کچھ نہین کہا اور مین نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرنے مین اُسکی نگاہ نے زبان پر پیش دستی کی، پھر جب نگاہ سے گزر کر ہونٹون کی باری آئی تو میرے کان کوثر و تسنیم کی موجون مین ڈوب گئے،

شیخ سعدی نے ایک قطعہ مین یہ مضمون باندھا تھا کہ اُس شاعر کو عاشقی کا نام نہ لینا چاہیے جو قصیدہ مین دو چار شعر عشقیہ لکھکر مداحی شروع کر دیتا ہی، عرفی نے اس پر ایک قطعہ لکھا ہی اس مین شہزادہ سلیم کی معشوقی کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہی،

دی کسے گفت کہ سعدی گہر افروز سخن | قطعۂ گفت کہ اندیشہ بران می نازد
سخن عشق حرام ست بران بیہدہ گوے | کہ چو دہ بیت غزل گفت، مدیح آغازد
گفتمش این خود ہمہ عیب ست کہ در راہ تمیز | ہر کہ این لاف زند رخش دوئی می تازد

وحش اللہ زیک اندیشی عرفی کو را　　　آنکہ ممدوح بود عشق بہ او می بازد

یعنی سعدی گو ممدوح کو معشوق پر ترجیح نہین دیتے لیکن بہر حال معشوق کے علاوہ اُنکا

کوئی ممدوح بھی ہی، لیکن میرا تو ممدوح بھی وہی ہے جو معشوق ہے،

وفات تذکرۂ داغستانی وغیرہ مین لکھا ہے کہ حاسدون نے اسکو زہر دیدیا، بعضون نے لکھا ہی کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا، ابوالفضل نے اکبرنامہ مین سنہ ۹۹۹ ہجری کے واقعات کے ذیل مین لکھا ہی،

سیزدہم، عرفی شیرازی رخت ہستی بربست، درے از سخن سرائے بروے کشودہ بودند، اگر درخود نہ نگرستے زندگی را بشایستگی بسر بردے و زمانہ لختے فرصت دادے، کار او بلند، درین نزدیکی این رباعی بر سنجیدہ بود،

عرفی دم نزع است وہمان مستی تو　　　آیا بچہ مایہ رخت بربستی تو

فرداست کہ دوست، نقد فردوس بکف　　　جویاے متاع ست وتہیدستی تو

انتقال کے وقت اسکی عمر ۳۶ برس کی تھی،

تذکرۂ داغستانی مین لکھا ہی کہ لاہور مین مدفون ہوا، اور چند روز کے بعد کوئی درویش کسی اور بزرگ کے دھوکے مین اُسکی ہڈیان قبر سے نکال کر نجف مین لے گیا، اور وہان دفن کر دین، لیکن یہ غلط ہی عبدالباقی نے جو خود عرفی کا معاصر تھا مآثر رحیمی مین لکھا ہی کہ میر صابر اصفہانی نے جو اعتمادالدولہ غیاث بیگ (وزیر اور خسر جہانگیر بادشاہ) کا درباری تھا ایک قلندر کو رقم کثیر دی کہ عرفی کی ہڈیان لاہور سے نجف لیجائے، بہر حال عرفی کی

یہ پیشین گوئی پوری ہوئی،

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم	اگر بہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

ملا روفقی ہمدانی نے اس واقعہ کی تاریخ مین یہ قطعہ لکھا،

یگانہ گوہر دریاے معرفت عرفی	کہ آسمان سپپرور دنش صدف آمد
بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم	زرہ است تیر دعاے وبہدف آمد
رقم زد از پے تاریخ رونقی کلکم	بکاوش مژہ از گور تا نجف آمد

اخلاق و عادات عرفی کے اخلاق و عادات مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہر وہ فخر، غرور، کم بینی، خودستائی ہر، اسکے معتقدین خاص تک اسکی غرور سے نالان ہین، بدایونی نے فیضی کے توڑ پر اسکو بہت چمکایا ہر تاہم یہ لکھنا پڑا،

امّا از بس عجب و نخوت کہ بہم رسانیدہ بود از دلہا افتاد،

معلوم ہوتا ہر کہ اس رعونت نے تمام لوگون کو اسکا دشمن بنا دیا تھا، ایک دفعہ بیمار ہوا اور شاید یہ وہی مرض الموت کی بیماری تھی لوگ عیادت کو آئے لیکن چونکہ دل صاف نہ تھے غمخواری کے لہجہ مین جو بات کہتے تھے اُسمین دل آزاری کا پہلو ہوتا تھا، عرفی بھی سمجھتا اور دل ہی دل مین پیچ و تاب کھاتا تھا، اسی حالت مین ایک قطعہ کہا جسمین مرض کی شدت بیان کر کے لوگون کی ستم ظریفانہ بیمار پرسی کی تصویر کھینچی ہر، عرفی عالم تخیل کی بلندی سے نیچے نہین آتا لیکن اس قطعہ مین واقعہ نگاری اختیار کی ہر اور سمان باندھ دیا ہے،

تن اوفتادہ درین حال و دوستان فصیح	بہ گِردِ بالش و بستر ستادہ چون منبر

یکے بہ ریش کشد دست و کج کند گردن — کہ روزگار وفا با کہ کرد؟ جان پدر
بہ جاہ و مال فرومایہ، دل نباید بست — کجا است دولت جمشید و نام اسکندر
یکے بہ نرمی آواز و گفت وگوی حزین — کند شروع و کشد آستین بدیدۂ تر
کہ جان من! ہمہ را این رہ است باید رفت — تمام راہ روانیم و دہر راکب بر
یکے بہ چرب زبانی سخن طراز شود — کہ سالِ وفات تو تاریخ انقلاب خبر
فراہم آی و پریشان مدار دل زنہار — کہ نظم و نثر تو من جمع می کنم یکسر
پس از نوشتن و تصحیح می کنم انشا — بہ مدعاے تو دیباچہ چو درج گہر
چنانچہ ہستی فہرست دانش و فرہنگ — چنانچہ ہستی مجموعۂ صفات و ہنر
بہ نظم و نثر در آویزم و فرو ریزم — اگرچہ حصر کمال تو نیست حد بشر

ان سب کے جواب مین عرفی جل کر کہتا ہے،

خداے عزوجل صحتم دہد، بینی — کہ این منافقگان را چہ آورم بر سر

نہایت حاضر جواب اور ظریف الطبع تھا، ایک دفعہ ابوالفضل کے گھر پہ اُس سے ملنے گیا دیکھا تو ابوالفضل قلم دانتون مین دابے ہوی سوچ مین بیٹھا ہی، سبب پوچھا، ابوالفضل نے کہا بھائی صاحب کی تفسیر بے نقط کا دیباچہ اُسی صنعت مین لکھ رہا ہون، ایک موقع پر والد کا نام آگیا ہی چاہتا ہون کہ نام بھی آ جائے اور صنعت کا التزام بھی ہاتھ سے نہ جائے، عرفی نے کہا تردد کی کیا بات ہی، اپنے لہجہ مین ممارک لکھ دیجیے (مبارک نام تھا، جسکو گنوار ممارک کہتے ہین)
ایک دفعہ فیضی بیمار تھا، عرفی عیادت کو گیا، فیضی کو کُتّون سے بہت شوق تھا چند

سگ بچے گلے مین سونے کے پٹے ڈالے پھر رہے تھے، عرفی نے کہا،

مخدوم زادہا بہ چہ اسم موسوم اند

فیضی نے کہا بہ اسم عرفی، یعنی معمولی نام ہین،

عرفی نے کہا مبارک باشد

ظہوری سے اکثر دوستانہ خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ظہوری نے کشمیر کی شال

تحفہ مین بھیجی، غالباً شال معمولی درجہ کی تھی، عرفی نے جواب مین رقعہ لکھا جسمین تین رباعیا

شال کی ہجو مین تھین، ایک یہ ہے،

این شال کہ وصفش نہ حد تقریرست | آیات رعونت ہمہ تفسیرست
ناش نہ کنی قماش کشمیر کز د | صد رخنہ بکار مردم کشمیرست

عرفی کی بداخلاقی کے سب شاکی ہین، لیکن تعجب ہی کہ فیضی نے جو اسکا سب سے بڑا

حریف کہا جاتا ہی عرفی کی شریف النفسی کی نہایت تعریف کی ہی، چنانچہ اپنے رقعہ مین جسکی

پوری عبارت آگے چل کر آئے گی لکھتا ہے،

واز تہذیب اخلاق چگوید کہ درخاکی نہاد شیراز ذاتی می باشد نہ کسبی،

شاید یہ ابتدائی ملاقات کا حال ہوگا جب فیضی کو پورا تجربہ نہین ہوا تھا،

معلوم ہوتا ہی کہ عرفی بخلاف اور شعرا کے رند اور اوباش نہ تھا، کسی نے اسکو فسق کا الز

ك۱ یہ دونون واقعات خافی خان نے حالات اکبر واقعات سنہ ہجری مین لکھے ہین (خافی خان صفحہ ۲۰۰

دوسرا واقعہ بدایونی مین بھی مذکور ہے، ك۲ خزانہ عامرہ ذکر ظہوری،

تھا، اس پر اسکو سخت صدمہ ہوا، ایک قطعہ مین اسکا اظہار کیا ہی اور خاتمہ مین اپنے

ں کو اس طرح تسلی دی ہی،

اہل دنیا ہمگی تہمت گیر ند دنسا　　　عیسی این را متحمل شد و مریم بر داشت

باوجود بد مزاجی اور غرور کے عرفی نے کسی کی ہجو سے زبان آلودہ نہین کی، یا کسی کو

ں قابل نہین سمجھتا ہوگا، ایک قصیدہ مین بہت جل کر کہا ہی تو صرف اس حد تک اکتفا کی

با من از جہل معارض شدہ نا منفعلی

تصنیفات | **نفسیہ**، تصوف مین ہی، نام سی معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے متعلق کوئی رسالہ

ا، مآثر رحیمی مین اسکی نسبت لکھا ہے

ورسالہ نیز موسوم بہ نفسیہ در نثر نوشتہ کہ صوفیان و درویشان را سرلوحۂ دفتر

تصوف و تحقیق می تواند شد،

مثنوی، بجواب مخزن اسرار، دیوان کے ساتھ چھپی ہی،

مثنوی، بجواب شیرین خسرو، آتشکدہ اور مجمع الفصحا مین اسکے اشعار نقل کیے ہین،

کلیات قصائد و غزلیات سنہ ۹۹۶ ہجری مین ایک دیوان ترتیب دیا تھا، جسمین

قصیدے، ۲۷۰ غزلین اور ۷۰۰ شعر کے قطعات و رباعیان تھین، اس دیوان کی خود ہی تاریخ کہی تھی،

این طرفہ نکات سحری و اعجازی　　　چون گشت مکمل بہ رقم پردازی

مجموعہ طراز قدس، تاریخش یافت　　　اول دیوان عرفی شیرازی

اس رباعی مین عجیب و غریب صنعت رکھی ہی، چوتھا مصرع جس سے تاریخ نکلتی ہی آمین

اکائیون کے عدد لیے جائین، تو قصائد کی تعداد کے موافق ہوتے ہین یعنی ۲۶ دہائیون کے
عدد حساب کیے جائین تو غزلون کی تعداد کے برابر ہوتے ہین یعنی ۲۷۰۔ اور سیکڑونکو لیا جائے
تو قطعات اور رباعیونکی تعداد ظاہر ہوتی ہو یعنی ...، مختصر یہ کہ اسی مصرع مین تاریخ بھی ہو اور
ہر قسم کے اشعار کی الگ الگ تعداد بھی،

یہ اخیر کا کلام ہو، اس سے پہلے چھ ہزار شعر کہے تھے، وہ بدقسمتی سے ضائع ہوگئے[1]
چنانچہ اُس کے ماتم مین ایک پُردرد غزل لکھی جو دیوان مین موجود اور ذیل مین درج ہو،

عمر در شعر بسر کردہ و در باختہ ام　　عمر در باختہ را بار دگر باختہ ام

ساقیِ مصطبۂ لطفم و می ریختہ ام　　طائرِ باغچۂ قدسم و پر باختہ ام

العطش می زند از تشنہ لبی ہر مویم　　کہ قدح ہای پُر از خونِ جگر باختہ ام

رصدِ شرعِ ہنر چون نہ شود محو کہ من　　شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام

اسی رنج و غم مین دفعۃً بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے جوش مین آکر کہتا ہے اور کیا
خوب کہتا ہو،

گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست　　از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

اس خیال کو، کہ "اگر پچھلا کلام جاتا رہا تو مضائقہ نہین پھر کہہ لونگا"، کس لطیف
شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے، یعنی "اگر کہا ہوا جاتا رہا تو پروا نہین، شکر ہے، کہ بن کہا ہوا
تو موجود ہے"،

[1] آثر رحیمی،

مرنے کے وقت اپنا دیوان جو اُس کے ہاتھ کا مسودہ تھا، عبدالرحیم خانخانان کے کتب خانے مین بھیجدیا تھا، کہ مدوّن کر دیا جائے، چنانچہ خانخانان نے محمد قاسم مشہور بہ سراج کو اس کام پر مامور کیا، سال بھر کی شبانہ روز کی محنت مین، دیوان کی ترتیب پوری ہوئی، کل چودہ ہزار شعر تھے، خانخانان نے اس محنت کے صلے مین سراج کو انعام اکرام سے مالامال کر دیا قاسم نے ایک قطعہ مین ان واقعات کا ذکر بھی کیا ہے

عرفی آن واضع سخن کہ برو — رشک دارد، روان شروانی
نہ کہ شروانی ست در رشکش — بلکہ ہم رودنی وصفاہانی
بعد چندے چو جاے بودن نیست — رفت ازین دیر ششدر فانی
ماند ازو دُرِ شاہوارے چند — کش قرین نیست بحری وکانی
صورتے چند جملہ بامعنی — خلفے چند جملہ روحانی
لیک آن جملگی پراگندہ — ہمہ از بے سری وسامانی
آن قدر مہلتش نہ داد اجل — کہ بہ ترتیب شان شود بانی
گفت با دوستان بہ گاہ وداع — کاے عزیزان جسمی وجانی
برسانید زادہاے مرا — بہ جناب معلم ثانی
صاحب حلم وعلم وسیف وقلم — خان خانان سکندر ثانی
دید چون زادہاے عرفی را — ہمہ محمود لعل پیکانی
بعد یک چند بندہ را فرمود — کہ دہم شان نظام دیوانی

مدتے چند خون دل خوردم — تاکہ جمع آمد از پریشانی

از خرد خواستم چو تاریخش — گفت ترتیب دادہ نادانی

ترتیب دادہ سے ترتیب کی تاریخ نکلتی ہے، عبدالباقی نے اسپر ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمین عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے، چنانچہ مآثر رحیمی مین اسکا ذکر کیا ہے، افسوس یہ نسخہ آج بالکل نایاب ہے، ورنہ غالبًا بہت ہی دلچسپ باتین معلوم ہوتین، صمصام الدولہ شہنواز خان نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان مین داخل کر دیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے وہ ناقص رہے یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، میرزا صائب نے اپنی بیاض مین عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہین، جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے۔

کلام پر راے اس قدر مسلم ہے کہ اصناف سخن مین سے عرفی مثنوی اچھی نہین کہتا تھا چنانچہ اسکے ایک معتقد خاص نے بھی تسلیم کیا،

مثنویش رنگ فصاحت نداشت — کان نمک بود و ملاحت نداشت

اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ اسکے کلام مین جا بجا خامی پائی جاتی ہے، لیکن ان سب باتون کے ساتھ وہ ایک طرز خاص کا موجد ہے، اور آج تک تمام شعرا اس کی تقلید کرتے آتے ہین، مآثر رحیمی مین ہے؛

مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال مستعدان و اہل زبان و سخن سنجان

نچ ادمی نمایند،

ایک عجیب بات یہ ہی کہ اسکی شاعری کی شہرت قصیدہ مین ہی، لیکن وہ خود کہتا ہی،

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی　　　　تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل ست

عرفی کی نسبت معاصرین شعرا کی راے

میرزا صائب نے اسکا رتبہ **نظیری** سے کم قرار دیاہے، چنانچہ کہتے ہین،

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری　　　　عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

نظیری نے ایک ہم طرح قصیدے مین عرفی کے اشعار کا رد لکھا ہی، ہم اُن کو اس

موقع پر نقل کرتے ہین، جس سے ظاہر ہوگا کہ نظیری جیسا شخص باوجود پوری کوشش کے

عرفی کی شاعری پر اعتراض کرنے مین کامیاب نہو سکا،

دگر کہ گفت مبادا ز راوی شعرم　　　　درین قصیدہ بروز کمال بنشانی

ترا کہ فضل بحدے بود کہ در بزمت　　　　طیور وقت ترنم کنند سحبانی

کمال جہل و بلاہت بود کہ طعنہ زند　　　　بہ نقص مایہ کج فہمی و غلط خوانی

عرفی نے اپنے قصیدہ مین کہا تھا کہ میرا قصیدہ کسی غلط خوان سے نہ پڑھوایا جاے،

ورنہ میرا بھی وہی حال ہوگا جو کمال اسماعیل کا ہوا تھا، اسپر **نظیری** اعتراض کرتا ہی کہ خانخانان

کی مجلس مین جانور بھی سحبان ہین، اسلیے یہ اندیشہ کرنا کمال حماقت ہے،

دگر نبود ز شرط ادب در آوردن　　　　بہ سلک مدح تو مدح حکیم گیلانی

گراو بہ فضل فلاطون ست بر کشیدہ لست　　　　بود بقرب کیان اعتبار یونانی

اگرچہ سایہ ز رفعت زمین فرو گیرد　　　　دلے نہد بہ پے آفتاب پیشانی

عرفی نے خانخانان کے مدحیہ قصیدہ مین حکیم ابوالفتح کی مدح بھی لکھی تھی، اسپر نظیری اعتراض کرتا ہی کہ ابوالفتح کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہی، وہ آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہی اس لیے آپ کے ذکر کے ساتھ اسکا ذکر موزون نہین،

دگرچہ ابر دُر افشان شود کسے نہ کند — کلاہ بادشہی را کلاہ بارانی

عرفی نے خانخانان کی مدح مین لکھا تھا کہ ابوالفتح کے غصہ کا بادل جب برستا ہے تو اکسیری نافذلت کی بارانی ٹوپی ڈھونڈھتے ہین، نظیری کا یہ اعتراض ہی کہ خانخانان کے پادشاہانہ تاج کو کلاہ بارانی نہین کہنا چاہیے تھا،

اگرچہ کشور چین پر ز نقش مانی بود — خراب گشت نہ صورت بجاست نہ مانی

یہ شعر عرفی کے اس شعر کے جواب مین ہی،

ذخیرہ نہد از من کہ مانی از صورت — تمتعے برم از وے کہ صورت از مانی

اعتراض یہ ہی کہ اب نہ مانی موجود ہی نہ اسکی بنائی ہوئی تصویرین اسلیے عرفی نے ممدوح کو مانی سے کیون تشبیہ دی، ان اعتراضات کی جو وقعت ہی، ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہین، لطف یہ ہی کہ ان اعتراضات کے ساتھ نظیری نے خود اخیر مین عرفی کے تتبع کا قصد کیا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

بطرز نغز دو سہ بیتے دگر ادا سازم — کہ ہر دعوی اقاطع ست برہانی

عرفی کے لیے یہ فخر کیا کم ہی، کہ نظیری جیسا شخص اُس کی تتبع کا قصد کرتا ہے،

نظیری کو عرفی کے کمال سے انکار ہے تو ہو، لیکن ملک الشعرا فیضی اس کی نسبت ایک خط مین لکھتا ہے،

ازیاران دمساز و غمخواران ہمراز کہ دل از صحبت او آب می خورد مولانا عرفی شیرازی ست کہ درین نوروز بہ قدوم خود برخاک نشینان این دیار منت نہادہ اند، بہ حق دوستی کہ ازین عظیم تر سوگندے نمی داند کہ بہ بلندی وفور قدرت، و ایجاد معانی، و چاشنی الفاظ، و سرعت فکر و دقت نظر فقیر کسی را چون او ندیدہ و نشنیدہ، و از تہذیب اخلاق چہ گوید کہ در خاکی نہاد شیرازی ذاتی می باشد نہ کسبی، چند بیت ایشان بالفعل حاضر بود در حاشیۂ این صحیفہ نوشتہ آمد،،

بعد مردن برآے باد ایجاے خاکم	کہ فشانند مصیبت زدگان بر سر خویش
اے زلف عروس شادمانی شب تو	آرایش بزم بیغمی، مشرب تو
انباشتہ ہجران بہ نمک داغ دلم	امانہ ازان نمک کہ دارد لب تو
عشق آمد و رفت خون چکان در بازار	زہد آمد و کرد نقد تزویر نثار
آن پنبۂ داغ جست و این پنبۂ گوش	زان حبل متین تافتہ شد زین زنار

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہین کہ عرفی کا کلام گلی گلی اور کوچہ کوچہ مین کتب فروش بیچتے پھرتے ہین، اور اہل عراق اور ہندوستانی تبرکاً لیتے ہین، اس سے بڑھکر حسن قبول کی کیا دلیل ہو گی،

عرفی کا کلام عرفی کی عمر ۳۶ برس سے زیادہ نہین ہونے پائی، ابو الفضل کی درازدستی نے اس کو دربار مین کامیاب نہین ہونے دیا، تمام ہمعصر شعرا اس سے ناراض تھے اسکے کلام مین کثرت سے ناہمواریان اور خامیان ہین، ان سب باتون پر بھی اکبری دور مین جس قدر اس کا نام روشن ہوا کسی کا نہوسکا، اور اب بھی اسکے قصائد، تمام ہندستان کے مکاتب مین داخل نصاب ہین، اس سے خود بخود قیاس ہوسکتا ہی کہ اسکے کلام مین ایسے جوہر ہین جن کی چمک کو کوئی چیز نہین مٹا سکتی،

حقیقت یہ ہی کہ وہ ایک طرز خاص کا موجد ہی، عبدالباقی جو خود اس کا معاصر ہی لکھتا ہی،

مخترع طرز تازہ ایست کہ الحال درمیانہ مستعدان واہل زمان معروف ست وسخن سنجان تتبع اومی نمایند،

اسکے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

زور کلام

۱- زور کلام جس کی ابتدا نظامی نے کی تھی، عرفی نے اسکو کمال کے درجہ تک پہنچادیا زور کلام ایک وجدانی چیز ہے جس کا اندازہ صرف مثالون سے ہوسکتا ہی، جملاً یہ کہ سکتے ہین کہ الفاظ کی شان وشوکت، بندش کی چستی، فقرون کا دروبست، خیالات کی رفعت، مضامین کا زور، اسکے ضروری عناصر ہین، عرفی کے کلام مین یہ تمام باتین موجود ہین مثلاً

آہنین پنجہ تیغش بہ اجل گفت کہ من
مہچ بر مہچ شکستم چو بہ شان رفتم

اگر نہیب ہر چرخ واژگون گردد
دگر عتاب کند آفتاب خون گردد

دوش بر دوش قضا دست در آغوش قدر
آمدا زبیہ دہ بردن، بردگی، صنع خدا

چمن آید بہ چمن بہر تماشائے جمال   بلبل آید بہر بلبل بہ تمنائے غزل

مرحبا اے نظر بخت تو کیوان پرور   مرحبا اے گہر ذات تو امکان آرائے

ہر سر موئیش اگر باز شگافی بخرد   سومنا تےست کہ چیدہ درو لات وہبل

اس مضمون کو کہ ممدوح بڑے بڑے سلاطین کو شکست دیتا ہے، اس انداز سے ادا کرتا ہے؛

رمح او گوید اگر جنگ و گر صلح کنم   بہ کشاد گرہ جبہۂ خاقان رفتم

یعنی اُسکا نیزہ کہتا ہے کہ لڑائی ہو یا صلح، مین ہمیشہ خاقان چین کی پیشانی کی بل کھولدیا کرتا ہون

اس مضمون کو کہ مین معشوق پرستی کی وجہ سے ذلتین اُٹھاتا ہون یون ادا کرتا ہے؛

زان شکستم کہ بہ دنبال دل خویش مدام   در نشیب شکن زلف پریشان رفتم

دشمن کے مرعوب ہونے کو اس طرح ظاہر کرتا ہے،

ز رعشہ باطن (دل) خصمت چو جعد حور وشان (زلف)   شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

ممدوح کے جود و کرم، جاہ جلال، حکومت و اقتدار کو یون ادا کرتا ہے

فارس حکمش بہ جولان رفت و گفت   آفتابم گوست، چوگان میزنم

یعنی اُسکے حکم کا سوار میدان مین گیا اور بولا کہ، آفتاب ایک گیند ہے جس سے مین کھیل رہا ہون

گفت حباہش دہر بر من تنگ شد   چاک در افلاک ارکان میزنم

یعنی اُسکے دبدبہ نے کہا کہ زمانے مین اب مین سما نہین سکتا، اسلیے افلاک اور عناصر کو چاک کیے دیتا ہون؛

گفت جودش سیم وزر در کان نماند　　　سکہ بر پیشانی کان میزنم

یعنی اُس کی سخاوت نے کہا کہ چاندی اور سونا کان مین نہین رہا، اس سبب سے

خود کان کی پیشانی پر سکہ لگاتا ہون،

اس بات کو کہ اگر ممدوح کے خلاف مزاج کوئی شخص بات کہے، تو فوراً واپس

لے گا، یون ادا کرتا ہے،

ہر حدیثے کہ رضایت بسماعش نبود　　　از درِ گوش سراسیمہ، بلب گردد باز

یعنی جو بات کہ اسکے سامعہ کے خلاف مرضی ہو، وہ کان تک آکر سخت بدحواسی

کے ساتھ بولنے والے کے ہونٹون کی طرف پلٹ جائے گی،

اس بات کو کہ حریف کس برتے پر میرا مقابلہ کرسکتا ہے اس طرح ادا کرتا ہے،

خصم وطرزِ سخن من بچہ فہم وبچہ درک　　　غیر ونظم گہر من بچہ برگ وبچہ ساز

ممدوح کی تحریض اور نعرۂ جنگ سے بہادری کے عام اثر پیدا ہوجانے کو اس طرح

ادا کرتا ہے،

اگر بصحن چمن فی المثل شجاعت او　　　دہد نہیب کہ ہین یاسمین ہان نرگس

ق

چو عکس لالہ زند یاسمین درآب آتش　　　چو شاخ بید کشد خنجر از میان نرگس

یعنی اگر اس کی شجاعت باغ مین ڈپٹ کر چنبیلی اور نرگس سے کہے کہ ہان لینا، تو

چنبیلی لالہ کے عکس کی طرح پانی مین آگ لگادے گی، اور نرگس، بید کی شاخ کی طرح

کمر سے تلوار کھینچ لے گی،

نہیب، ہین دہان، آتش در آب زدن، خنجر از میان کشیدن، یہ الفاظ اور عکس لالہ اور شاخ بید کی تشبیہ، ان سب باتون نے مل کر کلام مین کس قدر زور پیدا کر دیا ہے، چونکہ اسکا کلام عموماً پُرزور ہوتا ہے اسلیے چند مثالون پر اکتفا کیا گیا، آگے اور اور عنوانون کے ذیل مین جو اشعار آئین گے وہ ان پر زور کلام کی حیثیت سے بھی نظر ڈالنی چاہیے،

۲- **الفاظ کی نئی نئی ترکیبین**، عرفی نے سیکڑون نئی نئی ترکیبین اور نئے نئے استعارے پیدا کیے جن سے جدت اور طرفگی کے علاوہ نفس مضمون پر خاص اثر پڑتا ہے مثلاً،

خیز و شراب حیرتم زان قدِ جلوہ ساز دہ — روی بروی حسن کن، دست بدست ناز دہ

مرہمی کن تو کہ فرزند مسیح است و مسیح — حاتمی کن تو کہ اقبال گدای ست گدای

مرحبا ای ز عنایاتِ ازل رمز فروش — مرحبا ای بہ علامات ہنر خویش ستای

ناخنِ قدرتِ او پردۂ تحقیق شگاف — خامۂ دولتِ او چہرۂ توفیق کشای

گلِ اندیشۂ من، سحر غلط معجزہ رنگ — بلبل نطق من، الہام غلط وحی سرای

ببرقع مہ کنعان کہ بود حسن آباد — بحجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زای

بہ تیشۂ کہ براطراف صورتِ شیرین — ہمہ کرشمہ تراشید و ریخت بر کہسار

بہ بخل وعدہ تراش و قناعت عیاش

کہ گر شود رہِ کوی تو جملہ نشتر خیز — کنم بہ مردمک دیدہ طے نشتر زار

بروشِ مہر فزا و بہ نگہ صبر گداز

یہ ترکیبین جس قدر بدیع ہین، اُسی قدر مضمون مین زور اور وسعت پیدا کرتی ہین،
فرض کرو اگر یہ کہنا چاہین کہ مجلس مین کثرت سے خوش جمال جمع تھے تو یہ مضمون جس وسعت کے ساتھ
صرف اس لفظ سے ادا ہو سکتا ہو کہ "مجلس "یوسف کدہ بن گئی تھی" سیکڑون الفاظ مین
ادا نہین ہو سکتا،

اسی طرح نشتر خیز، معجزہ رنگ، رمز فروش، کیوان پرور، امکان آرا، حُسن آباد
صبر گداز، وغیرہ ترکیبون سے مضمون مین جو زور، وسعت اور رنگینی پیدا ہوتی ہو، محتاج اظہار
نہین اسی قسم کی ترکیبین، متوسطین اور متاخرین کی خاص ایجاد ہین، عرفی اگر ان کی ایجاد
کا خدا ے یکتا نہین تاہم خدا ضرور ہے

جدتِ استعارات وتشبیہ

۳- عرفی کے کلام کی خصوصیات مین سے ایک بڑی خصوصیت استعارات کی جدت
اور طرفگی ہو، یہ مسلم ہو کہ انشا پردازی اُسی قدر لطیف اور پُرزور ہوگی جسقدر استعارات لطیف
اور پُرزور ہونگے، عرفی نے استعارات کی جدت اور تنوع سے ایک گوناگون عالم پیدا کر دیا،
ان مین بعض بے مزہ اور دور از کار ہین، جیسا کہ صاحب آتشکدہ اور مجمع الفصحا کا خیال ہو
لیکن زیادہ تر ایسے ہین، جو ایوانِ شاعری کے نقش و نگار ہین، مثلاً

میر ابوالفتح کز سیاستِ او	غمزۂ زہرہ، خنجر انداز د
زان طفل اشک من ہمہ خون شد کہ اوفتاد	دوش از دریچۂ دل و امشب زبام چشم
دلم چو رنگ زلیخا شکستہ در خلوت	غمم چو تہمتِ یوسف دیدہ در بازار
پرچمِ رُمح تو در آشوب گاہِ معرکہ	لیلۃ القدرے ست در ہنگامۂ یوم الحساب

ع۔ بہ بر شگفتن امروز غنچہ گشتن دی،

یعنی آج کا دن گویا ایک پھول ہی جو کھل رہا ہے، اور کل کا دن کھل کر مرجھا گیا

در غنچہ بن گیا،

به خوی فشانی شبنم به خود فروشی گل | به نیزه بازی سوسن بدشنه سازی خار
زنور ناصیه‌ات ماه گر ضیا گیرد | به آفتاب دہد نسخهٔ سنین و شهور

ع۔ چو صبح، بیضهٔ خورشید پروردہ بہ شکم،

ع، کہ بتا ببدن سر پنجۂ مرجان رفتم،

پنجہ مروڑنا

بزم گاه تو حجلهٔ یوسف | رزم گاهِ تو شانهٔ ضحاک
دست مظلوم را چو کرد دراز | صد شبیخون به شعلهٔ زد خاک
از خمِ مدتِ تو جامِ نخست | جرعهٔ دورِ آخرِ افلاک

یعنی تیری درازی عمر کی شراب کا پہلا جام، آسمان کا اخیر دور ہی،

حسنهٔ لفظ بر قدِ معنی | صد روش دوختی و کردی چاک
آسمان دریوزه کرده آفتابش کرده نام | لعلے از آویزهٔ گوش شبِ یلدائے من
خورده هر دم صد شکست از فوج قدس آشوبِ حسن | شوق بے هنگام ناز مست بی پروائے من

۴۔ عرفی کا زورِ طبع، اور فصاحت و بلاغت کا زور شور وہاں نظر آتا ہی، جہاں مسلسل مضامین

وہ قصائد مین کوئی مسلسل مضمون ادا کرتا ہے اور یہ اسکا خاص مذاق ہی، مثلاً خانخانان کے بیٹا

پیدا ہونے پر جو قصیدہ لکھا ہے، اس کی تمہید اس طرح شروع کی ہی،

بود در کتم عدم بکرِ طبیعت را جاے — که خرد بر سرش استاده همی گفت برآے
چند در پرده نشینی خلفِ دودهٔ کون — محرمی نیست مگر هم تو شوی پرده کشاے
محرمی کن تو که فرزند مسیح است و مسیح — حاتمی کن تو که توفیق گدائیست و گداے
این سخن گوش زدِ بکرِ طبیعت چون گشت — خنده زد گفت که رو صبر کن و تا ز محلے
گوشه گیرد جگر می خورد و تلخی می کش — تا بعهدے که شود صاحبِ تیغ ملک آراے
خلق از مژده برو مژده شنو جمع شوند — همه جوهر طلب و جوهری و گنج ستاے
فلک آماده شود زهره مهیا گردد — آن یکے حله طراز آید و این غالیه ساے
من بصد ناز و کرشمه همه رنگ و همه بوے — بر سرِ حجلهٔ ارکان (عناصر) بهم از خلوت پاے
پس در آید به برم آن که منش نام زدم (جسکے مین امزد ہون) — او کشد بندِ نقاب من و من بندِ قباے

نعت کی تمہید اس طرح لکھتا ہے،

آمد آشفته سحرگاهم شبے آن مایهٔ ناز — به ز رِدش جلوه فزا و به نگه صبر گداز
چه پری چهره نگارے که ندانم دانش — در پسِ پردهٔ فطرتِ افلاک لعبت باز
دیدم القصه که خورشید گم عنان است روان — سودم اندر قدمش چهره بصد عجز و نیاز
گفتم اے عربده جو چیست گناهم که گر — به تعرض همه خشمی به تغافل همه ناز
گفت این خود نه گناه است که ساکت شده — از ثنا گستری شاه سریرِ اعجاز
منفعل گشتم و فی الحال به وادی مدیح — مرکبِ طبع جهاندم به هوای تک و تاز
ره نبردم به سر کشور معنی هر چند — که در آن بادیه راندم به نشیب و فراز

گریہ آلود فتادم بگراند ر قدمش | گفتم اے مایۂ آرام دل اہل نیاز
از جبین چین بکشا تا دل من جمع شود | کہ سراسیمہ کند مرغ خیالم پرواز
این سخن در دلش از درد اثر کرد و سرم | بر گرفت از قدم خویش و بلطف آمد باز
بے حجابانہ زدم بوسہ بدستش از شوق | گفتم اکنون دہ اجازت کہ شوم حرف طراز

جہانگیر نے شاہزادگی کے زمانہ مین عرفی کا شہرہ سُنکر دربار مین بلایا چونکہ عرفی جہانگیر کا عاشق تھا ہمہ تن شوق اور بیتابی کے عالم مین گیا، جہانگیر نے نگاہ لطف سے دیکھا اور اشارون مین باتین کین، پھر مُسکرا کر قصیدے کی فرمایش کی، اس دلچسپ

داستان کو قصیدۂ مدحیہ مین ادا کرتا ہے

صباح عید کہ در تکیہ گاہِ ناز و نعیم | گدا کلاہِ نمد، کج نہاد و شہ دیہیم
جہان چنین خوش و من خوشتر انچنان تا ق | نشستہ با خرد اندر تعلم و تعلیم
کہ ناگہان ز درم در رسید مژدہ دہے | چنان کہ از چمن طالعم ز مغز شمیم
چہ گفت؟ گفت کہ "اے مخزن جواہر قدس" | چہ گفت؟ گفت کہ "اے مطلب بہشت نعیم"
"بیا کہ از کرمت یاد می کند دریا" (یعنے جہانگیر) | بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم" (چشمہ بہشت کا)
ازین پیام دلم شد شگفتہ و شاداب | چنان کہ باغ ز شبنم چنان کہ گل ز نسیم
بہ رہ فتادم و گشتم چنان شتاب زدہ | کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم
چو در نگار رسیدم بہ درگہے کہ کند | زمانہ طوف حریمش بہ دیدۂ تعظیم
رسیدن من و اقبال آن ہمایون فال | چنان فتاد مطابق دران خجستہ حریم

کہ گر ادب نکشیدی عنان من قدمش — بہ بوسہ گاہ ہمی کرد بر لبم تقدیم

یعنی میرا وہان پہونچکر زمین بوس کے لیے گرنا، اور شاہزادہ کا سامنے سی آنا اس قدر مطابق پڑا کہ اگر مین ادب سے رُک جاتا تو بجاے اسکی کہ میرے لب اسکے قدم چومتے اُسکے قدم میرے لب کو چوم لیتے،

مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد — بہ لطف خاص بدل کرد التفات عمیم

رموز گرنش و تسلیم را ادا کردم — بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج ندیم

نگفت و من بشنودم ہر انچہ گفتن داشت — کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم

یعنی اُسنے کچھ نہین کہا، لیکن مین نے سن لیا کیونکہ اظہار مطلب مین اُسکی نگاہون نے زبان سے پیش دستی کی، مطلب یہ کہ پہلے اشارون مین باتین ہوئین،

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت — فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یعنی جب ہونٹونکی باری آئی (یعنی اُسنے تقریر شروع کی) تو میرا سامعہ کوثر کی موجون مین ڈوب گیا،

بخندہ گفت کہ در عذر این گناہ بزرگ — کہ رفتہ نام تو بے حکم ما بہ ہفت اقلیم

ہمین کہ رفتی ازین آستان نوشتہ بیار — گزیدہ نسخہ از زادہاے طبع سلیم

ابوالفتح کے دربار مین جب ملازمت کا تعلق کرنا چاہا ہی تو قصیدہ لکھ کر لیگیا ہی اور عجیب لطیف پیرایہ مین اپنی ملازمت کی خواہش ظاہر کی ہی،

خدایگانا! دارم حکایتی بر لب — کہ چون مسیح تو نتواندم بہ لب استاد

یال بندگیت دوش نقش می بستم | زروے کسب شرف نے زروئے استعداد
ه ناگه از در اندیشه‌خانه، شاہد عقل | که شمع خلوتِ اسرارِ مبدست و معاد
کرشمه سنج و تبسم کنان درآمد و گفت | که عیدِ بندگیِ صاحبت مبارک باد
ن از تعجب این حرف دلکشا گفتم | که اے ز لطف کلامِ تو ملکِ ہزل آباد
آسمانم و نے آفتاب و نے بہرام (عطارد) | کزین مطایبه (ظرافت) گردم ز ساده لوحی شاد
تو ہم ز حرف تنک مایه تر زبان نشوی | بگو که صورتِ این مژده از چه معنی زاد؟
جواب داد که این مژده را دلیلے ہست | که دستِ فطرتم آن را بطاق حصر نهاد
ہمین نفس، ادب آموز قدسیان جبریل | دریچهٔ حرمِ قدس را بدیده کشاد
نبوی کاتب اعمال بانگ زد و گفت | که اے رقم کشِ کردارِ خوب و زشت عباد
بشوی نامهٔ عرفی که ایزد متعال | ز بندگانِ خودش برگزید و کرد آزاد
اگر نه بندگی صاحبت بفال آمد | سبب چه بود که جبریل این ندا در داد
من از متانت برہان بشرم غوطه زدم | شکست بر رخِ اندیشه رنگِ استعداد
بخدمت آمدم اینک بگو چه مصلحت ست | بر آستانِ تو باید نشست؟ یا استاد

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہی، ابو الفتح کو مخاطب کر کے کہتا ہی کہ ای مخدوم! کل مین آپکی نوکری اور ملازمت کا خیال دل مین بکار رہا تھا وہ بھی اس بنا پر نہین کہ مین اس قابل ہون بلکہ اسلیے کہ یہ میری عزت کا سبب ہی، اسی حالت مین عقل نے مجھسے آکر کہا کہ تو مبارک تم سرکار مین ملازم ہوگئے، مین نے متعجب ہو کر کہا کہ مین آسمان یا عطارد کیطرح سادہ لوح

نہین کہ اس مذاق پر یقین کرلون گا، آخر اسکا کوئی ثبوت بھی عقل نے کہا ابھی جبرئیل
نے حرم قدس کے دریچے کھولے اور کاتب اعمال کو حکم دیا کہ عرفی کا نامۂ اعمال دھوڈالو
کیونکہ خدانے اسکو اپنے برگزیدہ بندون مین داخل کرلیا، مین اس دلیل کی متانت
سے شرمندہ ہوگیا اور اب خدمت عالی مین حاضر ہوا ہون، کیا ارشاد ہے؟ آستانۂ عالی
پہ بیٹھنے کی اجازت ہے یا مودب کھڑا رہون،

اس قسم کی اور بہت سی مثالین اسکے کلام مین موجود ہین، جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ
وہ ایک واقعہ کو کس ترتیب اور کس تسلسل اور کس شاعرانہ انداز سے ادا کرسکتا ہے،

۵۔ قصائد مین شعراکی یہ مجال نہ تھی کہ بادشاہ کی مدح وثنا کے سوا اپنا ذکر کرسکیں
کبھی ایسا کرتے تھے تو صرف اپنی بیچارگی اور بیکسی کا اظہار کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ
کہ حضور اور شعراء کی زیادہ قدر کرتے ہین، حالانکہ مین ان سے بڑھکر ہون عرفی چونکہ بالطبع
نہایت غیور اور خوددار تھا، اسلیے مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے امراء اور سلاطین کی مدح
کرتا تھا لیکن ساتھ ہی اپنے فضائل اور اوصاف بھی جی کھول کر بیان کرتا، اور ضرور لکھتا
کہتا تھا، شاید ہی کوئی ایسا قصیدہ ہو جس مین ایک دو شعر فخریہ نہون، شہزادہ سلیم کی تعریف
مین خودستائی کا بالکل موقع نہ تھا، تاہم کہتا ہے،

خدایگانا! گویم بہ مدح خویش دو بیت | کزان نیارد پرہیز کرد طبع سلیم

(یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ کم سے کم دو شعر بھی اپنی مدح کے نہ کہون اسکے بعد دو شعر فخریہ لکھے ہین)
اہل ادب نے انواع شاعری مین فخریہ کو ایک خاص صنف قرار دیا ہے، فارسی مین

س خاص صنف مین عرفی کا کوئی ہمسر نہین، عجیب عجیب نئے اسلوب سے فخریہ لکھتا ہے
ور اس جوش سے لکھتا ہے کہ آپے سے باہر ہوا جاتا ہے، ایک قصیدہ مین ممدوح کو خطاب
رکے کہتا ہے عرفی کا غرور اب حد سے بڑھ گیا، آپ کبھی اسکے شعرون کی تحسین نہ کیجئے، پھر
ی، تمام خوبیون کو عیب کے پیرایہ کے بہانہ سے ذکر کر جاتا ہے،

راد یک شہر ز عرفی بستان کین مغرور ۔۔۔ کبر و نازش نہ باندازۂ قدر است و محل
یم تحسین مکن ار گوید صد بیت بلند ۔۔۔ کہ دماغش شدہ از حسن طبیعت مختل

رفی اگر سیکڑون عمدہ شعر کہہ جائے تب بھی اُسکی تعریف نہ کیجیے، کیونکہ اُسکا دماغ حسن طبیعت کے غرور سے مختل ہو گیا ہے

ہر سر مویش اگر باز شگافی بنگرد ۔۔۔ سومناتے ست کہ چیدہ ست درو لات و ہبل

رفی کا ایک ایک بال چیر کر دیکھا جائے تو ایک سومنات نظر آئے گا جس مین بُت چُنے ہوئے ہین،

ر اصل و نسب خویش نویسد بیرون ۔۔۔ ہرچہ خواہد ز نسب نامۂ ارباب دول

عرفی تمام ارباب دول کے نسب نامے اپنے نسب مین ملا لیتا ہے،

د ہر آما ی رموز ست نہ دریا و نہ کان ۔۔۔ حکمت آموز عقول ست نہ علم و نہ عمل

دریا ہے اور نہ کان، باوجود اسکے دعوی کرتا ہے کہ انکے موتی میرے خزانہ مین ہین، نہ علم ہے نہ عمل، باوجود اسکے عقول عشرہ کو حکمت سکھاتا ہے

ہر بلا عیب تراشم کہ حسد کم بادا ۔۔۔ مشنو عیب زر دہدہی از سیم دغل

مین کس بلا کا عیب جو ہون، آپ خالص سونے کا عیب کھوٹی چاندی سے نہ سُنیے

نچہ ذرات معانی ست کہ برشے جوشند ۔۔۔ ہمہ خورشید شود گر بشناسند محل

ضامین کے ذرّے جو اُسکے دل مین چمکتے ہین وہ اگر اپنا رتبہ پہچانین تو سب آفتاب بن جائین،

دارد از عزتِ اصل گہر و ذلت شعر   پاے در تحت ثریٰ دست در آغوش زحـ
خاندان

یعنی خاندانی اعزاز اور شعر کی ذلت کی وجہ سے اسکے پاؤن تو تحت الثریٰ مین ہ

لیکن ہاتھ زحل کی آغوش مین ہے؛

عزت او نہ شہیدی است کہ حشرش باشد   ورنہ نگریستمے از ستم مرح و غزا

اگر او نامزد ننگ شد از ذلت شعر   شعر از عزت او نیک برآید ز ذلا

یعنی عرفی تو شعر کی وجہ سے ذلیل ہوا، لیکن فن شعر معزز ہوگیا؛

اکبر کے دربار مین خود ستائی کی کس کو جرأت ہوسکتی تھی تاہم کہتا ہے

شہا! بہ بزم تو چون این قصیدہ برخوانم   کہ مُلک نظم ز فیضش گرفتہ است نظا

سزد بجایزہ با جیب پُر گہر گردون   بدوشم افگند این جامۂ زمردفا

عرفی نے قصائد مین جس قسم کی خودداری کے خیالات کی ابتدا کی تھی، اگر اسکی طر

عام خیالات کا میلان ہوگیا ہوتا تو شاید یہ صنف کسی اچھے کام کا مصرف بن جاتی،

مضمون آفرینی

۲- عرفی کی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا دوست اور دشمن دونون نے اقرار کیا

ہے اس مطلق شبہہ نہین ہوسکتا کہ اُس کی قوت تخیل نہایت زبردست تھی، لیکن اس زما

کا مذاق یہ تھا کہ یہ قوت صرف مبالغہ، جدت تشبیہ، اور حسن تعلیل وغیرہ پر صرف کیجاتی تھی

عرفی کا زور بھی انہین فضول چیزون پر ضائع ہوا، تاہم جو نمونے موجود ہین اُنسے یہ قطع

اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر اس سے بجا طور پر کام لیا جاتا تو شاعری کی سرحد کہین سے کہین

پہونچ جاتی، ہم چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین،

آن کہ چون در کتف چتر ہمایون آئی تا — ہم عنان ظفر از راہ غزا گردد باز

زہرہ گیسو بکشاید کہ شود گرد فشان — از رکابش کہ پذیرفتہ غبار از تگ و تاز

فتح گوید چہ کنی چشم من ست این رکاب — سرمۂ چشم جہان بین مرا پاک مساز

یعنی جب رسول اللہ چتر کے سایہ مین میدان غزا سے واپس آتے ہین تو زہرہ چوٹی
[کھو]ل کر چاہتی ہی کہ رکابون پر جو گرد پڑ گئی ہی اسکو جھاڑ دے۔ فتح کہتی ہی آین! یہ کیا کرتی
[ہے]؟ یہ رکاب تھوڑی ہی ہی یہ تو میری آنکھین ہین اسکے سرمہ کو دگرد کو سرمہ قرار دیا ہی
[کی]ون چھڑاتی ہے،

احتساب تو اگر عارض نہی افروزد — ای سرا پردۂ عصمت تو بازینت و ناز

زخمہ ہر چند کہ انگشت زند بر لب تار — نغمہ از بیم نیارد کہ بر آرد آواز

یعنی اگر آپ کا احتساب ظہور مین آئے تو مضراب گو کتنا ہی تار کو چھیڑے لیکن نغمہ
[ک]ی ڈر کے مارے آواز اونچی نہ کر سکے

ہر حدیثے کہ رضایت لب ما عش نبود — از در گوش سراسیمہ بلب گردد باز

گھوڑے کی تعریف

وحش اللہ ز تیسگیر سمند تو کہ ہست — در دمان کسل از شوخی و مستاصل
سبحان اللہ گھوڑا

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی — از ازل سوے ابد و ز ابد آید بازل

قطرہاکش دم رفتن چکد از پیشانی — شبنم آسا نشیند گہ رجعت بکفل

یعنی گھوڑا اس قدر تیز رفتار ہی کہ اگر تو اسکو دوڑا لے تو ازل سے ابد اور ابد سے ازل
[تک] کا چکر اتنی دیر مین لگا آئے گا کہ جاتے وقت اسکی پیشانی سے جو قطرے ٹپکین گے وہ واپسی

ین اسکے چھون پڑ سکین گے اور زمین پر نہ گرنے پائین گے،

طرزِ ادا کی جدت عرفی جدت ادا کا گویا موجد ہی، اور اسکا ہر شعر جدت کی ایک نئی مثال ہی، جو اشعار اوپر گذر چکے اُن مین بیسیون مثالین ملین گی، اس لیے ہم صرف چند اشعار پر اکتفا کرتے ہین،

ہو بویم دوست شد ترسم کہ استیلاے عشق — یک انا الحق گوے دیگر بر سرِ دار آورد

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما — سبحۂ نیست کہ آن غیرت زنار تو نیست

در دل شکنی آفت دہر ست نگاہش — طفلے کہ بدر می شکند طرفِ کلاہش

ساقی تو می و سادہ دلی بین کہ شیخ شہر — باور نمی کند کہ ملک می گسار شد

زخمہا بر داشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہرگز از خون کسے رنگین نشد دامان ما

فارغ ز خیرگی نگرد در روے آفتاب — این دیدہ آزمودۂ نظارۂ کیست

گوش معزول ست در خلوت گہ اربابِ راز — دود شمع خلوتِ ایشان بہ وزن دشمن ست

لباسِ صورت اگر واژگون کنم، بینند — کہ خرقۂ ہوسناکم مایۂ طلاباف ست

ایما و اشارت نہ باندازۂ راز ست — این رشتہ بانگشت نپیچی کہ دراز ست

نسبت سبحۂ و زنار دو صد رنگ آمیخت — ورنہ این رشتہ ہمان ست کہ آدم می رشت

عشق اگر غم داد و جان و دل تستد عیش کن — بیع اول بود و آشوبِ خریدارے نبود

زنند طعنہ بمحشر بہشت جویان را — کہ این گروہ رعایاے ہمتِ پستند

شہید مضطرب خاک شد، مگر برہت — کہ بے نسیم براہ تو گرد مے خیزد

باک جوہرِ شمشیرِ ناز خو با نم — کہ تا ز زخم جدا گشتہ زنگ می گیرد
زار جلوہ دریغ از دلم کہ خرمنِ حُسن — بخوشہ چینی آئینہ کم سے گردد
ل نشد فرزانہ و عقل از فسون دلگیر شد — بر جنون افزودمش تا قابل زنجیر شد
سانہا کہ ببازیچہ، روزگار سرود — کنون بمسند جمشید و تاج سے بستند
لند کوتہ، و باز وے سست، و بام بلند — بمن حوالہ، و نومیدیم گنہ گیرند
کلید میکدہ ہا را بمن دہید کہ من — نہ آن کسم کہ باندازہ مست می گردد
چہ لطاعت طلبی، برہمنان را زاہد! — تو ریا ورز کہ این طائفہ کالے دارند
بساطی کاندر طرح دو عالم، می توان کردن — بدست آوردہ ام، اندازہ دیر کار می باید — علوئ ہمت
بطور بانہ گنجد، منع دیدار — دے این راز، با موسیٰ نگوئید
دہر مرد افگن بمیدانم کند تکلیف و من — این متاع افتادہ بر بالائے بستر می خرم
مہر یمائی مجواز من کہ من این جنس را — غائبانہ می فروشم، در برابر می خرم — صدق دوستی
تمام بود بیک حرفِ گرم ما غافل — حکایتے کہ ہمہ نا تمام سے گفتند
بہ آفتاب از ان ذرہ را در اندازند — کہ عذر مردم کامل بہ ناکسے نہ نہند — بلند ہمتی
مو بمویم رشتہ زنار شد و از ناکسے — در خرابات مغان بدنام اسلامم ہنوز

عشقیہ شاعری | عرفی ایک طرف تو نکتہ سنج اور نکتہ شناس اور ذوق عرفان سے آشنا تھا، دوسری طرف، شباب میں نہایت خوش رو اور حسین اور لوگوں کا منظور نظر رہ چکا تھا، ہندوستان میں آیا تو شہزادہ جہانگیر پر عاشق ہوا، ان اسباب کی بنا پر دہ عشق اور

محبت کی ایک ایک ادا سے واقف تہا، وہ کہین عشق حقیقی کے اسرار اور دقائق بیان کرتا ہی اور کہین مجازی عشق مین جو واردات اور معاملات پیش آتے ہین، اُنکو ظاہر کرتا ہے؛ لیکن اس عالم مین بہی وہ اپنے تمام ہمعصرون سے اس بات مین ممتاز ہی کہ وہ سطحی اور سرسری واردا تین نہین بیان کرتا بلکہ گہرے اور دقیق معاملات پر اُس کی نظر پڑتی ہی اور انہین کو شاعرانہ انداز مین ادا کرتا ہے،

شوق دیدار مین عاشق ہمہ تن نظارہ بن جاتا ہے، اس حالت کو یون ادا کرتا ہی

چگونہ مانع نظارہ ام شوی کہ مرا زشوق روے تو، سرتا قدم نگہ خیزست

استیلاے عشق کی حالت مین ہر قسم کے عام جذبات بہی عشق ہی کا رنگ اختیار کر لیتے ہین، مثلاً عشق کی حالت مین اگر کوئی دنیوی صدمہ بہی پیش آتا ہی تو وہی مزہ دیتا ہے جو عشقیہ صدمات سے حاصل ہوتا ہے، اس حالت کو ادا کرتا ہے،

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معشوقون کے سامنے جب کوئی انکا ناز بردار نہین ہوتا تو آپ ہی آپ بگڑتے ہین، اور گویا خود اپنے آپ پر ناز افشانیان کرتے ہین۔ اس مخصوص اور مخفی حالت کو بیان کرتا ہی،

فغان زغمزۂ شوخی کہ وقت تنہائی بہانۂ بخود آغاز کردہ در جنگ ست

جوش حسن مین کبھی ایسا ہوتا ہی کہ معشوق آئینہ دیکھ کر، خود اپنے آپ کو پیار کرنے لگتا ہے اس حالت کو دکھاتا ہی،

دہن خویش ببوسند ولب خویش مکند چون در آئینہ ببینند بتان صورت خویش

معشوق لطف اور نوازش کے ذریعہ سے عاشق کا دل مسخر کرسکتے ہین لیکن عموماً وہ ایسا نہین کرتے، بلکہ ظلم پسندی کی وجہ سے اسکے بجاے ناز اور قہر وعتاب سے کام لیتے ہین، اس معاملہ کو عجیب لطف سے بیان کیا ہے،

بہ ملک ہستی من برنہادہ سلطانی کہ ما بصلح دہیم او بجنگ می گیرد

یعنی ہمارے ہستی کے ملک پر ایسے بادشاہ نے چڑہائی کی ہے کہ ہم صلح سے دیتے ہین لیکن وہ خواہ مخواہ لڑکر لیتا ہے،

معشوق یون تو ہر وقت جلوہ فروشی کیا کرتے ہین، لیکن کوئی تقاضا کرے تو رُک جاتے ہین اور ترستے ہین، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،

حُسن را از شیوہ ہا گاہے بود میلے بناز ورنہ موسیٰ بر طلب صدرہ تماشا کردہ بود

عاشق، ہجر کے زمانہ مین معشوق کی ایک ایک بات اور خصوصاً اُسکی معشوقانہ نگاہونکو حافظہ کے خزانے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتا ہے، اور اُس سے مزے لیتا ہے یا اُسپر حسرت کرتا ہے اس واقعہ کو یون بیان کرتا ہے،

ہر متاعے کز نگاہش می خرم در روز وصل می نشینم گوشہ و از خود بکر رسے خرم

ابتداے عشق مین ہمہ وقت جوش اور درد و گداز ہوتا ہے اُسکی تصویر کھینچتا ہے،

عشق می گویم دمی گریم زار طفل نادانم و اول سبق ست

معشوق سے خواہش کرتا ہے کہ ستانا ہے تو ہم کو ستا کہ ہم پہلے ہی سے زخمی ہین اور ہمارے

ستانے مین تجھ کو اور خود ہم کو زیادہ مزہ آئے گا،

ہرگاہ کہ از لطف بہ کین میل تو بیش ست | اول نمکِ سینۂ ما پاش کہ ریش ست

یعنی چونکہ تمھارا میلان بہ نسبت لطف کے ظلم کی طرف زیادہ ہی اسلیے پہلے ہمارے سینہ پر نمک چھڑکو کہ وہ پہلے ہی سے زخمی ہی،

معشوق اگر ہمیشہ ظلم اور بے اعتنائی ہی کیا کرے، تو عاشق اسکا خوگر ہوکر ایک اطمینانی حالت پیدا کرلے۔ لیکن مصیبت یہ ہوتی ہے کہ معشوق کبھی کبھی لطف اور نوازش کی بھی چاشنی چکھا دیتے ہین، اسکے بعد سرد مہری، اور زیادہ چرکے دیتی ہے، اس کیفیت کو ادا کرتا ہے،

ازان بہ دردِ دگر ہر زمان گرفتارم | کہ شیوہ ہاے تُرا باہم آشنائی نیست

یعنی اس لیے ہر وقت مین ایک نئی مصیبت مین گرفتار رہتا ہون کہ تیری ادائین ایک دوسرے سے نہین ملتین،

شفائی نے اس مضمون کو زیادہ صاف اور واضح کردیا ہے، لیکن وہ ابہام کا مزہ جاتا رہا وہ کہتا ہے،

این جور دیگر ست کہ آزار عاشقان | چندان نمی کند کہ بہ بیداد خو کنند

معشوق جب بلند پایہ ہوتا ہے اور وہان تک رسائی ناممکن ہوتی ہی تو عاشق اپنی پستی حالت کا اندازہ کرتا ہے اور اُس وقت یہ رنج کم ہوجاتا ہی کہ دیدار سے بہرہ ور نہین ہوسکتا،

عرفی اس حالت کو حسرت کے لہجہ مین دکھاتا ہے،

آہ ازان حوصلۂ تنگ و ازان حُسن بلند | کہ دلم را گلہ از حسرت دیدار تو نیست

نہ باندازہ بازدست مکندم ہیہات　　　درنہ باگوشۂ بامیم سرد کارے ہست

معشوق کی عام دلفریبی کو یون ظاہر کرتا ہے،

یارب تونگہ دار دلِ خلوتیان را　　　کان غنچہ مست ست و درِ صومعہ باز ست

ناز کی بے اعتنائی کا مضمون کس خوبی سے پیدا کیا ہی،

طفیانِ ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل　　　در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

یعنے حضرت اسمٰعیل

بیگانون کے ساتھ معشوق کی صحبت بدمزہ ہے،

میروی باغیر دمی گوئی بیا عرفی تو ہم　　　لطف فرمودی برو کین پای رازِ رفتا نیست

یعنی غیرون کے ساتھ جارہے ہو اور کہتے ہو کہ عرفی تو بھی آ، آپ کی عنایت لیکن مجھ سے چلا نہین جاتا۔

عشق مین، عقل اور سمجھ سے کام لینا نہین چاہیے۔

گفتگوہاے حکیمانہ نیا لاید عشق　　　بگذارید کہ این نکتہ مُسلم باشد

حُسن کی رونق عشق سے ہے اور عشق کی حُسن سے،

این صفا عشق و محبت زہم اندوختہ اند　　　این دو شمع ست کہ از یکدگر افروختہ اند

تھوڑا سا غم، دل کی عالی ظرفی کے قابل نہین اور زیادہ سما نہین سکتا،

فریاد کہ غم ہاے تو در سینۂ تنگم　　　اندک نبود لائق و بسیار نہ گنجد

اب ہم عرفی کے ہر قسم کے چند عشقیہ اشعار درج کرتے ہین،

ہ، کہ از دوختن این چاک گریبان رفتہ ست　　　این شگفے ست کہ تا دامن ایان رفتہ است

رفت آن آفت جان از برم اے ہوش بیا — تا بہ بینم کہ چہا بر سرایمان رفتہ است

یعنی وہ آفت جان چلا گیا، ای ہوش اب آ، تاکہ دیکھون کہ ایمان پر کیا گذری،

عرفی از ہر دو جہان می بدلا در دوست — ہمہ جا وحشی از ان ست کہ رم ست اینجا

بحث در رد و قبول بت ترسا بچہ ست — ورنہ از کفر زبونی نبود ایمان را

یعنی ایمان کفر سے کم رتبہ نہین لیکن گفتگو یہ ہر کہ کافر بچہ اسکو قبول ہی کریگا یا نہین

ز وصلش یافتم ذوقے کہ نبود انتقام آن را — کسے ہرگز چنین داغے بدل ننہادہ ہجران را

یعنی اُسکے وصل مین مین نے وہ مزہ پایا کہ اسکا کچھ جواب نہین ہو سکتا، کسی شخص نے

ہجر کو اسطرح نہ جلایا ہوگا جسطرح مین نے جلایا ہے،

قبول خاطر معشوق شرط دیدار ست — بحکم شوق تماشا مکن کہ بی ادبی ست

یعنی معشوق جس حد تک پسند کرے اُسی حد تک نظارہ کرنا چاہیے، اپنے شوق کے

موافق نظارہ بازی کرنا بے ادبی مین داخل ہے،

عرفی! بہ حال نزع رسیدی و بہ شدی — شرمت نیامد از دلِ امیدوار دوست

بہانہ جوی تو اعرفی! بناز عادت کرد — آشتی مرو اکنون کہ صلح ہم جنگ ست

یعنے معشوق

ز شکوہ ہاے جفایت، دو کون پر شد لیک — ہنوز رنگ ادب بر رخ سخن باقی ست

یعنی باوجود انتہاے شکایت کے پاس ادب نہین گیا

حسنش نیازمند تماشا ز ناز نیست — آنا ز ذوق جلوۂ خود بے نیاز نیست

دو عالم سوختن نیرنگ عشق ست — شہادت ابتداے جنگ عشق ست

دماغ آشفتۂ داریم دل نام | کہ سرتا پاے صلح و جنگ عشق ست
آن چنان ست جمال ست کہ شب تا السحر | می کشد جام و زکیفیت مے آگہ نیست
بروے عقل منہ منطق و حکمت در پیش | کہ مرا نسخۂ غمہاے فلان در پیش ست
اہان رہ عشق ست کج رفتن ندارد بازگشت | جرم را اینجا عقوبت ہست استغفار نیست
نا فرید ابلہان را از متاع روی دست | آسمان ہیش از تو یوسف را ببازار آورد
زبت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے | بحیرتم کہ دل برہمن ز کفر چون شد
چو برو پیام، تا قاصد کنم این خیال دگریم | کہ برش حکایت من کجا رسیدہ باشد
تا چند بزنجیر خرد بست توان بود | بے مستی و آشوب جنون چند توان بود
اے اجل! جان ندہند اہل وفا سعی مکن | یا برو، رخصت از آن غمزدۂ خونخوار بیار
ای آنکہ نرفت ست عنان دولت از دست | یک لحظہ تماشائی آن دست و عنان باش
بشکنم ناقوس و تسبیح بدست آرم ولی | چون کنم با آن کہ زنار از میان می رویدم
میروی با غیر و می گوئی بیا عرفی تو ہم | لطف فرمودی برو کین پای از رفتار نیست
بیا ای عشق! بر اوی ہمانم کن کہ یک چندے | نصیحت ہای بیدردان شنیدن آرزو دارم
داغ بر ہم بس کہ بیوستم نشان از دل نماند | بیش از این صد داغ بر دل داشتم اکنون یکی ست
عالمے در جلوہ و عاشق نہ بیند غیر دوست | گرز مجنون پرسی اندر کاروان محمل یکی ست

(فلسفہ) عرفیؔ نے غزل میں جس قدر فلسفیانہ خیالات ادا کیے کسی شاعر نے اتنے نہیں کیے،

اس کے ساتھ یہ خصوصیت ہی کہ شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے نہین جاتا، سحابی، ناصر خسرو وغیرہ نے بھی دقیق فلسفی مسائل بیان کیے ہین، لیکن وہ محض فلسفہ ہی جو نظم مین ادا کردیا گیا ہے، شاعری نہین، بخلاف اسکے عرفی اس انداز سے ان باتونکو ادا کرتا ہی کہ اگر کوئی شخص فلسفہ کی حیثیت سے اُس سے لطف نہ اُٹھائے، تاہم شاعرانہ ذوق سے محروم نرہے گا، مثالون سے اسکا اندازہ ہوسکے گا،

یہ سب کہتے آئے ہین کہ حقائق اشیا، ہمکو معلوم نہین، سقراط نے کہا تھا کہ "مجھکو صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ کچھ معلوم نہین ہوا" بعینہ اسی خیال کو، فارابی، ابن سینا وغیرہ نے اشعار مین ادا کیا، لیکن عرفی نے اس فلسفہ کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، وہ کہتا ہے،

نہ کُنہِ تو بہ ادراک نشاید دانست ۔۔۔ وین سخن نیز باندازۂ ادراکِ من ست

خدا کی ذات اور صفات کی جو تفسیر تمام اہل مذاہب نے کی ہی خوب غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اُنھین حالات، اُنہین اوصاف، اُنھین اخلاق کو جو اُسنے انسانون مین دیکھے ہین، زیادہ وسیع، زیادہ پاک، زیادہ بلند فرض کرکے ایک ذات کا تصور باندھ لیا ہی اور یہی وجہ ہی کہ ہر قوم مین خدا کے اوصاف کی نسبت مختلف خیال ہین، اس بنا پر عرفی کہتا ہی،

فقیہان دفترے را می پرستند ۔۔۔ حرم جویان دری را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد ۔۔۔ کہ یاران دیگرے را می پرستند

یعنی خدا اگر اپنے چہرے سے پردہ اُٹھائے تو لوگون کو نظر آئے گا کہ ہم خدا کو نہین،

لہ کسی اور چیز کو پوج رہے تھے، اسی مضمون کو ایک اور لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے،

آنان کہ وصف حسن تو تفسیر میکنند | خواب ندیدہ راہمہ تعبیر می کنند

حقائق اشیار یا عقائد مذہبی، کی نسبت یا تو انسان کو نہایت اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہونا

یا ہیے کہ تمام راز اُسپر منکشف ہو گئے ہون، یا محض تقلید پر عمل کرنا چاہیے، بیچ کی جو حالت

ہی یعنی نہ تقلید، نہ اجتہاد کامل، یہ نہایت خطرہ کی حالت ہی، اور افسوس ہی کہ تمام عالم اسی مین

مبتلا ہی، عرفی کو تین سو برس پہلے یہ نکتہ معلوم ہو چکا تھا، چنانچہ کہتا ہی،

قدم بردن منہ از جہل یا فلاطون شو | کہ در میانہ گزینی سراب و تشنہ لبی ست

یعنی یا تو بالکل جاہل رہو یا فلاطون بنو، ورنہ بیچ مین رہو گے تو سراب و تشنہ لب

کا حال ہو گا،

عرفی اپنی وسیع المشربی سے عرفان اور ذوق کو اسلام یا کفر مین محدود نہین سمجھتا

اس کے نزدیک ہر جگہ حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے اس خیال کو اورون نے بھی ادا

کیا تھا، لیکن عرفی نے ایک عجیب تشبیہ سے اسکو صاف دکھا دیا،

عارف ہم از اسلام خراب ست ہم از کفر | پروانہ چراغ حرم و دیر نداند

یہ ظاہر ہی کہ پروانہ صرف چراغ ڈھونڈھتا ہی، وہ خواہ حرم مین جلتا ہو یا بتخانہ مین،

بت شکنی پر لوگ ناز کرتے ہین لیکن ایک عارف کو نظر آتا ہی کہ بت شکنون مین بھی

وہی تمام اخلاق موجود ہین، جو بت پرستون مین پائے جاتے ہین، اسلیے ایسی بت شکنی

سے کیا فائدہ اس بنا پر عرفی کہتا ہے،

رفتم به بت شکستن و هنگام بازگشت — با برهمن گذاشتم از ننگ دین خویش

یعنی بُت توڑنے تو گیا تھا، لیکن جب واپس چلا تو اپنا دین برہمن ہی کے یہان چھوڑ آیا،
عام مسلمان جس طرح کعبہ کے ساتھ پیش آتے ہین اُس مین اور بُت پرستی مین مشکل
سے فرق کیا جا سکتا ہے اس بنا پر فیضی نے کہا تھا،

آن که می کرد مرا منع پرستیدن بُت — در حرم رفته طواف در و دیوار چه کرد

عرفی اس مضمون کو زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کرتا ہے

ساکنِ کعبه کجا دولتِ دیدار کجا — این قدر هست که در سایهٔ دیوار هست

عالم مین جو کچھ نظر آتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو سب راز ہے،

هر کس نشناسنده راز ست، وگرنه — این ها همه راز ست که مفهوم عوام ست

چو دل شناخت سر رشته، گشت معلومش — که دم بدم بکف آورده و رها کردست

انسان عالم اکبر ہے،

از کتابے که نقش خاتمه ام — لوح محفوظ نخستین ورق ست

سالک کو طلب چاہیے، تقاضا نہین،

زبان به بند و نظر باز کن که منع کلیم — کنایت از ادب آموزی تقاضائیست

یعنی آنکھین کھولو، اور زبان بند کرو کیونکہ کلیم کو جو منع کیا تھا تو یہ بتاناتھا کہ ادب ملحوظ رکھنا چاہیے
حصول معرفت کے لیے وہم اور شکوک کی جولانیان مفید نہین، بلکہ سکون اور صبر درکار ہے

چندان که دست و پا زدم آشفته تر شدم — ساکن شدم میانهٔ دریا کنار شد

تہ رسی اور غور کی ترغیب،

سیر مایۂ آسایش ست بلای شراب — بگو کہ صاف کشان جرعۂ زتہ گیرند

بھٹ
لوگ نیک و بدمین تمیز نہین کرسکتے،

بظلمت ست، کہ بینندگان نمی دانند — کہ شب چراغ ستانند یا شبہہ گیرند
پوتھ

کسی قوم کی ترقی کے یہ معنی ہین کہ دوسری قوم نے تنزل کیا ہو،

زمانہ گلشنِ عیش کرا؟ بہ یغما داد — کہ گُل بدامنِ ما دستہ دستہ می آید

چونکہ مذہب کا مقصد زیادہ تر جمہور عام کی ہدایت کرنا ہوتا ہو، اسلیے مذہبی لائل اکثر فلسفیانہ نہین ہوتے، بلکہ خطابیات اور عام فہم ہوتے ہین، جن لوگوں کی فطرت مین خدانے مذہبی میلان رکھا ہو انکو انہین دلائل سے تشفی ہو جاتی ہے، لیکن جنکو مذہب کا درد نہین اُنکو فوراً نظر آجاتا ہو کہ یہ دلائل قطعی نہین، بلکہ عام پسند ہین اس بنا پر ان لوگونکو ناز ہوتا ہے کہ ہم کسقدر حقیقت شناس ہین، عرفی کہتا ہو کہ یہ ناز کی بات نہین بلکہ مذہبی بیدردی کی دلیل ہو، اسکو یون ادا کرتا ہے

زنقصِ تشنہ لبی دان، بعقل خویش مناز — دلت فریب گراز جلوہ سراب نہ خورد

سراب اُس ریتے کو کہتے ہین جو دور سے پانی کی طرح نظر آتا ہو، شعر کا مطلب یہ ہو، کہ فرض کرو تمھارا گذر سراب پر ہوا، اور تم نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ سراب ہو، پانی نہین، تو تم اپنی عقل پر ناز نکرو، بلکہ یہ سمجھو کہ تم پیاسے نہ تھے، ورنہ اگر پیاس کا غلبہ ہوتا تو قطعاً سراب پانی نظر آتا، سراب کی تشبیہ شاعر نے علی سبیل التنزل دی ہو، ورنہ یہ ظاہر ہو کہ مذہبی دلائل سراب نہین ہوتے،

عام لوگ سمجھ نہین رکھتے ورنہ عرفا کنایون مین سب کچھ کہہ جاتے ہین،

گو کہ نکتہ سرایان عشق خاموش اند   کہ حرف نازک اصحاب پنبہ در گوش اند

کفر اور دین، دونون اپنی گرم بازاری کے لیے لوگون کو لڑواتے ہین،

کفر و دین را ببر از یاد کہ این فتنہ گران   در بد آموزی ما مصلحت اندیش ہم اند

تعلق، ہر قسم کا حجاب پیدا کرتا ہے،

گر تعلق نیست اسباب جہان گرد و باش   صد ہزاران پردہ پیش رہ و حائل یکی ست

اخلاق عرفی نے اخلاق کے اکثر مسائل بیان کیے ہین، لیکن وہ صرف اُن اخلاقی اوصاف کو لیتا ہے جو عزت نفس اور علو حوصلہ سے تعلق رکھتے ہین، یہان تک کہ اگر یہ اوصاف غرور و نخوت کی حد تک بھی پہونچ جائین تو اُس کے نزدیک اُن اوصاف سے بہتر ہین جن کی سرحد پست ہمتی سے ملجاتی ہے۔ مثلاً تواضع، انکسار، فروتنی، توکل، قناعت وغیرہ وغیرہ، اس بنا پر کہتا ہے،

کفران نعمت گلہ مندان بے ادب   در کیش من ناشکر گدایانہ بہتر ست

وہ اعمال نیک کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس لیے نہین کہ دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہین، بلکہ اسلیے کہ گناہگار نادم ہوتا ہے، اور بسا اوقات ندامت نجات کا باعث ہوجاتی ہے، اس لیے وہ مفت خواری کی نجات کو، عالی حوصلگی کے خلاف سمجھتا ہے،

بضاعتے بکف آور کہ ترسمت، فردا   بجوے فشانی پیشانی حیا بخشند

یعنی عمل کا سرمایہ جمع کرو، ایسا نہو کہ تم کو قیامت مین اسلیے بخشدین کہ تمھاری پیشانی سے

ندامت کا پسینہ ٹپکا تھا،

اس سے زیادہ صاف اور واضح کہتا ہے،

گرفتم آن کہ بہشتم دہند بے طاعت　　　قبول کردن و رفتن نہ شرط انصاف ست

یعنی یہ مان لیا کہ مجھ کو بہشت بغیر عمل کے مل جائے گی، لیکن اسکو قبول کرنا انصاف کے خلاف ہے،

وہ عالی حوصلگی کا یہ نمونہ پیش کرتا ہی کہ مخالف، گو ہماری غلطی کو صحیح سمجھ لے، تاہم ہمکو مطمئن نہین ہونا چاہیئے،

رُستم ز مدعی بقبول غلط دلے　　　در تابم از شکنجہ طبع سلیم خویش

وہ یہ سکھلاتا ہی کہ گفتگو اور مباحثہ کی معرکہ آرائیون مین فتح حاصل کرو، لیکن اس طرح کہ فریق مقابل کا دل نہ دکھنے پائے،

زخمہا برداشتیم و فتح ہا کردیم لیک　　　ہرگز از خون کسے رنگین نشد دامان ما

وہ تجرد، صحرا نوردی، ترک لباس کو ریا کا شائبہ بتاتا ہے،

مرو بادیہ گردی کہ زرق و شیدی ست　　　برہنگی مطلب کان لباس رعنائی ست

وہ سکھاتا ہی کہ اپنے آپ کو عزیز الوجود نہ سمجھو، دنیا کا کارخانہ تم پر بند نہین،

گمان مبر کہ تو چون بگذری جہان بگذشت　　　ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست

وہ بتاتا ہی کہ اگر اپنا عیب دیکھنا چاہو تو اپنے آپکو خود اپنا دشمن اور منافق دشمن بنا کر دیکھو

خواہی کہ عیب ہاے تو روشن شود ترا　　　یک دم منافقانہ نشین در کمین خویش

منافق اُسکو کہتے ہین، جسکے دل مین مخالفت ہو اور زبان سے دوستی کا اظہار
کرتا ہو، شعر کا مطلب یہ ہو کہ اگر اپنے عیب سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اُسکی ترکیب
کہ اپنے آپ کو ایک الگ شخص فرض کر دو اور اُس سے بظاہر دوستی کا اظہار کرو، چونکہ انسان
اپنے دوست سے کسی بات کا پردہ نہین رکھتا اسلیے وہ شخص اپنے تمام راز تمھارے
کھول کر رکھدے گا اس طرح تمام عیب ظاہر ہو جائین گے،

وہ کہتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے روحانی اخلاق ایک کافر کے اخلاق سے بالاتر
نہین، تو اُسکے اسلام کو کفر پر کوئی ترجیح نہین،

رفتم بہ بت شکستن وہنگام بازگشت — با برہمن گر مداستم از شرم دینِ خویش

ر... و علانیہ دکھایا کہ جو لوگ خود آلودہ ہین اُنکی
اسنے ندامت ...
نصیحت کچھ اثر نہین کرسکتی،

وعظِ من گرد فشانندہ عصیان نشود — آستینِ شکر آلود مگس ران نشود

وہ کہتا ہے کہ ریاکاری اس قدر عام ہو گئی ہو کہ کھلے ہوئے رندون پر بھی اعتماد نہین!

از صدق اہل بُت کدہ ہم اعتماد رفت — از بس کہ اہل صومعہ تزویر می کنند

زاہد اور برہمن مین اسکے نزدیک جو فرق ہو وہ یہ ہے،

کافر تر است زاہد از برہمن، ولیکن — او را بُت است در سر، در آستین ندارد

یعنی زاہد برہمن سے بھی زیادہ کافر ہو، فرق یہ ہو کہ زاہد کے ہاتھ مین بت نہین ہے
بلکہ سر مین ہے،

آزادی اور خود مختاری کا وہ اس قدر شیفتہ ہو کہ اگر کوئی شخص نام کو بھی آزاد ہو تو اس کے نزدیک رشک کے قابل ہی،

سد تہمت آزادی سروم بگداخت   کین مرا شے ست کہ بر تہمتِ آن ہم حسدست

سرو کو شعرا، آزاد باندھتے ہین، عرفی کہتا ہو کہ گویہ تہمت ہو لیکن مین اسپر بھی رشک کرتا ہون، کیونکہ آزادی وہ نعمت ہو کہ جھوٹون بھی کوئی شخص آزاد کہلائے تو رشک کے قابل ہے،

وہ سکھلاتا ہے کہ اصلی لذت اور آرام، روحانی لذت اور آرام ہو، اور یہ حاصل ہو تو ظاہری تکلیفات سے مطلقًا متاثر ہونا نہین چاہیے،

معشوق درمیانۂ جان مدعی کجاست   گل از دماغ می دمد آسیب خار چیست

وہ ہر بات مین میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے، اور اس مضمون کو اس لطیف پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

راہ و خضر عنان گیر باید از چپ و راست   کہ کج روی نہ کنم ورنہ عزم راہِ خطاست

امام شہر ز سر جوشِ خم نہ پرہیزد   نزاع بر سر تہ شیشہ ہای ناصاف ست

یعنی مال حرام، اگر بھر پور ملے تو امام شہر کو دریغ نہو، یہ جو انکار ہو اس لحاظ سے ہے اُس کی مقدار تھوڑی ہے،

علو نفس، بلند ہمتی، اور حوصلہ مندی کے خیالات، جو عمومًا شاعری مین نہایت کم تھی، عرفی نے کثرت سے ادا کیے، چونکہ خود نہایت غیور اور عالی حوصلہ تھا، اسلیے وہ عادات

اور اخلاق جو بظاہر علو نفس کے خلاف نہ تھے، لیکن در اصل ان کی بنیاد دنارت پر تھی، اُن کی تہ تک اُسکی نگاہ پہونچتی تھی، مثلاً تمام ایشیا مین حاتم کی فیاضی و سخاوت کے چرچے پھیلے ہوئے ہین، اور تمام لوگ اُس کی فیاضی کے افسانون کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہین، یہ امر بظاہر کوئی بُری بات نہین بلکہ سچی قدردانی کی دلیل ہی، لیکن حقیقت یہ ہو کہ چونکہ ایشیا مین اکثر مُفت خواری کا طریقہ جاری رہا، یعنی لوگ سلاطین اور امرا سے مفت کے صلے اور انعامات حاصل کرتے تھے، اسلیے اس قسم کی فیاضیون کی نہایت مدح سرائی کرتے تھے، عرفی نے دیکھا کہ اس قدردانی کی تہ مین اس مُفت خواری کا اثر ہو اس لیے کہتا ہو،

بیا بہ ملک قناعت کہ درد سر نہ کشی — زقصہ ہا کہ ہمت فروش بستند

یعنی اگر قناعت اختیار کرلو تو تم کو ان کہانیون مین کچھ مزہ نہ آئے گا جو حاتم طائی کیطرف منسوب ہین،

اس سے زیادہ صاف کہتا ہے،

کفرانِ نعمتِ گلہ مندان بے ادب — درکیش من زشکر گدایانہ بہتر ست

یعنی مین کفران نعمت کو بھی گدایانہ شکر گزاری سے زیادہ پسند کرتا ہون،

زمانہ کے ہاتھ سے مجبور ہو کر معمولی چیز کی خواہش کرتا ہو، اسپر خود اسکو افسوس آتا ہو اور کہتا ہو

کشادم دام بر گنجشک و شادم یاد آن ہمت — کہ گر سیمرغ می آمد بدام آزاد می کردم

یعنی اب تو مین گنجشک پر جال ڈالتا ہون اور اسی پر راضی ہون، لیکن ایک وہ بھی وقت تھا کہ سیمرغ جال مین پھنسا ہو اور مین نے چھوڑ دیا ہو،

بساطے کاندر وطرح دو عالم می توان کردن | بدست آوردہ ام اندازۂ وپر کارمی باید
گر فتم آن کہ بہشتم دہند بے طاعت | قبول کردن ورفتن نہ شرط انصاف ست
وقتِ عرفیؔ خوش کہ نکشود ند اگر در بر رخش | بر درِ نکشودہ ساکن شد در دیگر نہ زد

عاشقانہ جذبات و خیالات مین بھی اس کی عالی حوصلگی نہین جاتی،

من ازین درد گرانبار چہ لذت یابم | کہ بہ اندازۂ آن صبر و ثباتم دادند

یعنی اس غم سے مجھکو کیا لذت ملسکتی ہو جبکہ اسکی برابر مجھکو صبر و استقلال بھی عنایت ہوا ہے
تذکرۂ سرخوش مین لکھا ہو کہ "ناصر علی اس شعر کو زیادہ پسند کرتا تھا"، اگر یہ صحیح ہو تو ناصر علی
کی اس بد مذاقی کا کفارہ ہو گیا جو اُسنے نظامی اور ظہوری کے موازنہ مین ظاہر کی تھی؛

بادہ خواہی باش تا از خونِ دل بیرون دہم | این کہ در جام و سبو دارم مہیا آتش ست
ہم سمندر[1] باش و ہم ماہی کہ در جیحون عشق | روی دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست
عشق اگر مردست مرشے تاب بیدار آورد | ورنہ چون موسی بسے آورد بسیار آورد
دہ عنان تعلق بحسن ہر ذرہ | بر آر دستی و بردوش آفتاب انداز
نہ بزم آسمان و یکے ذرہ در سماع | دان ہم بکام دل نفشاند آستینِ خویش

یعنی آسمان کی نو مجلسون مین ایک ذرہ (انسان) وجد کر رہا تھا لیکن ان مجلسونکی
مجموعی فضا مین بھی یہ وسعت نہ تھی کہ وہ ذرہ ہاتھ پھیلا کر ناچ سکتا،

---

[1] عوام کے اعتقاد مین ایک کیڑا ہے جو آگ مین پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی مین زندہ رہتا ہے،

نظیری نیشاپوری

محمد حسین نام، نظیری تخلص، اور نیشاپور وطن تھا، شاعری کا ابتدا سے شوق تھا اور ابتدائے مشق ہی سے شہرت ہو چلی تھی، خراسان مین جب اسکی شاعری مسلم ہو چکی تو کاشان مین آیا، یہان حاتم، فہمی، مقصود خردہ، شجاع، رضائی، شاعری مین اُستاد تسلیم کیے جاتے تھے، اُنکے مشاعرون مین جو طرحین ہوتی تہین، نظیری بھی اُن مین طبع آزمائی کرتا تھا، اسی اثنا مین ایک قدیم غزل طرح ہوئی، جاے تو باشد، ایاے تو باشد، نظیری نے غزل لکھی،

فلک مزدور ایلاے تو باشد   نوازد ہر کرا راے تو باشد

"جاے" کا قافیہ، اُستادون کی غزل مین اس پہلو سے بندھ چکا تھا کہ اسکا جواب نہین ہوسکتا تھا، مثلاً

دو عالم را بیک بار از دلِ تنگ   برون کردیم تا جاے تو باشد

نظیری نے اس پامال قافیہ کو بالکل نئے پہلو سے باندھا،

نیاز ارم ز خود ہرگز دلے را   کہ می ترسم درو جاے تو باشد

اسی قافیہ مین ایک اور اُستاد کا شعر یاد آیا،

له شعراے مذکور کا مشاعرہ اور غزل کا یہ شعر مآثر رحیمی مین نقل کیا ہے،

جہانے مختصر خواہم کہ در وے | ہمین جاے من وجاے ترباشد

اس زمانہ مین عبدالرحیم خانخانان کی فیاضیون کا شہرہ دور دور پھیل چکا تھا نظیری نے اسکے دربار کا قصد کیا، اور آگرہ مین خانخانان سے ملا، چنانچہ جو قصیدہ اس موقع پر لکھا وہ جو دیوان مین موجود ہی، اس کا عنوان یہ لکھا ہی،

این قصیدہ در مدح صاحبیم ابوالفتح بہادر عبدالرحیم خانخانان بن بیرم خان ہنگامیکہ بایلغار از گجرات بدارالسلطنت آگرہ آمدہ بودند و اول مداحی و ملازمت این جا کردہ بود گفتہ شد،

غالبًا یہ سنہ ۹۹۲ہجری ہوگا کیونکہ اسی سنہ مین خانخانان گجرات سے آگرہ گیا ہی، اور مظفر گجراتی کے شکست دینے کے صلہ مین، اسکو خانخانان کا خطاب ملا ہی،

غالبًا خانخانان ہی کی تقریب کرنے سے اکبر کے دربار تک رسائی ہوئی اوّل اوّل جب وہ دربار مین پہونچا ہی تو جہانگیر کے بیٹے پیدا ہونے کا جشن تھا، نظیری نے جو قصیدہ اس موقع پر پیش کیا ہی، اسکے عنوان مین صرف اسی قدر لکھا ہی نام کی تصریح نہین کی قرائن سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ خسرو کی ولادت کا جشن ہوگا جو سنہ ۹۹۵ہجری مین پیدا ہوا تھا، اس قصیدہ سے ثابت ہوتا ہی کہ نظیری کے بہت سے حاسد پیدا ہوگئے تھے جو اس کی رسائی مین خلل انداز ہوتے تھے چنانچہ خاتمہ مین کہتا ہے،

جماعتے ز سفیہان تیرہ طبع دنی | مدام در پیش افتادہ اند ہجو و بال
ز بے تمیزی این ناقدان کم مایہ | گہر بقدر خزف گشتہ زر بسرخ سفال

سزد کہ اخترِ نظم مرا بیک ساعت　　　توجہ تو برون آرد از ہبوط وبال

اکبر کی مدح مین اسنے وقتاً فوقتاً اور بھی قصیدے لکھے، اور غالباً مقبول بھی ہوئے لیکن دربار مین اسکو کوئی خاص امتیاز نہین حاصل ہوا، اسلیے اسنے اپنا مستقل تعلق خانخانان کے دربار سے قائم رکھا اور احمد آباد گجرات مین سکونت اختیار کی، چند برس کے بعد حج کا ارادہ کیا اور اس تقریب مین ایک قصیدہ لکھکر خانخانان کی خدمت مین پیش کیا جسکا مطلع یہ ہے،

زہنر بخود نگنجم چو بہ خم مے مُعانی　　　بدر دلباس بر تن چو بجو شدم معانی

اسمین شاعرانہ طریقہ سے مصارف سفر کی درخواست کی،

ہمہ عیش این جہانی بعنایتِ تو دیدم　　　چہ عجب اگر بیابم ز تو زاد آنجہانی

خانخانان نے سفر کا سامان کر دیا، چنانچہ سورت سے جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظمہ کو روانہ[۱] ہوا، راستہ مین بدوون نے لوٹ لیا تاہم اسنے حج اور زیارت دونون حاصل کی،

مآثر رحیمی مین نظیری کا سفر ۱۰۱۲ھ ہجری مین لکھا ہے لیکن یہ سخت تعجب کی بات ہے، نظیری کے دیوان مین ایک قصیدہ سلطان مراد (ابن اکبر شاہ) کی مدح مین ہے، اسکے عنوان مین خود نظیری لکھتا ہے،

این قصیدہ نیز بعد از معاودت مکہ معظمہ بہ احمد آباد گجرات در مدح شاہزادہ ہمایون نژاد شاہ مراد گفتہ شد،

یہ مسلم ہے کہ مراد ۱۰۰۸ھ ہجری مین مرا ہے اس لیے نظیری کا سفر حج ۱۰۱۲ھ ہجری مین محال ہے،

---

[۱] مآثر رحیمی،

زیادہ تعجب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مآثر رحیمی کا مصنف نظیری کا ہمعصر اور اُس کا خواجہ تاش
ہے قیاس یہ ہے کہ نظیری نے ۱۰۰۲ہجری مین حج کیا ہے، علاوہ اور قرائن کے ایک قرینہ یہ ہے (٧)
کہ خان اعظم میرزا کوکہ (اکبر کا رضاعی بھائی) نے اسی سال مین حج کا سفر کیا تھا، اور نظیری
کے دیوان مین ایک قصیدہ خان اعظم کی مدح مین ہے جسکا عنوان یہ ہے،

این قصیدہ در راہ مکہ مکرمہ بعد از غارتِ سارقان و حرامیان مُذیّل بمدح نواب
محمد عزیز اعظم خان منظوم شد،

اس قصیدہ مین اپنی حالت بیان کر کے درخواست کی ہے کہ میری زادِ راہ کا
سامان کر دیا جائے،

به گوشهٔ نظر التفات، محتاجم — بزاری که توان کشتنم به نیم نگاه
زبے بضاعتی خود چنان هراسانم — که بهر توشهٔ ره باز گردم از ارگاه
بسیل مرحمت از خاکِ ذلتم بردار — که هیچو غلبهٔ عطشان فتاده‌ام براه

حج سے واپس آکر اسنے مراد کے دربار مین رسائی حاصل کی، اکبر نے شہزادہ مراد کو
دکن کی مہم پر بھیجا تھا، وہ اِن اطراف مین فوجین لیے ہوئے پڑا تھا نظیری چلتا پھرتا اس طرف
جا نکلا، دربار مین جانا چاہتا تھا کہ راہ مین ایک قدر دان سخن کی نظر پڑ گئی، اسنے بڑھ کر کہا کہ
خوب موقع پر آئے، نوروز کا جشن ہے، قصیدہ لکھ کر پیش کیجیے، خود جا کر شاہزادہ سے
تقریب کی، چوبدار آکر لوا گیا، دربار مین سجدہ بجا لانے کا دستور تھا، لیکن دربار کی شان
و شوکت دیکھ کر نظیری کے حواس جاتے رہے، اس لیے آداب اور آئین سب بھول گیا

نقیبون نے بازپرس کی تو جواب دیا کہ مین نے آجتک یہ شان و شوکت نہین دیکھی تھی، اسلیے حواس ٹھکانے نہ رہے، یہ تمام واقعات نظیری نے خود قصیدۂ مدحیہ مین لکھے ہین، موقع کے خاص خاص اشعار ہم نقل کرتے ہین،

ز دان بساط کہ برخود مرا شعور نبود | ز دور دیدۂ دانائے بمن افتاد
بمہر گفت کہ ای زیب بخش مجمع انس | بیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد
بساط مجلس و آئین جشن فروردی ست | تو نیز جلوۂ آئین نظم خواہی داد
ہمین و دیدہ و بگفت و ہنوز پیدا بود | کہ شد غریو کزین قطرہ گرد دریا یاد
چنان بپایۂ دولت قدم شتابندہ | کہ چند بار سرم در مقام پا افتاد
زبس کہ تیز بہ آن بارگاہ در رفتم | ادب ز پایۂ خود پای برفراز نہاد
ز دلفریبی آئین و فر سلطانی | بگاہ تہنیتم رسم سجدہ رفت از یاد
چو خوب رسم ادب را بجا نیاوردم | ندا رسید کہ اے روستائے مادرزاد
بساط عرش و تکبر ترا چہ پیش آمد | حریم کعبہ و غفلت ترا چہ حال افتاد
جواب دادم و گفتم بجرم معذورم | کہ تا منم چنین دولتے نگشتم شاد

سنہ ١٠١٤ ہجری مین اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت پر بیٹھا، وہ نہایت سخن شناس اور صاحب ذوق تھا، نظیری کا شہرہ سنکر دربار مین طلب کیا، چنانچہ سنہ ٥ تخت نشینی (٥) مطابق سنہ ١٠١٩ ہجری مین نظیری، دربار مین حاضر ہوا اور انوری کے قصیدہ پر قصیدہ لکھکر پیش کیا، جہانگیر خود تزک مین اس واقعہ کو لکھتا ہے۔

نظیری نیشاپوری که درفن شعروشاعری از مردم قرار داده بود ودرگجرات بعنوان تجارت بسرمی برد قبل ازین طلبیده بودم درین ولا آمده ملازمت کرد قصیدهٔ انوری راکه

ع، بازاین چه جوانی وجمال ست جهان را

تتبع نموده قصیده بجهت من گفته بود گذرانید، هزار روپیه واسپ وخلعت بصله این قصیده بدو مرحمت نمودم،

نظیری نے قصیدہ مین دربار کی رسائی کی پوری تفصیل لکھی ہے،

ناگاه درآمد زدرم بانگ که گویند — فرمانِ طلب آمده از شاه فلان را

بے کفش وعمامه بدر از خانه دویدم — نے کرده قبا دربر ونی بسته میان را

تاحاکمِ دیوان ونایب بُرد رسولم — دیدم همه جا قرده دهان قمرده سان را

اصحاب، چنان مصحف از اصحاب ستانند — بگرفتم از احباب به تعظیم نشان را

یعنی جس طرح لوگ قرآن تعظیم سے لیتے ہیں، اسی طرح مین نے بادشاہ کا خط تعظیم سے ہاتھوں لیا،

بوسیدم وبر فرق به تسلیم نهادم — بکشادم وبر ناصیه سودم رخ آن را

می دیدم ومی سودم از ان سرمه نظر را — برخواندم ولیسیدم از ان شهد دهان را

فی الحال دو دیدم ز پے مرکب سامان — کردم زهمه روی وداع اهل مکان را

امروز سه ماه است که پویان سراغم — گلشن به وداع وبه بغل حاصل کان را

چون بحر تو در جزر و مد شیر شکاری — چون گنج روان من بطلب گنج روان را

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے فرمان طلبی کے بعد تین مہینے نظیری کو دوڑ دھوپ مین گذرے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر شکار مین مصروف تھا،

یہ وہ زمانہ ہی جب نظیری تارک الدنیا ہوچکا تھا لیکن غلامی اور طماعی کی جو عادت راسخ ہوچکی تھی اسکا اقتضا یہ تھا کہ تین مہینے تک خاک چھانتا پھرا، اور شاہی فرمان کو قرآن سے تشبیہ دی،

جہانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتابہ کی فرمایش کی؛ اُس نے یہ غزل لکھ کر پیش کی،

اے خاک درت صندل سر گشتہ سران را ‏ ‏ ‏ ‏ باد افسرہ، جاروب رہت، تاجوران را

جہانگیر نے اسکے صلہ مین تین ہزار بیگہ زمین انعام مین دی،

گلزار ابرار[۲] مین لکھا ہی کہ نظیری نے مرنے سے بارہ برس پہلے ترک دنیا کرکے گوشہ عزلت اختیار کیا، نظیری سنہ ۱۰۲۱ ہجری مین مرا ہے، اس لیے سنہ ۱۰۰۹ ہجری مین وہ گوشہ نشین ہوا ہے، دو تین قصیدون کے شان نزول مین اسنے خود بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن امراء کی مداحی اس حالت مین بھی جاری تھی، چنانچہ یہ قصیدہ بھی اسی زمانہ کا ہے،

چندے بہ غلط بتکدہ کردیم حرم را ‏ ‏ ‏ ‏ وقتست کہ از کعبہ بر آریم صنم را

اخیر مین اسکو علوم دینیہ کی تحصیل کا شوق ہوا سنہ ۱۰۱۲ ہجری مین جب وہ خانخانان کی ہمرکابی مین دکن گیا ہی، تو راہ مین مندو سے گذرا، یہان شیخ غوثی مندوی سے ملاقات ہوئی

---

۱ سرو آزاد، اور ید بیضا، ۲ نسخہ موجودہ کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی،

نیسی، شریف کاشی، کافی سبزواری، ملابقائی وغیرہ بھی اس سفر مین ساتھ تھے، نظیری کو جب دینیات کا شوق ہوا، تو انہین شیخ غوثی سے پہلے عربیت کی تحصیل کی، پھر مولانا حسین جوہری سے تفسیر اور حدیث پڑھی[1]،

سنہ ۱۰۲۰ ہجری مین گجرات سے آگرہ مین آیا اور خانخانان کو اپنا دیوان حوالہ کرکے پھر گجرات واپس گیا[2]۔

سنہ ۱۰۲۳ ہجری مین بہ مقام احمد آباد گجرات وفات پائی، مکان کے قریب ایک مسجد بنوائی تھی، اسی مین دفن ہوا، یہ مآثر رحیمی کی روایت ہے ورنہ اور تمام تذکرون مین سال وفات سنہ ۱۰۲۲ ہجری یا سنہ ۱۰۲۱ ہجری لکھا ہے،

نظیری کی قبر جس محلہ مین ہے اسکا نام تاجپورہ ہے، قبر پر ایک گنبد بھی ہے،

عام حالات اور اخلاق وعادات

نظیری نے اگرچہ بہت سے دربارون کی آستان بوسی کی لیکن اسکا اصلی تعلق خانخانان کے دربار سے تھا، خانخانان کو خان اعظم کوکہ (اکبر کا رضاعی بھائی) کی بہن بیاہی تھی، اس تعلق سے خان اعظم کی مدحی بھی کی ہے، اور باقی اکبر اور جہانگیر اور مراد تو حکمران وقت تھے، انکی مداحی نکرتا تو کیا کرتا، معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ مراد سے اسکو دلی محبت تھی، شہزادہ موصوف کا جو مرثیہ لکھا ہے، اُس مین دلی جذبات نظر آتے ہین،

شہزادہ مراد سے محبت

اے بزم تیرہ، رخ چون ارغوان کجاست ... وے رزم ادرسی، شہ گیتی ستان کُجاست

[1] گلزار ابرار وخزانہ عامرہ تذکرہ شکیبی، [2] مآثر رحیمی،

شوق سجود و حرمت تعظیم کمتر ست — آن نازِ صدر و سرکشیِ آستان کجاست
برگ و شگوفه ریخت ثمر از کجا خورم — بشکست شاخ برگ مرا آشیان کجاست
کس را سرود در خور این تعزیت نبود — پیدا کنید کا دل این داستان کجاست
خلقی به شیون اند و نگویند حال چیست — صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجاست

آفاق در مصیبت او ممتحن شده
این مرگ باعث الم مرد و زن شده

غم خاست و در پیالۂ ی از ساغر افگنید — شد بزم تیره، پرده ازان رخ بر افگنید
شمعی که دهر روشن از و بود مرده است — پروانه را بر و بجا گستر افگنید
در بزم او ز حلقهٔ ماتم هجرام نیست — این حلقه را ز صحن سرا بر در افگنید
ریحانِ جلوه، یاسمن عشوه، ریخته — چینید و هم بران قدِ جان پرور افگنید
رفت آن سرے که تاج باو سرفراز بود — بر سر کنید خاک ز کلاه از سر افگنید

خیزید تا به آن سرِ تابوت دم زنیم
عرضی کنیم و کار و داعش بهم زنیم

خانخانان کے دربار مین جسقدر شعرا تھے، یعنی عرفی، شکیبی، انیسی وغیرہ سب سے مرکے رہتے تھے، ایک دفعہ خانخانان نے انیسی کو ایک خط لکھا جسکے حاشیہ پر نظیری کو بھی سلام لکھا تھا، نظیری کو نہایت ناگوار ہوا، ایک قصیدہ لکھا جس مین شکایت کا اسطرح اظہار کیا، [۱]

---

[۱] ماثر رحیمی،

قدسے وو سہ مخصوص دِل مانکشیدے | مخدومم، چنین یاد نہ کرد دست خدم را
مانامِ خود از حاشیہ خسیتم گزین بیش | نہان طفیلی نتوان بود قلم را

لاکھ روپیہ کا انعام

ایک دفعہ نظیری نے خانخانان سے کہا کہ لاکھ روپے کا ڈھیر لگایا جائے تو کس قدر ہوگا؟ مین نے کبھی نہین دیکھا، خانخانان نے لاکھ روپے منگوا کر سامنے رکھوا دیے، نظیری نے کہا خدا کا شکر ہے آپ کی بدولت مین نے لاکھ روپے تو دیکھ لیے، خانخانان نے روپے اس کے گھر بھجوا دیے،

تجارت و صنعت

نظیری کو زرگری مین کمال تھا، اسکے ساتھ تجارت بھی کرتا تھا، شاعری کی فتوحات الگ تھی، اس بنا پر امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور اُمرا مین اسکا شمار ہوتا تھا، لیکن مزاج مین عجز کی آن بان نہ تھی، اس لیے مرتے مرتے بھی مداحی کا شغل نہ چھوٹا،

مذہبی تعلیم

بخلاف اور شعرا کے مذہب مین سخت تھا، اکبر کے دربار مین جن آزادانہ خیالات کے چرچے رہتے تھے، اُن سے بہت جلتا تھا، شاہزادہ مراد کی مدح مین جو قصیدہ لکھا ہے اُسمین اسکا خاص ذکر کیا ہے، اور ابوالفضل یا مبارک کا نام بھی کنایۃً لیا ہے،

طبیعتِ ہمہ ابنائے دہر ملحد شد | ز دے ز فطنتِ تو برطرف فساد الحاد
اگرچہ فضلۂ از فاضلان حالِ دہر | بہ طمعِ جاہ و غنا کرد، مذہبے ایجاد
پس از حصولِ مرادات حالِ آن ناکام | مثلِ چو باغ گشت و حسرت شداد

سفرِ حج جس ذوق شوق سے کیا ہے اس سے بھی اسکے مذہبی جوش کا اندازہ ہوتا ہے،

لہ مآثر الامرا تذکرۂ خانخانان و خزانۂ عامرہ،

جہانگیر اور شاہ عباس صفوی دونون نے تنباکو کے استعمال کو منع کرادیا تھا لیکن ع

چھٹتی نہین ہو منھ سے یہ کافر لگی ہوئی ‌ ‌ لوگ باز نہین آتے تھے، نظیری بھی

اسکا جان دادہ تھا، چنانچہ تنباکو کی تعریف مین ایک غزل لکھی جو دیوان مین موجود ہی،

تنباکو کی تعریف

سنبل تنباکو سے نہ آتش زحسارہٗ ‌ ‌ دل بوے خامہ می دہد بے داغ آتش پارہٗ

درنخل تنباکو نگر صوفی شدہ باز آمدہ ‌ ‌ در کوے خود سرگشتۂ در شہرِ خود آوارۂ

چون بید مجنون ہر طرف افگندہ از سر طرۂ ‌ ‌ چون دلقِ سالک ہر کجا افگندہ از بر پارہ

پوری غزل تنباکو کی تعریف مین ہے،

اس زمانہ مین نظیر نام ایک شاعر تھا، نظیری نے اُسکو لکھا کہ اپنا تخلص بدل دے تاکہ دونون تخلصون مین اشتباہ نہو، چونکہ نظیری دراصل نظیر سے ماخوذ ہی صرف ایک حرف زائدہے اسلیے سرقہ کا الزام نظیری ہی پر عائد ہوسکتا تھا، نظیری نے دس ہزار روپے دیکر یہ حرف زائد (ی) خریدا، اور نظیر نے اپنا تخلص بدل دیا،[۲]

شعرا مین سے خاص جن لوگون سے نظیری کے معرکے رہتے تھے، عرفی، ظہوری، اور ملک قمی تھے عرفی نے تو نظیری کو قابل خطاب نہین سمجھا، لیکن نظیری نے اُسکے مرے پیچھے قصیدہ مین اسکو گالیان سُنائین، چنانچہ عرفی کے حال مین ہم نے وہ اشعار نقل کردیے ہین، ظہوری اور قمی نے ۱۰۲۰ھ ہجری مین نظیری کے پاس اپنے دیوان بھیجے اور نظیری نے ایک ایک غزل کا جواب لکھا یہ اوحدی کا بیان ہی (ماخوذ از عرفات)

---

[۱] آثر رحیمی، [۲] سرو آزاد اور ید بیضا،

لیکن اس مین کسی قدر مبالغہ معلوم ہوتا ہے، نظیری اس زمانہ کے دو ہی ایک سال کے بعد مرا ہے، اس لیے اتنے کم زمانہ مین ظہوری اور قمی کی ہزارون غزلون کا جواب کیونکر لکھ سکتا تھا،

نظیری کی خصوصیات ۱۔ تمدن جب ترقی کرتا ہے تو ہر چیز مین نئے نئے تکلفات پیدا ہوتے ہین، اور اُنکے لیے جدت پسند صناع نئے نئے سامان پیدا کرتے ہین، یا تو جس طرح مادی چیزون پر عمل کرتا ہے، غیر مادی اشیا یعنی خیالات، جذبات، محبت، راز و نیاز، سوز و گداز سب چیزون پر عمل کرتا ہے، مثلاً ابتداے تمدن مین معشوق کے صرف رنگ روپ اور مناسب اعضا کا خیال آیا، اور اُسکے لیے حسن ایک عام لفظ ایجاد کیا گیا، لیکن جب رنگین طبعی اور نکتہ سنجی زیادہ بڑھی تو معشوق کی ایک ایک ادا الگ الگ نظر آئی اور وسعت زبان نے اُنکے مقابلہ مین نئے نئے الفاظ مثلاً کرشمہ، غمزہ، ناز، ادا وغیرہ وغیرہ تراشے، اس قسم کے الفاظ اور ترکیبین جدت پسند طبیعتین ایجاد کرتی ہین، اور یہی طبیعتین ہین جنکو اس شریعت کا پیغمبر کہنا چاہیے، ان الفاظ کی بدولت آیندہ نسلون کو سیکڑون، ہزارون خیالات اور جذبات کے ادا کرنے کا سامان ہاتھ آجاتا ہے نظیری اس شریعت کا اولوالعزم پیغمبر ہے، اُسنے سیکڑون نئے الفاظ اور سیکڑون نئی ترکیبین ایجاد کین، یہ الفاظ پہلے سے موجود تھے، لیکن جس موقع پر اسنے کام لیا، یا جس انداز سے اُن کو برتا، شاید پہلے اس طرح برتے نہین گئے تھے، مثلاً

از کف نمی دہد دل آسان ربودہ را — دیدیم زور بازوی ناآزمودہ را

آسان ربودہ کی ترکیب نئی ہے اور اس سے ایک وسیع خیال ادا ہو گیا، دوسرے

مصرع مین زود، بازد، ناآزمودہ، سب مستعمل الفاظ ہین لیکن ان سے نئی طرح سے کام لیا ہی کہنا یہ تھا کہ معشوق کم سن ہی اور اسکو کسی طرح کا تجربہ نہین تاہم جس شخص کا دل ایک دفعہ اُسکے ہاتھ آجاتا ہے پھر اُسکے پنجہ سے چھوٹ نہین سکتا، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہی کہ مین نے دیکھا کہ ایک ناآزمودہ بازدین کس قدر زود رس ہے،

تا منفعل زرنجش بیجا نسازمش　　　نی آرم اعتراف، گناہ نبودہ را

بہ خوش ستا از دو یکدل سر حرف باز کردن　　　سخن گذشتہ گفتن گلہ دراز کردن

ز عتاب بردن، ز دل ہم اندک اندک　　　بہ بدیہہ آفریدن بہ بہانہ ساز کردن

شعر کا مطلب یہ ہی کہ وہ بھی لطف کا کیا موقع ہوتا ہی جب دو یکدل دوست آپس مین مل بیٹھتے ہین، گفتگو چھیڑتے ہین، پرانے تذکرے کرتے ہین، شکایتین شروع ہوتی ہین ایک دوست روٹھا ہوا ہی، دوسرا اسکو اس طرح آہستہ آہستہ منا"تا جاتا ہی کہ جب وہ کوئی شکایت پیش کرتا ہی تو یہ جھٹ کوئی تاویل گڑھ لیتا ہی، فوری تاویل کرنے کے لیئے "بدیہہ آفریدن"، کس قدر موزون لفظ ہی جو ایک بڑے خیال کو کس قدر مختصر لفظ مین ادا کر دیتا ہے، ز دل ہم، اور اندک اندک کی ترکیب کس قدر واقعہ کی تصویر کھینچدیتی ہی،

نیست لذت ز نظر بازی بزمے کہ درو　　　خندۂ زیر لب و گریہ پنہانے نیست

یہ اُس حالت کی تصویر ہی کہ معشوق، زیب مجلس ہی، ہر طرح کے لوگ جمع ہین، انہین مین عاشق غمزدہ بھی ہی، وہ لوگون کی آنکھ بچا کر روتا ہی، معشوق دیکھ رہا ہی اور مسکراتا ہی اس خیال کے ادا کرنے کے لیے، خندۂ زیر لب اور گریہ پنہان کس قدر موزون

ہین۔

بنان وقت شکایت از نگاہش مضطرب گشتم		کہ مضمونِ سخن صد بار از دل تا زبان گم شد

کہنا یہ تھا کہ مین معشوق سے شکایت کر رہا تھا، دفعۃً اُس نے میری طرف نگاہ غضب سے
دیکھا جس کی وجہ سے میرا یہ حال ہوا کہ سو سو دفعہ دل سے بات نکلتی تھی لیکن ہونٹون تک
آ آکے رہجاتی تھی،

شرم از میان برخاستہ مُہر از دہان برداشتہ		گفتا رب ترسش ببین رفتار بے باکش نگر

شمارے تا سحر دستم بزلف درہمی دارد		گریبانم گریبان ست و دامن امن ست امشب

شمار داشتن، یعنی مصروف بودن، مطلب یہ ہے کہ آج میرا ہاتھ زلف پریشان مین مصروف
رہا (یعنی مین اُسکو سُلجھایا کیا) اور مین اپنے گریبان اور دامن کو نہ پھاڑ سکا، اسلیے آج میرا
گریبان گریبان ہے اور دامن دامن ہے یعنی دونون اصلی حالت پر ہین گریبان اور دامن کے
سلامت رہ جانے کو صرف ان دو لفظون کے مکرر لانے سے ادا کر دیا ہے، اور کسقدر خوشنما
طرز ادا ہے،

۲۔ وہ اکثر وجدانی باتون کو ایسے طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہین
اور اس سے عجیب خاص لطف پیدا ہوتا ہے: مثلاً یہ امر کہ معشوق کا ایک ایک عضو یا ایک
ایک ادا دل ربا ہوتی ہے یعنی ہر عضو اور ہر ادا کی طرف دل کھنچتا ہے، اسکو اس طرح
ادا کرتا ہے،

ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم		کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اس شعر سے یہ تصویر پیش نظر ہوتی ہو کہ معشوق کا سراپا ایک محلس ہو، جس مین بہت سے تماشائی جمع ہین، انھین مین دل بھی ہو، کرشمہ معشوق کے پیش خدمتون مین ہو، دل اس محلس مین جب آجاتا ہو تو جدھر اسکا گذر ہوتا ہو، کرشمہ دامن پکڑ کر کھینچتا ہو کہ یہین بیٹھ جاؤ،

دو نیم گشتہ دل از کفر و دین نمی دانم　　کزین دو پارہ دل آید ترا بکار کدام

مقصد یہ تھا کہ دل مین کفر اور ایمان دونون قسم کے خیالات جمع ہین یا دونون طرف اسکا میلان ہو، معلوم نہین تجھ کو کیا پسند ہو، اس خیال کو اس صورت مین پیش نظر کرتا ہو کہ کفر اور اسلام نے دل کے دو ٹکڑے کر دیے ہین، معلوم نہین کہ ان دونون ٹکڑون مین تیرے کام کا کون ہے،

کو زخم عاشقانہ کہ در جلوہ گاہِ حسن　　صد چاک دل بہ تار نگاہے رفو کنند

دل شکستہ دران کوے می کنند درست　　چنان کہ خود نشناسی کہ از کجا شکست

کہنا یہ تھا، کہ معشوق کی گلی مین جانے سے رنج و غم اس طرح دور ہو جاتے ہین گویا کبھی تھے ہی نہین، اس خیال کو یون ادا کرتا ہو کہ دل گویا ایک شیشہ ہو، معشوق کی گلی مین شیشہ سازی کا کارخانہ ہو، وہان شیشہ اس طرح جوڑ دیا جاتا ہو کہ یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ کہان سے ٹوٹا تھا،

دیدنش بر دیدنِ من حسرت دیگر فزود　　خواستم پیکان بر آرم از جگر، نشتر شکست

می روم جاے کہ غم آن جا ز دلہا می رود　　نالہ از ہر جا کہ بر می خیزد آن جا می رود

دل بردہ در دل باختن معشوق عاشق پیشہ بین　　بگرفتہ در انداختن، باز سے جالا کش نگر

شعر کا مطلب یہ ہو کہ معشوق کسی اور معشوق پر عاشق ہو گیا، لیکن معشوقی کی اداین اب بھی

قائم ہین، اسلیے عین اُسوقت جبکہ اسکا دل ہاتھ سے جاتا رہا اُسنے معشوق کو اپنا عاشق بنالیا، اس مطلب کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا دو پہلوان لڑرہے ہین ایک پہلوان نے گرتے گرتے داؤن کرکے حریف کو پچھاڑ لیا،

ازیک حدیث لطف کہ آن ہم دروغ بود　　　امشب ز دفترِ گلہ صد باب شستہ ایم

ادراکِ حالِ ما زنگہ می توان نمود　　　لختے ز حالِ خویش بسیما نوشتہ ایم

من درپیِ رہائی و او در پے فریب　　　بر سر گرہ زندہ گرہ ناکشودہ را

کنایہ تھا کہ عشق چھوڑنا چاہتا ہون، لیکن معشوق لطف اور مہربانی کی ایسی لگاوٹین کرتا جاتا ہی کہ اور عشق بڑھتا جاتا ہے، اس مضمون کو یون مجسم کرکے دکھاتا ہی کہ ایک دھاگے مین گرہ پڑگئی ہی، ایک شخص اسکو کھولنا چاہتا ہے، لیکن حریف ایسا تیز دست ہی کہ ابھی ایک گرہ کھلنے نہین پاتی کہ اور دوسری گرہ لگا دیتا ہے،

دیدہ ام دفتر پیمان وفا حرف بحرف　　　نام خوبان ہمہ ثبت ست ہمین نام تو نیست

ز بیداد تو حرف مہر را نام و نشان گم شد　　　کتاب حسن را جز و محبت از میان گم شد

نہ چنان گرفتہ جا بمیان جان شیرین　　　کہ توان ترا د جان راز ہم امتیاز کردن

یعنی معشوق اور جان دو چیزین ہین جو اسطرح رل مل گئے ہین کہ یہ پتا لگانا مشکل ہے کہ جان کہان ہی اور معشوق کہان،

بہر نرخے کہ میگیرند کالاے وفا خوب ست　　　پس از عمرے گذر افتاد بر بازار دلے را

۳- اسی خصوصیت کے سلسلہ مین یہ بھی داخل ہی کہ نظیری اکثر حالات اور کیفیات کی تشبیہ

مادیات اور محسوسات سے دیتا ہے، اور اسلیے اس پر ایک خاص استعجاب کا اثر پڑتا ہے کیونکہ جب دو مخالف چیزون مین تناسب اور تشابہ نظر آتا ہی تو طبیعت مین استعجاب پیدا ہوتا ہے، اس قسم کے اشعار نظیری کے ہان کثرت سے ہین، مثلاً

شکوۂ نقصان داشت فصلے از میان انداختم　　　نرخ ارزان بود، کالا در دکان انداختم

یعنی مین معشوق کی شکایت کرتا تھا تو وہ ناراض ہوتا تھا، اسلیے مین نے تقریر کا یہ حصہ حذف کر دیا، اسکو یون تشبیہ دی کہ چونکہ دام اچھے نہین اُٹھتے تھے، اسلیے مین نے سودا اُٹھا کر دُکان مین ڈال دیا،

بس غنچۂ ناشگفتہ بتاراج خزان رفت　　　رسم ست کہ رہزن زند از قافلہ پس را

حُسن چندے سر بدل شوخی و رعنائی دہد　　　شہ چو گیرد مملکت اول بہ یغمائی دہد

یعنی حسن ابتدا مین شوخی اور رعنائی سے زیادہ کام لیتا ہے کیونکہ بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتا ہے تو پہلے لوٹنے والون کے حوالہ کرتا ہی کہ لوٹ لین، حسن بادشاہ ہی اور شوخی و رعنائی فوج کے ساتھ کے لٹیرے ہین،

ز اظہار محبت بر زبان خلق افتادم　　　چو محتاجے کہ گنجے یابد و ظاہر کند زودش

تو صلش تا رسم صد بار در خاک افگند شوقم　　　کہ نو پرواز م و شاخے بلندے آشیان دارم

آن دہد در گریہ پند ماکہ با ما دشمن ست　　　ہر کہ می گیرد شنا در رابدریا دشمن ست

بس از دار ستگیہا بیشتر گشتم گرفتارش　　　چو صیدے جست صیادش ز اول سخت تر گیرد

یعنی اگر مرتبہ دل معشوق سے چھڑا کر پھر جو گرفتار ہوا تو سخت گرفتار ہو، قاعدہ ہی کہ

شکاری کے ہاتھ سے جب کوئی شکار چھوٹ جاتا ہی اور پھر ہاتھ آتا ہی تو شکاری اسکو خوب مضبوط پکڑتا ہے کہ پھر چھوٹنے نہ پائے،

از شوق شہیدان حریم سر کویش | چون دانہ در آغوش نگنجند زمین را
ہمہ شب برلب درخسار وگیسوی زنم بوسہ | گل ونسرین وسنبل را صبا در خرمن ست امشب

یعنی مین لب، رخسار، اور بالونکو چومتا ہون، گویا نسرین اور سنبل کے خرمن مین صبا گھس گئی ہی،

محبت در دل غم دیدہ الفت بیشتر گیرد | چراغے را کہ دودے ہست در سر زود درگیرد

یعنی جو دل ایکمرتبہ عشق مین گرفتار ہوچکا ہی، بہت جلد عشق سے متاثر ہوجاتا ہی، جسطرح وہ بجھا ہوا چراغ جس سے ابھی دھوان نکل رہا ہی، جلانے سے بہت جلد جل اُٹھتا ہی،

ز مہر بوالہوس گرد دلت عاشق نمی گردد | طفیلی جمع شد چندان کہ جاے میہمان گم شد

یعنی ہوس پرستون سی معشوق کو اس قدر اُنس ہی کہ عاشقون کو نہین پوچھتا طفیلی اتنے جمع ہوگئے ہین کہ مہمان کی جگہ نہین رہی،

بغیر دل ہمہ نقش ونگار بے معنی ست | ہمین ورق کہ سیہ گشتہ مدعا این جاست

یعنی گو سب کچھ ہو، اگر دل صاف نہین تو کچھ نہین، گویا ایک کتاب مین بہت سی ورق تھے، لیکن جس ورق پر سیاہی گر گئی ہے اصلی مطلب وہین تہا،

تا کے چو موج آب بہر سو شتافتن | در عین بحر پاے چو گرداب بند کن
برنمی آید ہلال عیدم از ابر امید | عمر رفت وہمچو طفلان بر در و بامم ہنوز

دلم از نالہ خوش گردید امید اثر باشد ‌ ‌ ‌ ‌ بسے آسودہ شستم این خدنگم کارگر باشد

شکاریون کا خیال ہی کہ جب تیر نشانہ پر لگتا ہے تو چٹکی کو آرام معلوم ہوتا ہی شعر کا مطلب ہے

کہ مین نے اب کے جو نالہ کیا اُس سے میری طبیعت بہت محظوظ ہوئی اس سی قیاس ہوتا ہی

کہ نالہ مین اثر ہو گا، جسطرح چٹکی کو جب لطف محسوس ہوتا ہی تو ضرور وہ تیر نشانہ پر لگتا ہی،

چو خانۂ سر کشت ست عہد را بنیاد ‌ ‌ ‌ ‌ ز ہر طرف کہ نسیمے وزید روزن شد

کھیت کی حفاظت کے لیے جو چھپر وغیرہ بنا لیتے ہین، اُسکو خانۂ کشت کہتے ہین

کہتا ہی کہ معشوق کے وعدے ایسے ہین، جیسے خانۂ کشت کہ جدھر سے ہوا کا ذرا جھونکا

آیا سوراخ ہو گیا،

خدنگ جعبۂ توفیق امشب ور کمانم بود ‌ ‌ ‌ ‌ غزالم در نظر بسیار خوب آمد خطا کردم

کہنا یہ تھا کہ آج مین معشوق کے ظلم سے تنگ آ کر اسکے حق مین بد دعا کرنی چاہتا تھا

لیکن اسکے حسن کا خیال آیا، اور رُک گیا، اسکو یون ادا کرتا ہی کہ ہرن سامنے آیا مین تیر چلہ مین

جوڑ چکا تھا، لیکن ہرن کی ادائین اسقدر آنکھون مین کُھپ گئین کہ مین نے دانستہ چھوڑ دیا،

۴۔ وہ اکثر عشق اور عاشقی کی سچی اور صحیح واردائین بیان کرتا ہی، اسلیے دل پر

اُن کا خاص اثر ہوتا ہی،

خواہی کہ بتو بیش شود عشق نظیری ‌ ‌ ‌ ‌ گاہ از نظر خویش بران گاہ نگہ دار

معشوق سی کہتا ہی کہ اگر تم چاہتے ہو کہ نظیری کا عشق اور بڑھے، تو کبھی اُسکو اپنی

لہ یعنی میری چٹکی کو بہت آرام اور لطف محسوس ہوا،

نظر سے گرادو، اور کبھی محبت کی نظر سے دیکھ لو،

قاصد جگرم سوخت چہ پیغام دہیٔ مہ　　دل بود ہمان خوش کہ بامید خبر بود

با وجود نا امیدی بسکہ مشتاق توام　　مدعی گر مژدۂ وصلم دہد باور کنم

کس قدر عجیب لیکن سچی بات ہی، انسان جب کسی بات کا نہایت مشتاق ہوتا ہی تو اسکے ہونے کی خبر اگر دشمن بھی آکر بیان کرے تو انسان شوق کیوجہ سے یقین کر لیتا ہی اس بنا پر کہتا ہی کہ معشوق کے وصل کی خوشخبری خود رقیب بھی آکر دے تو مجھ کو یقین آجائے

مہربانی او اعتماد نتوان کرد　　کہ تازہ عاشقم و خاطرش بمن صاف ست

این دل کہ در وصال تسلی از و نبود　　خرسندش از تغافل و دشنام کردہ ایم

یعنی ایک وہ وقت تھا کہ وصل حاصل تھا لیکن تسلی نہین ہوتی تھی، اور اس سے بھی زیادہ کسی چیز کو دل چاہتا تھا، یا یہ حالت ہی کہ وصل کا کیا ذکر ہی معشوق نظر تک اُٹھا کر نہین دیکھتا، اس مایوسی کی حالت مین اگر اتفاقاً اُسنے کبھی گالی بھی دیدی تو خوش ہوتا ہون کہ آگے کے لیے امید بندھتی ہی،

پس از معانقۂ روز وصل یابد ذوق　　کہ چند شب بہم آغوشِ خود جدا خفت ست

شد عمر و سرگرانی او برطرف نشد　　با ما بقدر مرتبۂ عشق ناز کرد

پایم بہ پیش از سرِ این کوئے رود　　یاران خبر دہید کہ این جلوہ گاہ کیست

مردم از شرمندگی، تا چند با ہر ناکسے　　مردمست از دور بنمایند و گویم "یار نیست"

ایک خاص واقعہ کی تصویر کھینچدی ہی، حالت یہ ہی کہ معشوق اکثر کمینون اور ہوس پرستون

کے ساتھ رہتا ہی، لوگ جب اسکو کہین راستہ مین کینون کے ساتھ جاتا ہوا دیکھتے ہین، تو دوسرے عاشق (نظیری) کودکھا کر کہتے ہین، دیکھو تمھارا یار جاتا ہی، عاشق غیرت کے مارے کہتا ہی کہ نہین میرا معشوق نہین کوئی اور ہوگا،

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن را — چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

باعث راندانم از بزم بجز عار نبود — ورنہ کس را بمن دبودن من کار نہ بود

از یک حدیث لطف کہ آن ہم دروغ بود — امشب ز دختر گلہ صد باب شستہ ایم

یعنی معشوق نے ذراسی مہربانی سے بات کہی اور تمام شکایتین جاتی رہین،

مرا بسادہ دلیہای من توان بخشید — خطا نمودہ ام وچشم آفرین دارم

می گریم واز گریہ چو طفلان خبرم نیست — در دل ہوسے ہست و ندانم کہ کدام ست

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ انسان کے دل مین عشقیہ درد اور گداز پیدا ہوتا ہی لیکن ابھی کوئی معشوق متعین نہین، اسلیے وہ سمجھ نہین سکتا کہ یہ حالت کیون ہی، اور اسکی تمثیل کس قدر عمدہ دی ہی بچے روتے ہین لیکن نہین جانتے کہ کیون روتے ہین؟ کیونکہ ان کو جو تکلیف ہی اسکے سبب سمجھنے کی انکو عقل نہین،

ہمان عشق ست بر خود بستہ چندین داستان ورنہ — کسے بر معنی یک حرف صد دفتر نمی سازد

بغل از نامۂ احباب پُر کردو نمے خواند — کہ می ترسد، شود مکتوب من ہم از میان پیدا

عاشقونکے خطوط کا چُنگ ہاتھ مین ہی لیکن کھول کر پڑھتا نہین کہ کہین خط میرا نہ نکل آئے،

من نخواہم رفت اما بہر تسکین دلش — ہر کجا بینید گوئید کہ فردا می رود

یعنی مین اُس کی گلی سے جاؤن گا تو نہین، لیکن تم لوگ اُس سے ملنا تو کہدینا کہ کل چلا جاؤنگا

غنج وافسون زلیخا کار در یوسف نہ کرد — ہر کہ دل در باخت دل بردن نمیداند کہ چیست

نوازشے کہ کرم می کند محبت نیست — تو آن تناختن از دوستی مدارا را

یعنی معشوق جو مہربانی کرتا ہے انسانیت کے لحاظ سے کرتا ہے، محبت نہین، محبت اور مدارا مین جو فرق ہے اسکی تمیز خود ہو سکتی ہے،

نظیری کوی عشق ست این نہ شاہد بازی رندی — کہ گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

مشو از حال من غافل کہ زخمے کارئے دارم — مبادا دیگرے صید ترا از خاک برگیرد

بہر زخمے کہ می گیرند کالائے دنا خوب ست — پس از عمرے گذر افتاد بر من کاروانے را

سوادے کن ز من امروز تا غوغا بشہر افتد — کہ اعجاز فلانی کرد گویا بے زبانی را

مجلس چو بر شکست، تماشا بما رسید — در بزم چون نماند کسے جا بما رسید

۵۔ نظیری کے کلام مین فلسفہ کم ہے، لیکن جس قدر ہے نہایت خوبی سے ادا ہوا ہے،

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ — جرم گناہ دیدۂ صورت پرست ماست

چند از مؤذن بشنوم توحید شرک آمیز را — کو عشق تا یکسو نہم شرع خلاف انگیز را

خضر صد منزل بہ پشیم آمد و نشناختم — بازمی باید ز سر گیرم رہِ پیمودہ را

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو دلیلین ہمارے سامنے پیش کی گئین، یا جو مسائل ہمارے سامنے آئے وہ صحیح تھے، لیکن ہم نے اپنی بے پروائی یا کم طلبی یا گریزی کی وجہ سے اُس سے فائدہ

نہین اُٹھایا، اسلیے ہم کو نئے دلائل کی ضرورت نہین، اُنھین دلائل کو غور سے مکرر دیکھنا چاہیے اسی خیال کو اس شعر مین ادا کیا ہی،

ہرگز عطاے ساقی ما را کرانہ نیست   از تنگ ظرفی ست کہ پیمانہ پُر شدہ است

زین بیش شیشۂ دل ما ہم ز سنگ بود   بے نسبت آشنا دلِ ما با دلِ تو نیست

شیشہ پتھر سے بناتے ہین، اس بنا پر کہتا ہے کہ میرے دل کو جو تیرے دل سے ربط ہی، بے وجہ نہین ہی، یہ شیشہ بھی (عاشق کا دل) پہلے پتھر تھا (معشوق کا دل پتھر ہوتا ہی) اس لیے ایک قسم کی مناسبت ہی،

اس شعر مین میلان جنسیت کے مسئلہ کو عاشقانہ پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

ہیچ کس نامۂ سربستۂ ما فہم نہ کرد   نہ ہمین خاتمہ اش نیست کہ عنوانش نیست

یعنی دنیا کے آغاز و انجام کی حقیقت معلوم نہین ہوسکتی،

تو مپندار کہ این قصہ ز خود می گویم   گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

یعنی جو کچھ کہتا ہون دل مین القا ہوتا ہے تب کہتا ہون،

گر عکس روے خویش در آئینہ دیدۂ   توحید شیخ و شرک برہمن بجا شناس

یعنی توحید اور شرک دونون صحیح ہین، کیونکہ بت مین بھی کوئی جلوہ ہی جسپر برہمن نثار ہی،

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہِ دوست   اندک اندک عشق بر راہ آورد بیگانہ را

یعنی خشک طبع زاہد، معرفت الٰہی کیطرف یون نہین مائل ہوسکتے، اسلیے اُنکو حور اور جنت کی چاٹ دلائی جاتی ہے، اس لالچ سے جب وہ ذکر اور شغل مین مصروف ہوتے ہین

ور رفتہ رفتہ جذب الٰہی بھی پیدا ہو جاتا ہے،

ہیچ اکسیر بتاثیر محبت نرسد ۔ کفر آوردم و در عشقِ تو ایمان کردم
کفر و ایمان نبود شرط نظیری در عشق ۔ بتو کافر بنایم کہ ولایت دارد
روے نکو معالجۂ عمر کوتہ است ۔ این نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ایم
مارا چہ اعتبار رواثر با وجود دوست ۔ جائے کہ جلوہ کرد حقیقت مجاز نیست
حسن ہر سو در لباس دیگری نہان شود ۔ عشق ہر ساعت در آویزد بدامانِ دگر
ہر کارے کہ ہمت می گماری نصرت از حق جو ۔ کہ بر کنجشک دام افگندم و صید ہما کردم
تا کے چو موج آب بہر سو شتافتن ۔ در عین بحر پائے چو گرداب بند کن
درین میدانِ پر نیرنگ حیران ست دانائے ۔ کہ یک ہنگامہ آرائی ست و صد کشور تماشائے
در طبع دوستان ز حسد راستی نماند ۔ انصاف اگر طلب کنی از دشمنان طلب

تعجب یہ ہے کہ نظیری اگرچہ نہایت مذہبی آدمی تھا، اور اکبر اور ابو الفضل کی لا مذہبی پر نہایت لعن طعن کرتا ہے لیکن خود وہی خیالات ظاہر کرتا ہے جو اُس زمانے میں ابو الفضل وغیرہ کی طرف منسوب تھے، چنانچہ کہتا ہے،

بو البشر را قوے ملائکہ اند ۔ جزو کل را ست در سجود این جا
حضرت آدم کے قوی بھی فرشتہ ہیں ۔ اور جزو، کل کو سجدہ کر رہا ہے
نزد تو جبریل وحے آورد ۔ عقل بر قع ز رخ کشود این جا
تمھارے نزدیک تو جبریل وحی لائے ۔ لیکن در اصل وہ خود عقل تھی،

۶- اس زمانے کے تمام نامور شعرا کا اصلی جوہر، طرزِ ادا کی جدت ہی، نظیری
اس میدان مین اکثر حریفون سے آگے ہی،

عشق را کام بہ دل کام تو نیست | صبح امید شب وصل در ایام تو نیست

(گویا اس مین ایک صبح اور ایک رات کم ہے)،

از کف نی دہد دل آسان ربودہ را | دیدیم زور بازوی ناآزمودہ را

بازم بہ کلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب | بام و درم ز ذرہ و پروانہ پر شدہ است

میرے گھر مین کون آیا ہی کہ نہ دھوپ ہی نہ شمع، باوجود اس کے در و دیوار پر ذرے
اور پروانے ٹوٹ پڑے ہین (یعنی معشوق آفتاب بھی ہی اور شمع بھی)

بے تو دوشم در درازی از شب یلدا گذشت | آفتاب امروز چون برق از سرای ما گذشت

ہیبت حسنش کسے را رخصت آہی نداد | گرچہ ہر سو داد خواہی بود، او تنہا گذشت

در آرزوی نثار قدوم تو ہمہ شب | گہر فروش دو چشم مژدگان باز ست

دعا کنید بوقت شہادتم او را | کہ این دمے ست کہ درہای آسمان باز ست

اس شعر مین جدت ادا کے ساتھ ایثار نفس کے مضمون کو نہایت بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے
عاشق قتل کیا گیا ہی، اس تقریب مین آسمان کے دروازے کھل گئے ہین، اس حالت مین
عاشق کو سب سے پہلے جو خیال آتا ہے وہ یہ ہی کہ معشوق کے حق مین لوگونکو دعا کرنی چاہیے
کیونکہ یہ قبول دعا کا وقت ہی،

عارفان گوشۂ چشمے بدو عالم ندہند | ہر کجا یار نقاب از رخ زیبا برداشت

ع - این قبلہ کہ کج شدہ، طرفِ کلاہ کیست

یہ میدانم قسم خوردن بجانت خوب نیست ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندِ دگر

اس شوخی کو دیکھو، کہتا ہے کہ مین جانتا ہون کہ تمھاری جان کی قسم کھانا اچھی بات
ہین، لیکن تیری جان ہی کی قسم کہ مجکو اور کوئی قسم یاد ہی نہین، شوخی اور بلاغت یہ ہے، کہ قسم نہ
کھانے پر بھی قسم کھائے جاتا ہی، اور اس لطف سے کہ گویا اسکو خبر نہین کہ اُس نے قسم کھالی
ی مین یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اُسکو اور کوئی قسم یاد نہین،

قسمت چنین فتاد کہ ترکان مست او در دورِ ما بطاق نہادند جام را

کہنا یہ تھا کہ ہم معشوق کی نگاہ سے محروم ہین، اسکو یون کہتا ہی کہ ہماری قسمت ایسی
اقع ہوئی کہ ہمارے زمانے مین اِن تُرکون (معشوق کی آنکھین) نے پیالہ اُٹھا کر طاق پر
ھدیا اور شراب پینی پلانی چھوڑ دی،

ہیچ دل رستم حادثہ مجروح نہ کرد کہ نہ لعل تو بر دریخت نمکدانے چند

گر برہم زنی سودائے دل نازے زیان داری مرا سرمایۂ دنیا و دین نابودی گردد

یعنی دل کی خرید فروخت کا جو معاملہ طے ہو چکا ہی، اُسکو تو اگر توڑدے تو تیرا صرف ایک ناز
ی کا نقصان ہوگا، لیکن میرا تو دین اور دنیا کا جو کچھ سرمایہ ہی (یعنی دل) سب جاتا رہیگا،

چنان برہم زدی ہنگامۂ شور قیامت را کہ اکثر نامۂ اعمال مردم از میان گم شد

ا تو گستاخی ست گفتن ترک بدخوے نما بادل خود گفتہ ام آئینہ را بے زنگ ساز

مقصد یہ ہی کہ معشوق تو بدمزاجی چھوڑ نہین سکتا، اس لیے مین نے اپنے دل کو

برداشت کرنے کی عادت ڈال دی ہی، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہی معشوق سے مخاطب ہو کر، تم سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ بد مزاجی چھوڑ دو، لیکن مین نے اپنے دل سے کہہ دیا ہی کہ آئینہ ایسا بناؤ جسکو زنگ نہ لگنے پائے،

بدل طرحِ وصالِ جاودانی نقش می بندم | اگر خود دوست می آید بخلوت دشمن ست امشب
عشق بازیم بمعشوق مزاجی انداخت | زان نیازے کہ بہ او ہست مرا نازے ہست

یعنی عشق کرتے کرتے مجھ مین معشوق مزاجی آ گئی، مجکو اسپر ناز ہی کہ مین اسکا نیازمند ہون،

میخواست بوسہ رخت اقامت بگسترد | از فرش جبہ راہ بران خاک کو نبود

مقصد یہ ہی کہ مین اُسکی گلی کی خاک کو بوسہ دینا چاہتا تھا، لیکن اسقدر کثرت سے لوگ پیشانی رگڑ رہے تھے کہ جگہ نہ تھی، اس مطلب کو یون ادا کرتا ہی کہ بوسہ نے چاہا کہ وہان قیام کے لیے بستر بچھائے، لیکن پیشانیون کا فرش بچھا ہوا تھا، اسلیے جگہ نہ تھی،

دہر چون در دشمنی سست ست افگندم بہر | دشمنِ نامرد را من مردِ میدان نیستم
درین عشرت کہ من جان می سپارم | نمی گرید بمرگم مادرم امروز
قاصد کہ می نرستی رطل گرانش دہ | کز ما خبر نیابد تا بے خبر نباشد

یعنی قاصد جو بھیجنا تو خوب شراب پلا کے بھیجنا، کیونکہ جب تک خود بیخبر نہو گا، میری خبر اسکو نہ معلوم ہو سکے گی، مطلب یہ ہی کہ جب تک عشق آشنا نہو گا، میرے عشق کا حال کیا جان سکے گا،

در دیارے کہ سجود خم ابرو رسم ست | غیر محراب بہ کج قبلہ ویران مطلب

مقصد یہ ہی کہ جہان عشق کا چرچا ہو گا، وہان زہد و عبادت کرنا بے فائدہ ہی،

گرہ بر جبین ابرو از چہ داری　　　سر این نامۂ پیچیدہ بکشا

اگر بمعرکہ در خون فتادہ ام چہ عجب　　　ہمیشہ رزم بخود چون تہمتنی است مرا

ایک دقیق خیال کو ادا کیا ہی، کہنا یہ ہی کہ مین دوسرون کی رائے پر تو غالب آ جاتا ہون لیکن خود میرا دل میرا مخالف رہتا ہی، اور اُس کی خواہشون کو مغلوب کرنا پڑتا ہی، اس مین مجکو اکثر ناکامی ہوتی ہی اور نقصان اُٹھاتا ہون، اس خیال کو یون ادا کرتا ہی، کہ اگر مین معرکے مین زخمی ہون تو کیا تعجب، کیونکہ مجھ کو اپنے جیسے رستم سے لڑنا پڑتا ہی یعنی مین خود رستم ہون اور اپنی آپ سے لڑتا ہون،

کمر در خدمت عمرے است می بندم چہ قید قدم　　　برہمن می شدم، گر این قدر زنار می بستم

۷- وہ غزلون مین کسی حالت کو مسلسل لکھتا جاتا ہے اور غزل کی غزل اسی ایک حالت کے بیان مین تمام ہو جاتی ہے، ان موقعون پر اندازہ ہو سکتا ہی کہ وہ ایک مضمون کی تمام جزئیات کو کسطرح احاطہ کرتا ہی، کس خوبی سے تسلسل بیان کو قائم رکھتا ہی کسطرح عشق و عاشقی کی ایک ایک ادا سے واقف ہی، اسکے ساتھ رنگینی استعارات، جدت اسلوب، اور شیرین زبانی کلام کو سحر سامری بنا دیتی ہی، مثلاً ایک غزل مین وصل کی حالت ادا کرتا ہی،

دارم درین دیار مغان شیوہ لبری　　　بیخود خوش و میانہ خوش ہوشیار خوش

اس شہر مین میرا ایک معشوق ہی جس کی ادائین مغبچون کی سی ہین، وہ مستی مین بھی ہوش مین ہی، اور درمیانی حالت مین بھی خوش ادا ہی،

دستار افگند جم کاکل پریشان کند   کاین ست وضع صحبت دوزین بان نگار خوش

ٹوپی اتار کر رکھ دیتا ہی اور بالون کو بکھرا دیتا ہی، اس لیے کہ صحبت کا یہی انداز ہی اور معشوق اسی رنگ مین دلکش معلوم ہوتا ہے،

شاد و شگفتہ مطرب ساغر طلب کند   یک سو نہد حجاب و در آید بکار خوش

خوشی سے کھل جاتا ہی اور مطرب اور شراب طلب کرتا ہی، شرم اُٹھا دیتا ہے اور کام مین لگ جاتا ہی،

ہر گہ کند شتاب برفتن کہ دیر شد   تسکین دہم دلش کہ سکون و قرار خوش

جب جانے کے لیے جلدی کرتا ہی اور کہتا ہی کہ دیر ہو گئی جاتی ہی تو مین اسکو روکتا ہون کہ سکون اور قرار اچھی بات ہی،

تا دم زند کہ روز چہ رفت و ز ہفتہ چیست   نگذارمش شمار کہ نبود شمار خوش

جب یہ پوچھنا چاہتا ہی کہ کون سا ہفتہ ہی؟ اور دن کتنا چڑھا؟ تو مین اسکو یہ پوچھ گچھ کرنے نہین دیتا، کیونکہ پوچھ گچھ اچھی بات نہین،

او در وداع و من بجزع کز می و بہار   رطلے سہ چار ماندہ و روزے سہ چار خوش

وہ رخصت ہونا چاہتا ہی اور مین روتا ہون کیونکہ شراب اور بہار مین سے یہی دو تین پیالے اور دو تین دن مزے کے رہ گئے ہین،

ساغر کنم لبالب و گویم سبک بنوش   در موسم بہار نہ باشد خمار خوش

مین پیالہ بھرتا ہون اور کہتا ہون کہ آہستہ سے چڑھا جا، کیونکہ بہار مین خمار اچھی چیز نہین،

چندان کہ گویمش گذران ست عمر باش — گوید صبا روانہ بہ دگل سوار خوش

مین ہرچند کہتا ہون کہ عمر گذری جاتی ہی ذرا ٹھہر جاؤ وہ کہتا ہی کہ صبا کا روانہ ہونا ہی اچھا ہے اور پھول کا سفر کرنا ہی بہتر ہی،

کارے بلابہ پیش نظیری نمی رود — باشد با دگذاشتن اختیار خوش

اے نظیری! اب خوشامد کچھ پیش نہین جاتی اس لیے اب سی کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے'

ایک غزل مین یہ حالت بیان کی ہی کہ معشوق خود کسی حسین پر عاشق ہوگیا ہی، اس حالت مین جو جو واقعات پیش آسکتے ہین انکو بیان کیا ہے، اور کس دلآویزی سے بیان کیا ہے،

چشمش برائے صید دمژگان نمناکش نگر — در سینہ وارد آتشے پیراہن چاکش نگر

دامے کہ زلف انداختہ درگردن سیمنش بین — خونے کہ مژگان ریختہ بر دامن پاکش نگر

زلف نے جو جال ڈالا تھا اب خود اسکی سیمین گردن مین ہی، مژگان نے جو آنسو گرائے ہین اسکے پاک دامن پر پڑے ہوے ہین،

شرم از میان برخاستہ مُہر از دہان برداشتہ — گفتار بے ترسش ببین رفتار بیباکش نگر

شرم اور حجاب جاتا رہا، زبان کھل پڑی، اسکی بے جھجک باتین اور بیباکانہ رفتار دیکھنے کے قابل ہی،

کوی معشوق آمدہ شوریدگان در حلقہ اش — از صید آہومی رسد شیران بفتراکش نگر

معشوق کی گلی سے آیا ہی اور عاشقوں کا جھرمٹ ساتھ ہی، ہرن کو شکار کرکے آیا ہی اور فتراک مین شیر ہین'

دل بردہ در دل باختن معشوق عاشق پیشہ بین　　　　بگرفتہ در انداختن بازوے چالاکش نگر

عاشقی مین معشوقی دیکھو کہ دوسرے کو دل دیتے دیتے خود اسکا دل اڑالیا۔

۸۔ **نظیری** نے روزمرہ اور محاورات نہایت کثرت سے برتے ہین جس سے زبان دانی مین بہت مدد ملتی ہے۔ اسکے ساتھ اکثر محاورات وہ ایسے استعمال کرتا ہی کہ جس مطلب کو ادا کرنا چاہتا ہے بغیر اس محاورہ کے وہ اس خوبی کے ساتھ ادا نہین ہو سکتا تھا، مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

ع، طفل بودیم کہ باز از شکر و شیر شدیم　　　　از شیر باز شدن، دودھ چھڑایا جانا،

ع، سخت است حال مشکل اگر تا سحر کشم　　　　حالت سخت ہی مشکل ہی کہ صبح تک بچ جاؤن

ع، شبنم بروی بستر نرگس بخواب گیر　　　　بخواب گرفتن، سوتے مین جالینا،

ع، نیم بسمل شدۂ بر سر پروانے ہست　　　　بر سر پرواز، اُڑنے کو ہے،

ع، شرح سودائے ترا نسخہ زیبا بر داشت　　　　نسخہ بر داشتن، کتاب کا نقل کرنا

ع، شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد　　　　افسانہ از افسانہ میخیزد، بات مین سے بات نکلتی ہی،

اس قسم کے سیکڑون روزمرے اور محاورے اسکے کلام مین مل سکتے ہین،

طالب آملی

ملک الشعراے دربار جہانگیری

سلسلۂ تیموریہ مین یون تو ہر فرمان روا، سخن فہم و داد شناس گذرا ہی لیکن جہانگیر
اس فن مین اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا، وہ فطرۃً محبت کیش تھا اور ازل سے درد مند دل لیکر آیا
تھا اسکا اثر اگرچہ اُس نے آئین و نظام سلطنت مین چندان نمایان نہونے دیا، یہانتک کہ
تزک مین نورجہان کا جہان جہان ذکر آیا ہی مطلق نہین معلوم ہوتا کہ یہ نام اسکی زبان سے
لذت لیکر نکلتا ہی تاہم عشق اس کا خمیر تھا اور چونکہ فیضی کا شاگرد رشید تھا، اس لیے
شعر و شاعری کا نکتہ دان اس سے بڑھکر کون ہو سکتا تھا، شہزادگی کے زمانہ سے شعرا اسکے
دربار مین ملازم رہتے تھے، تخت سلطنت پر بیٹھا تو دربار شعراسے بھرا ہوا تھا لیکن ملک الشعرائی
کا تاج اس نے طالب آملی کے سر پر رکھا، جس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ یہ شاعر کس پایہ کا ہوگا،
یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسوقت طالب کا سن ۲۰ برس سے زیادہ نہ تھا، اس
عمر مین یہ اعزاز، خاص اسی شاعر کا کارنامۂ اقبال ہی،

طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، بچپن مین درسی علوم و
فنون کی تعلیم پائی، اور اگر اسکے دعوی پر اعتبار کیا جاے تو ۱۵، ۱۶ برس کی عمر مین اسنے

ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی مین کمال حاصل کرلیا تھا، چنانچہ ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

پا بر دہ مین پایۂ اوج عشرہ اتم — وا ینک عدد فہم از آلاف ازیاد است

بر ہندسی و منطقی و ہیئت و حکمت — دستی است مرا کش ید بیضا ز عباد است

زین جملہ چو طی شد نگین علم حقیقت — کاُستاد علوم ست برین جملہ مزاد است

در سلسلۂ وصف خط این بس کہ ز کلکم — ہر نقطہ سویدای دل اہل سواد است

پوشم نسب شعر، چو دانم کہ تو دانی — کاین پایہ مرا تا من این سبع شداد است

گو رواج عام کے لحاظ سے اس نے یہ تمام علوم حاصل کیے، لیکن وہ دراصل شاعری کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے اسی کو اپنا فن قرار دیا،

اس زمانہ مین مازندران کا حاکم جسکو ایران کی اصطلاح مین وزیر کہتی تھی، میر ابوالقاسم تھا اسکی مدح مین متعدد قصائد لکھے، ایک قصیدہ کا یہ مطلع ہے اور غالباً یہ پہلا قصیدہ ہے،

سحر کہ غنچہ کشاید گرہ ز پیشانی — زند دم از دم عیسے نسیم بستانی

سحر کہ طرۂ پیچان مشک سای نسیم — بطرف عارض گلبن کند پریشانی

معلوم نہین کہ کن اسباب سے یہان طبیعت سیر ہوئی اور کاشان مین آیا۔ یہان مستقل سکونت اختیار کی، اور شادی بھی کرلی، تذکرہ میخانہ مین لکھا ہے کہ اسکی شاعری کا نشو و نما یہین ہوا، لیکن چند روز کے بعد یہان سے بھی برداشتہ خاطر ہوکر مرو مین آیا، یہ عباس صفوی کا

لہ یعنی ابھی مین نے دوسری دہائی مین قدم رکھا ہے،

زمانہ تھا، اور ملکش خان صوبے کا گورنر تھا، طالب نے ملکش خان کے دربار مین رسائی حاصل کی اور مدحیہ قصائد لکھے، دو برس تک یہان قیام رہا، ملکش خان نے قدردانی مین کمی نہ کی ہوگی لیکن طالب ہندوستان کی فیاضیون کا خواب دیکھا کرتا تھا، ایک مثنوی لکھکر ملکش خان سے وطن جانے کی اجازت حاصل کی، ابتدا مین لمبی چوڑی تمہید لکھی، پھر حرف مطلب اسطرح ادا کیا،

یکے بر حرف طالب گوش بکشاے — صدف را بر گہر آغوش بکشاے
دو سال آمد کہ از محنت کشان است — تراچون بوسۂ فرش آستان ست
بکلی کردہ از مسکن فراموش — یکے گردیدہ رندے خانہ بردوش
نہ از خویشان کند نزد اقربا یاد — بدیدار تو دار د خویش را شاد
اگر لطف تواش دستور بخشد — چو خور کو ذرہ را نور بخشد
عنان سوے وطن تابیدہ چندی — کند خویشانِ خود را ارجمندی
دو روزے با غم آشامان سرآرد — دگرہ سوے طوف این درآرد
بدین درگہ رساند خویشتن را — ز سر بیرون کند شور وطن را

وطن کا بہانہ تو اس لیے تہا کہ ہندوستان کا نام لیتا تو اجازت کیونکر ملتی۔ ملکش خان سے رخصت ہوکر، طالب نے سیدھا ہندوستان کا راستہ لیا اور اسوقت یہ رباعی لکھی[۱]۔

[۱] تذکرہ میخانہ،

طالب! گل این چمن بہ بستان بگذار — بگذار کہ، می شوی: پریشان بگذار
ہندو نہ برد تحفہ، کس جانب ہند — بخت سیہ خویش بہ ایران بگذار

مطلب یہ ہی کہ ہندوستان مین کالی چیز، تحفہ لیکر نہین جاتے. اس لیے بخت سیہ نہین چھوڑ کر جانا چاہیے،

میخانے کے مصنف نے جو خود طالب کا ہمعصر اور ہم صحبت تھا، لکھا ہی کہ طالب مرو سے نکل کر سیدھا قندہار پہونچا، لیکن یہ تعجب انگیز غلطی ہے، قندہار جانے کا حال طالب نے خود ایک قصیدہ مین لکھا ہی، اس سے صراحۃً ثابت ہی کہ وہ ہندوستان مین برسون رہکر قندہار گیا ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہی،

قرائن سے معلوم ہوتا ہی کہ اول جب وہ ہندوستان مین آیا تو یہان اس کو کامیابی نہین ہوئی، اور اسوجہ سے وہ تمام مشہور مقامات مین بہ تلاش معاش پھرتا رہا، دلی، لاہور، ملتان، سرہند ان مقامات کا ذکر اس نے بہ تخصیص کیا ہی، لاہور مین زیادہ دل لگا چنانچہ لاہور کی مدح مین ایک خاص قصیدہ لکھا ہے، جسکے چند اشعار یہ ہین،

گمانم نیست کاندر ہفت کشور — بود شہرے بہ آب و تاب لاہور
میان بگشاد خوش دلکش کہ در ہند — فراغت نیست جز در خواب لاہور

یہان اس نے شاہ ابو المعالی کی خدمت مین بیعت حاصل کی، چنانچہ کہتا ہی،

کنم زان رو مریدآسا شب و روز — گرانتہا بیان در باب لاہور
کہ پیر و دستگیر و مرشد من — یکے قطب است از اقطاب لاہور

خدایا زندہ جاوید دارشس　　　　　بہ آبِ خضر یعنے آبِ لاہور

ان شہرون مین وہ رندانہ وضع سے رہا اور خرمن حسن کی خوشہ چینی کرتا رہا،
خوش قسمتی سے حسینون نے بھی اپنے پہلو مین اسکو جگہ دی، چنانچہ جب ہندوستان
چھوڑکر قندہار جانے لگا ہے تو جس گرمجوشی سے ان فتنہ گرون نے اسکو روکا ہے اسکی
تصویر اسطرح کھینچی ہے،

نگاران لاہور وخوبان دہلی　　　　　بدل کردہ بودند پیوند جانم
یکے چہرہ سودے بچشم رکابم　　　　　یکے بوسہ دادے بزلف عنانم
فشاندی یکے دربغل یاسمینم　　　　　نہادے یکے در دہان برگ پانم
غزالان ملتان بنیرنگ سازی　　　　　کہ بندند از غمزہ دست ودہانم
من از جملہ چون نکہت گل گریزان　　　　　کہ خود را بہ بزم ہمایون رسانم

اس زمانہ مین غازی خان وقاری، امرای جہانگیری مین نہایت ممتاز تھا،
اسکا باپ مرزا خانی سنہ ہجری مین اکبر کے حکم سے ٹھٹہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا سنہ
مین جب اسکا انتقال ہوا تو غازی خان باپ کا جانشین ہوا جہانگیر نے اپنے عہد
سلطنت مین اسکو قندہار کا گورنر مقرر کیا، اور سندھ کا علاقہ جاگیر مین دیا، وہ
نہایت قابل اور دریا دل تھا، اکثر اہل کمال، مثلاً اسد قصہ خوان، مرشد بروجردی
میر نعمت اللہ وغیرہ نے اسکے دامن تربیت مین تعلیم پائی ہے، ایران سے جو
اہل کمال، ہندوستان کا رخ کرتے تھے، ان کی پہلی منزل اسی کا آستانہ

ہوتا تھا،

شاعری مین مشہور شعرا کا ہم پلّہ تھا، **وقاری** تخلص کرتا تہا، پانچ ہزار شعرون کا

دیوان یادگار ہین چھوڑا میخانہ مین اس کے ساقی نامہ کے بہت سے اشعار نقل کیے ہین

غزل کا یہ رنگ ہی،

درعہدِ تو ما را ہمہ با غیر خطاب است — سرپنجۂ مژگان و گریبان عتاب است

گریام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب — ابر ہر چند کہ گرید رُخ گلشن خندد

کجاست یک دو سہ ہمدم کہ ہیچو موسیقار — نشستہ پہلوی ہم برکشیم آوازی

غرض اس کی قدردانی کی شہرت نے طالب کو قندہار جانے پر آمادہ کیا پہلے

ایک قصیدہ لکھ کر بھیجا جس مین حاضری کی استدعا کی، تمہید کے بعد اصل مطلب

اس طرح ادا کیا،

یکے بلبل بے پر و بالِ شوقم — کہ محرومی از طوفِ گلزار دارم

درین خستہ آبادنی روی ماندن — نہ سامان یک گام، رفتار دارم

ندانم چرا یارب این سان خرابم — چو لطفِ خداوند، معمار دارم

صف آرای تیغ و قلم **خان غازی** — کہ لب در ثنایش گہربار دارم

بلند آفتابے کہ دروازہ کاخش — برخ کوکبِ اشکِ سیار دارم

جدا ز آستانش ز اشکِ نادم — سرِ آستین رشکِ گلزار دارم

آگرہ سے لاہور، ملتان ہوا قندہار پہونچا، چونکہ برسات کے دن سے

استہ مین بہت تکلیف اٹھائی، ملتان مین چار مہینے قیام کرنا پڑا، چنانچہ پہلا قصیدہ جو
ازی خانکے دربار مین پیش کیاہے، اس مین یہ تمام حالات لکھے ہین،

خدا ے داند من بندہ کاندرین مدت | جہا کشیدہ ام از حادثات دورانی
درین سفر کہ نصیبم مباد دیگر بار | بگونہ گونہ غم بود صحبت جانی
ز اختلاطی باران برشگالی را | زمن مپرس کہ این قصہ نیست پایانی
ز اکرۃ[1] تا بجیابان گلشن لاہور | رفیق بودم با ابر ہاے بارانی
بعزم ملتان چون بردرقے قدم چو ہلال | زد از سر شکم، نیلاب (دریا کا نام ہے)، کوس عمانی
زنکہت ملتان نزدیک شدہ بدان کہ مرا | بدل شود لقب آملی بہ ملتانی
دران مضیق ملالت چہار مہ بودم | بسان مہرۂ بشدر تمام حیرانی

غازی خان نے خاطر خواہ قدردانی کی اور مقربان خاص مین داخل کیا، طالب نے
ت سے پرزور قصیدے اس کی مدح مین لکھے ہین، جس مین مداحی سے گذر کر عاشقی کا
عوی کیاہے،

کلف نیست معشوق من ست او نیست ممدوحم | ازان این شعر عشق آمیز، در مدحش سرائیدم

بدقسمتی سے غازی خان سنہ ۱۰۲۰ھ مین جبکہ اسکی عمر صرف ۲۵ برس کی تھی اپنے ایک
لام کے ہات سے مسموم ہوا، طالب کے لیے اب کوئی ٹھکانا نہ رہا، مجبوراً اس نے
پھر ہندوستان کا رخ کیا اور آگرہ مین آیا، خواجہ قاسم دیانت خان نے جو

[1] آگرہ کو ایرانی شعرا ہمیشہ اکرہ لکھتے ہین،

امرائے جہانگیری مین حضور رس تھا، اس کی قدردانی کی اور عبداللہ خان فیروزجنگ کے نام جو اسی سنہ مین گجرات کا حاکم مقرر ہوا تھا، اسکی سفارش مین خط لکھا، عبداللہ خان نے خط بھیجکر بُلایا طالب نے اس واقعہ کو بڑے فخر اور ناز سے لکھا ہے[1]

صبا رفتار پیکے، در طلوع صبح نورانی | بگوشم زد صدائے زنگ[2] چون بانگ سلیمانی
ز سیر آہنگی آن نغمہ مست از جائے برجستم | بہر جانب نگاہے تاختم از روے حیرانی
یکے باد غبار آلودہ بر در، جلوہ گر دیدم | عرق ریزان چو مروارید تش از اطراف پیشانی
دویدم پیش و گفتم خیر مقدم، دانگہ افشاندم (یعنے قاصد) | بپایش شستے از ناسفتہ گوہرہاے فرگانی
گلاب آوردم و پیشانیش از گرد رہ شستم | دریغا کاش بودے قدرتم بر آب حیوانی
بپایش آشنا کردم بسے وز گرد نعلینش | نمودم سرمہ دانِ دیدہ بر کحل صفاہانی
پس از وے باہزاران شوق بیتابانہ پرسیدم | کہ اے جاروب راہت شہپر مرغ سلیمانی
لبت آبستن رمزے ست گویا مژدہ داری | کہ می بار د ز رویت ہمچو گل آثار خندانی
چو بشنید این سخن بکشود لب وانگاہ چون طوطی | زبان را چاشنی داد از ادائے شکر افشانی
بگفت ای عندلیب گلشن معنی کہ برباد ت | قدح نوشند، خوش طبعانِ ایرانی و تورانی
بشارت باد کانیک باہزاران مژدہ آوردم | خطِ آزادیِ مرغ دلت از دام حیرانی

[1] آگرہ مین آنے اور قاسم خان کی سفارش کا حال میخانہ مین لکھا ہے،

[2] زنگ گھونگرو کو کہتے ہین اس زمانے مین ڈاک کے ہرکارے گھونگرو باندھکر چلتے تھے یہ اسکی طرف اشارہ ہے،

را تماشاے تکلم کاغذین دُرجے پراز گوہر | بپوسید و بہ تسم دادا زروے روش دانی
ن آن منشور دولت چون بدست خویشتن دیدم | شدم سرتا قدم بہر سجود شکر پیشانی
سوے قبلۂ گجرات رو تسلیم ہا کردم | بہ آدابے کہ بر من کردگر دون آفرین خوانی
ں از تسلیم بکشودم زعنوان مہر شکنش | چو دیدم آفتابے چند در جلباب ظلمانی
ندم شاداب تر، چون مُہر عنوان را رقم دیدم | بنام نامیِ سرچشمۂ توفیق یزدانی
حاب فیض عبداللہ خان آن مظہر احسان | کہ نے بحرے زدست ہمتش جان بر دو، نی کانی

طبیعتون کا اختلاف دیکھو! عرفی کو خود جہانگیر نے قاصد بھیجکر بلایا تھا۔ لیکن وہ
اصد کی نسبت اس قدر کہکر رہ گیا،

کہ ناگہان زدرم در رسید فرخندہ پےٴ | چنان کہ از چمن طالعم بمغز شمیم

بخلاف اسکے طالب ایک معمولی امیر کے ہرکارے کے پانون چومتا ہی، اسکی پیشانی
ں گرد گلاب سے دھوتا ہی، اور حسرت کرتا ہی کہ آب حیات کہان سے لاؤن،

عبداللہ خان نے حد سے زیادہ طالب کی عزت کی، اور انعام و اکرام سے مالا مال
ردیا، طالب نے عبداللہ خان سے درخواست کی کہ آپ دربار مین جائین تو مجکو بھی ساتھ
لیتے چلیں، چنانچہ ایک قصیدہ مین کہتا ہے،

آسمان قدرا چو داری در خیال | عزم درگاہِ شہنشاہِ زمان
در جوان مردانِ ایرانی سپاہ | برگزیدہ ستے چہل شیر ژیان

لہ میخانہ ۱۲

گرچہ من در جرگۂ شیران نیم　　لیک از اخلاص دارم چشم آن
کز نظر چون بگذرد تفصیل اسم　　نام طالب نیز باشد درمیان

غالباً عبداللہ خان سے یہ خدمت انجام نہو سکی، اس لیے طالب نے اور تدبیرین اختیار کین،

(۷) **شاپور طہرانی** ایک مشہور شاعر تھا، وہ نورجہان بیگم سے قریبی قرابت رکھتا تھا یعنی اسکا باپ، اعتماد الدولہ کا جو نورجہان بیگم کا باپ تھا حقیقی چچا تھا، وہ تجارت کرتا تھا اور اکثر اعتماد الدولہ کے ہان اس تقریب سے آمد و رفت تھی، طالب نے شاپور سے راہ و رسم پیدا کی، لاہور مین اس سے جاکر ملا، ایک غزل مین اس واقعہ کا ذکر بھی کیا ہے،

بحمد اللہ کہ در ملکِ سخن دستور را دیدم　　ہمان رشک عطار د شاعر مشہور را دیدم
بہ خسرو دانشتم رشتۂ نیازے در سخن طالب　　از و در سوختم چون صنعت شاپور را دیدم
چہ خوش حالم کہ بعد از مدت یک سالہ مہجوری　　خوش و خوشوقت او را دیدم و لاہور را دیدم

(۸) غرض شاپور کے ذریعہ یا کسی اور تحریک سے **اعتماد الدولہ** کے دربار مین رسائی ہوئی، اعتماد الدولہ نے اسکو دامن تربیت مین لیا اور خاص توجہ مبذول کی، تذکرہ میخانہ مین لکھا ہے کہ جہانگیر کے دربار مین، اعتماد الدولہ ہی نے اس کی تقریب کی، لیکن اور تذکرون اور دیگر قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اول اول اسکو دیانت خان نے دربار مین پیش کیا جو جہانگیر کی خدمت مین خاص تقرب رکھتا تھا، جہانگیر کے سامنے اس نے طالب کی

اس قدر تعریف کی کہ جہانگیر نہایت مشتاق ہوا، دیانت خان خود ساتھ لے کر گیا لیکن طالب نے حماقت سے چلتے ہوے مفرح[1] کا استعمال کیا، جس سے اسکے حواس جاتے رہے،

جہانگیر نے مہربانی سے باتین کرنی چاہین، لیکن طالب پتھر کی تصویر تھا، دیانت خان کو سخت ندامت ہوئی، طالب گھر پر واپس آیا تو اسکی معذرت مین فی البدیہ، ۵ شعرون کا ایک قطعہ لکھکر دیانت خان کی خدمت مین بھیجا، مدح کے بعد جہان سے اصل مطلب شروع کیا ہے اس موقع کے چند اشعار یہ ہین،

چہ لطفہا کہ نمودی دمی لمائی نیز | بہر غریب و مسافر علی الخصوص بمن
نخست آن کہ چو در غربتم نظر کردی | بہ مہر بردی از خاطرم ہواے وطن
چہارم آن کہ بہ بزم شہنشہم بردی | چو دل بہ پہلوی خود ساختی مرا مسکن
بباد شاہم سرگرم گفت و گو کردی | بہر دیدمی خفاش را حریف سخن
تو انچہ باید کردی۔ ولیک طالع شوم | بدستیاری گردون نفاق زد با من
بہ بست نطق مرا بخت بد زبان بستن | کشود بر من، ہم دوست طعنہ ہم دشمن

[1] یہ ایک معجون تھا جو شراب کے بجاے استعمال کیا جاتا تھا اور محتاط اسکو شراب کے بجاے کام مین لاتے تھے،

کلیم نے اسی کیطرف اس قطعہ مین اشارہ کیا ہے،

بلند قدر را سرگشتگان وادی غم | مفرحے پے دفع ملال می خواہند
چو بادہ بے تو حرام است ان نمی طلبند | حرام عیشان کیف حلال می خواہند

گرا گمان کہ چو من استعارہ پردازی — بصد زبان فصاحت بیان شود الکن
گرا گمان کہ فتد رشتۂ کلام مرا — چو تارِ زلفِ عروسان شکن بر شکن
ازین قیاس نما غور کن، کہ قدرت کیست؟ — بیک دو لحظہ چنین قطعۂ ادا کردن
دو چیز مُہرِ زبان سخنوری گردید — مرا بہ بزم شہنشاہ خوش عیار سخن
یکے زبونی طالع کہ دایم از اثرش — بہر دیار قریبم بہ گو نہ گو نہ محن
دگر زیادتِ نشۂ کہ نامش را — نمی توانم از شرم بر لب آوردن
ادا صریح کنم تا گمان مے نبری — چرا کہ شُستہ ام از وی بہفت آب دہن
مفرحے زدہ بودم بہ قصد گفتن شعر — عروج نشۂ آن کرد ہر چہ کرد بمن
بہ بزم بادشہم زان زبان نمی گردید — کہ گشتہ بود مرا خشک از زبان و دہن
سخن شناسا! بپیش تو چون برآرم سر — کز انفعال سرم غوطہ خورد در گردن
نکردہ جرم مرا عفو کن بہ لطف عمیم — کہ خوش نماست خطای نکردہ بخشیدن
من ارچہ بیگنہم بخت من گنہگار است — گناہ بخت مرا لطف کن، بہ بخشش بمن

اعتماد الدولہ نے طالب کو مُہرداری کی خدمت سپرد کی، یہ خدمت اگرچہ ایک معزز خدمت تھی، لیکن طالب شاعری کے سوا اور کسی کام کا نہ تھا، چونکہ بیدلی سے اس کام کو انجام دیتا تھا اس لیے ایسی بے عنوانیاں اس سے سرزد ہو جاتی تھیں، کہ اس کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا، آخر اس نے ایک قصیدہ لکھ کر اعتماد الدولہ کی خدمت میں پیش کیا، اور اس خدمت سے مستعفی ہوگیا، قصیدے کے چند اشعار یہ

یہ ہین،

دو زہر ست در ساغرم ہر دو قاتل — دو زخم است بر سینہ ام ہر دو کاری
یکی آنکہ بے خواہش نفس و کوشش — بر ویم شگفت این گل شرمساری
دگر آن کہ شد رنجہ یارے کہ با من — ز دے مو بمویش دم از دوستداری
نیم زاہل دیوان بدفتر چہ کارم — مرا شاعری زیبد و می گساری
بمن خدمت مدح فرمودن اولے — کہ بس عاشقم بر جواہر نثاری
نہ چسپد بر اہل سخن شغلِ دنیا — چو بر پیر میخانہ پرہیز گاری
ز شاعر نتاید نجی آید نہ خدمت — کہ بلبل نوا خوان بود نہ شکاری
خصوصاً چو من شاعرے کز تجرد — بہ روحانیان زیبدم ہم قطاری
منت بندۂ داغدار قدیمم — بخادم کنون مُہر خود می سپاری
چو مہر تو دارم چہ حاجت بمُہرم — مرا مہر داری بہ از مُہر داری
حق این است اما زجرمی کہ رفتہ — ہمہ انفعالم، ہمہ شرمساری
ہمین خجلتم دور دارد ز خدمت — چو ابلیس مجرم ز درگاہ باری
دگرنہ ہمان طالب حق شناسم — ز سر تا قدم شوق خدمتگذاری

اعتماد الدولہ نے اس کی تقریب دربارشاہی مین کی، جہانگیر نے بلا کر زمرۂ شعرا مین داخل کیا، اور سنہ ۱۰۲۰ھ مین ملک الشعرای کا خطاب عنایت کیا، چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے،

درین تاریخ طالب آملی بخطاب ملک الشعرائی خلعت امتیاز پوشیده ۱۱
اصل اُو از آمل است، یک چندے به اعتماد الدوله می بود، چون رتبهٔ
سخنش از همگنان درگذشت در سلک شعرای پاے تخت منتظم گشت، این
چند بیت از دست،

اس کے بعد طالب کے چند اشعار نقل کیے ہین، جو آگے مناسب موقع پر درج کیے جائین گے،

جہانگیر کے دربار مین اس نے اخیر زندگی تک نہایت عزت و احترام سے بسر کی، صرف ایک موقع ایسا پیش آیا کہ کسی بات پر جہانگیر ناراض ہوگیا، اور طالب چند روز تک شرف حضور سے محروم رہا، ایک قصیدہ مین اس واقعہ کو نہایت لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہی،

بہ نسبت گہرم دادہ بودی از کف خویش	تراز جود زیانے چنین ہزار افتاد
مجھ کو موتی سمجھ کر تو نے پھینک دیا تھا	سخاوت کی وجہ سے تو نے ایسے نقصان بہت اٹھائی ہین
چو دور شدم ز کفت چرخم از ہوا بر بود	بہ گرمے کہ زبانم بزینہار افتاد
جب تو نے مجھکو پھینک دیا، تو آسمان نے اٹھا لیا	اس گرمجوشی کے ساتھ کہ خود مین پناہ مانگنے لگا،
یکے مقابل خورشید داشت آئینہ ام	بدید کز عرقش موج بر عذار افتاد
تھوڑی دیر تک آسمان نے میرے آئینہ کو آفتاب کے سامنے رکھا،	اور دیکھا کہ آفتاب کے چہرے پر پسینہ آگیا
چو پیش مشعل مہ برد شب چراغ مرا	بچہرہ گونہ کاہیش شمع دار افتاد
پھر چاند کے مشعل کے سامنے کیا،	اس کا چہرہ شمع کی طرح زرد پڑ گیا،

زین نشاط مگر دست آسمان لرزید ‌ ‌ ‌ ‌ که باز در کفِ خاقان کا مگار افتاد

س خوشی سے آسمان کا ہات کانپا ‌ ‌ ‌ ‌ اور دوبارہ مین بادشاہ کے ہات مین آکر گرا

نون برشتۂ مہرش بدار کز تقدیر ‌ ‌ ‌ ‌ دو بار در کفِ این دُر شاہوار افتاد

ے بادشاہ! اب مجکو محبت کی لڑی مین پرو لے ‌ ‌ ‌ ‌ کیونکہ دو دفعہ یہ موتی تیرے ہات سے گر چکا،

طالب نے سنہ ۱۰۳۶ھ مین، یعنی جہانگیر کے مرنے سے ایک برس پہلے عین شباب مین وفات پائی،

عزہ و اولاد | طالب کی ایک بہن تھی جسکا نام ستی النسا تہا، جسکو طالب مان کی برابر سمجھتا تھا، اسکو طالب کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ صرف اس سے ملنے کے لیے ایران سے آگرہ مین آئی۔ طالب اسوقت جہانگیر کے ساتھ دورہ مین تھا، بہن سے ملنے کے لیے جازت طلب کی اور یہ قطعہ لکھ کر پیش کیا،

صاحبا! ذرہ پرورا! عرضے ‌ ‌ ‌ ‌ بزبان سخن ورا است مرا
بیر ہمشیرہ ایست غم خوارم ‌ ‌ ‌ ‌ کہ با وجود مہر مادر است مرا
چاردہ سال بلکہ بیش گذشت ‌ ‌ ‌ ‌ کز نظر دور منظر است مرا
دور گشتم زخدمتش بعراق ‌ ‌ ‌ ‌ دین گنہ جرم منکر است مرا
او نیاورد تاب دوری من ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بہ مادر برابر است مرا
آمد اینک بہ اکرہ وز شوقش ‌ ‌ ‌ ‌ دل طپان چون کبوتر است مرا
می کند دل بسوی او آہنگ ‌ ‌ ‌ ‌ چہ کنم شوق رہبر است مرا

گر شود رخصتِ زیارت او　　بجہانے برابر است مرا

اس کی شادی نصیرای کاشی سے ہوئی تھی؛ جو میرزا صائب کے استاد مسیح کاشی کا حقیقی بھائی تھا، نصیرا کی وفات کے بعد، ستی النسا، ممتاز محل (زوجہ شاہجہان) کی پیش خدمت مقرر ہوئی، چونکہ نہایت قابل، خوش تقریر، اور خانہ داری کا خاص سلیقہ رکھتی تھی، اسکے ساتھ علم طب مین اسکو مہارت تھی، ممتاز محل نے اسکو مہرداری کی خدمت سپرد کی، فارسیت اور فن قرأت کی واقفیت کی وجہ سے جہان آرا بیگم کی تعلیم بھی اسکے متعلق کی گئی، ممتاز محل کے مرنے کے بعد شاہجہان نے اس کو حرم شاہی کا صدر کل یعنی مدارالمہام مقرر کردیا،

طالب کے اولاد ذکور نہ تھی، دو لڑکیاں تھیں؛ ستی النسا نے ان کی حیثیت سے پالا، بڑی کی شادی عاقل خان؛ اور چھوٹی کی ضیاء الدین خان سے کی؛ ستی النسا چھوٹی لڑکی کو بہت چاہتی تھی؛ سنہ ۲۰ جلوس مطابق ۱۰۵۶ھ شاہجہانی مین اس نے بمقام لاہور وفات پائی، ستی النسا اس کے ماتم مین سوگ نشین ہوئی، شاہجہان نے خود اسکے پاس جاکر ماتم پرسی کی اور محل مین ساتھ لایا، لیکن ستی النسا کو ایسا سخت صدمہ پہونچا تھا کہ حرم سے واپس آکر اسی دن مرگئی، شاہجہان نے دس ہزار روپے تجہیز و تکفین کے لیے عطا کیے، اور حکم دیا کہ لاش محفوظ رکھی جائے، تاج محل کی قبر کی پچھم جانب جلوخانہ سے متصل تیس ہزار روپے کی لاگت سے مقبرہ کی تیاری کا حکم دیا، جو سال بھر مین بنکر تیار ہوا؛ کچھ اوپر ایک سال کے بعد لاہور سے لاش منگوا کر مقبرہ مین دفن کی اور مقبرہ کے اخراجات

سے لیے ایک گانون عطا کیا جسکی سالانہ آمدنی تیس ہزار روپے[1] تھی،

تیموریون کی یہی شاہانہ قدردانیان تھین جنھون نے ان کے آستانے کو دنیا

کے اہل کمال کا قبلۂ حاجت بنا دیا تھا،

ام حالات واخلاق وعادات | عبدالنبی فخرالزمانی جو تذکرہ میکدہ کا مصنف اور طالب آملی کا معاصر تھا، اسکے حالات مین لکھتا ہی،

آن بلبل دستان سرا، درہمان سال کہ ۱۰۲۰ھ بود بدارالخلافت آگرہ آمد

این ضعیف را مرتبۂ اول درہند دران ایام با وملاقات واقع شد، جوانی دید

بہ انواع ہنر آراستہ، چنان خلیق وزود آشنا کہ درین فن نیز عدیل نداشت

در مثنوی خویش دو سہ بیت در دوست آشنائی خوبیان فرمودہ حقا کہ حالی

ادست ودران تکلفی نہ کردہ، آن ابیات این ست،

کتب طے کردہ ام در دو ستاری — یکے علامہ ام در علم یاری

نزد آنان کہ علم مہر دارند — درین فنم وحید الدہر خوانند

نباشد بیوفائی در بساطم — وفا یک گل بود از اختلاطم

اس سے ثابت ہوتا ہی کہ طالب نہایت دوست پرور، وفا شعار اور خوش اخلاق

تھا، زمانہ کی ضرورتون نے اگرچہ اُس سے دردر کی خاک چھنوائی، یہانتک کہ شیدا نے

اسکی ہجو مین کہا،

[1] یہ پوری تفصیل مآثرالامرا جلد دوم صفحہ (۹۱) و (۹۲)، مین ہے،

شب و روز مخدومنا طالبا | پے جیفۂ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبرش یاد نیست | کہ دنیا است مردار طالب[1] سگ است

لیکن حقیقت یہ ہی کہ وہ فطرتاً غیور اور خوددار تھا، غازی خان کے دربار مین پہونچکر اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ پھر کسی کے آگے کبھی ہات نہ پھیلائے گا لیکن اسکی بدقسمتی تھی کہ غازی خان جوانامرگ ہو گیا،

عبداللہ خان ناظم گجرات نے اسکی قدردانی مین کمی نہین کی لیکن صحبت بے میل تھی، عبداللہ خان کو شعر و شاعری سے کچھ لگاؤ نہ تھا، اس لیے وہ طالب کی سرپرستی لازمۂ امارت کی حیثیت سے کرتا تھا، اور طالب اسکو پسند نہین کرتا تھا، اعتمادالدولہ نے خود اسکو جہانگیر کے دربار مین پہونچایا، اور بہت سے چکر کھاکر اب وہ اصلی مرکز پر آیا،

طالب نے ہر موقع پر اپنی آن قائم رکھی، اعتمادالدولہ کے نام اسنے ایک منظوم خط لکھا ہی، اس مین لکھتا ہے کہ شاعری دو قسم کے لوگ اختیار کرتے ہین، ایک وہ پست ہمت جو پیشہ کی حیثیت سے اس کام کو کرتے ہین، دوسرے وہ عالی طبع جنکو فطرتاً خدا نے شاعر بنایا ہے،

دو صنف اند اہل طبیعت کہ ہر یک | ندارند باہم سر سازگاری
یکے را فرومائگی کردہ شاعر | یکے را بزرگی و عالی تباری
یکے اضطراری است انشای نظمش | یکے راست شغل سخن اختیاری

[1] الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب، کی طرف اشارہ ہے،

یکے را علوِ طبیعت بجائے | کہ دزدد سَر از سایۂ تاجداری
یکے آن چنان پست فطرت کہ بالد | بخود از خطابِ فصاحت شعاری
یکے را طمع گشتہ ہادی این راہ | یکے را جوانی وہنگامہ داری

ان دونون قسمون کی تفصیل لکھ کر پوچھتا ہے،

گدا شاعر و میرزا شاعری ہست | ندانم مرا بر چہ ہنجار داری

یعنی دو قسم کے شاعر ہوتے ہین، "گدا" اور "میرزا" فرمائیے آپ مجکو کس قسم مین شمار کرتے ہین؟ پھر خود جواب دیتا ہے،

من از شاعری شکر للہ کہ دارم۔ | بہ بخت بلند تو امید داری
کہ گر دو ہر یک دانہ یاقوت گردد | درو بینم از چشم بے اعتباری
بہ گلزار شعر ہزار فصیحم | بہ منصب چہ شد نیستم گر ہزاری
ز آزادگانم تعلق ندانم | مرا نیست با اہل شیوہ کاری

جہانگیر نے ایک دفعہ نشہ کے ترنگ مین حکم دیدیا تھا کہ مقربان خاص داڑھی منڈوا کر شریک صحبت ہون، طالب نے اس حکم کی تعمیل سے سرتابی کی، اور گھر مین بیٹھ رہا پھر ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس مین غیر حاضری کی یہ معذرت کی،

ترا شید گانند یک سر سپاہ | کسے را چو من تُبرہ بُر کاہ نیست
بہ بزمے کہ موے نہ گنجد درد | شدن با دو گز ریش دلخواہ نیست
بہشت است بزم تو و در بہشت | من نا ترا شیدہ را راہ نیست

یعنی ایسی محفل مین جہان ایک بال کی گنجائش نہین، دوگز کی ڈاڑھی لیکر جانا کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا، آپ کی محفل بہشت ہی، اور بہشت مین مجھ ناتراشیدہ کا گذر نہین ہوسکتا، پھر ایک اور قطعہ لکھا،

سفر می کنم صاحبا ورنہ من | چہ سرور نہ گردن تراشیدمی
بناخن نہ از تیغ، از روی خویش | من این مشت سوزن تراشیدمی
سر وریش وابرو بروت وفرہ | برسم برہمن تراشیدمی
ہر آن کو تراشید پیش از ہمہ | از و بیشتر من تراشیدمی
چو من راہیم خارج از رسم تو | کہ موقت رفتن تراشیدمی

منشی فیروز ۱۰۲۹ھ مین طالب سے ملا تھا، اس نے ملاقات کے جو واقعات لکھے ہین ان سے طالب کی طرز زندگی کی دلچسپ باتین معلوم ہوتی ہین، اسلیے ہم اسکا خلاصہ لکھتے ہین ۱۰۲۹ھ مین جب بادشاہ فتح پور مین آیا تو مجکو طالب کی ملاقات کا شوق

؎۱ مولوی غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرہ مین لکھا ہی کہ اکبر نے ہندوؤن کی طرح آتش پرستی اور ریش تراشی اختیار کرلی تھی، جہانگیر نے بھی باپ کی تقلید کی، اور اسی حیثیت سے طالب کو بھی داڑھی ترشوانے کا حکم دیا لیکن جہان تک ہمکو معلوم ہی، اکبر اور جہانگیر کسی عزیز کے مرنے کے وقت داڑھی کا صفایا کراتے تھے جس کو ہندی زبان مین بھدرا کہتے ہین، دربار کے خوشامدی بھی اس موقع پر بادشاہ کی تقلید کرتے تھے، طالب کو بھی اسی موقع پر حکم ہوا ہوگا، ورنہ داڑھی ترشوانا تو خود ایرانیون کا عام شعار تھا، جو آج بھی تمام ایران مین جاری ہی شیعہ لوگ ہندوستان مین بھی خشخاشی ڈاڑھی رکھتے ہین، طالب اس سے کیون انکار کرتا،

پیدا ہوا، تالاب کے کنارے ایک خیمہ تہا، طالب اسمین مقیم تہا میں گیا تو دیکھا کہ گویا اعتکاف مین ہی سامنے دیوان کے اجزا ہین مصافحہ و معانقہ کے بعد پوچھا کیونکر تشریف لانا ہوا، مین نے کہا آپکے چند شعر سُنے تھے، انکو سُنکر ملاقات کا شوق ہوا، پوچھا کیا شعر تھے، مین نے یہ شعر پڑہے،

ع لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی | ع مژہ در جہان نمی بینم

جب یہ شعر پڑہا،

مردم ز رشک چند بہ بینم کہ جام مے | لب بر لبش گذارد و قالب تہی کند

تو اُچھل پڑا، اُٹھکے گلے لگایا، میرے ذوق سخن کی نہایت تعریف کی، میری کمر مین ہات ڈال کر کہا کمر بند کھول ڈالیے اور آرام سے تشریف رکھیے کہ ایک دو دن لطف سے گذرین،

عین اسی حالت مین ایک مغل آگیا، جسکے ہات مین خاقانی کا دیوان تہا، اور طالب سے پڑھنا چاہتا تہا، طالب نے کہا آج معاف رکھو مدت کے بعد ایک درد آشنا ملا ہے، اس سے لطف صحبت اُٹھائینگے، لیکن مغل کب مانتا تہا، دیوان کھول کر یہ قصیدہ پڑھنا شروع کیا،

در پردۂ دل آمد من کشان خیالش | جان شد خیال بازی در پردۂ وصالش

در مرکز مثلث بگرفتہ ربع مسکون | فریاد اوج مریخ از تیغ مہ صقالش

طالب نے اس شعر کے معنی بیان کیے تو چونکہ علمی استعداد نہ تھی، اناپ شناپ

باتین کہنی شروع کین۔ مجکو بے اختیار ہنسی آگئی، طالب نے جھلا کر کہا کہ اس قسم کے اشعار کو تم لوگ ہندوستان مین ورس کے قابل سمجھتے ہو مین ایسے شعر ناخن پا سے لکھتا ہون، مین نے کہا شاعری اور چیز ہی اور سخن فہمی اور چیز، طالب مکدر ہوکر چپ ہو گیا، مجکو بہی ملال ہوا کہ ناحق مین نے اسکا دل دکھایا، اُسکے خوش کرنے کو مین نے اور سلسلہ چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ کل دربار مین آپ کے کس شعر پر لوگ معترض تھے، طالب نے کہا یہ شعر تھا،

عنبر افسردہ ام در پردہ دارم بوی خوش،

اسپر آصف خان نے اعتراض کیا کہ عنبر کو افسردہ نہین کہ سکتے، اوردن نے بھی اسکی تصدیق کی، مین نے کہا کہ خاقانی نے پتھر کو فسردہ کہا ہی پھر عنبر نے کیا قصور کیا ہی، خاقانی کا شعر یہ ہی،

کز فیض او بہ سنگ فسردہ رسد نما،

طالب نہایت خوش ہوا، اور مجھ سے کہا کہ اس شعر کو ایک پرچہ پر لکھدیجیے[۱]

شاعری اس امر مین طالب تمام شعرا سے ممتاز ہی کہ وہ فطرتاً شاعر تھا، یعنی جب نہایت کم سن تھا۔ اسوقت سے شعر کہتا تھا۔ ایک قصیدہ جو کلیات مین موجود ہی، اسوقت کا ہی جب تقریباً اس کی عمر ۱۲-۱۳ برس کی تھی، خود اس بات پر فخر کرتا ہی، اور کہتا ہی،

غیر کلک من نشان ندہد کسی کز آب شعر ۔۔۔ دفتر اسلاف شوید کودک دہ دوازدہ سالہ ی
کل پر سون

---

[۱] تذکرہ شعرا از احمد علی سندیلوی ذکر طالب آملی،

یعنی میرے قلم کے سوا اسکی کوئی مثال نہین مل سکتی، کہ کل کا لونڈا پچھلو نکے کارنامو پر پانی پھیر دے،

وہ نہایت جلد شعر کہہ سکتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اُسنے قلم ہات مین لیا اور بے تکلف لکھتا گیا، دو تین گھنٹے مین ۵۰، ۶۰، شعرون کا قصیدہ تیار ہوگیا، **قلیچ خان** ناظم لاہور کی شان مین ۴۰ شعرون کا قصیدہ ایک رات مین لکھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

منم کہ نیست چو من شاعرے ز اہل سخن | منم کہ نیست چو من قابلے ز اہل کلام
گواہ این دو سہ معنی ہمین قصیدہ بس است | کہ یافت از سر شب تا سپیدہ دم اتمام

جہانگیر کی مدح مین اسکا ایک بڑا پر زور قصیدہ ہے جس مین ۵۰، ۶۰ شعر ہین،

چو شہسوار مرا چشم بر شکار افتاد | بزخم تیر نگہ، صید بے شمار افتاد

یہ بھی صرف رات بھر کی کمائی ہے، چنانچہ خود کہتا ہے،

بہ خام دستیم اے شہریار خردہ مگیر | کہ یک شب این ہمہ نقشم بروے کار افتاد

پہلی دفعہ جہانگیر کے دربار مین ناکامی کے بعد جو قطعہ دیانت خان کو لکھا تھا، وہ بھی بالکل قلم برداشتہ تھا۔ خود کہتا ہے،

زین قیاس تما غور کن کہ قدرت کیست | بیک دو لحظہ چنین قطعہ ادا کردن

شاعری مین **طالب** کا امتیازی وصف صرف دو چیزین ہین، ندرتِ تشبیہ لطفِ استعارہ، استعارات کی نزاکت اسکے دور سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن اُس نے اور زیادہ لطافت اور ندرت پیدا کر دی، اسکا کلام کہین سے اُٹھا کر دیکھو، ہر جگہ نئے نئے

استعارے نظر آئین گے، انہین سے اکثر لطیف اور نازک ہین، اور بعض بعض معاسازی اور چھوٹے طلسم ہین،
اس موقع پر ہم اسکے چند منتخب اشعار درج کرتے ہین، انہین ابتدا کے چار شعر وہ ہین،
جو جہانگیر نے تزک جہانگیری مین ملک الشعرائی کے خطاب دینے کے وقت انتخاباً درج کیے
ہین، باقی مرزا صائب کے انتخاب ہین،

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی | دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد
عشق در اول و آخر ہمہ وجد است و سماع | این شرابیست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است
دو لب خواہم یکے در مے پرستی | یکے در عذر خواہی ہاے مستی
ز غارت چمنت بر بہار منت ہاست | کہ گل بہ دست تو از شاخ تازہ تر ماند
دشنام خلق را ندہم جز دعا جواب | ابرم کہ تلخ گیرم و شیرین عوض دہم
بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم | چون سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشان گذرد
مرد بے برگ و نوا را سبک از جاے بگیر | کوزہ بے دستہ چو بینی بدو دستش بردار
مزہ در جہان نے بینم | دہر گوئی دہان بیمار است
نظارۂ ترا دو جہان جز دو چشم نیست | یک چشم باز ماندہ و یک چشم برہم است
خانہ شرع خراب است کہ ارباب صلاح | در عمارت گری گنبد دستار خودند
ما را زبان شکوہ ز بیداد چرخ نیست | از ناسزا خطے بمہر خموشی گرفتہ اند
درین انجمن غیر لبہاے یار | دوے را بیک نشئہ کم دیدہ ام
با صد کرشمہ آن بت بدمست می رود | خود می کند خرام و خود از دست می رود

میرزا صائب اصفہانی

ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور میرزا صائب پر ختم ہوگئی، رودکی سے پہلے بھی شعرا گذرے ہیں، اور میرزا صائب کے بعد بھی لوگوں نے طبع آزمائیاں کیں، لیکن یہ دونوں دور شمار کے قابل نہیں، اخیر دور میں قاآنی بے شبہہ ایسا شخص پیدا ہوا جس نے دفعۃً شاعری کی کایا پلٹ کر دی، لیکن اُسکی شاعری کوئی نئی شاعری نہیں، بلکہ اس نے سات سو برس کے بھولے ہوئے خواب کو یاد دلایا، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ فرخی اور منوچہری نے قاآنی کا قالب اختیار کرلیا،

شاعری ابتدا سے جس انداز پر چلی آتی تھی، اکبری اور صفوی دور نے دفعتاً اُسکی روش بدل دی، عرفی، نظیری، وحشی یزدی، شفائی نے ہزاروں گوناگوں خیالات پیدا کرکے شاعری کے میدان کو نہایت وسیع کر دیا، بالخصوص عشق و عاشقی کے رموز و اسرار اور فلسفۂ زندگی کے ایسے سیکڑوں ہزاروں نکتے بیان کیے، جو قدما کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے، لیکن یہ جو کچھ تھا اکبر و عباس صفوی کا فیض تھا، جہانگیر و شاہجہان نے شاہانہ فیاضیاں اکبر سے بھی زیادہ دکھائیں، لیکن تمام پُرزور قوتیں کام میں آچکی تھیں، جہانگیر اور شاہجہان کیلئے نطرت کی فیاضی کا بہت کم سرمایہ رہگیا تھا، اس عہد میں بھی جو کچھ ہوا وہ اکبر ہی کی تحریک[1] وہ قوت تھی، قدسی، طالب آملی، طالب کلیم گو جہانگیری و شاہجہانی شعرا ہیں، لیکن یہ بھی اکبر ہی کے نہال فیض

کے برگ وبار ہین،

میرزا صائب بھی اسی عہد کے یادگار ہین، اور سچ یہ ہو کہ کلیم کے سوا اس دور مین کوئی شخص اُسکی ہمسری کا دعوی نہین کرسکتا، اور اسکے بعد تو عالمگیر کے زہد خشک نے شاعری کا چراغ ہی گل کردیا،

صائب ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اسکا باپ مشہور تاجر تھا، اسکی ولادت تبریز مین[1] ہوئی، لیکن نشو ونما او تعلیم و تربیت اصفہان مین حاصل کی، اسی بنا پر اسکو تبریزی اور اصفہانی دونون کہتے ہین، شعر و شاعری سے اسکو قدرتی مناسبت تھی، آغاز سن شعور مین جب اسکی شاعری کے چرچے ہونے لگے تو ایک شخص نے امتحان کے طور پر ایک مہمل مصرع پیش کیا کہ اُسپر مصرع لگا دیجیے، مصرع یہ تھا،

شمع گر خاموش باشد، آتش از مینا گرفت

صائب نے پیش مصرع کہکر مصرع کو بامعنی کردیا،

امشب از ساقی زبس گرم ست محفل میتوان | شمع گر خاموش باشد، آتش از مینا گرفت

یعنی آج محفل ایسی گرم ہو کہ اگر شمع بجھ جاے تو بوتل سے آگ روشن کرلیجا سکتی ہو،

باوجود شاعری کے صائب پر مذہبی خیالات بہت غالب تھے، آغاز شباب مین حرمین کا سفر کیا، واپسی کے بعد مشہد مبارک کی زیارت کی، اور اظہار عقیدت کے طور پر ایک

---

[1] آتشکدہ مین لکھا ہو کہ اسکے خاندان کو عباس صفوی نے اصفہان مین لیجاکر آباد کرایا تھا، اور صائب یہین پیدا ہوا، ۱۲ ید بیضا،

صیدہ لکھا، جسکا ایک شعر یہ تھا،

للہ الحمد کہ بعد از سفر حج صائب　　　عہد خود تازہ بسلطان خراسان کردم

صائب نے شاعری کی باقاعدہ تعلیم، حکیم رکنا مسیح کاشی اور حکیم شفائی سے حاصل
ں، حکیم رکنا مشہور شاعر گذرا ہے، شاہ عباس صفوی اُسکے گھر پر اُس سے ملنے آتا تھا، شاہ عباس
حاسدون نے اُس کی طرف سے رنجیدہ کر دیا، تو حکیم رکنا نے دربار سے قطع تعلق کیا، او
مطلع لکھا،

ر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش　　　شام بیرون میروم چون آفتاب از کشورش

اسکے بعد ہندوستان چلا آیا اور اکبر و جہانگیر کے دربار مین رسائی پائی، شاہجہان
ب تخت پر بیٹھا تو قطعہ تاریخ لکھ کر بارہ ہزار روپے صلے مین حاصل کیے، ۱۰۴۲ھ مین مشہد
قدس کی زیارت کی اجازت لی، شاہجہان نے زاد سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کیے،
۱۰۸۱ھ مین انتقال کیا،

ہندوستان کی فیاضیون کے غلغلہ سے تمام ایران گونج رہا تھا، صائب کے دل مین
ن بھی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ خود کہتا ہے،

ہچو عزم سفر ہند، کہ در ہر دل ہست　　　رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

زاد سفر کے لیے اگرچہ شاعری سے بہتر کوئی چیز نہ تھی، لیکن **صائب** چونکہ ایک
ز تاجر کے گھر مین پیدا ہوا تھا، اس نے یہ مبتذل طریقہ پسند نہ کیا، اور تجارت کے ذریعہ سے
ین آیا، شاہجہان کے دربار مین رسائی حاصل کی اور ہزاری منصب در **مستعد خان**

خطاب عطا ہوا، یہیں ظفر خان سے ملاقات ہوئی۔ اور اس قدر تعلقات بڑھے کہ صائب اور ظفر خان کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے[لہ]،

ظفر خان مشہور امرائے تیموریہ میں سے ہے، اسکا باپ خواجہ ابوالحسن، اکبر کے زمانے میں ایران سے آکر دکن کا دیوان مقرر ہوا تھا، جہانگیر نے اپنے زمانے میں وزیر اعظم مقرر کیا ۱۰۳۳ھ میں وزارت کے ساتھ کابل کی حکومت بھی عطا کی، لیکن چونکہ وزارت کے تعلق سے پایۂ تخت سے جدا نہیں ہو سکتا تھا، اسکے بیٹے ظفر خان کو باپ کی قائم مقامی کے طور پر کابل کی حکومت ملی، **ظفر خان** نہایت فیاض اور قدردان علم و فن تھا، خود بھی شعر کہتا تھا، اور احسن تخلص کرتا تھا، مرزا صائب کی شاگردی نے اس کی استعداد کو اور ترقی دی، چنانچہ خود کہتا ہے،

طرز یاران پیش احسن بعد ازین مقبول نیست　　تازہ گوییہای او از فیض طبع صائباست

مرزا صائب نے ظفر خان کی مدح میں متعدد قصائد لکھے، اور چونکہ ممدوح درحقیقت مدح و ثنا کا سزاوار تھا، میرزا کو اسکی مداحی پر ناز تھا، ایک قصیدہ میں لکھتا ہے،

کلاہ گوشہ بخورشید و ماہ می شکنم　　بہ این غرور کہ مدحت گر ظفر خانم
ز نو بہار سخایش چو قطرہ ریزہ شوم　　قسم خورد بسر کلک ابر نیسانم
بلند بخت شمالا! بہار تربیتا!　　کہ از نسیم ہواداریت گلستانم

لہ صائب کے سفر ہندوستان کے متعلق نہایت مختلف و متناقض روایتیں ہیں، میں نے سرو آزاد، ید بیضا، ریاض الشعرا کو چھوڑ کر مرآۃ الخیال کی روایت اسلئے اختیار کی ہے، کہ اسکا مصنف صائب کا گویا معاصر تھا،

حقوق تربیت را، کہ در ترقی باد — زبان کجاست؟ کہ در حضرتت فرد خوانم
تو پاے تخت سخن را بدست من دادی — تو تاج مدح نہادی، بفرق دیوانم
ز ردے گرم تو جوشید، خون معنیِ من — کشید جذب تو، این لعل از رگِ کانم
تو جان، ز دخل بجا، مصرع مرادادی — تو در فصاحتِ، دادی خطاب سحبانم
ز دقّتِ تو بمعنی شدم چنان باریک — کہ می توان بدلِ مور، کرد پنہانم
چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود — نداشت طرۂ شیرازہ روے دیوانم
تو غنچہ ساختی اوراق باد بردۂ من — وگرنہ خار نمے ماند از گلستانم

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہو کہ میرزا صائب نے اپنے دیوان کو ظفر خان کی فرمایش سے مرتب کیا تھا، ان اشعار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہو کہ ظفر خان میرزا صائب کے کلام پر اُستادانہ نکتہ چینیان کرتا تھا، اور اس قسم کی روک ٹوک سے میرزا کا کلام اور زیادہ ترقی کرتا جاتا تھا، ۱۰۳۹ ہجری مین شاہجہان نے دکن کا رخ کیا، ظفر خان بھی اس سفر مین ہمرکاب تھا' اور میرزا صائب اسکے ساتھ تھا، جب برہانپور مین پہونچا تو چونکہ یہان کی زمین نہایت غبار انگیز تھی میرزا صائب نے کہا،

تو تیا ساز و غبار اگرہ و لاہور را — چشم من تا خاک مال گرد برہانپور خورد

صائب کے باپ کو صائب سے نہایت محبت تھی، اس زمانے مین ہندستان کا سفر ایک معمولی بات تھی' اور ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے، تاہم محبت

لہ ید بیضا و سرو آزاد بلگرامی،

کا یہ جوش تھا کہ میرزا کے باپ نے ستر برس کی عمر مین ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور پیارے بیٹے کو ساتھ لیجانا چاہا، میرزا صائب کو مجبورًا ظفر خان سے رخصت کی استدعا کرنی پڑی ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور اس مین اسطرح اظہار مطلب کیا،

ششش سال بیش رفت کہ از اصفہان بہند | اُفتادہ است توسن عزم مرا گذار
آوردہ است جذبۂ گستاخ شوق من | از اصفہان بہ اگرہ و لاہورش اشکبار
ہفتاد سالہ، والد پیرست بندہ را | کز تربیت بود بمنش حق بے شمار
زان بیشتر کز اگرہ بہ معمورۂ دکن | آید عنان گسستہ تر از سیل بے قرار
این راہ دور را بسر شوق طے کند | با قامت خمیدہ، و با پیکر نزار
دارم امید رخصتے، از آستان تو | اے آستانت، کعبۂ امید روزگار
مقصود او ز آمدنش بردن من ست | لب را بحرف رخصت من کن گہر نثار
با جبہۂ کشادہ تر از آفتاب صبح | دست دعا بہ بدرقۂ راہ من برآر

حُسن اتفاق کہ اسی زمانہ مین یعنی ۱۰۴۱ھ ہجری مین شاہجہان نے دکن سے آگرہ کا قصد کیا اور آغاز ۱۰۴۲ھ مین ظفر خان کشمیر کی صوبہ داری پر ممتاز ہوا، میرزا صائب ظفر خان[۱] کے ساتھ کشمیر مین آیا اور اس بہشت برین کی سیر کرکے باپ کے ساتھ وطن کو واپس گیا، ایران مین ایسے جوہر قابل کے لیے قدردانی کی کیا کمی تھی، سلاطین صفویہ نے بڑی عزت و احترام سے لیا، میرزا نے بھی اُن کی مدح مین پُرزور قصائد لکھے، شاہ عباس ثانی نے اسکو ملک الشعراء

[۱] سرو آزاد،

کا خطاب دیا، لیکن جب اسکے بعد سلیمان صفوی تخت نشین ہوا، اور میرزا صائب نے قصیدہ لکھکر پیش کیا، جسکا یہ مطلع تھا،

احاطہ کرد خط آن آفتاب تابانرا   گرفت خیل پری، درمیان سلیمانرا

تو سلیمان صفوی چونکہ نوخیز اور نوخط تھا، نہایت رنجیدہ ہوا، اور پھر تمام عمر میرزا سے خطاب نہ کیا[۱]،

میرزا نے اگرچہ اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہین نکالا تاہم ہندوستان کی فیاضیان رہ رہکر یاد آتی تھین، جب نواب جعفر خان آغاز عہد عالمگیری مین وزیر اعظم مقرر ہوا تو میرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا،

دوردستان را باحسان یاد کردن ہمت ست   ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

جعفر خان نے پانچ ہزار روپیہ اور بقول بعض پانچہزار اشرفیان بھیجین[۲]،

سنہ ۱۰۸۱ ہجری مین بمقام اصفہان وفات پائی "صائب وفات یافت" مادہ تاریخ ہی،

میرزا کا ایک مطلع ہے،

در ہیچ پردہ نیست، نباشد نواے تو   عالم پُرست از تو وخالیست جاے تو

میرزا نے وصیت کی تھی کہ یہ مطلع اسکے مزار پر کندہ کیا جائے، چنانچہ سنگ مرمر کے لوح پر کندہ کیا گیا،

عام حالات وعادات | مرزا نہایت خوددار، پابند وضع، پاکیزہ خو، اور منکسر المزاج تھا،

[۱] ریاض الشعرا، [۲] خزانۂ عامرہ،

شعراے ایران کی عام عادت ہی کہ ہندوستانی شعرا کو مطلق خاطر مین نہین لاتے، امیر خسرو اور حسن کے سوا کسی ایرانی مستند شاعر نے کبھی کسی ہندوستانی شاعر کا نام نہین لیا، لیکن میرزا صائب اپنے ہمعصر ہندوستانیون کا نام بھی، غزل کے مقطع مین لاتا ہی، اور اُن کی غزلون پر غزل لکھنا گوارا کرتا ہی، ایک غزل غنی کے جواب مین لکھی ہی، اسکا مقطع یہ ہی،

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید غنی　　یاد ایامیکہ دیگِ شوق ما سرپوش داشت

میرزا کی عادت ہی کہ اکثر شعرا کی غزلون پر غزل لکھتا ہی اور مقطع مین ان شعرا کے غزلون کے پورے مصرع نقل کر دیتا ہے، اس سے اسکی صحت مذاق اور خوبی انتخاب کا اندازہ ہو سکتا ہے،

این آن غزل کہ فیضی شیرین کلام گفت　　"دردیدہ ام خلیدہ و در دل نشستۂ"

این جواب آن غزل صائب کہ می گوید ملک　　"چشم بنیش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری"

بطرز تازہ قسم یاد می کنم صائب　　کہ جاے طالب آمل در صفہان پیداست

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد　　"سایہ ابر بہاری کشت را سیراب کرد"

این آن غزل کہ اوحدی خوش کلام گفت　　"اے روشن از رخ تو زمین و زمان ہمہ"

جواب آن غزل ست اینکہ میر شوقی گفت　　"چو شیر از دو طرف می کشند زنجیرم"

این جواب آن غزل صائب کہ فتحی گفتہ است　　از فراموشان مبادا آنکس کہ ما را یاد کرد

صائب این تازہ غزل آن غزل شاپور ست　　"کہ گران می رود آن کس کہ توکل دارد"

جواب آن غزل ست اینکہ گفتہ است مطیع　　"دکلید کعبہ و بت خانہ در بغل دارم"

این جواب مصرع اوجی که وقتی گفته است — بادشاهی عالم طفلی ست یا دیوانگی"

این جواب آن غزل صائب که او هم گفته است — "گر بنش دامن نگیرم خون من خود مرده نیست"

جواب آن غزل حاذق ست این صائب — "بهار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم"

این جواب آن غزل صائب که راقم گفته است — "تیغ را هم آب در جوی دلم دو خون می خورد"

شعرا میں ہمیشہ باہم رقابت اور حسد ہوتی ہے لیکن میرزا صائب اسکو نہایت ناپسند کرتا تھا، چنانچہ ایک نظم میں باہمی محبت اور اعانت کی ترغیب دی ہے[1]،

خوش آن گروہ کہ مست بیان یکدگر اند — زجوش فکر مے ارغوان یک دگراند

نمی زنند بسنگ شکست گوہر ہم — بے رواج متاع دکان یکدگر اند

زنند بر سر ہم گل ز مصرع رنگین — ز فکر تازہ، گل بوستان یک دگراند

سخن تراش چو گردند، تیغ الماسند — زند چو طبع بکندی، فسان یکدگراند

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج و کلیم — دگر کہ ز اہل سخن مہربان یک دگراند

صائب اگرچہ تمام اساتذہ بلکہ ہمعصروں کو ادب سے یاد کرتا تھا، لیکن خاص خاص اساتذہ کا نہایت معتقد تھا، سب سے زیادہ خواجہ حافظ کا معترف تھا اور یہ اس کی صحیح المذاقی کی بہت بڑی دلیل ہے، لوگوں کے اصرار سے ایک غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی، لیکن مقطع میں یہ عذر کیا،

صائب چہ توان کرد بتکلیف عزیزان — ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

ایک اور غزل میں کہتا ہے،

[1] سرو آزاد، ذکر معصوم شاعر،

روا ست صائب اگر نیست اِنے رہِ دعوی　　تتبّع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی ست

حکیم رکنا اور شفائی کا شاگرد تہا، اس لیے ان دونون کا نام نہایت ادب سے لیتا ہے،

این آن غزل حضرت رکناست کہ فرمود　　"پاے ملخے پیش سلیمان چہ نماید"

در اصفہان کہ بدردِ سخن رسد، صائب!　　کنون کہ نبض شناس سخن شفائی نیست

نظیری کو عرفی سے زیادہ مانتا تہا، چنانچہ کہتا ہے،

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری　　عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

یہانتک مضائقہ نہین، لیکن افسوس ہے کہ عام خوش اعتقادی یا شہرت عام کی بنا پر ظہوری اور جلال اسیر کی بھی مداحی کرتا ہے،

صائب نداشتیم سر دبرگ این غزل　　این فیض از کلام ظہوری بما رسید

خوشا کسی کہ چو صائب ز صاحبان کمال　　تتبع غزل میرزا جلال کند

بد مذاقی کا یہ پہلا قدم تہا، جس نے آخر ایک شاہراہ قائم کردی، اور نوبت یہ پہونچی کہ آج لوگ ناصر علی، بیدل، شوکت بخاری وغیرہ کے کلام پر سر دھنتے ہین، "دبنیاد ظلم در جہان اندک بود، ہر کہ آمد بران مزید کرد،"

میرزا صائب نے ہر قسم کی اصناف سخن مین طبع آزمائی کی ہی، قصائد متعدد ہین، ایک چھوٹی سی رزمیہ مثنوی بھی ہی، اور غزل تو اسکا خاص فن ہے، لیکن قصائد اور مثنویان کم رتبہ ہین، یہ دونون چیزین اس دور سے پہلے ابتر ہو چکی تھین، اور مرزا بھی اسکی کچھ تلافی نہ کرسکا،

رزمیہ مثنوی کا ایک شعر یاد رکھنے کے قابل ہے،

چنان لرزہ در دشت کین اوفتاد | کہ قارون برون از زمین اوفتاد

میرزا نہایت پُر گو، اور بدیہ گو تھا، جس زمانے مین وہ برہانپور دکن مین تہا، ایک قصیدہ ساٹھ شعرونکا صرف دو پہر مین لکھا، اس قادر الکلامی کے نشہ مین خود کہتا ہے،

ہزار حیف کہ عرفی و نوعی و سنجر | نیند جمع بدار العیار برہان پور

کہ قوتِ سخن و لطف طبع می دیدند | نمی شدند بطبع بلند خود مغرور

ہمین قصیدہ کہ یک چاشت ریز داد مرا | ز اہل نظم کہ گفت ست؟ در سنین و شہور

ایک دفعہ اسکے ایک شاگرد نے ایک مہمل مصرع پیش کیا کہ اسپر مصرع لگا دیجیے، مصرع یہ تھا،

از شیشۂ بے مَی، مئے بے شیشہ طلب کن

صائب نے فوراً کہا،

حق را ز دلِ خالی از اندیشہ طلب کن

ایک دفعہ راہ مین چلا جا رہا تھا، ایک کُتے کو بیٹھا ہوا دیکھا، چونکہ کُتّا جب بیٹھتا ہے تو گردن اونچی کر کے بیٹھتا ہے، فوراً یہ مضمون خیال مین آیا[1]،

شود ز گوشہ نشینی فزون عزت نفس | سگِ نشستہ ز استادہ سرفراز ترست

فغانی کا مشہور مطلع ہے،

لہ کلمات الشعرا سرخوش،

بہ بوئے صبحدم نالان بگلگشت چمن رفتم نہادم روے برروے گل و از خویشتن رفتم

میرزا نے اسکو یون بدل دیا[۱]،

ببوے صبحدم گریان چو شبنم در چمن رفتم نہادم روے برروے گل و از خویشتن رفتم

شبنم کی تشبیہ نے شعر مین جان ڈالدی اور دعوے کو پورا ثابت کر دیا۔

میرزا خاضع، میرزا صائب کے شاگرد اور سید عبد الجلیل بلگرامی کے ہمنشین تھے،

ان کی زبانی منقول ہی کہ ایک دفعہ مین نے میرزا صائب کے سامنے یہ مصرع پڑھا، ع

دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن و مردن،

مصرع بالکل مہمل تھا، یعنی چند چیزین بے مناسبت جمع کردی تھین، میرزا نے

پیش مصرع لگا کر عجیب فلسفیانہ مضمون پیدا کر دیا[۲]،

بقدر ہر سکون راحت بود، بنگر تفاوت را دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

میرزا کی زندگی ہی مین اسکے کلام کو یہ حسن قبول حاصل ہو چکا تھا، کہ سلاطین اور

امرا، شاہ ایران سے اسکے کلام کی استدعا کرتے تھے اور تحفہ اور سوغات کی طرح اسکی

غزلین بھیجی جاتی تھین[۳]

میرزا نے فن سخن کے متعلق ایک بڑا کام یہ کیا، کہ قدما اور متاخرین کا کلام انتخاب کرکے

ایک بیاض مرتب کی جو سخندانون کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی ہی، میرزا کا اپنا انداز گو خاص ہے

اور وہ شاعری کا معمولی درجہ ہی، لیکن چونکہ اسکا مذاق نہایت صحیح تھا، اسلیے بلند اور نادر

---

[۱] کلمات الشعرا، [۲] ید بیضا، [۳] کلمات الشعرا سرخوش،

اشعار انتخاب کیے ہین، شعراے عرب مین ابو تمام ایک مشہور شاعر گذرا ہے جو متنبی کا ہم پلہ خیال کیا جاتا ہے، اس نے ایک مجموعہ انتخاب کیا تھا جو حماسہ کے نام سے مشہور ہے اور فن ادب کی جان ہی، اہل فن کا بیان ہے کہ ابو تمام کی شاعری کا کمال جسقدر اس انتخاب سے معلوم ہوتا ہے، خود اسکے دیوان سے ظاہر نہین ہوتا،

میرزا صائب کے انتخاب کا بھی بعینہ یہی حال ہی، جس شاعر کے جتنے اشعار انتخاب کر دیے ہین، وہی اُسکے تمام دیوان کا عطر ہے،

مین نے اس کتاب کا ایک نسخہ حیدر آباد مین دیکھا تھا، جو خود میرزا کے ایک شوقین شاگرد نے ایران مین نہایت اہتمام سے طیار کرایا تھا، ہر شاعر کے نام کے ساتھ اسکے اشعار کی تعداد بھی ہندسون مین لکھدی ہی، اخیر مین مختصر سی عبارت ہے، جسمین انتخاب کا حال لکھا ہی معلوم ہوتا ہی کہ اہل فن اس بیاض کی نقلین لیتے تھے، اور اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے، والہ داغستانی نے ریاض الشعرا مین جا بجا اسکے حوالے دیے ہین، مین نے اس بیاض کے تین نسخے دیکھے ہین، جن مین سے ایک خود میرے کتب خانے مین موجود ہی،

میرزا کے لطائف وظرائف بہت مشہور ہین، جس زمانے مین وہ کشمیر مین تھا، ایک دن ظفر خان کے دربار مین اشعار پڑھ رہا تھا، اور ہر طرف سے تحسین وآفرین کی صدا بلند تھی، ایک نوخیز نے حسد سے کہا کہ یہ تمام مضامین قدما کے یہان بندھ چکے ہین، موجودہ شاعرونکا کام رہگیا ہے کہ صرف لفظون کو اُلٹ پلٹ کر دیتے ہین، صائب نے برجستہ کہا، -

اہل دانش، جملہ مضمونہاے رنگین بستہ اند　　　　ہست مضمون نہ بستہ .... شما

چونکہ اتفاقاً شعر حسب حال تھا ظفر خان بے اختیار ہنس پڑا اور میرزا کو انعام دیا
میرزا نے ایک غزل لکھی تھی جسکا مطلع تھا،

سرِ من طرح نو انداختہ یعنی چہ — جامہ را فاختہ ساختہ، یعنی چہ

ایک مولوی صاحب نے سنا تو فرمایا کہ ردیف غلط ہے، یعنی چہ غائب کا صیغہ ہے
اور مخاطب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، میرزا کے سامنے کسی نے تذکرہ کیا، اُس نے کہا
شعر مرا بدرسہ کہ بُرد،

ایک صاحب محمد مراد متخلص بہ لائق جونپور کے رہنے والے تھے، عالمگیر کے زمانہ
مین لاہور کی سوانح نگاری پر مامور تھے، آغاز شباب مین انکو شاعری کا شوق پیدا ہوا، میرزا
صائب کی شہرت سنکر ایران کا قصد کیا، اور جوش اعتقاد مین جونپور سے اصفہان تک
پاپیادہ گئے، میرزا نے بھی انکے خلوص وارادت کی بڑی قدر کی، خود اپنے گھر مین مہمان
اُتارا اور ہر طرح کی مہمان نوازی کی، اُن کا بیان ہے کہ مین نے کبھی مرزا کو شعر کے لیے غور
و فکر کرتے نہین دیکھا، لیکن ایک دن خلاف عادت باغ کی روشون پر متفکرانہ ٹہل رہے
تھے، مین نے سبب پوچھا فرمایا کہ فردوسی کا مشہور شعر ہے،

بفرمود تا رخش را زین کنند — دُم اندر دمِ نائے زرین کنند

شفائی نے اس شعر کا جواب لکھا ہے،

بفرمود تا زین برابرش نہند — چہ زین ہمہ بالائے آتش نہند

مین بھی اسکا جواب لکھنا چاہتا ہون، انھون نے کہا کہ اجازت ہو تو مین اس کا م

ﺠﺎﻡ دون، تمام رات کی غور و فکر کے بعد صبح کو یہ شعر لکھکر میرزا کی خدمت مین پیش کیا،[۵]

بفرمود تازین بر آدہم نہند　　　بہ پشت صبا، مسندِ جم نہند

میرزا نے بہت تعریف کی، یہ واقعہ غلام علی آزاد نے ید بیضا مین خود لائق
ﻨﺒﻮری کی زبان سے نقل کیا ہی، لیکن قیاس مین نہین آتا کہ صائب شفائی کے شعر کو
ﺮدوسی کے مقابلہ مین لائے، اور پھر خود جواب لکھنے کا ارادہ کرسے،

ﺎم پر ایے | میرزا صائب کا خاص انداز تمثیل ہی، تمثیل کا طریقہ پہلے بھی تھا، لیکن صائب
ﻨﮯ اس کثرت سے اسکو برتا کہ اسکی خاص چیز ہوگئی، اسکے علاوہ اور شعرا، عام مضامین
ﻦ تمثیل سے کام لیتے تھے، صائب نے اخلاقی مضامین کے لیے خاص کر دیا،

جا بجا خیال بندی، اور مضمون آفرینی بھی پائی جاتی ہی، اور یہ خاص متاخرین کا اندا
اگرچہ صائب کے ہان وہ لطیف خیالات اور عشق و محبت کے اسرار نہین پائے جاتے
ﻋﺮفی و نظیری کے ہان نہایت کثرت سے پائے جاتے ہین، تاہم زبان کی فصاحت
ﯿﺐ کی بندش، محاورات کا استعمال، ہاتھ سے نہین جانے پاتا، بخلاف و متاخرین
، جن کے کلام کو پڑھکر زبان کی خوبیون کی طرف مطلق ذہن متوجہ نہین ہوتا،

اشعار ذیل ملاحظہ ہون،

ﺪ مگر از در انصاف در آئی ورنہ	جذبہ شوق، حریفِ دلِ خود کامِ تو نیست
ﯾﺎن پاس غلط کردہ خودمی دارند	ورنہ یک سرو درین باغ بہ اندامِ تو نیست

۵ ید بیضا،

یعنی قمریون کو اپنی غلط بات کی تیخ آن پڑی ہی ورنہ ایک نے بھی تیرے قد و قامت کا نہیں

شب، کہ صحبت بجدیث سر زلف تو گذشت
هر که بر خاست ز جا سلسله بر پا بر خواست

یادگار جگر سوختهٔ مجنون ست
لاله چند که از دامن صحرا بر خاست

نه شبنم ست چمن را بروے آتشناک
عرق ز روے تو کرده است گل بدامن پاک

تو فکر نامهٔ خود کن که می پرستان را
سیاه نامه نخواهد گذاشت گریهٔ تاک

دلم بپاکیِ دامان غنچه می لرزد
که بلبلان، همه مستند و باغبان تنها

چشم عاشق ز تماشاے تو چون سیر شود
هر نگه سلسله جنبانِ نگاه دگرست

که گذشت ست ازین بادیه دیگر کامروز
نبض ره می طپد و سینهٔ صحرا گرم ست

طوفان گل و جوش بهارست ببینید
اکنون که جهان بر سر کارست ببینید

عالم بیخبری طرفه بهشتے بوده است
حیف صد حیف که ما دیر خبردار شدیم

هم این جا صلح کن با ما چه لازم
که در محشر ز ما شرمنده باشی

درین دو هفته که چون گل درین گلستانی
کشاده روے تر از رازهاے مستان باش

تمیز نیک و بد روزگار کار تو نیست
چو چشم آئینه در خوب و زشت حیران باش

درونِ خانهٔ خود هر گدا شهنشاه است
قدم برون منه از حد خویش سلطان باش

میان نور و ظلمت عالمے دارم نمے دانم
که شامم صبح، یا صبح امیدم، شام می گردد

این قدر کز تو دلے چند شود شاد بس ست
زندگانی بمراد همه کس نتوان کرد

صائب کے تمثیلیہ اشعار چونکہ عام طور پر زبانوں پر ہیں، اسلیے ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں

ابوطالب کلیم

ملک الشعراے شاہجہانی

یہ یگانۂ فن، صحیفۂ شاعری کا اخیر ورق ہی، اور اسی کے نام پر شعرالعجم حصۂ سوم، کا خاتمہ ہے۔ ہمدان مین پیدا ہوا، لیکن کاشان مین زیادہ قیام رہا، آغاز جوانی مین شیراز جاکر علوم درسیہ کی تحصیل کی[له]،

جہانگیر کے عہد حکومت مین ہندوستان آیا، امراے جہانگیری مین شاہ نوازخان صفوی ابن مرزا رستم صفوی ایک مشہور امیر تھا، عالمگیر اور مرزا شجاع اسکے داماد تھے کلیم نے اول اُس کے دربار مین رسائی پیدا کی لیکن ۱۰۲۸ھ سنہ ہجری مین وطن کی یاد نے بیچین کیا، اِس زمانے کا ہندوستان وہ چیز تھی کہ کلیم گو وطن کو جاتا تھا، لیکن حسرت سے اُنکا اندازہ لیے جاتا تھا، اسی حالت مین غزل لکھی جسکے چند شعر یہ ہین[ته]،

زشوق ہند زان سان چشم حسرت برقفا دارم
کہ رو ہم گر براہ آرم نمے بینم مقابل را

ہندوستان کے شوق مین میری آنکھین اسطرح پشت کیطرف لگی ہوئی ہین کہ سامنے کے رخ پر نظر بھی ڈالتا ہون تو سامنے کا آدمی نظر نہین آتا

اسیر ہندم و زین رفتن بیجا پشیمانم
کجا خواہد رساندن پرفشانی مرغ بسمل را

بایران میرود نالان کلیم از شوق ہمراہان
بپاے دیگران ہمچون جرس طی کردہ منزل را

له شاہجہان نامہ جلد ثانی صفحہ ۳۵۲ ته خزانہ عامرہ و سرو آزاد،

اس حالت کے ساتھ وطن ہین کیا جی لگتا، دو برس بہی گذرنے نہ پائے تھے کہ پھر
ہندوستان واپس آیا، اکی اسنے میر جملہ شہرستانی کا دامن[۱] پکڑا، میر جملہ کو جہانگیر نے
دست خاص سے خط لکھکر اصفہان سے بلایا تھا چنانچہ ۱۰۲۶ھ ہجری ہین باریاب ہوا، اور
دو دنیم ہزاری کا منصب ملا، شاہجہان کے زمانے ہین پنجہزاری تک پہونچا کلیم کی شاعری کا
اگرچہ سکہ جمتا جاتا تھا، اسکے سرپرست بھی دربار شاہی ہین خاص اعزاز رکھتے تھے لیکن جہانگیر
تک اسکی رسائی نہو سکی جسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا طالب آملی تھا اور اسکے سامنے
کلیم کا فروغ پانا ممکن نہ تھا، اسی سلسلہ ہین یہ بات بھی کہنے کے قابل ہو کہ جس سال یعنی ۱۰۲۸ھ
ہین طالب آملی کو ملک الشعرائی کا خطاب ملا ہی، اسی سال کلیم ایران کو واپس گیا ہی[۲] اس سے
بدگمان طبیعتین نتیجہ نکال سکتی ہین کہ کلیم کو رشک نے ہندستان چھوڑنے پر مجبور کیا ہوگا،

کلیم کی ناکامیابی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ نورجہان بیگم اسکی شاعری کی معتقد نہ تھی
اور اکثر اسکے اشعار پر حرف گیری کیا کرتی تھی، ایکدفعہ کلیم نے ایک شعر کہا اور خوب یکھ لیا
کہ کہین حرف رکھنے کی جگہ نہین، شعر یہ تھا،

ز شرم آب شدم آب را شکستی نیست — بحیرتم کہ مرا روزگار چون بشکست

مین شرم سے پانی ہوگیا، حیرت ہو کہ زمانہ مجکو کیونکر توڑ سکا، پانی تو ٹوٹنے کی چیز نہین،

کلیم نے یہ شعر نورجہان بیگم کے پاس بھیجا، نورجہان فوراً بول اٹھی کہ "یخ بست
وپس شکست"، یعنی پانی کو پہلے یخ بنادیا پھر توڑا،[۳]

[۱] خزانہ عامرہ، [۲] سرو آزاد و تذکرہ طالب آملی [۳] مرآۃ الخیال بعض تذکرون ہین یہ واقعہ طالب آملی کیطرف منسوب ہے

معلوم ہوتا ہی کہ کلیم نے دربار مین پہونچنے سے پہلے جابجا خاک چھانی، شاہجہان نامہ مین لکھا ہی کہ وہ دکن مین مارا مارا پھرا، اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہی کہ کلیم کا ایک قصیدہ ابراہیم عادل شاہ کی مدح مین بھی ہی، ایک اور قصیدہ سے معلوم ہوتا ہی کہ بیجاپور کے ارادہ سے چلا تھا کہ راہ مین جاسوسی کے شبہہ مین پکڑا گیا اور قلعہ شاہدرگ مین قید رکھا گیا،

چنانچہ کہتا ہے،

فلک قدرا! نمے پرسی کہ گردون — چرا آزردہ ما را بے محابا

چرا آزردہ بیمار غمے را — کہ مے آمد بدرگاہِ مسیحا

بعزم سیر بیجاپور گشتم — رہے با اخترے چون دشت پیما

بچنگ راہداران اوفتادیم — چہ گویم تا چہا کردند بر ما

ہمہ اندر تجسس موشگافان — ہمہ در گنج کاوے ذہن دانا

یکے گوید کہ دزد انند باشند — بزندان چند گہ زنجیر فرسا

دگر گوید کہ جاسوس فلانند — کہ از تفتیش ناگشتند بینا

یکے می گوید اینان را بکاوید — کہ شاید نامۂ گردد ہویدا

زبس تفتیش از ہم می کشودند — اگر در بار (اسباب) با بودے معما

کنون در چنگ ایشان مبتلائیم — نمی دانیم چارہ جز مدارا

ز ہر پاس (بہرہ)، ہندوہاے باتیغ — چو مو استادہ دایم بر سرِ ما

عجب دارم کہ با این منع جادہ — چسان بے خواست آمد تا باینجا

یہ قصیدہ شاہ نوازخان کے نام لکھا ہے اور اخیر مین لکھا ہی،

اشارت کن کہ چون اقبال گردیم　　بخاک آستانت جبہ فرسا

بہرحال رفتہ رفتہ شاہجہان کے دربار مین رسائی ہوئی، اور ملک الشعرا کا خطاب ملا

۱۰۴۴ھ مین جب شاہجہان نے کرور روپے کی لاگت سے تخت طاؤسی طیار کرایا اور

آگرہ مین جشن نوروز کے دن اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو کلیم نے قصیدہ لکھا،

خجستہ مقدم نوروز وغرۂ شوال　　فشاندہ اند چہ گلہاے عیش بر سر سال

شاہجہان نے اسکے صلے مین روپے کے برابر تلوایا چنانچہ ۵۵۰۰ روپے وزن مین

آئے اور اسکو عطا کیے،

کلیم شاہجہان کے ساتھ کشمیر گیا تو وہان کی رنگینی اور آب وہوا کی دلاویزی کا

اس قدر شیفتہ ہوا کہ وہین کا ہو رہا، بادشاہ سے درخواست کی کہ مجکو یہین رہنے کی

اجازت دیجائے، مین یہان بیٹھکر اطمینان سے فتوحات شاہی نظم کرونگا، یہ درخواست

منظور ہوئی ۱۰۵۵ ہجری مین جب شاہجہان پھر کشمیر گیا تو کلیم نے قصیدۂ تہنیت لکھکر

پیش کیا اور خلعت اور دوسو اشرفیان انعام مین پائین ۱۰۶۱ ہجری مین وفات پائی

غنی نے سال تاریخ لکھا ع

طور معنی بود روشن از کلیم

عام حالات کلیم بخلاف اور شعرا کے نہایت صاف دل، سیر چشم، فیاض طبع تھا

معاصر اور حریف شعرا کی عزت کرتا تھا اور گرم جوشی سے ملتا تھا، میرزا صائب اور میر معصوم

(ابن میر حیدر معمائی) سے خاص محبت تھی، چنانچہ میرزا صائب نے ایک غزل مین اس کا ذکر کیا ہے[1]،

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج کلیم　　دگر کہ ز اہل سخن مہربان یکرنگ اند؟

جلال اسیر کا بہت معتقد تھا، چنانچہ کہتا ہے[2]،

میرزائی ما جلال الدین بس ست　　از سخن سنجان طلبگار سخن،

راستی طبعش استاد من ست　　کج نہم بر فرق دستار سخن

ملک قمی نے جب انتقال کیا تو کلیم نے قطعہ تاریخ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین

ملکِ آن بادشاہ ملک معنی　　کہ نامش سکۂ نقد سخن بود

چنان آفاق گیر از ملک معنی　　کہ حدِ ملکش از قم تا دکن بود

بجستم سال تاریخش ز ایام　　بگفتا او سر اہل سخن بود

اکثر شعرائے ایران باوجود اسکے کہ ہندوستان مین آکر خاک سے آسمان پر پہونچے لیکن ہندوستان کو گالیان دیتے ہین، بخلاف ان کے کلیم ہندوستان کا مداح اور افسانہ خوان ہے، ایک قصیدہ کی پوری تمہید ہندوستان کی مدح ہی، اُس کا ایک شعر یہ ہے،

توان بہشت دوم گفتنش باین معنی　　کہ ہر کہ رفت ازین بوستان پشیمان شد

کلیم نہایت حاضر جواب اور مضمون یاب تھا، قیصر روم نے شاہ جہان کو خط لکھا

[1] سرو آزاد: تذکرۂ میر معصوم، [2] سرو آزاد: تذکرہ جلال اسیر،

کہ آپ صرف ہندوستان کے بادشاہ ہین، شاہجہان کا لقب کیون اختیار کیا ہے؟ شاہجہان کو بھی خیال ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے، یمین الدولہ سے کہا کہ کوئی اور خطاب اختیار کرنا چاہیے، کلیم کو خبر ہوئی، اُسی وقت قصیدہ لکھکر پیش کیا، جس مین لقب کی یہ توجیہ کی[1]

شہ را خطاب شاہجہانی مبرہن ست　　ہند و جہان ز روے عدد ہر دچون یکی ست

یعنی ہند اور جہان دونون لفظ کے عدد ایک ہین (۵۹) اسلیے شاہ جہان اور شاہ ہند دونون کہہ سکتے ہین،

خان جہان لودی نے جسکا اصلی نام پیرا تھا جب بغاوت کی اور شکست کھاکر مقتول ہوا تو اُسکا اور اُس کے شریک بغاوت دریا خان کا سر ایک ساتھ دربار مین آیا کلیم نے برجستہ رباعی کہی۔

این مژدہ کہ فتح از پے ہم زیبا بود　　این کیف دو بالا چہ نشاط افزا بود

از کشتن دریا سرِ پیرا ہم رفت　　گویا سرِ او حباب این دریا بود

شاعری کلیم نے شاعری کی تمام صنفون کو لیا ہے، قصائد کثرت سے ہین کئی مثنویان ہین، غزلون کا دیوان الگ ہی، مثنوی مدت سے اپنے پایہ سے گر چکی تھی کلیم کی مثنویان بھی کم رتبہ بلکہ عامیانہ ہین، اتنی بات ہی کہ وہ نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون پر نظم لکھتا ہے جو اکثر شعرا کے نزدیک یہ بھی ابتذال مین داخل ہی، مثلاً انگوٹھی، قلمدان، کشتی، بندوق

[1] کلمات الشعرا سرخوش، لیکن سرخوش نے دوسرا مصرع جس طرح نقل کیا ہی دیوان مین نہین، اسلیے مین نے دیوان کے مطابق نقل کیا ہی،

غیرہ وغیرہ، سب کی شان مین قطعات اور رباعیان لکھی ہین،
ایک دفعہ گرمی دانے نکلے، اس پر ایک بڑا قطعہ لکھا، تپ آگئی، اس پر بھی
ظم لکھدی، اسی جزئی واقعہ نگاری کا اثر ہی کہ اور ایرانیون کے برخلاف ہندوستان کے
ہت سے پیشون، صنعتون، پھولون اور پھلون کے نام لکھدیے ہین جن کا نام بھی
بان قلم پر لانا اور شعرا گناہ سمجھتے تھے، عرفی عمر بھر ہندوستان مین رہا، لیکن عمر بھر مین صرف
یک ہندی لفظ جھگڑ زبان سے نکلا، وہ بھی اس طرح بدلکر کہ گویا فارسی ہی، طالب آملی
نے رام رنگی ایک شعر مین باندھ دیا، اسکو لوگون نے تعجب سے دیکھا، لیکن کلیم سیکڑون
ہندی الفاظ بولتا چلا جاتا ہے، مثلاً

منہ بر وعدۂ تنبولیان دل — کہ جز خون خوردن از وی نیست حاصل
ز حسن شستۂ دھوبی چگویم — ازان بے پردہ محبوبی چگویم
غرور حسن با جہل بہائی — چو گردد جمع نتوان زندگانی
بتان را جپوت و شیخ زادہ — شکیب عاشقان برباد دادہ
چہ چنبہ شعلۂ شمعے ست بے دود — کہ آتش نی زند در خرمن عود
ز موزونان نظر دریوزہ دارم — کہ وصف مولسری را بر نگارم
گل گڈھل نہ فہمیدست موسم — شگفتہ چون رُخِ یارست دایم
نہال نیمش از بس خوش نسیم ست — دل طوبی ز رشک آن دو نیم ست

جو قابل ذکر واقعات اسکے زمانے مین پیش آئے، سب پر اسنے کچھ نہ کچھ لکھا ہے،

عالمگیر شہزادگی کے زمانے مین جب اس کی عمر ۱۴ برس کی تھی، مست ہاتھی سے لڑا تھا، جس کی کیفیت یہ ہی کہ شاہجہان ہاتیون کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، شہزادے بھی گھوڑون پر سوار تماشے مین مصروف تھے، عالمگیر قریب سے دیکھنے کے لیے جوش شجاعت مین گھوڑے کو آگے بڑھائے جاتا تھا، ایک ہاتھی حریف کو چھوڑ کر عالمگیر پر جھپکا، عالمگیر نے پیشانی کو تاک کر برچھا مارا، ہاتھی نے غصہ مین آکر گھوڑے کو دانتون مین بالیا، عالمگیر زمین پر آیا، لیکن جھٹ پٹ اُٹھکر ہاتھی پر حملہ آور ہوا، ادھر راجہ جے سنگھ نے بڑھکر پے در پے برچھے کے وار کیے، ساتھ ہی مقابل کا ہاتھی آپہونچا، اور یہ ہاتھی بھاگ نکلا، شاہجہان[1] نے عالمگیر کو گود مین لیکر پیار کیا اور اشرفیون مین تُلوا کر اشرفیان خیرات کین،

کلیم بھی اس واقعہ مین موجود تھا، چنانچہ ایک قطعہ اور ایک مثنوی مین اس واقعہ کی پوری کیفیت لکھی، مثنوی یہ ہے،

بہمائی گوش ارباب ہوش	یکے قصہ دارم من دار گوش
حدیثے سراسر بیان وقوع	بگویم ہتو از زبان وقوع
ز مردم من این نقل نشنیدہ ام	من از دل شنیدم دل از دیدہ ام

ابتدائی واقعات لکھ کر کہتا ہے،

دو یدازقضا آن دو فیل مُہیب	یکے سوے شہزادہ اورنگ زیب
بمردی زجا، یک سر مونہ شد	ز راہ چنین سیل یک سو نہ شد

[1] شاہجہان نامہ، واقعات ۱۰۴۲ہجری،

یکے نیزۂ برق ساں تافتہ — نفر از رگِ غیر تش باختہ
ز قدرت چنان زد بہ پیشانیش — کہ جست از قفا برق رخشانیش
دران کوہ پیکر نہاں شد سناں — دگر بار در رفت آہن بہ کان
ز خرطوم انداخت، پیچاں کمند — فتاد اسپ شہزادہ در پیل بند
گرفت اسپ و شہزادہ بروے سوار — ز بیم آب شد زہرۂ روزگار
چو در اسپ سامانِ جولاں ندید — چو شہبازے از خانۂ زین پرید
ہماں دم کہ بر خاک پا را فشرد — روان دست جرأت بشمشیر برد
علم کردہ شمشیر بروے دوید — کزاں سوے فیل غنیمش رسید
درین رزم اگر بودے افراسیاب — ہمی گشت از دیدن فیل آب
در آغاز و انجام آن گیر و دار — ہمی دید شاہنشہ کامگار
ازاں شیر دل چوں بدید آں جگر — بفرقش بیفشاند گنج و گہر
نظر کردۂ شاہ آفاق شد — بمردانگی در جہاں طاق شد

قصائد قصیدہ میں حاجی محمد جان قدسی کا انداز ہے، یعنی عرفی اور نظیری کی پیچدار درشکل بندشیں صاف کر دیں، اور مبالغہ اور حسن تعلیل کو وسعت دی، لیکن اسکے ساتھ قصیدہ کی متانت، زور اور بلندی کم ہوگئی اور غزلیت کا رنگ غالب آگیا،

جس چیز کو لوگ مضمون آفرینی کہتے ہیں، کلیم کے یہاں اسکی اسقدر بہتات ہے کہ ہر قصیدہ یا مضامین کا ایک تنا رہے، قصائد کی تمہید اکثر اصلی واقعات سے شروع کرتا ہے، مثلاً موسم کی

گرمی، اور سردی، یا سفر کی سختی پہاڑون کی دشوارگذاری، لیکن خیالی مضمون آفرینیان کرکے ایک طلسم بنا دیتا ہی، جسکو واقعیت سے کچھ علاقہ نہین ہوتا، تاہم جستہ جستہ انھین مین ایسے شعر بھی نکل آتے ہین جو شاعری کی جان ہین، مثلاً ابر و بہار،

سحاب از تیرِ باران بہاری
به بستان جملہ گلہا زنشان کرد
بنوعے آتش گل در گرفت ست
کہ بلبل رفت و در آب آشیان کرد

دگر بہار جہان را چنان گلستان کرد
کہ شوقِ سیر چمن، سرو را خرامان کرد
چو دام دار تہید ست از خجالت ابر
بزیر سبزہ، زمین روی خویش پنہان کرد
ز نازکی نتوان غنچہ را ز گلبن چید
گل حباب بیارد کسے بداماں کرد
نقرہین
نازکی کیوجہ سے کوئی شخص کلی کو توڑ نہین سکتا
جس طرح حباب کا پھول دامن مین نہین لیا جا سکتا
چراغ روز، مگو بے فروغ می باشد
ببین کہ لالہ در و دشت را فروزان کرد
یہ نہ کہو کہ دن کے چراغ مین روشنی نہین ہوتی
دیکھو لالہ نے کس طرح صحرا کو روشن کردیا ہے

اگر ز عالم بالا نوید رحمت نیست
بخاک این ہمہ باران چہ می برد پیغام
سرود محفل مستان مگر دمے بشنود
نہادہ ابر بہر خانہ، سینہ بر لب بام
شگوفہ، پیرہن تر بشاخ اگرچہ فگند
ندید یہ تو خورشید را درین ایام

سردی کی شدت،

خورشید دگر نقاب دارست | منقل (انگیٹھی)، معشوق در کنارست
محراب جہانیان بخاری ست | تسبیح خلائق از شرارست
چون آئینہ بستہ شد نفسہا (آتشدان) | دل از دمِ سرد سنگسارست
یخ بر سر کوچہ بندی آمد | نہ راہ پیادہ نے سوارست
گوئی تو، کہ پنبہ اش ز برفاست | پوشش بر تن اگر ہزارست
مرغابی ہمچو نقش ابرے | بر کاغذ یخ بہ یک قرارست
ماہی در یخ میان جدول | چون موج بہ تختۂ چنارست

اس زمانے مین قصائد کا کمال صرف مبالغہ، تشبیہ، حسن تعلیل اور مغالطہ شعری پر محدود تھا اور اس مین شبہہ نہین کہ یہ اوصاف کلیم کے قصیدون مین نہایت افراط، اور نہایت وسعت کے ساتھ پائے جاتے ہین، اسکے یہان ترکیبون کا سلجھاؤ، روزمرہ کی صفائی محاورات کی برجستگی، شستگی اور روانی بھی اس حد تک ہے کہ اسکے ہم عصرون مین نہین ہے، طالب آملی سے وہ جدت استعارات اور شوخی مین کم ہے، لیکن اور اوصاف مین اس سے بہت آگے ہے، بعض بعض قصیدون کے مسلسل اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، جس سے اسکا اندازہ ہوگا،

در آستان جلالش عصاے دربان را | فلک ز سدرۂ رضوان ز شاخ طوبیٰ داد
کف سخاش غلط بخش نیست ہمچو سحاب | سحاب ہرچہ بدریا فشاند بیجا داد
فراستش بخبر گیری ممالک رفت | چو باز گشت خبر ز آشیانِ عنقا داد

بہ تیر امرش حکم نفاذ داد آن کس — کہ دلبری بکمان ابروان رعنا داد
نمود خاکِ درش را کہ توتیا این ست — خدا نخست بہر کس کہ چشم بینا داد
چو خسروان کہ اسیر غنیم با نہ دہند — کفِ عطاش گہر را دگر بدریا داد

یعنی جس طرح بادشاہ، دشمن کے قیدیون کو واپس کر دیتے ہین، ممدوح نے موتی دریا کو واپس دے دیے

گردون نشاط کودکے از سرچنان گرفت — کانگشتری کواکبش، از سر توان گرفت

آسمان اس قدر طفلانہ خوشی مین مصروف ہے کہ چاہین تو اُس کے ہاتھ سے ستارون کے چھلے اُتار لین اور اسکو خبر نہو،

از شیشہ، استفاضۂ انوار می کنند — عالم تمام مذہب اشراقیان گرفت
اکنون ہجوم کام بود مانع وصال — گل پُر شد آنچنان کہ در بوستان گرفت

اب مقصد کا ہجوم ہی وصال کا مانع ہے — پھول اس قدر جھپٹ پڑے ہین کہ باغ کا دروازہ رک گیا

زین سان کہ روزگار جوانمرد خوش ادا ست — تاوانِ عمر رفتہ توان از جہان گرفت
این روے تازہ کہ جہان را نمود رُو — گوئی زگرد موکب شاہجہان گرفت

مدحیہ مضامین ہزارون دفعہ پامال ہو چکے ہین اسلیے کسی شاعر کی زور طبع اور جدت آفرینی کا اندازہ کرنا ہو تو خاص ان موقعون کو پیش نظر رکھنا چاہیے کلیم اگرچہ مدح سے بچتا ہے یعنی طبیعت کا اصلی زور، بہار وغیرہ کی تمہید مین صرف کر دیتا ہی تاہم اسکی جدت آفرینیان استعجاب کے قابل ہین،

بعہدش آنچنان در خواب امن است	کہ باید پاسبانے پاسبان را

اُسکے زمانہ مین لوگ اس قدر چین سے پڑے سوتے ہین کہ خود پاسبان کیلیے ایک پاسبان درکار ہے

بملکش راہ زن مانند جادہ	بمنزل می رساند کاروان را

اس کی سلطنت مین خود راہزن، راستہ کی طرح قافلہ کو منزل تک پہونچا دیتا ہے،

بعہد عدل او واپس ستاند	چمن از خاک زرہاے خزان را
کفش پرداخت کانِ گوہر و زر	فلک بر چید آخر این دکان را
درون شیشۂ افلاک بیند	بسانِ مے، فضاے آسمان را

زحرف رفعتِ شانش قلم نیز بود لرزد	بہ احتیاط، قدم می نہند در کہسار
دلش غبار خلائق نکردہ است قبول	نگیرد آئینۂ آفتاب را زنگار
سخن بگفتن اول بہ نزد فطرت او	عجب مدار کہ معیوب گردد از تکرار
بروز گارش، نارستی برفتادہ است	بغیر سیل نیابی بہ دہر کج رفتار
گناہِ عالمیان گر ہمہ صدا گردد	ز کوہ حلمش آواز نشنوی یکبار

غزل | کلیم کا اصلی کمال غزل گوئی ہی، غزل مین اسکے پیش رُون نے خاص خاص باتین پیدا کی تھین، مثلاً، عرفی نے فلسفہ، نظیری نے تغزُل، طالب آملی نے شوخی استعارات، وحشی اور میلی نے معاملہ بندی کلیم کے ہان گو تغزل کے سوا اور سب کچھ ہی لیکن اُسکا خاص رنگ مضمون بندی اور خیال آفرینی ہی، مثالیہ جو صائب کا خاص انداز ہی اُسکی ابتدا بھی کلیم ہی نے کی، فلسفہ مین وہ بہت دقیق باتین پیدا نہین کرتا لیکن اس عنوان پر اُسنے جو کچھ لکھا ہے،

جمع کیا جائے تو اچھا خاصہ فلسفہ ہو جائے گا غزل مین اسکے خصوصیات کو ہم الگ الگ عنوان کے ذیل مین لکھتے ہین،

مضمون آفرینی اور خیال بندی | جس چیز کو لوگ مضمون آفرینی کہتے ہین اسکی تحلیل کیجائے تو وہ یا کوئی نیا استعارہ یا تشبیہ ہوتی ہی، یا کوئی انوکھا مبالغہ ہوتا ہی، یا کوئی شاعرانہ دعوی ہوتا ہی جو دراصل صحیح نہین ہوتا لیکن شاعر اس کا مدعی ہوتا ہی اور شاعرانہ استدلال سے ثابت کرتا ہے اُسی کو حسن تعلیل بھی کہتے ہین، یہ سب باتین کلیم کے ہان نہایت اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی ہین مثلاً

بسکہ زدیدہ ریختم خون دل خراب را
گریہ گرفت در حنا پنجۂ آفتاب را

مین نے اسقدر خون آنکھون سے بہایا کہ میرے آنسوؤن نے آفتاب کے پنجہ مین مہندی لگادی

می نہم در زیر پاے فکر، کرسی از سپہر
تا بکف می آورم یک معنی برجستہ را

فکر کے پاؤن کے نیچے آسمان کی کرسی رکھ لیتا ہون تب ایک برجستہ مضمون ہاتھ مین آتا ہی،

سپہر دون در فیض آنچنان ببست در عالم
کہ سیلاب بہاری تر نمی سازد لب جو را

آسمان نے فیض کا دروازہ اسطرح بند کر لیا ہی، کہ بہار کا سیلاب نہر کے لب کو بھی تر نہین کر سکتا،

حدیث بحر فراموش شد کہ دوراز تو
زبس گریستہ ام، آب برد دریا را

لوگ دریا کی کہانی بھول گئے اس لیے کہ مین اس قدر رویا کہ دریا کو پانی بہاے گیا،

شعلہ بر می خواست از بیطاقتی و می نشست
من نجنبیدم ز جا تا جا بہ گلخن داشتم

شعلہ بے صبری کی وجہ سے اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، لیکن مین جب تک آگ مین رہا ذرا جنبش نہین کی،

خون دل ہا رو بہ کمی کرد ز سوز تپ ہجر — آن قدر نیست کہ یک آبلہ را آب دہد

شراب کہنہ می نوشم بہ بزم او چو بنشینم — بمن تا نوبت آید دختر رز پیر می گردد

زان برق حسن کافت ہر گوشہ گیر شد — آتش در آشیانۂ عنقا گرفتہ است

یک ہمدم درین شب تاریک نخورد — چون آفتاب دست بدیوار می کشم

اِس شب تاریک مین مجکو کوئی رہنما نہین ملا، آفتاب کی طرح مین دیوار پکڑ کر چلتا ہون،

مثالیہ | مثالیہ مضامین پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے امیر خسرو کا مشہور قصیدہ، سرتاپا اِسی صنعت مین ہی، لیکن کلیم، میرزا صائب اور غنی نے گویا اسکو ایک خاص فن بنا دیا، چونکہ یہ تینون شاعر کشمیر مین مدت تک ساتھ ہمدم و ہم قلم رہے تھے اور باہم مشاعرے رہتے تھے، اس لیے قیاس یہ ہی کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا، علی قلی سلیم بھی مثالیہ مین کمال رکھتا ہی اور اسکی بھی وجہ شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہین (کشمیر) مین مدفون ہی،

بہر حال کلیم نے اس صنف کو بہت ترقی دی، اسکے اکثر دعوے فی نفسہ صحیح ہوتے ہین لیکن استدلال شاعرانہ ہوتا ہی، بعض جگہ دعوے اور دلیل دونون خیالی ہوتے ہین اور وہان شاعرانہ تخیل زیادہ پائی جاتی ہے مثلاً،

بجز سوز عشق نیست سراسر بیان ما — چون شمع یک سخن گذرد بر زبان ما

مرا مسوز کہ نازت ز کبریا افتد — چون خس تمام شود شعلہ ہم ز پا افتد

مجکو نہ جلاؤ ورنہ تمہارا غرور بھی جاتا رہیگا۔ جب خس جل چکتا ہے تو شعلہ بھی بجھ جاتا ہی،

ردِ سخن دلان خوشامد شاہان نگفتہ اند — آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

مدعی گر طرف ما نشود، صرفۂ اوست　　زشت آن بہ کہ بہ آئینہ برابر نشود

دشمن اگر ہمارا مقابلہ نہ کرے تو اس مین اسی کا فائدہ ہی، بدصورت کے حق مین یہی بہتر ہی کہ آئینہ کے سامنے نہ آئے۔

مقبول روزگار نگشتیم و انیم　　مارا کہ برنداشتہ، چون بر زمین زند

در محفلے کہ تازہ درآئی گرفتہ[1] باش　　اوّل بہ باغ، غنچہ گرہ بر جبین زند

در روزگار دیدم از راستی نشان نیست　　صبحش کہ صادق آمد، در شیر آب دارد

زمانہ مین سچائی کہین نہین پائی جاتی، صبح صادق کو، صادق کہتے ہین، لیکن وہ بھی دودھ مین پانی ملاتا ہی، صبح کی روشنی کو پانی سے تشبیہ دی ہی،

قطع امید کردہ، نخواہد نعیم دہر　　شاخ بریدہ را نظرے بر بہار نیست

روشندلان، حباب صفت دیدہ بستہ اند　　روزن چہ احتیاج، اگر خانہ تار نیست

روزگار اندر کمین بخت ماست　　دزد دائم در پے خوابیدہ است

پامال حوادث نتوانم کہ نباشم　　چون نقش قدم، خانۂ من بر سر راہ است

دارد اگر صفاے دل از شراب دارد　　روشن تر ست شیشہ وقتیکہ آب دارد

دل مین صفائی آتی ہی تو شراب سے آتی ہے، شیشہ مین جب پانی ہوتا ہی تو زیادہ چمکتا ہی

صبر گوارا کند ہر چہ ترا ناخوش ست　　ساعتے از کف بنہ، آب گل آلود را

ناگوار چیز بھی صبر کرنے سے گوارا ہو جاتی ہی، پانی گرد آلود ہو تو ذرا ٹھہر جاؤ گرد نیچے بیٹھ جائے گی،

[1] گرفتہ یعنی اپنے آپ کو لیے ہوے جس سے بظاہر رکھائی محسوس ہو،

کیسہ بر وعدہاے بخت نتوان دوختن — خفتہ گر در خواب حرفی گفت ازان آگاہ نیست

دل گمان دارد کہ پوشیدہ است راز عشق را — شمع را فانوس پندارد کہ پنہان کردہ است

دل آگاہ مے باید دگر نہ — کہ ذکر یک لحظہ بے نام خدا نیست

می پذیرند بدان را بطفیل نیکان — رشتہ را پس ندہد[1] آن کہ گہر می گیرد

چون خس و خاشاک سیلابیم از گمرہی — پا بدوش راہبر دایم بمنزل میرویم

ہمکو سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح گمرہی کا ڈر نہین، اس لیے کہ ہم خود رہنما کے کندھو پر سوار ہوکر سفر کرتے ہین، یہ ظاہر ہے کہ خس و خاشاک کا رہنما سیلاب ہی ہی اور خس و خاشاک سیلاب ہی کے کاندھے پر سوار ہین،

نام دلستان ز عشق بغیر از ہوس نماند — از سیل رفتہ خار و خسے یادگار ماند

از خاک برگرفتۂ دوران[2] چونے سوار — دایم پیادہ رفت اگرچہ سوار شد

از ہنر حال خرابم نشد اصلاح پذیر — ہمچو ویرانہ کہ از گنج خود آباد نشد

ہنر اور علم نے میری حالت کی اصلاح نہ کی، جس طرح ویرانہ کہ خزانہ نے اُس کو آباد نہ کیا،

اقلیم دل بہ زور مسخر نمی شود — این فتح بے شکست میسر نمی شود

چرخ از بہر تو در کار بود حرص تو چیست — آسیا از پئے رزق دگران بر گردد

سفلہ ز قرب بزرگان نکند کسب شرف — رشتہ پر قیمت از آمیزش گوہر نشود

دست ہر کس را بسان سبحہ بوسیدم چہ سود — ہیچ کس نکشود آخر عقدۂ کار مرا

[1] پس دادن واپس دینا، [2] یعنی جس کو زمانہ نے بلند کیا ہو،

بامن آمیزش او الفتِ موج ست وکنار | دمبدم بامن و پیوستہ گریزان ازمن
چو ہست قدرت، دستُ دلِ توانگر نیست | صدف کشادہ کفاست آن زمان کہ گوہر نیست
وضع زمانہ قابل دیدن، دوبارہ نیست | رو پس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت
مڑ کر نہ دیکھا
بخضرم احتیاجے نیست گراین است گمراہی | کہ کوران را عصا ہم می تواند راہبر باشد
نہ ہر کہ صدر نشین شد عزیز شد کہ غبار | اگر بدیدہ رسد، توتیا نخواہد شد
واصل[۱] زحرف چون چرا بستہ است لب | چون رہ تمام گشت، جرس بے زبان شود
شیطان چہ تمتع برد از اہل تجرُّد | رہزن چہ درین بادیۂ ریگِ روان یافت
تمام نسل بزرگان اگر نکو باشند | زبحر زادہ، تنک ظرفی حباب چراست
گر بقسمت قانعی، بیش و کم دنیا یکے است | تشنہ چون یک جرعہ خواہد کوزہ و دریا یکیست
پست فطرت، ہوس گوشہ عزلت نکند | تا گدا بر سر رہ نیست، دلش خُرّم نیست
امروز چراغ اہل فقرم | چون فانوسم، دو پیرہن نیست
خاکساران بیشتر از فیض قسمت می برند | کلبۂ دیوار کوتاہان پر از مہتاب بود
چشم از جہان بہ بستم نورِ دلم فزود | روشن شدہ است خانہ، چو روزن گرفتہ ام[۲]

قوت تخئیل

اکثر لوگون کے نزدیک شاعری صرف قوت تخئیل کا نام ہی، اور اگر یہ صحیح ہے تو کلیم ہمہ تن شاعری ہی، اس کا ہر شعر قوت تخئیل کا ایک منظر ہی، شاعر کو تمام عالم اور عالم کے تمام واقعات، قوت تخئیل کی وجہ سے ایک اور ہی صورت مین نظر آتے ہین، مثلاً ہوا کے زور سے

[۱] یعنی جو شخص مدارج معرفت طے کرکے منزل تک پہونچ گیا ہو [۲] یہان گرفتن کے معنی بند کرنیکے ہین،

پھول کا ایک پتہ ٹہنی سے ٹوٹ کر پانی مین گر پڑا - یہ ایک معمولی واقعہ ہی لیکن شاعر کو قوت تخیل سے نظر آتا ہی کہ یہ بہار کے حُسن کا دفتر ہے اور چونکہ معشوق کے حُسن کے سامنے اسکی قدر نہین ہوسکتی اس لیے بہار نے اس دفتر کو پانی سے دھوڈالنا چاہا ہے،

برگ گل نیست کہ از باد، درآب افتادہ است　　دفتر حُسنِ بہارست، کہ در عہد تو شُست

کلیم کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہی کہ مناظر عالم کی ایک ایک چیز پر اُسکی نظر پڑتی رہتی ہے اور قوت تخیل سے یہ چیزین اسکے سامنے نئے نئے رنگ مین جلوہ گر ہوتی رہتی ہین وہ اندھیری راتون مین گھبراتا ہے اور اس کو نظر آتا ہے کہ ستارون کے چراغ مین روغن نہین رہا،

شکوہ کم کن، در چراغ اختران روغن نماند　　چند ازین تاریکی شبہا بخود خوش کن کلیم

حکما کہتے ہین کہ عالم کا آغاز اور انجام معلوم نہین کلیم کی نظر مین قوت تخیل سے عالم ایک پرانی کتاب بن کر نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اوّل و آخر کے ورق گر گئے ہین،

اوّل و آخر این کہنہ کتاب افتادہ است　　ما ز آغاز و ز انجام جہان بیخبریم

محتسب کی دار و گیر نے میخانے برباد کر دیے، لیکن کلیم یہ کہتا ہی کہ معشوق کی آنکھین میکدہ ہین اور اسکی مستی کے آگے شراب کی قدر نہین اس لیے کوئی شخص میخانون کی طرف رُخ نہین کرتا اور وہان خاک اُڑنے لگی، اس کے نزدیک یہ محتسب کی کارگذاری نہین، بلکہ محتسب معشوق کی آنکھ کا ممنون ہے،

شکر چشم تو کند، محتسب شہر کزد　　　ہر کجا میکدۂ ہست خراب افتادہ ست

بہار مین ہر شخص چاہتا ہے کہ سب سے پہلے پہونچکر لب جو پر قبضہ کرے کلیم کی وسعت تخئیل دیکھو، وہ سبزہ سے بھی پہلے، لب جو پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،

در بہاران جا نمی افتد بدست کس بباغ　　　پیشتر از سبزہ می باید کنارِ جو گرفت

بہار مین کسی کو جگہ باغ مین نہین ملتی، اس لیے سبزہ سے بھی پہلے چل کر لب جو پر قبضہ کرلینا چاہیے۔

صبح کے وقت کلیون کی شگفتگی، ہر شخص کو لطف دیتی ہے، لیکن دیکھو کلیم اس کو کس نظر سے دیکھتا ہے،

شیرینی تبسم ہر غنچہ را مپرس　　　در شیر صبح، خندۂ گل ہا شکر گذاشت

کلیونکی شیرینی تبسم کا لطف نہ پوچھو، پھولون کی ہنسی نے صبح کے دودھ مین شکر گھولدی

سب لوگ کہتے آئے ہین کہ آسمان، قابل آدمیون کا دشمن ہی کلیم کو اس پر تعجب ہوتا ہی کہ آسمان کو قابل اور ناقابل کی تو تمیز ہی نہین، قابل آدمیون کو پہچانتا کیونکر ہے کہ خاص انہی کو ستاتا ہی،

حیرتے دارم کہ گردون چو بدانایان بدست　　　او کہ نتواند میان نیک و بد تمیز کرد

آگ کی لَو اکثر اونچی ہو ہو کر کم ہو جاتی ہی کلیم کو نظر آتا ہی کہ شعلہ مین ضبط کی طاقت نہین، اس لیے بیقراری کی وجہ سے اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے مقابلہ مین اپنی سکون اور استقلال پر فخر کرتا ہے،

شعلہ بر می خواست از بے طاقتی و می نشست　　　من نہ جنبیدم ز جا تا جا بہ گلخن داشتم

مرکر کوئی زندہ نہین ہوتا، کلیم کو اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ کوئی شخص دوبارہ اسکے دیکھنے کیطرف رخ نہین کرتا،

رُو پس نکرد، ہر کہ ازین خاکدان گذشت | وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست

رہ نوردی مین پانؤن مین چھالے پڑگئے ہین، انھین مین کانٹے بھی چُبھتے جاتے ہین کلیم سمجھتا ہے کہ یہ اُنگلیان ہین، اور راستہ، ان انگلیون سے میرے چھالون کا حساب لے رہا ہے،

دارم رہے بہ پیش کز انگشت خار ہا | از من حساب آبلہ پا گرفتہ است

کلیم اُن مضامین مین جو مدتون سے جولانگاہ خیال ہین ایسے نکتے پیدا کرتا ہے جن کی طرف کسی کا خیال نہین گیا،

مثلاً یہ عام اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر سے ہوتا ہی، کلیم کہتا ہے،

این قدر فرق میانِ خطِ یک کاتب چیست | سرنوشتِ ہمہ گر از قلمِ تقدیر ست

اگر سب کی سرنوشت تقدیر ہی نے لکھی ہے تو ایک کاتب کے خط مین اس قدر فرق کیون ہی کہ ہر شخص کی تقدیر الگ الگ ہی،

جنون اور صحرانوردی کا مضمون سب باندھتے آتے ہین کلیم باوجود ادعاے جنون کے صحرانوردی اختیار نہین کرتا اور اس سے جنون کا زیادہ زور ثابت کرتا ہے،

اگر بہ بادیہ گردی نمی روم، چہ عجب | جنون من نہ شناسد ز شہر صحرا را

مین اگر صحرا مین نہین جاتا تو تعجب کیا ہی، میرا جنون شہر و صحرا مین تمیز نہین کر سکتا

اس مین صحرانورددن پر چوٹ بھی ہر کہ پورا جنون ہوتا تو اونکو شہر اور صحرا کی تمیز کیونکر ہوتی کہ جب بھاگتے تو صحرا ہی کی طرف بھاگتے،

عنقا کا تجرد اور ترکِ تعلقات، عام مضمون ہو، کلیم اسکے تجرد کو ناتمام سمجھتا ہے،

درکیشِ ما تجرد عنقا تمام نیست　　در فکرِ نام ماند، اگر از نشان گذشت

زمانہ کے انقلاب پسندی کے سب مدعی ہین، کلیم کو اس پر تعجب ہے کہ پھر میری حالت کیون نہین بدلتی،

ز انقلابِ سپہر دورو، عجب دارم　　کہ بیقراری ما را بہ یک قرار گذاشت

باغبان اور گلچین ہمیشہ پھول توڑتے ہین، کلیم کلیون کا توڑنا ثابت کرتا ہے اور اس کی کس قدر عمدہ توجیہ کرتا ہے،

در گلستان، بہ یادِ دہانِ تو غنچہ را　　امسال، باغبان ہمہ نشگفتہ چیدہ بود

باغبان کو تیرا دہن یاد آیا، تو اوس نے　　ابکی سال تمام پھول بن کھلے توڑ لیے

حُسنِ اخلاق کی بڑی دلیل، لوگون کے نزدیک قبول عام ہو، یعنی جب آدمی کے اخلاق عمدہ ہوتے ہین جب ہی مقبول عام ہوتا ہو، کلیم کہتا ہو نہین بلکہ نفاق سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہو کیونکہ ظاہرداری کے بغیر حسن قبول نہین حاصل ہوسکتا، اور ظاہرداری درحقیقت نفاق ہو

پسند خاطرِ یک تن نیم چہ چارہ کنم　　کہ بے نفاق بہ یک دل نمی توان جا کرد

جو لوگ بیقاعدہ کام کرتے ہین اونکی بے قاعدگی اس قدر پختہ ہوتی ہے کہ کبھی بھول کر بھی کوئی کام باقاعدہ نہین کرتے، کلیم اس سے یہ نتیجہ پیدا کرتا ہو کہ وہ بیقاعدہ نہین کیونکہ

ان کی بے قاعدگی باقاعدہ ہے، اس خیال کو ایک شاعرانہ پیرایہ مین ادا کرتا ہے،

گامے، بہ غلط ہم سوے مقصود نہ رفتیم — گویا رہِ آوارگیم، راہبرے داشت

ہم بھول کر بھی کبھی مقصد کی طرف ایک قدم نہین گئے معلوم ہوتا ہے کہ آوارگی کے راستہ مین ہمارا کوئی رہبر تھا

زاہد کی صد دانہ تسبیح پر شعرا اعتراض کیا کرتے ہین، لیکن کلیم اس کی ضرورت ثابت کرتا ہے،

دانۂ بسیار در کار ست، بہرِ صید خلق — حق بدست زاہدست ار سبحہ را صد دانہ ساخت

راہ طلب مین منزل مقصود کے رخ پر چلا جانا اور اِدھر اُدھر مڑ کر نہ دیکھنا مستحسن خیال کیا جاتا ہے لیکن کلیم کہتا ہے،

طلب شاہدِ مقصود ز ہر سو شرط ست — ہر قدم در رہِ او، رو بقفا باید کرد

شاہد مقصود کو ہر رخ سے ڈھونڈنا ضروری ہی اسلیے اس راہ مین ہر قدم پر مڑ کر بھی دیکھنا چاہیے،

روزمرہ اور محاورہ

اس زمانہ مین اگرچہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کی استیلائی زبان اور محاورہ بندی کی طرف سے شعرا کو غافل کر دیا تھا، چنانچہ ناصر علی، غنی، بیدل، اسی چکر مین پڑ کر لطف زبان سے بیگانہ ہوگئے، لیکن کلیم باوجود انتہا درجہ کی نازک خیالی کے یہ سر رشتہ ہاتھ سے نہین چھوڑتا وہ ہمیشہ نئے مضامین پیدا کرنے کی فکر مین مصروف رہتا ہی لیکن یہ نہین بھولتا کہ وہ ایرانی ہی، ہندی نہین، اسلیے روزمرہ کے علاوہ، اکثر ٹھیٹ محاورے برتتا ہے جن کو عام آدمی فرہنگ کے بغیر سمجھ بھی نہین سکتے، مثلاً

با عارض تو چہرہ شدن حد شمع نیست — چہرہ شدن، مقابل ہونا، حد نیست یعنی مجال نہین،

گریبان ز بزم رفت و سر خویشتن گرفت	سر خویشتن گرفت، اپنی راہ لی
از دلستان برود ہر کہ سبق روشن کرد	سبق روشن کرد، سبق یاد کر لیا،
ع، دشمن خود را چرا کس این قدر پہلو دہد	پہلو دادن، پہلو بچانا،
رو نخواہم ساخت ہر صورت کہ خواہد رو دہد،	رو ساختن، منھ بگاڑنا، رو دہد، پیش آئے،
امید بوسہ ات چہ نمک داشت اے کلیم	چہ نمک داشت یعنی اس مین کیا لطف تھا،
این شربت کم بہر دو بیمار نباشد	بہر حصہ، یعنی ایسا نہو کہ یہ تھوڑا سا شربت دو بیمارون کے لیے کافی نہو،
کہ کاہ ہم طرف کہربائی گیرد	طرف کسے گرفتن، اس کی جانب داری کرنا،
ع، بچشم روشنی داغہاے کہنہ روم	چشم روشنی، مبارکباد،
ع، شام خود شد روزہ امید را وا می کنم	روزہ وا کردن، روزہ کھولنا،
چون حباب از دام ہستی پس دہم خندان شوم	دام واپس دادن، قرضہ ادا کر دینا،
عجب پیرے کہ می مالد جوان را	مالیدن، پچھاڑنا،
یک زبانم من و نمی گویم سخنے را کہ پشت در رو دارد،	پشت در رو داشتن سخن، یعنے دو رُخی بات،
پیالہ چشم تو روشن کہ بادہ پیدا شد	چشم تو روشن، دعا کے موقع پر استعمال کرتے ہین،

اب ہم کلیم کی دو تین غزلین پوری پوری اس موقع پر درج کرتے ہین جس سے اندازہ ہو گا کہ اسکا اکثر کلام یکسان سست اور ہموار ہوتا ہے، اسکے ساتھ اسکے عام لطف بندش

جدتِ ادا اور خوبیِ زبان کا اندازہ ہوگا،

پیری رسید، مستیِ طبعِ جوان گذشت ضعفِ تن از تحملِ رطلِ گران گذشت

وضعِ زمانہ، قابلِ دیدن دوبارہ نیست رو پس نہ کرد، ہر کہ ازین خاکدان گذشت

از دستبردِ حسنِ تو بر لشکرِ بہار یک نیزہ خونِ گل، ز سرِ ارغوان گذشت

طبعی بہم رسان کہ بسازی بعالمی یا ہمتی کہ از سرِ عالم، توان گذشت

در کیشِ ما تجرد عنقا تمام نیست در فکرِ نام ماند اگر از نشان گذشت

بی دیدہ راہ اگر نتوان رفت، پس چرا چشم از جہان چو بستی، از و می توان گذشت

بدنامیِ حیات، دو روزی نبود بیش آن ہم کلیم با تو بگویم، چسان گذشت

ق

یک روز، صرفِ بستنِ دل شد باین و آن روزِ دگر، بہ کندنِ دل زین و آن گذشت

نہ ہمین می رمد آن نوگلِ خندان از من می کشد خار، درین بادیہ، دامان از من

با من آویزشِ او، الفتِ موجِ است و کنار دمبدم با من، و ہر لحظہ گریزان از من

گرچہ مورم، ولی آن حوصلہ با خود دارم کہ بہ بخشم، بود ار ملکِ سلیمان از من

بہ تکلم، بہ خموشی، بہ اشارت، بہ نگاہ می توان برد بہر شیوہ دل آسان از من

قمری، ریختہ بالم، بہ پناہِ کہ روم؟ تا بہ کی سرکشی، ای سروِ خرامان از من

نیست پرہیزِ من از زہد، کہ خاکم بر سر ترسم آلودہ شود، دامنِ عصیان از من

اشک بیہودہ مریز این ہمہ از دیدہ، کلیم گردِ غم را نتوان شست بطوفان از من

از ثبات عشق، دایم پا بدامن داشتم — همچو داغ لاله، در آتش نشیمن داشت

شعله بر می خاست از بیطاقتی و می نشست — من نه جنبیدم ز جا تا جا بگلخن دا

کے بهر نامحرمے، چاکِ جگر خواهم نمود — من که زخمش را نهان از زخم سوزن دا

هیچ گه، ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت — دانه می چیدم من آن روزے که خرمن دا

روشنی از بزم من، دریوزه می کرد آفتاب — در چراغ عیش تا از باده روغن دا

همچو ماهی غیر داغم، پوشش دیگر نبود — تا کفن آمد همین یک جامه بر تن دا

داغ را جز بر کنار زخم ننهادم کلیم
دیده را بر رخنهٔ دیوار گلشن داشتم

کتاب خانہ
حیدرآباد

جلد چہارم

شعر العجم ۱۳۴۱ھ

اس حصہ مین تفصیل کے ساتھ بتایا ہی کہ ایران کی آب و ہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، اور کیا کیا تغیرات پیدا کیے، اسکے ساتھ ہر دور کے خصوصیات کی تشریح اور شاعری کے تمام انواع پر مفصل تقریظ اور تنقید ہے،

مؤلفہ

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

قمر کانپوریہ سنہ ۱۹۲۳ع قلمی نمود

طبع سوم

کتبخانۂ دار المصنفین اعظم گڈھ

علاّمۂ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصۂ اوّل طبع دوم تقطیع خرد ےر للعہ ر

ایضاً، حصۂ دوم طبع اوّل تقطیع کلان ۃ عہ ر

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، سے ر

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور اونکا فلسفہ، عا ۸ ر

سیرۃ النعمان، امام اعظم کے حالات اور اونکی فقہ پر تبصرہ عہ ۸ ر

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے حالات اور اوسکی سلطنت
دربار اور علمی کارنامون کی تفصیل، عہ ۸ ر

شعر العجم حصۂ اوّل، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری
کا آغاز اور قدما کا دور، صفحات ۲۵۸، ے ر

ایضاً حصۂ دوم، خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور
ابن یمین تک، صفحات ۲۳۰ عا ۸ ر

ایضاً حصۂ سوم، شعرائے متاخرین صفحات ۲۳۰ عا ۸ ر

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو

ایضاً حصۂ پنجم، اصناف شاعری پر ریویو، عا ر

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن
اسلامی پر عربی مین ریویو، ۸ ر

سفرنامۂ مصر و شام، مطبوعہ معارف، عا ر

موازنۂ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کے محاسن، ے ۸ ر

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات
اور اون کے جوابات، عہ ۸ ر، عہ ر ۱۲ ر

رسائل شبلی، مولانا کے ۱۲ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ ۸ ر

مجموعۂ کلام شبلی، اُردو، ۱۲ ر

مثنوی صبح اُمید، اُردو، ۴ ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم، جدید طرز پر عربی مین قرآن مجید کی تفسیر ۴ ر

تفسیر سورۂ قیامہ، " " ۴ ر

تفسیر سورۂ والشمس، " " ۴ ر

تفسیر سورۂ والکفرون، " " ۴ ر

تفسیر سورۂ والعصر، " " ۴ ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی مین حضرت اسمٰعیل
کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پُر زور رسالہ، ۱۰ ر

اسباق النحو، سہل طرز پر عربی گرامر، اُردو، ۵ ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ۱۲ ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان
کا ترجمہ، ۸ ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اُردو نظم مین، ۲ ر

دیوان الفیض، ہندوستان کے مایۂ ناز اُستاد ادب

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	باب اول		۱۷	واقعیت اور اصلیت	۹۲
۱	شاعری کی حقیقت	۱	۱۸	شعر کیون اثر کرتا ہے۔	۱۰۱
۲	شاعری کے اصلی عناصر کیا ہین	۷	۱۹	شاعری کا استعمال۔	۱۰۴
۳	محاکات یعنی شاعرانہ مصوری کی تعریف	۹	۲۰	شاعری اور شاعری کی عزت	۱۰۹
۴	تخیل کی حقیقت،	۱۲		**باب دوم**	
۵	محاکات کی تکمیل کن چیزون سے ہوتی ہے،	۱۵	۲۱	ایران مین شاعری کیونکر پیدا ہوئی	۱۱۴
۶	تخیل کی تفصیلی بحث	۳۱	۲۲	شاعری کی تدریجی رفتار	۱۲۰
۷	تخیل کا مواد	۴۹	۲۳	قدما صحت الفاظ کی پروا نہین کرتے تھے	۱۲۶
۸	تخیل کی بے اعتدالی	۵۳	۲۴	تشبیہات کی سادگی	۱۲۸
۹	تشبیہ اور استعارہ	۶۱	۲۵	عاشقانہ خیالات مین سادگی	۱۳۰
۱۰	جدت اور لطف ادا	۶۸	۲۶	عربی شاعری کا اثر	۱۳۳
۱۱	حسن الفاظ	۷۲	۲۷	عرب کے مضامین کا ترجمہ اور سرقہ	۱۴۱
۱۲	الفاظ کی نوعیتین اور اون کا اثر	۷۶	۲۸	فارسی شاعری کا اثر عرب پر	۱۴۶
۱۳	معنی کے لحاظ سے الفاظ کا اثر۔	۸۱	۲۹	نظام حکومت کا اثر شاعری پر	۱۵۱
۱۴	فصیح اور مانوس الفاظ	۸۵	۳۰	شاعری کی شکایت	۱۶۶
۱۵	سادگی ادا۔	۸۷	۳۱	بدنسلی کا اثر شاعری پر	۱۷۱
۱۶	جملون کے اجزا کی ترکیب	۹۱	۳۲	شخصی اور خود مختارانہ حکومت کا اثر	۱۷۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	فوجی زندگی کا اثر	۱۸۲	۵۱	شاہنامہ سے پہلے کی مثنویاں	۲۵۰
۳۴	ترکون کے معشوق ہونے کا اثر	۱۹۰	۵۲	مثنوی کے حسن کے شرائط	۲۵۲
۱۳۵	فوجی زندگی کا اثر زبان پر	۱۹۵	۵۳	شاہ نامہ پر تفصیلی ریویو	۲۵۶
۳۶	فوجی حالت کا تنزل اور اوسکا اثر			شاہ نامہ کی تاریخی حیثیت	۵۶
	شاعری پر	۱۹۹	۵۴	شاہ نامہ ایران کی ایک جامع	۲۶۴
۳۷	اس تنزل کا اثر زبان پر	۲۰۵		انسائکلو پیڈیا ہے۔	
۳۸	اختلاف معاشرت کا اثر شاعری پر	۲۱۰	۵۵	شاہ نامہ اور نظام حکومت	//
۳۹	ہندوستان کی خصوصیت	۲۱۲	۵۶	تہذیب و تمدن	۲۶۸
۴۰	آب وہوا اور مناظر قدرت کا اثر	۲۱۵	۵۷	فن جنگ	۲۷۳
	باب سوم		۵۸	ضمنی اور مفید معلومات	۶
۴۲	فارسی شاعری پر اجمالی ریویو	۲۲۵	۵۹	شاہ نامہ اور کیرکٹر	۲۸۶
۴۳	عربی اور فارسی شاعری کا فرق	۲۲۵	۶۰	حکمت اور اخلاق	۲۹۶
۴۴	لطافت الفاظ۔	۲۲۸	۶۱	موعظت اور سیاست	۳۰۲
۴۵	حسن ترکیب الفاظ۔	۲۳۱	۶۲	آزادی رائے	۰۵
۴۶	لطافت خیال۔	۲۳۴	۶۳	عورتون کی قدر و منزلت۔	۳۱۱
۴۷	بدیع الاسلوبی	۲۴۱	۶۴	شاہ نامہ اور مذہب	۳۱۸
۴۸	فارسی شاعری پر تفصیلی ریویو	۲۴۵	۶۵	شاہ نامہ اور فن بلاغت	۳۲۳
۴۹	شاعری کی انواع	۲۴۵	۶۶	جذبات	۳۲۸
۵۰	مثنوی پر ریویو	۲۴۷			

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دگر از سر گرفتم قصۂ زلفِ پریشان را حدیثے دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد

(شبلی)

شعر العجم کا یہ چوتھا یعنی اخیر حصہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگلے تینون حصے اسی حصہ کے دیباچے اور تمہید تھے، اس حصہ مین ایران کی عام شاعری پر تنقید ہے اسلئے جو بحثین اگلے حصون مین ناتمام رہ گئی تھین، اُن کو اب تفصیل سے لکھتا ہون،

یہ حصہ تین فصلون پر منقسم ہے،

۱- شاعری کی حقیقت اور ماہیت،

۲- فارسی شاعری کی عام تاریخ اور تمدن اور دیگر اسباب کا اثر،

۳- تقریظ و تنقید،

شاعری کی حقیقت، شاعری چونکہ وجدانی اور ذوقی چیز ہے اسلئے اسکی جامع و مانع تعریف چند الفاظ مین نہین کی جاسکتی، اس بنا پر مختلف طریقون سے اسکی حقیقت کا سمجھانا زیادہ مفید ہوگا کہ ان سب کے مجموعہ سے شاعری کا ایک صحیح نقشہ پیش نظر ہوجائے،

خدا نے انسان کو مختلف اعضا اور مختلف قوتین دی ہین، اور ان مین
ہر ایک کے فرائض اور تعلقات الگ ہین، ان مین سے دو قوتین، تمام افعال او
ارادات کا سرچشمہ ہین، ادراک اور احساس، ادراک کا کام، اشیا، کا معلوم کرنا، ا
استدلال اور استنباط سے کام لینا ہے، ہر قسم کی ایجادات تحقیقات، انکشافات
اور تمام علوم وفنون اسی کے نتائج عمل ہین،

احساس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا، یا کسی مسئلہ کا حل کرنا، یا کسی بات پر غو
کرنا اور سوچنا نہین ہے، اسکا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی موثر واقعہ پیش آتا
تو وہ متاثر ہو جاتا ہے، غم کی حالت مین صدمہ ہوتا ہے، خوشی مین سرور ہوتا ہے
حیرت انگیز بات پر تعجب ہوتا ہے، یہی قوت جسکو احساس، انفعال، یا فیلنگ
تعبیر کر سکتے ہین، شاعری کا دوسرا نام ہے، یعنی یہی احساس جب الفاظ کا جا
پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے،

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازون یا
حرکتون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے

مثلاً شیر گونجتا ہے، مور چنگھاڑتے ہین، کویل کوکتی ہے، طاؤس ناچتا ہے
سانپ لہراتے ہین، انسان کے جذبات بھی حرکات کے ذریعے سے ادا ہو
ہین، لیکن اسکو جانورون سے بڑھ کر ایک اور قوت دی گئی ہے یعنی نطق اور گویا
اسلئے جب اسپر کوئی قوی جذبہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ اسکی زبان سے

وزون الفاظ نکلتے ہین اسی کا نام شعر ہے،

اب منطقی پیرایہ مین شعر کی تعریف کرنا چاہین تو یون کہ سکتے ہین کہ "جو جذبات الفاظ کے ذریعہ سے ادا ہون وہ شعر ہین"، اور چونکہ یہ الفاظ، سامعین کے جذبات بھی اثر کرتے ہین یعنی سننے والون پر بھی وہی اثر طاری ہوتا ہے جو صاحب جذبہ کے دل پر طاری ہوا ہے اسلئے شعر کی تعریف یون بھی کر سکتے ہین کہ جو کلام نسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک مین لائے وہ شعر ہے،

ایک یورپین مصنّف لکھتا ہے کہ "ہر چیز جو دل پر استعجاب، یا حیرت، یا جوش یا اور کسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے شعر ہے"، اس بنا پر فلک نیلگون، نجم زر فشان، نسیم سحر، گلگونہ شفق، تبسم گل، خرام صبا، نالہ بلبل، ویرانی دشت، شادابی چمن، غرض تمام عالم شعر ہے، یہ آج کل کا خیال ہے لیکن عجیب بات ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار نے آج سے چھ سو برس پہلے کہا تھا، ع

پس جہان شاعر بود چون دیگران

جو چیزین دل پر اثر کرتی ہین، بہت سی ہین، موسیقی، مصوّری، صنعتگری وغیرہ لیکن شاعری کی اثر انگیزی کی حد سب سے زیادہ وسیع ہے، موسیقی صرف قوت سامعہ کو محظوظ کر سکتی ہے سامعہ نہ ہو تو وہ کچھ کام نہین کر سکتی، تصویر سے متاثر ہونے کے لئے بینائی شرط ہے، لیکن شاعری تمام حواس پر اثر ڈال سکتی ہے، باصرہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ سب اس سے لطف اُٹھا سکتے ہین، فرض کرو

شراب آنکھون کے سامنے نہین ہے اسلئے آنکھ اسوقت اس سے حظ نہین ا
سکتی لیکن جب ایک شاعر اسکو آتش سیّال سے تعبیر کرتا ہے تو ان الفا
سے ایک موثر منظر آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، اسیطرح بوسہ کو شاعر انہ
مین تنگ شکر کہدیتے ہین تو کام و زبان کو مزہ محسوس ہوتا ہے،

کسی[1] چیز کی حقیقت اور ماہیت کے تعیّن کرنے کا آسان علمی طریقہ یہ
کہ پہلے اسکا کوئی نمایان وصف لے لیا جائے پھر یہ دیکھا جائے کہ اس وصف
مین اور کیا کیا چیزین اسکے ساتھ شریک ہین، پھر اُن صفات کو ایک ایک کر
متعین کیا جائے جن کیوجہ سے یہ چیز اپنی اور ہم جنس چیزون سے الگ اور ممتا
ہوتی گئی ہے،

اسقدر سب تسلیم کرتے ہین کہ شعر کا نمایان وصف جذبات انسانی کا برانگی
کرنا ہے یعنی اسکو سنکر دل مین رنج، یا خوشی، یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے،
خصوصیت، شاعری کو سائنس اور علوم و فنون سے ممتاز کر دیتی ہے، شاع
کا تخاطب جذبات سے ہے اور سائنس کا یقین سے، سائنس، استدلال
کام لیتا ہے اور شاعری محرّکات کو استعمال کرتی ہے، سائنس عقل کے سا
کوئی علمی مسئلہ پیش کرتا ہے، لیکن شاعری احساسات کو دلکش مناظر دکھا
لیکن یہ خاصیت، موسیقی، تصویر بلکہ مناظر قدرت مین بھی پائی جاتی ہے اس

[1] یہ تمام تقریر مل صاحب کے مضمون سے ماخوذ ہے،

کلام یا الفاظ کی قید لگائی چاہی کہ یہ چیزین بھی اس دائرہ سے نکل جائین، تاہم خطبہ، (لکچر) تاریخ، افسانہ، اور ڈراما، شاعری کی حدمین داخل رہین گی، ان مین اور شعر مین حد فاصل قائم کرنا مشکل ہے، زیادہ دقت اسلیئے ہوتی ہے کہ اکثر اعلیٰ نظمین افسانہ کی شکل مین ہوتی ہین، اور اکثر افسانون مین شاعری کی روح پائی جاتی ہے، اسلیئے دونون جب باہم ملجاتی ہین تو ان مین امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ افسانہ اسی حد تک افسانہ ہے جہانتک اس مین خارجی واقعات اور زندگی کی تصویر ہوتی ہے، جہان سے اندرونی جذبات اور احساسات شروع ہوتے ہین، وہان شاعری کی حد آجاتی ہے، افسانہ نگار بیرونی اشیاء کا استقصا کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے، بخلاف اسکے شاعر اندرونی جذبات اور احساسات کی نیرنگیون کا ماہر بلکہ تجربہ کار ہوتا ہے،

تاریخ اور شعر کا فرق

تاریخ اور شعر کا فرق ایک مثال کے ذریعہ سے اچھی طرح سمجھ مین آسکتا ہے، ایک شخص جنگل مین جارہا ہے، کسی گوشہ سے ایک مہیب شیر ڈکارتا ہوا نکلا، اسکی پررُعب گونج، بھیانک چہرہ، خشمگین آنکھون نے اس شخص کے دل کو لرزا دیا، یہ شخص کسی کے سامنے شیر کا حُلیہ اور شکل و صورت جن موثر لفظون مین بیان کریگا وہ شعر ہے،

علم الحیوانات کا ایک عالم کسی عجائب خانہ مین جاتا ہے، وہان ایک شیر کٹھرہ مین بند ہے، یہ عالم شیر کے ایک ایک عضو کو علمی حیثیت سے دیکھتا ہے،

اور علمی طریقہ سے کسی مجمع کے سامنے شیر پر لکچر دیتا ہے، یہ سائنس، تاریخ یا واقعہ نگاری ہے،

شاعری کی اقسام مین ایک قسم واقعہ نگاری ہے یعنی شاعر، خارجی واقعات کی تصویر کھینچتا ہے لیکن اس حیثیت سے نہین کہ فی نفسہ وہ کیا ہین، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ہمارے جذبات پر کیا اثر ڈالتی ہین، شاعر ان اشیاء کے سادے خط وخال کی تصویر نہین کھینچتا بلکہ ان مین قوت تخئیل کا رنگ بھرتا ہے تاکہ مؤثر بن جائے،

شاعری اور واقعہ نگاری کا فرق

اس تقریر سے شاعری اور واقعہ نگاری کا فرق، واضح ہو جاتا ہے، لیکن خطابت اور شاعری کی حد فاصل، اب بھی نہین قائم ہوئی، خطابت مین بھی شاعری کیطرح جذبات اور احساسات کا برانگیختہ کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن حقیقت مین

خطابت اور شاعری کا فرق

شاعری اور خطابت بالکل جدا جدا چیزین ہین، خطابت کا مقصود حاضرین سے خطاب کرنا ہوتا ہے، اسپیکر، حاضرین کے مذاق، معتقدات، اور میلان طبع کی جستجو کرتا ہے تاکہ اسکے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے انکے جذبات کو برانگیختہ کر سکے اور اپنے کام مین لائے، بخلاف اسکے شاعر کو دوسرون سے غرض نہین ہوتی وہ یہ نہین جانتا کہ کوئی اسکے سامنے ہے بھی یا نہین ؟ اسکے دل مین جذبات پیدا ہوتے ہین، وہ بے اختیار ان جذبات کو ظاہر کرتا ہے، جسطرح درد کی حالت مین بے ساختہ آہ نکل جاتی ہے، بے شبہ یہ اشعار

اوروں کے سامنے پڑھے جائیں تو ان کے دل پر اثر کرینگے، لیکن شاعر نے اس غرض کو پیش نظر نہین دکھاتھا، جسطرح کوئی شخص اپنے عزیز کے مرنے پر نوحہ کرتا ہی تو اُسکی غرض یہ نہین ہوتی کہ لوگون کو سنائے لیکن اگر کوئی شخص سُن لے تو ضرور تڑپ جائے گا،

اصلی شاعر وہی ہے جسکو سامعین سے کچھ غرض نہو، لیکن جو لوگ بہ تکلُّف شاعر بنتے ہین اُن کا بھی فرض ہے کہ ان کے انداز کلام سے یہ مطلق نہ پایا جائے کہ وہ سامعین کو مخاطب کرنا چاہتے ہین، ایک ایکٹر کو خوب معلوم ہے کہ بہت سے حاضرین اس کے سامنے موجود ہین لیکن اگر ایکٹ کی حالت مین، وہ اس علم کا اظہار کردے تو سارا پارٹ غارت ہوجائے گا، شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسرون سے خطاب کرتا ہے، دوسرون کے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے اپنے لئے نہین، بلکہ دوسرون کے لئے کہتا ہے، تو شاعر نہین بلکہ خطیب ہے، اس سے یہ واضح ہوگا کہ شاعری تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے بخلاف اسکے خطابت، لوگون سے ملنے جلنے اور راہ ورسم رکھنے کا ثمرہ ہے، اگر ایک شخص کے اندرونی احساسات تیز اور مشتعل ہین تو وہ شاعر ہوسکتا ہے لیکن خطیب کے لئے ضرور ہے کہ دوسرون کے جذبات، اور احساسات کا نبّاض ہو،

شاعری کے اصلی عناصر کیا ہین؟ ایک عمدہ شعر مین بہت سی باتین پائی جاتی ہین اس مین وزن ہوتا ہے، محاکات ہوتی ہے یعنی کسی چیز یا کسی حالت کی تصویر کھینچی جاتی

ہے خیال بندی ہوتی ہے، الفاظ سادہ اور شیرین ہوتے ہین بندش صاف ہوتی
ہے، طرز ادا مین جدت ہوتی ہے لیکن کیا یہ سب چیزین شاعری کے اجزا ہین
کیا ان مین سے ہر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو شعر شعر نہ ہوتا، اگر ایسا نہین ہے
اور قطعاً نہین ہے تو ان تمام اوصاف مین خاص اُن چیزون کو متعین کر دینا چاہیے
جنکے بغیر شعر، شعر نہین رہتا، عام لوگون کے نزدیک یہ چیز **وزن** ہے اس لئے
عام لوگ کلام موزون کو شعر کہتے ہین، لیکن محققین کی یہ راے نہین، وہ وزن کو
شعر کا ایک ضروری جز سمجھتے ہین تاہم انکے نزدیک وہ شاعری کا اصل عنصر نہین ہے

ارسطو کے نزدیک یہ چیز محاکات یعنی مصوری ہے لیکن یہ بھی صحیح نہین اگر
کسی شعر مین تخئیل ہو، اور محاکات نہ ہو تو کیا وہ شعر نہ ہوگا؟ سیکڑون اشعار ہین جنمین
محاکات کے بجاے صرف تخئیل ہے، اور باوجود اسکے وہ عمدہ اشعار خیال کئے جاتے
ہین، شاید یہ کہا جاے کہ محاکات ایسا وسیع مفہوم ہے کہ تخئیل اس کے دائرہ سے
باہر نہین جاسکتی اسلئے تخئیل بھی محاکات ہے لیکن یہ زبردستی ہے، آگے چلکر
جب ہم محاکات اور تخئیل کی تعریف لکھین گے تو واضح ہو جاے گا کہ دونون الگ
الگ چیزین ہین، گو یہ ممکن ہے کہ بعض مثالون مین دونون کی سرحدین مل جائین
حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل دو چیزون کا نام ہے، **محاکات** اور **تخئیل**
ان مین سے ایک بات بھی پائی جاے تو شعر، شعر کہلانے کا مستحق ہوگا، باقی اور اوصاف
یعنی سلاست، صفائی، حسن بندش وغیرہ وغیرہ شعر کے اجزاے اصلی نہین بلکہ

ارض اور مستحسنات ہین،

اکات کی تعریف | محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اسطرح ادا کرنا ہے کہ اُس

شے کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تصویر اور محاکات مین یہ فرق ہے کہ تصویر

ن اگرچہ مادّی اشیار کے علاوہ، حالات یا جذبات کی بھی تصویر کھینچی جاسکتی ہو چنانچہ

لی درجے کے مُصوّر، انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتے ہین کہ چہرہ سے جذباتِ انسانی

ثلاً رنج، خوشی، تفکر، حیرت، استعجاب، پریشانی اور بیتابی ظاہر ہو، جہانگیر کے سامنے

ب مُصوّر نے ایک عورت کی تصویر پیش کی تھی، جسکے تلوے سہلائے جارہے ہین تلوٴن

ے سہلاتے وقت چہرہ پر گدگدی کا جو اثر طاری ہوتا ہے وہ تصویر کے چہرہ سے

یان تھا، تاہم تصویر ہر جگہ مُحاکات کا ساتھ نہین دیسکتی، سیکڑون گوناگون واقعات،

الات، اور واردات ہین جو تصویر کی دسترس سے باہر ہین، مثلاً قاآنی ایک موقع

بہار کا سمان دکھاتا ہے،

یک نرک نسیم، زیر گلان مینخزد   غبغب این می مکد، عارض آن می مزد

بلِ این می کشد، گردن آن می گزد   گہ بہ چمن می چمد، گہ بہ سمن می وزد

گاہ بشاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار

یعنی ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولون مین گھسی، کسی پھول کا گال چوم لیا، کسی کی ٹھوڑی

س لی، کسی کے بال کھینچے، کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کیاریون مین کھیلتے کھیلتے

یلی کے پاس پہنچی، اور درخت کی ٹہنیون مین سے ہوتی ہوئی نہر کے کنارے

پہنچ گئی" اس سمان کو مُصوّر تصویر مین کیونکر دکھا سکتا ہے؟

یہ تو مادّی اشیا تھین، خیالات، جذبات، اور کیفیات کا ادا کرنا اور زیادہ مشکل ہے، تصویر اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتی ہی مثلاً اس شعر مین،

نسب نامۂ دولت کے قباد ورق بر ورق، ہر سوئے بُرد باد

یہ خیال ادا کیا گیا ہے کہ دارا کے مرنے سے کیانی خاندان بالکل برباد ہو گیا

یہ خیال تصویر کے ذریعہ سے کیونکر ادا ہو سکتا ہی،

یا مثلاً ہوس پیشہ عاشقون کو اکثر یہ واردات پیش آتی ہی کہ کسی معشوق سے دل لگاتے ہین، چند روز کے بعد اُسکی بے مہریون اور کج ادائیون سے تنگ آکر چاہتے ہین کہ اسکو چھوڑ دین، اور کسی اور سے دل لگائین، پھر رُک جاتے ہین کہ ایسا دلفریب معشوق کہان ہاتھ آئے گا، اسطرح آپ ہی آپ روٹھتے اور ملتے رہتے ہین معشوق کو ان واقعات کی خبر تک نہین ہوتی اس حالت کو شاعر یون ادا کرتا ہی،

صد بار جنگ کردہ بہ او صلح کردہ ایم اُو را خبر نبودہ ز صلح و ز جنگ ما

اس حالت کو مُصوّر تصویر کے ذریعہ سے کیونکر دکھا سکتا تھا، بخلاف اسکے شاعرانہ مُصوّری، ہر خیال، ہر واقعہ، ہر کیفیت کی تصویر کھینچ سکتی ہے،

ایک بڑا فرق عام مصوّری اور شاعرانہ مُصوّری مین یہ ہے، کہ تصویر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اُسکا ایک ایک خال و خط دکھایا جائے ورنہ تصویر ناتمام اور غیر مطابق ہوگی، بخلاف اسکے شاعرانہ مُصوّری مین یہ التزام

ضروری نہین ہے شاعر اکثر صرف اُن چیزون کو لیتا ہے اور اُنکو نمایان کرتا ہی جن سے ہمارے جذبات پر اثر پڑتا ہے، باقی چیزون کو وہ نظر انداز کرتا ہے یا اُنکو دھندلا رکھتا ہے کہ اثر اندازی مین اُن سے خلل نہ آئے، فرض کرو ایک پھول کی تصویر کھینچنی ہو تو مُصوّر کا کمال یہ ہے کہ ایک ایک پنکھڑی اور ایک ایک رگ و ریشہ دکھائے، لیکن شاعر کے لئے یہ ضروری نہین، ممکن ہے کہ وہ ان چیزون کو اجمالی اور غیر نمایان صورت مین دکھائے تاہم مجموعہ سے وہ اثر پیدا کردے جو اصلی پھول کے دیکھنے سے پیدا ہوتا،

ایک اور بڑا فرق مُصوّری اور محاکات مین یہ ہے کہ مُصوّر کسی چیز کی تصویر کھینچنے سے زیادہ سے زیادہ وہ اثر پیدا کرسکتا ہے جو خود اس چیز کے دیکھنے سے پیدا ہوتا لیکن شاعر باوجود اسکے کہ تصویر کا ہر جزء نمایان کرکے نہین دکھاتا تاہم اس سے زیادہ اثر پیدا کرسکتا ہے جو اصل چیز کے دیکھنے سے پیدا ہوسکتا ہی، سبزہ پر شبنم دیکھکر وہ اثر نہین پیدا ہوسکتا جو اس شعر سے ہوسکتا ہے،

کہا کھا کے اُوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا　　　　تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

تصویر کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو اور اگر مُصوّر اس امر مین کامیاب ہوگیا تو اسکو کامل فن کا خطاب مل سکتا ہے لیکن شاعر کو اکثر موقعون پر دو مشکل مرحلون کا سامنا ہوتا ہے یعنی نہ اصل کی پوری پوری تصویر کھینچ سکتا ہے کیونکہ بعض جگہ اس قسم کی پوری مطابقت احساسات کو برانگیختہ نہین کرسکتی نہ اصل

سے زیادہ دور ہوسکتا ہے ورنہ اسپر اعتراض ہوگا کہ صحیح تصویر نہین کھینچی، اس موقع پر اسکو تخئیل سے کام لینا پڑتا ہے، وہ ایسی تصویر کھینچتا ہے جو اصل سے آب تاب اور حسن وجمال مین بڑھ جاتی ہے لیکن وہ قوت تخئیل سے سامعین پر یہ اثر ڈالتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے، لوگون نے اسکو امعان نظر سے نہین دیکھا تھا اسلئے اسکا حُسن پورا نمایان نہین ہوا تھا،

تخئیل | تخئیل کی تعریف ہنری لوئیس نے یہ کی ہے "وہ قوت جسکا یہ کام ہے کہ ان اشیا کو جو مرئی نہین ہین یا جو ہمارے حواس کی کمی کی وجہ سے ہمکو نظر نہین آتین، ہماری نظر کے سامنے کر دے" لیکن یہ تعریف پوری جامع اور مانع نہین اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی چیزون کی منطقی جامع اور مانع تعریف ہو بھی نہین سکتی،

تخئیل دراصل قوتِ اختراع کا نام ہے، عام لوگون کے نزدیک منطق یا فلسفہ کا موجد صاحب تخئیل نہین کہا جا سکتا، بلکہ اگر خود کسی فلسفہ دان کو اس لقب سے خطاب کیا جائے تو اُسکو عار آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ اور شاعری مین قوت تخئیل کی یکسان ضرورت ہے یہی قوت تخئیل ہے جو ایک طرف فلسفہ مین ایجاد اور اکتشاف مسائل کا کام دیتی ہے اور دوسری طرف شاعری مین شاعرانہ مضامین پیدا کرتی ہے، چونکہ اکثر سائنس دان شاعری کا مذاق نہین رکھتے اور شعرا، فلسفہ اور سائنس سے نامانوس ہوتے ہین اسلئے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قوت تخئیل کو فلسفہ اور سائنس سے تعلق نہین، لیکن یہ صحیح

نہین، بے شبہ عام سائنس یا فلسفہ جاننے والے جن مین قوت ایجاد نہین قوت تخئیل
نہین رکھتے، لیکن جو لوگ کسی مسئلہ یا فن کے موجد ہین ان کی قوت تخئیل سے
کون انکار کر سکتا ہے، نیوٹن اور ارسطو مین اسی قدر زبردست قوت تخئیل تھی
جسقدر ہومر اور فردوسی مین، البتہ دونون کے اغراض و مقاصد مختلف ہین اور
دونون کی قوت تخئیل کے استعمال کا طریقہ الگ الگ ہے، فلسفہ اور سائنس مین
قوت تخئیل کا استعمال اس غرض سے ہوتا ہے کہ ایک علمی مسئلہ حل کر دیا
جائے، لیکن شاعری مین تخئیل سے یہ کام لیا جاتا ہے کہ جذبات انسانی کو
تحریک ہو، فلسفی کو صرف اُن موجودات سے غرض ہی جو واقع مین موجود ہین،
بخلاف اسکے شاعر اُن موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہین،
فلسفہ کے دربار مین، ہما، سیمرغ، گاؤزمین تخت سلیمان کی مطلق قدر نہین، لیکن
یہی چیزین ایوان شاعری کے نقش و نگار ہین. فلسفی کی زبان سے اگر سیمرغ زرین بال
کا لفظ نکل جائے تو ہر طرف سے ثبوت کا مطالبہ ہوگا، لیکن شاعر اس قسم کی
فرضی مخلوقات سے اپنا عالم خیال آباد کرتا ہے اور کوئی اس سے ثبوت کا طالب
نہین ہوتا کیونکہ فلاسفر کی طرح وہ کسی مسئلہ کی تعلیم کا دعوے نہین کرتا بلکہ وہ
عالم کو صرف خوش کرنا چاہتا ہے اور بے شبہہ وہ اسمین کامیاب ہوتا ہے' ایک
پھول کو دیکھکر سائنس دان تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ وہ نباتات کے کس خاندان
سے ہے؛ اسکے رنگ مین کن رنگون کی آمیزش ہے، اسکی غذا زمین کے

کن اجزا سے ہے؟ اس مین نر و مادہ دونون کے اجزا ہین یا صرف ایک کے
لیکن شاعر کو ان چیزون سے غرض نہین، پھول دیکھکر بے اختیار اسکو یہ خیال
پیدا ہوتا ہے،

ای گل بتو خرسندم تو بوی کسے داری

چاند کی نسبت ایک ہیئت دان کو ان مسائل سے غرض ہے کہ وہ کن عناصر
سے بنا ہے؟ آباد ہے یا ویران؟ روشن ہے یا تاریک؟ سمندر کے مد و جزر سے
اسکو کیا تعلق ہے؟ وغیرہ وغیرہ لیکن شاعر کو چاند سے صرف یہ غرض ہے کہ وہ
معشوق کا روئے روشن ہے،

شاعر کے سامنے (قوت تخئیل کی بدولت) تمام بے حس اشیاء جاندار
چیزین بن جاتی ہین، اسکے کانون مین ہر طرف سے خوش آیند صدائین آتی ہین
زمین آسمان، ستارے، بلکہ ذرہ ذرہ اُس سے باتین کرتا ہے،

قوت **تخئیل** کے ذریعہ سے اکثر شاعر ایک نیا دعوی کرتا ہے اور خیالی
دلائل پیش کرتا ہے، ممکن ہے کہ ایک منطقی اسکی دلیل نہ تسلیم کرے لیکن جن لوگون
کو وہ قوت تخئیل کے ذریعہ سے معمول کر لیتا ہے وہ اسکے تسلیم کرنے مین مطلق
تامل نہین کر سکتے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

دوش از بزم چو رفتی آگہ نگشتم آرے عمر ے رفتن عمر آواز پایانہ دارا
یعنی معشوق جو گودی سے نکل کر چلا گیا تو مجھکو خبر نہین ہوئی، کیونکہ معشوق

عاشق کی زندگی ہے اور زندگی کے جانے کے وقت جانے کی آہٹ نہین معلوم ہوتی، اس دلیل کے دو مقدمے ہین "معشوق عاشق کی زندگی ہے" زندگی کے جانے کی آہٹ نہین معلوم ہوتی" ان دونون مین سے تم کس کا انکار کر سکتے ہو؟

محاکات کی تکمیل کن کن چیزون سے ہوتی ہے،

۱۔ محاکات جب موزون کلام کے ذریعہ سے کی جائے تو سب سے پہلے وزن کا تناسب شرط ہے، یہ ظاہر ہے کہ درد، غم، جوش غیظ، غضب، ہر ایک کے اظہار کا لہجہ اور آواز مختلف ہے، اسلئے جس جذبہ کی محاکات مقصود ہو، شعر کا وزن بھی اُسی کے مناسب ہونا چاہئے تاکہ اُس جذبہ کی پوری حالت ادا ہو سکے، مثلاً فارسی مین بحر تقارب جسمین شاہنامہ ہے رزمیہ خیالات کے لئے موزون ہے، چنانچہ فارسی مین جسقدر رزمیہ مثنویان لکھی گئین اسی بحر مین لکھی گئین، اسیطرح غزل اور عشق و عاشقی کے خیالات کے لئے خاص بحرین ہین، اِن خیالات کو قصیدہ کی بحرون مین ادا کیا جائے تو تاثیر گھٹ جاتی ہے،

۲۔ محاکات کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو، یعنی جس چیز کا بیان کیا جائے اسطرح کیا جائے کہ خود وہ شے مجسم ہو کر سامنے آجائے، شاعری کا اصلی مقصد طبیعت کا انبساط ہے، کسی چیز کی اصلی تصویر کھینچنا خود طبیعت مین انبساط پیدا کرتا ہے، (وہ شے اچھی یا بُری ہے اس سے بحث نہین) مثلاً چھپکلی ایک بدصورت جانور ہے جسکو دیکھکر نفرت ہوتی ہے لیکن اگر ایک اُستاد مصور چھپکلی

کی ایسی تصویر کھینچدے کہ بال برابر فرق نہ ہو تو اُسکے دیکھنے سے خواہ مخواہ لطف آئے گا، اسکی یہی وجہ ہے کہ نقل کا اصل سے مطابق ہونا خود ایک موثر چیز ہے، اب اگر وہ چیزین جن کی محاکات مقصود ہے، خود بھی دلاویز اور لطف انگیز ہون تو محاکات کا اثر بہت بڑھ جائے گا،

اصل کی مطابقت مختلف طریقون سے ہوتی ہے،

(۱) جس شے کا بیان کرنا ہے اُسکی جزئیات کا اسطرح استقصا کیا جائے کہ پوری شے کی تصویر نظر کے سامنے آجائے، مثلاً اگر احباب کی مفارقت کا واقعہ لکھنا ہے تو اُن تمام جزئی حالات اور کیفیات کا استقصا کرنا چاہیئے جو اسوقت پیش آتی ہین؟ یعنی اس حالت مین ایک دوسرے کی طرف کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کسطرح گلے ملکر روتا ہے؟ کس قسم کی دردانگیز باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت کیا بے اختیار حرکات صادر ہوتے ہین؟ آغاز مین جو کیفیت تھی کسطرح بتدریج بڑھتی جاتی ہے؟ حاضرین پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے؟ ان باتون مین سے ایک بات بھی رہ گئی تو مطابقت مین کمی رہ گئی، فردوسی اور نظامی مین بڑا فرق یہی ہے کہ فردوسی نہایت چھوٹے چھوٹے جزئیات کو لیتا ہے اور نظامی عالم تخئیل کے زور مین جزئیات پر نظر نہین ڈالتے، مثلاً فردوسی ایک موقع پر ایک دعوت کے جلسہ کا حال لکھتا ہے،

دگر بارہ بستد زمین داد بوس،	دوسری بار پیالہ ہات مین لیا اور زمین چومی
چنین گفت کین بادہ بر روے طوس،	اور کہا کہ یہ پیالہ طوس کی یادگار پیتا ہون
سران جہان دار بر خاستند	تمام سردار کھڑے ہو گئے،
ابر پہلوان خواہش آراستند	اور رستم کی مرضی کی تبعیت کی،

اس زمانہ مین قاعدہ تھا کہ کسی کی یادگار مین شراب پیتے تھے تو زمین کو چومتے تھے، پھر اُس شخص کی طرف خطاب کر کے کہتے تھے آ، بہ یاد "فلان" اُسکے ساتھ اور حاضرین مجلس کھڑے ہو جاتے تھے. جیسا کہ آج کل بھی دستور ہے فردوسی نے ان تمام واقعات کو ادا کیا، اسی موقع کو اگر نظامی لکھتے تو شراب اور جام کی تشبیہ اور استعارہ کا طلسم باندھتے، لیکن ان جزئی واقعات کو نظر انداز کر جاتے، قاآنی کا ایک بہاریہ قصیدہ ہے جسکے چند اشعار یہ ہین،

یکے بر لالہ پا کوبد کہ بہ بہ رنگ مے دارد	بہار مین کوئی لالہ پر پاؤن دے دے مارتا ہے
یکے از گل بوجد آید کہ وہ وہ بوے یار آید	کہ آہا اس مین شراب کا رنگ ہے کوئی پھول دیکھ کر
یکے اینجا گسارد مے یکے آنجا نوازد نے	جھومتا ہے کہ سبحان اللہ معشوق کی خوشبو آتی ہے
صدا ہاے وہوے دہی زہر سوے ہزار آید	کوئی یہان شراب اڑا رہا ہے، کوئی وہان بانسری
زہر کوے صداے ارغنون و چنگ و نے خیزد	بجا رہا ہے، ہر طرف سے ہو ہا کی آوازین آ رہی
زہر سوے صداے بربط و طنبور و تار آید	ہین، ہر گلی مین ارگن اور ستار بج رہا ہے کوئی
یکے بر لالہ می غلطد یکے در سبزہ می رقصد	لالہ پر لوٹ رہا ہے کوئی سبزہ پر ناچ رہا ہے

یکے گاہے رود از ہوش یک گہ ہوشیار آید | کوئی بے ہوش ہوا جاتا ہے، کوئی ہوش مین آتے
الا یا ساقیا! مے دہ بہ جانِ من پیاپے دہ | لگا ہے، ہان! اے ساقی شراب دے اور برابر دیے
دمادم ہے خور دہے دہ کہ می ترسم خمار آید | جا، خود پی اور دمبدم پلاتا جا ورنہ مجھکو ڈر ہی کہ خمار آجائے

ان اشعار مین بہار کی دلچسپی، اور لوگون کی سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہی محاکات کا اعلیٰ درجہ ہے، ایک ایک جزئی حالت کا استقصا کر کے اسطرح ادا کیا ہے کہ پورا اسمان آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے،

۳- اکثر چیزین اس قسم کی ہین کہ اُن کے مختلف انواع ہوتے ہین اور ہر نوع مین الگ خصوصیت ہوتی ہے، مثلاً آواز ایک عام چیز ہے اسکی مختلف نوعین ہین، پست، بلند، شیرین، کرخت، سریلی، وغیرہ وغیرہ، ذوقی چیزون مین یہ فرق اور نازک ہوجاتا ہے، مثلاً معشوق کی ادا ایک عام چیز ہے لیکن الگ الگ خصوصیتون کی بنا پر اِن کے جدا جدا نام ہین، یعنی ناز، عشوہ، غمزہ، شوخی دبیبا کی جو زبانین وسیع اور لطیف ہین اُن مین، اُن دقیق فرقون کی بنا پر ہر چیز کے لئے الگ الگ الفاظ پیدا ہوجاتے ہین،

اب جب کسی چیز کی محاکات مقصود ہو تو ٹھیک وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئین جو ان خصوصیات پر دلالت کرتے ہین، ساودی نے ایک نظم لکھی تھی جسکا شانِ نزول یہ ہے کہ اس سے اسکے کم سن بچے نے پوچھا کہ "سیلاب کیونکر آتا ہے"، ساودی نے اُسکے جواب مین یہ نظم لکھی اور دکھایا کہ سیلاب کسطرح

آہستہ آہستہ شروع ہوتا ہے، اور کسطرح بڑہتا جاتا ہے، اس نظم مین تمام الفاظ اس قسم کے آے ہین کہ پانی کے بہنے، گرنے، پھیلنے، بڑہنے (وغیرہ وغیرہ) کے وقت جو آوازین پیدا ہوتی ہین الفاظ کے لہجہ سے انکا اظہار ہوتا ہے، یہان تک کہ اگر کوئی شخص خوش ادائی سے اس نظم کو پڑھے تو سننے والے کو معلوم ہو گا کہ زور شور سے سیلاب بڑہتا ہوا چلا آتا ہے،

میرا طالب العلمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت مین کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا،

سر بہ بستان چو دہد جلوۂ یغمائی را　　اول از سرو کَنَد جامۂ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے، مین نے کہا کپڑا اُتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہین، اسلئے شاعر اگر "کند" کے بجائے "کشد" کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا، جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہین، سب چپ ہو گئے، والد مرحوم نے ذرا سوچکر کہا کہ "نہین یہی لفظ (کَنَد) شعر کی جان ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ مین جب غارتگری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اُوتالیتا ہے لباس اُتارنے کے دو معنی ہین ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اُتار کر رکھدے یا اُسکا نوکر اُتار لے، دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اُتروا لئے جائین یا نچوائے جائین، فارسی مین اُنکے لئے دو مختلف لفظ ہین جامہ کشیدن، اور جامہ کندن، چونکہ یہان مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر

سرد کا کپڑا اُتار لیتا ہے اِسلئے یہان جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزون ہے تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ تحسین کی،

علی قلی کا شعر ہے،

بگذشت زپیش من وغیرش بہ حکایت
بپچید کہ ہرگز نتواند بہ قفا دید

شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق سامنے سے جا رہا تھا، رقیب بھی ساتھ تھا، اُسنے اسطرح اسکو باتون مین لگا لیا کہ معشوق مڑ کر پیچھے نہ دیکھ سکا (ورنہ شاید میری طرف بھی اسکی نگاہ پڑ جاتی) "بپچید" کے لفظ سے واقعہ کی صورت جسطرح ذہن مین آجاتی ہے اور کسی لفظ سے نہین آسکتی،

سکندر نے جب دارا کو برابری کے دعوے سے خط لکھا ہے تو دارا سخت رنج اور حیرت ہوئی، اس موقع پر نظامی کہتے ہین،

بخندید وگفت اندران زہر خند
کہ افسوس بر کار چرخ بلند

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند
کہ اسکندر آہنگ دارا کند

جب کوئی کمینہ شخص کسی معزز آدمی سے برابری کا دعوے کرتا ہے تو بعض وقت اُسکو غصہ مین ہنسی آجاتی ہے، یہ ہنسی رنج غصہ، اور عبرت کا گویا مجموعہ ہوتی ہے، فارسی مین اس ہنسی کو زہر خند کہتے ہین، دارا پر سکندر کے خط سے جو حالت طاری ہوئی زہر خند کے لفظ کے سوا اور کسی طریقہ سے اسکی تصویر نہین کھنچ سکتی تھی، اسی طرح خاص خاص محاورے اور اصطلاحین، خاص خاص مضامین

کے لئے مخصوص ہین، ان مضامین کو انکے سوا اور طریقہ سے ادا کیا جائے تو پوری محاکات نہین ہو سکتی،

۴۔جب کسی قوم یا کسی ملک، یا کسی مرد، یا عورت، یا بچہ، کی حالت بیان کیجائے تو ضرور ہے کہ اُن کی تمام خصوصیات کا لحاظ رکھا جائے، مثلاً اگر کسی بچہ کی کسی بات کی نقل کرنی مقصود ہو تو بچون کی زبان کا، طرز ادا کا، خیالات کا، لہجہ کا، لحاظ رکھنا چاہیے، یعنی ان تمام باتون کو بعینہ ادا کرنا چاہیے، مثلاً

محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا ۔۔۔ چلّاتی ہے سکینہ کہ "اچھے میرے چچا"
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو تم پہ مین فدا ۔۔۔ بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے،

یہ وہ موقع ہے کہ اہل بیت نہایت سخت گرمیون مین کربلا کو روانہ ہوئے ہین اور سکینہ (حضرت امام حسین علیہ السّلام کی صاحبزادی) اپنے چچا یعنی حضرت عباس سے گرمی کی شکایت کرتی ہین، اس بند مین بچونکی طرز گفتار اور خیالات کی تمام خصوصیات کو ملحوظ رکھا ہے، "اچھے چچا" خاص بچون کی زبان ہے، گودی مین بچونکو خاص لطف آتا ہے، اسلئے گودی مین لینے کی فرمایش سے طفلانہ خواہش کا اظہار ہوتا ہے بچے اپنے مقصد حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ طعنہ دینا سمجھتے ہین، اس لئے حضرت عباس کو طعنہ دیا ہے کہ آپ تو مزے سے

ہوا ہین ہین، آپ کو میری کیا فکر ہے، "آپ" کے بجائے "تم" کہنا انتہا درجہ کا پیار
اور طفلانہ تفوّق اور حکومت ہے، ان خصوصیات کے اجتماع نے محاکات کو
کمال کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور واقعہ کی پوری تصویر اُتر آئی ہے،

محاکات کے کمال کے لئے عام کائنات کی ہر قسم کی چیزون کا مطالعہ کرنا
ضروری ہے، شاعر کبھی لڑائیون اور معرکونکا حال لکھتا ہے، کبھی قومون کے
اخلاق وعادات کی تصویر کھینچتا ہے، کبھی جذبات انسانی کا عالم دکھاتا ہے، کبھی
شاہی درباروں کا جاہ وحشم بیان کرتا ہے، کبھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑون کی سیر
کراتا ہے، اس حالت مین اگر اس نے عالم کائنات کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور ایک
ایک چیز کی خصوصیات اور قابل انتخاب باتونکو دقت آفرینی سے نہ دیکھا ہو، تو
وہ ان مرحلون کو کیونکر طے کر سکتا ہے، شکسپیر تمام دنیا کا سب سے بڑا شاعر مانا
جاتا ہے، اسکی یہی وجہ ہے کہ اسنے ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگون کے اخلاق و
عادات کی تصویر کھینچی ہے اور اسطرح کھینچی ہے کہ اس سے بڑھکر ممکن نہین
اس شرط کی کمی کی وجہ سے بڑے بڑے شعرا کے کلام مین علانیہ رخنے نظر آتے ہین،
نظامی خدائے سخن ہین تاہم دارا کے خط مین جو سکندر کے نام تھا، لکھتے ہین،

دگرنہ چنانت بہم گوش پیچ — درنہ مین تیرے ایسے کان ملونگا

کہ دانی تو ہیچی وکمتر ز ہیچ — کہ تو جان جائے کہ ناچیز سے بھی ناچیز ہے

نظامی گوشہ نشین شخص تھے، شاہی دربارون مین آنے جانے کا کم اتفاق

ہوا تھا، شاہانہ آداب اور طریق گفتگو سے واقف نہ تھے، اسلئے وہی عام بازاری لفظ "گوش پیچ" (کان اوینٹھنا) لکھ گئے، اس نقص کی وجہ سے واقعہ کی صحیح تصویر نہ اُتر سکی، بخلاف اسکے فردوسی نے سیکڑون ہزارون مختلف واقعات لکھے ہین، لیکن کہین اس فرض کا سررشتہ ہاتھ سے نہین جانے پایا، متعدد اور مفصل مثالین آگے آئین گی یہان صرف مطلب کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم ایک مثال پر اکتفا کرتے ہین۔

ایرانیون کی روایت ہے کہ فریدون نے اپنے بیٹون کی وصلت شاہ یمن کی لڑکیون سے کرنی چاہی، چنانچہ قاصد کو پیغام دیکر شاہ یمن کے پاس بھیجا، شاہ یمن نے اپنے درباریون سے کہا کہ "تین صورتین ہین، اگر قبول کرلون تو مجھکو سخت صدمہ ہوگا، اگر جھوٹ وعدہ کرلون تو یہ شان سلطنت کے خلاف ہے انکار کرون تو فریدون کا مقابلہ کرنا آسان نہین،

فردوسی مجوسی النسل تھا اور قومیت کا اسکو سخت تعصب تھا چنانچہ جہان جہان عرب کا نام آتا ہے اُنکو حقیر کرنا چاہتا ہے، تاہم چونکہ شاعری کے فرض کا خیال تھا اور عرب کے کیرکٹر (انداز طبیعت) سے واقف تھا، اس لئے درباریون کی زبان سے کہتا ہے،

کہ ما ہمگنان این نہ بینیم رائے	ہم لوگون کی یہ رائے نہین
کہ ہر باد را تو بجنبی ز جائے	کہ جو ہوا چلے آپ کو ہلا دے

اگر شد فریدون چنین شہریار — فریدون بادشاہ ہے تو ہو
نہ مابندگانیم باگوشوار — ہم بھی کچھ اُسکے حلقہ بگوش غلام نہین ہین
سخن گفتن ورنجش آئین ماست — گویائی اور جھلاہٹ ہماری فطرت ہی
عنان وسنان باختن دین ماست — گھوڑا اوڑانا اور برچھی چلانا ہمارا دین ہے
بہ خنجر زمین را میستان کنیم، — ہم تلوارون سے زمین لال کردینگے
بہ نیزہ ہوا را نیستان کنیم، — اور برچھیون سے ہوا کو نیستان بنادینگے،

یہ باتین عرب کا خاص کیرکٹر ہین، عرب کسی دوسری قوم کو، گو کسی درجہ کا ہو، بیٹی دینا عار سمجھتے تھے، اسلئے گو بادشاہ نے مصلحت ملکی سے فریدون کی درخواست کا رد کرنا مناسب نہ سمجھا، لیکن درباریون نے وہی آزادانہ جواب دیا جو عرب کی طینت اور اُنکا جوہر ہے،

دقیق خصوصیات کی محاکات، — محاکات مین نہایت فرق مراتب ہے اور اسی فرق مراتب کی بنا شاعری کے مدارج مین نہایت تفاوت ہے، اسکو پہلے محسوسات کے ذریعہ سے ذہن نشین کرو مثلاً اگر سوتے ہوئے شخص کی تصویر کھینچی جائے تو ایک معمولی مُصوّر تصویر مین صرف اسقدر دکھائے گا کہ آنکھین بند ہین، جس سے ظاہر ہو کہ وہ شخص سو رہا ہے، لیکن ایک دقیقہ رس مصوّر ان خصوصیتون کا بھی لحاظ رکھے گا کہ کس قسم کی نیند ہے؟ گہری ہے یا معمولی؟ یا نیمخوابی؟ اس سے بڑھکر اس بات کو بھی ملحوظ رکھے گا کہ سونے کی حالت مین اعضاء کی جو حالت ہوتی ہے

وہ بھی نمایان کیجاے، بنچری مین لباس اور اعضار کی ہئیت مین جو بے ڈھنگا پن پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی ظاہر ہو، بچون، جوانون، عورتون اور مردون کی نیند مین جو فرق ہے اسکی خصوصیات بھی نظر آئین، اسیطرح جسقدر زیادہ فن تصویر مین کمال ہوگا اسیقدر تصویر مین باریکیان پیدا ہوتی جائین گی،

یونان مین ایک دفعہ ایک مصوّر نے ایک آدمی کی جسکے ہاتھ مین انگور کا خوشہ ہے تصویر بنا کر موقع عام پر آویزان کی، تصویر اسقدر اصل کے مطابق تھی کہ پرند انگور کو اصلی سمجھکر اُس پر گرتے تھے اور چونچ مارتے تھے تمام نمائشگاہ مین غل پڑ گیا اور لوگ ہر طرف سے آآکر مصوّر کو مبارکباد دینے لگے لیکن مصوّر روتا تھا کہ تصویر مین نقص رہ گیا، لوگون نے حیرت سے پوچھا کہ اس سے بڑھکر اور کیا کمال ہوسکتا تھا، مصور نے کہا بے شبہ انگور کی تصویر اچھی بنی ہے لیکن جس آدمی کے ہاتھ مین انگور ہے اسکی تصویر اچھی نہین ورنہ پرند انگور پر لوٹنے کی جرات نہ کرتے،

اس قسم کے دقائق اور باریکیان محاکات مین پائی جاتی ہین اور یہی نکتے ہین جنکی بنا پر شعرا مین فرق مراتب ہوتا ہے، محاکات کے یہ دقائق ہر چیز کی محاکات مین پائے جاتے ہین یعنی خواہ کسی واقعہ کا بیان کیا جائے یا کسی منظر کا، یا جذبات انسانی کا یا کسی حالت یا کیفیت کا ہم ہر قسم کی مثالین ذیل مین لکھتے ہین،

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند — دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند — چمکارتے تھے حضرت عباس ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مونھ سوار کا

یہ وہ موقع ہے کہ کربلا مین حضرت عباس اہل بیت کے لئے پانی لینے گ
ہین، اور نہر کے کنارے پہنچے ہین لیکن نہ خود پانی پیتے ہین نہ گھوڑے کو پلاتے ہین
صرف مشک بھر لی ہے کہ اہل بیت کو لاکر پلائین گے گھوڑا حضرت عباس کے
اس ارادے سے واقف ہے کہ وہ اسکو پانی پلانا نہین چاہتے اب خیال کرو کہ ایک جانو
کئی دن کا پیاسا پانی کے پاس پہنچ جائے تو اسکی کیا حالت ہوگی، ایک طرف پیاس
اسکو بے اختیار کرتی ہے دوسری طرف آقا مانع ہے، اس دوطرفہ کشمکش مین با
بار کانپنا اور بند بند کا سمٹنا اصلی نیچرل اور فطری حالت ہے،

زلفین ہوا مین اڑتی تھین ہاتھون مین ہاتھ تھے — لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھ

یہ وہ موقع ہے کہ اہل بیت کربلا کے میدان مین اترے ہین اور نوجوا
اور بچے ساتھ ساتھ چہل قدمی کر رہے ہین، کوئی معمولی شاعر اس منظر دکھاتا تو بچون کا
کھیلتے کودتے چلنا بیان کر دیتا، لیکن نکتہ سنج شاعر کی نگاہ اسپر پڑتی ہے کہ بچے تنہا
نہین ہین بلکہ اپنے سے بڑی عمر والون کے ساتھ ہین، اسلئے کھل کھیل نہین سک
تاہم بچے ہین اور بچہ کی خصوصیات نہ دکھائی جائے تو واقعہ کی اصلی تصویر نہین کھنچ

اسلئے کہتا ہے کہ "بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے"

بعض جگہ صرف جزئیات کے ادا کرنے سے محاکات ہوتی ہے

لیکن ہر جگہ کسی شے یا واقعہ کے تمام اجزا کی محاکات ضروری نہین، فن تصویر کے ماہر جانتے ہین کہ اکثر صاحب کمال مصور تصویر کے بعض حصے خالی چھوڑ دیتا ہے، لیکن اور اعضاء یا اجزا کی تصویر اس خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر چھوٹے ہوئے حصہ کو خود پورا کرلیتی ہے، اسکو مثال مین یون سمجھو کہ کاغذ پر جو تصویر ہوتی ہے اُسمین عُمق نہین ہوسکتا کیونکہ کاغذ مین خود عُمق نہین باوجود اسکے کاغذ پر نہایت موٹے آدمی کی تصویر بنا سکتے ہین، اسکی وجہ یہی ہے کہ چونکہ تصویر مین عرض وطول موجود ہوتا ہے، اسلئے اسکی مناسبت سے قوت متخیلہ خود دبازت اور موٹاپن پیدا کرلیتی ہے، اور ہم کو تصویر مین اسیطرح موٹاپا محسوس ہوتا ہے جسطرح عرض طول محسوس ہوتے ہین، شاعر اکثر کوئی واقعہ یا کوئی سمان باندھتا ہے اور تمام حالات کا استقصا نہین کرتا لیکن چند ایسی نمایان خصوصیات ادا کردیتا ہے کہ پورا واقعہ یا پورا سمان آنکھون کے سامنے آجاتا ہے،

صبا حکایت زلف تو در میان انداخت　　بنفشہ طرۂ مفتولِ خود گرہ میزد

شعر کا اصل مطلب صرف اسقدر ہے کہ بنفشہ معشوق کی زلف کا مقابلہ نہین کرسکتی اسکو شاعرانہ انداز مین اسطرح ادا کیا ہے کہ گویا بنفشہ ایک معشوق ہے، وہ اپنی زلفین آراستہ کررہی تھی اور اپنی اداؤن پر نازان تھی،

کہ اتفاقاً کسی طرف سے صبا (جسکو ایک تماشائی عورت فرض کیا جاتا ہے) آنکلی
اُسنے معشوق کی زلفون کا ذکر چھیڑ دیا دفعتہً بنفشہ شرما کر رہ گئی،

بنفشہ کا شرما جانا شعر مین مذکور نہین، اور اس تمام منظر مین وہی واقعہ کی جان
ہے، لیکن حالت کا سمان اسطرح کھینچا ہے کہ شرما جانا خود بخود لازمی نتیجہ کے طور پر
پیش نظر ہو جاتا ہے،

ہان وہ نہین وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی جسکو ہو جان و دل عزیز اُسکی گلی مین جائے کیون

اس شعر مین اس حالت کی تصویر کھینچی ہے کہ عاشق عشق مین سرشار ہے
لوگ اسکے پاس جاکر اسکو سمجھاتے ہین کہ معشوق بیوفا ہے، اس سے دل لگانا
بیفائدہ ہے، عاشق جھلا کر کہتا ہے "اچھا ہے تو ہے جس کو اپنی جان عزیز ہو
وہ اس سے دل ہی کیون لگاتا ہے" یعنی مین نے اپنی جان پر کھیل کر اس سے
دل لگایا ہے میرا عشق اسکی وفا پر منحصر نہین، اس شعر مین یہ الفاظ کہ لوگ عاشق
کو سمجھاتے ہین، "عشق معشوق کی وفا کا پابند نہین"، بالکل متروک ہین، لیکن اور
واقعات اسطرح اور اس انداز سے ادا کئے ہین کہ متروک جملے خود بخود سمجھ مین آجاتے
ہین اور تصویر کا چھوٹا ہوا حصہ نظر کے سامنے آجاتا ہے،

تنبیہ یہان یہ نکتہ نہایت توجہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان موقعون پر
غلطی کا سخت احتمال ہے، اکثر اشعار جو پیچیدہ اور ناقابل فہم ہو جاتے ہین اسکی وجہ
یہی ہوتی ہے کہ شاعر مضمون کا بعض حصہ چھوڑ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ گرد و پیش کے

صالحہ اس خلو کو بھر دے گا، حالانکہ وہ اسکو نہین بھر سکا اسی قسم کے اشعار بعض جگہ مہمل
نجاتے ہین،

خالف پہلو کا دکہانا، | محاکات کی تکمیل بعض اوقات مخالف پہلو دکہانے سے ہوتی ہے
ب سفید چیز کے سامنے سیاہ چیز رکھدی جائے تو سفیدی اور زیادہ نمایان ہوجائیگی
ں طرح اکثر کسی حالت کے زیادہ نمایان کرنے مین یہ طریقہ کام آتا ہے کہ اس کا
خالف پہلو دکھایا جائے مثلاً

مخالف پہلو کا دکہانا،

برہنہ دوان، دخت افراسیاب	افراسیاب کی بیٹی ننگی
برِ رستم آمد، دو دیدہ پُر آب	رستم کے پاس دوڑتی اور روتی آئی،

منیژہ افراسیاب کی بیٹی تھی جو بیژن پر عاشق ہوگئی تھی اور اس جرم پر افراسیاب
نے اسکو گھر سے نکال دیا تھا جب اسنے رستم کا آنا سنا تو اسکے پاس روتی ہوئی گئی،
س موقعہ پر فردوسی کو منیژہ کی بیکسی اور غربت کی تصویر دکہانی ہے، اسلئے ایکطرف
سکو دخت افراسیاب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تاکہ اسکی عزت اور حرمت کا تصور
منے آئے دوسری طرف کہتا ہے کہ وہ ننگی دوڑتی ہوئی آئی جس سے اس کی
ت ثابت ہوتی ہے، ان دونون پہلو کے دکھانے سے منیژہ کا بیکس اور قابل رحم
ا مجسم بنکر سامنے آجاتا ہے،

منیژہ منم دخت افراسیاب	مین افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہون،
برہنہ ندیدہ تنم آفتاب	میرا جسم آفتاب نے بھی برہنہ نہین دیکھا

برائے یکے بیژن شور بخت — کم بخت بیژن کے لئے،

فتادم ز تاج و فتادم ز تخت — میرا تاج اور تخت سب جاتا رہا،

یہ دونون شعر بھی اسی وجہ سے موثر ہین کہ متقابل حالتین پیش کی ہین یعنی جسکو
آفتاب نے برہنہ نہین دیکھا وہ ایک بدبخت کی وجہ سے اس حالت مین گرفتار ہی،

تشبیہ کے ذریعہ سے محاکات — محاکات کا ایک بڑا آلہ تشبیہ ہے، اکثر اوقات ایک چیز کی اصلی
تصویر جسطرح تشبیہ سے دکھائی جاسکتی ہے دوسرے طریقہ سے ادا نہین ہوسکتی لیکن
چونکہ تشبیہ کی بحث آگے تفصیل سے آئیگی اسلئے اس موقع پر ہم اسکو قلم انداز کرتے ہین

مبہم طریقہ سے محاکات — اگرچہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین محاکات کا کمال یہی ہی کہ اس
چیز کی پوری تصویر کھینچی جائے جسکا طریقہ یہ ہے کہ تمام جزئیات کا استقصا کیا جائے
یا بعض جزئیات کو نمایان کر کے دکھایا جائے، لیکن بعض جگہ محاکات کے موثر ہونے
کے لئے یہ ضرور ہے کہ تصویر ایسی دہندلی کھینچی جائے کہ اکثر حصے اچھی طرح
نظر نہ آئین،

عالم ارواح یا ملائکہ کی جو فرضی تصویر کھینچی جاتی ہے، اس مین صور تو نکو اور لباس
کو نمایان نہین کرتے، کیونکہ انسان پر ایک شے کی عظمت کا اثر اسوقت زیادہ پڑتا ہی
جب وہ اچھی طرح نظر نہ آئے، ذخار سمندر کی تصویر اسطرح کھینچتے ہین کہ موجین، اور
آسمان کی فضا دہندلی نظر آئے، اندہیری راتون مین دور سے جنگل مین کوئی دہندلا
سا عکس نظر آتا ہی تو انسان ہیبت زدہ ہوجاتا ہی کہ معلوم نہین کس درجہ کی مہیب چیز ہے

اسی طرح بعض اوقات جب کسی چیز کی عظمت کی تصویر کھینچنی مقصود ہوتی ہے تو تصویر کے حصے نمایان نہین کیے جاتے اور واقعہ کے تمام اجزا ذکر نہین کرتے، برک نے لکھا ہے کہ ملٹن کی پیراڈائز لاسٹ (گم شدہ فردوس) مین سب سے زیادہ شاعری اس موقع پر صرف کی گئی ہے جہان شیطان کی تعریف ہے اور وہان اسی طریقہ سے کام لیا گیا ہے،

فارسی مین اسکی مثال حسب ذیل ہے،

نگر شہ تداند کہ در روز جنگ	کیا بادشاہ نہین جانتا کہ لڑائی کے دن
چہ سرہا بریدم در اقصائے زنگ	جبش مین مین نے کتنے سر کاٹ ڈالے
بہ یک تاختن تا کجا تاختم	حملہ مین کہان سے کہان پہنچ گیا
چہ گردن کشان را سر انداختم	کتنے گردن کشون کے سر اڑا دیے،

یہ وہ موقع ہے جہان سکندر نے دارا کو خط لکھا ہے اور اپنے کارنامے بیان کرتا ہے اگر اس موقع پر یہ بتا دیتا کہ وہ کہان سے کہان تک گیا تھا تو وہ بات پیدا ہوتی جو اس اجمال سے ہوتی ہے، ع

بہ یک تاختن تا کجا تاختم

تخئیل کی تفصیلی بحث اگرچہ محاکات اور تخئیل دونون شعر کے عنصر ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخئیل کا نام ہے محاکات مین جو جان آتی ہے تخئیل ہی سے آتی ہے ورنہ خالی محاکات نقالی سے زیادہ نہین، قوت محاکات کا یہ کام ہے جو کچھ دیکھے یا سُنے اُسکو الفاظ کے ذریعہ سے بعینہٖ ادا کر دے، لیکن ان چیزون مین

ایک خاص ترتیب پیدا کرتی ہے جب وہ اس کو کام میں لاتا ہے تب وہ ایک چیز بناتا
قوت تخییل کا کام ہے۔ قوت تخییل مختلف صورتوں میں عمل کرتی ہے

قوت تخییل ایک عالم پیدا کرتی ہے

اس شخص کی نظر میں عالم کائنات۔ قوت تخییل سے ایک اور عالم بناتا ہے۔ ہم کائنات کی دو قسمیں کرتے ہیں حساس اور غیر حساس لیکن شاعر کے عالم تخییل کا ذرہ ذرہ جاندار ہوتا ہے جوش و خروش و جذبات سے لبریز ہے۔ آفتاب، ماہتاب، ستارے، صبح شام، شفق، باغ، پھول، پتے سب اس سے ہم زبانی کرتے ہیں سب اسکے نزدیک زندہ مخلوقات ہیں وہ شب وصل اور صبح وصل سے یوں خطاب کرتا ہے

اے شب اگرچہ ہزار راحت ہو | اے سات تمھاری تو ہزار ضعف کام آئی لیکن تو
اے صبح اگرچہ ہزار مشتاق ہے تجھ پر | اے صبح تمھیں ہزاروں خوشیاں ہوں لیکن بے مہر

شب وصل میں وہ آسمان سے کہتا ہے۔

لٹ گئی ہوا سے فلک گردوں کی طرف ہجر دیکھ | آسمان میں تجھ سے یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ تو ہجر کی
شب وصل ہے خوا مخواہ نہ تم ستم گر | تیری طرح کیا آج شب وصل کو تو بھی جا ستم کا ستم گر

عالم فطرت شاعر کے قبضہ میں ہے۔ وہ سب پر حکومت کرتا ہے اور ان سے کام لیتا ہے جسکو اپنے مطلب کے لئے بروئے کار لانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ان کو عظمت کے نام حکم صادر کرتا ہے

ٹھہر جا اے آفتاب بلند | اے آفتاب بلند ہو
خرامان خراماں آ اے نسیم صبح | اے بادل ہٹ جا

ایک خاص ترتیب پیدا کرنا، تناسب اور توافق کو کام مین لانا، اُنپر آب و رنگ چڑھانا،
قوت تخئیل کا کام ہے، قوت تخئیل مختلف صورتون مین عمل کرتی ہے،

قوت تخئیل ایک نیا عالم پیدا کرتی ہے

(۱) شاعر کی نظر مین عالم کائنات، قوت تخئیل سے ایک اور عالم بنجاتا ہے، ہم کائنات کی دو قسمین کرتے ہین، حساس، اور غیر حساس لیکن شاعر کے عالم تخئیل کا ذرہ ذرہ جاندار اور ہوش و عقل و جذبات سے لبریز ہے، آفتاب، ماہتاب، ستارے، صبح، شام شفق، باغ، پھول، پتے، سب اُس سے ہمزبانی کرتے ہین، سب اسکے رازدار ہین، سب اُسکے تعلقات ہین، وہ شب وصل اور صبح وصل سے یون خطاب کرتا ہے،

اے شب! اگرت ہزار کار است مرد — اے رات تجھکو آج ہزارون کام بھی لیکن نہ جا
وے صبح گرت ہزار شادی است مخند — اے صبح! تجھکو ہزارون خوشیان سہی لیکن نہ ہنس

شب وصل مین وہ آسمان سے کہتا ہے،

نہ گویم اے فلک کز کجروی ہایت تغیر گردی — اے آسمان مین تجھسے یہ تو نہین کہتا کہ تو اپنی کجروی سے باز آ
شب وصل است، خواہم این قدر آہستہ تر گردی — لیکن اتنا کہ آج شب وصل ہے، ذرا آہستہ چل کہ جلدی صبح نہ ہو

عالم فطرت شاعر کے اثر مین ہے، وہ سب پر حکومت کرتا ہے اور ان سے کام لیتا ہے، اسکو اپنے ممدوح کے تاج پر موتی ٹانکنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کارکنانِ فطرت کے نام احکام صادر کرتا ہے،

عَلم بر کش اے آفتاب بلند — اے آفتابِ بلند ہو
خرامان شو، اے ابر مشکین پرند — اے بادل چل،

ببار اے ہوا، قطرۂ ناب را	اے ہوا پانی برسا،
بگیر اے صدف، دُر کن آن آب را	اے سیپ اُس پانی کے قطرہ کو موتی بنا،
برآ اے دُر از قعرِ دریائے خویش	اے موتی دریا کی تہ سے نکل
بہ تاجِ سرِ شاہ کن جائے خویش	اور بادشاہ کے تاج پر جاکر جگہ لے،

افرادِ کائنات، اس سے عجیب عجیب راز کہتے ہین، مثلاً

گلے خوشبوئے در حمام روزے	مجھکو ایک دن، ایک دوست
فتاد از دست محبوبے بدستم	نے، خوشبو دار مٹی دی،
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	مین نے اُس سے کہا تو مشک ہے یا عبیر
کہ از بوئے دل آویزِ تو مستم	کہ مین تیری خوشبو سے مست ہوا جاتا ہون
بگفتا من گلے ناچیز بودم	بولی کہ مین ایک ناچیز مٹی تھی،
ولیکن مدتے با گل نشستم	لیکن چند روز پھول کی صحبت مین رہی
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	ہمنشین کا جمال مجھ مین اثر کر گیا،
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم	ورنہ مین تو اب بھی وہی مٹی ہون جو پہلے تھی

اسی عالم کا ایک اور واقعہ ہے،

یکے قطرہ باران ز ابرے چکید	پانی کا ایک قطرہ بادل سے ٹپکا،
خجل شد چو پہنائے دریا بدید	دریا کا پاٹ دیکھکر شرمایا،
کہ جائے کہ دریاست من کیستم	کہ دریا کے ہوتے مین کیا چیز ہون،

گر او ہست حقا کہ من نیستم، | اگر دریا ہے تو مین نہین ہون،
چو خود را بہ چشم حقارت بدید | چونکہ اسنے اپنے آپ کو حقیر سمجھا
صدف در کنارش بہ جان پرورید | اسلیے سیپ نے اسکو اپنی گود مین پالا

اس عالم مین شاعر کی تاریخ زندگی عجب دلچسپیون سے بھری ہوتی ہے بلبل نے اسی عالم مین اس سے زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے، پروانے اسکے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہین، شمع سے رات رات بھر وہ سوز دل کہتا رہا ہے، نسیم سحری کو اکثر اُسنے قاصد بنا کر محبوب کے یہان بھیجا ہے، بارہا اُسنے غنچہ کی عین اُس وقت پردہ دری کی جب وہ معشوق کا تبسم چرُا رہا تھا،

شاعر کا احساس، نہایت لطیف، تیز اور مشتعل ہوتا ہے، عام لوگون کے جذبات بھی خاص خاص حالتون مین مشتعل ہوجاتے ہین، اور اس وقت وہ بھی مظاہر قدرت سے اسی طرح خطاب کرنے لگتے ہین، خیال کرو ایک عورت جس کا جوان بیٹا مر گیا ہے اُس کسطرح موت کو، آسمان کو، زمین کو کوسنے دیتی ہے، کسطرح ان سے خطاب کرتی ہے، اسکو صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب اسکے دشمن ہین، انہی نے اسکے پیارے بیٹے کو اس سے چھین لیا ہے، اُنھون نے دانستہ اُسپر ظلم کیا ہی،

لیکن شاعر کے تمام احساسات اور جذبات، سریع الانفعال، سریع الحس، اور زود اشتعال ہوتے ہین، وہ معشوق کی گلی مین جاتا ہے، تو اسکو علانیہ در و دیوار سے ایک لذت محسوس ہوتی ہے، اسکو وہ ایک خاص علامت قرار دیتا ہے

کہ معشوق گھر مین موجود ہے، کیونکہ جب کبھی معشوق گھر مین نہین ہوتا تو اُسکو یہ لذت نہین محسوس ہوتی اسی بنا پر شاعر کہتا ہے،

مگر از خانہ برون بود کہ شب در کویش | شاید وہ کل گھر مین نہ تھا، کیونکہ کل مجھ کو،
ہیچ ذوقم زنگاہ در و دیوار نہ بود | در و دیوار کے دیکھنے سے کچھ لذت نہین ملتی تھی،

واقعات عالم پر جب وہ عبرت کی نظر ڈالتا ہی تو ایک ایک ذرہ ناصح بنکر اسکو اخلاق اور عظمت کی تعلیم دیتا ہے، اس عالم مین وہ گورِ غریبان مین جانکلتا ہی تو بوسیدہ ہڈیان علانیہ اُس سے خطاب کرتی ہین،

کہ زنہار، اگر مردے، آہستہ تر، | بھائی! ذرا دیکھ کر چل،
کہ چشم و بنا گوش در وے است و سر | یہان، آنکھین ہین، چہرے ہین سر ہین،

عالم شوق مین وہ پھول ہات مین اُٹھا لیتا ہے تو اسکو صاف معشوق کی خوشبو آتی ہے اور پھول سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

اے گل بہ تو خرسندم تو بوے کسے داری

یہ باتین کسی اور کی زبان سے ادا ہون تو ہم اسکو مجنون سمجھین گے، لیکن شاعر اس انداز سے کہتا ہے کہ سننے والون پر اثر ہوتا ہے، کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اثر مین ڈوبا ہوتا ہے اور حقیقی حالت کی تصویر ہوتا ہے،

شاعر بعض وقت خود اقرار کرتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے ممکن ہے کہ وہ واقعی نہو، صرف اسی کو ایسا نظر آتا ہے، لیکن اس بات کو بھی وہ اس انداز سے کہتا ہے کہ

اسکے متاثر ہونے سے سب متاثر ہو جاتے ہین، مثلاً

دار دجمال روئے تو، امشب تماشائے دگر — تیرا حسن ہی آج کی رات کچھ بڑھ گیا ہے،

یا اُن کہ من ے بینمش، بہتر زشبہائے دگر — یا کچھ مجھی کو اور راتون کی بہ نسبت زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے

(۲) یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ تخئیل صرف خیالی اور سیمیاوی صورتون کا نام ہے جو جذبات کے طاری ہونے کے وقت نظر آتی ہین، تخئیل نے اکثر وہ راز کھولے ہین جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی مخفی تھے، وقت آفرینی اور حقیقت سنجی جو فلسفہ کی بنیاد ہے تخئیل ہی کا کام ہے، اسی بنا پر شاعری اور فلسفہ دو برابر درجہ کی چیزین تسلیم کی گئی ہین، کیونکہ دونون مین تخئیل یکسان کام کرتی ہے، ہومر یونان کا مشہور شاعر اُس زمانہ مین تھا جب یونان مین فلسفہ کا وجود بھی نہ تھا اور اس وجہ سے وہ فلسفہ وغیرہ سے ناآشنا تھا، تاہم ارسطو نے اپنی کتاب المنطق مین شاعری کے جو علمی اصول منضبط کیے اسی کے کلام سے کیے ہین، چنانچہ ہر جگہ اسکے حوالے دیتا ہے، گیزو جو فرانس کا مشہور مصنف ہے لکھتا ہے،

ہومر کے شعر مین جو یہ باتین نظر آتی ہین کہ وہ خیر اور شر، ضعف اور قوت، فکر اور جذبات کو ساتھ ساتھ دکھاتا ہے، اور خیالات اور اقوال کا تنوع اور فطرت کے حالات کو اس وسعت اور رنگ برنگ طریقون سے لکھتا ہے کہ شاعرانہ جذبات کو اشتعال ہوتا ہے جسکی نظیر نہین ملسکتی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے کلام مین ہر اصل کی اصل اور انسان اور عالم کائنات کی حقیقت

مندرج ہے،[1]

ارسطو نے علم الاخلاق پر جو کتاب لکھی اور جو محقق طوسی اور جلال الدین دوانی کے ذریعہ سے فارسی زبان مین آگئی ہے، ہمارے سامنے ہے، لیکن شاعری نے فلسفۂ اخلاق کے جو نکتے ادا کئے ارسطو کی کتاب مین نہین ملتے، نہ صرف اخلاق بلکہ واردات قلبی، فطرت انسانی، عام معاشرت کے متعلق، شعرا نے جو فلسفیانہ نکتے پیدا کئے، فلسفہ کی کتابین اُن سے خالی ہین،

تخئیل مسلّم اور طے شدہ باتون کو سرسری نظر سے نہین دیکھتی بلکہ دوبارہ اُنپر تنقید کی نظر ڈالتی ہے اور بات مین بات پیدا کرلیتی ہے، مثلاً اہل منطق نے تمام چیزون کی دو قسمین کی ہین، بدیہی اور نظری، بدیہی اُن چیزون کو کہتے ہین جو غور اور فکر کی محتاج نہین اس بنا پر وہ بدیہیات کے متعلق غور و فکر کو ضروری نہین سمجھتے لیکن شاعر کہتا ہے،

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ — ہر شخص راز کا شناسا نہین ورنہ
این ہا ہمہ راز است کہ مفہوم عوام است — یہ چیزین جو عوام کی معلومات ہین سب کے سب راز ہین،

سیکڑون مسائل کو لوگ یقینی اور بدیہی سمجھتے تھے لیکن آج جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ وہ غلط تھے اسلئے غور و فکر کے محتاج تھے،

جدید سائنس نے آج ثابت کیا کہ ہر شے متحرک ہے، جن چیزونکو ہم ساکن سمجھتے

---

[1] مقدمہ ترجمہ الیڈ بزبان عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۶۲-

ہین اِن کے بھی ذرات متحرک ہین گو ہم کو محسوس نہین ہوتے، ہمارے شاعر نے آج سے دو برس پہلے شاعرانہ انداز مین کہا تھا،

موجیم کہ آسودگیِ ما عدم ما است — ہم موج ہین، ہمارا ٹھہرجانا ہمارا فنا ہوجانا ہے

زندہ بہ آنیم کہ آرام نہ گیریم — ہماری زندگی یہی ہے کہ ہم چین سے نہ بیٹھین

فلسفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم مین متضاد چیزین ہین اور اُن مین مقابلہ اور مزاحمت ہے، مثلاً حرارت و برودت، سکون و حرکت، انحلال و ترکیب، بہار و خزان ظلمت و نور، عزت و ذلت، صبر و غضب، عفت و فسق، جود و بخل، انھی کی باہمی کشمکش اور موازنہ سے یہ عالم قائم ہے، ورنہ اگر ان مین صلح ہوجائے یعنی صرف ایک نوع کی چیزین رہ جائین تو عالم برباد ہوجائے اس نکتہ کو مولانا روم نے ان مختصر لفظون مین ادا کردیا، ع

این جہان، جنگ است کُل چون بنگری

عام طور پر مسلم ہے کہ بحث و تقریر اور مناظرہ و مکالمہ کے لئے بڑی لیاقت درکار ہے لیکن خواجہ عطار فرماتے ہین،

باز باید فہم و عقل بے قیاس — تا شود خاموش یک حکمت شناس

یعنی بولنے کے لئے جسقدر عقل درکار ہے چُپ رہنے کیلئے اس سے بھی زیادہ عقل درکار ہے کیونکہ جب انسان تحقیق اور تجربہ کے تمام مراحل طے کرچکتا ہے اُسوقت اسکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اسنے اب تک جانا سب ہیچ تھا چنانچہ

سقراط سے جب لوگون نے پوچھا کہ آپ کو اتنے دنون کی غور وفکر کے بعد کیا معلوم ہوا؟ تو اُسنے کہا "یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہین معلوم ہوا"

اور جب یہ مرتبہ حاصل ہوگا تو خواہ مخواہ انسان چپ ہو جائے گا، اسلیئے چپ ہونے کے لیئے بولنے سے زیادہ عقل اور تجربہ درکار ہے،

جبر وقدر کے مسئلہ مین بڑے غور اور فکر کے بعد ارباب اختیار نے یہ استدلال کیا تھا کہ ہمارا ارادہ ہمارا اختیاری فعل ہے، اسلیئے ہم مجبور نہین بلکہ مختار ہین لیکن حالی نے اس استدلال کی غلطی کا پردہ اسطرح فاش کیا،

بے حکمتش نیست ہر چہ سر زد از ما   مأمور اوست نفس امارۂ ما

یعنی یہ ہمارا اختیار بھی مجبوری ہے ہمارا نفس ہمکو بے شک حکم دیتا ہے لیکن اس حکم دینے مین وہ خود کسی اور کا محکوم ہے غرض اس قسم کے سیکڑون ہزارون نکتے ہین جو قوت تخئیل نے حل کیے ہین، فلسفیانہ شاعری پر جہان ریویو آئے گا وہان اسکی مثالین کثرت سے ملین گی،

قوت تخئیل کی استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے وہ اُن باتون کو جو اور طرح سے ثابت ہو چکی ہین نئے طریقے سے ثابت کرتی ہے، یہ طریقہ استدلال گو ایک قسم کا منطقی مغالطہ ہوتا ہے، یا خطابیات پر مبنی ہوتا ہے لیکن قوت تخئیل کے عمل سے شاعر اسکو اس انداز مین بیان کرتا ہے کہ سامع اسکی صحت و غلطی کی طرف متوجہ نہین ہو سکتا، بلکہ اسکی دلفریبی سے مسحور ہو جاتا ہے اور بے ساختہ آمنّا

بول اُٹھتا ہے،

مثلاً یہ بات کہ جو لوگ، رسیدہ اور صاحب کمال ہوتے ہین وہ خاکسار ہوتے ہین

اسکو شاعر اسطرح ثابت کرتا ہے،

١ فروتنی است دلیل رسیدگان کمال — خاکساری، کامل ہونے کی دلیل ہے

کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود — کیونکہ سوار جب منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے

۲ عزت شاہ و گدا از یر زمین یکسان است — می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی،

قبر مین جاکر بادشاہ اور فقیر سب برابر ہو جاتے ہین اور سب کی عزت یکسان

رہ جاتی ہے، اس دعوے کو شاعر یون ثابت کرتا ہے کہ دیکھو زمین سب کے لئے

جگہ خالی کر دیتی ہے (جگہ خالی کرنا تعظیم کو کہتے ہین)،

۳ روشندلان خوشامدِ شاہان نہ کردہ اند — آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

یعنی جو لوگ روشندل اور صاف طینت ہین وہ بادشاہون اور امیرون کی

خوشامد نہین کرتے، اسکا ثبوت یہ ہے کہ آئینہ نے سکندر کی عیب پوشی نہین

کی حالانکہ (بقول شاعر) آئینہ سکندر ہی کی ایجاد ہے،

۴ قطع امید کردہ نخواہد نعیم دہر — شاخ بریدہ را نظرے بر بہار نیست

یعنی جس نے امید قطع کر لی اُسکو پھر دنیا کے عیش اور آرام کی پروا نہین رہتی

جو شاخ درخت سے کاٹ لی جاتی ہے اُسکو بہار کا انتظار نہین ہوتا،

۵ روشندلان، حباب صفت دیدہ بستہ اند — روزن چہ احتیاج اگر خانہ تار نیست

یعنی جو لوگ روشندل ہین وہ ظاہری آنکھین بند کر لیتے ہین، اور دل کی آنکھون سے دیکھتے ہین، چنانچہ حضرات صوفیہ کے تمام اورادکات قلبی واردات ہوتے ہین جنکو ظاہری بینائی سے کوئی تعلق نہین، اسکو شاعر اسطرح ثابت کرتا ہے کہ گھر اگر خود روشن ہو تو موکھے اور دریچے کی کیا ضرورت ہے جس طرح حُباب کا گھر کہ خود روشن ہے اسلئے اسمین روزن اور موکھا نہین ہوتا،

تخئیل کا سلسلہ اسباب و اغراض

علت و معلول اور اسباب و نتائج کا عام طرح پر جو سلسلہ تسلیم کیا جاتا ہو شاعر کی قوت تخئیل کا سلسلہ اس سے بالکل الگ ہو، وہ تمام اشیا کو اپنے نقطۂ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ تمام چیزین اسکو ایک اور سلسلہ مین مربوط نظر آتی ہین، ہر چیز کی غرض، غایت، اسباب، محرکات، نتائج اسکے نزدیک وہ نہین جو عام لوگ سمجھتے ہین، مثلاً

در عدم، ہم ز عشق شورے ہست — گل گریبان دریدہ می آید

پھول جو کھِلتا ہے اُسکو گریبان دریدہ کہتے ہین، شاعر کہتا ہو کہ عدم مین بھی عشق کا چرچا ہے اور وہان بھی لوگ عشق اور محبت کے جوش مین کپڑے پھاڑ ڈالتے ہین چنانچہ پھول جو عالم عدم سے آیا ہے گریبان دریدہ آیا ہے،

بُرقع بہ رخ افگندہ برد ناز بہ باغش — تا نکہتِ گُل بنجیۃ آید بہ دماغش

معشوق جالی کا نقاب پہنکر باغ کی سیر کو نکلا، شاعر کو قوت تخئیل سے یہ نظر آتا ہے، کہ معشوق چونکہ نہایت نازک اور لطیف الطبع ہے اسلئے چاہتا ہے کہ پھولونکی خوشبو دماغ مین آئے تو چھنکر آئے اسلئے اسنے جالی کا نقاب پہن لیا ہے،

زاہد زخدا ارم بہ دعوے طلبد — شدّاد ہمانا، پسرے داشتہ است

شاعر کو معلوم ہے کہ شدّاد ایک شخص تھا جس نے ایک بہشت بنالی تھی اور اُسکا نام ارم رکھا تھا، فرشتے خدا کے حکم سے اس بہشت کو اُڑا لے گئے اور اب وہ اور بہشتوں کے ساتھ شامل ہے شاعر کو یہ بھی معلوم ہے کہ زاہدوں کو دعوے ہوتا ہے کہ اُنکو جنت ضرور ملے گی، اب شاعر کی قوت تخئیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے کہ غالباً زاہد شدّاد کے خاندان مین ہے اسلیئے اُسکو دعویٰ ہے کہ بہشت چونکہ اُسکے مُورث (شدّاد) کا ترکہ ہے اس لئے اسکو وراثت مین ضرور ملے گی،

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست — زمانہ کی وضع، دوبارہ دیکھنے کے قابل نہین
رو پس نہ کرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت — اسی لئے جو یہان سے جاتا ہی پھر واپس نہین آتا

یہ سب جانتے ہین کہ کوئی شخص مرکر زندہ نہین ہوتا، شاعر کے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے مکروہات اس قابل نہین کہ کوئی شخص اسکو ایک دفعہ دیکھکر دوبارہ دیکھنا چاہے، اسلیئے جو شخص دنیا سے جاتا ہے پھر واپس نہین آتا،

سپہر مردم دون را کند خریداری — بخیل سوے متاعے رود کہ ارزان است

اکثر نالائق لوگ بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہین، شاعر کے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے کہ بخیل جب کوئی چیز خریدنے کو بازار مین جاتا ہے تو سستی ہی چیز ونکی طرف جھکتا ہے، اسلیئے زمانہ بھی کمینے اور نالائق آدمیونکی طرف توجہ کرتا ہی،

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — تم نے دیکھا! پروانہ کے خون نے شمع کو

چندان امان نداد کہ شب را سحر کند — اتنی بھی مہلت نہ دی کہ ایک رات بھی زندہ رہ سکی

پروانہ شمع پر گر کر جل جاتا ہے، شمع صبح کے وقت بجھا دیجاتی ہے اب شاعر کی قوت تخئیل ان واقعات سے یہ نتیجہ پیدا کر لیتی ہے کہ یہ وہی پروانہ کا انتقام ہے کہ شمع ایک رات بھی زندہ نہ رہنے پائی،

قوت تخئیل ایک چیز کو سو سو دفعہ دیکھتی ہے اور ہر دفعہ اُسکو اُسمین ایک نیا کرشمہ نظر آتا ہے، پھول کو تمنے سیکڑون بار دیکھا ہوگا اور ہر دفعہ تمنے صرف اسکی رنگ و بو سے لطف اُٹھایا ہوگا، لیکن شاعر قوت تخئیل کے ذریعہ سے ہر بار نئے نئے پہلو سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ اسکو نیا عالم نظر آتا ہے، وہ اسکی خوشبو سے لطف اُٹھاتا ہی تو بے ساختہ معشوق کی بوئے خوش یاد آجاتی ہے اور کہتا ہے، ع

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری — اے پھول مین تجھسے خوش ہون تجھسے کسی کی خوشبو آرہی ہے

وہ دیکھتا ہے کہ دو ہی چار روز کے عرصہ مین پھول کا درخت اُگا، کلی پھوٹی، پھول کھلا، اور پھر خشک ہوکر گر پڑا، اس سے اُسکو زمانہ کی بیوفائی کا خیال آتا ہے اور کہتا ہے،

بے مہری دہر بین کہ در یک ہفتہ — زمانہ کی سرد مہری دیکھو کہ ایک ہی ہفتہ مین

گل سر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت — پھول نے سر نکالا، غنچہ ہوا، کھلا اور پھر گر پڑا۔

پھول پر شبنم دیکھتا ہے تو کہتا ہے،

نہ شبنم است چمن را بروے آتشناک   عرق ز روے تو کردہ است گل بدامن ک

یعنی شبنم نہین ہے بلکہ پھول نے اپنے دامن سے معشوق کے چہرہ کا پسین
پونچھا ہے، ہری بھری ٹہنی مین پھول دیکھے تو خیال پیدا ہوا کہ شراب کے لال لال
گلاس مین، پھر یہ رشک ہوا کہ کاش مین بھی ایک ہاتھ مین اسقدر گلاس لے سک
اس خیال کو یون ادا کرتا ہے،

دیدہ ام شاخ گلے بر خویش می پیچم کہ کاش   مین نے ایک پھول کی شاخ دیکھی مجھکو رشک آتا ہ
می توانستم بہ یک دست این قدر ساغر گرفت   کاش مین بھی ایک ہات مین اتنے پیالے لے سک

پھول مین جو ریزے ہوتے ہین، اُنکو زرگُل کہتے ہین، کلی جب کھلتی ہے تو یہ معلو
ہوتا ہے کہ گرہ کھل رہی ہے ان دونون باتون کے مجموعہ سے شاعر نے یہ
خیال پیدا کیا،

در چمن باد سحر، بوے تو سودا می کرد   باغ مین باد صبا معشوق کی خوشبو فروخت کر رہی تھ
گل بہ کف داشت زر و غنچہ گرہ وا می کرد   اسلئے اسکو خریدنے کو پھول کے ہات مین نقد تھا کلی گرہ کھو

اوچھے اور کمظرف لوگون کا قاعدہ ہے کہ ہر شخص سے پہلی ہی ملاقات مین
بے تکلف ہو جاتے ہین اور کھُل کھیلتے ہین، لیکن باوقار لوگ جب کسی مجلس مین پہلے
پہل شریک ہوتے ہین تو رُکے رُکے رہتے ہین، شاعر نے دیکھا کہ پھول جب
نکلتا ہے تو غنچہ ہوتا ہے پھر کھل کر پھول بن جاتا ہے، اس سے اسکو خیال پیدا
ہوا کہ یہ وہی اصول ہی چنانچہ کہتا ہے،

در مجلسے کہ تازہ در آئی گرفتہ باش — اوّل بباغ، غنچہ، گرہ بر جبین زند

گرفتہ کے معنی "رکے رہنے" کے ہین، گرہ جبین زدن بھی اسیکے قریب ہی شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس مین پہلے پہل جاؤ تو خودداری کے ساتھ بیٹھو، غنچہ جب باغ مین آتا ہے تو اُسکی پیشانی پر گرہ ہوتی ہے،

پھول کے پتّہ کو ہوا مین اُڑتے دیکھا، تو خیال پیدا ہوا کہ باغ نے خط دیکر معشوق کے پاس قاصد بھیجا ہے،

برگِ گل را بکف بادِ صبا مے بینم — بادِ صبا کے ہاتھ مین پھول کا پتہ نظر آتا ہی، غالباً

باغ ہم جانب اونامہ برے پیدا کرد — باغ نے معشوق کے ہان قاصد بھیجا ہے،

سُرخ سُرخ پھول دیکھے، تو خیال ہوا کہ باغ مین چراغان کیا گیا ہے، اوپر بادل نظر پڑے تو سمجھا کہ یہ اسیکا دہوان ہے،

ابر در صحنِ چمن دودِ چراغانِ گل است

اگلے زمانہ مین دستور تھا کہ جب کوئی کتاب یا کاغذ بیکار ہوجاتا تھا تو اسکو پانی سے دہوڈالتے تھے، شاعر نے پھول کا پتّہ پانی مین تیرتا ہوا دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ

دفترِ حُسنِ بہار است کہ در عہدِ تو شُست — برگِ گل نیست کہ از باد در آب افتادہ ست

یعنی یہ پھول کا پتّہ نہیں جو پانی مین نظر آرہا ہے، بلکہ بہار نے معشوق کا حُسن دیکھکر اپنے حُسن کا دفتر پانی سے دہوڈالا،

کسی خوش رو حسین کے ہاتھ مین پھول دیکھا تو اُس سے زیادہ خوشنما معلوم ہو
جتنا اُسوقت معلوم ہوتا تھا، جب وہ ٹہنی مین تھا، اس بنا پر کہتا ہے،

زغارت چمنت بر بہار منت ہا است — تو نے باغ کو لوٹا بہار پر احسان کیا کیونکہ تیرے ہاتھ
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند — پھول اُس سے زیادہ خوشنما ہی جتنا پہلے تھا یعنی جب ٹہنی مین تھا

بو پھٹتے جو روشنی پھیل جاتی ہے، اسکو شیر صبح کہتے ہین، تبسم اور ہنسی کو شیرین
باندھتے ہین، صبح کے وقت پھولون کا کھلنا نہایت خوشگوار ہوتا ہے، ان باتون سے
شاعر کی قوت تخئیل نے یہ خیال پیدا کیا،

شیرینی تبسّم ہر غنچہ را مپرس — در شیر صبح خندہ گل ہا شکر گذشت

یعنی غنچہ کے تبسّم مین جو شیرنی ہے اُسکا بیان نہین ہو سکتا یہ معلوم ہوتا
ہے کہ شیر صبح مین خندہ گل نے شکر گھول دی ہے،

اس قسم کے سیکڑون خیالات ہین، جو قوت تخئیل نے صرف ایک پھول سے
پیدا کئے اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ قوت تخئیل کی موشگافیان اور دقیقہ آفرینیان
کس حد تک ہین،

شاعر قوت تخئیل سے تمام اشیاء کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتا ہے وہ
ہر چیز کی ایک ایک خاصیت ایک ایک وصف پر نظر ڈالتا ہے پھر اور اور
چیزون سے انکا مقابلہ کرتا ہے، انکے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتا ہے، انکے مشترک
اوصاف کو ڈہونڈھکر ان سبکو ایک سلسلہ مین مربوط کرتا ہے، کبھی اسکے برخلاف

جو چیزین یکسان اور متحد خیال کی جاتی ہین ان کو زیادہ نکتہ سنجی کی نگاہ سے دیکھتا ہو
اور ان مین فرق اور امتیاز پیدا کرتا ہے،

ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

چنان با دوست آمیزم بہ دل گرمیِ جان بازی | مین معشوق سے اسطرح شوق مین لپٹا ہون
کہ در ہنگام جانبازی بہ دشمن دشمن آمیزد | جسطرح لڑائی مین دشمن سے دشمن لپٹ جاتا ہے

دشمن کا دشمن سے، اور عاشق کا معشوق سے ملنا متضاد حالتین ہین لیکن دونونین شاعر نے قدر مشترک پیدا کیا، عاشق مدت کے بعد معشوق سے جب ملتا ہے تو جس جوش اور تڑپ سے ملتا ہے، اسکی ظاہری ہیئت اُس سے مشابہ ہوتی ہے جب دشمن دشمن سے غصہ مین لپٹ جاتا ہے،

اے برہمن! چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما | سبحہ نیست کہ آن غیرت زنّار تو نیست

برہمن طعنہ دیتا تھا کہ مسلمانون کے پاس زنّار نہین، شاعر کہتا ہے کہ آجکل مسلمانون کے افعال اور اقوال وہی ہین جو کافرون کے ہین، اسلئے ان مین اور کافرون مین فرق نہین، اس بنا پر انکی تسبیح زنّار سے کم نہین، زنّار اور تسبیح بالکل مختلف بلکہ متضاد چیزین ہین، لیکن شاعر نے دونون کو قدر مشترک کے لحاظ سے دیکھا تو ایک نکلے،

نالہ سے کشم از درد تو گاہے لیکن | تا بہ لب میرسد از ضعف نفس میگردد

مُسلّمات شاعری مین ہے کہ معشوق عاشقون کی فریاد اور نالہ سے خوش

ہوتے ہین۔ شاعراس شعر مین معشوق سے خطاب کرتا ہے کہ تو مجھکو چپ دیکھکر یہ سمجھتا ہے کہ مین نالہ نہین کرتا، لیکن یہ صحیح نہین، مین نالہ کرتا ہون لیکن ضعف اسقدر ہے کہ لب تک آتے آتے وہی نالہ سانس بنکر رہجاتا ہی، اس مین ضمنا یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ مین ہر وقت نالہ کرتا ہون کیونکہ میرا ہر سانس نالہ ہی ہے جو ضعف کی وجہ سے سانس بن گیا ہے،

من آن نیم کہ حرام از حلال نشناسم　　　شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

شراب اور پانی مختلف الحکم چیزین ہین، یعنی شراب حرام ہی اور پانی حلال، شاعر کہتا ہے کہ دراصل دونون کا ایک ہی حکم ہے، معشوق کے ساتھ پی جائے تو شراب اور پانی دونون حلال ہین، اور معشوق کے بغیر پی جائے تو دونون حرام ہین، اس مضمون کو نہایت لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے، پہلے مصرعہ مین کہتا ہے، کہ مین ایسا شخص نہین کہ حرام اور حلال کی مجھکو تمیز نہ ہو، یعنی مین فقہ کے مسائل سے باخبر ہون، اور فقیہ ہون، پھر معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے تیرے ساتھ شراب پی جائے تو حلال ہے اور پانی تیرے بغیر پیا جائے تو حرام ہے، دونون حالتون مین دعوے کے ایک ایک جز کو چھوڑ دیا ہے کہ کہنے کی حاجت نہین،

بہ تکلّم بہ خموشی بہ تبسم بہ نگاہ　　　می توان بُرد بہ ہر شیوہ، دل آسان از من

گفتگو اور سکوت بالکل متضاد چیزین ہین، لیکن چونکہ معشوق کا سکوت اور

گفتگو دونون دلربا ہین، اسلئے دل ربائی کے وصف کے لحاظ سے دونون یکسان ہین، اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے، اوّل تو متناقض چیزون کو اثر کے لحاظ سے یکسان ثابت کیا حالانکہ مختلف چیزون کا اثر مختلف ہونا چاہیئے اسکے ساتھ "بہر شیوہ" سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ تکلّم اور خموشی کی تخصیص نہین بلکہ معشوق کی جو ادا ہے دل کے چھیننے کے لئے کافی ہے، "آسان" کے لفظ سے یہ ثابت کرتا ہے کہ دل فطرۃً درد آشنا ہے کہ ہر ادا پر فوراً لوٹ جاتا ہے،

تخئیل کے لئے مواد | اکثر لوگون کا خیال ہے کہ تخئیل کے لئے معلومات و مشاہدات کی ضرورت نہین، یا ہے تو بہت کم کیونکہ تخئیل کا عمل واقعی موجودات پر موقوف نہین وہ خیالی باتون سے ہر قسم کا کام لے سکتی ہے، اسکی عمارت کے لئے محالات کا مصالحہ اُسیطرح کام آسکتا ہے، جسطرح ممکنات کا، وہ ایک چھوٹی سی چیز سے سیکڑون ہزارون خیالات پیدا کر سکتی ہے، چنانچہ اُن شعرا نے جنھون نے واقعات یا مشاہدات کو ہاتھ تک نہین لگایا خیالات کا گوناگون عالم پیدا کر دیا، جلال اسیر، زلالی، شوکت بخاری، بیدل، ناصر علی وغیرہ نے صرف گل و بلبل سے دیوان طیار کر دئے اور شاعری کو چمنستان خیال بنا دیا،

لیکن یہ خیال نہایت غلط ہے اور اسی غلطی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کر دیا، اولاً تو کوئی خیال مشاہدات اور واقعات کے بغیر پیدا نہین ہو سکتا، جن چیزون کو ناممکن کہتے ہین اُنکا خیال بھی درحقیقت ممکن ہی کے مشاہدہ سے

پیدا ہوا ہے مثلاً ہم کہتے ہین کہ یہ "نا ممکن ہو کہ ایک چیز ایک ہی وقت مین موجود بھی ہ
اور معدوم بھی ہو" موجود اور معدوم الگ الگ ممکن ہین ان دونون کو ترکیب دیکر موجو
معدوم ایک فرضی مفہوم بنایا تو محال ہو گیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس مرکب کے دونون اج
الگ الگ ممکن ہین،

شاعری مین اکثر ناممکنات یا غیر موجود چیزون سے کام لیتے ہین مثلاً گھو
ی تیز روی کی تعریف کرتے ہین تو دریائے آتش کہتے ہین، ع

آتشے می دوید آب چکان

شراب کو یاقوت سیال سے تشبیہ دیتے ہین ابو نواس شراب کے بلبلون کی تع
مین کہتا ہے،

حصباء در علی ارضٍ من الذھب   سونے کی زمین پر موتی کے خزف ریزے ہین،

یہ سب چیزین فرضی ہین، لیکن انکا خیال واقعی ہی چیزون سے پیدا ہوا ہ
مثلاً آگ اور دریا الگ الگ واقعی اور خارجی چیزین ہین انھین دونون کو ملا کر "دری
آتش" ایک خیالی مفہوم پیدا کر لیا گیا اور اس سے تیز گھوڑے کو تشبیہ دیگ
اس سے ثابت ہو گا کہ کوئی خیال مشاہدات کے بغیر پیدا نہین ہو سکتا اسلئے تخیل
کی وسعت کیلئے واقعات کا کثرت سے ملاحظہ کرنا خواہ مخواہ لازمی ہے،

ابن الرومی عرب کا مشہور شاعر تھا، ایک دفعہ اسکو کسی نے طعنہ دیا کہ تم ابن
المعتز سے بڑھکر ہو، پھر ابن المعتز کی سی تشبیہین کیون نہین پیدا کر سکتے؟ ابن الرومی

لے کہا کہ ابن المعتز کی کوئی تشبیہ سناؤ جسکا جواب مجھ سے نہ ہوسکا ہو، اسنے یہ شعر پڑہا،

فانظر الیہ کزورق من فضۃ ۔۔۔۔ قد اثقلتہ حمولۃ من عنبر

یہ شعر ماہ نو کی تعریف مین ہی، شعر کا مطلب یہ ہی کہ پہلی رات کا چاند ایسا ہے جسطرح
ب چاندی کی کشتی جسپر اسقدر عنبر لاد دیا گیا ہے کہ وہ دب گئی ہے، کشتی پر جب بار زیادہ
جاتا ہی تو اسکا زیادہ حصہ پانی مین اُتر جاتا ہے، اور صرف کنارے دکھلائی دیتے ہین اس لئے
نو کو کشتی کے کنارے سے تشبیہ دی ہے، اور چونکہ آسمان کا رنگ نیلگون ہوتا ہے
سلئے قرار دیا کہ کشتی پر عنبر لدا ہوا ہے، ابن الرومی یہ سنکر چیخ اُٹھا کہ ' لا یکلف اللہ
نساً الا وسعھا،
ند اکسی کو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا) ابن المعتز بادشاہ اور بادشاہ
ادہ ہے، گھر مین جو دیکھتا ہی وہی کہدیتا ہی مین یہ خیالات کہان سے لاؤن[۱]،

چاندی اور عنبر کوئی نایاب چیز نہین لیکن چونکہ ابن الرومی نے چاندی سونے
کے ظروف نہین دیکھے تھے اسلئے وہ چاندی کی کشتی کا خیال پیدا نہ کرسکا،
سیف الدولہ کا وہ مشہور قطعہ جسمین اُس نے قوس قزح کی تشبیہ دی ہے، اسکی
نسبت عام اہل ادب لکھتے ہین کہ یہ بادشاہانہ تشبیہ ہے جو ہر ایک کے خیال مین
نہین آسکتی، یعنی جب تک شاہانہ ساز و سامان نظر سے نہ گذرے ہون اس قسم کا
خیال نہین پیدا ہوسکتا،

---

[۱] عمدہ ابن رشیق جلد دوم صفحہ ۱۸۴،

ہمکو اس سے انکار نہین کہ ایک معمولی سے معمولی چیز پر قوت تخئیل مدتون صرف
کی جاسکتی ہی اور سیکڑون مضامین پیدا کئے جاسکتے ہین جسکی محسوس مثال شعرائے
متاخرین کی نکتہ آفرینیان ہین، لیکن اس کی مثال سرکس کے گھوڑے کی ہے جو
ایک خیمہ کے اندر طرح طرح کے تماشے دکہا سکتا ہے، لیکن طے منازل مین، میدان
جنگ مین، گھوڑ دوڑ مین کام نہین آسکتا، اسیطرح تخئیل کا عمل بھی ایک محدود
دائرہ مین جاری رہ سکتا ہے، لیکن اسکی وسعت کیا ہوگی؟ اور ایسی شاعری کس
کام آیگی؟ وہ شاعری جو ہر قسم کے جذبات کا آئینہ بن سکتی ہو، جو فطرت انسانی
کا راز کھول سکتی ہو، جو تاریخی واقعات کو دلچسپی کے منظر پر لاسکتی ہو، جو فلسفہ اخلاق کے
دقائق بتا سکتی ہو، اسکے لئے ایسا محدود تخئیل کیا کام آسکتا ہی، تخئیل جسقدر قوی
باریک، متنوع اور کثیر العمل ہوگی اسیقدر اسکے لئے مشاہدات کی زیادہ ضرورت ہوگی، جسقدر
بلند پرواز طائر ہوگا اُسیقدر اسکے لئے فضا کی وسعت زیادہ درکار ہوگی، فردوسی نے
شاہنامہ لکھا تو سیکڑون ہزارون مختلف واقعات لکھنے پڑے، اسلئے قوت تخئیل کو
پورا موقع ملا، یہی سبب ہی کہ شاہنامہ مین شاعری کے تمام انواع موجود ہین،
مثلاً شاعری کا ایک بڑا میدان جذبات انسانی کا اظہار ہے، جذبات کے بہت
سے انواع ہین، مثلاً محبت وعداوت، غیظ وغضب، حیرت واستعجاب، رنج
غم، پھر ان مین سے ایک ایک کے مختلف انواع ہین، مثلاً باپ بیٹے کی محبت،
بھائی بھائی کی محبت، مان بیٹے کی محبت، زوجہ اور شوہر کی محبت، اہل وطن کی محبت

فردوسی کو یہ تمام مواقع ہاتھ آئے، اور ہر موقع پر وہ تخئیل سے کام لے سکا، چنانچہ اُس نے جس جذبہ کا جہان پر اظہار کیا ہی، تخئیل کے عمل سے موثر اور جانگداز کر دیا ہے، تفصیل ان باتون کی آگے آئے گی،

تخئیل کی بے اعتدالی | شعر کی اس سے زیادہ کوئی بدقسمتی نہین کہ تخئیل کا بیجا استعمال کیا جائے، طبیعیات کے متعلق جسطرح یونانی حکما، کی قوتین بیکار گئین اور آجتک انکے پیرو، ہیولیٰ اور صورۃ کی فضول بحثون مین اُلجھکر کائنات کا ایک عقدہ بھی حل نکر سکے بعینہ ہمارے متاخرین شعراء کا یہی حال ہوا ان کی قوت تخئیل، قدماء سے زیادہ ہی، لیکن افسوس بالکل رایگان صرف کی گئی، ایک شاعر کہتا ہے،

گوشہا را آشیانِ مرغ آتشخوارہ کرد برق عالم سوز یعنی شعلۂ غوغائے من

اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو پہلے ذہن نشین کر لینا چاہیے،

(۱) مرغ آتشخوارہ ایک پرند ہے جو آگ کہاتا ہی،

(۲) آہ اور فریاد مین چونکہ گرمی ہوتی ہی اس لئے آہ اور فریاد کو شعلہ سے تشبیہ دیتے ہین،

(۳) مرغ آتشخوارہ وہان رہتا ہے جہان آگ ہوتی ہی شاعر کہتا ہی کہ میری فریاد مین اسقدر گرمی ہے کہ کانون مین پہونچی تو وہان آگ پیدا ہوگئی، اس بنا پر مرغ آتشخوار نے لوگون کے کانون مین جاکر گھونسلے بنا لئے ہین کہ یہان آگ نصیب ہوگی،

متاخرین کی اکثر نکتہ آفرینیان اسی قسم کی ہین، جسکی وجہ یہی ہے کہ قوت تخئیل کا

استعمال بیجا طور سے ہوا ہی، قوت تخیل کی بے اعتدالی کی تمیز اگرچہ صرف مذاق صحیح کرسکتا ہے، تاہم صرف مذاق صحیح کا حوالہ کافی نہین، اسلئے جہان تک ممکن ہی، ہم کسی قدر اس کی تشریح کرتے ہین،

(۱) قوت تخیل کو سب سے زیادہ بے اعتدالی کا موقع مبالغہ مین ملتا ہے، یہ تسلیم کرلیا گیا ہی کہ مبالغہ کے لئے اصلیت اور واقعیت کی ضرورت نہین، اس بنا پر قوت تخیل جی کھول کر بلند پروازی دکھاتی ہے اور کجروی اور بیراہ روی کی اسکو پروا نہین ہوتی مثلاً ایک شاعر گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہی،

بہ لوح سنگ نگیرد شبیہ او آرام　　بہ کشورے کہ درو نام تازیانہ برند

یعنی اگر کسی پتھر پر اس گھوڑے کی تصویر کندہ کرائی جائے، اور اُس ملک مین جہان یہ پتھر ہو، کوڑے کا نام لے لیا جائے، تو تصویر پتھر سے اُڑ جائے گی، اصل بات اسقدر تھی کہ گھوڑا اسقدر تیز ہے کہ کوڑے کے اشارے سے قابو مین نہین رہتا، اب مبالغہ کے مدارج دیکھو،

(۱) گھوڑے کی تیزروی کا اثر، تصویر تک مین آگیا ہی،

(۲) تازیانہ لگانے کی ضرورت نہین بلکہ تازیانہ کا نام لینا کافی ہے،

(۳) تصویر کے سامنے تازیانہ کا نام لینے کی ضرورت نہین بلکہ اُس ملک مین نام لے لینا کافی ہے،

(۴) پتھر پر کندہ ہونے کی حالت مین بھی تصویر مین یہ اثر ہے،

شاعر کو چونکہ ایک محال پر قناعت نہین اسلئے وہ محالات کی تہ پر تہ قائم کرتا جاتا ہے، لیکن یہ قوت تخئیل کی سخت بے اعتدالی ہے، قوت تخئیل کی خوبی یہ ہے کہ محال بات اس انداز سے ادا کی جائے کہ بظاہر ممکن بن جائے، مثلاً میر انیس اس موقع پر جہان حضرت عباس کا نہر کے پاس پہونچنا لکھا ہے، لکھتے ہین،

اُبھرین درود پڑھتی ہوئین مچھلیان بہم یولے حباب آنکھون پہ شاہا ترے قدم
دریا مین روشنی ہوئی اُجسم حضور سے لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

مچھلیون کا درود پڑھکر اُبھرنا، حباب کا بولنا، پنجۂ مرجان کا بلائین لینا، سب ناممکنات سے ہین، لیکن تخئیل کی طلسم سازی نے ایک واقعی تصویر پیش نظر کر دی ہے، شاعر نے اوّل تو ان واقعات کو اُس شخص کے متعلق لکھا ہے جسکے معجزہ کی بدولت (اُسکے نزدیک) سب کچھ ہو سکتا ہے، دوسرے، واقعہ کے بعض اجزا صحیح یا صحیح کے مشابہ ہین، مچھلیان پانی مین اُبھرتی ہین، حباب آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے، مرجان کی شکل پنجہ کی ہوتی ہے، ان باتون کی مجموعی حالت اور اسپر شاعر کی لطافت بیانی کیوجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حالت کی تصویر ہے،

(۲) وہ تخئیل اکثر بیکار اور بے اثر ہوتی ہے جس مین تمام عمارت کی بنیاد صرف کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہے، متاخرین کی اکثر نکتہ آفرینیان اسی قسم کی ہین مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

مستانہ کشتگانِ تو ہر سو فتادہ اند تیغ ترا مگر کہ بہ مے آب دادہ اند

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "معشوق کی تلوار کے مارے ہوئے ہر طرف مست پڑے ہوئے ہین ہستی کی وجہ یہ ہے کہ معشوق نے جس تلوار سے قتل کیا ہے اُسپر شراب کی باڑھ رکھی گئی تھی"

اس خیال کی تمامتر بنیاد "آب" کے لفظ پر ہے، آب تلوار کی چمک دمک اور باڑھ کو کہتے ہین، آب کے معنی پانی کے بھی ہین، شراب بھی پانی کیطرح سیال ہے، تلوار کی باڑھ کو پانی سے کوئی تعلق نہین بلکہ پانی سے تلوار کو زنگ لگ جاتا ہے، لیکن چونکہ باڑھ کو فارسی مین آب کہتے ہین اسلئے یہ قرار دیا کہ تلوار مین پانی ہے اور جہان پانی مستعمل ہو سکتا ہی شراب بھی ہو سکتی ہے اسلئے تلوار مین شراب کی باڑھ ہے، اسلئے مقتولین نشہ مین چور ہین، اس تمام عمارت کی بنیاد آب کے لفظ پر ہے، اس لفظ کے اگر دو معنی نہوتے تو یہ گورکھ دہندا قائم نہین رہ سکتا تھا،

سیکڑون ہزارون اشعار جو نازک خیالی کے نمونے سمجھے جاتے ہین انکی تمامتر بنیاد اسی قسم کی لفظی خصوصیتون پر ہے، چنانچہ انکا اگر کسی اور زبان مین ترجمہ کر دیا جائے تو تخئیل بالکل باطل ہو جاتی ہے،

مرزا دبیر تلوار کی تعریف مین فرماتے ہین،

تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی ‌ ‌ ‌ جل بھن کے آب تیغو نکی رن مین دھوان ہوئی

تلوار کی آب کو پہلے پانی فرض کیا، پھر اُسکا جلنا، بھننا اور دھوان ہو جانا جو کچھ چاہا ثابت کرتے چلے گئے،

(۳) تخئیل کی بے اعتدالی کا بڑا موقع استعارات اور تشبیہات ہین، استعارے اور تشبیہین جب نک لطیف، قریب الماخذ اور اصلیت سے ملتی جلتی ہوتی ہین، شاعری مین حسن پیدا کرتی ہین، لیکن جب تخئیل کو بے اعتدالی کا موقع ملتا ہے تو وہ دور از کار اور فرضی استعارات اور تشبیہین پیدا کرتی ہے اور پھر اسپر اور بنیادین قائم کرتی جاتی ہے مثلاً مرزا بیدل کہتے ہین،

تبسم کہ ابہ خون بہار تیغ کشید　　　　که خنده برلب گل نیم بسمل افتاده است

اصل خیال اسقدر تھا کہ معشوق کا تبسم پھول کے نیم شگفتہ ہونے کی حالت سے زیادہ خوشنما ہے،

اس مضمون کو یون ادا کیا ہی کہ تبسم ایک قاتل ہی اس نے بہار کی خونریزی کے لئے تلوار کھینچی ہی اس کا وار خندۂ گل پر پڑا، خندۂ گل نیم بسمل ہوکر رہ گیا،

اس تخئیل مین جو بے اعتدالی ہے استعارات کی وجہ سے ہی، بہار کا خون، تبسم کی تلوار، خندۂ گل کا بسمل ہونا دور از کار استعارات ہین،

(۴) تخئیل کی ایک بے اعتدالی یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دیتے ہین پھر اُس شے کے جسقدر اوصاف اور لوازم ہین سب اس مین ثابت کرتے ہین حالانکہ اُسکے کسی قسم کی مناسبت نہین ہوتی، مثلاً کمر کو بال سے تشبیہ دیتے ہین، اب اسکے بعد بال کے جتنے اوصاف ہین کمر مین ثابت کرتے ہین مثلاً ناسخ کہتے ہین،

ابھی ہرچند وہ بت نوجوان ہی　　　　سفید اسکا مگر موئے میان ہے

یعنی بال بڑھاپے مین سفید ہوتے ہین لیکن تعجب یہ ہے کہ معشوق کی کمر کا بال جوانی ہی مین سفید ہوگیا ہے، اسیم بدن ہونے کے لحاظ سے کمر کو سفید کہا ہے،

یا مثلاً غنی فرماتے ہین،

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار — مین نے معشوق کی کمر دیکھی اور منہ نہ دیکھ سکا،

نتوان ہیچ دید چو در دیدہ مو فتد — کیونکہ جب آنکھ مین بال پڑجاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہین آتی

قاعدہ ہے کہ آنکھون مین جب بال پڑجاتا ہی تو چھبتا ہے اور پھر آنکھین کھولی نہین جاتین، شاعر کہتا ہے کہ مین نے معشوق کی کمر دیکھی لیکن اسکا منہ نہ دیکھ سکا کیونکہ جب آنکھ مین بال آگیا تو کوئی چیز نظر نہین آئی،

یا مثلاً ایک شاعر نے ناف کی نسبت لکھا ہے کہ "موے کمر مین گرہ پڑگئی" یا مثلاً ابرو کو تلوار باندھا، تو تلوار کے تمام لوازم آب و تاب، دم خم، جوہر، ناب، ڈاب، قبضہ، میان، سب کچھ اسکے لئے ثابت کرتے جاتے ہین،

۵۔ تخئیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تعلیل ہے یعنی شاعر قوت تخئیل سے ایک چیز کو ایک چیز کی علت قرار دیتا ہے حالانکہ دراصل وہ اس کی علت نہین ہوتی مثلاً شاعر کہتا ہے،

کسی کے آگے کوئی ہات پسارے کیا دخل — مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولد کو دک

بچے جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہین تو انکی مٹھی بندھی ہوتی ہے، اب شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ ممدوح نے تمام لوگون کو اسقدر مالامال کر دیا ہے

کہ کسی کو کسی چیز کی حاجت نہین رہی، اِس لئے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکی مٹھیان بندہی ہوتی ہین،

اکثر شاعرانہ مضامین اسی حسن تعلیل پر مبنی ہین، لیکن جب قوت تخئیل سے اعتدال کے ساتھ کام نہین لیا جاتا تو اسمین اکثر بے اعتدالیان ہوجاتی ہین مثلاً ایک شاعر ہکلے معشوق کی تعریف مین کہتا ہے،

گفتم سخنت شکستہ وش چون آید | باآن کہ ہمہ چو درِّ مکنون آید
گفتا کہ بہ این دہان تنگے کہ مراست | گر نشکنمش چگونہ بیرون آید

یعنی مین نے معشوق سے کہا کہ تیری زبان سے جو لفظ ادا ہوتے ہین ٹوٹ ٹوٹ کر کیون ادا ہوتے ہین، اُس نے کہا کہ میرا دہن اتنا چھوٹا ہے کہ جب تک بات توڑ کر ریزہ ریزہ نہ کرلی جائے مُنھ سے کیونکر باہر نکل سکتی ہے، ان چند مثالون سے تخئیل کی بے اعتدالی کا کسی قدر تم نے اندازہ کیا ہوگا،

تخئیل کے استعمال کی غلطی، **تخئیل** اور محاکات اگرچہ دونون شاعری کے عنصر ہین لیکن لحاظ اکثر دونون کے استعمال کے موقع الگ الگ ہین، یہ سخت غلطی ہے کہ ایک کے بجاے دوسرے کا استعمال کیا جائے، مثلاً مناظر قدرت کا بیان محاکات مین داخل ہے یعنی مثلاً اگر بہار، خزان، باغ، سبزہ، مرغزار، آب روان کا بیان کیا جائے تو محاکات سے کام لینا چاہئے یعنی اسطرح بیان کرنا چاہئے کہ ان چیزون کا اصلی سمان آنکھون کے سامنے پھر جائے، متاخرین کی سخت غلطی جس سے انکی شاعری

بالکل برباد ہوگئی" یہ ہے کہ وہ ان موقعون پر محاکات کے بجائے تخئیل سے کام لیتے ہین
مثلاً بہار کی تعریف مین کلیم کہتا ہے،

بہ نوعے آتشِ گل درگرفت است — کہ بلبل رفت و در آب آشیان کرد

یعنی پھولون کی وجہ سے باغ مین اسطرح آگ لگ گئی ہے کہ بلبل نے جاکر
پانی مین گھونسلا بنایا،

بہ صورت بید مجنون آبشار ست — رطوبت برگ را از بس روان کرد

بید مجنون ایک درخت ہوتا ہے جسکی شاخین زمین تک لٹکتی رہتی ہین شاعر
کہتا ہے کہ بہار کی وجہ سے اس قدر رطوبت بڑھ گئی ہے کہ بید مجنون ایک آبشار یعنی
پانی کا جھرنا معلوم ہوتا ہے،

زمانہ الیست کہ بر قفل اگر نسیم وزید — بسان غنچہ اش از انبساط خندان کرد

یعنی آب وہوا کا یہ اثر ہے کہ قفل کو اگر ہوا لگ جاتی ہی تو کلی کی طرح کھل جاتا ہی،
غور کرو ان اشعار سے بہار کی کسی قسم کی کیفیت دل پر طاری ہو سکتی ہی؛ افسوس
یہ ہے کہ متاخرین کا کلام تمام تر اسی قسم کی شاعری سے بھرا پڑا ہی ظہوری کا ساقی نامہ
جسکی اسقدر دھوم ہی انہین قسم کے خیالات دور از کار کا مخزن ہے،

اسی طرح مدحیہ شاعری محاکات مین داخل ہی؛ یعنی کسی شخص کی مدح کی جائے
تو اُس کے واقعی اوصاف بیان کرنے چاہیئن جس سے اس شخص کی عزت اور
عظمت دلون مین پیدا ہو، لیکن اکثر شعرا مدح مین تخئیل سے کام لیتے ہین اور اس قسم کے

خیالی مضامین پیدا کرتے ہین، جنکو محاکات اور اصلیت سے کچھ واسطہ نہین ہوتا،

تشبیہ و استعارہ | یہ چیزین شاعری بلکہ عام زبان آوری کی خط و خال ہین جنکے بغیر انشاپردازی کا جمال قائم نہین رہ سکتا، ایک عامی سے عامی بھی جب جوش یا غیظ و غضب مین لبریز ہو جاتا ہی تو جو کچھ اسکی زبان سے نکلتا ہی استعارات کا قالب بدل کر نکلتا ہے، غم اور رنج کی حالت مین انشاپردازی اور تکلف کا کسکو خیال ہو سکتا ہے، لیکن اس حالت مین بھی بے اختیار استعارات زبان سے ادا ہوتے ہین، مثلاً کسی کا عزیز مرجاتا ہے تو کہتا ہی "سینہ پھٹ گیا" "دل مین چھید ہوگئے" "آسمان ٹوٹ پڑا" "مجکو کسکی نظر کہا گئی"، یہ سب استعارے ہین، اس سے ظاہر ہوگا کہ استعارہ دراصل فطری طرز ادا ہے لوگون نے بے اعتدالی سے تکلف کی حد تک پہونچا دیا، اس بنا پر ہم تشبیہ اور استعارے کی بحث تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین، جس سے ظاہر ہو کہ انکی حقیقت کیا ہے؟ کہان اور کیونکر کام آتے ہین؟ انمین ندرت اور لطافت کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ کس طرح ایک بڑے سے بڑا وسیع خیال ان کے ذریعہ سے ایک لفظ مین ادا ہو جاتا ہے۔

تشبیہ کی تعریف | اگر ہم یہ کہنا چاہین کہ فلان شخص نہایت شجاع و بہادر ہے، تو اگر انہین لفظون مین اس مضمون کو ادا کرین تو یہ معمولی طریقۂ ادا ہے، اسی بات کو اگر یون کہین کہ "وہ شخص شیر کے مثل ہے" تو یہ تشبیہ ہوگی اور معمولی طریقہ کی بہ نسبت کلام مین کچھ زیادہ زور پیدا ہو جائے گا، اگر یون کہین کہ "وہ شخص شیر ہے" تو زور اور بڑھ جائیگا لیکن اگر اس شخص کا مطلق ذکر نہ کیا جائے اور یون کہا جائے کہ "مین نے ایک شیر

دیکھا" اور اس سے مراد وہی شخص ہو تو استعارہ ہے اسی مطلب کے ادا کرنے کا ایک
اور طریقہ یہ ہے کہ شیر کا نام بھی نہ لیا جائے بلکہ شیر کے جو خصائص ہین اس شخص کی نسبت
استعمال کئے جائین مثلاً یون کہا جائے کہ "وہ جب میدان جنگ مین ڈکارتا ہوا نکلا تو
ہل چل پڑ گئی" (ڈکارنا خاص شیر کی آواز کو کہتے ہین) یہ بھی استعارہ ہے اور پہلے طریقہ کی
بہ نسبت زیادہ لطیف ہے۔

تشبیہ و استعارہ کی ضرورت اور انکا اثر

۱۔ اکثر موقعون پر تشبیہ یا استعارہ سے کلام مین جو وسعت
و زور پیدا ہوتا ہے وہ اور کسی طریقہ سے نہین پیدا ہو سکتا۔ مثلاً اگر اس مضمون کو کہ
فلان موقع پر نہایت کثرت سے آدمی تھے" یون ادا کیا جائے کہ "وہان آدمیون کا
جنگل تھا، تو کلام کا زور بڑھ جائے گا، یہان کلام کا اصلی مقصد، آدمیون کی کثرت کا
بیان کرنا ہے، جنگل کی تشبیہ کی وجہ سے کثرت کا خیال متعدد وجہون سے زیادہ وسیع
ہو جاتا ہے، جنگل کی زمین مین قوت نامیہ بہت ہوتی ہے اسلئے اس مین گھانس،
پودے اور درخت کثرت سے پاس پاس اُگتے ہین، اسکے ساتھ نمو کا سلسلہ برابر قائم
رہتا ہے، یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز جہان کثرت سے پیدا ہوتی ہے بے قدر ہو جاتی ہے، اسی
بنا پر جنگل مین درخت اور گھانس کی کچھ قدر نہین ہوتی، مثال مذکورہ مین تشبیہ نے
یہ تمام باتین پیش نظر کر دین یعنی آدمی اس کثرت سے تھے جسطرح جنگل مین گھانس
ہوتی ہے، آدمیون کا سلسلہ منقطع نہین ہوتا تھا بلکہ بھیڑ بڑھتی جاتی تھی، ایک جاتا تھا
تو دس آجاتے تھے، کثرت کی وجہ سے آدمیون کی کچھ قدر نہ تھی، یہ تمام باتین جنگل

وجہ سے کثرت کے مفہوم مین وسعت پیدا ہوگئی ایک جنگل کے لفظ مین مضمر ہین اور
چونکہ یہ تمام باتین صرف ایک لفظ نے ادا کر دین اسلئے خود بخود کلام مین زور آگیا، فارسی
مین اس قسم کے خیال ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے،

به برقعِ مه کنعان که بود حُسن آباد — ماہ کنعان کی نقاب کی قسم جو کہ حسن آباد تھا
به حجله گاه زلیخا که بود یوسف زار — زلیخا کے خلوت کدہ کی قسم جو کہ یوسف زار تھا

پہلے مصرع مین حضرت یوسف ؑ کے چہرہ کا حُسن بیان کرنا تھا، اسکو یون ادا
کیا کہ اونکا نقاب حُسن آباد تھا حُسن آباد کے معنی وہ بستی جہان حسن کی آبادی ہو گویا
حضرت یوسف ؑ کا نقاب ایک بستی ہے جہان حُسن نے سکونت اختیار کی ہے، دوسرے
مصرع مین یہ مضمون ادا کرنا تھا کہ حضرت یوسف ؑ کی وجہ سے زلیخا کا خلوت کدہ روشن
ہو گیا تھا، اسکو یون ادا کیا کہ وہ یوسف زار ہو گیا تھا، گویا سیکڑون ہزارون یوسف ؑ
بھر گئے تھے،

۲- بعض موقعون پر جب شاعر کوئی غیر معمولی دعوے کرتا ہے تو اسکے ممکن الوقوع
ثابت کرنے کے لئے تشبیہ کی ضرورت پڑتی ہے،

به سوزِ عشق شاهان را چه کار است — که سنگ لعل، خالی از شرار است

شاعر دعوے کرتا ہے کہ بادشاہون مین عشق اور محبت کی جلن نہین ہوتی یہ
بظاہر ایک غلط دعوے ہے کیونکہ بادشاہت اور عشق و محبت مین کوئی مخالفت
نہین، اسلئے شاعر اسکو تشبیہ کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کے پتھر مین شرر

ہوتے ہین یعنی اُنپر چوٹ پڑے تو چنگاریان جھڑنے لگتی ہین، لیکن الماس اور لعل مین شرر نہین
ہوتے اور یہ ظاہر ہے کہ پتھر کے اقسام مین الماس گویا بادشاہ ہے،

اسی دعوے کا دوسرا ثبوت یہ ہے،

زدردِ عشق شہ، بیگانہ باشد — کہ جاے گنج در ویرانہ باشد

عربی مین اسکی نہایت عمدہ مثال متنبی کا یہ شعر ہے،

فان فی الخمر معنی لیس فی العنب — جو بات، شراب مین ہے، وہ انگور مین نہین

دعوے یہ ہے کہ بادشاہ تمام انسانون سے مرتبہ مین بڑھکر ہے، اسکو تشبیہ کے
ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے کہ شراب انگور سے بنتی ہے لیکن جو بات شراب مین ہے
انگور مین نہین،

مثالیہ شاعری جس نے متاخرین کے زمانہ مین نہایت وسعت اختیار کی تشبیہ
وتمثیل ہی پر مبنی ہے،

۳- جب کسی نہایت نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور
عبارت کام نہین دیتی اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے اگر انکو چھوا تو انکو صدمہ پہنچ جائیگا
جسطرح حباب چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے، ایسے موقعون پر شاعر کو تشبیہ سے کام لینا پڑتا ہے
وہ اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے اور پیش نظر کر دیتا ہے
مثلاً نظیری کہتا ہے،

ہمہ شب بر لب و رخسار و گیسو میزنم بوسہ — مین معشوق کے لب و رخسار اور گیسو کو تمام رات چومتا

گل ونسرین وسنبل را صبا درخزین است امشب | آج گل ونسرین وسُنبل کے خرمن مین ہوا گھس آئی ہے

لب ورخسار کی نزاکت اور انکا نام اور لطیف بوسہ، الفاظ کی برداشت کے قابل نہ تھا، اسلئے شاعر نے اسکو اس حالت سے تشبیہ دی کہ گویا ہلکی ہلکی ہوا پھولون کو چھوکر گذر جاتی ہے اور بار بار آکر چھوتی اور نکل جاتی ہے،

یا مثلاً یہ شعر

نہ گفت و من بشنیدم، ہر آنچہ گفتن داشت	اس نے کچھ نہین کہا اور مین نے اسکی بات اسوجہ سے
کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم	سُن لی کہ اسکی نگاہ نے زبان سے پیشدستی کی
لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت	جب اسکے ہونٹ نے اپنی باری لی تو میرے
فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم	کان کوثر کی موج مین ڈوب گئے،

یہ اسوقت کا بیان ہے جب عرفی ممدوح کے دربار مین گیا ہے اور ممدوح نے پہلے نگاہ لطف سے اسکو دیکھا ہے پھر باتین کی ہین، کہتا ہے کہ "ممدوح نے کچھ نہین کہا اور مین نے وہ سب باتین سُن لین جو وہ کہنا چاہتا تھا، کیونکہ اسکی نگاہون نے ادائے مطلب مین زبان سے پیشدستی کی، پھر جب اسکے ہونٹون کی باری آئی تو سامعہ کوثر کی موج مین ڈوب گیا"، محبوب کی باتون سے قوت سامعہ جو لطف اُٹھاتی ہے اسکو اس طریقہ کے سوا اور کیونکر ادا کیا جا سکتا تھا کہ سامعہ کوثر کی موج مین ڈوب گیا،

تشبیہ مین حسن کیونکر پیدا ہوتا ہے،

تشبیہ ایک ایسی عام چیز ہے کہ ہر شخص اس سے کام لیتا ہے اسلئے جب تک تشبیہ مین کوئی ندرت اور خاص خوبی نہ ہو وہ کوئی اثر

پیدا نہین کرسکتی، تشبیہ مین جن جن اسباب سے خوبیان پیدا ہوتی ہین اگرچہ انکا احصا
نہین ہوسکتا تاہم چند صورتین مثال کے طور پر ہم لکھتے ہین جن سے ایک عام خیال
قائم ہوسکے گا،

(۱) ہر تشبیہ ابتدا مین نادر اور پرلطف ہوتی ہے، لیکن بار بار کے استعمال
اسکی تازگی اور ندرت جاتی رہتی اور بے اثر ہوجاتی ہے اسلئے شاعر کا فرض یہ ہے کہ نا
اور جدید تشبیہین اور استعارے ڈہونڈ کر پیدا کرے، بڑے بڑے شعرا کا معیار کمال
یہی ہے کہ انکے کلام مین اچھوتی تشبیہین اور نئے نئے استعارے پائے جاتے ہین
مثلاً بوسہ کو ایشیائی شعرا شیرین شکرین گلوسوز، کہتے آئے ہین، لیکن یورپ کا جاد
طراز کہتا ہے کہ "وہ ایک پیمان وفا ہے جو مجسم بن جاتا ہے" ایک راز پنہان ہے جو سا
کے بجائے ذائقہ سے کہا جاتا ہے"، ایک نسیم ہے جو دل کی خوشبو لاتی ہے" لذت آلو
نگاہین ہین جو سمٹ کر نقطہ بن گئی ہین"، اس قسم کے نازک اور لطیف استعارے فار
زبان مین، عرفی اور طالب آملی کے ہان مل سکتے ہین، عرفی نے ایک قصیدہ مین
بہت سی چیزون کی قسم کہائی ہے اس مین ایک موقع پر کہتا ہے ع

بہ بر شگفتن امروز، و غنچہ گشتن دی

کل کا دن جو گذر گیا اور آج کا دن جو شروع ہورہا ہے اسکو کھلنے والے پھول
اور مرجھانے والی کلی سے تشبیہ دی ہے،

جہانگیر ایک دفعہ طالب آملی سے ناراض ہوگیا تھا اور اسکو دربار سے الگ ک

سی امیر نے اسکو اپنے یہان بلالیا اور دربار مین جو بڑا شاعر تھا اُس سے مقابلہ کرایا طالب غالب
ہا، امیر نے یہ دیکھکر جہانگیر سے طالب کی تقریب کی اور وہ دوبارہ دربار مین باریاب ہوا ان
واقعات کو طالب نے نہایت لطیف استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین ادا کیا ہے،

بہ نسبت گہرم، دادہ بودی از کف خویش	تو نے مجھکو موتی سمجھکر، پھینک دیا تھا، تو نے
زاز جود، زیانے چنین ہزار افتاد	سخاوت کی وجہ سے ایسے بہت سے نقصان اُٹھائے ہین،
چو رد شدم زکفت، چرخم از ہوا بربود	جب تو نے مجھکو پھینکدیا تو آسمان نے نہا لپک لیا
بہ گرمی کہ زبانم بہ زینہار افتاد	اس تیزی کیساتھ کہ مین الامان بول اُٹھا،
سے، مقابلِ خورشید داشت آئینہ ام	آسمان نے تھوڑی دیر میرے آئینہ کو آفتاب کے سامنے
بدید کز عرقش، موج بر عذار افتاد	رکھا، آفتاب کے چہرہ پر پسینہ آگیا،
ازین نشاط، مگر دست آسمان لرزید	غالباً اسی خوشی سے آسمان کا ہات کانپ اُٹھا
لہ باز در کف خاقانِ کامگار افتاد	کہ مین پھر شاہنشاہ کے ہات مین آکر گرا،

(۲) تشبیہ مرکب عموماً زیادہ لطیف ہوتی ہے، مرکب سے یہ مراد ہے کہ کئی چیزون
کے ملنے سے جو مجموعی حالت پیدا ہوتی ہے وہ تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیجائے، مثلاً

کان مثار النقع فوق رؤسنا	واسیافنا لیل تھاوی کواکبہ

یعنی میدان جنگ مین جو گرد اُڑتی ہے اور اُس مین تلوارین چمکتی ہین تو یہ معلوم
ہوتا ہے کہ رات کو تارے ٹوٹ رہے ہین،
یہان الگ الگ چیزون کی تشبیہ مقصود نہین بلکہ ایک مجموعی حالت کو ادا کرنا ہے،

جسکے اجزا یہ ہین. گرد جو فضا مین چھا گئی ہے، اس مین تلوارین، تلواروں کا چلنا اور چمکنا
تلواروں کے چلنے مین بے ترتیبی اور اختلاف جہت، ان سب باتون سے جو مجموعی سما
پیدا ہوتا ہے اسکی تشبیہ ستارون سے دی ہے جو رات کی تاریکی مین سیدھے ترچھے اڑ
ہر طرف ٹوٹتے ہین،

یا مثلاً

دو زلف تابدار او بہ چشم اشکبار من ۔۔۔ چو چشمہ کہ اندر دستا کنند مار ہا

یعنی میری پر اشک آنکھون مین، معشوق کی زلفون کا عکس اس طرح پڑتا ہے
گویا چشمہ مین سانپ لہرا رہے ہین،

باد در کہسار، جام لالہ را بر سنگ زد ۔۔۔ ہوا نے لالہ کا پیالہ اٹھا کر زمین پر پٹک دیا
گل بہ خندہ گفت، آرے این چنین باید ہی ۔۔۔ پھول نے ہنسکر کہا خوب یہی کرنا چاہئے تھا

ہوا جب تیز چلتی ہے تو نازک ٹہنیان اور پھول زمین پر گر گر پڑتے ہین اس
حالت کو یون ادا کیا ہے کہ گویا ہوا نے لالہ کا پیالہ اٹھا کر زمین پر پٹک دیا،

نرگس کہ شب نہ خفت ز فریاد بلبلان ۔۔۔ نرگس کو رات بلبلون کے شور و غل سے نیند نہیں
بنہاد سر بہ بالش گل میل خواب کرد ۔۔۔ آئی تھی اسلئے پھول کے تکیہ پر سر رکھکر سو گئی،

جدت و لطف ادا ۔ شاعری کے لئے یہ سب سے مقدم چیز ہے بلکہ بعض اہل فن کے نزدیک
جدت ادا ہی کا نام شاعری ہے، ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک
معمولی بات ہی اسکو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے،

ایک دفعہ حجاج نے ایک بدو سے پوچھا کہ تم سے کوئی راز کی بات کہی جائے تو تم اُسکو چھپا سکتے ہو یا نہین، اس نے کہا کہ "میرا سینہ راز کا مدفن ہے" راز سینہ مین مرکر رہجاتا ہے، سینہ سے نکل کیونکر سکتا ہے، اس بات کو وہ اگر یون ادا کرتا کہ "مین راز کو کسی حالت مین کبھی ظاہر نہین کرتا" تو معمولی بات ہوتی، لیکن طرز ادا کے بدل دینے نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا اور اب وہی بات شعر[1] بنگئی، شاعری، انشاپردازی، بلاغت، اُن تمام چیزون کی جادوگری اسی جدت ادا پر موقوف ہے، جدت ادا کی منطقی تعریف اور اسکے اصول اور قواعد کا انضباط سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے، وہ ایک ذوقی چیز ہے جسکا صحیح ادراک صرف ذوق صحیح سے ہوسکتا ہے اسکا پیرایہ ہر جگہ الگ ہے اور اسقدر غیر محصور ہے کہ نہ اُن سب کا شمار ہوسکتا ہے نہ اُنمین کوئی خاص قدر مشترک پیدا کیا جاسکتا ہے، اس لئے جدت ادا کے مفہوم کے ذہن نشین کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہین کہ متعدد مثالین پیش کرکے بتایا جائے کہ اصل خیال کیا تھا؟ اسکو کس جدید انداز سے ادا کیا گیا؟ اور جدت نے کیا اثر پیدا کیا؟ ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین،

زخم ہا بر داشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہم نے بہت زخم کہائے اور فتحین کین لیکن
ہرگز از خونِ کسے رنگین نشد دامانِ ما — کیسکے خون سے ہمارا دامن رنگین نہین ہوا

اصل خیال یہ تھا کہ "ہمکو حریفان فن سے مقابلہ کا اکثر اتفاق ہوا، لوگون نے ہمکو بُرا بھلا کہا، بدزبانیان کین، لیکن ہم نے صبر و سکوت سے کام لیا، رفتہ رفتہ ہمارے

[1] جن لوگون کے نزدیک شعر مین وزن ضروری نہین وہ ہر شاعرانہ انداز بیان کو شعر کہتے ہین،

علم وفضل کا سکہ لوگون کے دلون پر بیٹھتا گیا، یہان تک کہ حریف بھی قائل ہو گئے اور سب نے ہماری عظمت تسلیم کر لی" اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ میدان جنگ مین ہم نے زخم اُٹھا کر فتحین حاصل کین، لیکن ہمارا دامن کسی کے خون سے رنگین نہین ہوا اُس طرز ادا مین علاوہ اسکے کہ تشبیہ مین ندرت ہے یہ تعجب انگیز بات ثابت کی ہے کہ میدان جنگ مین کوئی زخمی نہین ہوا اور معرکہ فتح ہو گیا،

ساقی تو ای وسادہ دلی بین کہ شیخ شہر　　　باور نمی کند کہ ملک مے گسار شد

شعر کا مطلب یہ ہے، کہ معشوق جب ساقی بنا تو فرشتون یعنی فرشتہ خو لوگون نے بھی شراب پینی شروع کر دی، اس مطلب کو یون ادا کیا ہے کہ معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے "واعظ کی حماقت دیکھتے ہو، تم ساقی ہو اور اسکو یقین نہین آتا کہ فرشتہ نے شراب خواری اختیار کی" جدت کے علاوہ اس طریقۂ ادا مین بلاغت یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے، تو اسکے صحیح ہونے مین شبہ ہو سکتا ہے، اسلئے شاعر اسکو واقعہ کی حیثیت سے نہین بیان کرتا بلکہ ایک مسلّمہ واقعہ قرار دیکر واعظ کی حماقت پر تعجب کرتا ہے گویا اسکو فرشتہ کی میخواری بیان کرنی مقصود نہین نہ اسکے نزدیک یہ کوئی تعجب انگیز واقعہ ہے جو بیان کرنے کے قابل ہوا، البتہ واعظ کی حماقت حیرت انگیز ہے کہ اسکو ایسے بدیہی واقعہ کا یقین نہین آتا،

شاعر نے خود واعظ کو مخاطب نہین کیا، ورنہ خیال ہوتا کہ شاید یون ہی واعظ کو چھیڑنے کے لئے کہا ہے، معشوق سے خطاب کرنے مین یہ بلاغت بھی ہے کہ اسکی

ملک قریبی کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ تعریف مقصود نہین، صرف واعظ کی حماقت پر حیرت کا اظہار [۱] ہے،

اے کہ ہمراہ موافق بہ جہان می طلبی — اگر تم سچا دوست، دنیا مین ڈہونڈتے ہو

آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید — تو اتنا ٹہر جاؤ کہ عنقا سفر سے واپس آجائے

یہ ایک پامال مضمون ہی کہ جب کسی چیز کو نایاب کہنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ "عنقا ہی" شعر کا اصلی مطلب اسقدر ہے کہ ہمراہ موافق یعنی سچّا دوست ملنا محال اور عنقا ہے، اس کو یون کہتا ہی کہ "اگر تمکو سچے دوست کی تلاش ہی تو اتنا ٹھہر جاؤ کہ عنقا جو سفر مین گیا ہے وہ واپس آجائے" یعنی نہ عنقا واپس آسکتا ہے نہ سچا دوست مل سکتا ہے، اسمین بلاغت کا یہ پہلو ہے کہ پہلے اُمید دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دوست ملسکتا ہی، البتہ ذرا انتظار کرنا پڑے گا، پھر جس بات پر محوّل کیا ہے وہ بھی بظاہر ناممکن نہین کیونکہ کسی کا سفر سے واپس آجانا کوئی ناممکن بات نہین، اس حالت کے بعد جب نا اُمیدی طاری ہوتی ہے تو نا امیدی کا اثر زیادہ سخت اور رنج دہ ہوتا ہے گویا یہ دکھاتا ہے کہ سچے دوست کی تلاش مین امید بھی ہوگی تو اسی قسم کی ہوگی کہ خاتمہ ناکامی پر ہو،

نہ باندازۂ بازدست کمندم ہیہات — ورنہ با گوشۂ بامیم سر و کارے ہست

---

[۱] یہاں پر شعر العجم ہم طبع اوّل صفحہ ۸۶ سطر ۱-۲-۳ مین غیر مفہوم عبارت تھی؛ اصل دیکھنے سی معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی عبارت تھی کاتب نے غلطی سے اُسکو لکھدیا تھا لہٰذا وہ سوا دو سطرین حذف کر کے مطابق اصل کر دی گئین وہ مقطوعہ عبارت یہ ہے:-

"اتفاق سے کوئی مد مقابل نہ تھا، اسلئے بہر حال انہین پر لوگون کی نظر پڑی اور زیادہ دام لگے، اسلئے افسوس کے طور پر کہتا ہے کہ "کیا کہئے اس سال بھی انکی قیمت زیادہ ہی رہی"

شعر کا مطلب اسقدر ہے کہ "مین معشوق تک پہونچنا تو چاہتا ہون لیکن رسائی کا کوئی سامان نہین، اسکو یون ادا کیا ہی کہ مجھکو ایک گوشۂ بام سے کچھ کام تو ہے لیکن کیا کیجے جتنی قوت میرے بازو مین ہی اسکے موافق کمند نہین ہے، بام اور سر و کار کے کی تنکیر نے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے،

حسن الفاظ | یہ ایک نہایت ضروری بحث ہی، اسلیے ہم اسکو تفصیل سے لکھتے ہین، کتاب العمدہ مین باب فی اللفظ والمعنی ایک خاص عنوان قائم کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے دونون کا ارتباط باہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہو گا تو یہ بھی کمزور ہوگی، پس اگر معنی مین نقص نہو اور لفظ مین ہو تو شعر مین عیب سمجھا جائیگا جسطرح لنگڑے یا لنجے مین روح موجود ہوتی ہے، لیکن بدن مین عیب ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ اچھے ہون لیکن مضمون اچھا نہو تب بھی شعر خراب ہوگا، اور مضمون کی خرابی، الفاظ پر بھی اثر کریگی، اگر مضمون بالکل لغو ہو اور الفاظ اچھے ہون تو الفاظ بھی بیکار ہون گے، جسطرح مردہ کا جسم کہ یون دیکھنے مین سب کچھ سلامت ہے، لیکن درحقیقت کچھ بھی نہین، اسی طرح مضمون گو اچھا ہو لیکن الفاظ اگر برے ہین تب بھی شعر بیکار ہوگا کیونکہ روح بغیر جسم کے پائی نہین جا سکتی،

"اہل فن کے دو گروہ بنگئے ہین ایک لفظ کو ترجیح دیتا ہے اور اسکی تمامتر کوشش الفاظ کے حسن و خوبی پر مبذول ہوتی ہے، عرب کا اصلی انداز یہی ہے، بعض لوگ مضمون کو ترجیح دیتے ہین اور الفاظ کی پروا نہین کرتے یہ ابن الرومی اور متنبی کا مسلک ہے،

لیکن زیادہ تر اہل فن کا یہی مذہب ہی کہ لفظ کو مضمون پر ترجیح ہے وہ کہتے ہین کہ
ضمون تو سب پیدا کر سکتے ہین لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون ادا کن
لفاظ مین کیا گیا ہے؟ اور بندش کیسی ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ **شاعری** یا انشاپردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے **گلستان**
ین جو مضامین اور خیالات ہین، ایسے اچھوتے اور نادر نہین لیکن الفاظ کی فصاحت اور
تیب اور تناسب نے ان مین سحر پیدا کر دیا ہے، انھین مضامین اور خیالات کو معمولی الفاظ
ن ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہے گا، **ظہوری** کا ساقی نامہ نازک خیالی، موشگافی،
ضمون بندی کا طلسم ہے لیکن سکندرنامہ کا ایک شعر پورے ساقی نامہ پر بھاری ہے۔
سکی وجہ یہی ہے کہ **ساقی** نامہ مین الفاظ کی وہ متانت، اور شان وشوکت، اور بندش
ں وہ پختگی نہین جو سکندرنامہ کا عام جوہر ہے، حافظ کا شعر ہے،

گفت آن روز کہ این گنبدِ مینا میکرد بتم این جامِ جہان بین بتو کے داد حکیم

جو خیال اس شعر مین ادا کیا گیا ہے اسکو الفاظ بدل کر ادا کرو، شعر خاک مین ملجائیگا
یل کے دونون مصرعون مین،

ع تھا بلبلِ خوشگو کہ چہکتا ہے چمن مین،
ع بلبل چہک رہا ہی ریاض رسول مین:

مضمون بلکہ بعض الفاظ تک مشترک ہین پھر بھی زمین آسمان کا فرق ہے،
حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کیا ہے،

تو اپنے اسلحہ اور لباس کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ مین پائے تھے، دکھاکر پوچھ
ہے کہ یہ کسکے تبرکات ہین؟ اس واقعہ کو میر ضمیر نے یون ادا کیا ہے،

پہچانتے ہو؟ کسکی مرے سر پہ ہی دستار ‎ ‎ دیکھو تو؟ عبا کسکی ہی کاندھے پہ نمودار
یہ کسکی زرہ؟ کسکی سپر؟ کسکی ہی تلوار؟ ‎ ‎ مین جسپہ سوار آیا ہون، کسکا ہی یہ رہوار
باندھا ہی کمر جس سے یہ کس کی ردا ہے؟
کیا فاطمہ زہرا نے نہین اسکو سیا ہے؟

بعینہ اسی واقعہ کی میر انیس ادا کرتے ہین،

یہ قبا کسکی ہی؟ بتلاؤ یہ کس کی دستار ‎ ‎ یہ زرہ کسکی ہی؟ پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہی؟ یہ چار آئینہ جوہر دار ‎ ‎ کسکا رہوار ہی؟ یہ آج مین جسپر ہون سوار
کسکا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہی یہ سپر کسکی ہے

دونون بندون مین مضمون اور معنی بالکل مشترک ہین الفاظ کے اول بدل اور
الٹ پلٹ نے کلام کو کہان سے کہان تک پہونچا دیا ہے،

اس تقریر کا یہ مطلب نہین کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہئے اور معنی سے
بالکل بے پروا ہو جانا چاہئے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو لیکن اگر
الفاظ مناسب نہین ہین تو شعر مین کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی، اسلئے شاعر کو یہ سوچ لینا چاہئے
کہ جو مضمون اسکے خیال مین آیا ہے، اُسی درجہ کے الفاظ اسکو میسر آسکین گے یا نہین

(نہ) کر نہ سکین تو اسکو بلند مضامین چھوڑ کر انھین سادہ اور معمولی مضامین پر قناعت کرنی چاہئے
جو اسکے بس کے ہین، اور جنکو وہ عمدہ پیرایہ اور عمدہ الفاظ مین ادا کرسکتا ہے، کسی نے
نہایت سچ کہا ہے،

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرد کہ مرغ و ماہی باشند خفتہ او بیدار

یعنی "شاعر ایک ایک لفظ کی تلاش مین رات رات بھر جاگتا رہ جاتا ہے، جبکہ مرغ اور
مچھلیان تک سوتی ہوتی ہین" یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک عمدہ سے عمدہ خیال، عمدہ سے عمدہ
مضمون، عمدہ سے عمدہ نظم، اسوجہ سے برباد ہو جائے کہ اس مین صرف لفظ اپنے درجہ سے
گر گیا،

جن بڑے مشہور شعرا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کے کلام مین خامی ہے، اسکی زیادہ تر
وجہ یہی ہے کہ ان کے ہان الفاظ کی متانت، وقار، اور بندش کی درستی مین نقص پایا
جاتا ہے، متوسطین اور متاخرین نے جو شاہنامے لکھے مضامین اور خیالات مین فردوسی
کے شاہنامہ سے کم نہین ہین، لیکن فردوسی کے شاہنامہ کے سامنے انکا نام لینا بھی
سفاہت ہے، اسکی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ فردوسی جن الفاظ مین اپنے خیالات
ادا کرتا ہے اُسکے سامنے اوروں کے الفاظ بالکل کم رتبہ اور بے وقعت معلوم ہوتے ہین،

شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ الفاظ کا اثر بھی معنی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی ایک
لفظ اسی بنا پر پُر عظمت ہوتا ہے کہ اس کے معنی مین عظمت ہوتی ہے،

مثلاً نظامی کا یہ شعر

دراں دجلۂ خون بلند آفتاب   چو نیلوفر افگند زورق بر آب

اس شعر مین اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اگر دجلہ کے بجاے چشمہ، اور زورق کے بجاے کشتی کردیا جاے تو گو معنی وہی رہین گے لیکن شعر کم رتبہ ہوجاے گا، لیکن زیادہ غور دیکھا جاے تو اسکی وجہ لفظ کی خصوصیت نہین بلکہ معنی کا اثر ہے، **دجلہ** کے معنی مین چشمہ زیادہ وسعت ہے کیونکہ چشمہ چھوٹی سی نالی کو بھی کہہ سکتے ہین بخلاف اسکے دجلہ ایک بڑے دریا کا نام ہے، اسی طرح **زورق** اور کشتی کی حقیقت مین فرق ہے، اس بنا پر دجلہ اور زورق مین جو عظمت ہے وہ معنی کے لحاظ سے ہے نہ لفظ کی حیثیت سے،

یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے لیکن اولاً تو بہت سے ایسے لفظ ہین جنکے معنی مین نہین بلکہ صوت اور آواز مین رفعت اور شان ہوتی ہے ضیغم، اور شیر معنیً بالکل ایک ہین لیکن لفظون کے شکوہ مین صاف فرق ہے، اسکے علاوہ اس قسم کے الفاظ مین لفظی حیثیت اسقدر غالب آگئی ہے کہ گو وہ رفعت معنی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تاہم سامع یہی سمجھتا ہے کہ یہ لفظ ہی کا اثر ہے، اسلئے ایسے الفاظ کا اثر بھی الفاظ ہی کی طرف منسوب کرنا چاہئے،

الفاظ کے انواع اور اُنکے مختلف اثر

اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ شاعری کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ہے ہمکو کسی قدر تفصیل سے بتانا چاہئے کہ الفاظ کے کیا انواع ہین اور ہر نوع کا کیا خاص اثر ہے؟ اور کون الفاظ کہان کام آتے ہین؟

الفاظ متعدد قسم کے ہوتے ہین بعض نازک، لطیف، شستہ، صاف، روان اور

شیرین اور بعض پُر شوکت متین بلند، پہلی قسم کے الفاظ عشق و محبت کے مضامین کے ادا کرنے کی لئے موزون ہین، عشق اور محبت، انسان کے لطیف اور نازک جذبات ہین، اسلئے اُنکے ادا کرنے کے لئے لفظ بھی اُسی قسم کے ہونے چاہئین، یہی بات ہے کہ قدما کی بہ نسبت متاخرین کی غزل اچھی ہوتی ہے، قدما کے زمانے تک فوجی تمدن باقی تھا اسلئے اسکا اثر تمام چیزون مین پایا جاتا تھا، یہانتک کہ الفاظ بھی بلند متین، پرزور ہوتے تھے، فردوسی نے شاہنامہ کے بعد زلیخا لکھی تو اسکا یہ انداز ہے،

بدادی جوابے کہ سربستہ بود — بگفتی حدیثے کہ بگسستہ بود
بہ بیہودہ گویم نسب ساختی — سخنہائے ناخوش دراند اختی
زہر گونہ گفتی سخنہائے سست — سرانجامش این گفتی اے نیکبخت
کہ گر آزمائی مرا، آزمائے — کہ دارد دلم، پائے دانش بجائے
کنون دلبرا گفت من کار کن — دلت را بدین مہربان یار کن

اس موقع سے بڑھکر رقت اور درد اور سوز و گداز کا کیا موقع ہوسکتا تھا فردوسی نے خیالات وہی ادا کئے جو ایک عاشق معشوق سے کرسکتا ہے لیکن الفاظ اور طرز ادا ایسا ہے کہ میدان جنگ کا رجز معلوم ہوتا ہے،

نظامی نے جہان اس قسم کے مضامین ادا کئے ہین ایسے لب و لہجہ مین ادا کئے ہین کہ پتھر کا دل پانی ہوجاتا ہے،

سعدی جو غزل کے بانی خیال کئے جاتے ہین اسکی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ

انھون نے غزل مین رقیق، نازک، شیرین اور پُر درد الفاظ استعمال کئے، اسیر بھی کہین کہین پرانے روکھے اور سخت الفاظ آجاتے ہین تو وہ بات جاتی رہتی ہے، مثلاً

توہمیسر دی و خبر نداری | واندۂ عقبت قلوب والبصار
این قاعدۂ خلاف بگذارہ | دین خوے معاندت رہا کن
گر برانی نرود، ورود باز آید | ناگزیر است مگس دکۂ حلوائی را

متنبّی کے کلام پر علامہ ثعلبی نے جو نکتہ چینیان کی ہین انمین ایک یہ بھی ہے کہ وہ غزل اور تشبیب مین ایسے الفاظ لاتا ہے جو عاشقانہ خیالات کے لئے موزون نہین،

بلند اور پُر شوکت الفاظ، رزمیہ مضامین اور قصائد وغیرہ کے لئے موزون ہین متاخرین یعنی کلیم و صائب وغیرہ کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قصیدہ اچھا نہین کہتے، اسکا سبب یہی ہے کہ اُنکے زمانہ مین، تمدن اور معاشرت مین نہایت نزاکت پرستی آگئی تھی اور عشقیہ جذبات عام ہوگئے تھے، اسکا اثر زبان پر بھی پڑا یعنی زبان زیادہ نازک اور لطیف ہوگئی جو غزل گوئی کے لئے موزون تھی لیکن قصائد کی دہوم دھام اور شان و شوکت کے قابل نہ تھی،

عرفی قصیدہ مین عید کے عیش و عشرت کا بیان کرتا ہے تو اُسکا یہ انداز ہے

صباحِ عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم | گدا کلاہِ نمد کج نہاد و شہ دیہیم

کلیم نے ایک قصیدہ کی تمہید مین، ہندوستان کی عیش انگیزی کا سمان باندھا ہے، اُس کا مطلع ہے،

اسیر کشورِ ہندم کہ از وفور سرور | گدا بدست گرفت ست کاسۂ طنبور

ان دونون شعرون مین جو فرق ہی اسی بنا پر ہے کہ عرفی کے وقت تک عیش و عشرت کے خیالات، اور اسکا اثر چندان عام نہین ہوا تھا، نظیری نیشاپوری اکبر کے عہد کا شاعر ہے لیکن غزل کا مذاق غالب تھا، اور زبان مین نہایت گھلاوٹ اور نزاکت آگئی تھی، اسلئے اسکے قصیدون مین زور نہین ہے اور تشبیب تو صاف غزل معلوم ہوتی ہے، قصیدہ کی ابتدا مین جو عشقیہ مضامین لکھتے ہین اسکو تشبیب کہتے ہین اور وہ گویا غزل ہوتی ہی تاہم نکتہ دانانِ فن ہمیشہ لحاظ کر لیتے ہین، کہ وہ چونکہ قصیدہ کا جزو ہے اسلئے اسکی زبان غزل کی زبان سے نہ ملنے پائے، اسی بنا پر عرفی تشبیب لکھتا ہی تو اس انداز سے لکھتا ہی،

منم آن سیر زجان گشتہ کہ با تیغ وکفن	مین ایسا جان سے سیر ہو چکا ہون کہ تیغ وکفن
تا درِ خانۂ جلاد غزل خوان رفتم،	لیکر جلاد کے گھر تک غزل پڑہتا ہوا گیا،
کس عنان گیر نہ شد ورنہ من از بیت حرم	کسی نے روک ٹوک نہ کی ورنہ مین تو کعبہ سے
تا در بتکدہ در سایۂ ایمان رفتم	بتکدہ تک، ایمان کے سایہ مین گیا،
زان شکستم کہ بدنبال دل خویش مدام	مین نے اسوجہ سے شکست کھائی کہ اپنے دل کے
در نشیب شکنِ زلفِ پریشان رفتم	پیچھے پیچھے زلف کی شکنون مین گرتا گیا.

قصیدہ کے علاوہ مثنوی مین بھی اس قسم کی زبان پسندیدہ ہی اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین مثنوی اچھی نہین لکھ سکتے، انکی زبان بالکل غزل کی زبان بنگئی ہے، اس لئے جو کچھ کہتے ہین غزل بنجاتی ہے، البتہ عشقیہ مثنویان اس سے مستثنیٰ ہین یعنی ان مین وہی غزل کی زبان استعمال کرنی چاہئے ملا مکتبی اور نوعی کے سوز وگداز چونکہ عشقیہ مثنویان ہین

اِس لئے ان مین یہی زبان موزون تھی لیکن فیضی نے یہان بھی وہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے کہ جہان اپنا فخریہ لکھا ہی زبان بدل کر قصیدہ کی شان وشوکت آگئی ہی، ملاحظہ ہو،

امروز نہ شاعرم حکیم، — مین آج شاعر نہین بلکہ فلسفی ہون،
دانندۂ حادث و قدیم، — مین حادث اور قدیم کا عالم ہون،
بانگ قلم درین شب تار — میرے قلم کی آواز نے، اس اندھیری رات مین
صد معنیِ خفتہ کرد بیدار — سیکڑون سوتے ہوئے مضامین کو جگادیا،
روبہ منشان بمن چہ دارند — لومڑیون کو مجھ سے کیا کام؟ یہ شیر کی
پیشانی شیر را چہ خارند — پیشانی کیون کھجلاتی ہین؟ جن لوگون
آنانکہ بہ من نظر فگندند — نے میری طرف نظر اٹھائی میرے
در معرکہ ام سپر فگندند — مقابلہ مین سپر ڈال دی؟

یہ تمامتر بحث، **الفاظ** کی انفرادی حیثیت سے تھی، لیکن اس سے زیادہ مقدم الفاظ کا باہمی تعلق اور تناسب ہے یہ ممکن ہے کہ ایک شعر مین جسقدر لفظ آئین الگ الگ دیکھا جائے تو سب موزون اور فصیح ہون لیکن ترکیبی حیثیت سے ناہمواری پیدا ہو جائے، اسلئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ جو الفاظ ایک ساتھ کسی کلام مین آئین اُن مین باہم ایسا توافق، تناسب، موزونی اور ہم آوازی ہو کہ سب ملکر گویا ایک لفظ یا ایک ہی جسم کے اعضا بن جائین یہی بات ہی جسکی وجہ سے شعر مین وہ بات پیدا ہوتی ہے جسکو عربی مین **انسجام** کہتے ہین اور جسکا نام ہماری زبان مین سلاست صفائی

ور روانی ہے، یہی چیز ہے جسپر خواجہ حافظ کو ناز ہے اور جسکی بنا پر اپنے حریف کی شان
ین کہتے ہین، ؎

صنعتگرست اما شعر روان ندارد

یہی وصف ہے جسکی وجہ سے شعر مین موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے اور شاعری اور
وسیقی کی سرحدین ملجاتی ہین،

علی حزین کا ایک شعر ہے،

چون سر کنم حدیث لب لعل یار را	جب مین معشوق کے لب کی بات شروع کرتا ہون
گرد از نہاد چشمۂ حیوان بر آورم	تو چشمۂ حیوان سے گرد اڑنے لگتی ہے

خان آرزو نے پہلے مصرع مین یون اصلاح دی،

چون سر کنم حدیثے از آن خط پشت لب

آرزو کے مصرع مین جسقدر الفاظ ہین یعنی حدیث، خط، پشت، لب، سب بجائے
ود فصیح ہین لیکن ان کے ملانے سے یہ حالت پیدا ہو گئی ہی کہ مصرع پڑھنے کیوقت معلوم ہوتا
ہ کہ ہر قدم پر ٹھوکر لگتی جاتی ہے، بخلاف اس کے حزین کا مصرع موتی کیطرح ڈھلکتا آتا ہی

نی کے لحاظ سے الفاظ کا اثر

یہانتک الفاظ کی نسبت جو بحث تھی وہ زیادہ تر لفظ کی حیثیت
نی آواز اور صورت اور لہجہ کے لحاظ سے تھی، لیکن شاعری کا اصلی مدار، الفاظ کی معنوی
حالت پر ہے یعنی معنی کے لحاظ سے الفاظ کا کیا اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان مین
کیونکر اختلاف مراتب ہوتا ہے۔

ہر زبان مین مترادف الفاظ ہوتے ہین جو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہین لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو اِن الفاظ مین باہم فرق ہوتا ہے یعنی ہر لفظ کے مفہوم اور معنی مین کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے مین نہین پائی جاتی، مثلاً خدا کو فارسی مین خدا، پروردگار، داور، داوار، ایزد، آفریدگار، سب کہتے ہین، بظاہر ان سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہین لیکن درحقیقت ہر لفظ مین ایک خاص بات اور خاص اثر ہی جو اسکے ساتھ مخصوص ہی، اسلئے شاعر کی نکتہ دانی یہ ہے کہ جس مضمون کے ادا کرنے کیلئے خاص جو لفظ موزون اور موثر ہے، وہی استعمال کیا جائے ورنہ شعر مین وہ اثر نہ پیدا ہوگا، یہ ایک دقیق نکتہ ہے، اور بغیر اسکے کہ ایک خاص مثال مین ایک ایک لفظ پر بحث کرکے نہ سمجھایا جائے سمجھ مین نہین آسکتا۔

فیضی کا شعر ہے،

بانگِ قلمم درین شبِ تار   بس معنی خفتہ کرد بیدار

"شعر کا اصل مضمون یہ ہی کہ "شاعری مین مین نے بہت سے نئے مضمون پیدا کئے" اسکو استعارہ کے پیرایہ مین یون ادا کیا ہے کہ "میرے قلم کی آواز نے بہت سے سوئے ہوئے مضمونون کو جگا دیا" اب اسکے ایک ایک لفظ پر خیال کرو۔

بانگ خاص اُس آواز کو کہتے ہین جسمین بلندی اور فخامت ہو جو جگانے کیلئے موزون ہی، بانگ اور آواز اور صریر ہم معنی ہین اسلئے بانگِ قلم کی بجائے آوازِ قلم اور صریرِ قلم بھی کہہ سکتے ہین اس موقع کے لئے صرف "بانگ" موزون ہی۔

قلم کو فارسی مین خامہ اور کلک بھی کہتے ہین لیکن قلم کے لفظ مین جو فخامت اور رعب ہے اور لفظون مین نہین ہے متکلم کے میم نے ملکر اس فخامت کو اور بڑہا دیا ہے بانگ اور قلم کی ترکیب نے لفظ کو زیادہ پُر وزن کر دیا ہے،

تار کو تیرہ اور تاریک بھی کہتے ہین لیکن اس مصرع مین حُسنِ صوت کے لحاظ سے تار ہی موزون ہے،

بس کے ہم معنی بہت سے الفاظ ہین مثلاً بسیار، مخیے، خیلے، وغیرہ لیکن بس کے لفظ مین کثرت کی جو توسیع ہے اور لفظون مین نہین ہے،

ان تمام باتون پر غور کرو تب یہ نکتہ حل ہو گا کہ اس شعر مین جو اثر ہے اسکا سبب یہ ہے کہ مضمون کی ایک ایک خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے جو الفاظ درکار تھے اور جن کے بغیر وہ خصوصیت ادا نہین ہو سکتی تھی سب شاعر نے جمع کر دئے اور ان باتون کے ساتھ اصل مضمون مین اصلیت، اور طرز ادا مین جدت اور ندرت پیدا کی،

بڑے بڑے خیالات اور جذبات لفظ کے تابع ہوتے ہین، ایک لفظ ایک بہت بڑے خیال یا بہت بڑے جذبہ کو مجسم کر کے دکھا سکتا ہے، ایک بہت بڑا مصوّر ایک مرقع کے ذریعہ سے غیظ و غضب، جوش اور قہر، عظمت اور شان کا جو منظر دکھا سکتا ہے، شاعر صرف ایک لفظ سے وہی اثر پیدا کر سکتا ہے مثلاً فردوسی نے جہان رستم و سہراب کی داستان شروع کی ہے لکھتا ہے،

کنون جنگ سہراب و رستم شنو — اب سہراب و رستم کی لڑائی سنو، بہت سے واقعات

دگر با شنیدستی این ہم شنو — سن چکے ہو اب ذرا اسکو بھی سنو،

اس شعر مین یہ ظاہر کرنا تھا کہ سہراب کا واقعہ تمام گذشتہ واقعات سے زیادہ مؤثر، زیادہ عجیب، زیادہ پُر درد، اور زیادہ عبرتناک ہی شاعر نے صرف این ہم کے لفظ سے جو خیال ادا کر دیا ہے وہ ان سب باتون کو شامل ہے اور پھر ان پر محدود نہین بلکہ اور آگے بڑھتا ہے یعنی معلوم نہین اس داستان مین اور کیا اثر ہو گا!!

سکندر جب دارا کے پاس عالم نزع مین گیا ہی تو دارا اس سے کہتا ہی،

زمین را منم تاج تارک نشین — مین زمین کے سر کا تاج ہون، مجھکو

مجنبان مرا تا نجنبد زمین — نہ ہلا، ورنہ زمین ہل جائے گی ،

دوسرے مصرع نے وہ اثر پیدا کیا ہے جو ایک لشکر جرار نہین پیدا کر سکتا،

بہت سے لفظ ایسے ہوتے ہین جنکے معنی گو مفرد ہوتے ہین لیکن اُس مین مختلف حیثیتین ہوتی ہین اور اس لحاظ سے وہ لفظ گویا متعدد خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے، اس قسم کا ایک لفظ ایک وسیع خیال ادا کر سکتا ہے، اور اسلئے اسکے بجائے اگر اُسکے مرادف الفاظ استعمال کئے جائین تو مضمون کا اثر اور وسعت کم ہو جاتی ہے، مثلاً کعبہ کو حرم بھی کہتے ہین لیکن کعبہ کے لفظ سے ایک خاص عمارت مفہوم ہوتی ہے، بخلاف اسکے حرم کے لفظ مین متعدد مفہوم شامل ہین، عمارت خاص، یہ خیال کہ وہ ایک محترم جگہ ہے، یہ خیال کہ وہان قتل و قصاص ناجائز ہے، یہ خیالات اس بنا پر ہین کہ حرم کے لغوی معنی یہی تھے اسی مناسبت سے اُس عمارت کا یہ نام پڑا، اور اب گو یہ لفظ علم بن گیا ہے تاہم لغوی

معنی کی جھلک ابتک موجود ہی اس بناپر حرم کا لفظ جن موقعون پر جو اثر پیدا کرسکتا ہے کعبہ کا لفظ نہین پیدا کرسکتا، خاندان نبوت کو بھی حرم کہتے ہین اور وہان بھی عزت اور حرمت کی خصوصیت ملحوظ ہے،

ان باتون کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوگا کہ ذیل کے شعر مین حرم کا لفظ کیا اثر پیدا کرتا ہے اور اگر یہ لفظ بدلجائے تو شعر کا درجہ کیا رہ جائے گا،

از صاحب حرم چہ توقع کنند باز | آن ناکسان کہ دست بر اہل حرم زنند

یہ شعر اہل بیت کی شان مین ہے اور اس موقع کی طرف اشارہ ہی جبکہ یزید کی فوج نے اہل بیت کے خیمون مین گھسکر انکے زیور اور کپڑے لوٹنے شروع کئے ہین شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہل بیت پر ہاتھ ڈالتے ہین انکو صاحب حرم یعنی خدا سے مغفرت کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

فصیح اور مانوس الفاظ کا انتخاب

شاعر کے لئے نہایت ضرور ہے کہ فصیح اور مانوس الفاظ کا تفحص کرے اور کوشش کرے کہ کوئی لفظ فصاحت کے خلاف نہ آنے پائے فصاحت کی تعریف اگرچہ اہل فن نے منطقی طور پر جنس و فصل کے ذریعہ سے کی ہے، یعنی حرفون مین تنافر نہو، لفظ نادر الاستعمال نہو، قیاس لغوی کے مخالف نہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فصاحت کا معیار صرف ذوق اور وجدان صحیح ہے، ممکن ہے کہ ایک لفظ مین تنافر حروف، ندرت استعمال، مخالفت قیاس کچھ نہو، باوجود اسکے وہ فصیح نہو، یہ بھی ممکن ہی کہ ایک لفظ بالکل نادر الاستعمال ہو اور پھر فصیح ہو، زبان کے الفاظ جو کبھی ہم نے استعمال

نہین کئے گئے بلکہ ہمارے کانون مین نہین پڑے تھے، اوّل اوّل جب ہم سنتے ہین تو انمین سے بعض ہمکو فصیح معلوم ہوتے ہین، اور بعض نامانوس اور مکروہ، حالانکہ ندرت استعمال مین دونون برابر ہین،

ایک نکتہ خاص طور پر یہان لحاظ رکھنے کے قابل ہے، اکثر الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ اُن مین ثقل ہوتا ہے لیکن ابتدائی زمانہ مین جب لوگون کا احساس نازک نہین ہوتا تو انکا ثقل محسوس نہین ہوتا کثرت استعمال اس ثقل کو اور کم کردیتی ہے لیکن بالآخر جب احساس نازک ہوجاتا ہے تو وہ الفاظ صاف کھٹکنے لگتے ہین اور رفتہ رفتہ متروک ہوجاتے ہین، لیکن نکتہ دان اور لطیف المذاق شاعر فتویٰ عام سے پہلے اس قسم کے الفاظ ترک کردیتا ہے، اور اسکا چھوڑنا گویا ان الفاظ کے متروک کرنے کا اعلان ہوتا ہے، یہی شعرا ہین جنکی شاعری زبان کا آئین اور قانون بنجاتی ہے، اسکی مثال اردو مین شیخ امام بخش ناسخ ہین بہت سے بدمزہ اور ناگوار الفاظ مثلاً "آئے ہے" "جائے ہے" "کہوے ہے"، یا اردو الفاظ کی فارسی جمعین مثلاً "خوبان" وغیرہ وغیرہ الفاظ ناسخ کے زمانہ مین عموماً مروج تھے اور اور تمام شعرائے دہلی اور لکھنؤ انکو برتتے تھے، لیکن ناسخ کے مذاق صحیح نے برسون کے بعد آنے والی حالت کا پہلے اندازہ کرلیا اور یہ تمام الفاظ ترک کردئے جو بالآخر دلی والون کو بھی ترک کرنے پڑے، خواجہ حافظ نے معلوم نہین کے سو برس کے آیندہ احساسات کا اندازہ کرلیا تھا کہ آج تک انکی زبان کا ایک لفظ متروک نہین ہوا،

غرض یہ ہے کہ شاعر جسطرح مضامین کی جستجو مین رہتا ہے، اسکو ہر وقت الفاظ کی

جانچ پڑتال، اور ناپ تول مین بھی مصروف رہنا چاہئے اسکو نہایت دقت نظر سے دیکھنا چاہئے
کہ کون سے الفاظ مین وہ مخفی اور دور از نگاہ ناگواری موجود ہے جو آیندہ چلکر سب کو
محسوس ہونے لگے گی۔

یہ بات بھی بتا دینے کے قابل ہے کہ بعض الفاظ گو فی نفسہ ثقیل ہوتے ہین لیکن
گرد و پیش کے الفاظ کا تناسب اُنکے ثقل کو مٹا دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے، اسلئے شاعر کو
مجموعی حالت پر نظر رکھنی چاہئے، اگر معنی کے لحاظ سے اس قسم کا لفظ اسکو کسی موقع پر مجبوراً
استعمال کرنا ہے تو کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے موقع پر اسکے لئے جگہ ڈھونڈھے کہ یہ
عیب جاتا رہے یا کم ہو جائے۔

سادگی ادا | سادگی ادا کے یہ معنی ہین کہ جو مضمون شعر مین ادا کیا گیا ہے، بے تکلف سمجھ
مین آجائے، یہ بات اسباب ذیل سے حاصل ہوتی ہے،
۱۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جملون کے اجزا کی وہ ترتیب قائم رکھی جائے جو عموماً اصلی حالت
مین ہوتی ہے، وزن اور بحر و قافیہ کی ضرورت سے اجزائے کلام اپنی اپنی مقررہ جگہ
سے زیادہ نہ ہٹنے پائین،
۲۔ مضمون کے جسقدر اجزا ہین ان کا کوئی جزو رہ نہ جائے جسکی وجہ سے یہ معلوم ہو کہ
بیچ مین خلو رہ گیا ہے جس طرح زینہ سے کوئی پایہ الگ کر لیا جاتا ہے، مثلاً انوری کا یہ شعر،

تا خاک کف پائے ترا نقش نہ بستند اسباب تپ لرزہ ندادند قسم را

اس شعر کا مطلب سمجھنا امور ذیل کے ذہن نشین کرنے پر موقوف ہے، جھوٹی قسم

کہانے سے تپ لرزہ آجاتا ہی، ممدوح کے خاکِ پاک لوگ قسم کہاتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ قسم مین جو تاثیر رکھی گئی ہی کہ کوئی جھوٹی قسم کہائیگا تو اسکو تپ چڑھ آئیگی یہ بات اسوقت سے ہوئی ہے جب سے ممدوح کے کفِ پا کا نقش زمین پر بنا، اب اگر کوئی شخص ممدوح کے کفِ پا کی قسم جھوٹ کہاتا ہی تو اسکو لرزہ چڑھ آتا ہے، ورنہ پہلے جھوٹ قسم کہانے سے کچھ نقصان نہین ہوتا تھا۔

اس مضمون مین یہ جزا کہ "جھوٹی قسم سے تپ آجاتی ہے" مذکور نہین نہ اسقدر یہ مشہور ہے کہ تپ کے ذکر سے اسکا خیال آجائے، اکثر اشعار مین جو تعقید اور پیچیدگی رہ جاتی ہی اسکی یہی وجہ ہوتی ہی کہ مضمون کا کوئی ضروری جزو چھوٹ جاتا ہے۔

اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اکثر موقعون پر بعض اجزائے مضامین کا چھوڑ خاص لطف پیدا کرتا ہے یہ وہ موقع ہوتے ہین جہان سننے والون کا ذہن خود بخود اس جزو کیطرف منتقل ہوسکتا ہے مثلاً یہ شعر۔

سخت شرمائے ہین اتنا نہ سمجھتا تھا انھین   چھیڑنا تھا تو کوئی شکوہ بجا کرتا

شعر کا مطلب یہ ہی کہ مین معشوق کو بھولا بھالا سمجھتا تھا اس لئے مین نے اسکو چھیڑنا چاہا تو سچی شکایتین کین کہ وہ اس سے ناراض یا شرمندہ نہ ہوگا لیکن وہ سمجھ گیا اور بہت شرمایا اب مجھکو افسوس ہے فقط چھیڑنا مقصود تھا اس لئے جھوٹی شکایت کرنی چاہئے تھی کہ وہ شرمندہ بھی نہوتا اور چھیڑ چھاڑ کا لطف بھی قائم رہتا، اس مضمون مین سے یہ حصے کہ مین نے "ان کو چھیڑا" اور "سچی شکایتین کین" چھوڑ دئے گئے ہین لیکن مضمون کے بقیہ حصے انکو

پورا کر دیتے ہین، یہ شاعری کا ایک خاص نازک پہلو ہے اور مرزا غالب کا یہ خاص انداز ہے

۳- استعارے اور تشبیہین دوراز فہم ہون، اسکی تفصیل استعارہ اور تشبیہہ کی بحث مین آے گی۔

۴- اکثر اشعار مین قصہ طلب حوالے ہوتے ہین اور اکثر شاعرانہ مضامین کی بنیاد قائم ہوتی ہے انکو تلمیحات کہتے ہین، یہ تلمیحات ایسی نہین ہونی چاہئین جو کسی کو معلوم نہون، خاقانی کی تمامتر شاعری اسی قسم کی غیر متعارف تلمیحات پر مبنی ہے اور اسیوجہ سے اُسکے اکثر اشعار لوگون کے سمجھ مین نہین آتے، مثلاً

پرویز د ترنج زر، کسرے و ترہ زرین، زرین ترہ کو برخوان، رُدکم ترکوا برخوان

پرویز کا ترنج زر تو خیر لوگون کو معلوم بھی ہوگا لیکن کسرے کے ترہ زرین کو کون جانتا ہے، اور کم ترکوا کی طرف تو بجز نہایت جید حافظ کے جو عالم بھی ہو کسی کا خیال بھی نہین منتقل ہو سکتا۔

۵- سادگی ادا مین اس بات کو بہت دخل ہے کہ روزمرّہ اور بول چال کا زیادہ لحاظ رکھا جاے، روزمرہ چونکہ عام زبانون پر چڑھا ہوتا ہے، اسلئے ایک لفظ ادا ہونے کے ساتھ فوراً پورا جملہ ذہن مین آجاتا ہے اور اسکے سہارے سے مشکل سے مشکل مضمون کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے، بڑے بڑے نامور شعرا کا اصلی کمال یہی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ خیال، روزمرّہ اور بول چال مین اس طرح ادا کرتے ہین کہ گویا معمولی بات ہے، مثلاً حضرات صوفیہ کے ہان، منازلِ سلوک مین بعض مرحلے مثلاً توکّل، رضا، ترک خودی دشوار

گذارہین۔

داغ نے اس مسئلہ کو کس سادگی سے ادا کیا ہے،

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے — اس مین دو چار بہت سخت مقام آتے ہین

یہان شاید کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ سادگی کوئی عام چیز نہین قرار پا سکتی عوام کے لیے معمولی خیالات بھی عسیر الفہم ہین اور خواص مشکل مضامین کو بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہین لیکن یہ خیال صحیح نہین، سادگی یہی ہے کہ عام وخاص دونون بے تکلف سمجھ سکین، فرق جو ہو گا یہ ہو گا کہ عام آدمی شعر کا ظاہری اور سرسری مطلب سمجھ لین گے لیکن خواص کی نظر اسکے نکات، لطائف اور دقائق تک پہونچے گی اور اُن پر شعر کا اثر عوام سے زیادہ ہو گا، مثلاً یہ شعر

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم — اے بے خبر ز لذت شراب مدام ما

اسکا مطلب ہر خاص وعام سمجھ سکتا ہے، البتہ اس مین تصوف کا جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ خاص ارباب حال کے سمجھنے کی چیز ہے۔

شاعری کی بڑی خوبی جدت ادا ہے، جدت ادا مین بات کو خواہ مخواہ کسی قدر معمولی پیرایہ سے بدلکر اور اصلی راستہ سے ہٹ کر بیان کرنا ہوتا ہے اسلیے شاعر کو اس موقع پر سخت مشکل کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت مین سادگی ادا کو قائم رکھنا گویا اجتماع النقیضین ہوتا ہے لیکن حقیقت مین شاعری کے کمال کا یہی موقع ہے اسکی یہ صورت ہے کہ جدت کے سوا، سادگی کی اور تمام باتین موجود

ہون یعنی الفاظ سہل ہون، تشبیہات قریب الفہم ہون، ترکیب مین پیچیدگی نہو، روزمرہ اور محاورہ موجود ہو، ان سب باتون کے ساتھ جدت ادا مین اعتدال سے تجاوز نکیا جائے، اس صورت مین جدت کی وجہ سے سادگی مین کسی قدر فرق پیدا ہوگا، تو اور باتین اسکی تلافی کر دینگی۔

جملون کے اجزا کی ترکیب یہ شعر کی خوبی کا بڑا ضروری جزو ہے، ہر زبان مین الفاظ کے تقدم و تاخر کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ اس سے تجاوز جائز نہین جب اسی ترتیب سے یہ اجزا کلام مین آتے ہین تو مضمون بے تکلف سمجھ مین آجاتا ہے جب یہ اجزا اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جاتے ہین تو مطلب مین پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور جسقدر یہ تبدیلی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر کلام پیچیدہ ہوتا جاتا ہے لیکن شعر مین وزن اور بحر اور قافیہ کی ضرورت سے، اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تاہم شاعر کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جہان تک ممکن ہو وہ کل کے پرزون کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے اور کم سے کم یہ زیادہ نہ ہٹ جانے پائین جسقدر یہ وصف شاعر کے کلام مین زیادہ ہوگا اسیقدر شعر مین زیادہ روانی اور سلاست ہوگی، یہی وصف ہے جس نے سعدی کے کلام کو تمام شعرا سے ممتاز کر دیا ہے ان کے متعدد اشعار ایسے ہین کہ انکو نثر کرنا چاہین تو نہین کر سکتے کیونکہ ان مین جملہ کے اجزا کی وہی ترتیب ہے جو نثر مین ہو سکتی ہے اور ایسے تو بہت ہین جنکی نظم و نثر مین خفیف سا فرق ہے۔

مثلاً

خط سبز ولب لعلت بچہ ماند بدانی	من بگویم بلب چشمۂ حیوان ماند
چکنہ کشتہ عشقت کہ نگوید غم دل	تو پسند ار کہ خون ریزی پنہان ماند
اے تماشا گاہ عالم روئے تو	تو کجا بہر تماشا مے روی
بسیار خلاف وعدہ کردی	آخر بہ غلط یکے وفا کن،

برخیز و در سرائے بربند

بنشین و قبائے بستہ واکن

واقعیت فن ادب کا یہ ایک معرکۃ الآرا اور مغالطہ انگیز مسئلہ ہے، ایک فریق کا خیال ہے کہ واقعیت، شعر کی ضروری شرط ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ محاسن شعری مین مبالغہ بھی ہے، اور ظاہر ہے کہ مبالغہ اور واقعیت، متناقض چیزین ہین، یہ مسئلہ مدت سے زیر بحث ہی اور فیصلہ اسوجہ سے نہین ہوتا کہ ہر فریق صرف اپنے دلائل پیش کرتا ہے اور مخالف کا استدلال ڈہنڈ لاکر کے دکہاتا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ دونون طرف کے دلائل پورے زور کے ساتھ بیان کرکے انصافاً فیصلہ کیا جائے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے کہ فریق برسرغلط کو جو غلطی پیدا ہوئی ہے اسکے اسباب کیا ہین؟

مبالغہ کا طرفدار کہتا ہے کہ ائمہ شعر نے تصریح کی ہے کہ کذب اور مبالغہ شاعری کا زیور ہے نابغہ ذبیانی سے لوگون نے پوچھا کہ اشعر الناس کون ہی؟ اُسنے کہا، من استجید کذبہ۔ یعنی "جسکا جھوٹ پسندیدہ ہو"[1]

[1] کتاب العمدہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰ جلد دوم

نظامی فرماتے ہین۔

در شعر مپیچ و در فنِ او، چون اکذب اوست احسنِ او۔

تمام بڑے بڑے شعرا جن کی شاعری مسلمۂ عام ہی ان کے کلام مین عموماً مبالغہ اور غلو موجود رہے اسکے علاوہ اکثر وہی اشعار کارنامۂ شاعری خیال کئے جاتے ہین جن مین کذب اور مبالغہ ہے، مثلاً فردوسی کے یہ اشعار،

فرو شد بماہی و بر شد بماہ بُن نیزہ و قبۂ بارگاہ

زبس گرد میدان کہ بر شد بہ دشت زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

یکے خیمۂ داشت افراسیاب زمشرق بہ مغرب تنیدہ طناب

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض ایمۂ فن نے کذب اور مبالغہ کو حسن شاعری قرار دیا ہے لیکن زیادہ تر ائمۂ فن اسکے مخالف ہین۔

حسّان بن ثابت کہتے ہین۔

وان اشعر بیت انت قائلہ بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

اچھا شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ بول اُٹھین کہ سچ کہا۔

ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین اساتذہ کے بہت سے اقوال اسکے موافق نقل کئے ہین۔

جو شعرا بلاغت کے نکتہ شناس ہین، وہ زورِ طبیعت کی وجہ سے مبالغہ کرنا چاہتے ہین تو ساتھ ہی کوئی شرط لگا دیتے ہین جس سے مبالغہ نہین رہتا، مثلاً بحتری نے متوکل کی

مدح مین ایک نہایت پرزور قصیدہ لکھا ہے جس مین متوکل کے نماز عید مین جانے کا ذکر کیا ہے اس قصیدہ کا مشہور شعر یہ ہے۔

فلو ان مشتاقاً تکلف فوق ما   فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر "کوئی شخص اپنے امکان سے زیادہ کام کرسکتا تو اے ممدوح، منبر تیری طرف بڑھکر چلا آتا" چونکہ منبر کا حرکت کرنا محال بات تھی اسلئے شاعر نے قید لگادی کہ "اگر ایسا ممکن ہوتا تو یہ ہوتا" یہان ایک خاص نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے، شاعری اور انشاپردازی تمدن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے یعنی جس قسم کا تمدن ہوتا ہی اسی قسم کی شاعری بھی ہوتی ہے، قوم کی ابتدائی ترقی کا جو زمانہ ہوتا ہے اسوقت شاعرانہ خیالات سادہ ہوتے ہین، جب ترقی کرتی ہے اور تمام شریفانہ جذبات مشتعل ہوجاتے ہین، تو گو شاعری مین جوش اور زور پیدا ہوجاتا ہے لیکن اب بھی سچائی اور راستی کے مرکز سے نہین ہٹتی، کیونکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب قوم ہمہ تن عمل ہوتی ہے، اسکے بعد جب عیش اور ناز و نعمت کی نوبت آتی ہے تو ہر ہر بات مین تکلف، ساخت، اور آورد پیدا ہوجاتی ہے یہی زمانہ ہے جب شاعری مین مبالغہ شروع ہوتا ہے، اسیکا نتیجہ ہے کہ قدماے اولین کے کلام مین بالکل مبالغہ نہین، جب عباسیہ کا دور آیا اور عیش پرستی کی ہوا چلی تو مبالغہ کا زور ہوا۔

اس تقریر سے یہ غرض ہے کہ جن شعرا کے کلام سے مبالغہ کی خوبی پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی نسبت یہ دیکھو کہ وہ کس زمانہ کے ہین؟ اگر متاخرین مین ہین

تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ تمدن کی خرابی ہے جسکا اثر مذاق پر بھی پڑا ہے کہ لوگ مبالغہ کو پسند کر رہے ہین ؟ اسلیئے نہ شاعر سند کے قابل ہے نہ پسند کرنے والون کے مذاق سے استدلال ہو سکتا ہے، بلکہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تمدن کی خرابی نے شاعر اور سامعین، دونونکے مذاق کو خراب کر دیا ہے۔

جن لوگون نے کذب و مبالغہ کو شعر کا زیور قرار دیا ہے، ان کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ کذب و مبالغہ مین تخئیل کا استعمال کرنا پڑتا ہے، مثلاً اگر گھوڑے کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ ایک منٹ مین ایک کرور کوس طے کر لیتا ہے، تو شعر بالکل بے مزہ اور مہمل ہوگا، اسلیئے جب کوئی شاعر اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہے گا تو ضرور ہے کہ تخئیل سے کام لے مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو | پھینک دے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر | ق | عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پائے منفک

اس سے ظاہر ہوگا کہ مبالغہ مین اگر کوئی حسن پیدا ہوتا ہے تو تخئیل کی بنا پر ہوتا ہے، نہ اسلیئے کہ وہ جھوٹ اور مبالغہ ہے، بعض مبالغون مین تخئیل کی بجائے اور کوئی شاعرانہ حسن ہوتا ہے،

مثلاً کمزوری اور لاغری کے مبالغہ مین یہ شعر۔

تنم از ضعف چنان شد کہ اجل جست و نیافت | نالہ ہر چند نشان داد کہ در پیرہن است

یعنی "میرا جسم ایسا گھل گیا کہ موت نے آکر بہت ڈھونڈھا لیکن نہ پایا، جو دیکھ

نالہ نے پتہ بھی دیا کہ پیراہن مین ہے" اس شعر مین مبالغہ نے حسن نہین پیدا کیا ہے بلکہ حسنِ ادا کی خوبی ہے، اس بات کو کہ نالہ سے جسم کا وجود معلوم ہو سکتا تھا، یون ادا کیا ہے کہ گویا نالہ کوئی جاندار چیز ہے اور اسی نے پتہ بتایا،

غرض جب زیادہ غور اور کاوش کروگے تو معلوم ہوگا کہ مبالغہ کے جسقدر اشعار مقبول ہین، ان مین مبالغہ کے سوا اور خوبیان ہین اور دراصل یہ انہی کا اثر ہے.

اس بحث مین ایک بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ شاعری کے مختلف انواع اور ان کی خصوصیات کا لحاظ نہین کیا جاتا، شعر کی دو قسمین ہین تخئیلی اور غیر تخئیلی تخئیل مین واقعہ سے غرض نہین ہوتی بلکہ زیادہ تر یہ مطمح نظر ہوتا ہے کہ قوت تخئیل کسقدر پرزور اور وسیع ہے، اس بناپر اس قسم کی شاعری مین مبالغہ سے کام لیا جائے تو بدنما نہین، لیکن وہان بھی سامعین کی طبیعت پر استعجاب کا جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ مبالغہ کی وجہ سے نہین بلکہ قوت تخئیل کی بناپر ہوتا ہے، لیکن اور اقسام شاعری مثلاً فلسفیانہ، اخلاقی، تاریخی، عشقیہ، نیچرل، ان مین مبالغہ بالکل لغو چیز ہے، اسلئے اگر شعر مین مبالغہ جائز بھی ہو، تو صرف شعر کی ایک خاص نوع (تخئیل) مین ہوگا، اس سے عام خوبی نہین ثابت ہو سکتی۔

شاعری سے اگر صرف تفریح خاطر مقصود ہو تو مبالغہ کام آسکتا ہے لیکن وہ شاعری جو ایک طاقت ہے، جو قومون کو زیر و زبر کر سکتی ہے، جو ملک مین ہل چل ڈال سکتی ہے، جس سے عرب قبائل مین آگ لگادیتے تھے، جس سے نوحہ کیوقت

در و دیوار سے آنسو نکل پڑتے تھے، وہ واقعیت اور اصلیت سے خالی ہو تو کچھ کام نہین کر سکتی
تم نے تاریخ مین پڑہا ہوگا کہ جاہلیتہ مین، ایک شعر ایک معمولی آدمی کو تمام عرب مین روشناس
کر دیتا تہا، بخلاف اسکے ایران کے شعرا نے جن ممدوحون کی تعریف مین دفتر کے دفتر
سیاہ کر دیئے، ان کا نام بھی کوئی نہین جانتا، اسکی یہی وجہ ہے کہ شعراے جاہلیت،
کے کلام مین واقعیت ہوتی تھی اسلیے اسکا واقعی اثر ہوتا تہا، ایرانی شعرا باتون کے
طوطے مینا بناتے تھے جس سے دم بھر کی تفریح ہو سکتی تھی، باقی ہیچ۔

یہ اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب شعر مین واقعیت ہو، ورنہ خالی باتون کی
شعبدہ کاری سے کیا ہو سکتا ہی، عرب کی شاعری مین جو یہ اثر تہا کہ قبیلہ کے قبیلہ مین
ایک شعر آگ لگا دیتا تہا اسی وقت تک تہا جبتک شاعری مین واقعیت تھی کہ جو
کچھ کہتے تھے سراسر سچ ہوتا تہا، جب عباسیہ کے دور مین مبالغہ شروع ہو گیا تو شاعری
ایک بانگ بے اثر رہ گئی، شعرا دیوان کے دیوان لکھ ڈالتے تھے اور کوئی خبر
نہین ہوتا تہا۔

یہ ضرور نہین کہ شعر مین جو کچھ کہا جائے وہ سرتاپا واقعیت ہو بلکہ غرض یہ ہے
کہ اصلیت کے اثر سے خالی نہ ہو، مثلاً ایک واقعہ واقع مین نہین ہوا لیکن شاعر کو
اسکا پورا یقین ہے یہ واقعہ شعر مین ادا ہوگا تو اثر سے خالی نہ ہوگا۔

میر انیس کہتے ہین۔

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا — لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

اس شعر مین بظاہر مبالغہ ہے، کسی انسان کے حملہ سے زمین اپنی جگہ سے نہین ہل سکتی لیکن جب یہ تصور کیا جائے کہ یہ کلام کسکی زبان سے نکلا ہے تو کلام مین واقعیت کا اثر آجاتا ہے اور پھر مبالغہ نہین رہتا، دوسری صورت واقعیت کی یہ ہے کہ گو وہ واقعہ جسکی طرف منسوب کیا گیا ہے اُسکی طرف یہ نسبت صحیح نہین لیکن فی نفسہ واقعہ ممکن ہے اور پایا جاسکتا ہی، اس صورت مین شعر کا اثر باطل نہین ہوتا۔

عرفی نے خوب کہا۔

سنکر نتوان گشت اگر دم زنم از عشق ۔۔۔ این نشہ بہ من گر نبود باد گرے ہست

"یعنی مین اگر عشق کا دعوے کرون تو انکار نہین کرنا چاہئے، یہ نشہ مجھ مین نہی کسی نہ کسی مین تو ہے" عشقیہ اشعار مین مبالغے اسلئے چندان بدنما معلوم نہین ہوتے کہ شاعر مین گو وہ باتین نہ ہون لیکن عشق و محبت کے جوش مین اس قسم کے واقعات ناممکن نہین

شعر مین مبالغہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہوا کہ شاعر کا احساس، عام لوگونکی بہ نسبت زیادہ قوی اور مشتعل ہوتا ہی، اسلئے ہر واقعہ اسپر اورون کی بہ نسبت زیادہ اثر کرتا ہے، شاعر اسی اثر کو ادا کرتا ہے لیکن چونکہ عام لوگ اس درجہ کا احساس نہین رکھتے، ان کو وہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور اب جو لوگ دراصل شاعر نہین ہین اور شاعر بننا چاہتے ہین، وہ بہ تکلف مبالغہ شروع کرتے ہین، اور اصلی حد سے نکل جاتے ہین،

قدما اسی جائز حد تک مبالغہ کرتے تھے لیکن متاخرین نے جو دراصل فطرۃً شاعر نہ تھے بہ قصد و ارادہ اپنے احساس کو قوی تر بنانا چاہا اور چونکہ اسکا انکو خود تجربہ نہ تھا اسلئے کہین سے کہین نکل گئے یہان تک کہ جسقدر زیادہ ناممکن بات کا اظہار کیا جائے اسیقدر مبالغہ کا حسن سمجھا جانے لگا۔

کلام کے لئے واقعیت ایسی ضروری چیز ہے کہ بلاغت کے بہت سے اسالیب مین صرف اسی وجہ سے حُسن اور اثر پیدا ہوتا ہی کہ اسمین واقعیت کا پہلو ہوتا ہے مثلاً وہ موقع جہان شاعر، کسی بات کو شک اور اشتباہ کے طور پر بیان کرتا ہے، مثلاً

دارد جمال روئے تو امشب تماشائی دگر — یا آن کہ من مے بینمش بہتر زشبہائی دگر

یعنی ,,معشوق کے چہرہ مین آج زیادہ جلوہ گری ہو، یا یہ کہ مجھی کو ایسا نظر آتا ہی،، اس شعر مین تعریف کا اقتضا یہ تہا کہ شاعر قطعی طور سے دعوے کرتا کہ معشوق کا حُسن بڑھ گیا ہی لیکن سنے شک ظاہر کیا اور کہا کہ یا تو حسن مین ترقی ہوئی، یا فی نفسہٖ ترقی نہین ہوئی لیکن مجھ پر خاص اثر ہی، چونکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہی، اور اسلئے اس مین واقعیت کا زیادہ پہلو ہے، اسلئے یہ طرز ادا زیادہ پرلطف معلوم ہوتا ہے، یا مثلاً

یا مگر کاوش آن نشتر مژگان کم شد — یا کہ خود زخم مرا لذتِ آزار نماند

یا مثلاً جہان کسی چیز کو کچھ گہٹا کر بیان کیا جاتا ہے وہان ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے یہ اسی واقعیت کا اثر ہے، مثلاً

پاس ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر — مین کیا کہون کہ چرخ برین کتنی دور تہا

غرض شعر اُسوقت تک کچھ اثر نہین پیدا کر سکتا جبتک اس مین واقعیت نہو، عرب
مین شاعری کا اوج شباب جاہلیت کا زمانہ خیال کیا جاتا ہی، اس زمانہ مین شعرا جو کچھ
کہتے تھے سرتاپا واقعہ ہوتا تھا، میدان جنگ سے شاعر اگر بھاگ آیا ہی تو اُسکو بھی ظاہر کر
تھا ایک جُہنی شاعر نے اپنا اور دشمنون کا معرکہ لکھا ہے، چونکہ لڑائی برابر رہی تھی، اس
ایک ایک بات مین مساوات کا پلہ برابر رکھا ہی، یہان تک کہ کہتا ہی۔

فآبوا بالرماح مکسّرات — وہ لوگ ٹوٹے ہوئے نیزون کے ساتھ واپس

واُبنا بالسیوف قد انحنینا — اور ہم پلٹے تو ہماری تلوارین خم ہو گئی تھین

کسی رئیس یا بادشاہ کی تعریف کرتے تھے، تو واقعیت سے تجاوز نہین کرتے تھے
سلامتہ بن جندل سے ایک رئیس نے کہا کہ "میری مدح لکھو"، چونکہ اسمین کوئی وصف
کے قابل نہ تھا، شاعر نے انکار کیا اور کہا افعل حتی اقول، تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہو
تخئیل مین بظاہر واقعیت کی ضرورت نہین معلوم ہوتی لیکن درحقیقت تخئیل بھی
اسیوقت پُرلطف اور پراثر ہوتی ہے جب اس کی تہ مین واقعیت ہو، مثلاً یہ شعر

کے بہ ہر نامحرمے، چاک جگر خواہم نمود — منکہ زخمت را نہان از چشم سوزن داشتم

شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے معشوق! مین نامحرم کو اپنے جگر کا چاک بھلا کیونکر دکھا سک
ہون مین نے تو تیرے زخمون کو سوئی کی آنکھون سے بھی چھپا رکھا ہے۔

اس شعر مین سوئی کو ایک جاندار چیز قرار دینا اور اس سے زخم کا چھپانا تخئیل
لیکن مضمون کی اصلی بنیاد واقعیت پر مبنی ہی اصل مضمون یہ ہے کہ مین عام آدمیون

سامنے معشوق کے گلے نہین کرتا، بلکہ اپنے خاص ہمدرد لوگون سے بھی اپنے راز کو چھپاتا ہون

شعر کیون اثر کرتا ہی۔ یہ امر بدیہی ہی کہ شعر ایک مؤثر چیز ہے لیکن یہ بحث طلب ہی کہ اس اثر کا اصلی سبب کیا ہی؟ ارسطو نے کتاب الشعر مین اسکی جو وجہ لکھی ہی اسکا حاصل یہ ہے۔

"انسان مین نقالی اور محاکات کا فطری مادہ ہی جانور وںمین یا تو یہ مادہ مطلق نہین ہوتا، یا ہوتا ہی تو کم ہوتا ہی، مثلاً طوطی صرف آواز کی نقالی کرسکتا ہی، حرکات، سکنات کی نقل نہین کرسکتا، بندر حرکات، سکنات کی نقل اُتارتا ہی لیکن آواز سے کام نہین لے سکتا بخلاف اسکے انسان آواز سے، اشارہ سے، حرکات سے، سکنات سے، اور اور مختلف طریقون سے ہر چیز کی نقل اتار سکتا ہے" "دوسرے یہ بھی انسان کی فطرت ہی کہ اسکو محاکات سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہی، فرض کرو اگر ایک بدصورت جانور کی ہو بہو تصویر کھینچی جائے تو ہر شخص کو لطف آئیگا حالانکہ خود اس جانور کے دیکھنے سے طبیعت مکدر ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کی محاکات خود لطف انگیز ہے، فی نفسہ وہ شے بری ہو یا بھلی اور چونکہ شعر بھی ایک قسم کی نقالی اور مصوری ہی اسلئے خواہ مخواہ اس سے طبیعت پر اثر پڑتا ہی۔

"دوسری وجہ یہ ہی کہ موسیقی اور راگ بالطبع مؤثر چیز ہے اور شعر مین موسیقی کا جزء شامل ہی اسلئے جس شعر مین زیادہ موسیقیت ہوتی ہی زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

ارسطو نے جو وجوہ بیان کئے، گو بجائے خود صحیح ہین، لیکن شعر کی تاثیر انہی باتون پر موقوف نہین، شعر مین اور بھی بہت سی باتین ہین جنکی وجہ سے وہ دلونکو متاثر کرتا ہی، اس مضمون کے دلنشین ہونے کیلئے پہلے یہ نکتہ سمجھنا چاہیے کہ انسانی معاشرت کی کل فلسفہ اور

سائنس سے نہین بلکہ جذبات سے چل رہی ہی، فرض کرو ایک بڈھے شخص کا بیٹا مر گیا ہی اور لاش سامنے پڑی ہی، یہ شخص اگر سائنس سے رائے لے تو یہ جواب ملیگا کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے جنکی وجہ سے دوران خون، یا دل کی حرکت بند ہو گئی، اسیکا دوسرا نام مرنا ہی یہ ایک مکانک واقعہ ہے جو ناگزیر وقوع مین آیا، اور چونکہ دوبارہ زندہ ہونے کی کوئی تدبیر نہین اسلئے رونا دھونا بیکار بلکہ ایک حماقت کا کام ہی، لیکن کیا تمام عالم مین ایک شخص کا بھی اسپر عمل ہی؟ کیا خود سائنس دان اس اصول سے کام لے سکتا ہے؟ بچون کا پیار، مان کی مامتا، محبت کا جوش، غم کا ہنگامہ موت کا رنج، ولادت کی خوشی، کیا ان چیزونکو سائنس سے کوئی تعلق ہی؟ لیکن یہ چیزین اگر مٹ جائین، تو دفعتہً سناٹا چھا جائیگا اور دنیا قالب بیجان، شراب بے کیف، گل بیرنگ، گوہر بے آب ہو کر رہ جائیگی، دنیا کی چہل پہل، رنگینی، دلاویزی، دلفریبی، سائنس کیوجہ سے نہین بلکہ انسانی جذبات کیوجہ سے ہی جو عقل کی حکومت سے قریبًا آزاد ہے۔

شاعری کو جذبات ہی سے تعلق ہے اسلئے تاثیر اسکا عنصر ہی، شاعری ہر قسم کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہی اسلئے رنج، خوشی، جوش، استعجاب، حیرت مین جو اثر ہے شعر مین بھی وہی اثر ہوتا ہی، مصوّرانہ شاعری اسلئے دل پہ اثر کرتی ہی کہ جو مناظر اثر انگیز ہین، شاعری ان کو پیش نظر کر دیتی ہے۔

باد سحر کے جھونکے، آب روان کی رفتار، پھولونکی شگفتگی، غنچون کا تبسم، سبزہ کی لہلہاہٹ خوشبوونکی لپٹ، بادل کی بہار، بجلی کی چمک، یہ منظر آنکھ کے سامنے ہو تو دلپر وجد کی کیفیت طاری ہو جائیگی، شاعری ان مناظر کو بعینہٖ پیش کر دیتی ہی اسلئے اسکی تاثیر سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے

شاعری، صرف محسوسات کی تصویر نہین کھینچتی، بلکہ جذبات اور احساسات کو بھی پیش نظر کر دیتی ہی، اکثر ہم خود اپنے نازک، اور پوشیدہ جذبات سے واقف نہین ہوتے یا ہوتے ہین تو صرف ایک دھندلا دھندلا سا نقش نظر آتا ہی، شاعری، ان پس پردہ چیزونکو پیش نظر کر دیتی ہے، دھندلی چیزین چمک اٹھتی ہین، مٹا ہوا نقش اُجاگر ہو جاتا ہی، کھوئی ہوئی جذبات آجاتی ہے، خود ہماری روحانی تصویر، جو کسی آئینہ کے ذریعہ سے ہم نہین دیکھ سکتے، شعر ہمکو دکھا دیتا ہے۔

دنیا کا کاروبار جسطرح چل رہا ہی اسکا اصلی فلسفہ، خود غرضی اور اُصولِ معاوضہ ہے، اور جب اسکو زیادہ وسعت دیجاے، تو ہمارے تمام اعمال اور افعال، ایک سلسلہ داد وستد بنجاتے ہین، بچونکی محبت اور پرداخت اسلیے ہے کہ وہ آیندہ چلکر ہمارے کام آئینگے باپ کی اطاعت، اسکے پچھلے احسانات، کا معاوضہ ہی، مہمان نوازی اس اصول پر ہے کہ ہمکو بھی کبھی مہمان ہونے کی ضرورت پیش آئیگی، قومی کام اسلیے کیے جاتی ہین کہ واسطہ در واسطہ خود کرنے والے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اس فلسفہ سے بے شبہ عمل کی قوت بڑھ جاتی ہی تجارت کو ترقی ہوتی ہے کاروبار وسیع ہو جاتے ہین، دولت کی بہتات ہو جاتی ہے لیکن تمام جذبات مر جاتے ہین دل مردہ ہو جاتا ہے، لطیف اور نازک احساسات فنا ہو جاتے ہین عشق و محبت برباد ہو جاتے ہین، اور تمام دنیا ایک بےحس کل بن جاتی ہے، جو خود غرضی کی قوت سے چل رہی ہی، اس حالت مین شعر شریفانہ جذبات کو تر و تازہ کرتا ہے وہ محسوسات کے

دائرہ سے نکال کر ہمکو ایک اور وسیع اور دلفریب عالم مین لے جاتا ہی، وہ ہمکو بے لاگ اور بے غرض دوستی کی تعلیم کرتا ہی، وہ ہمکو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے، جب کہ کاروبار کے ہجوم، مقابلہ کی کشمکش، معاملات کی الجھن، ترددات کی دارو گیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہی تو شعر مجسم سکون اور اطمینان بنکر ہمارے سامنے آتا ہی، اور کہتا ہی۔

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش | کہ تا نجتے بیاسایم ز دنیا و از شر و شورش

جب کہ سائنس اور مشاہدات کی ممارست ہمکو سخت دل اور کرّہ بنا دیتی ہی اور تمام معتقدات، اور مسلّمات عامہ کے دلمین حقارت پیدا ہو جاتی ہی کسی بات پر اعتبار نہین آتا کسی چیز کا اثر نہین رہتا، مادہ کے سوا تمام چیزون کی حکومت دل سے اٹھ جاتی ہی۔ اسوقت شاعری ہمارے دلکو رقیق اور نرم کرتی ہے، جس سے تسلیم، اثر پذیری اور اعتقاد پیدا ہوتا ہی، مادّیت کے بجائے روحانیت قائم ہوتی ہی وہ ہمکو عالم تخئیل مین لے جاتی ہے جہان تھوڑی دیر کے لئے مشاہدات کی بے رحم حکومت سے ہمکو نجات ملجاتی ہی۔

جب کہ دولت اور امارت کی سحر کاریان ہمارے دلکو رشک اور حسرت سے بھر دیتی ہین، سلاطین اور امراء کی نظر فروز زندگی ہمارے دلپر رشک کے چرکے لگاتی ہے، اسوقت ہاتف غیب کی یہ آواز۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار | چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

شاعری کا استعمال | شعر ایک قوت ہی جس سے بڑے بڑے کام لئے جا سکتے ہین بشرطیکہ اسکا استعمال صحیح طور سے کیا جائے، عرب مین شاعری کی ابتدا ار جز سے ہوئی ہی یعنی میدان جنگ

مین دو حریف جب مقابلہ کیلئے بڑہتے تھے تو جوش مین فخریہ موزون فقرے انکی زبان سے نکلتے تھے، یہ دو چار شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے لیکن طبل جنگ کا کام دیتے تھے، اسکے بعد مرثیہ شروع ہوا، یعنی جب کوئی عزیز یا دوست مرجاتا تہا تو اُسکی لاش پر نوحہ کرتے تھے بعض بعض شعرا نے تمام عمر مرثیہ کے سوا کچھ نہ کہا خنسا ایک عورت تہی، وہ اپنے بہائی سے نہایت محبت رکہتی تھی، وہ مرگیا تو اسکو اسقدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر رویا کی چنانچہ اسکے سیکڑون ہزارون اشعار اسکے مرثیہ مین ہین ہتمم بن نویرہ کا بھی بہائی کے مرنے پر یہی حال ہوا، شہر شہر مارا مارا پہرتا تہا جہان پہنچ جاتا، مرد وعورت اسکے پاس جمع ہو جاتے، بہائی کا مرثیہ پڑہتا، خود روتا اور لوگونکو رولاتا۔

مرثیہ کے بعد قصیدہ شروع ہوا۔

شعرائے عرب اکثر صاحب تیغ وعلم ہوتے، اسلئے قصائد مین اپنے معرکے لکھتے تھے، عمرو بن ہند عرب کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، جب اس کا تسلط تمام ملک پر ہو گیا تو اس نے ایک دن دربار مین کہا کہ کیا عرب مین آج کوئی ہے؟ جو میرے سامنے گردن نہ جہکائے۔ درباریون نے کہا عمرو کلثوم شاعر، اگر آپ کا مطیع ہو جائے تو پھر کوئی شخص آپکے سامنے سر نہین اٹھاسکتا، بادشاہ نے عمرو کلثوم کو مع مستورات کے بلابھیجا، عمرو کلثوم کی مان شاہی حرم مین گئی، اور وہ خود دربار مین بیٹھا، بادشاہ کی مان نے عمرو کلثوم کی مان سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اُٹھا دینا، اسنے کہا کہ تم خود اُٹھالو، بادشاہ کی مان نے دوبارہ حکم دیا، اور پھر یہی جواب ملا تیسری دفعہ جب فرمائش کی تو عمرو کلثوم کی مان چیخ اُٹھی کہ واتغلباہ (قبیلہ تغلب کی دہائی) عمرو کلثوم نے آواز سنی سمجھا کہ اسکی مان کی تحقیر کی گئی فوراً تلوار میان سے

دائرہ سے نکال کر ہمکو ایک اور وسیع اور دلفریب عالم مین لے جاتا ہی، وہ ہمکو بے لاگ اور بے غرض دوستی کی تعلیم کرتا ہی، وہ ہمکو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے، جب کہ کاروبار کے ہجوم، مقابلہ کی کشمکش، معاملات کی الجھن، تردداتِ کی دار وگیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہی تو شعر مجسم سکون اور اطمینان بنکر ہمارے سامنے آتا ہی، اور کہتا ہی۔

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش　　　　کہ تا یکچند بیاسایم، ز دنیا و از شر و شورش

جب کہ سائنس اور مشاہدات کی ممارست ہمکو سخت دل اور کٹر بنا دیتی ہی اور تمام معتقدات، اور مسلمات عامہ کے دلمین حقارت پیدا ہو جاتی ہی کسی بات پر اعتبار نہین آتا، کسی چیز کا اثر نہین رہتا، مادہ کے سوا تمام چیزون کی حکومت دل سے اٹھ جاتی ہی۔ اسوقت شاعری ہمارے دلکو رقیق اور نرم کرتی ہے، جس سے تسلیم، اثر پذیری اور اعتقاد پیدا ہوتا ہی، مادیت کے بجائے روحانیت قائم ہوتی ہی وہ ہمکو عالم تخیل مین لے جاتی ہے جہان تہوڑی دیر کے لئے مشاہدات کی بے رحم حکومت سے ہمکو نجات ملجاتی ہی۔

جب کہ دولت اور امارت کی سحر کاریان ہمارے دلکو رشک اور حسرت سے بھر دیتی ہین، سلاطین اور امراء کی نظر فروز زندگی ہمارے دلپر رشک کے چرکے لگاتی ہے، اسوقت ہاتف غیب کی یہ آواز۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار　　　　چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

شاعری کا استعمال | شعر ایک قوت ہی جس سے بڑے بڑے کام لئے جا سکتے ہین، بشرطیکہ اسکا استعمال صحیح طور سے کیا جائے، عرب مین شاعری کی ابتداء رجز سے ہوئی ہی یعنی میدان جنگ

مین دو حریف جب مقابلہ کیلئے بڑہتے تھے تو جوش مین فخریہ موزون فقرے انکی زبان سے نکلتے تھے، یہ دو چار شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے، لیکن طبل جنگ کا کام دیتے تھے، اسکے بعد مرثیہ شروع ہوا، یعنی جب کوئی عزیز یا دوست مرجاتا تہا تو اُسکی لاش پر نوحہ کرتے تھے بعض بعض شعرائے تمام عمر مرثیہ کے سوا کچھ نہ کہا، خنسا، ایک عورت تہی، وہ اپنے بہائی سے نہایت محبت رکہتی تھی، وہ مرگیا تو اسکو اسقدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر رویا کی چنانچہ اسکے سیکڑون ہزارون اشعار اسکے مرثیہ مین ہین، متمم بن نویرہ کا بھی بہائی کے مرنے پر یہی حال ہوا، شہر شہر مارا مارا پہرتا تہا جہان پہنچ جاتا، مرد و عورت اسکے پاس جمع ہو جاتے، بہائی کا مرثیہ پڑہتا، خود روتا اور لوگونکو رولاتا۔

مرثیہ کے بعد قصیدہ شروع ہوا۔

شعرائے عرب اکثر صاحب تیغ و علم ہوتے، اسلئے قصائد مین اپنے معرکے لکھتے تھے، عمرو بن ہند عرب کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، جب اس کا تسلط تمام ملک پر ہوگیا تو اس نے ایک دن دربار مین کہا کہ کیا عرب مین آج کوئی ہے؟ جو میرے سامنے گردن نہ جہکائے۔ درباریون نے کہا، عمرو کلثوم شاعر، اگر آپ کا مطیع ہو جائے تو پھر کوئی شخص آپکے سامنے سر نہین اٹھا سکتا، بادشاہ نے عمرو کلثوم کو مع مستورات کے بلا بھیجا، عمرو کلثوم کی مان شاہی حرم مین گئی، اور وہ خود دربار مین بیٹھا، بادشاہ کی مان نے عمرو کلثوم کی مان سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اُٹھا دینا، اسنے کہا کہ تم خود اُٹھا لو، بادشاہ کی مان نے دوبارہ حکم دیا، اور پھر یہی جواب ملا، تیسری دفعہ جب فرمائش کی تو عمرو کلثوم کی مان چیخ اُٹھی کہ واتغلباہ (قبیلہ تغلب کی دہائی) عمرو کلثوم نے آواز سنی سمجھا کہ اسکی مان کی تحقیر کی گئی فوراً تلوار میان سے

گھسیٹ، بادشاہ کا سر اُتار دیا، اور دربار سے نکل آیا، پھر بڑا رن پڑا جسمین دونون طرف کے ہزارون آدمی مارے گئے، عکاظ کے میلہ کا دن آیا تو عمرو کلثوم نے مجمع عام مین کھڑے ہوکر قصیدہ پڑھا جسمین اس واقعہ کی تفصیل تھی، اس قصیدہ مین تمام واقعات، اور اپنی حمیت وغیرت کو اس جوش سے لکھا ہے کہ دو سو برس تک قبیلہ تغلب کا ہر بچہ اسکے اشعار بچپن ہی سے سیکھتا اور یاد کرتا تھا، اہل تاریخ کا بیان ہو کہ اس قصیدہ کی بدولت کئی سو برس تک اس قبیلہ مین شجاعت اور دلیری کے اوصاف قائم رہے. آج بھی یہ اشعار افسردہ دلونکو گرما دیتے ہین. یہ قصیدہ درِ کعبہ پر آویزان کیا گیا تھا اور اسوجہ سے سبعہ معلقہ مین داخل ہو-

یہ شاعری کا صحیح استعمال تھا اور اسیکا اثر تھا کہ عرب مین قوم کی باگ شعرا کے ہات مین تھی، وہ قوم کو جدھر چاہتے تھے جھونک دیتے تھے، اور جدھر سے چاہتے تھے روک لیتے تھے، افسوس ہو کہ ایران نے کبھی یہ خواب نہین دیکھا، یہانکے شعرا ابتدا سے غلامی مین پلے اور ہمیشہ غلام رہے وہ اپنے لئے نہین بلکہ دوسرن کیلئے پیدا ہوئے تھے،

شریفانہ اخلاق پیدا کرنے کا، شاعری سے بہتر کوئی آلہ نہین ہوسکتا، علم اخلاق ایک مستقل فن ہو، اور فلسفہ کا ایک جزء اعظم ہو ہر زبان مین اس فن پر بہت سی کتابین لکھی گئی ہین لیکن اخلاقی تعلیم کیلئے ایک ایک شعر ایک ضخیم کتاب سے زیادہ کام دیسکتا ہو، شاعری ایک موثر چیز ہو اسلئے جو خیال اسکے ذریعہ سے ادا کیا جاتا ہے، دلمین اتر جاتا ہے اور جذبات کو برانگیختہ کرتا ہو اس بنا پر اگر شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی مضامین بیان کئے جائین، اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت، ہمت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے

ذریعہ سے اُبھارا جائے تو کوئی اور طریقہ اسکی برابری نہین کرسکتا، اسلام سے پہلے عرب ایک سخت جاہل اور مفلس قوم تھی، گوے اور اونٹنی کے دودھ کے سوا، اور کچھ انکو میسر نہین آسکتا تھا مکان کے بدلے جھونپڑے یا کمبل کے تنبو تھے، رات دن آپس مین لڑتے اور کٹتے مرتے تھے باایہمہ انہی وحشیون مین سچائی، ایفائے عہد، مہمان نوازی، جود وسخا ہمت وغیرت کے جو اوصاف پائے جاتے تھے آج شایستہ قومون کو نصیب نہین، نہایت سچ کہا ہی۔

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز رہنماؤن مین نہین پاتے ہم آج انکی نظیر

میدان جنگ مین جنگی باجے، وہ کام نہین دیسکتے جو رجز کا ایک ایک مصرع دیسکتا ہی، حضرت عایشہ صدیقہ جب حضرت عثمان کے خون کے دعوے سے جناب امیر علیہ السلام سے معرکہ آرا ہوئین اور انکی فوج پر شکست کے آثار پیدا ہوے تو قبیلہ ضبّہ کے ایک شخص نے بڑھکر ان کے اونٹ کی مہار پکڑلی اور یہ اشعار پڑھے۔

نحن بنو ضبۃ اصحاب الجمل	ہم قبیلہ ضبّہ کے لوگ ہین، ہمکو موت شہد سے زیادہ
الموت احلی عندنا من العسل	شیرین معلوم ہوتی ہی، ہم عثمانؓ کے مرنیکی خبر برچھی
ننعی ابن عفان باطراف الاسل	کی زبان سے سناتے ہین، ہمارے شیخ (عثمان)
ردوا علینا شیخنا ثم بجل	کو واپس دیدو، پھر کچھ جھگڑا نہین۔

یہ شخص خود لڑکر مارا گیا لیکن یہ حالت ہوئی کہ پے درپے، بڑے بڑے سردار، آگے بڑھتے تھے، حضرت عایشہ کے اونٹ کی مہار تھامکر لڑتے تھے، اور مارے جاتے تھے، قریباً ڈیڑھ سو آدمیون نے اسطرح جانین دیدین۔

استقلال اور پامردی کی تعلیم ارسطو کی کتاب الاخلاق سے اسقدر نہین ہوسکتی جسقدر اس شعر سے ہوسکتی ہی۔

من آنگہ عنان باز پیچم ز راہ — مین اُسوقت، میدان سے ہٹون گا؟
کہ یا سر دہم یا ستانم کلاہ — کہ یا تو سر دیدون، یا تاج چھین لون؟

اخلاق کی کتابون مین ریاکاری کی برائی کے دفتر ہین، لیکن یہ ایک رباعی ان سب سے زیادہ اثر کرسکتی ہے۔

شد زاہد بزن فاحشہ گفتا مستی — کز خیر گسستی و بشر پیوستی
زن گفت چنان کہ مے نمایم ہستم — تو نیز چنان کہ مے نمائی ہستی

یعنی زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بڑی نالائق ہے عورت نے کہا مین جیسا اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہون، باطن مین بھی ویسی ہی ہون (یعنی میرا ظاہر باطن یکسان ہے) کیا حضور بھی باطن مین ایسے ہی ہین جیسا ظاہر مین نظر آرہے ہین، اخلاق جلالی، اور اخلاق ناصری، علم اخلاق کی نہایت مستند کتابین ہین، لیکن یہ بدیہی بات ہی کہ ایرانیون کے اخلاق و عادات پر، گلستان اور بوستان نے ان سے کہین زیادہ اثر کیا ہی،

شاعری کے جسقدر اقسام ہین، یعنی فلسفیانہ، اخلاقی، عشقیہ، تخئیلی، سب سے مفید کام لئے جاسکتے ہین۔ فلسفیانہ شاعری دقیق خیالات کو آسانی کیساتھ ذہن نشین کرسکتی ہی، اخلاقی شاعری، اخلاق کو سنبھالتی ہی، عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور تازگی روح پیدا ہوتی ہے تخئیل سے طبیعت کو اہتزاز اور انبساط ہوتا ہے لیکن افسوس ہی کہ اکثر

شعرائے ایران نے شاعری کا صحیح استعمال نہین کیا بہ لحاظ غالب، شاعری، صرف دو کام کیلئے مخصوص ہوگئی، سلاطین اور امرا کی مداحی جسمین کذب و افترا کا طومار باندہا جاتا تہا اور عشق و عاشقی جو دور از کار مبالغون اور فضول گوئیون سے معمور تھی۔

متاخرین نے تخئیل کو البتہ بہت وسعت دی، لیکن اس مین اسقدر اعتدال سے تجاوز کر گئے کہ تخئیل نہین رہی بلکہ معما بنگئی۔

شعر اور شاعری کی عظمت، عرب مین جب کوئی شاعر پیدا ہوتا تہا تو ہر طرف سے مبارکباد کی سفارتین آتی تہین، خوشی کے جلسے کئے جاتے تھے، قبیلہ کی عورتین جمع ہوکر فخریہ گیت گاتی تہین، قبیلہ کی عزت اور شان دفعتہً بلند ہوجاتی تھی، ایک ایک شعر ایک قبیلہ یا ایک شخص کا نام قیامت تک کے لئے زندہ کردیتا تہا شماخ بن ضرار نے عرابۂ اوسی کی شان مین یہ شعر کہا

اذا ما رایۃ رفعت لمجد	جب عظمت اور بڑائی کا جھنڈا کہین بلند کیا جاتا
تلقاها عرابۃ بالیمین	ہے تو عرابہ اسکو داہنے ہاتھ سے تہام لیتا ہے

تو عرابہ کا نام تمام عرب مین مشہور ہوگیا اور آجتک یہ مصرع ضرب المثل ہے۔

عرب مین محلق ایک گمنام شخص تہا، اسکے تین بیٹیان تہین اور ان کو بر نصیب نہین ہوتا تہا، اتفاق سے اعشیٰ شاعر کا اسطرف گذر ہوا، محلق کی بیوی نے اسکی آمد سنی تو محلق سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جسکی مدح کردیتا ہے تمام ملک مین معزز ہوجاتا ہے، محلق نے اعشیٰ کی دعوت کی کہانے کے بعد شراب کا دور چلا تو اعشیٰ نے محلق سے اسکے اہل وعیال کا حال پوچہا محلق نے بیٹیونکا ذکر کیا کہ جوان ہوگئی ہین اور کہین سے شادی کا پیغام نہین آتا، اعشیٰ نے کہا اسکا

انتظام کردیا گیا، تم مطمئن رہو عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا تو اعشیٰ نے مجمع عام مین قصیدہ پڑھا، تمہید کے بعد یہ شعر تھے۔

لعمری لقد لاحت عیون کثیرة — الی ضوء نارٍ بالیفاع تحرق

تشب لمقرورین یصطلیانها — وبات لدی النار الندی والمحلق

قصیدہ ختم نہین ہونے پایا تہا کہ **محلق** کے گرد بھیڑ لگ گئی، شرفائے عرب آآکر اس سے قرابت کی خواہش کی اور تینون لڑکیان معزز گھرانون مین پہنچ گئین۔

نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تہا، انکو اپنے حسب ونسب کا اسقدر غرور تہا کہ جب اس قبیلہ کے کسی آدمی سے کوئی شخص پوچھتا تہا کہ تم کس قبیلہ سے ہو تو غرور کے لہجہ مین بھاری آواز سے نمیر کا نام لیتا تہا، جریر جو مشہور شاعر تہا اسکو اس قبیلہ کے ایک آدمی سے رنج پہنچا، جریر گھر مین آیا، بیٹے سے کہا آج چراغ مین تیل زیادہ ڈالنا، قبیلہ مذکور کی ہجو مین اشعار لکھنے شروع کئے جب یہ شعر زبان سے نکلا۔

فغض الطرف انک من نمیرٍ — فلا کعباً بلغت ولا کلابا

تو اچھل پڑا، اور کہا واللہ اخزیتہ آخر الدہر یعنی "خدا کی قسم مین نے اس کو ابد تک کیلیے رسوا کر دیا" تمام عرب مین یہ شعر مشہور ہو گیا اور یہ حالت ہوگئی کہ اس قبیلہ کے کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا نام پوچھتے تھے تو نمیر کا نام چھوڑ کر اوپر کی پشتون کا نام بتاتا تہا، یہانتک کہ سرے سے قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا۔

سلطان محمود کی عظمت وشان، اور جبروت واقتدار محتاج اظہار نہین، لیکن

فردوسی نے ہجو کے جو شعر کہدے محمود کسی طرح انکو مٹا نہ سکا، تمام ملک مین منادی تھی کہ جسکے پاس یہ ہجو نکلے گی گرفتار ہوگا، فردوسی خود شہر بشہر روپوش ہیا گا پھرتا تہا لیکن اُسکے اشعار بچہ بچہ کی زبان پر تھے، اور آج شاہنامہ کے جسقدر نسخے دنیا مین موجود ہین کوئی اس ہجو سے خالی نہین ہے۔

عرب مین شاعر کا یہ رتبہ تہا کہ شاعر کسیکی مدح اور تعریف لکہنا عار سمجھتا تہا، ابتدائی شاعری سے ایک مدت تک مدحیہ قصائد نہین لکھے گئے، شاعر پر کوئی کچھ احسان کرتا تہا تو شکریہ کے طور پر اسکا ذکر کر دیتا تہا لیکن احسان کرنیوالا بادشاہ ہی ہو تب بھی مدح کا لفظ اسکی زبان سے نہین نکلتا تہا، سب سے پہلا شخص جسنے مدح لکھی نابغہ ذبیانی ہے، اگرچہ اس مدح کی بدولت نابغہ اس قدر دولت مند ہوگیا کہ سونے چاندی کے برتنو نمین کہانا کھاتا تہا، لیکن عرب مین اسکی عزت جاتی رہی[1]، نابغہ کے بعد اعشیٰ نے شاعری کو پیشہ بنالیا جا بجا مدح کہتا اور انعام لیتا پھرتا تہا، رفتہ رفتہ یہ عام رواج ہوگیا، اور اب ایک مدت سے قصیدہ، اور کاسۂ گدائی، مرادف الفاظ ہین، تاہم اسلام کے زمانہ مین بھی بعض بعض شعرا مدح سے عار رکہتے تھے، عمر بن ابی ربیعۃ القرشی جو غزل گو شاعر تہا اسنے کبھی کسیکی مدح نہین کی، اور جب خلیفہ عبد الملک نے اس سے مدح کی فرمایش کی تو اسنے کہا کہ "مین مردونکی نہین بلکہ عورتون کی مدح کرتا ہون"، جمیل ایک دفعہ ولید بن عبد الملک کا ہم سفر تہا، ولید نے جمیل سے کہا کہ شعر سناؤ، اسکو خیال تہا کہ جمیل اسکی مدح کہے گا، جمیل نے اپنی شان مین یہ فخریہ شعر پڑہا

انا جمیل فی السنام من معد ۔۔۔ فی الذروۃ العلیا و الرکن الاشد

---

[1] کتاب العمدہ، جلد اول صفحہ ۴۶۔

اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ ولید وہ شخص ہی جس نے ایک طرف اسپین اور دوسری طرف سندھ فتح کیا تھا اور بنو امیہ مین اس سے بڑھکر کوئی بادشاہ نہین گذرا، تاہم جمیل سے کچھ تعرض نہ کرسکا.

مروان بن ابی حفصہ کہتا ہی۔

ما ذلت انفا ان أولف مدحۃ   الا لصاحب منبر و سریر

یعنی مجھکو مدح سے ہمیشہ عار رہا اور مدح کرتا ہون، تو صاحب تاج وتخت کی کرتا ہون

ابن میادہ نے خلیفہ منصور کی مدح مین قصیدہ لکھا اور بغداد جانے کا ارادہ کیا کہ دربار مین سنائے تھوڑی دیر کے بعد نوکر دودھ لیکر آیا، ابن میادہ نے دودھ پیکر پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اور کہا جبتک یہ میسر ہے مجھکو منصور کی کیا غرض ہی۔

سیف الدولہ کی جاہ وجلالت مشہور ہے متنبی اسکے دربار کا شاعر تھا سیف الدولہ اسکو اور درباری شاعرون کے ساتھ برابر بٹھاتا تھا، متنبی نے جلکر قصیدہ لکھا، اور دربار مین سنایا، سیف الدولہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ   اذا استوت عندہ الانوار والظلم

یعنی انسان کو آنکھ سے کیا حاصل جب اسکو روشنی اور تاریکی یکسان نظر آتی ہی۔

یا اعدل الناس الا فی معاملتی   فیک الخصام وانت الخصم والحکم

یعنی "اے سب سے زیادہ انصاف کرنیوالے (بجز میرے معاملہ کے) تیری ہی بابت جھگڑا ہے اور تو ہی فریق مخالف ہی اور تو ہی پنچ ہے۔

یہ قصیدہ سناکر، دربار سے چلاگیا اور مصر مین آیا، مصر سے بغداد ہوتا ہوا شیراز کا ارادہ کیا،
شیراز مین عضدالدولہ حکمران تھا جو شاہنشاہ کا لقب رکھتا تھا اور جس کا ہمسر اس زمانہ مین کوئی
بادشاہ نہ تھا، عضدالدولہ کو خبر ہوئی تو اسکے استقبال کے لئے دربانون کو بھیجا، متنبی دربار مین
آیا، لیکن ان شرائط پر کہ دربار مین شعرا کے ساتھ نہین بیٹھے گا، اور قصیدہ کھڑے ہوکر نہین
پڑھے گا، عضدالدولہ نے یہ شرطین منظور کین، ایک موقع پر عضدالدولہ نے کسی سے کہا کہ
متنبی نے جو قصیدے شام مین لکھے یہ قصیدے اس رتبہ کے نہین، متنبی نے کہا کہ جس درجہ کا
شخص ہوتا ہے اُسی کے موافق شعر کہا جاتا ہے،

باب دوم

تاریخ

ایران مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی

یہ بحث پہلے حصہ مین گذر چکی ہے لیکن یہان اسکا اعادہ اس غرض سے ضروری ہی کہ آگے کے واقعات کا سلسلہ مربوط ہو جائے، اس ضمن مین گذشتہ باتون کے متعلق بھی نئی معلومات کا اضافہ ہو جائے گا۔

اسلام سے پہلے ایران مین اگرچہ اور تمام علوم و فنون کمال کے درجہ تک پہونچ چکے تھے لیکن شاعری کا بہت کم پتہ چلتا ہی، مسٹر براؤن جو اسکے وجود کے مدعی ہین، اس سے زیادہ کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے کہ باربد کے راگ اسوقت تک زبان پر تھے چنانچہ شاعر کہتا ہی۔

نواے باربد ماندہ است دستان

لیکن باربد کے راگ اول تھے شعر نہ تھے عوفی یزدی لباب الالباب مین لکھتا ہے،

در عہد پرویز نواے خسروانی کہ آنرا باربد در صورت آوردہ است بسیار ست فاما از وزن شعر و قافیت و مراعات نظائر آن دور ست، بدان سبب تعرض بیان آن کردہ نیامد۔[1]

[1] لباب الالباب عوفی یزدی جلد اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۹۔

ترجمہ پرویز کے زمانہ مین، خسروانی بول جسمین باربد نے راگ باندہے تھے، بہت پیدا ہوئے لیکن ان مین وزن، قافیہ، اور لوازم شاعری نہین ہین، اسلئے انکا بیان مین نے نہین کیا۔

ہماری زبان کے ایک مشہور مصنف نے ایران کی قدیم شاعری پر، ان اشعار سے استدلال کیا ہے۔

ہژبریا، بہ گیہان نوشتہ ابدی　　　جہان را بہ دیدار تو شتہ بدی

منم آن پیل دمان ومنم آن شیر یلہ　　　نام بہرام ترا و پدرت بو جبلہ

زن شاہ است دردا ور گرد ا　　　گوز گردون دار د بیم از کس

ان اشعار کے ساتھ یہ استدلال بھی پیش کیا ہی کہ "ایران اسقدر شائستہ اور ترقی یافتہ ملک زمین گلزار، آب وہوا فرحت انگیز، ولولہ خیز، کیونکر ممکن تہا کہ دہان دلون کے جوش، شعر کی صورت مین موزون ہوکر نہ نکلتے، اسکے علاوہ، فارسی کی خاص بحرین عرب کی بحر وسے نہین ملتین، اہل عروض نے ان کو خواہ نخواہ زحافون کے تراش دیکر عربی بحرون مین داخل کر لیا ہی۔

اس استدلال کے عقلی حصہ کا جواب یہ ہے کہ ایران کی آب وہوا کی فرحت انگیزی مین شبہہ نہین۔

لیکن یہ بھی بدیہی واقعات ہین کہ ایران کی سیکڑون تلمیحات اور روائتین آج موجود ہین ایران کا فلسفہ اور علوم نہین رہا لیکن حکمائے ایران کے نام اور انکے اقوال، آجتک کتابون مین نقل ہوتے چلے آتے ہین، یورپ کے محققون نے پہلوی زبان کی بہت سی کتابین ڈھونڈھ ڈھونڈھکر نکالین لیکن چار شعر بھی ہات نہ آئے، فارسی کے قدیم اشعار نہ ملتے تو نہ ملتے لیکن شعرا کا

نام زبان پر ہوتا جب یہ کچھ نہین، تو صرف زمین کی دلولہ خیزی کی شہادت کہانتک کام دیسکتی ہے
شعر نقل کئے ہین، ان مین سے پہلا شعر تو دعائیہ فقرہ ہی جو اتفاقاً موزون ہوگیا ہے
شاہنامہ مین جب کوئی درباری، بادشاہ سے کچھ عرض معروض کرنی چاہتا ہے تو پہلے یہی
شعر پڑہتا ہے۔

دوسرے شعر کی یہ کیفیت ہی کہ بہرام گور اتفاق سے عرب بادیہ نشینون مین پلا، انکے ساتھ
رہنے سہنے سے عربی زبان اسکی مادری زبان ہوگئی، عرب مین شاعری عام تھی، اسلئے اسکو
بھی مذاق پیدا ہوا، عوفی یزدی نے لکھا ہی[1] کہ مین نے بخارا کے کتب خانۂ سرپل مین اسکا
عربی دیوان دیکھا تھا اور اسمین سے چند اشعار نقل کر لئے تھے جنمین سے چند شعر یہ ہین۔

یروصاف تزویجی من الکفو طالبا	وہ لوگ چاہتے ہین کہ میری شادی برابر کے لوگون مین
ومالی من حبس المادث عدیل	کردین لیکن میرا ہمسر کہان ملسکتا ہے، میرا خیال
ای ان مثلی کالمحال وجادہ	ہے کہ میری نظیر محال ہے اور محال چیز کے
ولیس الی نیل المحال سبیل	ملنے کی کوئی تدبیر نہین۔

اگرچہ ان اشعار کی زبان ہرگز اُس زمانہ کی زبان نہین، زمانۂ جاہلیت مین مُحال کا
لفظ کہان پیدا ہوا تھا، تاہم عوفی کے اس بیان سے ہمکو انکار نہین کہ بہرام عربی زبان مین
کچھ کہتا ہوگا، بہرحال بہرام چونکہ عربی زبان کے ذریعہ سے شعر و شاعری سے واقف ہوگیا تھا اسلئے
کبھی کبھی فارسی مین بھی اُسکی زبان سے موزون فقرے نکل جاتے تھے، عوفی یزدی لکھتا ہی۔

---

[1] لب اللباب جلد اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۹،

"وقتے آن بادشاہ در مقام نشاط و موقف انبساط این چند کلمہ موزون بلفظ راند"

منم آن شیر گلہ، منم آن پیل یلہ　　نام من بہرام گور و کنیتم بوجبلہ"

یہان چند باتین لحاظ کے قابل ہین، اولاً تو عوفی اس شعر کو "چند کلمہ موزون" سے تعبیر کرتا ہی عر نہین کہتا، دوسری روایتون کی تحریف و تغیر کی یہ حالت ہی کہ تمام فارسی تذکرہ نویس اس شعر کو بہرام گور کے نام سے نقل کرتے ہین اور اُنکا ماخذ یہی عوفی یزدی کی روایت ہے لیکن اُسکے الفاظ اسطرح الٹ پلٹ کر دیے ہین کہ شعر کی بحر اور وزن بالکل بدل گیا ہے عوفی نے جسطرح لکھا ہے وہ نثر سے ملتی جلتی بحر ہے، جو عرب کا مذاق ہے، بخلاف اسکے اور تذکرہ نویسون نے اسکو آجکل کی مروجہ فارسی بحرون کے موافق کر دیا ہے۔

غرض بہرام گور کے چند موزون کلمات کو شاعری کا سنگِ بنیاد نہین کہہ سکتے۔

تیسرا شعر بھی ایسے بڑے تاریخی مسئلہ کا جواب نہین ہو سکتا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام جب ایران مین آیا تو ایک مدت تک عرب براہ راست حکمران ہے، یہانتک کہ بنو امیہ کے زمانہ تک صوبون اور اضلاع کے حاکم بھی عرب ہی ہوتے تھے عباسیون کے دور مین وزارت عجم کے ہاتھ مین آئی، اور برامکہ کے مشہور خاندان نے اسقدر اقتدار حاصل کر لیا کہ عنان سلطنت بھی گویا اُسکے قبضہ مین آگئی، مامون الرشید ماں کی طرف سے عجمی تہا اسلئے ایرانی اسکو اپنا بہانجا کہتے تھے، مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر عجم ہی مین گذرا شخصی سلطنتون مین علوم و فنون بھی سلطنت ہی کے زیر اثر ہوتے ہین، اسلئے جب تک ایران مین خالص عرب کی حکومت رہی، فارسی شاعری نے زبان نہین کہولی، اس زمانہ

ہین عجم مین ہزارون شعرا پیدا ہوے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی مین کہتے تھے چنانچہ علامہ ثعلبی
نے کتاب یتیمۃ الدہر مین انکے نام استقصا کے ساتھ لکھے ہین لیکن مامون چونکہ ننھال کی
طرف سے عجمی تہا اسکی زبان مادری فارسی تھی، درباری بھی عموماً عجمی تھے، ان اسباب سے ملکی شعرا کو
خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان کی قدردانی کا بھی وقت آگیا، چنانچہ عباس مروزی نے یہ قصیدہ لکھکر پیش کیا

اے رسانیدہ بدولت، فرقِ خود بر فرقدین

گُسترانیدہ بفضل وجود، در عالم، بدین

مر خلافت را تو شایستہ چو مردم، دیدہ را	تو خلافت کے لئے اسقدر موزون ہے جتنا آنکھو نکیلئے پتلی
دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عیز	خدا کے دین کیلئے تو اسیقدر ضروری ہی جتنا چہرہ کیلئے دو آنکھین
کس برین منوال پیش از من چنین شعرے نگفت	کسی نے مجھسے پہلے اس انداز کے شعر نہین کہے
مر زبان پارسی را ہست با این نوع بین	فارسی زبان، کو اس انداز سے بیر ہے
لیک زان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت	لیکن مین نے اسلئے یہ مدح لکھی کہ یہ زبان بھی
گیرد از مدح وثنائے حضرت تو زیب وزین	تیری مدح سے زینت پاجائے۔

مامون نے ہزارون اشرفیان صلہ مین دین، ان اشعار سے ثابت ہوتا ہی کہ ابھی تک
فارسی اور عربی زبان مین آمیزش نہین ہوئی تھی، اسلئے دونون زبانین آپس مین ملنے پر
بھی رُکی رُکی معلوم ہوتی ہین۔

معلوم ہوتا ہے کہ مامون چونکہ چند روز کے بعد بغداد مین چلا آیا، فارسی شاعری پھیلنے
نہ پائی اسلئے ایک مدت تک، فارسی شعر کا پتہ نہین چلتا، عونی یزدی، عباس مروزی کے

شعار مذکورۂ بالا نقل کر کے کہتا ہے "بعد از وے کس شعر پارسی نگفت"

مامون الرشید کے بعد جب خلافت عباسیہ کے اقتدار مین ضعف کے آثار شروع ہوئے، تو افسران ملکی خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے، اس سلسلہ مین سب سے مقدم خاندان طاہریہ تہا جسکا بانی طاہر ذوالیمینین تہا، یہ خاندان ۵۴ برس تک حکمران رہا سنہ ۲۵۹ھ مین اسکا خاتمہ ہو گیا، یہ خاندان اگرچہ عربی النسل تہا، دربار کی زبان بھی عربی تھی، فارسی کیطرف انکو رغبت بہی نہ تھی، تاہم چونکہ مستقر حکومت خراسان تہا اسلئے شاعری نے ترقی کی اور حنظلہ، محمود وراق، فیروز مشرقی بہت سے شعرا پیدا ہو گئے،

واقعات مذکورہ سے ظاہر ہو گا کہ ایران مین شاعری کی ابتدا قدرتی طور سے نہین بلکہ اکتسابی طور سے ہوئی، عرب مین شاعری اس طریقہ سے شروع ہوئی کہ جب دو حریف لڑائی کیلئے بڑھتے تھے تو پہلے فخریہ اپنا حسب و نسب بیان کرتے تھے، یہ فقرے پہلے نثر مین ہوتے تھے، پھر موزون ہونے لگے اور رجز بنگئے، چنانچہ اہل ادب نے لکھا کہ عرب مین اقسام شاعری مین سب سے پہلے رجز شروع ہوا اور جسکے بعد قصیدہ کا آغاز ہوا، لیکن انمین کسی کی مدح و ذم نہین ہوتی تھی بلکہ جو جذبات دلمین پیدا ہوتے تھے، انہین کو ادا کر دیتے تھے، اور مجمع عام مین سُناتے تھے، مدت تک لکھنا پڑھنا کچھ نہ تہا شعرا اور رواۃ کو تمام اشعار زبانی یاد ہوتے تھے، بخلاف اسکے ایران مین شاعری کی ابتدا علم اور تعلیم کے ذریعہ سے ہوئی، یعنی جو لوگ عربی زبان کے ماہر تھے اور عرب کی نحو و شاعری انکے پیش نظر تھی، انہون نے اپنی زبان کی ترقی کیلئے بلکہ زیادہ تر

مداحی اور زر طلبی کیلئے شاعری شروع کی، اس سے مفصلہ ذیل نتائج پیدا ہوئے۔

۱- ایران مین شاعری کی ابتدا مداحی اور قصیدہ گوئی سے ہوئی۔

۲- جو شخص شاعر ہونا چاہتا تھا کتابون کے ذریعہ سے اسکی تعلیم حاصل کرتا تھا۔

نظامی عروضی چہار مقالہ مین لکھتا ہے۔

اما شاعر بدین درجہ نرسد الا کہ در عنفوان شباب در روزگار جوانی، بست ہزار شعر از اشعار متقدمین یاد گیرد، و ہزار کلمہ از آثار متاخرین در پیش چشم کند، و پیوستہ دواوین استادان خواند و عروض بخواند و گرد تصانیف استاد ابوالحسن بہرامی سرخسی گرد و مانند غایۃ العروضیین و کنز القافیہ و نقد معانی و نقد الفاظ و سرقات و تراجم و انواع این علوم بخواند۔

نظامی عروضی شاعری کیلئے متقدمین کے بیس ہزار، اور متاخرین کے ہزار شعر کا یاد رکھنا، استادون کے دیوانون کا ہمیشہ دیکھتے رہنا، فن عروض پڑھنا، بہرامی سرخسی کی تصنیفات کا زیادہ نظر رکھنا، غایۃ العروضیین وغیرہ کا مطالعہ کرنا، ضروری قرار دیتا ہے لیکن عرب کا شاعر صرف صحیفۂ فطرت پڑھ کر شاعر بنتا تھا۔

شاعری کی تدریجی رفتار

اسقدر ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ فارسی شاعری کے مختلف دور ہین اور ہر دور کا جدا انداز ہے، اب ایک نکتہ سنج کا یہ فرض ہے کہ ہر دور کی تمام خصوصیتون کا پتہ لگائے نہ صرف انکا جو سطح پر نظر آتے ہین بلکہ انکا بھی جو تہ مین ہین اور جنپر عام نگاہین نہین پڑ سکتین، اسکے ساتھ ان خصوصیتون کے وجوہ اور اسباب بتائے یعنی کیونکر پیدا ہوئین؟ اور کسطرح ایک رنگ دوسرے رنگ سے بدلتا گیا؟

شعر اگرچہ غیر مادی چیز ہے، لیکن وہ مادیات کے ساتھ ساتھ چلتی ہی۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے، تو ابتدا مین تمام چیزین خوراک، پوشاک، مکان، اسباب، آرائش، وضع، قطع، بے تکلف اور سادہ ہوتی ہین، رفتہ رفتہ نفاست، لطافت، اور تکلف پیدا ہوتا ہی اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے یہانتک کہ حد سے بڑھجاتا ہی اور اسوقت ترقی رُک کر قوم برباد ہوجاتی ہے۔

مثلاً ابتدا مین رہنے سہنے کے لیے پھوس کے جھونپڑے اور خس پوش کچّی دیوارین ہوتی ہین پھر پختہ عمارتین بنتی ہین، پھر اُن مین مختلف حصّے، شہ نشین، دالان صحنچیان، بالاخانے قائم کئے جاتے ہین، کمرے فرش فروش سے سجاتے ہین، جھاڑ فانوس دیوارگیریان لگاتے ہین تاہم اعتدال سے آگے نہین بڑھتے۔

پھر سنگ مرمر کی عمارتین بنی شروع ہوتی ہین، جواہرات کی پچّے کاری ہوتی ہی دیوارون پر طلائی نقش و نگار بنتے ہین، اطلس و کمخواب کا فرش بچھتا ہے، دروازون پر گوہر نگار پردے آویزان کرتی ہین، کافوری شمعین جلاتے ہین یہ ترقی کا آخر دور ہی اسکے بعد تنزل شروع ہوتا ہی اور قوم تباہ ہوجاتی ہے

شاعری کی بھی یہی حالت ہی، ابتدا مین سیدھے سادے صاف صاف اور بے تکلف خیالات ہوتے ہین، تشبیہات اور استعارے کہین کہین آجاتے ہین، الفاظ مین تراشس خراش نہین ہوتی، جس مضمون کو ادا کرنا چاہتے ہین بغیر کسی ایچ پیچ کے بے تکلف ادا کردیتے ہین، اس سے قدم آگے بڑھتا ہے تو خیالات مین بلندی شروع ہوتی ہے، استعارے رنگین ہوجاتے ہین، تشبیہون مین نزاکت آجاتی ہے، مبالغون مین زور پیدا ہوجاتا ہے، الفاظ مین

تراش خراش شروع ہوتی ہے، جس مضمون کو ادا کرتے ہین استعارون کے رنگ مین ادا
کرتے ہین، اسکے بعد دقت آفرینی اور باریک بینی شروع ہوتی ہو مبالغے آسمان تک پہنچ
جاتے ہین، بال کی کھال نکالی جاتی ہو، استعارہ مین استعارہ پیدا کرتے ہین محسوسات سے
گذر کر صرف خیالی چیزون پر مدار رہجاتا ہو، یہ ترقی کی اخیر منزل ہے جو تنزل سے ہمدوش اور
ہم آغوش ہے، اس اصول کی بنا پر فارسی شاعری کے دور اول کی سب سے پہلی
خصوصیت سادگی اور بے تکلفی ہے، ایران مین جب شاعری شروع ہوئی تو تمدن اور معاشرت
کا اوج شباب تھا، شاعری کا جو نمونہ سامنے تہا وہ متنبی، ابونواس، ابن المعتز، بحتری، ابوتمام
کی رنگینی بیان اور طلسم کاریان تھین، باوجود اسکے فارسی شاعری مین ابتدا ً ایسے سادے،
بے تکلف اور سرسری خیالات نظر آتے ہین کہ گویا قوم مین کسی طرح کا تمدن پیدا نہین ہوا
ہے، یہ وہی بات ہے کہ ہر چیز ابتدا مین نہایت سادہ اور بے تکلف ہوتی ہے، ہماری زبان
دیکھو ولی دکنی نے اردو شاعری کی بنیاد ڈالی، وہ ناصر علی، اور بیدل کا معاصر تہا جو مضمون
بندی اور خیال آفرینی مین بال کی کہال نکالتے تھے، ولی ان لوگون سے راہ و رسم
رکھتا تہا، اسکے ساتھ فارسی شاعری کا ماہر تہا، تاہم اردو مین شاعری شروع کی تو اسکا یہ انداز ہی

جسے عشق کا زخم کاری لگے ہے تو پھر زندگی اسکو بھاری لگے ہے

سادگی کا یہ وصف قدما کے اخیر دور تک قائم رہا لیکن مدارج مین فرق آتا گیا
کیونکہ جسقدر زمانہ گذرتا تھا، سادگی کے بجائے آورد اور تکلف آتا جاتا تہا،
وہ کہتا ہے،

اس مضمون کو کہ کمینہ آدمی تربیت سے شریف نہین ہو سکتا ابوشکور بلخی نے اسطرح ادا کیا تھا

درختے کہ تلخش بود گوہرا	جس درخت کی اصل تلخ ہے،
اگر چرب و شیرین دہی مر ورا	اگر اسکو چرب اور شیرین غذا دو
ہمان میوۂ تلخت آرد پدید	تب بھی وہی کڑوا پھل پیدا کریگا
از و چرب و شیرین نخواہی مزید	اس سے شیرین پھل نہین پیدا ہو سکتا

اسی مضمون کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

درختے کہ تلخست ویرا سرشت — گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوے خلدش بہ ہنگام آب — بہ بیخش شکر ریزی و شہد ناب
سر انجام، گوہر بہ کار آورد — ہمان میوۂ تلخ بار آورد،

بات وہی ہے، لیکن بندش کی چستی اور نشست الفاظ نے مضمون کو کہان سے کہان پہنچا دیا ہے، شعرا" دل کو آگ سے مشابہت دیتے ہین اور یہ عام مضمون ہے، لیکن اول جب یہ خیال ادا کیا گیا تو اسکی یہ صورت تھی۔

احوال دلم مپرس کان بیچارہ	میرے دل کا حال نہ پوچھو وہ ایک
چوبے است در و فتادہ آتش دل نیست	لکڑی ہے جس مین آگ لگ گئی ہے

اسی خیال کو متاخرین نے یون ادا کیا، ع

یک پارہ آتشے است، دلش نام کردہ اند

ایک ذرا سے تغیر سے مصرعہ چست ہو گیا، چوب کا لفظ بھدا تھا وہ نکل گیا اسکے بجاے

پارۂ آتش" نے لطافت پیدا کردی، "نام کردہ اند" نے لطافت کو اور بڑہا دیا یہ مضمون کہ "معشوق گو نامہربان اور دشمن ہو، تاہم اسکی محبت دل سے نہین جاتی" اوّل اوّل فرخی نے اسکو یون ادا کیا تھا۔

همه دشمنی از تو دیدم ولیکن — مین نے تجھسے ہمیشہ دشمنی کا برتاؤ دیکھا
نگویم که تو دوستی را نشائی — تاہم مین نہین کہتا کہ تو دوستی کے ناقابل ہے

اسی خیال کو سعدی ادا کرتے ہین۔

بلطف و خوبی او در جهان ندیدم کس — مینے معشوق کی لطافت اور خوبی کے برابر دنیا مین کسیکو
که دشمنی کند و دوستی بیفزاید — نہین دیکھا، کہ دشمنی کرتا ہو اور باوجود اسکے محبت اور بڑہتی ہے

شعرا معشوق کی کمر اور عاشق کے جسم کو، لاغر کہتے ہین، اسیطرح معشوق کے دہن اور عاشق کے دلکو تنگ باندہتے ہین، یہ مضمون قدما کے ہان ابتدائی حالت سے ادا ہوا تھا، متاخرین نے اسکو صرف بندش سے نہایت خوبصورت کر دیا۔

فرخی کا شعر ہے۔

گفتم بتا تن و دل من چیست بامر ترا — یعنی مینے پوچھا کہ میرا جسم اور میرا دل کیا چیز ہے، معشوق نے
گفتا یکے میان من است، و یکے دہن — کہا جسکو تم اپنا جسم سمجھتے ہو وہ میری کمر ہے اور جسکو اپنا دل کہتے ہو وہ میرا دہن ہے۔

اسی بات کو سعدی یون کہتے ہین۔

دہان تنگ تو آموخت تنگی از دل من — وجود من ز میان تو لاغری آموخت

سعدی کا مشہور شعر ہے۔

زندہ ست نام فرخ نوشیروان بعدل ۔۔۔ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند

سعدی سے پہلے قدما کے عہد مین یہ خیال یون ادا ہوا تھا،

آن خسروان کہ نام نکو کسب کردہ اند ۔۔۔ رفتند و یادگار از ایشان جز آن نماند

نوشیروان اگرچہ فراوانش گنج بود ۔۔۔ جز نام نیک از پس نوشیروان نماند

ان مثالون سے اندازہ کر سکتے ہو کہ ابتدا مین ہر خیال کسقدر سادہ بھدا، اور انگھڑ ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ لطیف، شوخ اور رنگین ہو جاتا ہے، یہ ایک قدرتی بات ہے، اسمین خارجی اسباب کو دخل نہین،

سادگی کا اثر نہ صرف طرز ادا اور بندش مین ہوتا ہے، بلکہ تمام چیزین سادہ ہوتی ہین، متاخرین "ممدوح کے جاہ وحشم کا ذکر کرتے ہین، تو سواری کے لئے "اسپ فلک اور "ابلق ایام" کی ضرورت پیش آتی ہی، لیکن قدما معمولی ہاتھی گھوڑون کا بیان کرتے تھے اور اس سے بڑھکر سادگی یہ تھی کہ ممدوح کے دولت و مال کی تعریف مین مویشی خانہ اور گائے بیل کا بھی تذکرہ کرتے تھے۔

فرالاوی اس پایہ کا شاعر گذرا ہی کہ **رودکی** نے اسکی مدح کی ہے، وہ ایک قصیدہ لکھتا ہے۔

مادہ گاوان گلہ است ہریک ۔۔۔ شاہ پرور بود چو **برمایون**

برمایون اُس گائے کا نام ہے جسکے دودھ سے فریدون نے پرورش پائی تھی،

لہ لباب الالباب عوفی یزدی جلد اول صفحہ ۱۳۔

شاعر کہتا ہے کہ تیرے گلہ مین جسقدر گائین ہین سب "بر مالیون" ہین۔

عشقیہ خیالات مین بھی اکثر نہایت سادگی پائی جاتی ہے، چہرہ پر زلفون کا ہوا سے اڑنا

ایک دلکش منظر ہے اور متاخرین شعرا نے اسکے لئے نہایت لطیف تشبیہین پیدا کی ہین

لیکن محمد بن صالح مروزی جو سلطان محمود کے زمانے سے قبل کا شاعر ہے کہتا ہے۔

آن سیہ زلف، بر آن عارض او گوئی راست ٭ بہ پر زاغ کسے آتش را باد کند

یعنی چہرہ پر زلفین ایسی معلوم ہوتی ہین گویا کوئی شخص کوّے کے پرون سے آگ

بھڑکا رہا ہے۔

اگرچہ یہ تشبیہ درحقیقت نیچرل تشبیہ ہے، لیکن آج کا مذاق، اسکو کہان گوارا کرسکتا ہے

یہ ایک اجمالی بیان تھا اب ہم تفصیل سے ابتدائی حالت کا اثر ایک ایک چیز کے

متعلق لکھتے ہین۔

صحت الفاظ کی پروا نہ تھی | ابتدائی حالت کا پہلا اثر یہ ہے کہ لفظون کی تراش خراش اور

صحت الفاظ کا چندان خیال نہین ہوتا، قدما کے ہان اس کثرت سے غلط الفاظ پائے

جاتے ہین کہ آج کسی کے کلام مین ایک دو لفظ بھی ایسے پائے جائین تو استادی کے

رتبہ سے گر جائے، چند مثالین[۱] ملاحظہ ہون۔	غلط	صحیح
بہرامی۔ نہ ہست اکنون ونے باشد و نہ بود ست ہرگیز	ہرگیز	ہرگز
فیروز مشرقی۔ شعر بگشادہ و بر ردے زنان ناخونا،	ناخون	ناخن

[۱] یہ مثالین اکثر المعجم فی معائیر اشعار العجم اور دیوان منوچہری سے ماخوذ ہین

فیروز شرقی۔ سخنوران جہان، پاک پیش او ابلاہ	ابلاہ	اَبلَہ
مُعِزّی۔ چو خورشید بترازو و آید ترا	بترازو	بہ ترازو
" کدام دل کہ نگشت از غم زمانہ سقم	سقم	سقیم
" نگرو نیز ہیچو تو داد نگیرد	نگرد	نہ گیرد
" چون خواجہ البو العباس آمد	البو العباس	ابو العباس
فرخی۔ راے موافق و نیت و اعتقاد او	نیّت	نیت
" تا تو بگریختی بحیلہ د چار	چار	چارہ
کسائی۔ اے میر بو محمد کہ ہمہ محمدت ہی	بو محمد	ابو محمد
معروفی۔ آب انگور و آب نیلوفل	نیلوفل	نیلوفر

منوچہری۔ قوموا شرب الصبوح یا ایہا النا ئمین۔

فارسی مین تشدید نہین ہے قدما، بے تکلف جس لفظ کو چاہتے تھے مُشدّد باندھ دیتے تھے، رودکی کا ایک قصیدہ ہے اسکے چند اشعار معجم مین نقل کیے ہین۔

خزّ بجاے ملحم و خمرگاہ   بدل باغ و بوستان آمد .

مور دبجاے سوسن آمد باز   مےّ بجاے ارغوان آمد

ان اشعار مین بجاے خز اور مے کو مُشدّد باندھا ہے۔

قافیہ کی ضرورت سے جس لفظ کو چاہتے تھے اس مین اشباع کا الف بڑہا دیتے تھے مثلاً ع   نوبہار آمد و آورد گل و یاسمنا

عروض کے قواعد کا چندان لحاظ نہ تھا

قافیہ مین اب جو قیدین ضروری قرار پا گئی ہین، ابتدا مین ان کا چندان لحاظ نہین تھا، یہان تک کہ ابتدا مین حرف کا اتحاد بھی ضروری نہ تھا، قریب المخرج حرفون کو ہم قافیہ کر دیتے تھے، مثلاً

روبجائے آر، اندرین کار احتیاط — زان کہ جز بر تو ندارم اتحاد

اس مین ط اور د کو ہم قافیہ کیا ہو۔

گفتی کہ با مخالف تو زین سپس مرا — بنود بہیچ حالے بے امر تو حدیث،
رفتی و راز گفتی با دشمنان من — وان کس کہ گوش دار تو بود آن ہمشنید

اس مین ث اور د کو ہم قافیہ کیا ہے۔

زندگانی اور گزینی کا قافیہ جائز سمجھتے تھے،

کنی ناخوش بہ ما بر زندگانی — اگر از ما دمے دوری گزینی

ایطائے جلی آج سخت معیوب ہے، قدما کے ہان عام طور پر شائع ہے۔

تشبیہ کی سادگی

تشبیہین نہایت سادہ اور نیچرل ہوتی تھین، مثلاً انگلی کو قاقم کی دم سے تشبیہ دیتے تھے۔

پشت دستش بہ مثل چون شکم قاقم نرم — چون دُم قاقم کردہ سر انگشت سیاہ

چہرہ اور زلف کی تشبیہ مین کہتے تھے کہ برف پر کالا کوا بیٹھا ہے

بر روے برف، زاغ سیہ را نگاہ کن — چون زلف بر رخ بتم آن شمسۂ سیاہ

ہوا مین جو برف کے گالے اڑتے ہین، اسکی تشبیہ مین ایک شاعر کہتا ہو۔

بہ ہوا در نگر کہ لشکر برف — ہوا کو دیکھو کہ برف کا لشکر کسطرح

چون کند اندر وہمی پرواز — اس مین اُڑتا جا رہا ہے،

راست ہمچون کبوتران سفید — ٹھیک اسطرح جسطرح سفید کبوتر

راہ گم کردگان، ز ہیبت باز — باز کے خوف سے اپنا راستہ بھول جائین

چہرہ اور سبزۂ خط کی تشبیہ مین، کسائی مروزی کہتا ہے۔

روے و موے تو نامۂ خوبی است — تیرا چہرہ اور زلف خوبصورتی کی کتاب ہے

چہ بود نامہ جز سفید و سیاہ — کتاب مین کالے اُجلے کے سوا اور کیا ہوتا ہے

اس زمانہ مین دہن کو غنچہ البستہ وغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، متاخرین نے پہلے تو اسکو ذرہ، نقطہ، جوہر فرد بنایا پھر سرے سے غائب کر دیا، زلف کو سنبل، صلیب، خوشۂ انگور، کمند کہتے تھے، متاخرین نے، دام نظر، تسلسل وغیرہ تشبیہین ایجاد کین، کمر کو قد مار، شاخ گل، کہتے تھے، پھر بال کہنے لگے تھے، متاخرین نے رگ گل، تار نظر وغیرہ کہتے کہتے معدوم کر دیا۔

مدح مین سادگی — مدحیہ خیالات مین بھی سادگی اور واقعیت تھی، ابوالفرج بادشاہ کی مدح مین کہتا ہے

ہمت بلند باید کردن کہ تو ہنوز — تجھکو ہمت بلند کرنی چاہیے کیونکہ تو ابھی

بر پایۂ نخستین از نردبانیا — زینہ کی پہلی سیڑھی پر ہے،

متاخرین کے دور مین کسی بادشاہ کی مدح مین اگر یہ کہا جائے کہ آپ ابھی ترقی کے پہلے زینہ پر ہین، تو صلہ کے بجائے قتل کا حکم ہوگا۔

لیکن اُس زمانہ مین اس قسم کے خیالات معیوب نہ تھے. قدما رکے دور کا ایک شاعر
بادشاہ کی مدح مین کہتا ہے، ع

مامرغکان گرسنہ ایم و تو خرمنی

یعنی ہم بھوکے مرغ ہین اور تو خرمن ہی۔

اس زمانہ مین شعرا جہان بادشاہ سے اور اور چیزین صلہ مین مانگتے تھے. خوبصورت
غلام بھی مانگتے تھے اور یہ گستاخی نہین سمجھی جاتی تھی ایک شاعر کہتا ہے۔

عیدی و نوروزی از شہ ہیچ نستانم مگر | بارگیر خاص وتُرکے دُرجِ گوہر بر میان

مدحیہ قصائد مین بادشاہ کے منظور نظر حسینون کی بھی تعریف کرتے تھے اور بادشاہ
اس سے ناخوش نہین ہوتا تھا بلکہ انعام دیتا تھا عضاری نے ایک قصیدہ مین سلطان
محمود کے ایما سے ایاز کے حسن کی تعریف کی اور دو توڑے انعام مین پائے۔

فرخی ایاز کے متعلق علانیہ کہتا ہے۔

دل محمود در ایازی ہست پندار | نہ بر خیرہ بدو دل داد محمود

یعنی محمود جو ایاز پر مرتا ہے، تو یون ہی نہین مرتا، محمود کا دل کوئی معمولی چیز نہین
ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ اسوقت تک اسقدر واقعیت اور سادگی تھی کہ سوسائٹی
کی جو حالت تھی بے تکلف صاف صاف کہدیتے تھے، یہ بات نہ تھی کہ بادشاہ یون تو ہزار
رندون کا ایک رند ہے لیکن قصائد مین ظل سبحانی اور خدا کا اوتار ہے۔

عاشقانہ خیالات مین سادگی | اسوقت تک عاشقانہ خیالات بھی نہایت سادہ اور نیچرل سے تھے،

محبت اور عشق کی دقیق اداؤن اور وارداتون سے واقف نہ تھے پیار اور محبت کے جو
خیالات پیدا ہوتے، صاف صاف کہدیتے تھے اس زمانہ کی غزل کا یہ انداز ہے،

همه جز قصد جفاے نکنی | جانِ من ہیچ رواے نکنی
نکنی بر من بیچارہ سلام | در کنی جز بہ ریاے نکنی

اس سادگی کو دیکھو کہ معشوق سے کہتا ہے "تو تو کبھی مجھکو سلام نہین کرتا اور کرتا
بھی ہے تو ریاکاری سے کرتا ہے"

منوچہری کہتا ہے۔

بہ دعا کردی جانان کہ چنین خوب شدی | کہ چنین چاکر تو نیز دعاے تو کند

یعنی "اے معشوق تونے ایسی کیا دعا کی کہ اسقدر حسین ہوگیا، مجھکو بھی بتادے تو
مین بھی دعا کرکے حسین ہوجاؤن"

ان بھولی بھولی باتون پر متاخرین کی ہزارون رنگین بیانیان نثار ہین،

فتوحی مروزی

نہ دہی ہر دو سہ ماہے یک بوس | دو تین مہینہ مین بھی ایک بوسہ نہین دیتا
ور دہی نیز بصد ناز دہی | اور دیتا بھی ہے تو سیکڑون ناز سے دیتا ہی
از سر بندہ نوازی چہ شود | بندہ نوازی کے لحاظ سے یہ کوئی بڑی بات نہین
گر مرا یک شبے آواز دہی | کہ کسی رات مجھکو آواز دیدو (یعنی بلالو)

غزل مین ضعف اور ناتوانی کا مضمون، عام مضمون ہے، اس مین متاخرین کی

نازک خیالیاں تو یہ ہیں کہ

تنم از ضعف چنان شد کہ اجل جست و نیافت — نالہ ہر چند نشان داد کہ در پیرہن است

یعنی میرا جسم ایسا دبلا ہو گیا کہ موت نے ڈھونڈا اور نہ پایا، ہر چند نالہ پکارا کیا کہ پیرہن مین ہے۔

لیکن قدما کا یہ انداز ہے،

منصور رازی

یک موئے بدزدیدم از زلفت، — مین نے تیری زلف سے ایک بال چرالیا

چون زلف زدی اے صنم بشانہ — جب تو نے بالون مین کنگھی کی

چونانش بہ سختی ہمی کشیدم — مین اس کو اسطرح بمشکل کھینچتا تھا

چون مور کہ گندم کشد بہ خانہ — جسطرح چیونٹی گیہوں بل مین لیجاتی ہے

با موئے بہ خانہ در شدم، پدر گفت — بال لیکر جب مین گھر پہونچا تو میرے والد نے

منصور کدام است ازین دو گانہ — کہا کہ ان دونون مین سے منصور کون ہے

غرض، ابتدا مین ایک ایک بات سے بچپن کا اثر محسوس ہوتا تھا جسقدر زمانہ گذرتا جاتا تھا، اصول ارتقا کے موافق، شاعری کا قدم آگے بڑھتا تھا۔

تیمور کے حملون نے ملک کو تہ و بالا کر رکھا تھا، اسلئے خواجہ حافظ کے بعد، ایک مدت تک شاعری کی ترقی رکی رہی، جب سلاطین صفویہ کا دور شروع ہوا، اور عام امن و امان قائم ہوا، تو شاعری کا چشمہ پھر ابلا اور محتشم، شفائی، عرفی، نظیری وغیرہ پیدا ہوئے

اس دور مین اگرچہ صرف غزل کو ترقی ہوئی لیکن غزل ہی مین سب کچھ آگیا، رزم کے سوا فلسفہ، اخلاق، پند موعظت، تخئیل، غرض شاعری کی ہر نوع کمال کے درجہ تک پہنچ گئی، اور غزل کے دائرہ نے اسپر بھی تنگی نہ کی۔

شاعری کی جن اصناف کو عہد بہ عہد جسطرح ترقی ہوئی، ہر قسم کی شاعری کے ریویو مین اس کی تفصیل آئیگی، اسلئے یہان اسکی تفصیل کی ضرورت نہین،

شاعری پر اسباب خارجی نے جو اثر کئے انکا بیان الگ الگ عنوان مین آگے آتا ہے،

عربی شاعری کا اثر فارسی شاعری پر

اہل عجم ہر موقع پر اعتراف کرتے ہین کہ شاعری مین اُن کے استاد عرب ہین انوری کہتا ہے۔

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود — تم جانتے ہو، شاعری کس قوم نے کی،

اوّلِ شان امرأ القیس آخرشان بوفراس — وہ جسکا پہلا شاعر امرا القیس اور آخر بوفراس تھا

منوچہری دامغانی اپنے ایک ہمعصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الاھبیّ بصحنک فاصبحین

یعنی مجھکو عرب کے بیسیون دیوان زبانی یاد ہین اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہین پڑھ سکتا جسکا مطلع الاھبی بصحنک فاصبحینا، ہے

منوچہری نے ایک قصیدہ، عنصری کی مدح مین لکھا ہے اسمین عنصری کا مقابلہ قدیم شعرا اسے کیا ہے کہ وہ اسکی برابری نہین کرسکتے لیکن صرف عرب شعرا کا نام لیا ہے،

کو جریرؔ کو فرزدقؔ کو ولیدؔ و کو لبیدؔ　　　　ادبہ عجاجؔ و بہ یک الجن و سیف ذو یزن

روایت اور استشہاد کی حاجت نہین، خود عجم کی شاعری شہادت دے رہی ہے

کہ اسنے عرب کی انگلی پکڑکر چلنا سیکھا ہے۔

باوجودیکہ عربی کی بحرین فارسی سے بہت الگ ہین تاہم قدماے ایران، اکثر

عربی قصیدون پر قصیدے لکھتے تھے اور خود قصیدہ مین اس بات کا اشارہ کرتے تھے

منوچہری نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔

جہانا! چہ بدمہر و بدخو جہانی　　　　چو آشفتہ بازار بازارگانی

قصیدہ کے خاتمہ مین کہتا ہے۔

بدان وزن این شعر گفتم کہ گفت ست　　　　ابو الشیص اعرابی باستانی

سالقاک واللیل ملق الجران　　　　غراب ینوح علے غُصنٍ بان

عربی شعر، ابو الشیص کا ہے جسکے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہی۔

اکثر شعراے عرب، مشہور قصیدون کے مشہور فقرے یا مصرع کے ٹکڑے لاتے ہین

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی قصیدے انکے پیش نظر رہتے تھے۔

متنبی کا ایک قصیدہ ہے۔

احاد ام سدُسٌ فی اُحادِ　　　　ایک ہے یا ایک مین چھ ہے،

لییلتنا المنوطۃ بالتناد　　　　یہ رات جو کہ قیامت سے ملی ہوئی ہی

انوری ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

بے سپیدہ دم شب خذلان بدخواہت چنانکہ ۔۔۔ تا بصبح حشر میگوید اُحادُ اُم سُداس

یہ اسی متنبی کے شعر کی طرف اشارہ ہے۔

عربی جملے اور امثال اور محاورات اس کثرت سے لئے ہین کہ انکو جمع کیا جائے تو ایک دفتر بن جائے، نمونہ کے طور پر صرف ایک انوری کے کلام سے جو عرب کے تتبع مین چندان مشہور نہین ہم چند مثالین نقل کرتے ہین، لیکن متوسطین اور متاخرین کے ہان اسکی مثالین کم ملین گی جسکی یہ وجہ ہے کہ انکے عہد مین فارسی شاعری عرب کی حکومت سے آزاد ہو گئی تھی،

انوری

چہ روی راہ تردد قضی الامر فقم	چہ کشتی نقش تخیل بلّغ السَّیلُ زباہ
فیا لیتہ کان فی غنی لتہ	ویا لیتھا کانت القاضیۃ
چون غنیمت را مقابل میکنم با ایمنی	عقل می رود، وطمع ما ہے بود را سابراس
در لباس سایۂ نور زمان عقلش بدید	گفت باخود اے عجب نعم البدل بئس اللباس
انظرونا نقتبس من نورکم کے گفت چرخ	کافتاب از آفتاب ہمتت کرد اقتباس
دین کہ من خادم ہمی پردازم الکون ساحری	سامری کوتا بیابد گوشمال لامساس
تاکہ باشد این مثل کالیاس احدی الراحتین	بادی اندر راحتے، کازو انباشد بیم ویاس
بر نوشتہ بر کران نان او خطۂ سیاہ	لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس
زلزلۂ قہر تو شان کردیست	زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم

سیراب ست وحق ہمیگوید، ومن الماء کل شی حی

گفت بودم بخدمتت برسم خردم گفت اننا من این

بعد ازین من چه برزبان آرم، چکنم آخر السّ واعا لکے،

تلمیحات جن سے سیکڑون شاعرانہ مضامین پیدا ہوتے ہین اکثر عرب کی ہین مثلاً عشق وعاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہین، ایران مین ہزارون پری پیکر معشوق گذرے لیکن شاعری نے لیلیٰ کو انتخاب کیا اور اسکو اس حد تک وسعت دی کہ معشوق اور لیلیٰ مرادف لفظ بنگئے چنانچہ کہتے ہین "لیلائے من" یعنی معشوق من، لیلیٰ کے علاوہ کہین کہین اور کسی کا ذکر آجاتا ہے تو سلمیٰ، عذرا، وعد، رباب کا آتا ہے کہ یہ بھی عرب کے معشوق تھے، اسیطرح عاشقی کا سلسلہ بعینہٖ مجنون تک منتہی ہوتا ہے، حسن کے لئے حضرت یوسف کا نام آتے ہین اور انکے تعلق سے سیکڑون الفاظ اور تلمیحات پیدا ہوگئے ہین جن پر ہزارون شعرون کی بنیاد ہے مثلاً دیدۂ یعقوب، چاک پیراہن، چاہ کنعان، خواب زلیخا، زندان یوسف، برادران یوسف،

تلمیحات اکثر عرب کی ہین۔

انبیائے بنی اسرائیل سے سیکڑون قصے متعلق ہین اور ان سے شاعری کا بڑا سرمایہ تیار ہوا ہے، مثلاً، آدم، بہشت، گندم، طوفان نوح، قربانی اسمعیل، تعمیر کعبہ، بت شکنی خلیل، صبر ایوب، تخت سلیمان، بلقیس، ہدہد، موسیٰ، ید بیضا، عصائے موسیٰ، وادی ایمن، شمع طور، اعجاز عیسیٰ وغیرہ وغیرہ۔

نغمہ اور سرود مین اگرچہ زیادہ تر اپنے ہی ملک کے لوگون کا نام روشن کیا ہے مثلاً

باربد، نکیسا لیکن عرب کے مغنیون کا نام بھی خال خال آجاتا ہے معبد کا اکثر ذکر کرتے ہین جو بنو اُمیّہ کے دربار کا مشہور گوّیا تھا۔

منوچہری ؎ مرغ حزین روایت معبد کند ہمی

سخاوت مین مبالغہ کی حد حاتم ہے، جو عرب کا ایک مشہور سخی تھا کہین کہین معن کا نام بھی آجاتا ہی جو ہارون الرشید کے زمانہ مین تھا،

سلمان ساوجی، ؎

حاتم و معن بپرورش ہر دو گدائے راستین

عقل اور حکمت اور تدبیر مین ارسطو، فلاطن، بقراط، سقراط وغیرہ کام آتے ہین لشکر آرائی اور جہان ستانی مین سکندر نامور ہے،

ذوالقرنین اگرچہ عرب کا کوئی بادشاہ ہوگا لیکن غلطی سے وہ سکندر کے ساتھ ضم کردیا گیا یہ سب اگرچہ یونانی تھے لیکن ایشیا مین عرب نے انکو روشناس کیا، خُم فلاطون جو مشہور ہے، اس مین بھی اسی غلطی ہوگئی ہے، دیوجانس حکیم ایک حکیم تہا جو ایک پیپا اپنے پاس رکھتا تہا، اور رات کو اسی مین سو رہتا تہا، فارسی مین پیپہ کو خم کہتے ہین غلطی سے دیوجانس کے بجائے خُم افلاطون مشہور ہوگیا۔

مذہبی اعتقادات اور خیالات کے متعلق جسقدر اصطلاحات اور تلمیحات ہین سب عربی سے ماخوذ ہین جن پر سیکڑون مضامین کی بنیاد ہے مثلاً شراب طہور، حور، غلمان، چشمہ کوثر، بہشت، آتش دوزخ، نامۂ اعمال، محشر، ہنگامۂ محشر، صبح محشر، فرشتہ،

روح القدس وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ اس کثرت سے فارسی شاعری مین داخل ہین جنکا شمار نہین ہوسکتا

صنائع وبدائع جسقدر ہین قریبًا سب عرب سے لئے ہین، قدما مین **فرخی** ان تکلفات سے آزاد ہے لیکن صنائع وبدائع پر فارسی مین سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی، اسی نے لکھی جسکا نام ترجمان البلاغتہ ہے، اسطرف زیادہ توجہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اسی زمانہ کے قریب صنائع وبدائع پر عبد اللہ بن المعتز نے ایک کتاب لکھی اور یہ اس فن کی سب سے پہلی تصنیف تھی، اسکے بعد قدامہ نے اسپر اضافہ کیا، یہ کتابین تمام ملک مین پھیل گئین اور نہایت مقبول ہوئین، فرخی نے فارسی زبان مین اسکو نقل کیا تو اور بھی یہ صنائع عام ہوئے' اسی کا یہ اثر ہے کہ قدیم شعرا کی بساط مین لفظی صنائع کے سوا اور کچھ نہین، غور کرو عبد الواسع جبلی، ادیب صابر، مختاری، میر معزی، رشید الدین وطواط، ازرقی ہروی کے کلام سے یہ تکلفات نکال دئے جائین تو انکے پاس کیا رہ جاتا ہے، کمال اسمعیل کا یہ احسان ہے کہ اُس نے اس بدعت کو کم کیا اور رفتہ رفتہ، شاعری کا دامن اس داغ سے پاک ہوگیا۔

تشبیہات مین عرب کا کم اثر ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایران کا شوخ اور رنگین شاعر جو عیش ونعمت کے دامن مین پلا ہے معشوق کی زلف کو رسی سے، زلف کو کولون سے کمر کو زنبور کی کمر سے، معشوق کی انگلی کو مسواک سے تشبیہ نہین دے سکتا، یہ چیزین عرب ہی کے لئے موزون تہین، جو جنگل کے صحرائی اور پہاڑون کے شکاری تھے، بنفشہ، سنبل،

یاسمن، نرگس، یہ چیزین عرب نے خواب مین بھی نہین دیکھین تشبیہ کہان سے آتی البتہ جب سلطنت بغداد مین آئی، اور دنیا کا چمن زار نظرون مین رہنے لگا تو عربی شاعری مین بھی یہ سب باتین آگئین، لیکن ہم اس دور کی شاعری کو عربی شاعری نہین کہتے یہ وہی فارسی شاعری ہے، صرف زبان کا فرق ہی،

تاہم عرب کی تقلید کا یہ اثر ہے کہ قدماے ایران کے ہان وہ تشبیہین خال خال نظر آجاتی ہین جو عرب کے ساتھ مخصوص ہین مثلاً عرب گھونگھر والے بال کو انگور کے خوشہ سے تشبیہ دیتے ہین، میر معزّی کہتے ہین،

گرفتہ زلف گرہ گیر درمیان دو لب چو خوشۂ عنب اندر میانۂ عناب

زلف کو صلیب سے تشبیہ دینا بھی عرب ہی کا اثر ہے،

زلف بکشا تا کہ دگر راہب نگوید کالصلیب محمود

اہل عرب کا عام انداز تھا کہ تشبیہین نہایت سادہ اور محسوس اور مادی چیزون سے دیتے تھے، قدماے عجم کے ہان بھی عموماً اس قسم کی تشبیہین پائی جاتی ہین اور یہ وہی عرب کا اثر ہے،

ابوزجمہر قاینی جو سلطان محمود کے امرا مین سے تھا، پستہ کی تشبیہ دیتا ہے۔

مانند دہانِ ماہی خرد آنگہ کہ کند ز تشنگی باز

یعنی پستہ کی یہ صورت ہے جسطرح چھوٹی مچھلی کا منہ پیاس مین کھلجاتا ہی،

منوچہری کی تشبیہات اسی قسم کی سادہ اور محسوس ہوتی ہین چونکہ منوچہری بہ

عرب کا اثر نہایت غالب تہا اسلئے یہ خصوصیت اسمین زیادہ پائی جاتی ہی،

شعراے عرب اکثر قصیدون مین ممدوح کے فتوحات اور ملکی معرکے نظم کرتے تھے متنبی کے اکثر قصائد اسی قسم کے ہین، ابو تمام کا قصیدہ جس مین عموریہ کی فتح بتفصیل لکھی ہے، مشہور قصیدہ ہے، فارسی مین اگرچہ متاخرین نے یہ طریقہ بالکل ترک کر دیا، لیکن قدما جن پر عرب کا رنگ غالب تہا، اکثر قصائد مین بادشاہ کے فتوحات کا، شکار کا، شیر مارنے کا، اور اس قسم کی باتون کا ذکر کرتے تھے چنانچہ عنصری، عسجدی اور فرخی کے متعدد قصائد تاریخی قصائد ہین،

عربی قصائد کی تمہید مین اکثر ممدوح، یا معشوق کے ملنے کیلئے سفر کرنے کا حال لکھتے ہین، اور راستہ کی سختی، پہاڑون کی چڑہائی، گھوڑون کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکر سے اسکو طول دیتے ہین، فارسی مین بھی قدیم شعرا کا یہ خاص انداز تہا جو آخر متروک ہوگیا، منوچہری دامغانی اور عمعق بخاری نے متعدد قصیدے اس طرز پر لکھے ہین اور نہایت خوبی سے واقعات کو ادا کیا ہے، منوچہری کا قصیدہ پہلے حصہ مین ہم درج کر چکے ہین، عمعق کا پورا قصیدہ مجمع الفصحا مین نقل کیا ہے، امرء القیس نے نے اپنا مشہور قصیدہ معلقہ اس تمہید سے شروع کیا ہی،

ساتھیو! ٹہر جاؤ، یہ معشوق کا اُجڑا ہوا گھر ہی، آؤ معشوق کی یاد مین دو آنسو بہالین،

یہ انداز اسقدر مقبول ہوا کہ ایک مدت تک شعرا قصیدہ کی ابتدا انہی لفظون سے کرتے تھے، فارسی شعرا نے بھی اسکی تقلید کی، لامعی جرجانی کہتا ہے۔

ہست این دیار یار، اگر شاید فرود آرم حمل — یہ معشوقون کے مکانات ہین، یہان اونٹ بٹھانا چاہیے

پرسم رباب و دعد را حال از رسوم و از طلل — کہ رُباب اور دعد کا حال کھنڈرون اور ٹیلون سے پوچھون

اخذ مضامین از عرب | اول اول ایرانی شعرا عربی شاعری سامنے رکھکر شعر کہتے تھے، مشق کی ابتدا اِسیطرح تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے، آج بہت سے فارسی قطعے، فرد، بلکہ قصیدے موجود ہین جنکو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہین لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے کہ شعرا کے لئے نمونے ہاتھ آئین،

سیف الدولہ کا ایک مشہور قطعہ ہی جسمین ابتدائی مضامین کے بعد قوس قزح کی ایک عجیب لطیف تشبیہ بیان کی ہے،

ہوا نے افق پر ایک چادر پھیلا دی ہی جسکے کنارے زمین تک لٹک آئے ہین چادر کے کنارے پر قدرت نے سُرخ، سفید، سبز رنگ کی بیلین ٹانک دی ہین گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عروس نازنین نے اوپر تلے مختلف رنگ کے پیراہن پہن لئے ہین جنکے دامن بہ ترتیب ایک دوسرے سے چھوٹے ہوتے چلے گئے ہین

اس تشبیہ کی نسبت عرب مین مشہور تہا کہ شاہانہ تشبیہ ہے، عام آدمی کا خیال اس طرف نہین جاسکتا، یہ قطعہ زیادہ مشہور ہوا تو امیر ابوالمظفر طاہر بن الفضل نے جسکی مدح مین فرخی کا مشہور قصیدہ ہم نقل کر آئے ہین، اسکا لفظی ترجمہ کیا، چنانچہ لباب الالباب عوفی یزدی مین بہ تصریح لکھا ہی کہ "این ابیات بہ امیر طاہر بن الفضل رسید، ہر بیتے را بہ نظم ترجمہ کرد بہ پارسی و آن اینست[۱]"

[۱] لباب الالباب حصہ اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۸—

ہم اصل قطعہ اور ترجمہ، دونوں اس مقام پر درج کرتے ہیں لیکن عوفی نے عربی کے اشعار نہایت غلط نقل کیے ہیں، اس لئے ہمنے یتیمۃ الدہر وغیرہ سے اسکو صحیح کر لیا ہے،

وساقٍ صبیح للصبوح دعوتہ فقام وفی اجفانہ سنۃ الغمض

یطوف بکاسات العقار کانجم فمن بین منقض علینا ومنفض

وقد نشرت ایدی الجنوب مطارفا علی الجو دکنا والحواشی علی الارض

یطرزہا قوس السحاب باصفرٍ علی احمر فی اخضر تحت مبیض

کاذیال خودٍ اقبلت فی غلائل مصبغۃ والبعض اقصر من بعض

ترجمہ

آن ساقی مہ روی صبوحی بر من خورد وز خواب، دو چشمش چو دو تا نرگس خورم

وان جام مے اندر کفِ او ہمچو ستارہ ناخوردہ یکے جام و دگر دادہ دمادم

وان میغ جنوبی چو یکے مطرف خوش بود دامن بزمین بر زدہ ہمچون شب ادہم

بر بستہ ہوا چون کمرے قوس قزح را از اصفر و از احمر و از ابیض معلم

گوئی کہ دو سہ پیرہن است از دو سہ گونہ وز دامن ہر یک ز دگر پارہ گہے کم

طاہر نے دیانت سے ترجمہ کیا اور یہ کوئی عیب نہیں، لیکن امیر معزی جو سلطان سنجر کا ملک الشعرا ہے اُس نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا کہ گویا اسیکا ہے چنانچہ کہتا ہے،

نماید خویشتن قوس قزح چون چنبر رنگین کہ باشد در زمین پنہان شدہ یک نیمۂ ان چنبر

چو پوشیدہ سہ پیراہن کہ ہر یک را بود پیدا بُن دامن یکے احمر یکے اصفر یکے اخضر

ابونواس کا ایک مشہور قطعہ ہے جسکا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرون الرشید کو

شبستان عیش مین ایک کنیز، شراب سے مخمور نظر آئی، جسکے سر سے بدمستی مین ڈوپٹہ گر گیا تھا اور نظر فریب حالت پیدا ہوگئی تھی، ہرون نے کچھ اور تقاضا کیا، کنیز نے کہا "کل" دوسرے دن ہرون نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا تو اُس نے کہا ع کلام اللیل یمحوہ النہار یعنی "رات گئی رات کی بات گئی" ہرون نے دربار مین آکر شعرا کو بلایا اور حکم دیا کہ سب اس مصرع پر مصرع لگائین ابونواس نے برجستہ کہا،

وخود اقبلت فی القصر سکری | ولکن زین السکر الوقار
وھز الریح اردافا ثقالا | وغصنا فیہ رمان صغار
وقد سقط الردا عن منکبیہ | من التجمیش واسترخی الازار
فقلت الوعد سیدتی فقالت | کلام اللیل یمحاہ النہار

نظام الملک محمود نے اسکا فارسی مین ترجمہ کیا،

مست آمد پیش من دوش آن زیبا نگار | از خرد و آستگی گفتی کہ ہست او ہوشیار
از سرین او نمودہ باد از نسرین دو تل | وز بر چون عاج او انگیختہ سیمین دو نار
آستینش را گرفتم درکشید از دست من | معجرش از سر فتاد و سست شد بند ازار
گفتم اے جان وعدۂ دوشین خود را کن وفا | گفت نشنیدی، کلام اللیل یمحوہ النہار

ابوالفتح البستی کا ایک مشہور قصیدہ ہے جسکا یہ مطلع ہے۔

زیادۃ المرء فی دنیاہ نقصان | وربحہ غیر محض الخیر خسران،

بدر جاجرمی نے پورے قصیدہ کا ترجمہ فارسی مین کیا اور قافیہ وہی رکھا مطلع یہ ہے،

هر کمالیکہ ز دنیاست ہمہ نقصان ست　　　سود کان عمر نکوئی نبود خسران ست

اس پردہ مین یہ قصہ شروع ہوگیا، عنصری، اسدی، کسائی، غضاری کے ہان بہت سے مضامین ہین جو قطعاً عرب سے لیے ہین، لیکن چونکہ لوگون کی نظر کلام عرب پر نہین ہے اس لئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ نہین خیال کیا، مجمع الصنائع وغیرہ مین سرقہ کی مثالین کثرت سے نقل کرتے ہین لیکن ان اشعار کا ذکر تک نہین آتا، اس قسم کے سرقات مین سے ہم چند مثالین نقل کرتے ہین، یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ مضامین شعرائے عرب کے مخصوص اور ممتاز مضامین ہین جن سے کوئی عربی دان ناواقف نہین رہ سکتا، اس لئے توارد کا خیال صحیح نہین ہوسکتا،

۱- ابو نواس کا شعر ہے،

لیس من اللہ مستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ تمام عالم کو ایک شخص مین کھپا دے،

پہلے دعوے کیا ہے کہ ممدوح کی ذات مین تمام دنیا کے اوصاف جمع ہین، پھر اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے، کہ خدا اگر تمام عالم کو ایک ذات واحد مین کھپا دے تو اُسکی قدرت سے یہ بات خارج نہین،

جب ابو نواس نے یہ شعر کہا تو تمام بغداد مین اسکا چرچا پھیل گیا یہانتک کہ لوگون نے ابو نواس سے اگر پوچھا کہ یہ مضمون بالکل آپکی ایجاد ہے یا کہین سے اخذ کیا ہے؟ ابو نواس نے انصاف پرستی سے کہا کہ نہین جریر کے شعر سے ماخوذ ہے،

عنصری نے اسی مضمون کو یون ادا کیا،

گروش توانی دیدن، ہمہ جہا نست او | برین سخن ہنر و فضل او بس ست گوا
کس از خدای ندارد عجب، اگر دارد | ہمہ جہان را اندر یکے تن تنہا

متنبی قصیدہ میمیہ مین لکھتا ہے،

اذا رأیت نیوب اللیث بارزۃ | فلا تظنن ان اللیث مبتسم

یعنی "میری خندہ روئی پر میرے حریفون کو مطمئن نہین ہونا چاہئے، شیر دانت نکالے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہنس رہا ہے"

اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ مین اس مضمون سے یون کام لیا،

نباید شد از خندۂ شہ دلیر | نہ خندہ است دندان نمودن ز شیر

۳۔ صاحب بن عباد کا مشہور شعر ہے،

رق الزجاج و رقت الخمر | فتشابہا فتشاکل الامر
فکانما خمر و لا قدح | و کانما قدح و لا خمر

یعنی شراب اور جام شراب دونون اسقدر لطیف ہین کہ مشتبہ سے ہو گئے ہین، اسلئے دھوکا ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے جام نہین ہے، یا یہ کہ صرف جام ہے شراب نہین،

کوکبی مروزی کا یہ قطعہ انہین عربی اشعار کا ترجمہ ہے،

قدح و بادہ ہر دو از صفوت، | ہمچو ماہ دو ہفتہ دارد اثر
یا قدح بے می ست یا می ناب | بے قدح در ہوا شگفت نگر[1]

[1] لباب الالباب عوفی جلد دوم تذکرہ کوکبی مروزی،

لیکن عضاری رازی نے اس مضمون کو زیادہ صاف اور زیادہ لطیف کردیاہی،

باده بمن دادو از لطافت گفتم   جام بمن داو لیک باده نداده ست

۴ برسات مین جو کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہین، عربی مین ان کو "اولادزنا" کہتے ہین مشہور ہے کہ جب سہیل ستارہ نکلتا ہے تو یہ حشرات الارض فنا ہو جاتے ہین متنبی نے اس سے یہ مضمون پیدا کیا،

اتنکر مو تهم وانا سهیلٌ   طلعت بموت اولاد الزناء

یعنی مین سہیل ہون اور میرے دشمن حشرات الارض ہین جب مین نمایان ہوا تو وہ فنا ہو گئے،

نظامی نے بعینہ اس مضمون کو لے لیا چنانچہ قصیدہ فخریہ مین فرماتے ہین،

ولد الزناست حاسد منم آنکہ طالع من   ولد الزناکش آمد چو ستارۂ یمانی

شاگرد کا اثر اُستاد پر — یہان پونچکر یہ بتادینا بھی ضروری ہی کہ گو عجم نے عرب کے آگے زانوی شاگردی تہ کیا لیکن یہان تک ترقی کی کہ خود عرب کو بھی ان سے استفادہ کرنا پڑا،

چوتھی صدی کے آغاز مین جو فارسی شاعری کا اوائل شباب تہا عربی شعرا اکثر فارسی کی ضرب المثلین، مشہور جملے اور نادر مضامین، ترجمہ کی صورت مین ادا کرتے تھے اور بعض بعض عربی شعرا کا خاص یہ فن بنگیا تہا۔

ابوالفضل سکری مروزی نے ایک مثنوی مین فارسی ضرب المثلون کا ترجمہ کیا

تیمۃ الدہر مین اسکے بہت سے اشعار نقل کئے ہین اور تعجب ہو کہ اکثر ضرب المثلین وہین جو آج بھی مشہور ہین، مثلاً

عربی	فارسی
الشمس بالتطیین لاتغطّی	آفتاب بہ گل اندودن نتوان،
اللیل حبلی لیس یدری مایلد	شب است آبستنی ہنیم چہ زاید

یتیمۃ[1] مین اس قسم کے متعدد اشعار نقل کرکے لکھا ہے،

"وکان مولعا بنقل الامثال الفارسیہ الی العربیۃ"،

یعنی ابوالفضل، کو فارسی ضرب المثلون کے ترجمہ کرنیکا چسکا تہا۔

پھر چند شعر نقل کئے ہین جنمین سے بعض ہم اصل فارسی کے ساتھ نقل کرتے ہین،

عربی	فارسی
اذا وضعت علی الراس التراب فضع	خاک از تودہ کلان بردار
من اعظم التل ان النفع منہ یقع	
اذا الماء فوق عنس یق طما	چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یکدست
فقاب قناۃ والف سواء	

اسی زمانہ مین ایک اور شاعر ابوعبداللہ ابیوردی تہا، اس نے ایک قصیدہ مین ایران کی ضرب المثلون کا ترجمہ کیا، یتیمۃ[2] مین اس قصیدہ کے چند شعر نقل کئے

[1] یتیمۃ الدہر مطبوعہ بیروت حصہ چہارم صفحہ ۲۲۔ [2] کتاب مذکور حصہ ۴ صفحہ ۲۵،

ہین جنمین سے ایک یہ ہے،

ومن عقعق قد دام مشیۃ قبجۃ　　فانسی ممشاہ ولم یمش کالحجل

یہ وہ مثل ہے جسکو نظامی نے یون نظم کردیا ہے،

کلاغ تگ کبک را گوش کرد　　تگ خویشتن را فراموش کرد

معروفی سامانیون کے زمانے کا شاعر تھا، اسکا ایک شعر ہے،

خون سپید بارم بر دور خان زردم　　آرے سپید باشد خون دل مقعد

ابوالحسن علی بن محمد بدیہی نے بعینہ اس مضمون کو لے لیا چنانچہ کہتا ہے،

وکأن دما فابیض منہ احمرارہ[1]　　بنار التصابی حین فاض مصعد

علامہ ثعلبی نے تیمۃ الدہر مین جہان یہ شعر نقل کیا ہے، بہ تصریح لکھدیا ہی کہ یہ مضمون معروفی کے ہان یون بندھ چکا ہے اور یہ فارسی شعر بھی نقل کردیا ہے،

عرب کی اصلی شاعری کی تقلید نہین کی،

اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہی، کہ عجم نے شاعری مین عرب کی جو تقلید کی وہ دراصل، عرب کی اصلی شاعری نہ تھی، عرب کی اصلی شاعری اسلام سے بہت پہلے شروع ہوکر بنو امیہ کے زمانہ تک ختم ہوچکی تھی، اس کے بعد عربی حکومت کا مرکز بغداد قرار پایا، یہان عجم سے اسقدر اختلاط ہوا کہ عرب کا سارا تمدن بدل گیا اور اسکے ساتھ انکی شاعری بھی سرے سے بدلگئی، خیالات، طرز ادا، استعارات، تشبیہات نوعیت مضامین، قصائد اور غزل کا سرمایہ خمیر سب کا سب بدلگیا، عرب کی اصلی شاعری

[1] تیمۃ الدہر حصہ ۳ صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴ - لیکن نسخہ مطبوعہ،

یہ تھی کہ پہاڑون کی بلندی، چشمونکی روانی، بادلون کی جھڑی، لوؤنکی لپٹ، سموم کے جھونکے اونٹون کے ڈیل ڈول، گھوڑونکی رفتار، سفر کی دشوارگذاریان، گھرونکی ویرانی، مکانونکے کھنڈر وغیرہ وغیرہ کا سمان دکھاتے تھے، قصائد مین پہلے مدح بالکل نہین کہتے تھے، زہیر نے ابتدا کی، اور بنوامیہ کے زمانہ مین صرف مداحی ہی رہگئی، پہلے شعرا خاص اپنے واقعات جنگ اشعار مین لکھتے تھے، اور انکی شاعری کا بڑا حصہ یہی ہوتا تھا،

بنوامیہ سے لیکر آج تک پھر کسی شاعر نے کبھی اپنے واقعات نہین لکھے اور نہ انکو کبھی کوئی معرکہ پیش آیا۔

عجم کی شاعری نے آنکھین کھولین تو عربی شاعری خود عجمی بن چکی تھی، صرف زبان کا فرق تھا، اسلئے ایران کی شاعری نے بظاہر عرب کی تقلید کی لیکن درحقیقت وہ اپنی ہی تقلید تھی، کیونکہ عربی شاعری کا تغیر عجم ہی کا اثر تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری ان تمام اوصاف سے محروم ہوگئی جو عرب کی اصلی شاعری کا خاصہ تھا، مساوات، آزادی رفعت، بلندحوصلگی، بہادری، جنگ آزمائی، مہمان نوازی، فیاضدلی کے مضامین فارسی شاعری مین ڈھونڈھنا چاہین تو نہین پاسکتے اور ملتے ہین تو وہ خود شاعر کے ذاتی واقعات نہین ہوتے، بلکہ وہ اورونکے واقعات بیان کرتا ہے، فخر اور ادعا ایرانی شاعری مین بھی ہے، لیکن یہ ادعا شاعری، مضمون طرازی، امتیاز علمی پر محدود ہے، بخلاف اسکے عرب کا شاعر ایک فاتح، ایک سپہ سالار، ایک جنگ آزما کی حیثیت سے فخر کا اظہار کرتا ہے اور جو کچھ کہتا ہو وہی کہتا ہے جو خود کر چکا ہے،

تاہم بعض بعض شعرا تقلیداً یہ انداز اختیار کرتے تھے، مثلاً عرب کا یہ خاص طرز تھا کہ قصیدہ کی تمہید اس طرح شروع کرتے تھے کہ "شاعر رہ نورد ہی، راہ مین وہ مقام آگیا ہے جہان معشوق کچھ دنون رہا تھا اور وہان اب کچھ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر باقی ہین، شاعر یہان پہونچکر ساتھیون سے کہتا ہے "ذرا ٹھہر جاؤ معشوق کی یادگار پر دو آنسو بہالین" پھر گذشتہ آبادی اور موجودہ ویرانی کا تذکرہ کرتا ہے اور اس داستان کو خوب پھیلا ہی اس انداز پر فارسی شاعرون نے بھی بعض بعض قصیدے لکھے ہین چنانچہ لامعی کا قصیدہ ہے

ہست این دیار یار، اگر شاید فرود آرم جمل	پرسیم رباب[1] و عدرا احوال از رسوم و از طلل
جائے ہمی بینم خراب، اندر میان او سحاب	آتش زدہ گاہ، و گہ آب از قوت برق و ہطل
در خانہ سعدی[2] او دمے آنگاز کف آن ہر دمے	خوردم دو جام اندرہ دو دمے این در تیمم آن در ذل
بانگ پلنگ آید ہمی، فریاد درنگ آید ہمی	آشوب سنگ آید ہمی چون گاہ زلزال از قلل
گوئی کجا رفت آن صنم کہ بود در عالم علم	خوردہ دمم عذرا بہ دم بردہ دل از تیمم دل
برد از دلم صبر و خرد چون بانگ زد آن ناقہ زد	کاریم پیش آورد بد، لما تولیٰ دار تحمل

دیکھو چونکہ یہ خیالات، ملکی حالات کے خلاف ہین، اسلئے بالکل نامانوس اور اَنمل معلوم ہوتے ہین، ایران مین وعدا رباب کو کون جانتا ہے؟ ناقہ پر کون سفر کرتا ہی؟ تیمم و ذل سے کون واقف ہے؟ انقلاب حالت اور آبادی کے بعد ویرانی کا بیان کرنا ہو تو ایرانی شاعری کے مطابق اسکا یہ انداز ہے۔

---

[1] عرب کے معشوقون کے نام ہین۔ [2] دونون عرب کے معشوقون کے نام ہین۔

جائیکہ بود آن دلستان، با دوستان در بوستان | شد زاغ و کرگس را مکان، شد مور و ماہی را وطن
بر جائے رطل و جام مے، گوران نہادستند پے | بر جائے چنگ و نائے و نے، آواز زاغ ست و زغن

نظامِ حکومت کا اثر

ایشیا مین، علم و فن صنعت اور ہنر، سب چیزین سلطنت کی تابع ہوتی ہین سلطنت کا جو مذاق ہوتا ہی تمام چیزون مین اثر کر جاتا ہے اسلئے شاعری کی ترقی و تنزل نوعیت اور مذاق کی تحقیقات مین سب سے پہلے حکومت کے مذاق کا پتہ لگانا چاہیے،

اوپر پڑھ آئے ہو کہ ایران مین شاعری حکومت کی بدولت پیدا ہوئی، عام لوگون کا اور سلاطین اور امرا کا خیال تہا کہ شعر بقائے نام کا سب سے بڑا ذریعہ ہی،

از ان چندین نعیم جاودانی | کہ ماند از آل سامان وال سامان
ثنای رودکی ماندہ است بر جائے | نوای باربد ماندہ است و دستان

یعنی خدا نے سامانی بادشاہون کو ہر طرح کے ناز و نعمت کے سامان دیئے لیکن ان مین سے صرف دو چیزین یادگار رہگئین، رودکی کے مدحیہ قصیدے اور باربد کے راگ اور گیت، نظامی عروضی فرماتے ہین،

بسا کاخا کہ محمود شس بنا کرد | محمود نے بہت سے محل بنائے،
کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد | جو بلندی مین چاند کے برابر تھے،
نہ بینی زان ہمہ یک خشت بر جا | ان مین سے ایک اینٹ بھی قائم نہین رہی

مدح عنصری ماندہ است برجا — صرف عنصری کی مدح باقی رہگئی ہے،

اگرچہ یہ خیال محض لغو ہے، سعدی، خاقانی، ظہیر فاریابی، انوری، زمانہ مین مشہور ہین لیکن ان کے ممدوحین کو کون جانتا ہے؟ تاہم یہ خیال شعرا کی قدر دانی اور ترقی کا بڑا ذریعہ بن گیا، تمام بڑے بڑے مشہور سلاطین کے درباروں مین ملک الشعرائی کا عہدہ قائم تہا جسکی بہت بڑی تنخواہ ہوتی تھی،

ملک الشعرا کے علاوہ اور بہت سے شعرا دربار مین رہتے تھے جو جشن وغیرہ کے موقعوں پر قصیدے پیش کرتے تھے اور بڑے بڑے صلے پاتے تھے،

بڑے بڑے شاہنشاہ شعرا کو تخت پر اپنے برابر بٹھاتے تھے، سلجوقیون کا سب سے بڑا تاجدار سنجر انوری سے اسکے گھر ملنے جاتا تھا، عباس صفوی نے شفائی کی تعظیم کے لئے علین کو کبہ سواری کے وقت گھوڑے سے اُتر جانا چاہا تھا، یہ تو ظاہری قدر اور تعظیم تھی شعرا پر زر و جواہر کی جو بارش ہوتی تھی، اسکی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے،

عنصری کو سلطان محمود نے اس رتبہ تک پہونچایا کہ چارسو زرین کمر غلام اُسکے رکاب مین چلتے تھے اور جب سفر کرتا تہا تو اسکا ساز و سامان چارسو اُونٹون پر بار کیا جاتا[1]، خاقانی کہتا ہے،

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگدان — ز زر ساخت آلات خوان عنصری

جب سلطان محمود کا ولی عہد سلطنت یعنی مسعود خراسان سے غزنین آیا، تو

[1] مجمع الفصحا، دولت شاہ۔

توشعرا نے تہنیت کے قصائد پیش کئے جسکے صلے مین ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور عنصری اور زینتی کو ۵۰-۵۰ ہزار درہم دلوائے[1]، ناصر الدین چغائی نے ایک قصیدہ پر فرخی کو ۴۲ گھوڑے انعام مین دئے، غضاری رازی کو اپنے وطن مین سلطان محمود کے دربار سے ہر قصیدہ پر ہزار اشرفیان مقرر تھین اور جب دربار مین آیا اور رباعی پیش کی تو اشرفیون کے دو توڑے انعام مین ملے چنانچہ خود کہتا ہے،

بلے دو بدرۂ دینار یافتم بہ تمام — حلال و پاکتر از شیر دایۂ اطفال

احمد شاہ بہمنی والی دکن نے جب ایوان امارت تعمیر کرایا تو آذری نے یہ قطعہ لکھا۔

جبذا قصر مشید کہ ز فرط عظمت، — آسمان پایۂ از سُدّۂ این درگاہ ست

آسمان ہم نتوان گفت کہ ترک ادب ست — قصر سلطان جہان احمد بہمن شاہ ست

ملا شرف الدین مازندرانی جو مشہور خوشنویس تھا، اُس نے اس قطعہ کو خوشخط لکھا اور سنگ تراشون سے کندہ کرا کے عمارت کے صدر دروازہ پر لگایا، سلطان احمد کی نظر اُس پر پڑی تو پوچھا کس کے شعر ہین؟ شہزادۂ علاؤ الدین نے آذری کا نام لیا اور کہا کہ اُنکو اپنے وطن جانے کی آرزو ہے، سلطان نے اسیوقت ۴۰ ہزار روپیے منگوا کر آذری کے سامنے رکھوا دئے آذری نے کہا لاتحمل عطایا کم الامطایا کم، سلطان نے ۲۰ ہزار روپیے اور دلوائے[2]،

مولانا جمال الدین سلطان محمد تغلق کی مدح مین قصیدہ لکھکر لیگئے، مطلع تھا،

الٰہی تا جہان باشد نگہدار این جہانبان را — محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطان را

[1] مجمع الفصحا و دولت شاہ، [2] خزانۂ عامرہ،

مطلع پڑہا تہا کہ سلطان نے روک دیا اور کہا مین باقی اشعار کے صلہ دینے سے عاجز ہون،
یہ کہکر اشرفیان منگوائین، اور حکم دیا کہ مولانا کے قدم سے سر تک ڈہیر لگا دیا جائے، اشرفیان
سر تک پونہچین تو مولانا کہڑے ہو گئے، سلطان کو یہ ادا نہایت پسند آئی دوبارہ اشرفیان
منگوا کر حکم دیا کہ قد آدم ڈہیر لگا دیا جائے[1]،

امید رازی کو امیر نجم کے دربار سے ہر قصیدہ پر ۳۰ تومان ملتے تھے[2] خاقانی شروان
شاہ کا ملک الشعرا تہا اور ہر قصیدہ کا ہزار دینار صلہ مقرر تھا امیر خسرو دہلوی نے جب سپہر
لکھی تو قطب الدین (بن علاء الدین خلجی) نے ہاتھی کے برابر روپیے تول کر دلوائے[3]،
چنانچہ خود نہ سپہر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، خانخانان نے حیاتی گیلانی کو خزانہ مین
لیجا کر حکم دیا کہ جسقدر اشرفیان آپ کے اٹھائے اٹھ سکین آپکی ہین[4]، دارا شکوہ نے
اس شعر پر دانش مشہدی کو لاکھ روپیے دلوائے تھے[5]،

آک راسر سبز کن اے ابر نیسان در بہار　　　قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

خانخانان نے جب سندھ فتح کیا اور وہان کے حاکم مرزا جانی کو گرفتار کر کے دربار
مین لایا تو شکیبی نے مثنوی لکھی جسکا ایک شعر یہ ہے،

ہمائے کہ بر چرخ کردے خرام　　　گرفتی و آزاد کردی ز دام

خانخانان نے پندرہ ہزار روپیے انعام دے لطف یہ کہ مرزا جانی نے بھی

---

[1] خزانہ عامرہ تذکرہ جمال الدین دہلوی، [2] خزانہ عامرہ، ایک تومان ۱۰ سو کا ہوتا ہے، [3] خزانہ عامرہ
[4] خزانہ عامرہ [5] خزانہ عامرہ۔

ایک ہزار اشرفی دی اور شکیبی سے کہا کہ "تمہارا احسان ہی کہ تم نے مجکو ہما کہا ورنہ اگر شغال کہتے تو مین تمہارا کیا کر لیتا"[1]،

شاہ عباس ماضی نے شانی تکلو کو اس شعر کے صلہ مین چاندی مین تلوادیا۔

اگر دشمن کشد ساغر وگر دوست　　بہ طاق ابروے مستانۂ اوست

مرزا صائب نے اصفہان سے نواب جعفر خان (وزیر عالمگیر) کو لکھ بھیجا تھا۔

دو ر دستان را باحسان یاد کردن ہمت ست　　ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

نواب موصوف نے پانچہزار اشرفیان بھجوائین،

جہان آرا بیگم (دختر شاہجہان) ایک دن باغ کی سیر کو نکلی، باغ کے چارون طرف پردہ کرا دیا، صیدی طہرانی بالاخانہ سے چھپکر تماشا دیکھ رہا تھا، سواری سامنے آئی تو بلبیساختہ یہ مطلع پڑھا۔

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش　　تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش

باغ مین برقع پہنکر اس لئے جاتی ہے کہ پھولون کی خوشبو چھنکر دماغ مین آئے،

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو سامنے لائین صیدی سامنے آیا تو یہ شعر بار بار پڑھوایا اور حکم دیا کہ پانچہزار روپیہ دیکر اس کو شہر سے نکال دو[2]۔

اکبر آفتاب پرستی کرتا تھا فطرتی کشمیری نے اسپر یہ شعر لکھے،

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہری عطا ست　　آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب

---

[1] خزانۂ عامرہ۔ [2] یہ واقعہ تمام تذکرون مین باختلاف روایات منقول ہے،

اوکرو اگر مشاہدۂ حق درآئینہ　　　این میکند مشاہدۂ حق در آفتاب

اکبر نے بارہ ہزار روپے دلوائے[1]،

ظہوری کو ساقی نامہ کے صلہ مین برہان نظام شاہ نے کئی ہاتھی نقدی اور جنس سے لدے ہوئے انعام مین دے اُس قسم کے ہزارون واقعات ہین جن کی تفصیل کیجائے تو عرفی کا یہ طعنہ سننا پڑے گا،

بیا بہ ملک قناعت کہ ور دسر نکشی　　　ز قصہ ہا کہ بہ ہمت فروش طے بستند

یہ فیاضیان اصول سلطنت کے لحاظ سے جائز تھین یا ناجائز اسکا فیصلہ شاعری کی تاریخ سے تعلق نہین رکھتا لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اسنے شاعری کی ترقی اور وسعت مین آب حیات کا کام دیا، تمام ملک مین شاعری کا مذاق پھیل گیا بڑے بڑے حکما، اور علما علوم و فنون چھوڑ کر شاعر بنگئے، یہ فیاضیان نہوتین تو اقلیم سخن کو خیام انوری نظامی، ناصر خسرو، فیضی کہان سے ہاتھ آتے لیکن شاعری کی ترقی مین فیاضی سے بڑھکر جس چیز نے کام کیا وہ سلاطین اور امرا کی قابلیت، اور نکتہ سنجی تھی، آجکل تو امیر ہونا جاہل ورسادہ لوح ہونے کے مرادف ہی لیکن جب اسلام اسلام تہا تو دولت دنیا اور دولتِ علم ساتھ ساتھ بسر کرتی تھین، عبداللہ بن المعتز دور اسلام کا سب سے بڑا شاعر ہے لیکن وہ بغداد کے تخت خلافت پر جلوہ افروز رہ چکا ہی، ابو فراس جسکی نسبت انوری کہتا ہی،

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　　اول شان امرؤ القیس آخر شان بو فراس

[1] خزانۂ عامرہ تعجب ہے کہ یہ اشعار فیضی کی طرف بھی منسوب ہین،

ایک مشہور شاہی خاندان کا ممبر تھا،

بوعلی سینا جو مسلمانون مین ارسطو کا ہمسر مانا گیا ہے، وزارت کے عہدے پر مامور تھا، جعفر برمکی کو تمنے وزارت کے لباس مین دیکھا ہے لیکن فن بلاغت کی پہلی کتاب اُسی کے دست وقلم کی ممنون ہے محقق طوسی ہلاکو خان کا وزیر تھا،

سلاطین اور امرا کی نکتہ سنجی اور قابلیت علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھتا گیا، یہ لوگ اچھی اچھی فرمائشین کرتے تھے اور شاعری کے عمدہ عمدہ مصرف ڈھونڈھکر نکالتے تھے سامانیون نے دقیقی سے شہنامہ کی بنیاد رکھوائی، سلطان محمود نے شاہنامہ کی تکمیل کروائی، نظامی نے مخزن اسرار بہرام شاہ کے اشارے سے لکھی، منوچہر شروانی جو سلاطین شروانیہ مین سب سے ممتاز تھا اس نے خواجہ نظامی کو اپنے ہاتھ سے خط لکھکر لیلی مجنون کی فرمائش کی،

سلطان غیاث الدین اقسنقری نے نظامی سے ہفت پیکر لکھوائی۔

محتشم کاشی نے جب عباس صفوی کی مدح مین قصیدہ لکھا تو اُسنے کہلا بھیجا کہ میری مدح سے کیا فائدہ جگر گوشۂ رسول کی شان مین کچھ لکھو تو دین و دنیا دونون ہاتھ آئین محتشم نے امام حسین علیہ السّلام کا مرثیہ لکھا جسکی نسبت عام اتفاق ہے کہ فارسی شاعری اسکی نظیر سے خالی ہے سلطان سنجر کی لڑکی ماہ ملک نے جب انتقال کیا تو سنجر کو نہایت صدمہ ہوا، اسکا مرثیہ لکھوانا چاہا، دربار مین اگرچہ بڑے بڑے نامور شعرا تھے، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس فن مین کسکو کمال ہے؟ عمق بخاری کو طلب کیا، وہ پیر فرتوت ہو چکا تھا،

معذرت کی کہ کوئی لمبی چوڑی نظم نہین لکھ سکتا، مختصر سا قصیدہ لکھا جسکے دو شعر دولت شاہ نے نقل کئے ہین،

قابل سلاطین اور امرا موقع بموقع تنقیدانہ رائین ظاہر کرتے تھے جن سے شعرا اپنے کلام کی اصلاح کرتے تھے اور اسکو ترقی دیتے تھے،

یہ مسلم مسئلہ ہے کہ اکبری دور مین شاعری نے جو نیا دلکش اسباب اختیار کیا اور جسکے نتائج فیضی، عرفی، نظیری وغیرہ کی سحر آفرینیان ہین، وہ حکیم ابوالفتح گیلانی کی نکتہ آموزی تھی، مآثر رحیمی مین ہے،

مستعدان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان درمیانہ شعرا مستحسن ست و شیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بآن روش حرف زدہ اند باشارۂ و تعلیم ان عالیشان (حکیم ابوالفتح) بودہ (از مآثر رحیمی تذکرہ حکیم صادق)

ظفر خان صوبہ دار کشمیر کی تنقیدون سے مرزا صائب کے کلام مین جسطرح ترقی ہوئی اسکو خود صائب ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

توجان زدخل بجا مصرع مرادادی
تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم

ایک دفعہ خاقانی نے شروان شاہ کو یہ شعر لکھ بھیجا،

وشتقے دہ کہ دربرم گیرد
پادشاقے کہ دربرش گیرم

شروان شاہ نے کہلا بھیجا کہ "چرا ہر دو نخواست" یعنی دو چیزون مین سے ایک کیون مانگی، خاقانی نے ایک مکھی کے بال و پر نوچ کر بھیجدیا کہ مین نے "بادشاقے" لکھا تھا مکھی نے

ایک نقطہ دیکر با کو یا بنا دیا،

شاہجہان نے ایک دن دربار مین کہا کہ مجھکو سکندر پر دو اعتراض ہین، ایک یہ کہ نوشابہ کے ہان خود قاصد بنکر کیون گیا، دوسرے یہ کہ اپنے باپ کو مرغی کہا ع

شد آن مرغ کو خایہ زرین نہاد

جہانگیر کے دربار مین کسی نے مولانا جامی کا یہ مصرع پڑہا ع

بہر یک گل زحمت صد خار میباید کشید

جہانگیر کو مصرع کی برجستگی سے خیال ہوا کہ پوری غزل عمدہ ہوگی، دیوان نکلوا کر دیکھا چونکہ صرف یہی مصرعہ، غزل کی کائنات تھی اسیلئے تزک مین لکھتا ہی،

"غیر ازان مصرع کہ بطریق مثل، زبان زد روزگار شدہ دیگر کارے نساختہ"

جہانگیر نے اس طرح مین خود جو مطلع کہا وہ جامی کے مطلع سے بڑھا ہوا ہی"

ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید	ساغرے بر رخ گلزارے باید کشید

بابر شاہ سپاہیانہ حیثیت سے مشہور ہے، لیکن تزک مین اپنے زمانہ کے تمام شعرا کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کی نسبت اسقدر صحیح نقادانہ رائین دی ہین کہ کوئی ماہر فن اس سے بھی تنقید نہین کرسکتا مثلاً وفائی کے ذکر مین لکھتا ہی "صاحب دیوان بود شعر او بد نبود"

علی شیر جو جامی کا مربی تہا اُس کی ترکی شاعری کی نسبت لکھتا ہی کہ آجتلک اسکا ثانی نظیر نہین ہوا لیکن فارسی کی نسبت لکھتا ہی" دیوان فارسی ہم ترتیب کردہ دروفائی تخلص کرد، بعضے ابیات او بد نیست، ولے اکثر سست و فرو دانند"

آصفی کی نسبت لکھتا ہی "شعراو از رنگ ومعنی خالی نیست، اگرچہ از عشق وحال بی بہرہ است" کامی کی نسبت لکھتا ہے "اگرچہ بعضے ابیات او طورے واقع شدہ، اما مضمون این مثنوی واستخوان بندی او بسیار کاواک وخراب ست"

اسی طرح بنائی، سیفی، میر حسن، معمائی، یوسف بدیعی، آہی، محمد صالح سب کی نسبت نہایت صحیح اور ماہرانہ رائین دی ہین، اس سے قیاس کر سکتے ہو کہ ان سلاطین کے دربار مین محض سعی، سفارش، ندیمی اور خوشامد سے شاعر فروغ نہین پا سکتا تہا بلکہ کامل الفن ہونا ضروری تہا، ان باتون کے ساتھ امرا اور سلاطین اکثر خود موزون طبع اور شاعر ہوتے تھے تفریح طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ تو سب کہتے تھے لیکن متعدد سلاطین اور اکثر امرا فن سخن مین کمال رکہتے تھے،

آتشکدۂ آذر مین پہلا باب انہین سلاطین اور امراء کے حال مین ہی جو شاعر تھے لباب الالباب کی پہلی جلد کا بڑا حصہ انہین کے حالات مین ہے، بابر، شاہ شجاع، خان خانان، ابو المظفر چغتائی، سام مرزا، سہیلی چغتائی، امیر قابوس، اعلیٰ درجے کے خوش مذاق اور سخن گو تھے ان کے کلام مین ایک خاص ادا ہے جو عام لوگون کو نصیب نہین ہو سکتی، شاہ شجاع کا یہ فخر دیکھو،

ترا نہ گفتہ ام اے روزگار بیحاصل — کہ من ز مہر تو وکین تو ندارم باک

اے زمانہ! مین نے تجھ سے کہہ نہین دیا کہ مجکو تیری محبت اور عداوت کی کچھ پروا نہین

بہ بحر وبر وتر وخشک خود چہ می نازی — تو لی وقطرۂ از آب شور ومشتی خاک

تو اپنے بحر و بر پر کیا ناز کرتا ہے تو ہے اور آب شور کا ایک قطرہ اور مٹھی بھر خاک،

شاہ شجاع اور اسکے بھائی محمود مین سلطنت کے لیے جنگ رہتی تھی اتفاق یہ کہ محمود اپنی موت سے مرگیا شجاع نے رباعی لکھی،

محمود برادرم شہ شیر کمین | میکرد خصومت از پے تاج و نگین
میرا بھائی محمود | مجھ سے تخت کے لیے لڑتا تھا
کردیم دو بخش تا بیاساید ملک | او زیر زمین گرفت و من روی زمین
مین نے ملک کے دو حصے کر دیے کہ جھگڑا مٹ جائے | اسنے زمین کے نیچے کا حصہ لیا، اور مین نے اوپر کا،

خانخانان کے ایک مشاعرہ کی غزل تیسرے حصہ مین درج ہو چکی ہے، یہ شعر بھی اُسی کا ہے۔

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست | تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

سام مرزا کا یہ مطلع یاد رکھنے کے قابل ہے،

حاصل عمر نثار رہِ یارے کردم | شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

وزیر احمد کے اس قطعہ کا جواب نہین ہو سکتا،

این جوانی مرا نگر کہ چہ گفت | گفت اے پیر من چہ فرمائی
گفتم اے دوست ساعتی بنشین | گفت من رفتم و تو زود آئی
بہ شراب و کباب و رنگ خضاب | باز ناید گذشتہ برنائی

خواجہ رشید کے پاس کسی نے نرگس اور گلاب کے گلدستے بھیجے، خواجہ موصوف نے برجستہ کہا،

شاخکے چند نرگس رعنا   گلکے چند تازہ چیدہ

آن ہمہ دیدہائے بی چہرہ   وین ہمہ چہرہائے بی دیدہ

بات مین بات پیدا ہوتی گئی اور سلسلۂ سخن دراز ہوگیا، ماحصل یہ ہے کہ ایران مین شاعری سلاطین اور امرا کی بدولت ظہور مین آئی اور سلاطین اور امرا اکثر نکتہ سنج اور موزون طبع تھے اس لئے اس نے بہت ترقی کی،

قدردانی کے اور اسباب | مداحی اور ثناگستری کے علاوہ اور بھی اسباب تھے جنکی وجہ سے شاعری کی قدر ہوتی تھی، سلاطین اور امرا بدیہہ گوئی کے بڑے شائق تھے، اس ضرورت سے اکثر شعرا بدیہہ گوئی کی مشق کرتے تھے نظامی عروضی چہار مقالہ مین لکھتے ہین،

اما باید دانست کہ بدیہہ گفتن رکن اعلی است در شاعری، وہر شاعر فریضہ است کہ طبع خویش را بریاضت بدان درجہ رساند کہ در بدیہہ معانی انگیزد کہ سیم از خزینہ بہ بدیہہ بیرون آید، و بادشاہ را حسب حال بہ طبع آورد، و شعرا ہرچہ یابند از صلات معظم بہ بدیہہ یابند،

نظامی نے اسکے بعد بدیہہ گوئی کے چند واقعات لکھے ہین جسمین بدیہہ گوئی کی بدولت شعرا کو بڑے بڑے انعام ملے، اکثر شعرا بدیہہ گوئی کی مشق کرتے تھے قطب الدین نے امیر علی شیر کے دربار مین امیر خسرو کی ۴ غزلون کا جواب ایک جلسہ مین لکھکر پیش کیا، ان غزلون کا نام اربعینہ ہے امیر علی شیر نے گران بہا صلہ دینا چاہا لیکن شاعر نے انکار کیا، [1]

---

[1] تذکرہ مخزن الغرائب،

حاجی ربیع نے نظیری کے پورے دیوان کا جواب آٹھ دن مین لکہا۔

حیدری تبریزی نے اکبر کی مدح مین قصیدہ لکہا لیکن پیش نہ کرسکا، مجبوراً یہ قطعہ لکھکر درباریون کے ذریعہ سے حضور مین بہجوایا۔

در مدح بادشاہ سخن سنج ملک ہند — گفتم قصیدۂ کہ پسندیدہ ہر کہ دید
اما چو روزگار مددگار من نبود — زان شاخ گل بپای دلم خار غم خلید
بودم زتاب دیدۂ تر غرق بحر غم — کز غیب این ترانہ بگوش دلم رسید
حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس — در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

اکبر نے حکم دیا کہ دس ہزار روپیہ اور خلعت عطا کیا جائے لیکن حکم کی تعمیل مین حسب معمول دیر ہوئی حیدری نے یہ قطعہ گذرانا اور فوراً تعمیل حکم ہوئی،

مشکلے دارم شہا! خواہم کنم پیش تو عرض — زانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بر دل ست

اے بادشاہ! مجکو ایک مشکل پیش آئی ہے جسکو آپ کی خدمت مین پیش کرنا ہے،

سیم و زر انعام کردی لیک از خازن مرا — ہم گرفتن مشکل و ہم ناگرفتن مشکل ست

آپ نے مجکو سیم و زر عطا کیا لیکن خزانچی سے لینا بھی مشکل ہے اور نہ لینا بھی مشکل،

سلطان تکش نے ایک دفعہ ناراض ہوکر حکم دیا کہ نصرۃ الدین کا سر کاٹ کر لائین اُسنے رباعی لکھکر بھیجدی جس کا دوسرا شعر یہ ہے،

سر خواستۂ بدست کس نتوان داد — می آیم و بر گردن خود می آرم

یعنی آپ نے سر مانگا تہا، یہ اور کسی کے ہاتھ بھیجنے کی چیز نہین اسلئے آپ لاتا ہون

اور اپنی گردن پر رکھکر لاتا ہون، بادشاہ نے معاف کر دیا،

شیخ سعید قریشی ایک دفعہ عید کے دن شہزادۂ مراد کے دربار مین گئے اتفاق سے تہنیت کا خیال نہین رہا تھا، شہزادہ نے کہا کچھ لکھکر نہین لائے؟ شیخ نے سادہ کاغذ جیب سے نکال کر پڑھنا شروع کیا،

روز عیدست لب خشک می آلود کنید ۔۔۔ چارۂ خویشتن اے خشک لبان زود کنید

دیر گاہست کہ از دیر مغان دور نیم ۔۔۔ زود باشید بکف جام زر اندود کنید

حرف بے صرفۂ واعظ نتوان کرد بگوش ۔۔۔ گوش بر زمزمۂ چنگ و نے و عود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد ۔۔۔ بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

غزل پڑھ چکے تو شاہزادہ نے غزل طلب کی، شیخ نے وہی سادہ کاغذ حوالہ کیا، دیکھا تو بالکل سادہ تھا،

ایک اور بہت بڑی غرض شاعر سے یہ متعلق ہوتی تھی کہ جب حریف سلاطین آپس مین نامہ و پیام کرتے تھے تو تہدید اور مفاخرت شعر کے ذریعہ سے کرتے تھے کہ شعر کا اثر زیادہ ہوتا تھا، اس موقع پر شعرا سے کام لیتے تھے، اور اسکے صلے مین انعامات ملتے تھے، سلاطین اپنے حریف کے مقابلہ مین جہان اور چیزون کی بنا پر مفاخرت کرتے تھے دربار کا شاعر بھی اسباب فخر مین شمار ہوتا تھا، اس بنا پر کسی دربار مین جب کوئی مشہور شاعر پہنچ جاتا تھا تو حریف بھی اسی درجہ کا شاعر ڈھونڈھ کر پیدا کرتا تھا اور اسکو بڑھاتا چڑھاتا تھا، ظہیر فاریابی جب قزل ارسلان سے ناراض ہو کر اتابک کے پاس چلا گیا

توقزل ارسلان نے ظہیر کے توڑ پر مجیر الدین بیلقانی کو بڑھایا چنانچہ ہر ہفتہ کمخواب اور اطلس کا خلعت عنایت[1] کرتا تھا،

شعرا سے واقعہ نگاری کا بھی کام لیا جاتا تھا، سلاطین کے ہان شاہی تاریخ لکھنے کا بھی دستور تھا یعنی خود بادشاہ کے حکم سے اور بادشاہ کے زیر نگرانی سلطنت کے تمام فتوحات اور واقعات لکھے جاتے تھے مثلاً شاہجہان نامہ اور اقبالنامہ وغیرہ اس قسم کی تاریخین شعرا سے نظم مین لکھوائی جاتی تھین اور انکو شاہنامہ کہتے تھے یا کبھی خود اسکے نام سے موسوم کرتے تھے، مثلاً ہاتفی نے تیمور کے حال مین تیمور نامہ لکھا قاسمی گونابادی نے عباس صفوی کے واقعات نظم کئے، کلیم نے شاہجہان نامہ لکھا، آذری نے بہمنیون کے حالات قلمبند کئے جو بہمن نامہ کے نام سے مشہور ہی، وہ ناتمام رہگیا تھا، نظیری اور سامعی نے پورا کیا، فیضی نے اکبر نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور کچھ لکھا بھی لیکن پورا نہ ہو سکا، حضرت امیر خسرو نے تغلق نامہ لکھا تھا جہانگیر کو یہ کتاب بہت پسند تھی لیکن اسکی ایک داستان گم ہو گئی تھی سنہ ۱۰۱۹ھ مین حکم دیا کہ دربار کے شعرا گم شدہ داستان کو نظم کر کے پیش کرین، سب نے فکر کی لیکن حیاتی کاشی کی نظم جہانگیر کو سب سے زیادہ پسند آئی، اسکے صلہ مین جہانگیر نے اشرفیون مین تلوایا، سعیدائے گیلانی نے اس واقعہ کو نظم کیا[2]،

چون حیاتی را بزر سنجید شاہنشاہ عصر ... بادشاہ عدل گستر شاہ گردون اقتدار

بہر تاریخش برید سے کفۂ میزان چرخ ... "شاعر سنجیدۂ شاہی" رقم زد روزگار

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ، تذکرۂ ظہیر فاریابی [2] خزانۂ عامرہ ذکر حیاتی کاشی،

با اینہمہ قدردانی درباروں مین بڑی مشکل سے رسائی ہوتی تھی، برسون امیدواری اور درباروالونکی خوشامد کرنی پڑتی تھی امیر معزی سنجر کا ملک الشعرا تہا اور اس رتبہ پر پہونچا تہا کہ سنجر نے حکم دیا تہا کہ اسکا لقب میرے لقب پر رکہا جائے، سنجر کا لقب معز الدنیا والدین تہا اس بنا پر اسکا تخلص معزی قرار پایا با اینہمہ جس طریقہ سے وہ دربار مین پہونچا ہی اس سے اندازہ ہوگا کہ قصیدہ گویون کو دربار تک پہونچنے مین کسطرح عمرین جھیلنی پڑتی تہین معزی کا خود بیان ہی کہ میرے والد کا نام امیر الشعرا برہانی تھا ملک شاہ کی حکومت کا آغاز تھا کہ والد نے وفات پائی، مرنے سے پہلے مجکو بادشاہ کی خدمت مین پیش کردیا تھا جسکی بنا پر ایکہزار وزینہ اور منصب وراثۃً مجکو ملا لیکن پورے سال بھر گذرنے پر بھی ایک حصہ وصول نہین ہوا مین مقروض ہوگیا، روزے آئے تو مین علاء الدولہ کے پاس گیا، وہ سلطان سنجر کا داماد سخن فہم اور قدردان تہا، مین نے اُس سے اپنی حالت بیان کی علاء الدولہ نے کہا ہان، تمہارے معاملہ مین بے پروائی ہوئی لیکن اب نہو گی، آج بادشاہ رمضان کا چاند دیکھنے کیلئے نکلیگا، تم بھی موجود رہنا، خدا کوئی سامان پیدا کردیگا، یہ کہکر سو اشرفیان دلوائین کہ یہ رمضان کا خرچ ہی، شام کے قریب مین بارگاہ سلطانی کے قریب پونہچا تو امیر علاء الدولہ پہلے سے موجود تہا مجکو دیکھکر بادشاہ کے پاس گیا مین بھی ساتھ تھا سلطان سنجر ہاتھ مین کمان لئے ہوئے چاند دیکھنے کیلئے باہر نکلا، اتفاق یہ کہ سب سے پہلے اُسی نے چاند دیکہا اور خوشی سے اُچھل پڑا، علاء الدولہ نے میری طرف دیکہا کہ موقع کے مناسب کہکر کچھ سناؤ مین نے برجستہ پڑہا،

ای ماہ چو ابروان یاری گوئی ۔ نے ہیچو کمان شہریاری گوئی

اے چاند! تو ابروے معشوق ہے ۔ نہین، بلکہ بادشاہ کی کمان ہے

نعلے زدہ از زرِ عیارے گوئی ۔ برگوش سپہر گوشواری گوئی

یا خالص سونے کی نعل ہے ۔ یا آسمان کے کان کا بالا ہے

بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کہا کہ اصطبل مین جاکر جو گھوڑا پسند آئے لے لو، امیر علاء الدولہ نے ایک گھوڑا انتخاب کیا جسکی قیمت تین سو اشرفیان تھین[1]،

نظامی عروضی کا بیان ہے کہ مین ۵۱۰ھ مین ہرات سے سنجر کے دربار مین گیا تو نہایت شکستہ حال تھا ملک الشعراء امیر معزی سے ملا، اور اپنی پریشان حالی بیان کی، اُس نے میرا امتحان لیا اور مختلف مضامین کے اشعار پڑھوا کر سنے پھر کہا کہ تمنے اس فن مین بڑی محنت اٹھائی ہے یہ ضائع نہ جائیگی لیکن جلدی نکرو، مدتون مین کام بنتا ہے پھر اپنا واقعہ (مذکورہ بالا) بیان کیا،

ظہیر فاریابی نے متعدد قصیدون مین شکایت کی ہے کہ مدتون سے ڈیوڑھی پر پڑا ہون کوئی خبر نہین ہوتا اور دربار مین نہین پہنچتا، ایک قصیدہ مین کہتا ہے،

درین سہ سال کہ از درگہ تو بودم دور ۔ بہیچ صنعت و شغلم کسی نداد زمام

ایک اور قصیدہ مین کہتا ہے کہ سال بھر ہوگیا کوئی خبر نہین ہوتا، بس اب اتنی اجازت دیجیے کہ قصیدہ سنا کر چلا جاؤن،

[1] چہار مقالہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۶

نشستہ منتظر آنکہ فرستی یابم — اگر بسمعِ مبارک رسانم و بردم

دربار مین پونہچ جانے اور قصیدہ پیش کرنے پر صلہ اور انعام کا مرحلہ پیش آتا تھا، اوّلاً تو مدتون مین حکم صادر ہوتا تھا اور ہوا تو تعمیل مین اسقدر دیر ہوتی تھی کہ بیچارے مفلس شاعر کی جان پر بنجاتی تھی، ظہیر، انوری، سلمان کے دیوان ان شکایتون سے سرتاپا لبریز ہین، بالآخر شعرا کو یہ مصیبتین جھیلتے جھیلتے احساس ہوا کہ مداحی اور بھٹئی نہایت برا طریقہ ہی، اور شاعری اگر اسی کا نام ہے تو نہایت بیکار چیز ہی اثیر الدین اومانی نے ایک بڑا قصیدہ لکھا،

یارب این قاعدہ شعر بگیتی کہ نہاد — کہ چو جمع شعرا خیر دو گیتیش مباد

ای خدا! شعر کا دستور دنیا مین کسنے نکالا خدا دین و دنیا مین کہین اسکا بھلا نہ کرے

ای برادر بجہان بدتر ازین کاری نیست — ہان وہان تا نکنی تکیہ برین بی بنیاد

بھائی جان! اس سے برا دنیا مین کوئی کام نہین، خبردار اس پر کبھی بھروسہ نہ کرنا

خود از آنکس چہ بکاہد کہ تو گوئیش بخیل — یا بر آنکس چہ فزاید کہ تو اش گوئی راد

کسی کو اگر تم بخیل کہدوگے تو اس کا کیا بگڑ جائیگا اور اسکو فیاض کہدوگے تو اسکی کیا ترقی ہوجائیگی

کاغذی پر کنی از حشو و فرستی بکسی — پس برنجی کہ مرا کاغذ زر نفرستاد

ایک کاغذ لغویات سے بھر کر کسی کے پاس بھیجتے اور پھر شکایت کرتے ہو کہ مجکو نوٹ کیون نہین دیئے

آن نہ خود حجت شرعی نہ خط دیوانی ست — پس ازان خط بتو چیزیش چرا باید داد

وہ کاغذ، نہ کوئی شرعی دستاویز ہے، نہ سرکاری تحریر، پھر وہ تمکو اسکی وجہ سے کوئی چیز کیون دیتا

وین چه ژاژ ست و گر باره که ابیات مدیح گر بود هفت، فرستی بتقاضا هفتاد

اور یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ مدح کے سات شعر تھے تو تقاضا کے ستر شعر لکھ کر بھیجتے ہو

پس بدین هم نشوی قانع و از پی تازی بسوی خانۂ ممدوح چو تیری ز کشاد

پھر اسپر بھی قناعت نہین کرتے، اور قصیدہ کے پیچھے خود دوڑے جاتے ہو جیسے تیر جاتا ہی۔

همچو آیینه نهی بر در او پیشانی از تو او شرم کند همچو عروس از داماد

آئینہ کی طرح اسکے دروازہ پر پیشانی رگڑتے ہو، اور وہ تم سے اسطرح شرماتا ہی جسطرح شوہر سے دلہن

آنچه مقصود ز شعر ست چو در گیتی نیست شاعران را همه زین کار خدا توبه داد

جو شعر کا مقصد ہی جب وہ حاصل نہین ہوتا تو خدا تمام شاعرون کو توبہ کی توفیق دے

ظہیر فاریابی نے شاعری کی ناقدردانی کا مرثیہ اس سوز و گداز سے لکھا کہ پتھر کا دل پانی ہوتا ہے

مرا ز دست هنرهای خویشتن فریاد که هر یکی بدگر گونه داردم ناشاد

مین اپنے ہنرون سے نالان ہون کہ ہر ہنر نئی طرح سے مجکو ستاتا ہے

بزرگتر ز هنر در زمانه عیبی نیست ز من بپرس که این عیب بر تو چون افتاد

ہنر سے بڑھکر دنیا مین کوئی عیب نہین، مجھ سے پوچھو کہ یہ عیب کیونکر میری قسمت مین آیا

کمینه پایهٔ من شاعری ست خود بنگر که چند بار ز دستش کشیده ام بیداد

شاعری، میرا ادنےٰ کمال ہے، خیال کرو کہ کتنی دفعہ اسکی بدولت مین نے مصیبت جھیلی ہے

گهی لقب نهم آشفته زنگیی را حور گهی خطاب کنم مست سفله ای را راد

مین کبھی ایک حبشی کو حور بناتا ہون کبھی ایک کمینہ کو فیاض کہتا ہون

ز جنس شعر غزل بہتر ست وآنہم نیست — بصناعتی کہ توان ساختن بر و بنیا

شعر کے اقسام مین سے غزل اچھی چیز ہے لیکن وہ بھی کوئی ایسی چیز نہین کہ اسپر کوئی بنیاد قائم کیجائے

مرا ازانچہ کہ شیرین لبی ست در کشمیر — مرا ازانچہ کہ نوشین لبی ست در نوشا

مجکو اس سے کیا فائدہ کہ کشمیر مین کوئی معشوق ہے، یا نوشاد مین کوئی شیرین لب ہے

گلی کہ بشگفد از شعر حاصلش اینست — کہ بندہ خوانم خود را و سرو را آزا

شعر کا کوئی نتیجہ ہے تو یہ ہے کہ مین اپنے آپ کو غلام کہتا ہون اور سرو کو آزاد

درین زمانہ چو فریادرس نمی یابم — مرا رسد کہ رسانم بر آسمان فریاد

چونکہ اس زمانہ مین کوئی فریادرس نہین ملتا تو مجکو حق ہے کہ مین آسمان تک فریاد پہنچاؤن

انوری نے شاعری اور شعر کے بے مصرف ہونے پر کچھ لکھا ہے پہلے حصہ مین گذر چکا ہے ان سب لوگون نے شاعری کی برائی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے کوئی مالی نفع نہین ہوتا، افسوس انکو معلوم نہ تھا کہ شاعری اُسی چیز کا نام ہے جسکو صلہ اور انعام سے تعلق نہین، وہ ایک آگ ہے جو خود مشتعل ہوتی ہے، ایک چشمہ ہے جو خود اُبلتا ہے، ایک برق ہے جو خود کوندتی ہے، صلہ و انعام، داد و دہش تحسین و آفرین سے اس کو کوئی تعلق نہین۔

اس ناکامی پر بہ حیثیہ شاعری سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہئے تھا، لیکن سفلہ طبعی نے بجائے اسکے ایک اور بدتر طریقہ پیدا کیا، یعنی جب انعام نہین ملتا تھا تو پہلے شعر کے ذریعہ سے تقاضا کرتے تھے، اسپر بھی انعام نہ ملا تو ہجو کہتے تھے چنانچہ انوری اپنے ممدوح سے کہتا ہے،

سہ بیت رسم بود شاعران طامع را یکی مدیح و دوم قطعۂ تقاضائی
اگر بداد، سوم شکر ورنہ داد ہجا ازان دو بیت بگفتم، دگر چہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہے کہ تین نظمین کہتے ہین، پہلے مدح، پھر تقاضا، اب اگر صلہ ملگیا تو شکر ورنہ ہجو، ان تین نظمون مین سے دو تو مین کہہ چکا (یعنی مدح اور تقاضا) تیسری کی نسبت فرمایئے کیا ارشاد ہے؟

کمال اسمعیل، ہجو کو کامیابی کا آلہ قرار دیتا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

ہر آن شاعری کو نباشد ہجا گو چو شیریست چنگال و دندان ندارد

جو شاعر ہجو نہ کہہ سکتا ہو، ایک شیر ہے جسکے دانت اور پنجے نہین ہین،

اوّل اوّل ہجو شوخی اور ظرافت تک محدود تھی مثلاً ایک شاعر ایک حکیم کی ہجو مین لکھتا ہے کہ ملک الموت خدا کے پاس گئے، کہ مین ایک شخص کی جان قبض کرتا ہون تو حکیم صاحب دس آدمیون کا فیصلہ کرتے ہین، اسلیے،

یا مرا عزل کن ازین خدمت یا ورا خدمتی دگر فرما

لیکن رفتہ رفتہ یہ لے اسقدر بڑھی کہ فحاشی اور بدزبانی تک پہونچ گئی اور افسوس یہ ہے کہ ایران کے بہت سے نامور شعرا اسی فن کی بدولت نامور ہین انوری اور بسوزنی کی شاعری کا اصلی زور یہین نظر آتا ہے،

شاعری جب شروع ہوئی تو اچھے اچھے خاندانون اور دہات اور قصبات کے لوگ جو عموماً پاکیزہ اخلاق اور سادہ مزاج ہوتے ہین، اس کام مین مصروف ہوئے

صلہ کی توقع سے جب شاعری کا مذاق عام ہوگیا تو ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اسمین شامل ہوگئے، انمین کمینہ خاندانون کے لوگ بھی تھے، انکو جب انعام صلہ نہین ملتا تھا تو انکی زبان کھلتی تھی اور چونکہ شرافت کا جوہر نہ تھا اسلئے منھ سے جو نکلتا تھا گالیان ہوتی تھین، انوری، سوزنی، خاقانی، اسی قسم کے لوگ تھے، اور اسی وجہ سے انکو فحاشی مین کمال تھا، خاقانی کا باپ بڑھئی تھا، سوزنی کی نسبت لوگون کا بیان ہو کہ اسکا معشوق ایک درزی بچہ تھا اسلئے اس نے یہ تخلص رکھا، لیکن ہمارا خیال ہو کہ وہ خود درزی بچہ ہوگا، اگرچہ ایران مین کسی پیشہ کے اختیار کرنے سے ذات نہین بدلتی جیسا ہمارے ہندوستان مین رواج ہو، تاہم اونی سوسائٹی کا اثر ضرور اخلاق پر پڑتا ہو اور اگر یہ مطلق ذلت کی بات نہوتی تو ابوالعلا خاقانی کی ہجو مین یہ کیون کہتا،

درودگر پسر بودناست لبشروان ... بہ خاقانیت من لقب برنہادم

ہجو کا مذاق رفتہ رفتہ اسقدر بڑھا کہ جہان کسی سے رنجش ہوئی ہجو شروع ہوگئی آدمیون سے گذر کر جانورون تک کی ہجوین لکھتے تھے، پانچوین اور چھٹی صدی مین چونکہ ملکی تمدن خراب ہوگیا تھا اسلئے زبان مین فحش الفاظ آچلے تھے، ہجو نے اسکو اور ترقی دی، یہانتک کہ ملک کی عام زبان خراب ہوگئی، اب مہذب سے مہذب حضرات بھی شاعری کو فحش سے نہین بچا سکتے، گلستان کا باب پنجم اور مثنوی مولانا روم کی بعض بعض حکایتین اسی حالت کے نتائج ہین، یہ حالت اسوقت تک قائم رہی جبتک صوفیانہ شاعری نے ملک پر پورا قبضہ نہین کرلیا، ساتوین صدی مین تصوف کا مذاق عام ہوا اور صدی

اغی، اوحدی کرمانی، مغربی حضرت امیر خسرو وغیرہ کی بدولت یہ رنگ تمام ملک پر چھا گیا،
سوقت زبان اور خیالات صاف شائستہ اور مہذب ہو گئے،

رشک وحسد ایک عام خاصہ ہی شعرا بھی اس سے بری نہین ہو سکتے تھے جب کوئی شاعر کسی دربار مین زیادہ کامیاب ہو جاتا تھا تو اور شعرا	عرا کے باہمی سرکے

ر رشک ہوتا تھا، یہ رشک اشعار مین ظاہر ہوتا تھا اور اسطرح شاعرانہ معرکہ آرائیان
روع ہو جاتی تھین، عنصری سلطان محمود کے دربار کا ملک الشعرا اور تمام شاعرونکا
سر تھا، تاہم اتنی بات پر کہ غضاری رازی کے دو شعر پر محمود غزنوی نے دو توڑے
لوا دیئے عنصری نے غضاری کے قصیدہ کا رد لکھا، غضاری نے قصیدہ ہی مین
دالرد لکھا، ان قصیدون مین اس تفصیل سے اعتراض وجواب ہین کہ گویا علمی رسالے ہین

قاسمی کا ایک قصیدہ ہے،

الم از جلوہ احسن تو چنان تنگ فضاست — کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

نیدا نے اس قصیدہ کے ایک ایک شعر کا رد لکھا اور اسی بحر اور قافیہ مین لکھا، منیر
ہوری نے محاکمہ کیا اور وہ بھی اُنہی قافیون مین ہے، نظیری نیشاپوری نے عرفی
کے اس قصیدہ پر،

بیا کہ بادلم آن میکند پریشانی

اعتراضات کئے ہین اور قصیدہ ہی مین اعتراضات کو ادا کیا ہی، اکثر یہ باہمی
مک شاعری کی ترقی کا سبب ہوتی تھی، ایک شاعر کوئی نظم زور کی لکھتا تھا تو

حریف شعرا قصیدہ کا جواب لکھتے تھے اور زیادہ زور طبیعت صرف کرتے تھے، اکثر مشکل مشکل طرحون مین اس غرض سے قصیدے لکھتے تھے کہ حریف سے جواب بن نہ آئے، ظہیر فاریابی نے ایک قصیدہ لکھا ہی جسکی ردیف گوہر ہے اسمین کہتا ہے،

درین دیار بسی شاعران پر ہنر ند　　کہ نور فطرت الیشان دہد بکان گوہر

قصیدۂ کہ بمدح تو گفت بندہ چو زر　　ردیف ساختمش از پیٔ امتحان گوہر

جو کتاب، یا جو قصائد اور جو غزلین زیادہ مقبول اور مشہور ہو جاتی تھین شعرا عموماً اُنکا جواب لکھتے تھے اور زور طبع دکھاتے تھے، شیخ سعدی جیسے بزرگ بھی اس ولولہ سے بچ نہ سکے، کسی نے کہدیا تھا کہ وہ رزمیات نظامی کی برابری نہین کر سکتے، اسپر بوستان مین ایک رزمیہ لکھکر شامل کیا حالانکہ بوستان کو رزم سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا،

ظہیر فاریابی کے جسقدر ممتاز اور مشہور قصیدے ہین، متاخرین شعرا نے سب کا جواب لکھا اور بہت کچھ زور طبع صرف کیا، ظہیر کا یہ قصیدہ ع

ذکر لب تو طعم شکر در دہان دہد

نہایت زور کا قصیدہ ہی، کمال اسمٰعیل نے اسکا جواب لکھا اور اخیر مین کہتے ہین،

روح ظہیر اگر شنود این قصیدہ را　　صد بار بیش بوسہ مرا بر دہان دہد

معاصر شعرا کی معرکہ آرائیان اگرچہ کبھی کبھی بدزبانی اور ہجوگوئی کیطرف منجر ہوتی تھین چنانچہ فوقی یزدی، شفائی، وحشی وغیرہ کی ہجوؤن کی یہی بنیاد ہے لیکن ضرر کا حصہ فائدہ سے کم رہا، جن شعرا نے اس عمدہ جوہر کو بُری طرح استعمال کیا، انکی تعداد

چندان زیادہ نہین،

سلاطین اکثر مطلق العنان اور خودسر ہوتے تھے کبھی بیگناہ بے قصور لوگون کو پھانسی کا حکم دیدیا، کبھی بڑے سے بڑے مجرمون کے جرم معاف کر دے، اس لئے یہ باتین بھی شاہانہ اوصاف مین داخل ہوگئین یہانتک کہ شعرا خدا کے اوصاف کمال بھی یہی بیان کرتے ہین، شیخ سعدی فرماتے ہین،

بہ تہدید اگر برکشد تیغ حکم　　بمانند کروبیان صم و بکم

دگر در دہد یک صلاے کرم　　عزازیل گوید نصیبے برم

شیخ نے اپنی دانست مین خدا کے اعلیٰ ترین اوصاف بیان کئے لیکن غور کرو کہ کسی عادل شخص کے اوصاف ہین، یا چنگیز خان، اور ہلاکو کے،

اگر شیخ سعدی یورپ کی طرز حکومت کو دیکھتے تو خدا کی یہ تعریف کرتے کہ ہر کی حالت مین بھی کسی بیگناہ کو اسکے مواخذہ کا خوف نہین ہوسکتا کیونکہ سب جانتے ہین کہ اسکے ہان کوئی بات خلاف اصول نہین ہوسکتی،

سلاطین کی غیر معتدل اور ناہموار طرز حکومت نے اخلاقی شاعری پر نہایت خراب اثر ڈالا، شعرا نے اخلاقی مثنویون مین درباداری اور تقرب طلبی کے قواعد اور اصول جہان بیان کئے ہین، ہر جگہ یہ تلقین کی ہے، کہ بادشاہ اگر دن کو رات کہے تو تم کہو کہ واقعی تارے نظر آرہے ہین

اگر شہ روز را گوید شب است این　　بباید گفت اینک ماہ و پرین

اسعدی طوسی نے بادشاہون کے دربار کے یہ اصول بتائے ہین،

دم بادشاہان امید است و بیم — یکے را سموم و یکے را نسیم
چو رفستی بر شہ پرستندہ باش — کمربستہ فرمانش را ایندہ باش
اگرچہ نداری گنہ پیش شاہ — چنان باش پیشش کہ مرد گناہ
اگر سپند گستاخ دار دت پیش — چنان ترس از و کز بد اندیش خویش
ہمہ خوی و کردار او را ستائے — چنان دشمنش را نکوہش فزائے

یعنی بادشاہ کی ایک ایک بات کی تعریف کرو اسی طرح اس کے دشمن کی بات کی برائی بیان کرو،

نباید شد از خندہ شہ دلیر — نہ خندہ است دندان نمودن شیر

اس قسم کی غلامانہ تعلیم اسی طرز حکومت کا اثر ہے کہ اس قسم کی حکومتون مین ان باتون کے بغیر زندگی دشوار تھی،

یہ اثر شاعری مین ایک اور ذریعہ سے آیا، بنو امیہ نے جب ظالمانہ حکومت شروع کی تو عرب کی خودسر طبیعتین گوارا نہ کر سکین اور بغاوتین برپا ہوئین، اس کیلئے ایکطرف تو حجاج وغیرہ جیسے ظالم مہیا کئے گئے کہ آزادی اور خودسری کو پامال کر دین دوسری طرف مذہبی لوگون کو رشوتین دی گئین کہ قضا و قدر کا مسئلہ پھیلائین یعنی یہ کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے اسکی شکایت خدا کی شکایت ہے، اسکے مقابلہ مین معتزلہ نے عدل کا مسئلہ شائع کیا یعنی یہ کہ خدا عادل ہے اور وہ کبھی عدل کے خلاف

نہین کرتا یہ دونون خیالات، ساتھ ساتھ رقیبانہ پھیلے لیکن ادھر تو حکومت کا زور ادھر چوتھی صدی کے آغاز سے آفتاب علم کا زوال شروع ہوا، اور اشاعرہ کے خیالات تمام دنیا پر چھا گئے جسنے یہ خیالات پھیلا دے کہ خدا کے لئے عدل ضروری نہین، بادشاہ خدا کا سایہ ہے، بادشاہ کی عزت خدا کی عزت اور اسکی توہین خدا کی توہین ہے ان خیالات نے طبیعتون کی آزادی، دلیری، راستگوئی، بلند ہمتی کا بالکل خاتمہ کردیا، اخلاق پر نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین لکھی گئین، لیکن اخلاقی مسائل کے عنوان یہ ہین، احسان، تواضع، حلم، عفو، سخاوت، توبہ وغیرہ وغیرہ آزادی اور حق گوئی کا عنوان اخلاقی کتابون مین نہین ملسکتا، پند و موعظت کے سیکڑون ہزارون اشعار ہین لیکن دلیری اور آزادی کے مضامین خال خال ہین،

یہ حالت ایک مدت تک قائم رہی لیکن جب تاتاری حملہ نے مسلمانونکے شیرازۂ سلطنت کو ابتر کردیا اور اسوقت سے آج تک مسلمانونکی کوئی عالمگیر حکومت نہ قائم ہوسکی، تو سلطنت کی شان جباری مین فرق آیا، اور شعرا کسی قدر حکومت کے اثر سے آزاد ہوگئے، ادھر تصوف نے زور پکڑا اتفاق یہ کہ بڑے بڑے اکابر صوفیہ مثلاً سعدی، مولانا روم، حسینی، اوحدی، جامی وغیرہ، شعرا کے حلقہ مین شامل تھے، اسلئے صوفیانہ شاعری نے کسی قدر اس حالت مین تبدیلی کی، اور اس قسم کے خیالات زبانون پر آنے لگے،

اگر دو گاو بہم آوری و مزرعۂ　　یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی

بدین قدر چو کفاف معاش تو نشود | ردی و نان جوے از پے دوام کنی
ہزار بار ازان بہ کہ از پے خدمت | کمر بہ بندی و بر مردکے سلام کنی

لیکن اس بحث کے پھیلانے کا یہ موقع نہین، تصوف کے اثر کا عنوان آگے آتا ہے وہان اسکی تفصیل ملیگی،

فارسی شاعری مین اخلاق اور موعظت و حکمت کے جو اہم مضامین ہین، یہ ہین دنیا کی بے ثباتی، زمانے کا انقلاب، اور بے اعتباری، آسمان کی شکایت، نیک و بد اور قابل و ناقابل مین عدم تمیز کا گلہ، قناعت، زہد اور توکل کی ترغیب، تمام اکابر اور خصوصًا صوفی منش شعرا کا کلام ان مضامین سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اخلاقی اور واعظانہ شاعری کا تمامتر سرمایہ یہی ہی، یہ تمام مضامین، طرز حکومت اور حالات حکومت کے اثر کے نتائج ہین،

ایران بلکہ تمام ایشیا مین چونکہ سلطنت کے اصول اور آئین منضبط نہ تھے اسلئے ہمیشہ سخت انقلابات ہوتے رہتے تھے، آج ایک شخص تخت شاہی پر ہے کل اس کا سر کٹکر دربار مین آرہا ہی، آج خدم و حشم، طبل و علم، رایت و پرچم، کے ساتھ کوکبۂ شاہی جارہا ہی، کل ہاتھون مین بیڑیان ہین، ایک خاندان بنتا ہے دوسرا بگڑتا ہی جو کل تک سر پر لکڑی کا بوجھ لئے بیچتے پھرتے تھے، آج مالک تاج و تخت ہین، دیلم و سلجوق جنکے نام سے زمانہ واقف ہے، اسی حالت سے بلندی پر پہنچے تھے، کافور حبش کا خطبہ حرمین اور شام و مصر مین پڑھا گیا، بازار سے دو روپیہ پر خرید کر آیا تھا، یعقوب صفار جسکے مرکے

مشہور ہیں، ایک ادنی درجہ کا ٹھیٹرا تھا، ان واقعات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دلوں پر زمانہ کی بے اعتباری اور بے ثباتی کا اثر چھا جائے یہی اثر ہے جو ان شعروں میں ادا ہوتا ہے،

چیست این زندگانی دنیا | گفت خوابی است یا خیالے چند
گفتم از وے چہ حاصل ست بگو | گفت درد سر و وبالے چند
گفتم اہل ستم چہ طایفہ اند | گفت گرگ و سگ و شغالے چند

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد رود | کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان ست

بہ باغ دہر بہار و خزان ہم آغوش است | زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ ست روزگار | چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

اعتمادے نیست بر دور جہان | بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است | کلاہ دلکش است اما بہ درد سر نمی ارزد

پردہ داری می کند بر قصر کسری عنکبوت | چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

ایک ہی واقعہ کا اثر، مختلف طبائع پر مختلف ہوتا ہے، اس بے ثباتی اور بے اعتباری کا اثر بعض طبائع پر تو یہ ہوا کہ جب کسی حالت کا اعتبار نہین، تو جاہ و دولت کی طلب بے سود ہی، اسلئے قناعت، گوشہ گیری، توکل، زہد و عبادت اختیار کرنی چاہیے، حضرات صوفیہ کا کلام اسی اثر سے لبریز ہے، رفتہ رفتہ یہ ایک عام روش قرار پاگئی اور وہ شعرا بھی جو دنیا کی تلاش مین مارے مارے پھرتے تھے وہ بھی شاعری کا فرض ادا کرنے کے لئے پند و موعظت مین ہی مضامین باندھتے تھے،

لیکن بعض طبیعتون پر یہ اثر ہوا کہ جب زندگی اور حالات زندگی کا اعتبار نہین تو جد و جہد، فکر و تلاش، سعی و محنت، تگ و دو کی کیا ضرورت ہی، چار دن کی زندگی ہے اسکو عیش و عشرت، نغمہ و سرود، رندی اور شاہد پرستی مین بسر کر دینا چاہیے، اس خیال نے خیام اور حافظ پیدا کئے،

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند | چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند
سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود | کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

ابر است ساقیا قدحے پر شراب کن | دور فلک درنگ ندارد شتاب کن
زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب | ما را بجام بادۂ گلگون خراب کن

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش | کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

کمند صید بہرامی بیفگن، جام مے در گیر ۔۔۔ کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام است نہ گورش

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم ۔۔۔ فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

حاصل کارگہ کون و مکان این ہمہ نیست ۔۔۔ بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست

غم دنیائے دنی چند خوری بادہ بخور ۔۔۔ حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد

کہ بر در بہ نزد شاہان، ز من گدا پیامے ۔۔۔ کہ بہ کوے می فروشان، دو ہزار جم بجامے

چونکہ سلاطین کے دربارمین کامیابی کا مدار زیادہ تر سعی وسفارش پر ہوتا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر ارباب کمال محروم رہجاتے تھے اور نا قابل اور کم پایہ لوگ، بڑے بڑے رتبون تک پہنچ جاتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ ایرانیون اور یونان کے معتقدات کے موافق اجرام فلکی کے موثر ہونے کا خیال عام طور سے پھیلا ہوا تھا، اسلیے لازمی طور پر خیال پیدا ہوا کہ آسمان کو نیک و بد کی تمیز نہین، اس سے آسمان کی شکایت کا ایک وسیع مضمون پیدا ہو گیا چنانچہ شاعری کا ایک بڑا حصہ انہی مضامین کے متعلق ہے اور اسمین خوب خوب نکتہ آفرینیان کی گئین،

سپہر مردم دون را کند خریداری | بخیل سوے متاعی رود کہ ارزان است

آخر دور فلک شد، بہ کدورت خو کن | بادۂ صاف دگر در تہ این مینا نیست

بعد ازین تاریکی شبہا بخود خوش کن کلیم | شکوہ کم کن، در چراغ اختران روغن نماند

آسمان ہا در شکست ما کمر ہا بستہ اند | چون نگہ دارم من از سنگ آسیا، یک دانہ را

اخلاقی شاعری، مین توکل، قناعت اور گوشہ گیری کی تعلیم انہی واقعات کی بدولت وجود مین آئی، غیور طبیعتون نے جب دیکہا کہ سلاطین کے دربار مین، خوشامد جوڑ توڑ اور سازش کے بغیر فروغ نہین ہو سکتا تو ان لوگون نے ترک دنیا ہی مناسب سمجہا اور لوگون کو بہی اسکی تعلیم دینی شروع کی یہانتک کہ رفتہ رفتہ، قناعت اور توکل، شاعری کا سب سے بڑا موضوع بن گیا اور چونکہ شاعرانہ تخئیل کیلیئے ایک اچہا میدان ہاتھ آگیا ان لوگون نے بہی اس مین طبع آزمائیان کین جنکو قناعت کی ہوا بہی نہ لگی تہی مثلاً مرزا صائب اور علی قلی سلیم وغیرہ،

تمدن اور فوجی زندگی کا اثر ایران نے جس زمانہ مین شاعری شروع کی، قومی زندگی تمامتر فوجی زندگی تہی، فتوحات کا زور شور تہا، ہر طرف لڑائیان برپا تہین، ترک

دیلم، سلجوق نئی نئی قومین اسلام کے حلقہ مین آتی جاتی تھین، اور اس لئے ہر حکومت کو اپنے بقا کیلئے ہمہ وقت تیغ بکف رہنا پڑتا تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ بچہ سپاہی بنگیا سلاطین اور امرا کا گروہ ہمیشہ عیش پسند ہوتا ہے لیکن اسوقت یہ حالت تھی کہ منصور سامانی جو دولت سامانیہ کا اخیر تاجدار تھا، اس سے جب ندیمون نے کہا کہ آپ زندگی کے مزے اُٹھائیے، شاہانہ عمارتین بنوائیے، نغمہ وسرود سے جی بہلائیے، تو اس نے یہ قطعہ کہا جو خود اسکی تصنیف ہے،

گویند مرا چون سلب خوب نہ سازی؟	ماوی گہِ آراستہ و فرش ملوّن
لوگ مجھ سے کہتے ہین کہ تم عمدہ کپڑے	سجا ہوا مکان، رنگین فرش کیون نہین بنواتے
با نعرہ گُردان چہ کنم لحن مغنّی	با پویۂ اسپان چکنم مجلس گلشن
پہلوانونکے نعرے ہوتے ہین مغنّی کا راگ لیکر کیا کرونگا گھوڑونکے مقابلہ مین باغ کیا چیز ہی	
جوشِ نی و نوشِ لب ساقی بچہ کار ست	جوشیدن خون باید بر علیہ جوشن
شراب اور معشوق کا لب شیرین کیا ہوگا	جوشن پر خون کا جوش درکار ہی،
اسپ[1] ست وسلاح ست مرا بزمگہ و باغ	تیر ست وکمان ست مرا لالہ و سوسن
میرا باغ، گھوڑا اور ہتھیار ہے	میرا لالہ اور سوسن تیر اور کمان ہین

اسی زمانہ مین شمس المعالی قابوس بن وشمگیر مشہور فرمانروا گذرا ہی، وہ اگرچہ رنگین طبع اور عیش پسند تھا تاہم کہتا ہے[2]،

---

[1] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۳، [2] لباب الالباب صفحہ ۳۰۔

من بیست چیز را ز جہان برگزیدہ ام	شطرنج و نرد و صید گہ و یوز و بازرا
مین نے دنیا سے بیس چیزین انتخاب کرلی ہین،	شطرنج نرد، شکار چیتا، شیر،
میدان و گوی و بارگہ و رزم و بزم را	اسپ و سلاح و جود و دعا و نماز را
میدان - گیند، بارگاہ، معرکہ جنگ،	گھوڑا، ہتھیار - سخاوت - دعا اور نماز

دقیقی جسنے شاہنامہ کا سنگ بنیاد رکھا تھا، اسکے زمانہ مین امیر ابو الحسن اغاجی ایک ممتاز رئیس تھا وہ شاعر بھی تھا چنانچہ کہتا ہے،

اے آنکہ نداری خبرے از ہنر من	خواہی کہ بدانی کہ نیم نعمت پرورد
تم کو میرے ہنر کی خبر نہین،	مین ناز پروردہ نہین ہون،
اسپ آر و کمند آر، و کتاب آر و کمان آر	شعر و قلم و بربط و شطرنج و می و نرد
میرے لئے گھوڑا، کمند، کتاب،	شعر، قلم، شطرنج، شراب، بربط، نرد یہ چیزین لاؤ

سلطان علاء الدین غوری فاتح اور حکمران ہونیکے ساتھ شاعر بھی تھا، عوفی یزدی نے لکھا ہو کہ اسکا دیوان بھی مُدوّن کیا گیا تھا اسکے اشعار کا نمونہ یہ ہے،

جہان داند کہ من شاہ جہانم	چراغ دودہ ساسانیانم
دنیا یہ جانتی ہے کہ مین بادشاہ ہون	اور سامانی خاندان کا چراغ ہون
چو بر گلگون دولت بر نشینم	یکے باشد زمین و آسمانم
جب مین گھوڑے پر سوار ہوتا ہون	تو زمین اور آسمان میرے لئے دونون برابر ہین

ایشیائی سلطنتون مین جس چیز کی طرف، بادشاہ وقت کا میلان ہوتا ہو وہی رواج

پائی ہی اُسوقت رزمیہ مذاق کے پھیلنے کے مختلف اسباب جمع ہو گئے تھے (۱) وہی ملکی حالت جسکو ہم ابھی لکھ آئے ہین (۲) سلاطین وقت کا شجاع و بہادر ہونا، اور اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا ظاہر کرنا (۳) ان سب پر مستزاد یہ کہ اس زمانہ مین شاعری کے جو پائےتخت تھے، یعنی بخارا، غزنین، بلخ، سمرقند، خوارزم یہان کی آب و ہوا سپہ گری بہادری، جانبازی کا اثر رکھتی تھی، اور یہان کے لوگ عموماً دیو پیکر، قوی تنومند، بالابلند ہوتے تھے، اور اب بھی ہوتے ہین، شعرا بھی اکثر انھین ممالک کے اور انہی نسلون کے تھے، ان مجموعی باتون کا شاعری پر جو اثر پڑا، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) شاعری کے اصناف مین سے صرف دو صنفین پیدا ہوئین، یعنی قصیدہ و مثنوی، قصیدہ تو گویا معاش کا ذریعہ تھا، جسمین سلاطین کی مدح کرتے تھے اور انعام لیتے تھے، مثنوی مین واقعات ہوتے تھے اور زیادہ تر رزمیہ ہوتے تھے غزل کیطرف لوگون نے توجہ نہ کی، اور نہ کسی شاعر نے اسکو اپنا ذریعہ امتیاز سمجھا،

(۲) قصیدہ مین اکثر سلاطین کے ملکی فتوحات کا ذکر کرتے تھے سلطان محمود غزنوی نے جب سومنات فتح کیا تو فرخی اور عسجدی وغیرہ نے قصائد لکھے جنمین پورے واقعات کی تفصیل لکھی، فرخی کا قصیدہ ہم پہلے حصہ مین لکھ آئے ہین، عسجدی کے چند شعر یہ ہین

تاشاہ خسروان سفر سومنات کرد ۔۔۔ کردار خویش را علم معجزات کرد

جب سے شاہنشاہ نے سومنات کا سفر کیا ۔۔۔ اپنے کام کو معجزہ کا نمونہ بنا دیا

سلہ عوفی یزدی تذکرۂ عسجدی،

شاہا تو از سکندر بیشی بدان جہت — کو ہر سفر کہ کرد بہ دیگر جہات کرد

اے بادشاہ تو سکندر سے بڑھکر ہی کیونکہ — اُسنے جو حملے کئے اور طریقے سے کئے

تو کارہا بہ نیزۂ و تیر و کمان کنی — او کارہا بحیلۂ و کلک و دوات کرد

تونے نیزہ، تیر اور کمان سے فتوحات کئے — اور سکندر نے حیلہ اور قلم و دوات سے

محمود غزنوی نے جسقدر ممالک فتح کئے ایک ایک کے متعلق عنصری اور فرخی وغیرہ کے فتحیہ قصائد موجود ہین جنمین رزم کی پوری تصویر کھینچی ہی، ہم دو دو چار چار شعر بعض قصائد کے نقل کرتے ہین۔

امینِ ملتِ محمود شاہ با دلِ شاد — بہ فالِ نیک دگر رہ بسوی خانہ نہاد

محمود نے پھر — نیک فالی کے ساتھ گھر کا رخ کیا

بہ سومنات شد امسال و سومنات بکند — درین مراد بہ پیمود منزلے ہشتاد

سومنات گیا اور اسکو برباد کر دیا — اس غرض سے اسّی منزلین طے کین

قوی کنندۂ دین محمد مختار — یمین دولت محمود قاہر کفار

چو باز گشت بفیروزی از در قنوج — مظفر و ظفر و فتح بر یمین و یسار

(۳) ممدوح کے اوصاف مین سپاہیانہ ہنروں یعنی تیر افگنی، شمشیر بازی، اسپ تازی کا ذکر بھی کرتے تھے فرخی سلطان محمود غزنوی کی مدح مین لکھتا ہے،

ز گہوارہ چو رُت پائے بیرون نہادے — کمان بر گرفتی وزوبین و خنجر
نیزہ

تونے جب گہوارہ سے پاؤن نکالا تو — کمان، نیزہ اور تلوار ہاتھ مین لی

بجائے قبا درع بستی وجوشن — بجائے کلہ خود جستی ومغفر

قبا کے بجائے تونے زرہ اور جوشن پہنا — ٹوپی کے بجائے خود اور مغفر مانگا

اسی کے ساتھ ممدوح کی جفاکشی، محنت طلبی، دشت نوردی کی تعریف کرتے تھے فرخی محمود غزنوی کی تعریف مین لکھتا ہے،

نشستگاہ شہان باغ وراغ وخانہ بود — نشستگاہ تو دشت است وخوابگہ خرگاہ

یعنی اور سلاطین باغ سبزہ زار اور محل مین رہتے ہین، اور تو میدان مین اجلاس کرتا ہے اور خیمہ مین سوتا ہے،

ہمہ زمستان در پیش برگرفتہ بود — رہے دراز در از وشبے سیاہ سیاہ

یعنی جاڑے بھر، بادشاہ لمبی لمبی راہین اور کالی کالی راتین سفر مین کاٹتا رہا

تو بر کنارہ دریاے سبز خیمہ زدہ — شہان شراب زدہ بر کنارہاے شہر

جبکہ اور سلاطین تالابون کے کنارے شراب پی رہے تھے، تو سمندر کے ساحل پر خیمہ ڈالے پڑا تہا

بوقت آنکہ ہمی خلق سیر خواب شوند — تو در شتاب سفر بودۂ ورنج سفر

جب اور لوگ پڑے سوتے ہین — تو سفر کی تکلیفین اٹہاتا پھرتا ہے،

(۴) چونکہ اسباب سپہگری مین شکار بھی ہے اسلئے ممدوح کی تعریف مین شکار کا ذکر اکثر کرتے تھے اور کبھی کبھی قصیدہ کا قصیدہ شکار کے حال مین لکھتے تھے، ایک دفعہ ایک مہینے مین سلطان محمود نے ۵۵۰ ہاتھی اور ۲۳۴ بھیڑیئے شکار کیے تھے فرخی اسکا

ذکر قصیدہ مین کرتا ہے،

زبادشاہان نگرفت جز تو در یک مہ   زگرگ سی و سہ وز پیل یا نصد و پنجاہ

بادشاہ نے تیر سے شیر مارا، اس پر ازرقی نے ایک قصیدہ لکہا، دیکہو کس خوبصورتی
سے پورے واقعہ کی تصویر کہینچی ہے،

بامدادے زپے صید برون رفت بدست   با می و مطرب و نابردہ بہ پرخاش کمان
ایک دن شکار کو نکلا۔   لیکن کمان نہین لی، اور می و مطرب ساتھ تھے

مے ہمی خورد بہ شادی، کہ بیامد دو سہ تن   از یکے بیشہ و از شیر بدادند نشان
شراب پی رہا تہا کہ دو تین آدمی   جنگل سے آئے اور شیر کا پتہ دیا

شہ سوے شیر بہ پیچید و برون آمد شیر   سر بہ ہامون زدہ از بیشہ خروشان و دمان
بادشاہ شیر کی طرف بڑہا شیر   جنگل سے ڈکارتا ہوا نکلا

از بلندی و زپہنا و بزرگی کہ نمود   راست گفتی کہ نہ شیر است ہیونیست کلان
اس قدر اونچا، اور لحیم و شحیم تہا کہ بڑا گہوڑا معلوم ہوتا تہا،

راست چون پنجۂ قصاب پر از خون دستش   پنج قلاب ورا در سر ہر پنجہ نہان
قصاب کی طرح اُسکا پنجہ خون مین بھرا ہوا تہا اور ہر پنجہ مین پانچ آنکڑے تھے،

مردہر سوے پراگندہ و برآمد بہ سپہر   از دلیران شغب نعرۂ از شیر فغان
لوگ ہر طرف بہاگ نکلے اور بہادرونکا نعرہ، اور شیر کی ڈکار آسمان تک پہنچی،

تیر بگزید و بپیوست و کمان بر بکشید   شاہ چون شیر سوے شیر بہ پیچید عنان

بادشاہ نے تیر کمان مین جوڑا اور شیر پر شیر کی طرح جھپٹا،

شیر اگرچند ہمی سخت بکوشید و لے — خوردن زخم ہمان بود و شدن سست ہمان

شیر نے اگرچہ بہت زور لگایا، — لیکن زخم کہاتے ہی سست ہوگیا

بر سر دست فرو خفت زمانے کہ مگر — گرد آسودہ و باز آید و سازد جولان

ہاتھ سر پر رکھکر سو گیا کہ ذرا دم لیکر پھر حملہ کرے،

ملکے شاہ برآورد و بہ پیوست و بزد — در بن گوشش و بر جاے بیفگند ستان

بادشاہ نے تیر کمان مین جوڑکر شیر کی کنپٹی مین مارا کہ چت ہوکر گر پڑا

لطف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ مین شعرا بزم کا سر و سامان کرتے تھے تو اسمین بھی لڑائی کا سمان دکہاتے تھے، سلطان محمود غزنوی ایک دفعہ میدان مار کر آیا زینبی (دربار کا شاعر تھا) قصیدۂ تہنیت لیکر دربار مین آیا اور سلطان کو ترغیب دی کہ "حضور اب ذرا آرام فرمائین، اور مطرب و ساقی سے جی بہلائین"، لیکن مطرب و ساقی کو بھی رزم کی صورت مین پیش کرتا ہے، یعنی مطربون کا میسرہ، احباب کا میمنہ معشوقون کے قد کا علم، زلفون کا پھریرا، گلدستونکا ترکش،

میسرہ، مطربان خوش سازیم — میمنہ، دوستان لبس دلخواہ

علم از ساقیان بپاے کنیم — تار منجوقہا از زلف سیاہ (پھریرا)

بدل تیر دستہا گیریم — از گل و سنبل شگفتہ بگاہ

عنسم گریزد زپیش ماچو تاں لکہ — خان و قیصر ز رزم شاہنشاہ

رزم مین بزم کا انداز ایک اور خاص وجہ سے پیدا ہوا جسکی تفصیل حسب ذیل ہی،

معشوق | انسان کی اصلی فطرت کے مطابق، مرد عاشق اور عورت معشوق ہی، ہندی زبان مین، مرد کو معشوق قرار دیا ہے، لیکن چونکہ عاشق عورت ہی، اسلئے یہ بھی فطرت کے قریب قریب ہی لیکن ایران کی یہ اُپج کہ عاشق اور معشوق دونون مرد سخت تعجب انگیز ہے اور انصاف یہ ہے کہ اس بیہودگی نے ایران کی عاشقانہ شاعری کو جو تمام دنیا سے بالاتر اور لطیف ترتھی خاک مین ملادیا، ہم اس اعتراض کی تاویل نہین کرنی چاہتے اور نہ کر سکتے ہین، البتہ واقعہ نگاری کا فرض یہ ہے کہ اسکے اور اسباب اور وجوہ بتائین،

ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل مین لکھا ہی کہ عرب مطلقاً امرد پرستی سے ناواقف تھے لیکن جب پہلی صدی مین فتوحات کا سیلاب خراسان تک آیا، اور اہل فوج مدت تک وطن اور اہل وعیال سے دور رہے، اسکے ساتھ لڑائیون مین سادہ، نوجوان گرفتار ہو کر آئے، اور غلام بنکر، جلوت وخلوت مین ساتھ رہنے لگے تو امرد پرستی اور شاہد بازی کا مذاق پیدا ہوا"۔

تاہم پہلی اور دوسری صدی تک، عرب کی شاعری اس داغ سے پاک رہی، تیسری صدی مین اسکی ابتدا ہوئی، اور چوتھی صدی مین یہ مذاق عام ہو گیا چنانچہ ابن المعتز کا رائیہ قصیدہ، اسکی مفصل داستان ہے، تاہم بلحاظ اغلب، وہی قدیم مذاق قائم تھا، اسلئے عرب کی شاعری مین امرد پرستی نے یہ حیثیت نہین حاصل کی

کہ اسکی نمایان صفت بنجائے،

ایران مین شاعری شروع ہونے کا وہی زمانہ ہی جب عرب مین یہ مذاق پیدا ہو چلا تھا، اسپر طرہ یہ ہوا کہ جن اسباب نے عرب مین یہ مذاق پیدا کیا تہا، وہ ایرانیون کو بہت زیادہ وسعت اور افراط کے ساتھ میسر آئے، ترک غلام جو عموماً حسین ہوتے تھے گھر گھر پھیل گئے تھے، اور مجالس عیش مین ساقی گری، اور بزم آرائی کی خدمت انکے متعلق تھی، وہ جلوت و خلوت، سفر و حضر مین ساتھ رہتے تھے اور ہمنشینی کے ساتھ ہمدم و ہمراز بنجاتے تھے، ہر وقت کے میل جول مین نظر بازی تازی ہوتی رہتی تھی، رفتہ رفتہ وہ غلام اور خادم ہونے کے بجائے محبوب اور منظور نظر بنگئے دقیقی، فرخی وغیرہ کے کلام مین جابجا اسکے اشارے نہین، بلکہ تصریحین پائی جاتی ہین، حکیم سنائی کہتے ہین،

خادمان را از بہر آن بخرند ۔۔۔ تابر خسارشان ہمی نگرند

بڑے بڑے سلاطین اور امراانکے زر خرید غلامون کے غلام تھے،

معتصم باللہ نے عرب کو فوج سے نکالکر، ترک بھر دیئے تھے، اسوقت سے ایران خراسان اور عراق عجم مین، ہر جگہ فوجی صیغون مین ترک ہی ترک نظر آتے تھے یہ نوجوان سپاہی حسین اور خوشرو ہوتے تھے، اسلیئے انکی چال ڈھال، رفتار گفتار، بات چیت، ایک ایک ادا، طنازی اور شوخی کے لباس مین جلوہ گر ہوتی تھی، چنانچہ اکثر اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی سپاہی بچے، مکتب عشق کے معلم تھے، فرخی کہتا ہے،

برکش اے ترک و بیکسو فگن این جامۂ جنگ ۔۔۔ جنگ برگیر و بنہ درقہ و شمشیر از جنگ

اے ترک اب لڑائی کے کپڑے آتار ڈال ستار اُٹھالے اور تلوار اور ڈھال رکھدے

دشمن از کینہ کم آمد بہ کمین گاہ مرو لشکر از جنگ بر آسود، بر آسا ے از جنگ

دشمن لڑائی سے عاجز آگیا اب لڑائی میں نہ جا فوج نے آرام لیا، تو بھی آرام لے

بہ مصاف اندر کم گرد کہ از گرد مصاف زلف مشکین تو پر گرد سیہ مشک بہ تنگ

لڑائی میں کم جا۔ کیونکہ لڑائی کی گرد سے تیری زلف اٹ گئی ہے،

تو رخ روشن خود را بہ زرہ خود مپوش کہ رخ روشن تو زیر زرہ گیرد زنگ

تو اپنے روشن چہرہ کو زرہ میں نہ چھپا تیرا چہرہ زرہ کے نیچے زنگ آلود ہو جاتا ہے

نرمک از گرد سیہ زلف سیہ را بفشان تا فرو ریزد بر گرد سوار و سر ہنگ

آہستہ سے زلف کی گرد جھاڑ دے تاکہ اُس گرد پر سوار اور سپاہی ٹوٹ پڑیں

ابو المعالی رازی کہتا ہے، (بڑا قصیدہ ہے، ہم نے صرف دو شعر نقل کیے ہیں)

یارب این بچۂ ترکان چہ بتان اند کہ ہست دیدۂ مردم نظارہ از ایشان چو بہار

خدایا یہ ترک بچے کیسے معشوق ہیں کہ دیکھنے والی کی آنکھ میں انکو دیکھکر بہار آجاتی ہے

بگہ رزم ندانند بجز اسپ و سلاح بگہ بزم ندانند مگر بوس و کنار

لڑائی کے وقت گھوڑے اور ہتھیار کے سوا کسی چیز سے واقف نہیں، اور مجلس میں بوس و کنار کے سوا کچھ نہیں جانتے

کافی ہمدانی کہتا ہے،

این شوخ سواران کہ دل خلق ستانند گوئی ز کہ زادند؟ و بہ خوبی بہ کہ مانند؟

یہ شوخ سوار جو لوگوں کا دل چھینتے ہیں تم پوچھتے ہو کہ کس نسل میں سے ہیں اور کس کے مشابہ ہیں

ترک اند باصل اندر ورشک نیست ولیکن ... از خوبی وزیبائی خورشید درخشانند

اصل مین یہ ترک ہین ... لیکن خوبصورتی مین آفتاب ہین

شیر اند بزور و بہنر، گرچہ غزال اند ... پیر اند بعقل و بہ خرد گرچہ جوانند

گو وہ ہرن ہین لیکن زور مین شیر ہین ... گو جوان ہین لیکن عقل مین بڈھے ہین

در معرکہ سوزندہ تر از نار جحیمند ... در مجلس سازندہ تر از حور جنانند

معرکہ مین آتش دوزخ سے بڑھکر ہین ... مجلس مین حور سے زیادہ دلکش ہین

با قرطۂ رومی ہمہ چون بدر منیر اند ... بر مرکب تازی ہمہ چون باد بزانند

رومی کرتہ پہنین تو چاند ہین ... عربی گھوڑے پر سوار ہون تو ہوا ہین

در رزم بجز تیغ زدن رای نبینند ... در بزم بجز دل ستدن کار ندانند

لڑائی مین صرف تلوار چلانا جانتے ہین ... بزم مین صرف دل چھیننا جانتے ہین؛

ایاز کا نام تمنے محمود کے معشوق ہونیکی حیثیت سے سنا ہوگا لیکن وہ فوجی افسر بھی تھا اور بڑے بڑے میدان مارے تھے، فرخی نے ایک قصیدہ مین اسکی معرکہ آرائی کا حال لکھا ہے،

بروز روشن از غزنین برون رفت ... ہمی زد با جہالی تا شب تار

نماز شام را خندان بخوابید ... کہ دشت از کشتہ شد با پشتہ ہموار

ترکونکی معشوقی نے یہان تک وسعت حاصل کی کہ ترک کے معنی معشوق کے ہوگئے

جملہ ترکان جہان ہندوے تو

یہ مذاق اسقدر عام ہوا کہ سلاطین اور رؤساتک علانیہ امرد پرستی کرتے تھے اور دربار مین انکے معشوق، انکی نظر فروزی کا کام دیتے تھے، شعرا سے ان معشوقونکی تعریف و توصیف مین سر دربار اشعار لکھواے جاتے تھے اور شعرا ممدوح کی عشق پرستی کا علانیہ ذکر کرتے تھے،

فرخی ایک قصیدہ مین جو ایاز کی مدح مین ہے، ایاز کے حسن وجمال اور جاہ و جلال کی تعریف لکھکر لکھتا ہے کہ محمود نے بیوجہ، اسکو دل نہین دیا،

یکے گوید کہ آن سرو یست بر کوہ — دگر گوید گلے تازہ است پر بار

کوئی کہتا ہو کہ وہ پہاڑ پر سرو ہے — کوئی کہتا ہے کہ شاخ پر پھول ہے

نہ بر خیرہ بدو دل داد محمود — دل محمود را بازی مپندار

محمود نے اسکو یونہی دل نہین دیا — محمود کا دل کچھ ہنسی کھیل نہین

عورتین جب تک معشوق تھین، عشق پرستی اسقدر عام نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، ایشیا مین کبھی عورتین بے پردہ ہو کر نہین رہین، اور رہین بھی تو مردون سے ہر وقت ملنا جلنا ممکن نہ تھا لیکن جب نوخط میدان مین آئے تو گھر گھر آگ لگ گئی، بڑے بڑے مقدس درویش اور ارباب حال مکتبونمین بچون کو گھورنے جاتے ہین اور بے تکلف کہتے ہین،

من بتو مشغول و تو با عمر و زید

خوشترو طبیب علاج کو آیا، مریض دعا کرتا ہے خدایا میرا مرض کبھی اچھا نہ ہونے پائے،

نمی خواستم تندرستی خویش

دربار شاہی مین کوئی سادہ رو طبیب آجاتا ہی تو خود صاحب تاج وتخت کی زبان سے نکلجاتا ہے ع خوش طبیبیست بیاتا ہمہ بیمار شویم۔

آقا وغلام، استاد وشاگرد، پیر ومرید، ایسے نازک اور قابل ادب تعلقات بھی عشق پرستی سے خالی نہین ہوتے تھے، اس حالت نے ملک اور قوم کی سیاسی اور اخلاقی حالت پر جو اثر کیا، اور جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ مٹھی بھر تاتاریون نے خراسان سے لیکر بغداد تک کی خاک اڑادی، اس کا پھیلانا ہمارا کام نہین، البتہ شاعری اور انشاپردازی کی وسعت اور نوعیت پر اسکا جو اثر پڑا، اسکی تفصیل لکھنا، شعر العجم کا فرض ہے،

اس واقعہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کی زبان بالکل فوجی زبان بنگئی، یعنی جو کچھ کہنا چاہتے ہین رزمیہ انداز مین کہتے ہین،

منوچہری بہار کی آمد لکھتا ہے، لیکن اس انداز مین لکھتا ہی کہ دو جنگجو بادشاہ باہم معرکہ آرا ہین،

این باغ وراغ ملکت نوروز ماہ بود	این کوہ کوہ لالہ واین جوی جویبار
(ملکیت) (بہار) چون دید کوتوال زمستان کہ در سفر	نوروز مہ بماند قریب مہ چہار
(جاڑا جو خزان کا مہینہ ہی) اندر دوید و مملکت او بغارتید	بالشکر گران وسپاہی گزافہ کار
برداشت تاجہائے ہمہ تارک سمن	برتافت پنجہ ہائے ہمہ ساعد چنار

جنگی حالت کا زبان پر یہ اثر ہوا کہ اکثر محاورات اور مصطلحات انہین الفاظ سے بنے جو لڑنے بھڑنے، مرنے مارنے کے لئے موضوع ہین،

ہرزبان مین قاعدہ ہے کہ لفظ کے اصلی معنی ایک ہوتے ہین، پھر ادنیٰ مناسبت
سے، اُسکے اور اور معنی بنتے جاتے ہین، اور ان معنون کو اصطلاحی معنی کہتے ہین
فارسی مین یہ اصطلاحی معنی اکثر انھین الفاظ سے پیدا ہوئے ہین، جنکو مرنے مار
سے تعلق ہے مثلاً "زدن" کے اصلی معنی مارنے کے ہین اب اس سے بیسیون اص
معنی پیدا ہوگئے مثلاً

حرف زدن	بولنا	نوازدن	بجانا
مثل زدن	مثل کہنا	گام زدن	قدم رکھ
می زدن،	ساغرزدن، جرعہ زدن۔ پینا	دم زدن	دم لینا
فال زدن	فال نکالنا	گرہ زدن	گرہ لگا

اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہر چیز مین جنگی تخیل پہلے آتا تھا، پھر اس سے اور او
باتین پیدا ہوتی تھین،

اردو مین چراغ کے گل کرنیکو بجھانا اور عربی مین اطفا کہتے ہین لیکن فارسی
مین چراغ کشتن کہتے ہین، تھوڑی دور کا فاصلہ بتانا ہو تو ہم اپنی زبان مین بگہ یا
فرلانگ سے بتائین گے لیکن ایرانی 'تیر پرتاب' کہیگا، یہ وہی جنگی خیالات کا اثر ہی کہ زمین کی
پیمائش بھی تیر سے کرتا ہے، پہاڑ کی چوٹی کو عربی مین قلہ کہتے ہین لیکن ایرانی
کوہ کہتا ہے، تحریر یا تقریر یا دعوے مین عاجز آجانے کو اُردو اور عربی مین اور اور الف
سے تعبیر کرتے ہین لیکن فارسی مین سپر انداختن کہتے ہین نماز مین لوگ جو کند

کندھا ملاکر کھڑے ہوتے ہین، اسکو عربی مین صف کہتے ہین جو دراصل صف جنگ سے ماخوذ ہے، فارسی نے اس لفظ کو لے لیا کہ ان کے خیالات کے مطابق تھا،

ع تفرقہ انجمنِ صف طاعت نہ

لے بھاگنے کو زدو برد کہتے ہین، باقر کاشانی کہتا ہے،

نفسے واشدنی داشت از من گل زدو برد مصرع نالہ زمن بود کہ بلبل زد و برد

راستہ طے کرنے کو راہ بریدن کہتے ہین، اس سے بڑھکر یہ کہ پانی جو خوشگوار اور ہاضم ہو، اسکو برندہ کہتے ہین۔

احشای دشمنت ز حسد دار د امتلا آب برندہ از دمِ تیغ چو آب خواہ

ع برندہ بود بلے آب اشتہا آورد

اس قسم کے بیسیون محاورے اور اصطلاحین ہین،

خیالات پر اسکا یہ اثر ہوا کہ عشقیہ شاعری پر بھی یہی رنگ چڑھ گیا، معشوق کے اوصاف اور سراپا کی تشبیہات اور استعارات مین تمامتر، فوجی سامان ہے یہانتک کہ حسن کا مرقع میدان جنگ نظر آتا ہے،

زلفین کمند ہین، ابرو خنجر، پلکین تیر، آنکھین قاتل وغیرہ وغیرہ،

حسنؔ زین

صید از حرم کشد، خم جعد بلند تو فریاد از تطاول مشکین کمند تو

ظہیرؔ،

ق

خود از برائے سر زرہ از بہر تن بود | تو جنگجوے عادت دیگر نہادۂ
دربر گرفتۂ دل چون خود آہنین | وان زلف چون زرہ را بر سر نہادۂ

حزین

محو سبک عنان مژۂ کافرت شوم | رنگین نشد بخون دو عالم سنان تو

ان خیالات نے رفتہ رفتہ یہ وسعت حاصل کی کہ غزل کا بڑا حصہ سامان جنگ اور قتل اور خون کے لوازمات ہین،

قاتل من چشم می بندد دم بسمل مرا | تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

زخون خویش بران قطرہ می برم غیرت | کہ گاہ قتل بدامان قاتل افتادہ است

چگونہ جان بسلامت برم زسفاکے | کہ بر درش ملک الموت بسمل افتاد است

تا قیامت دگر آن کشتہ نگیرد آرام | کہ دلش زخم دگر خواہد و قاتل بردد

یک ناوک کاری زکمان تو نخوردم | ہر زخم تو محتاج بزخم دگرم کرد

برغم غیر چنان گشتہ مہربان بامن | کہ حرف قتل من آورد درمیان بامن

خون ترا چه قدر نظیری خموش باش　　　این بس که دعوی از طرف قاتل تونیست

منکر نمی شود که من اورانه کشته ام　　　باقر! کسے بہ خیر گی قاتل تونیست

بر طفلی دایه دست او گرفت و زیر لب میگفت　　　که این سر نیجه از خون کسان رنگین نشود

اے خوش آندم که من کشته بخون می گشتم　　　او زده تکیه بشمشیر تماشا میکرد

اے بت ار تیر زنی بر جگرم هر بارے　　　از جگر بر کشم و باز بدست تو دهم

ایشیائی شاعری کے لئے اگرچہ صحت اور واقعیت کی کوئی ضرورت نہین لیکن یہ بدفالی، خالی نہ گئی، بعض بعض شعرا درحقیقت، اپنے معشوقونکے ہاتھ سے مارے گئے، دقیقی کو جسنے شاہنامہ کی بنیاد ڈالی، اسکے معشوق نے قتل کیا تھا، اسیطرح بعض اور شعرا کے متعلق ارباب تذکرہ نے لکھا ہے کہ معشوقونکے ہاتھ سے مارے گئے،

فوجی جذبات کا تنزل اور اسکا اثر

چھٹی صدی مین فوجی جذبات مین تنزل شروع ہوا یہانتک کہ چنگیز خان نے ایران و عراق کو بالکل بے چراغ کردیا، اس واقعہ نے شاعری پر گوناگون اثر ڈالا، شعرا تو اس سے پہلے بھی یعنی عین جنگی جوش کے زمانے مین، عشقیہ

جذبات سے خالی نہ تھے، اور موقع بہ موقع اسکا اظہار کرتے رہتے تھے، فرخی کا وہ قصید
پڑھو جو ابھی ہم اوپر نقل کر آئے ہین اور جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے،

اے ترک! لڑائی کا لباس اب اُتار ڈال ستار ہاتھ مین لے اور تلوار اور ڈھال رکھد
دشمن شکست کھا چکا اب میدان مین نہ جا فوج لڑ چکی اب تو بھی دم ـــ
لڑائی مین نہ جا تیری زلفین لڑائی کے غبار سے اٹ جاتی ہین،
تو اپنے چمکتے ہوے چہرہ کو زرہ سے نہ چھپا اس سے تیرے چہرہ کو زنگ لگجاتا ـ
اپنی زلفون سے گرد جھاڑ دے دیکھ کس طرح لوگ اسپر ٹوٹ پڑتے

ملک شاہ سلجوقی نے جب سمرقند فتح کیا تو دربار کے ملک الشعراء معزی نے قص
پیش کیا جسمین فوج کی حملہ آوری اور معرکہ آرائی کا حال لکھا، اس مین جہان سپا
کی تصویر کھینچی ہے اسطرح کھینچی ہے،

ہمہ کمان کش ورزم آزمای وتیر انداز ہمہ مبارز و آہن گداز وجوشن
یکے بساعد سیمین درون فگندہ کمان یکے بہ سنبل مشکین درون کشیدہ
یکے شگوفہ و سوسن گرفتہ درجوشن یکے بنفشہ و عنبر نہفتہ در مغفر

سلطان محمود غزنوی کا بیٹا محمد شکار کھیلنے گیا، فرخی بھی ساتھ ہی، محمد نے بہت
ہرن شکار کیے، فرخی نے ایک ہرن کی آنکھین اور اُسکے خمدار سینگ دیکھے تو
معشوق کی آنکھین اور زلفین یاد آئین، وہین بیٹھ گیا، اور خوب رویا، کسی نے محمد سے
واقعہ بیان کیا اسنے ایک نہایت خوبصورت ہرن، زندہ اُسکے پاس بھیجدیا چنانچہ فرخ

قصیدہ میں تمام حالات لکھے، ممکن ہے کہ یہ سب شاعری ہو اصلیت کچھ نہو لیکن اس سے خیالات کی رفتار کا اندازہ ہوسکتا ہے،

مرا ز چشم و سیہ زلف یار یاد آمد — فرو نشستم و گریستم بزاری زار

یکی بگفت ملک را کہ فرخی بگریست — بصید گاہ تو بر چشم آہوے بسیار

ملک چنانکہ از آزادگی سزد بگرند — ز آہوے چو نگارے ز بتکدہ فرخار

دراز گردن و کوتاہ پشت و گرد سرین — سیاہ شاخ و سیہ دیدہ و نکو دیدار

بمن فرستاد آن را و معنی آن بود است — کہ شادمان شو ز اندوہ و دل برین مگمار

سلاطین بھی اس مشغلہ سے خالی نہ تھے، سلطان محمود کو ایاز سے جو شیفتگی تھی شہرت عام رکھتی تھی، یہانتک کہ شعرا قصائد مین اسکا ذکر کرتے تھے، سلجوقیون مین سلطان سنجر بڑی عظمت و جبروت کا بادشاہ تھا، عماد الدین اصفہانی نے تاریخ سلجوقیہ مین اسکی نسبت ایک عنوان قائم کیا ہے جسمین لکھتا ہے[1]،

کان من عادۃ سنجر ان یشتری غلاما ما اختارہ ثم

سلطان سنجر کی عادت تھی کہ جو غلام پسند آتا تھا اسکو خرید تا تھا،

یتعشقہ و یشتھر بحبہ و یشتھر بقربہ و یبذل مالہ و روحہ الخ

پھر اُس سے عشق کرتا تھا اور اسکی عام شہرت ہوتی تھی اور جان و مال اسپر صرف کرتا تھا

(مورخ مذکور نے ان غلامون کے نام اور عشقیہ حالات بھی لکھے ہین لیکن اسکی تفصیل

[1] تاریخ سلجوقیہ مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۷۱

کی ضرورت نہین)

تاہم اس زمانہ تک چونکہ فوجی قوت باقی تھی اسلئے ان باتون کا اثر عام نہین ہو تھا، بالکل اسطرح جسطرح آج یورپ ہر قسم کی عیش پرستی اور بدنجواری مین مبتلا ہے تاہم وہی شخص جورات کو ہال مین لیڈیز کے ساتھ ناچتا ہے، دن کو اسطرح مردانہ اشغال مین مصروف رہتا ہے کہ گویا نغمہ و سرود سے گوش آشنا بھی نہین، لیکن جب تاتاریون نے فوجی طاقت کا استیصال کر دیا تو عشقیہ جذبات کے سوا، اور کچھ نرہا، اب یہ حالت ہوگئی کہ در و دیوار سے یہی صدا آنے لگی، مولانا جامی، کبار صوفیہ مین ہین تحفۃ الاحرار خاص تصوف مین لکھی ہے اسمین سترہوان باب حسن و جمال کی تعریف کا باندھا ہے، اگر عام حسن کی تعریف ہوتی تو مضائقہ نہ تھا حسن ایک ذرہ ذرہ مین پایا جاسکتا ہے لیکن مولانا ممدوح نے خاص نوخطون کی مدح مین گویا قصیدہ لکھا ہے، تمہید اس شعر سے شروع کرتے ہین،

نقش سراپردۂ شاہی ست حسن — لمعۂ خورشید الٰہی ست حسن
حسن کہ در پردۂ آب و گل ست — تازہ کن عہد قدیم دل ست

پھر نوخطون کو مخاطب کر کے فرماتے ہین،

قد تو سروے ست بہشتی چمن — روے تو شمعی ست بہر انجمن
خضر خطت خرقہ کبود آمدہ — بر لب آن چشمہ فرود آمدہ

یک ایک عضو کی تعریف کر کے کہتے ہین،

جلوۂ حسن تو در افزودنی ست — آئینہ چولی و بچولی است

قبلۂ ہر دیدہ درین آئینہ است | منظر اہل نظر این آئینہ است

لطف یہ ہے کہ ان سب باتون کے بعد فرماتے ہین،

چہرہ نہان دار کہ آلودگان | جز رہ بیہودہ نہ پیمودگان

چون بہ جمال تو نظر وا کنند | آرزوے خویشتن تمنا کنند

ایک طرف تو فرماتے ہین، کہ تیرا چہرہ، نور الٰہی کا آئینہ ہے، دوسری طرف یہ بھی کہتے ہین کہ اپنا چہرہ چھپائے رہو ورنہ خطرات پیش آئین گے، لیکن کیا عورتون سے گذر کر مردونین بھی پردہ رائج کیا جاسکتا ہے، حقیقت یہ ہو کہ اس بیہودہ شاہد پرستی نے تمام ملک کو برباد کر دیا، جب اکابر صوفیہ، اس قسم کی حُسن پرستی کی تعلیم دین اور فرمائین کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہو تو ملک کے ملک کا بلائے عام مین مبتلا ہونا یقینی تہا اور ہوا،

بہرحال اس واقعہ کے نتائج نیک و بد جو ہوئے حسب ذیل ہین،

(۱) رزمیہ شاعری گویا فنا ہوگئی، ساتوین صدی سے آجتک ہزارون جنگی معرکے ہوئے اور بادشاہان وقت کے بہت سے شاہنامے لکھے گئے لیکن وہ صرف ان بادشاہونکی فرمائش تھی، ملک مین مطلق انکو رواج نہوا، آج انکا نام ونشان بھی عام لوگون کو معلوم نہین، اسکی وجہ یہی تھی کہ جنگی جذبات فنا ہو چکے تھے اور لوگونکے دلون پر ان خیالات کا کچھ اثر نہین ہوتا تھا،

(۲) رزم بھی کہتے تھے، تو رنگین الفاظ اور استعارات مین کہتے تھے، قدسی، کلیم، قاسم گونابادی، علی قاسم سلیم، سبنے چھوٹی بڑی رزمیہ مثنویان لکھی ہین انکا یہ انداز ہو،

قاسم گونابادی

زرزین کلاهان آہن قبا   شد آن رزمگہ جام گیتی نما
تبرزین آہن، سپرہائے زر   ہلالے بدست آفتابے بسر
نہان در زرہ شاہ فرخندہ فر   چو در حلقۂ دیدہ نور بصر

قدسی،

سر انگشت آہن تنان بے ہراس   چو مقراض مائل بقطع لباس
وودیدے دران بزم پرشور و شر   یلان را چو ان شمع آتش کین بسر

کلیم،

زبس باد شمشیر او تند بود   لبے کشتی عمر باشد فرد
زبس باد شمشیر او تند بود   حباب سراز ود شہامی ربود
بہم تیغ و زخم اند پیوستہ یار   لب تشنہ را بالب جوست کار
زرہ را بہ تن دوخت خیاط تیر   بجسپانے موج بر آب گیر

زلالی خوانساری فرماتے ہین،

چنان دست یلان ناوک فشاندی   کہ چشم زخم بے مژگان نماندے

یعنی پہلوان جو تیر برساتے تھے، تو وہ زخم کی آنکھونکی پلکین بن جاتے تھے،

یہ رنگ اسقدر غالب آگیا تھا کہ کمان سجاتے تھے تو اسکے محراب دور مین معشوقون کے ابرو بنتے تھے زلالی سلیمان نامہ مین جو سکندرنامہ کے جواب مین لکھی

گئی ہے مکان کی آرائش یون کرتے ہین، ؎

ہمہ طاق بندی ابرو شدہ

طاق کے بجائے معشوقون کے ابرو جڑ دیئے گئے تھے،

(۳) قصائد مین ممدوح کی معرکہ آرائی، لشکر کشی، سپہ سالاری، قلعہ کشائی، تیغ بازی، قدر اندازی کا جو ذکر کرتے تھے متروک ہوگیا، قصیدہ مین ایک آدھ جگہ شجاعت کا ذکر آجاتا ہے، لیکن واقعیت کی حیثیت سے نہین بلکہ صرف اس غرض سے کہ مبالغہ کی وسعت کے لئے ایک اور موقع ہاتھ آگیا ہے مثلاً

اگر بصحن چمن فی المثل شجاعت او ۔۔۔ دہد نہیب کہ ہین یاسمین! دہان نرگس

چو عکس لالہ زند یاسمین در آب آتش ۔۔۔ چو شاخ بید کشد خنجر از میان نرگس

(۴) ملکی حالت کے بدلنے نے ملک کی زبان بدل دی یہ ایک دقیق راز ہی کہ ملک کی جو مادی حالت ہوتی ہی زبان پر بھی اسکا اثر پڑتا ہی جس ملک مین زیادہ تر لڑائیان برپا رہتی ہون ہر وقت جنگ وجدل کا چرچا رہتا ہو، آنکھین کھولنے کے ساتھ بچونکی نظر تیغ وخنجر پر پڑتی ہو، وہان کی زبان بھی اسی قسم کی بنجاتی ہے لفظونمین سنگینی وقار اور عظمت ہوتی ہے، فقرون مین جوش ہوتا ہے، طرز ادامین متانت پائی جاتی ہے اسکا اثر قصیدہ اور مثنوی پر پڑا یعنی ان دونون صنفون مین تنزل آگیا، قصیدہ کیلئے الفاظ کا شان وشکوہ، ترکیبون کی چستی، طرز ادا کا وقار لازمی چیز ہی متاخرین کی زبان چونکہ غزل کی زبان بنگئی، اسلئے قصیدہ کی وہ شان قائم نرہی، مثنوی پر بھی یہی اثر پڑا،

اسی کا نتیجہ یہ ہو کہ آٹھوین صدی سے اسوقت تک سیکڑون ہزارون مثنویان لکھی گئین لیکن ایک مثنوی بھی نمایان نہوئی، جو مثنویان اس عہد مین مشہور ہوئین وہ عشقیہ مثنویان تھین اور اُنمین اسی قسم کی زبان برتی گئی ہے،

(۵) تشبیہات اور استعارات بدلگئے، مثلاً پہلے زلف کو کمند اور چوگان سے تشبیہ دیتے تھے اب سنبل، تارنظر، دام، خوشۂ انگور، رشتۂ عمر، کفر وغیرہ سے تشبیہ دینے لگے،

معزی

گرفتہ زلف گرہگیر درمیان دولب — چو خوشۂ عنب اندر میانۂ اعناب

قاآنی

دوزلف تابدار او بہ چشم اشکبار من — چو چشمہ کہ اندر وشنا کنند مارہا

گفتن دعای زلف تو تحصیل حاصل ست — باخضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

سلمان

بعد ازین از گرہ زلف بتان کس تسبیح — بعد ازین از خم ابروی مغان، کس محراب

خسرو،

بگفتمش کہ بخورشید چون توان رفتن — کشود کاکل خود در اکہ نردبان اینست

شیدا

فسونگر داند آن خاکے کہ از وی بوئے مار آید — شناسم بوئے زلفت را اگر در مشک تر پیچی

ابرو کو پہلے کمان، تلوار، چوگان وغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، اب ماہ نو، قوس قزح طاق، محراب، طغرا وغیرہ سے تشبیہ دینے لگے[1]

در فراق تو نهادم دین و دل | هر دو بر طاق خم ابروی تو

بعد ازین از خم ابروی بتان کن محراب

طغرای ابروی تو باطغرای نیکوی | برهان قاطع ست که آن خط مزور است

آنکھوں کو پہلے قاتل اور سفاک کہتے تھے اب جام شیشہ، نرگس، بادام وغیرہ کہتے ہین

چشم چون پر عشوه کرد اول بسوی خویش دید | پاره خود خورد ساقی، ساغر لبریز را

سرشار بود بسکه ز چشم مست یار | مژگان بهر دو دست گرفت این پیاله را

هر کس که بدید چشم او گفت | کو محتسبی که مست گیرد

گردش چشم تو هم مست است و هم پیمانه است | چشم گویای تو هم خواب است و هم افسانه است

ضبط نگه مکن که بچشم تو داده اند | بیماری که نیست به پرهیز احتیاج

شکر چشم تو کند محتسب شهر کزو | هر کجا میکده هست خراب افتاده ست

(٦) یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک مین تمدن کا جوش شباب ہوتا ہی تو ہر قسم کی قوتین نہایت زور و شور سے اُبھرتی ہین، فرانس مین آج جہان ہر قسم کے علم و فن کا عروج ہی سیہ کاری اور عیاشی کا بھی یہ زور ہے کہ بیان کے قابل نہین، پانچوین اور چھٹی صدی ہجری فارسی شاعری کا عہد شباب ہی، اس زمانہ مین اور ہر قسم کی

---

[1] یہ تشبیہین پہلے بھی خال خال ہین، لیکن اب عام ہو گئین،

شاعری کے ساتھ ہجو اور ہزل گوئی نے بھی ظہور کیا چنانچہ سوزنی، انوری وغیرہ کی ہجوین
آجتک مشہور ہین، بدقسمتی یہ کہ ساتوین صدی کے آغاز ہی مین اسلامی طاقت گویا برباد
ہوگئی، اور اسوجہ سے قوم کا اخلاقی شیرازہ بالکل بکھر گیا، اسنے یہ اثر پیدا کیا کہ ملک کے
ملک کی زبان پر فحش اور بد تہذیبی چھاگئی، شیخ سعدی اس زمانہ کے اخلاقی رفارمر
ہین لیکن گلستان کے باب پنجم مین خود ایسی حکایتین لکھی ہین جو آج کسی مہذب
آدمی کی زبان سے ادا نہین ہوسکتین، مولانا روم کی مثنوی، ع

ہست قرآن در زبان پہلوی

لیکن کنیزک اور خاتون کا قصہ "جعفرزٹل کے نامۂ اعمال مین داخل کرنے کی چیز ہے"
سلمان ساوجی جیسے مہذب شاعر فحش گوئی سے خالی نہین، جامی نے یوسف زلیخا
کے ہفتم خانہ مین اخیر موقع پر جو کچھ لکھا ہے، کون مہذب آدمی اسکو گوارا کرسکتا ہے
یہ لوگ خود نہایت مہذب اور پاک باطن لوگ تھے، لیکن سوسائٹی کے اثر سے زبان
ایسی خراب ہوگئی تھی کہ اس قسم کے الفاظ عام زبانون پر چڑھ گئے تھے، اور لوگونکو ناگوار
نہین معلوم ہوتے تھے قریباً تین سو برس تک یہ حالت رہی، جب سلاطین صفویہ
کی حکومت قائم ہوئی اور تہذیب شائستگی نے دوبارہ ترقی کی تب جاکر یہ عیب دور ہوا،

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہو کہ ہندوستان کی شاعری اس
داغ سے پاک رہی ہندوستانی شاعری کی ابتدا گو مسعود سعد سلمان سے ہوئی
پھر خسرو اور حسن دہلوی ہوے، اُنکے بعد تیموریہ کا دور ہوا ہزارون شعراء ایران سے آکر

دربار میں باریاب ہوئے اور یہیں رہ گئے، اس گروہ میں کسی کی زبان ہجو اور فحش سے آلودہ نہیں ہوئی عرفی غصہ سے بے قابو ہو جاتا ہے تاہم اس سے آگے نہیں بڑھتا،

با من از جہل معارض شدہ نامنفعلے ۔ کہ گرش ہجو کنم اولبودش مدح عظیم

ایک شخص نے عرفی کو بدطینت کہا تھا، اسکے جواب میں ایک قطعہ لکھا ہے جسکا پہلا شعر یہ ہے،

تہمت فسق بمن کرد یکے دور اندیش ۔ کایزد از صورت او معنی آدم برداشت

لطف یہ ہے کہ ایران کے شعرا جب تک ایران میں رہتے تھے فحش و ہجو گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن ہندوستان میں آکر انکی زبان مہذب ہو جاتی تھی، وحشی یزدی جب تک ہندوستان میں رہا ہجو سے الگ رہا، ایران پہنچا تو پھر وہی بے نقط بولنے لگا، حکیم شفائی اس رتبہ کا شخص تھا کہ شاہ عباس صفوی نے اسکی تعظیم کیلیے عین جلوس سواری کیوقت گھوڑے سے اُتر آنا چاہا، لیکن انکی ہجویں پڑھو تو جعفر در چرکین کا دھوکہ ہوتا ہے، ہندوستان کے شعرا میں سب سے زیادہ زباندراز اور ہجو گو شیدا اور ملا شیری ہیں لیکن انکی ہجویں ظرافت کی حد سے نہیں بڑھیں، مثلاً شیدا طالب آملی کی ہجو میں کہتا ہے،

شب و روز مخدوم ما طالبا ۔ پئے جیفۂ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبرش یاد نیست ۔ کہ دنیا ست مردار و طالب سگ است

شیری نے اکبر بادشاہ کی ہجو میں کہا،

شاہ ما امسال دعوای نبوت کردہ است گر خدا خواہد پس از سالے، خدا خواہد شدن

اختلاف معاشرت کا اثر | شہر اور دیہات کی معاشرت اور حالت بالکل جدا ہی، دیہات مین ہر طرف قدرت کے اصلی مناظر نظر آتے ہین جنپر انسانی ہاتھ نے دست تصرف دراز نہین کیا ہے، دیہات کی زندگی بالکل سادہ اور بے تکلف ہوتی ہی، ان واقعات کا اثر شاعری پر اسقدر تو نہین ہوا جسقدر ہونا چاہیے تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ دیہات کے شعرا قدردانی کی تلاش مین شہرون مین جارہے تھے اور شہری بنجاتے تھے، تاہم تدقیق اور تفحص سے دونون معاشرتونکے اثر کا فرق صاف نظر آتا ہے،

فردوسی کے کلام مین جو سادگی بے تکلفی، اور دلیرانہ انداز ہے، اسی زندگی کا اثر ہے، غور کرو فردوسی سلطان محمود کے دربار مین پہونچتا ہی الوان نعمت اور تکلفات کی جنت آباد مین بسر کرتا ہی لیکن جب بہار کی یاد آتی ہے تو کہتا ہے،

کنون خورد باید مے خوشگوار کہ مے بوے مشک آید از جویبار

ہوا پرخروش و زمین پرزجوش خنک آنکہ دل شاد دارد بنوش

درم دارد و نقل و نان و نبید سر گوسفندے تواند برید

غور کرو، شاہانہ الوان نعمت کے ہوتے ہوے اسکو رشک آتا ہی تو اُس شخص پر آتا ہی جو ایک بکرا ذبح کر سکتا ہو، حالانکہ شہر کے تکلفات اور اسراف کے مقابلہ مین ایک بکری کی بساط کیا ہے،

عبد الواسع جبلی کے حال مین آتشکدہ وغیرہ مین لکھا ہے کہ سلطان سنجر جب

گرجستان گیا تو دیکھا کہ جنگل مین ایک شخص اونٹ چرا رہا ہی سامنے پنبہ زار ہی اونٹ نے اسطرف گردن بڑہائی تو اس شخص نے انکو روکا اور یہ موزون فقرے اسکی زبان سے نکلے،

اشتر صراحی گردنا دائم چہ خواہی کردنا
گردن درازی میکنی پنبہ بخواہی خوردنا

سنجر جوہر قابل سمجھ کر ساتھ لایا چند روز کے بعد یہی شخص عبد الواسع جبلی بن گیا،

عبد الواسع اگرچہ دربار مین پہونچکر اور شعرا کے قالب مین ڈھل گیا، تاہم اسکے کلام مین ہمیشہ ایک خاص قسم کی سادگی اور خودداری قائم رہی اسکے معاصرین انوری اور سوزنی وغیرہ ہجو کو فخر سمجھتے ہین، لیکن وہ فخریہ کہتا ہی،

این فخر بس مرا کہ ندیدہ ست ہیچ کس در نثر من مذمت و در نظم من ہجا
ہرگز ندیدہ و نہ شنودہ ست کس ز من کردار نا ستودہ و گفتار نا سزا

یہ فرق مختلف ممالک کے اختلاف حالت کے لحاظ سے بھی محسوس ہوتا ہی فارسی شاعری فارس اور ایران کے سوا، ان ممالک مین بھی پہیلی جہان کی اصلی زبان فارسی نہ تھی، مثلاً غزنین، سیستان، بلخ، سمرقند، وغیرہ وغیرہ، ان ممالک مین بڑے بڑے نامور شعرا پیدا ہوے، مثلاً فرخی سیستانی، حکیم سنائی غزنوی، حسن غزنوی، معزی سمرقندی، عنصری بلخی، رشید الدین وطواط بلخی، ان ممالک کے شعرا، اور شیراز و اصفہان کے شعرا کے کلام مین صاف فرق نظر آتا ہی غزنین اور بلخ وغیرہ مین افغانون اور ترکونکی آبادی تھی، جو بالطبع جنگجو قومین تھین اور جہان کی معاشرت کسی زمانہ مین،

تکلف اور نفاست کی حد تک نہین پونہچی، برخلاف اسکے اصفہان، شیراز، یزد وغیرہ کی آب وہوا مین لطافت اور نزاکت تہی، وہان کے رہنے والے نازک اندام اور لطیف المزاج ہوتے تھے، معاشرت کے لحاظ سے یہ شہر گویا اُس زمانہ کے پیرس یا لکہنو تھے، یہ اختلاف اثر دونون ممالک کی شاعری مین صاف محسوس ہوتا ہے، غزنین اور سمرقند وغیرہ کے شعرا، پختہ گو اور سادہ گو ہین، بخلاف اسکے شیراز وغیرہ کے شعرا کا کلام لطافت اور نزاکت سے گویا عروس رعنا ہی، اس اختلاف حالت کو قومی اختلاف کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہین، یعنی ترکی اور ایرانی قومون کا اختلاف، یہ ظاہر ہی کہ ترک سادہ وضع سپاہی منش، دل کے سخت طبیعت کے ٹھوس ہوتے ہین، سمرقند و بخارا وغیرہ مین ترکی ہی قومین آباد تھین، اور شعرا عموماً ترک تھے، اسلیے انکا کلام کبھی نزاکت اور تخئیل کی حد تک نہین پہنچا، بخلاف اسکے ایرانی قسم سے نازک، لطیف، رنگین طبع ظرافت پسند ہوتے ہین، اسلیے انکے کلام مین نزاکت و لطافت، باریک خیالی، اور نکتہ سنجی کا ہونا ضرور تہا، یہ اثر صرف خیالات پر محدود نہ تہا، بلکہ الفاظ مین یہ فرق صاف نمایان ہی، شیراز و اصفہان کی زبان مین جو نفاست، شیرینی، روانی، لطافت، لوچ، پایا جاتا ہی، سمرقند و غزنین کو کہان نصیب ہو سکتا ہی، البتہ اخیر اخیر مین جب ترکی قومین ایران کے صدر مقامات مین آکر آباد ہو گئین، چنانچہ علی قلی میلی، انیسی، حالتی، ذوقی، عرشی کے کلام سے اسکی تصدیق ہوتی ہی، یہ سب ترک ہین لیکن پرورش ایران مین پائی ہے

ہندوستان کی خصوصیت | اس موقع پر ایک عجیب نکتہ خیال دلانے کے قابل ہی،

یعنی یہ کہ فارسی شاعری نے ہندوستان مین آکر جو لطافت پیدا کی ایران مین اسکو نصیب نہین ہوئی، چونکہ بظاہر یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے اسلئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہین،

پہلے مادیات سے لو، خوب غور کر کے دیکھو، ہندوستان کی آب وہوا مین یہ خاصیت ہی کہ جو چیز یہان باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اسمین ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہی کہ خود اس کے وطن مین نہ تھی، کشمیری، ترک، ایرانی ہر ایک کے تن مین کچھ نہ کچھ ناموزونی ہوتی ہی، کشمیریون کی ناک کج ہوتی ہی چہرہ کی ساخت بھی موزون نہین ہوتی، ترکونکے چہرہ پر صاف خشونت اور سختی محسوس ہوتی ہے، ایرانیون مین بھی پورا تناسب اعضا نہین ہوتا، لیکن یہی قومین جب ایک دو پشت ہندوستان مین رہ جاتی ہین تو انکا چہرہ، مہرہ، ہاتھ، پاؤن، ڈیل ڈول، قد وقامت، رنگ روپ، ترش کر اور نکھر کر عجیب جادو نما بن جاتا ہے یہی بات ہے کہ یوریشین انگریزون سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہین، ایک خالص کشمیری کو ہندوستان کے کشمیریون سے ملاؤ تو یہ فرق صاف نظر آئے گا،

اسی طرح اور چیزونکو لو۔ ہندوستانی کھانے مثلاً قورمہ، قلیہ، پلاؤ وغیرہ ایران سے آئے ہین لیکن انہی کھانونمین ہندوستانی رکابدارون نے جو مزہ اور رنگ وبو پیدا کیا ایران کو نصیب نہین، کمخواب اور مشجر ایران سے آئے تھے لیکن بنارس کے کمخواب اور مشجر سے انکو کیا نسبت۔ تاج گنج کی سی ایک عمارت، ایران مین نہین ملسکتی، بعینہ

یہی فرق شاعری مین بھی ہے، ایران کے ان شعراکو لوجہ ایران سے ہندوستان آئے
اور یہان کی آب وہوا اورخیالات سے متاثر ہوئے، اُنکا کلام ان شعرائے ایران سے
ملاؤ جو ایران ہی مین رہے، دونون کے کلام مین صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی،
نظیری، طالب آملی، کلیم، قدسی، غزالی کے کلام مین جو لطافت، نزاکت ادا، باریک
خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی مین کہان پائی جاسکتی ہے
حالانکہ یہ دونون اسی زمانہ کے شاعر، اور شعرائے ایران کے سرتاج اور دربارشاہی
کے انتخاب ہین، اس نکتہ کی زیادہ تفصیل غزل مین آئے گی، جہان ہم غزل گویونکے
مدارج اور طبقات کا موازنہ کرینگے،

ایرانیون نے بھی اس بات کو تسلیم کیاکہ فغانی کے بعد، ایک طرز خاص پیدا
ہوا، عبد الباقی رحیمی جو ایرانی ہے اسکو تازہ گوئی سے تعبیر کرتا ہے اور علانیہ تسلیم کرتا ہے
کہ اسکا بانی اور رہنما حکیم ابو الفتح گیلانی تھا، حکیم موصوف گو ایرانی تھا لیکن اسکا نشوو
نما ہندوستان مین ہوا. خان خانان کی نکتہ سنجی بھی تمام شعرا نے تسلیم کی ہے،

ظفرخان کے متعلق صائب نے لکھا۔ ؎

توجان زدغلِ بجا بمصرعِ مرادادی

اور اس سے زیادہ صاف یہ کہ ؎

زوقّتِ توبہ معنی، چنان شدم باریک

ایسے لطافت آفرین مربیّان سخن، ایران مین کہان تھے،؟

آب وہوا اور مناظرِ قدرت کا اثر

یہ بدیہی بات ہی کہ ملک کی آب وہوا، سرسبزی، اور شادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہی اور
س ذریعے سے انشاپردازی اور شاعری تک پہنچتا ہے، عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو
پہاڑ، صحرا، جنگل، بیابان، دشوار گذار راستے، اجڑے ہوئے کھنڈر، ببولون کے جھنڈ، پہاڑی
جھاڑیان، یہ چیزین انکی شاعری کا سرمایہ ہین، لیکن یہی عرب جب بغداد مین پہونچے تو انکا
کلام چمنستان اور سنبلستان بن گیا، ایران ایک قدرتی چمن زار ہے، ملک پھولوں سے
بھرا پڑا ہی، قدم قدم پر آب روان، سبزہ زار، آبشارین ہین، بہار آئی اور تمام سرزمین
تختہ زمردین بنگئی، بادسحر کے جھونکے، خوشبوؤنکی لپٹ، سبزہ کی لہک، بلبلون کی چہک،
آبادوس کی جھنگار، آبشارون کا شور، وہ سمان ہی جو ایران کے سوا اور کہین نظر
نہین آسکتا،

اس حالت کا یہ اثر ہوا کہ ایران کی تمام انشاپردازی پر رنگینی چھاگئی، کسی چیز
کی خوبی یا کمال کو بیان کرنا چاہین تو رنگ وبو کے ذریعہ سے کام لینگے، فردوسی
کی زبان سے پہلوانی اصطلاحات اور الفاظ کے سوا کوئی لفظ نہین نکل سکتا،
ج کی تعریف مین کہتا ہے،

سوے شہر ایران نہادند روے — سپاہی بدان گونہ بارنگ وبوے

اسی بنا پر رنگین سخنی، رنگین نوائی، رنگین ادائی کے محاورات پیدا ہوئے،

اس لفظ نے بہت سی اصطلاحین پیدا کر دین "رنگ بر دے کار آوردن" کسی کام کو
آب و تاب سے کرنا۔ "رنگ ریختن"، "رنگ زدن"، "رنگ بستن" تعمیر کرنا۔

ع زرنگ چہرۂ ما ریخت رنگ خانہ ما را۔

"رنگ بر آب ریختن" منصوبہ باندہنا۔

ع ساقی ما باز رنگ تازہ بر آب ریخت۔

"رنگ داشتن از چیزے" کسی چیز سے فائدہ اُٹھانا۔

ع سلیم از ما کسی رنگے ندارد۔

رنگ کے استعمالات کو دیکھو۔ رنگ گرفتن۔ رنگ گزاشتن۔ رنگ نہادن۔ رنگ
باندن۔ رنگ چسپیدن، رنگ مالیدن، رنگ پوشیدن، رنگ خندیدن، رنگ برخاستن،
رنگ شکستن۔ رنگ گسیختن۔ رنگ گرداندن، رنگ جستن، رنگ بردن۔

غرض جس مصدر کو چاہین رنگ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہین، اس سے اندازہ
ہوسکتا ہے کہ رنگینی کا خیال کسقدر طبیعتون پر چھایا ہوا ہے کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے
رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ اسی طرح پھولون کی افراط نے گل کے لفظ کو اسقدر عام کیا کہ کوئی چیز
گل سے خالی نہین، چراغ مین گل، آنکھ مین گل۔ شراب مین گل، پیکان مین گل، صبح کا
گل، چاند کا گل۔

فیضے عجب درین گل صبح از صبا رسید	بیرون کشیم رخت کدورت صفا رسید
صاف دل را نبود زنگ زوال	گل مہتاب نمی گردد خشک

صاف دل آدمی کو زوال کا زنگ نہین لگتا، چاند کا پھول خشک نہین ہوتا.

خوش آن مستی کہ از رخسار زیبایت نقاب افتد

بجائے پردہ بر روے تو گلہائے شراب افتد

دو چار قدم ٹہلنا ہو تو گلگشت کہین گے، گویا ہر قدم پر پھول بچھے ہوئے ہین کہ جو قدم پڑتا ہی پھولون پر پڑتا ہی، زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا ہو تو گل زمین کہین گے۔

یک دل ہزار زخم نمایان نہ داشت است　　یک گل زمین ہزار خیابان نہ داشت است

کسی چیز کے ظاہر ہونے یا راز کے فاش ہونے کو گل کہتے ہین۔ ع

عاقبت راز بلبلان گل کرد

فساد کرنیکو "گل در آب کردن" کہتے ہین، ع

بادہ نوشان گل در آب و ما کتاب انداختیم

جب کسی موقع پر کوئی شخص کوئی عمدہ بات کہتا ہے تو سب بول اُٹھتے ہین کہ گل گفتی، یعنی خوب گفتی۔ پہلوان جب حریف سے کشتی کا پیغام دیتے ہین تو پھول بھیجتے ہین

درین بہار نشد کس حریف فریادم　　بہ بلبلان چمن ہم گلے فرستادم

چھوٹے جال کو گلدام کہتے ہین،

ان باتون سے ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ ملک مین لالہ و گل کی کسقدر بہتات ہے کہ بات بات مین پھول جھڑتے ہین، اسی طرح ملک کے سبزہ زار ہونے نے سیکڑون محاورے پیدا کیے سبز پیشانی، سبز چہرہ، سبز پوش، سبز کردن، سبز شدن آفتاب،

سبز شدن بخت، سبز شدن اختر، سبز کردن حرف۔

اے خوش آن روز کہ آن سیب ذقن سبز شود | ہر چہ می گفتمت اے عہد شکن سبز بود

وہ دن کیا اچھا ہوگا کہ تیرا سیب ذقن سبز ہو جائے گا، اور جو بات میں کہتا تھا سرسبز ہوگی

آسمان جز از رہ افتادگی | سبز نتواند شدن در کوئے یار

آسمان تیری گلی میں | صرف خاکساری سے سرسبز ہو سکتا ہے

آنقدر مایہ نماندہ است ز چشم تر ما | کز نم گریۂ ما سبز شود اختر ما

ہماری آنکھ میں اتنی پونجی بھی نہیں رہی کہ ہمارے آنسوؤں کی نمی سے ہمارا نصیبہ سرسبز ہو۔

شاعری پر اسکا یہ اثر ہوا کہ؛

(١) ہر قسم کے تشبیہات، استعارات، مجازات۔ محاورات میں باغ اور بہار کے لوازمات داخل ہو گئے۔

(٢) عرب کا انداز یہ تھا کہ قصائد کی ابتدا تشبیب (عشقیہ شاعری) سے کرتے تھے، لیکن ایران میں قصائد کے مطلع اکثر بہاریہ ہوتے ہیں۔ ہم مثال کے لئے صرف چند مطلع نقل کر دیتے ہیں۔

ابو الفرج رونی۔

نوروز جوان کرد بدل پیر و جوان را | ایام جوانی است زمین را و زمان را

نوروز نے، بوڑھے اور جوان کے دل، جوان کر دیئے، آج زمین اور زمانہ کی جوانی کا دن ہے۔

ارزقی۔

بار دیگر برستاک گلبن بے برگ و بار　　افسر زرین برآرد ابر مروارید بار

پھول کی خشک ٹہنی کو موتی برسانے والے بادل نے پھر تاج زرین پہنا دیا۔

الوری۔

روز عیش و طرب لبستان است　　روز بازار گل وریحان است

باغ کے عیش و طرب کا دن ہے　　گل وریحان کی آج گرم بازاری ہے

ظہیر فاریابی۔

سپیدہ دم کہ زند ابر خیمہ در گلزار　　گل از سراچہ خلوت، رود بہ صفۂ بار

صبح کے وقت، جب بادل، باغ مین خیمہ لگاتا ہی تو پھول خلوتگاہ سے نکلکر دربار مین آتا ہے

فرخی۔

برآمد نیلگون ابرے زروے نیلگون دریا　　چو راے عاشقان، گردان، چو طبع بیدلان شیدا

نیلگون بادل، نیلگون دریا سے اٹھا۔ عاشقون کے خیال کیطرح رنگ بدلتا ہوا، اور بیدلونکی طبیعت کیطرح سر شیدا

فرخی

بباریدو زہم بگسست وگردان گشت برگردون　　چو پیلان پراگندہ میان آبگون صحرا،

برسا اور پھٹ گیا، اور آسمان پر چکر لگانے لگا جسطرح صحرا مین ہاتی چھوٹے پھرتے ہین

قطران۔

ز بوے باد نوروزی جوان گشت این جہان از سر　　بنفشہ زلف و نرگس چشم و لالہ روے و نسرین بر

نوروز کی ہوا سے، دنیا پھر جوان ہوگئی، بنفشہ اسکی زلف ہی، نرگس آنکھ ہے، لالہ چہرہ ہی، چنبیلی سینہ ہے

مسعود سعد سلمان۔

سپاہ ابر نیسانی بہ صحرا رفت از دریا | نثار لولوے لالا بہ صحرا برد از دریا

ابر نیسان کی فوج دریا سے نکلکر صحرا مین آئی، اور چمکتے ہوے موتی نثار کرنیکیلیے لائی

منوچہری

ابر آذاری بر آمد از کنار کوہسار | باد فروردین بجنبید از میان مرغزار

پہاڑ کے کونے سے بادل اُٹھا | سبزہ زار سے ہوا چلی

ابر بینی فوج فوج اندر ہوا باز خستہ | آب بینی موج موج اندر میان رودبار

بادل، دل کے دل ہوا مین دوڑتے پھرتے ہین پانی نہر مین موج در موج بہ رہا ہے

ابر دیبا دوز، دیبا دوز اندر بوستان | باد عنبر سوز، عنبر سوز اندر لالہ زار

بادل باغ مین کمخواب کے کپڑے طیار کر رہا ہے | ہوا لالہ زار مین، اگر جلا رہی ہے

سعدی۔

بامداوان کہ تفاوت نہ کند لیل و نہار | خوش بود دامن صحرا و تماشای بہار

اُس صبحکو جب رات اور دن، دونون برابر ہو جاتے ہین، دامن صحرا، اور بہار کا تماشا، لطف دیتا ہے

(۳) اسی کا اثر ہے کہ معشوق کا سراپا تمام چمن زار ہے، قد سرو ہے۔ بال سنبل ہین، چہرہ پھول ہے، آنکھین نرگس ہین، دہن غنچہ ہے، خط سبزہ ہے، دانت شبنم ہین، ذقن سیب ہے، سینہ تختہ سوسن ہے، کمر رگ گل ہے۔

نکتہ۔ آنکھ کی تشبیہ نرگس سے عام ہے لیکن نرگس کو دیکھا تو اسکا پھول ایک گول سی

کٹوری ہوتی ہے، جسکو آنکھ سے مناسبت نہین۔ تفحص سے معلوم ہوا کہ ابتدائے شاعری مین ترک معشوق تھے، انکی آنکھین چھوٹی اور گول ہوتی ہین، اسی بنا پر قدما آنکھونکے چھوٹے ہونے کی تعریف کرتے ہین، ع

بت تنگ چشم اندر آغوش تنگ

اسی بنا پر کرنجی آنکھون کی بھی تعریف تھی۔ ع

نرگس نیلوفری مژگان زرین آبرین

ع — مذر گنسید زبیشتی کہ آسمان گون است

ترک بچون کے بعد جب مغبچے اور ایرانی معشوق بنے تو بادام، آہو وغیرہ تشبیہین پیدا ہوئین لیکن نرگس بھی پرانی یادگار کے طور پر رہگئی،

(۴) ہر زبان مین انسان کے علاوہ بے جان چیزونکو بھی عاشق اور معشوق باندھتے ہین اور اس سے گوناگون مضامین کا ایک سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے، ہندی زبان مین سرخاب کے جوڑے کا عشق ضرب المثل ہے، یا بھونرا کہ نیلوفر پر عاشق ہے، ایرانیون نے پرندون مین سے بلبل وگل اور قمری اور سرو کو انتخاب کیا۔

قمری ریخته بالم به پناه که روم — تا کجا سرکشی اے سرو خرامان از من

یہ بھی وہی سرزمین کا اثر ہے،

(۵) معشوق کے پاس سلام و پیام بھیجنے کے لئے ہر زبان مین اصلی قاصد کے سوا فرضی قاصد ہوتے ہین، مثلاً ہندی زبان مین یہ خدمت کوّے سے متعلق ہے فارسی مین

یہ کام کبوتر کے سوا باد نسیم سے بھی لیتے ہیں، یہ وہی ملک کی آب وہوا کا اثر ہے،

صبا بہ لطف بگو آن غزال رعنا را　　　　که سر بکوه وبیابان تو دادهٔ ما را

اے صبا گر بجوانان چمن بازرسی　　　　خدمت ما برسان سرو وگل وریحان را

حسن کا اثر | ایران کی شاعری مین عشقیہ شاعری، تمام اصناف سخن پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک حسن سے لبریز ہے، ایرانی خود حسین تھے ساسانیون کے زمانہ مین ترکی خون کی آمیزش ہوئی، غلامی کے رواج نے دور دور ممالک کی نسلین ایران مین لاکر جمع کردین، انکے اختلاط سے شراب حسن، دو آتشہ، سہ آتشہ بن گئی، ہر ملک مین کوئی خاص رنگ پسند کیا جاتا ہے، لیکن ایران چونکہ تمام حسینون کا مجموعہ تھا اسلئے ہر رنگ مقبول ہے، اور ہر ایک کے الگ الگ نام ہین، حسن گندم گون، حسن سبز، حسن لیمون، حسن مہتابی، حسن صندلی، حسن شمسہ، حسن نیم رنگ، حسن فرنگ، حسن برشتہ حسن تنک

معز فطرت

که مور خط القرف کرد حسن گندمینش را

اشرف ع　حسن لیموئی آن آئینہ رو ہم بد نیست

صائب۔

ماہ ہر چند خوش آیندہ نباشد در رنگ　　　　حسن مہتابی دلدار تماشا دارد

چاند۔ گو دن کو خوشنما نہین معلوم ہوتا، لیکن، معشوق کا مہتابی حسن، دیکھنے کے قابل ہے

سالک۔

این حسن شستہ کہ تو داری نداشت صبح ہر چند گرد چہرۂ او آفتاب شست

تیرا جیسا دُھلا ہوا حسن، صبح کو کہان نصیب گو اسکے چہرہ کی گرد آفتاب نے دھو لی ہے

فطرت۔ ع

گلستان لالہ زارے گشت از حسن فرنگ او

حسن کی عالمگیری نے تمام ملک مین عشق کی آگ لگا دی، اور ذرہ ذرہ عشق سے مشتعل ہو گیا، انسان پر موقوف نہین تمام کائنات عاشق اور معشوق ہے، ہندوستان عرب اور دیگر ممالک مین ایک آدھ چیز کو عاشق مانتے ہین، ایران کی تعمیم دیکھو، ذرہ و آفتاب، کاہ و کہربا، کبک و آتش، سرو و قمری، گل و بلبل، پروانہ و شمع، نیلوفر و آفتاب ماہ و کتان،

یہ وہی جذبۂ محبت کا تخیل ہے کہ خود عاشق ہین تو تمام عالم عشق زار نظر آتا ہے اس حالت مین عشقیہ شاعری کو جو وسعت ہوئی لازمی اور ضروری تھی، اسپر مزید یہ کہ اور تمام ممالک مین مرد و عورت عاشق و معشوق ہوتے ہین، اور چونکہ ان دونون مین پردہ کیوجہ سے ہمہ وقت اختلاط ممکن نہین، اس لئے عشقیہ جذبات ہر وقت تحریک مین نہین آسکتے، لیکن ایران مین امارد اور نوخط معشوق تھے، جن سے ہر وقت کا ملنا جلنا رہتا تھا، اسلئے ملک کا ملک پاگل ہو گیا، دیندار بزرگون سے توقع

ہوسکتی تھی کہ انکا دامن اس آگ سے محفوظ رہیگا، لیکن وہان عشق مجازی کی قدردانی نے یہ حکم دیا۔

متاب : از عشق روگرچہ مجازی است　　کہ آن بہر حقیقت کارسازی است

نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہون مین اس جنس کی اور زیادہ مانگ ہوئی اور سعدی کو کہنا پڑا۔

محتسب در قفائے رندان است　　غافل از صوفیان شاہد باز

محتسب، رندون کی تلاش میں پھرتا ہے، اور شاہد باز صوفیون کے حال کی اسکو خبر بھی نہین۔

یہ بُرا ہوا، یا اچھا، اس سے غرض نہین، مقصود یہ ہے کہ ایران مین عشقیہ شاعری اور غزل گوئی کو جو یہ ترقی ہوئی اُسکے یہ ناگزیر اسباب تھے۔

باب سوم

فارسی شاعری پر اجمالی ریویو

فارسی شاعری کے محاسن و مثالب سے بحث کرنے کے لئے عرب کی شاعری کو پیش نظر رکھنا اور اس سے موازنہ کرنا چاہئے جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ نظر آئیگا کہ فارسی شاعری میں کیا کیا نقص اور کیا کیا محاسن ہیں۔

عربی شاعری کے خصوصیات جن سے فارسی شاعری خالی ہے حسب ذیل ہیں

۱۔ عرب میں شجاعت، بہادری۔ جانبازی، اباء نفس، اقتحام حرب، آزادی، بیباکی، مہمان نوازی، ایثار وغیرہ مضامین کثرت سے ہیں، فارسی میں یہ مضامین نہایت کم ہیں اور جو ہیں وہ اوروں کی داستان ہیں، عرب کا شاعر خود ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور اپنے ہی واقعات بیان کرتا ہے، اس لئے اسکا خاص اثر ہوتا ہے، یہ بات ایرانی شعراکو نصیب نہیں، ایران میں شخصی حکومت رہی اور نہایت جابری اور سطوت کے ساتھ رہی، اسلئے قوم میں آزادانہ جذبات پیدا نہیں ہو سکتے تھے،

۲۔ عرب کی شاعری سے ملک کا تمدن، معاشرت، خانگی حالات رہنے، سہنے کے طریقے، پوشش اور لباس، وضع قطع، اسباب خانہ داری، طریق ماند و بود اس قسم

کی باتین اس تفصیل سے معلوم ہو سکتی ہین، کہ تاریخ سے بھی نہین معلوم ہو سکتین فارسی مین یہ باتین ناپید ہین۔

۳۔ عرب مین عورت سے عشق کرتے ہین، اسلئے ہر قسم کے سچے جذبات ادا ہو سکتے ہین، ایران مین عورت کے بجائے امارد ہین، اسلئے بہت سے ناموزون مضامین پیدا ہو گئے، انھین مین ایک رقابت بھی ہے، رقیب عربی لفظ ہے، لیکن عرب مین رقیب کے معنی محافظ کے ہین، عرب مین عورتون کی محافظت کا بہت اہتمام کرتے تھے اور محافظ کو رقیب کہتے تھے، ایران مین امرد معشوق تھے، وہ بازارون اور مجمعون مین نکلتے تھے، سیکڑون کی نظرین ان پر پڑتی تھین، ایک ایک معشوق کے کئی کئی عاشق ہوتے تھے، انمین کشمکش اور منافست رہتی تھی، انھین مین سے ایک دوسرے کو رقیب کہتا تھا، عرب مین اس قسم کی بیہودہ رقابت نہ تھی، فارسی شاعری مین رقابت کے مضامین کا انبار ہے اور طرح طرح کے اچھوتے خیالات ہین، عربی اس سے خالی ہے، متاخرین عرب نے البتہ فارسی کی تقلید کی، لیکن اس دور کی شاعری کو عرب کی شاعری نہین کہہ سکتے،

۴۔ مرثیہ کا جوش خروش جو عرب مین ہے، ایران مین نہین، اسی بنا پر ایران مین مرثیہ، شاعری کی کوئی مستقل نوع نہین۔

فارسی شاعری کی خصوصیات جو عرب مین نہین ملسکتین حسب ذیل ہین۔

۱۔ فارسی مین تاریخی نظمین کثرت سے ہین، عربی مین ایک بھی نہین، جسکی وجہ یہ ہے،

کہ تاریخی واقعات مثنوی کے بغیر ادا نہین ہو سکتے، اور عربی مین مثنوی سرے سے نہین، یا ہے تو برائے نام ہے۔

۲- بہار اور برسات وغیرہ کے مناظر جو ایران نے ادا کئے، عرب نہین کر سکتا تھا، عرب نے یہ سمان آنکھون سے نہین دیکھا تھا،

۳- عشق و محبت کے خیالات مین ایران عرب سے بڑھا ہوا ہی عشق و عاشقی کی جو نازک اور لطیف واردا تین ایران نے ادا کین عرب ان کو سمجھ بھی نہین سکتا، اور یہ دونون ملکون کے اختلاف تمدن کا اثر ہے،

۴- فلسفہ اور تصوف جسقدر فارسی مین ہی عربی مین نہین مولانا روم، فریدالدین عطار، سنائی، سحابی، عراقی، اوحدی، انکے مقابلہ مین عرب کا کون شاعر پیش کیا جا سکتا ہی؟ ہم ابن الفارض اور شیخ محی الدین اکبر سے ناواقف نہین، لیکن ان کی شاعری کو اُن بزرگون سے کیا نسبت،

۵- اخلاقی نظمین بھی جسقدر فارسی مین ہین عرب مین نہین، سیکڑون مثنویان خاص فن اخلاق پر ہین، عربی مین ایک بھی نہین،

۶- ریاکار زاہدون اور واعظون نے قوم کی اخلاقی حالت کو نہایت نقصان پہنچایا تھا، لیکن مذہبی عام عظمت کی وجہ سے ان کی پردہ دری نہین کی جا سکتی تھی، ایرانی شعرا نے اس فرض کو نہایت آزادی سے ادا کیا، خیام اور سعدی نے ابتدا کی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری کا سارا طلسم توڑ دیا، شاعری کی یہ صنف عرب مین نہین،

۷۔ فارسی شاعری کی یہ ممتاز خصوصیت ہی کہ صرف ایک شعر بلکہ ایک مصرع مین ایک وسیع خیال، ایک مہتم بالشان مسئلہ، ایک دقیق نکتہ ادا کر دیا جاتا ہی، یورپ کی شاعری مین کوئی خیال ایک آدھ شعر مین ادا نہین ہو سکتا اس لئے انگریزی وغیرہ مین فرد اور متفرق شعر کم ملتے ہین، وہان کوئی مضمون مسلسل اشعار کے بغیر ادا نہین کر سکتے۔

۸۔ **لطافت**۔ عام خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا دوسری زبان کے الفاظ سے زیادہ شیرین اور لطیف ہونا واہمہ کی خلاقی ہی، ہر شخص کو اپنی زبان شیرین اور لطیف معلوم ہوتی ہے، ایک افغانی پشتو کو فارسی سے زیادہ شیرین سمجھتا ہے اہل عرب عربی کے سوا، تمام دنیا کی زبانون کو غیر فصیح کہتے ہین، یورپ مین فرنچ زبان نہایت فصیح اور شیرین خیال کی جاتی ہے لیکن ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ناک مین بول رہا ہے، ترکون کو مین نے دیکھا کہ جب تک چپ رہتے ہین فرشتے معلوم ہوتے ہین، زبان کھلی اور اُن سے نفرت سی معلوم ہوئی ہے حالانکہ وہ ترکی زبان کو افصح الالسنہ کہتے ہین۔

اس سے تو انکار نہین ہو سکتا کہ پہاڑی اور وحشی آدمیون کے ہاتھ پاؤن سڈول اور نازک نہین ہوتے، جلد موٹی، جسم بھدا، اور بشرہ مین کرختگی ہوتی ہے، اسی طرح آلۂ صوت اور مخارج حروف بھی سخت ہوتے ہین، الفاظ حروفون ہی سے بنتے ہین، اسلئے آلۂ صوت اور مخارج حروف کا اثر آواز مین اور آواز سے الفاظ مین بھی آتا ہے، جو ملک ایسی نعمت ناز و نعم مین پلا ہو، وہان کے لوگون کے جسم مین نزاکت، حسن، اور

لوچ ہوگا، اسی طرح ضرور ہے کہ انکے الفاظ مین لطافت، نازکی، اور شیرینی ہو، یہ فرق مراتب خود ایک قوم کے مدارج تمدن کے مختلف دورون مین نظر آتا ہے مثلاً ایران مین پہلے فرشتہ، چونان، ناخون، ہشیوار، ایچ وغیرہ الفاظ مستعمل تھے، جسقدر طبیعتون مین نفاست اور لطافت آتی گئی، زاید اور ثقیل حرف جھڑتے گئے اور فرشتہ، چنان، ناخن، ہشیار، ہیچ زبانون پر رہ گئے،

ایران ہزارون برس سے آباد اور متمدن چلا آتا ہے، اور جسطرح اٹلی کو مصوری سے رومن کو حکومت سے، یہود کو مذہب سے، مصر کو صنعت سے خاص مناسبت تھی، ایران نفاست پسندی، تکلف، اور نزاکت مین ضرب المثل تھا، شان و شوکت کے اظہار کے لئے آجتک کلاہ کیلانی، تاج خسروی، مسند جم، ورفش کاویانی سے زیادہ پرشان الفاظ کسی زبان نے نہین پیدا کئے، اس بنا پر یہ قطعی ہو کہ فارسی زبان کے الفاظ دنیا کی اور زبانون کے مقابلہ مین زیادہ لطیف، زیادہ نازک، زیادہ پرشوکت، زیادہ شیرین ہین

یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہو، کہ فارس ایک مدت تک تاتاریون اور ترکون کا جولانگاہ رہا، ہلاکو سے لیکر سلطان حسین میرزا تک ترک فرمانروا رہے، ہندوستان کے سلاطین تیموریہ ترک تھے، اور ان کی مادری زبان ترکی تھی، اس کا اقتضا یہ تھا کہ فارسی زبان مین نہایت کثرت سے ترکی الفاظ داخل ہو جاتے لیکن فیصدی ۱ لفظ بھی مشکل سے نکلین گے، اس کی یہی وجہ ہو کہ فارسی کی نزاکت اور لطافت ترکی الفاظ کی متحمل نہین ہو سکتی تھی، بخلاف اسکے عربی زبان کے الفاظ سیکڑون ہزارون بھر گئے

حالانکہ ایران مین عرب کی حکومت بہت کم رہی، اور جب تھی بھی تو دفتر فارسی ہی مین تھا، اسکی وجہ یہی ہے کہ عربی زبان کی فصاحت، فارسی سے پیوند کہا سکتی تھی، اس لئے فارسی کو ایسے مہمان لطیف کی پذیرائی مین کچھ عذر نہین ہو سکتا تھا،

فارسی کی لطافت پسندی کو اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ اس نے خود اپنی زبان کے ثقیل اور گران الفاظ چھوڑ دیے، ان کے بجائے عربی الفاظ اختیار کر لئے چنانچہ جس قدر زبان زیادہ صاف ہوتی گئی، عربی الفاظ زیادہ آتے گئے، ردکی سے لیکر فردوسی تک جو زبان تھی، زمانۂ مابعد مین وہ بالکل بدل گئی،

قاعدہ ہے جس ملک مین جس چیز کی بہتات اور کثرت ہوتی ہے، اسکے متعلق ایک ایک جزئی خصوصیتون کے لئے الگ الگ لفظ بنجاتے ہین، عرب مین اونٹ تمدن اور معاشرت کا جزو اعظم ہے اسلئے اونٹ اور اسکے متعلقات کیلئے ہزارون الفاظ ہین لیکن چراغ کے لئے جو اسباب تمدن مین ایک ادنی چیز ہے، ایک لفظ بھی نہین، پہلے تو اسی فارسی لفظ چراغ کو سراج کر لیا تھا، پھر ایک مصنوعی لفظ مصباح بنایا، جس کے معنی "آلۂ صبح کردن" کے ہین، یعنی چراغ ایک ایسی چیز ہے جو صبح بنانے کا آلہ ہے،

ایران کا تمدن و تنعم نہایت قدیم زمانہ کا ہو اسلئے نازک جذبات اور لطیف معاملات کے ادا کے لئے اس زبان مین جو پیرائے پیدا ہوئے اور زبانو مین نہین ملسکتے۔ معشوق کی خاص خاص اداؤنکے لئے بہت سے الفاظ پیدا ہوئے، مثلاً عشوہ

ناز، ادا، غمزہ، کم نگاہی، لیکن ایرآن کے شاعر کو اس پر بھی تسلی نہین، اُسکی نکتہ بین عاشقانہ نگاہون کو اور بھی بہت سی ادائین نظر آتی ہین جنکے لئے الفاظ نہین ملتے اسلئے کہتا ہے،

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست   بسیار شیوہاست بتان را کہ نام نیست

۹۔ حسن ترکیب الفاظ۔ موجودہ فارسی زبان مفردات کے لحاظ سے وسیع نہین، یعنی مفرد اسما اور افعال اس زبان مین بہت کم ہین، لیکن ترکیب کی یہ خوبی ہے کہ دو لفظونکو ملاکر اس سے گوناگون عالم پیدا کر دیتے ہین، وسیع سے وسیع خیال صرف دو لفظون مین ادا ہو جاتا ہے، ان دلآویز ترکیبون سے نہایت گہری اور نازک ادائین جو اظہار کے دسترس سے باہر تھین ادا ہو جاتی ہین، مثالو نسے اسکا اندازہ ہوگا، یہ بات عربی زبان مین نہین۔

۱۰۔ ارباب ہوس اکثر کسی معشوق سے دل لگاتے ہین تاہم بہت ربط نہین بڑہاتے کہ دنیا کے کاروبار سے جاتے نہ رہین لیکن معشوق دلفریبی کے غرور مین مطمئن ہے کہ بچکر کہان جاسکتا ہی؟ اس واردات کو ایک شاعر ادا کرتا ہے،

بہ دُور گردیِ من، از غرور می خندد   حریف سخت کمانے کہ در کمین دارم

"دور گردی" کے معنی الگ الگ کتراتے پھرنے کے ہین،

"سخت کمان" وہ شخص جسکا نشانہ دور تک جاتا ہے، "در کمین بودن" کے معنی گھات مین بیٹھنے کے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ مین جو کترایا پھرتا ہون تو معشوق ہنستا ہے،

کہ مجھ سے بچکر کہاں جاسکتا ہی، اس شعر مین "دور گردی" اور "سخت کمان" نے ایک وسیع خیال کو اس اختصار کے ساتھ ادا کر دیا۔

ہلاکِ طرزِ آن بیگانہ خوی آشنارُویم　　کہ با این بیوفائیہا وفادار است پنداری

"آشنارو" وہ شخص جسکے دل مین محبت کا کچھ اثر نہو لیکن چہرہ سے محبت ظاہر ہوتی ہو، شعر کا مطلب یہ ہی کہ مین اس معشوق پر مرتا ہون جسکی آشنارو ئی کا اثر یہ ہے کہ واقع مین بیوفا ہے لیکن دھوکا ہوتا ہی کہ باوفا ہے اس خیال کو "بیگانہ خو" اور "آشنارو" ان دو الفاظ نے کس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

فغان از قاصدانِ بے تصرف　　ز خود یک بار، پیغامے نہ سازند

"بے تصرف" وہ قاصد جو اپنی طرف سے کچھ گھٹاتے بڑھاتے نہین، بلکہ جو کچھ سنا اُسکو بے کم وکاست آکر ادا کر دیا، مطلب یہ ہے کہ مین بے تصرف قاصد سے نالان ہون، معشوق نے کوئی تسلّی بخش بات نہین کہی تھی تو قاصد کو چاہیے تھا کہ اپنے دل سے گھڑ کر کوئی بات بنا تا کہ کسی طرح سے میرا دل خوش تو ہو جاتا۔

۴۔ چہ خوش ست با دو یک دل، سرِ حرف باز کردن

گلۂ گذشتہ گفتن سخن دراز کردن

اثرِ عتاب بردن ز دلِ ہم، اندک اندک،

بہ بدیہہ آفریدن، بہ بہانہ ساز کردن

اعتراض کے جواب مین جھٹ پٹ بات گھڑ لینے کو "بدیہہ آفریدن" کہتے ہین،

شعر کا مطلب یہ ہے، کہ "وہ بھی کیا لطف کا موقع ہوتا ہی جب دو دوست اکھٹے ہوتے ہیں
ایک پرانے گلے کر رہا ہے، اور بات کو طول دیتا جاتا ہے دوسرا اس ناراضی کا اثر
آہستہ آہستہ دل سے سٹاتا جاتا ہے کہ ہر شکایت کے جواب مین جھٹ پٹ کوئی
معقول عذر گھڑتا جاتا ہی۔

۴۔ قمریان پاس غلط کردہ خود می دارند — ورنہ یک سرو درین باغ بہ اندام تو نیست

"پاس غلط کردہ داشتن" کے معنی یہ ہین کہ کوئی شخص ناواقفیت سے کوئی
غلط بات کہہ جائے اور واقف ہونے کے بعد بھی اپنی بات کی پچ کرتا رہے، شعر کا
مطلب یہ ہی کہ قمریون نے غلطی سے کہدیا تھا کہ سرو معشوق کے قد کا ہمسر ہی، اب اُنکو
اپنی غلطی معلوم ہوگئی، لیکن بات کی پچ کرتی ہین، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی سرو معشوق کے
اندام کی ہمسری نہین کرسکتا، اس شعر مین پاس کردہ خود داشتن، نے ایک
وسیع مضمون کو مختصر لفظون مین ادا کر دیا۔

اس قسم کی سیکڑون ترکیبین ہین، جنکی بدولت فارسی زبان بہت بڑے بڑے
وسیع اور نازک اور رنگین خیالات نہایت لطافت سے ادا کرسکتی ہے، ہم چند مثالین
یکجا درج کرتے ہین،

بالم سخنیش، مے توان ساخت — این است بلا کہ کم نگاہ است

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش — کہ تا لختی بیاسایم ز دنیا و از شر و شورش

مصرع۔

ہر چند بے نقاب تراز آفتاب بود

بہ بُرقع مہ کنعان کہ بود حسن آباد　　بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار

۱۰۔ لطافت خیال، ایران کا تمدن اور تنعم نہایت قدیم زمانہ کا ہے، اس لیے ہزاروں برس کی مستقل ناز و نعمت کی وجہ سے ہر قسم کے خیالات نہایت نازک اور لطیف ہو گئے تھے اور چونکہ زبان بھی منجھتے منجھتے نہایت صاف اور لطیف ہو گئی تھی اس لئے اسی لطافت سے وہ خیالات ادا بھی ہو سکتے تھے۔ عربی بلکہ شاید کسی اور زبان کو یہ لطافت خیال نصیب نہین ہو سکتی، مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

چشم چون پر عشوہ کرد، اول بسوی خویش دید　　بارہ خود خورد ساقی ساغر لبریز را

اس شعر مین جو مضمون ادا کیا ہو، مشکل سے کسی اور زبان مین ادا ہو سکتا تھا،

اکثر ایسا ہوتا ہو کہ معشوق جب بن ٹھنکر طیار ہوتے ہین تو مزے مین آکر خود اپنی سج دھج کو دیکھنے لگتے ہین، شاعر اس حالت کی تصویر کھینچتا ہو اور کہتا ہے کہ: جب معشوق کی آنکھو نہین کرشمہ بھر گیا تو اس نے پہلے خود اپنے آپ پر نظر ڈالی گویا ساقی نے جب پیالہ بھرا تو پہلے تھوڑی سی خود بھی پی لی۔

جائے مشام دیدہ کشودم بوئے گل　　پنداشتم کہ گرد رہ یار می رسد

یعنی "پھولونکی جو خوشبو آئی تو مین نے بجائے اس کے کہ شامہ سے کام لیتا، آنکھین کھول دین، مین سمجھا کہ معشوق کے راستہ کی گرد ہے"، اس لطافت خیال کو دیکھو، کوچۂ معشوق کی گرد لطافت کیوجہ سے بوئے گل ہے، اسلئے پھولون کی جو

خوشبو آئی تو دھوکا ہوا کہ کوئے یار کی گرد ہے، یہ خیالات اس قدر لطیف ہین کہ تاب اظہار نہین لا سکتے، گویا حباب ہین کہ چھونے سے ٹوٹ جاتے ہین، مین اُردو مین ترجمہ کرتا ہون اور افسوس آتا ہے کہ تمام لطافت خاک مین ملجاتی ہے،

صحبتِ احباب کے لطف کو ایک شاعر اس لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے،

عادت بجمع بودن احباب کردہ ایم　　　　مابُونمی کنیم گلُے را کہ دستہ نیست

یعنی جب تک احباب کا جمگھٹا نہ ہو مجھکو صحبت کا لطف نہین آتا، پھول جب تک گلدستے مین نہو، مین اسکو نہین سونگھتا۔

پریرخے بہ شکر خندہ قتل مردم کرد　　　　چو گفتمش کہ مراہم بکش تبسم کرد

شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک پری روئے خندۂ شیرین سے ہزارون آدمیون کو قتل کر دیا، مین نے کہا کہ مجھکو بھی، یہ سنکر مسکرا دیا" اس مضمون کو کس لطافت سے ادا کیا ہے، عاشق کے قتل کی درخواست پر مسکرا دینا، متعدد پہلو پیدا کرتا ہے جمین ایک یہ بھی ہے اور یہ سب سے کم لطیف ہے کہ معشوق کے شکر خندہ سے ہزارون آدمی کو قتل کیا تھا، اب جو عاشق نے قتل کی درخواست کی تو وہ مسکرا دیا کہ ایک آدمی کے لئے اسی قدر کافی ہے،

تاک را سیراب دار اے ابر نیسان در بہار　　　　قطرہ تامے تواند شد چرا گوہر شود

تاک انگور کی بیل کو کہتے ہین، ابر نیسان کی نسبت خیال ہے کہ اسکے قطرے سیپ مین گرتے ہین تو موتی بنجاتے ہین، شاعر، ابر نیسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

تو انگور کی بیل کو سیراب رکھ، کیونکہ جب تک قطرہ شراب بن سکتا ہے موتی بننے کی کیا ضرورت ہے یعنی شراب کا قطرہ، موتی سے زیادہ قیمتی ہے، اس لئے بجائے اس کے کہ ابر نیسان موتی طیار کرے یہ بہتر ہے کہ انگور پر برسے کہ شراب طیار ہو،

فیضے عجبے یافتم از صبح ببینید — این جادۂ روشن رہِ میخانہ نباشد

"جادۂ روشن" وہ راستہ جو صاف ہو اور بے تکلف منزل تک پہنچا دے،

اصل خیال یہ تھا کہ صبح کے سہانے وقت مین شراب زیادہ لطف دیتی ہو اسلئے صبح کے آثار دیکھ کر شراب کو زیادہ جی چاہتا ہے اس کو یون ادا کیا ہے کہ صبح سے عجب فیض حاصل ہو رہا ہے دیکھنا یہ جادۂ روشن، شراب خانہ کا راستہ تو نہین ہے.

در بوستان، بہ یاد دہان تو غنچہ را — امسال باغبان ہمہ نشگفتہ چیدہ بود

غنچہ کو دہن سے تشبیہ دیتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ باغبان کو جب معشوق کا دہن یاد آیا تو اس نے ابکی سال پھول کے بجائے بن کھلی ہی کلیان چن لین،

روے انکو معالجۂ عمر کوتہ است — این نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ام

یعنی خوبصورت چہرہ کا دیکھنا کم عمری کا علاج ہے، مین نے یہ نسخہ حضرت عیسیٰ کی بیاض سے نقل کیا ہے،

لب گزیدی دہن از ذوق فنا دم مدہوش — با تو کیفیتِ این بادہ ندانم کہ چہ کرد

محبوب نے اپنے ہونٹ دانتو نمین دبا لئے تھے، عاشق کو اس کیفیت نے مبتلا کر دیا اور خیال ہوا کہ کاش اسکو معشوق کے ہونٹوں پر یہ دسترس ہوتا، معشوق سے

ہتا ہے کہ جب تصور سے میرا یہ حال ہوا تو خدا جانے تجھ پر اس شراب کا کیا اثر ہوا ہوگا
ر تو نے کیا لطف حاصل کیا ہوگا۔

راب لطف پر در جام میریزی و می ترسم — کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محبوب بعض وقت حد سے زیادہ مہربان ہو جاتا ہی لیکن یہ
ربانی دیر تک نہین قائم رہتی، اس خیال کو یون ادا کیا ہو کہ محبوب کو مخاطب کر کے
تا ہے" تو لطف و عنایت کی شراب لبالب دے رہا ہے لیکن مجھکو ڈر ہے کہ یہ شراب
ند ختم ہو چکی گی، اور مجھکو خمار کی تکلیف اُٹھانی پڑیگی،

ازہ خلیل زبنیاد کعبہ نیست — مشہور شد از ان کہ در آتش نکو نشست

یعنی حضرت ابراہیم کی شہرت اس وجہ سے نہین ہے کہ اُنھون نے کعبہ کی بنیاد
لی بلکہ اسوجہ سے ہی کہ آگ مین استقلال کے ساتھ جم کر بیٹھے،

بر رُوے تو چشم باز کردن — خمیازۂ دیدن دگر بود

شعر کا یہ مطلب ہی کہ معشوق کے چہرہ کی طرف آنکھ اُٹھانا دوسری بار دیکھنے کی
رائی تھی، یعنی ایک دفعہ کے دیدار سے تسلّی نہین ہوئی، بلکہ ہر بار کا دیکھنا دوبارہ
یکھنے کے لئے بے چین کرتا ہی۔

م تو بر فروز، دو چشم را تو نور دہ — این کار تست کار مہ و آفتاب نیست

اس خیال کو کہ معشوق کے بغیر عاشق کی آنکھون مین سب اندھیرا ہی یون ادا کیا ہی
شوق سے کہتا ہے میرے دلکو تو روشن کر اور میری راتکو نور دے، یہ تیرا کام ہی۔

آفتاب وماہتاب کے بس کی چیز نہین، بظاہر مبالغہ ہو کہ آفتاب وماہتاب بھی دن کو روشن نہین کرسکتے لیکن واقع مین بالکل سچ ہے، دل خوش نہو تو دن بھی اندھیر معلوم ہوتا ہے، "تو" اور "کار" کی تکرار نے ایک خاص لطف پیدا کردیا ہے،

ما تو گستاخی است گفتن ترکِ بدخوئے نُما — بادلِ خود گفتہ ام آئینہ را بے زنگ ساز

کہنا یہ تھا کہ معشوق تو بدخوئی سے باز نہین آسکتا ہو اس لئے اپنے ہی دلکو ایسا بنا لینا چاہئے کہ معشوق کی بدخوئی سے رنج نہو اسکو یون ادا کرتا ہے کہ معشوق سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ تو بدخوئی چھوڑ دے، اس لئے مین نے اپنے دل سے کہدیا ہو کہ ابکی آئینہ ایسا بنا کہ اسمین زنگ آنے ہی نہ پائے، صیغہ غائب کے بجائے خطاب نے اور زیادہ لطف پیدا کردیا ہے۔

ہر چند غیر لافِ محبّت زند برت — مارا امید ہا بدلِ بدگمان تست

کہنا یہ مقصود ہے کہ رقیب گو معشوق کے سامنے اپنے عشق اور جانبازی کے بڑے دعوے کر رہا ہو لیکن معشوق اسقدر بدگمان ہے کہ اسکو کب یقین آسکتا ہو اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ "گو رقیب تیرے سامنے محبّت کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے لیکن مجھکو تیری بدگمانی سے بڑی بڑی امیدین ہین" یعنی وہ رقیب کی محبّت کا یقین نہ کرنے دیگی۔

شکرانۂ این صید، تہی کن قفسے چند — غنچہ ہائے دل من گشتہ شکارت

کہنا یہ مقصود ہے کہ اے معشوق، جب مجھ سا عاشق تجھکو ہاتھ آگیا، تو اور تمام عاشقون سے

تجکو بے تعلق ہوجانا چاہئے، اور ان کو چھوڑ دینا چاہئے، اس مضمون کو یون ادا کیا ہی
کہ اے معشوق، میرا دل ہما ہے، جب اسکو تو نے شکار کر لیا تو اس کے شکرانے مین
پنجرے کے پنجرے خالی کر دینے چاہئین۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی خوشی حاصل ہوتی
ہے تو لوگ صدقے کے طور پر پرندجانور چھوڑ دیتے ہین،

نیست ممکن کہ گریزم زغزالان خیال — ورنہ مجنون تو تنہا تر ازین می بایست

عاشق سب سے الگ رہتا ہے اور عالم خیال مین بسر کرتا ہی شاعر کہتا ہی کہ
کیا کرون غزالان خیال سے بھاگنا ممکن نہین، ورنہ تیرے مجنون کو تو اس سے بھی زیادہ
تنہا رہنا چاہئے، یعنی خیالات بھی نہ آنے پائین۔

فغان کہ بند قبائے تو باز خواہد شد — کہ بادہ بے ادب افتادہ وہوا گستاخ

کہنا یہ تھا کہ معشوق شراب کی سرمستی مین بے تکلف ہوجائے گا اس کو یون ادا
کرتا ہے کہ ہائے تیری قبا کے بند کھل جائین گے، کیونکہ شراب بے ادب اور ہوا گستاخ ہی

زبس زبیم خوئے تو دزدیدہ ام نفس — یک پردہ پست تر زخموشی ست نالہ ام

جب سردی اسقدر بڑھجاتی ہی کہ مقیاس الحرارۃ کا پارہ مطلق نہین چڑھتا تو اس
درجہ کو صفر کہتے ہین اس سے بھی سردی بڑھ جائے تو اس کے بھی مدارج ہین اور
اسکو یون ادا کرتے ہین کہ صفر سے ایک درجہ نیچے، اس سے بھی بڑھے تو صفر کے
درجونکے عدد بڑھاتے جاتے ہین، اسیطرح آوازکی پستی وبلندی کے درجے ہین
لیکن جب مطلق آواز نہو تو سکوت ہوگا، شاعر تخیل سے سکوت کے بھی مدارج قائم کرتا ہی

در کہتا ہی کہ اے معشوق مین نے تیرے ڈر سے اسقدر خاموشی اختیار کی ہے کہ میرا نالہ سکوت سے بھی لبقدر ایک پردہ کے پست ہے" اس قدر باریک خیال دوسری زبان مین لطافت کے ساتھ ادا نہین ہوسکتا،

زبس با خویش گفتم راز تو غماز گردیدم — این شایستگی چون محرم رازت توانم شد

رازداری کی یہ تعریف ہی کہ کسی سے بھید نہ کہا جائے یہانتک کہ خود بھی بھول جائے اور اس کا خیال دلمین نہ لائے، عاشق معشوق کا راز سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہے لیکن دل سے تو نہین بھلا سکتا، اس پر اس کو خیال آتا ہے اور معشوق سے کہتا ہے کہ مین تیرا محرم راز کیونکر ہوسکتا ہون، مین نے تو تیرا راز اپنے دل سے کہدیا۔

کہ تو حُسنے زیاد، از کار و بارِ عشق من داری — زنجم زین کہ با ہر عاشقے میل سخن داری

عشق کا اگرچہ یہی اقتضا ہے کہ معشوق کسی اور کی طرف ملتفت ہونے پائے لیکن بعض وقت دلمین انصاف آتا ہے کہ آخر ساری دنیا کو اُسکے حُسن کے تمتع سے کیون روکا جائے، اس خیال کو شعرا نے مختلف طریقون سے ادا کیا ہے، ایک شاعر کہتا ہے مصرع۔

بہ بلبلے نتوان داد یک گلستان را

یعنی صد اباغ، ایک بلبل کو نہین دیا جاسکتا، اس شعر مین اس خیال کو نہایت سے ادا کیا ہے، معشوق سے کہتا ہی کہ اگر تو ہر عاشق سے ملنا چاہتا ہی تو مین اسکا

رنج نہین کرتا، کیونکہ تیرے حُسن کی وسعت میرے عشق کے پھیلاؤ سے بہت زیادہ ہے، یعنی تیرے وسیع حُسن کے لئے صرف ایک شخص کا عشق کافی نہین ہوسکتا،

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معشوق ناز کے نشہ مین جب چور ہوتا ہے، اور اس وقت کوئی ناز بردار نہین ہوتا تو خود اپنے آپ سے لڑتا ہے، اپنی کسی بات کو خود ناپسند کرتا ہے اور اپنے آپ پر جھلاّتا ہے، اس حالت کی تصویر ایک شاعر کھینچتا ہے؛

فغان زغمزۂ شوخے کہ وقت تنہائی ۔۔۔ بہانہ بخود آغاز کردہ در جنگ است

ان چند مثالون سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ فارسی نے جو لطیف خیالات ادا کئے عربی وغیرہ زبانون کے دسترس سے باہر ہین،

بدیع الاسلوبی بدیع الاسلوبی کے معنی کسی خیال کو جدید اور اعجوبہ زا پیرایہ مین ادا کرنا ہی یہ وہ وصف ہے، کہ بہت سے اہل فن کے نزدیک اسی کا نام شاعری ہے، فارسی اس وصف مین علانیہ ممتاز ہے،

بدیع الاسلوبی کی مثالین اگرچہ متعدد شعرا کے ذکر مین گزر چکی ہین لیکن موقع کے اقتضا سے چند مثالین یہان بھی لکھی جاتی ہین کہ بدیع الاسلوبی کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما ۔۔۔ سبحہ اُنیست کہ ان غیرت زنارِ تو نیست

کہنا یہ تھا کہ زاہد اور عابد اس قدر ریاکار ہین کہ ان کی تسبیح زنار سے بھی بدتر ہے، اِس مضمون کا پیرایہ اسقدر بدل دیا کہ ظاہر مین اسکی طرف خیال بھی نہین جاتا، شعر کا ظاہری

ماحصل یہ ہے کہ برہمن طعنہ دے رہا تھا کہ اسلام ہندؤنکے مذہب کی برابری نہین کرسکتا شاعر جو مسلمان ہی جواب دیتا ہے کہ یہ طعنہ بیجا ہی ہماری عبادتگاہ مین تو جتنی تسبیحین ہین ایسی ہین کہ زنار کو ان پر رشک آتا ہے،

اسمین بلاغت یہ ہے کہ یہ بات اگر مسلمانون سے کہی جاتی تو برا مانتے، اسلئے برہمن سے کہلا ہے اور وہ بھی اس پیرایہ مین کہ اسلام کی توہین مپیش نظر نہین، بلکہ کفر کے مقابلہ مین اسکی ترجیح مقصود ہی۔

درمیان کافران ہم بودہ ام　　　یک کمر شائستۂ زنار نیست

کہنا یہ مقصود ہے کہ اس زمانہ مین کوئی شخص کسی فن مین کامل نہین، یہانتک کہ کافر اپنے کفر مین بھی پورا نہین، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہے کہ مین کافرون مین بھی مدت تک رہ چکا ہون، ایک کمر بھی زنار کے قابل نہین، یعنی ان مین کوئی شخص ایسا نہین کہ اپنے مذہب مین کامل ہو اور زنار پہننے کا مستحق ہو،

ایکہ ہمراہ موافق بجہان می طلبی　　　آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

کہنا یہ ہے کہ سچا دوست دنیا مین ناپید ہے، اس کو یون ادا کیا ہی کہ گویا ایک شخص سچا دوست تلاش کر رہا ہے، شاعر اس سے کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ عنقا سفر مین گیا ہی اُسکو آ لینے دو، مطلب یہ ہے کہ سچا دوست عنقا کی طرح ناپید ہے،

عرفی بجال نزع رسیدی بہ شدی　　　شر مت نیامد از دل امیدوار دوست

اصل مطلب یہ ہے کہ عرفی بیمار ہو کر نزع کے قریب ہو گیا تھا معشوق کو خبر ہوئی

توخوش ہوا کہ مرجائے تو قصہ پاک ہو، سو، اتفاق کہ عرفی اچھا ہوگیا، اور معشوق کی امید جاتی رہی،
اس مضمون کو یون ادا کیا ہی، کہ خود اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ کمبخت تو نزع تک
پونہچکر اچھا ہوگیا، تجھکو معشوق سے بھی شرم نہ آئی کہ وہ تیرے مرنے کا انتظار کررہا تھا،

اے اجل! جان ندہند اہل وفا سعی کمن   یا برو رخصت آن غمزۂ خونخوارہ بیار

مقصود یہ تھا کہ عاشق پر صرف معشوق کی ادائین اثر کرسکتی ہین، اسکو یون ادا کیا
ہے کہ موت سے مخاطب ہوکر کہتا ہے، کہ عشاق یون نہ مرینگے، بے فائدہ کوشش نکر، مارنا
ہے تو پہلے جا، اور معشوق کے غمزہ سے، اجازت لے آ،

بآفتاب ازان ذرہ را درانداز ند   کہ عذر مردم کاہل بہ ناکسی نہہند

درانداختن لڑادینا، عذرنہادن، معذور رکھنا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ فطرت ذرّونکو
اس لئے آفتاب سے لڑواتی ہے کہ کوئی کاہل آدمی یہ عذر نہ پیش کرے کہ "مین ہیچ
آدمی ہون کیا کرسکتا ہون"، کیونکہ ذرّہ سے بڑھکر کون ہیچ ہوگا، لیکن وہ آفتاب سے
کشتی لڑتا ہے، ذرّے جو آفتاب کی روشنی مین چمک اُٹھتے ہین، اسکو آفتاب سے لڑنا
قرار دیا ہے، گویا وہ آفتاب کو اپنی چمک دمک دکھاتے ہین، اور درخشندگی مین آفتاب
کا مقابلہ کرتے ہین،

ہزار بار قسم خوردہ ام کہ نام ترا   بہ لب نیاورم الاقسم بنام تو بود

یہ خیال اکثر شعرا نے ظاہر کیا ہے، کہ عاشق، معشوق کی رسوائی اور بدنامی کے
ڈر سے لوگون کے سامنے اس کا نام نہین لیتا چاہتا لیکن بے اختیار اسکا نام زبان پر

آہی جاتا ہے، اسی مضمون کو یون ادا کیا ہے، معشوق سے مخاطب ہوکر کہتا ہے، کہ مین نے سیکڑون دفعہ قسم کھائی کہ تیرا نام نہ لونگا لیکن قسم تیرے ہی نام کی تھی، (یعنی یون تیرا نام آگیا) اس مضمون کو نظیری نے اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا، اس طرزِ ادا مین یہ عیب تھا کہ قصداً نام لینا ثابت ہوتا ہی، نظیری کہتا ہے،

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست | ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

یعنی ہر گو مین جانتا ہون، کہ تیری جان کی قسم کھانا کچھ اچھی بات نہین، لیکن تیری ہی جانکی قسم کہ مجھکو اور کوئی قسم یاد نہین" اس مین یہ خوبی ہے کہ معشوق کا نام لے لیا ہی، لیکن جانکر نہین، یعنی خود اسکو یہ نہین خبر کہ معشوق کا نام زبان پر آگیا ہی،

مراد و خضر عنان گیر باید از چپ و راست | کہ کجروی نکنم ورنہ قصد راہ خطاست

کہنا یہ ہے کہ ہر کام مین دو طرح کی غلطیان انسان سے ہوسکتی ہین، افراط اور تفریط جس طرف زیادہ جھکا راستہ سے ہٹ گیا، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہے، کہ مجکو دو خضرونکی ضرورت ہے کہ دائین بائین دونون طرف سے میرے ہاتھ تھامے رہین، اور اِدھر اُدھر جُھکنے نہ دین، رہبری کے لئے خضر کافی سمجھا جاتا تھا، شاعر نے دو خضرونکی ضرورت ثابت کی

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نہ رسد | کفر آوردم و درعشق تو ایمان کردم

کہنا یہ ہے، کہ اگر طلب صادق ہو تو کفر و اسلام سب ایک ہین، اسکو یون ادا کرتا ہے، کہ محبت ایک اکسیر ہی چنانچہ مین کفر لایا تھا، اور عشق کے اثر نے اسکو سونا کر دیا،

تا کے بباغ وصل تو از بیم مدعی | گلہائے ناشگفتہ بجیب و بغل کنم

مجلس مین جب غیرون اور رقیبونکا مجمع ہوتا ہے، تو ان کے لحاظ سے عاشق اپنے معشوق کی طرف جی بھر کر نہین دیکھ سکتا، بلکہ کبھی دزدیدہ نگاہی سے کام لیتا ہی کبھی اچٹتی ہوئی نظر ڈال لیتا ہے، اس مضمون کو شاعر یون ادا کرتا ہے کہ وصل معشوق ایک باغ ہی جسمین غیر دنکے ڈر سے مین کچّی کلیان چنتا ہون،

فارسی شاعری

پر

تفصیلی ریویو

شاعری کے انواع ہمارے اہل ادب نے شعر کی تقسیم، وزن، قافیہ، ردیف وغیرہ کے لحاظ سے کی ہے اور اس بناپر، شعر کے اقسام قصیدہ، غزل، مثنوی، وغیرہ قرار دے ہین لیکن یہ تقسیم علمی تقسیم نہین، شعر کے انواع قرار دینے مین یہ لحاظ ہونا چاہئے کہ شعر کی جو حقیقت ہی، اور جو اسکے ذاتیات ہین اُن کے لحاظ سے شعر کے کیا انواع پیدا ہوتے ہین؟ شعر کی اصلی حقیقت مصوری یا تخئیل ہے، اسلئے انہی دونون چیزون کے تنوعات اور اختلاف خصوصیات سے شعر کے اقسام پیدا ہوتے ہین،

مصوری کے لحاظ سے شعر کے اقسام عالم مین جو کچھ ہے ان کی دو قسمین کیجا سکتی ہین، مادیات[1] مثلاً زمین، آسمان، چاند، ستارے، باغ، جنگل، کوہ، بیابان، گرمی، سردی، بہار، خزان وغیرہ وغیرہ، کیفیات[2] باطنی، یعنی انسان کے دل مین جو گوناگون جذبات ودلیعت کئے گئے ہین،

مثلاً- رنج و مسرّت- محبّت و بغض، حسرت و غم، غیظ و غضب وغیرہ- اس تقسیم کے لحاظ سے شعر کی بھی دو قسمین ہین، ایک وہ جسمین مادّیات اور اس کے متعلقات کی تصویر کھینچی جائے، رزمیہ مثنویان، تاریخی افسانے، مناظر قدرت کے متعلق اشعار، سب اسی قسم کے تحت مین داخل ہین، اُن سب مین مادّیات کی یا اُن چیزونکی تصویر کھینچی جاتی ہے جنکو مادیات سے تعلق ہے اس شاعری کو انگریزی مین ایپک کہہ سکتے ہین، ایپک اگرچہ اصل مین صرف شجاعانہ شاعری کا نام تھا لیکن اب یہ لفظ زیادہ وسیع معنون مین مستعمل ہوتا ہے،

دوسری قسم جذبات کی شاعری ہے جس مین جذباتِ انسانی کی تصویر کھینچی جاتی ہے اسکے ذیل مین حسب ذیل چیزین داخل ہین،

غزل [1] جسمین محبت کے جذبات کا بیان ہوتا ہے،

عشقیہ [2] مثنویان۔

مرثیہ [3]

وہ اشعار جنمین فخر، غرور، انتقام، مسرّت، غم، شکر، صبر، حسرت، ندامت، حُبِ وطن، اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا جائے،

تخیلی- شاعری مین کسی چیز کی تصویر نہین کھینچی جاتی بلکہ شاعر کوئی دعویٰ کرتا ہے اور اسکی کوئی خطابی دلیل پیش کرتا ہے یا کسی باتکو معمولی طریقے کے بجائے عمدہ طریقہ سے ادا کرتا ہے یا کسی چیز کی مدح یا ذم مین کوئی اعجوبہ آمیز مبالغہ تلاش کرتا ہے، یا کوئی نادر اور اچھوتی اور دلآویز نگاہ تشبیہ ایجاد کرتا ہے، اس قسم کی شاعری کو واقعیت سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے متاخرین

کی شاعری زیادہ تر اسی قسم مین داخل ہو،

شاعری کے جو مشہور اقسام ہین یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، مذکورۂ بالا اصول کے لحاظ سے انکی نوعیت یہ ہے کہ قصیدہ اور غزل، جذباتی شاعری مین داخل ہین اور مثنوی مظاہر قدرت کی مصوّری ہے، لیکن ہمارے شعرا نے، ان مین سے کسی کو اپنے حدود مین محدود نہین رکھا، غزل مین بجائے اسکے کہ جذبات محبّت کا اظہار کیا جاتا، ہر قسم کے فلسفیانہ اور تخئیلی مضامین داخل کر دیئے، قصیدے ہمہ تن تخئیل بنگئے، مثنوی نے واقعہ نگاری کی حد سے متجاوز ہو کر، ہر قسم کی شاعری پر تصرف کر لیا،

اب ہم فارسی شاعری کے انواع پر الگ الگ ریویو کرتے ہین، لیکن ان انواع کے قرار دینے مین مجبوراً غلط مبحث سے کام لینا پڑا ہے، یعنی بعض نوعین علمی تقسیم کے لحاظ سے قائم کی گئین اور بعض مین اسی قدیم اصطلاح کو قائم رکھا ہو،

مثنوی | انواع شاعری مین یہ صنف، تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید، زیادہ وسیع، زیادہ ہمہ گیر ہے، شاعری کے جسقدر انواع ہین سب اسمین نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہین، جذبات انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخئیل، ان تمام چیزون کے لئے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہین آسکتا، مثنوی مین اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہو، اس بنا پر زندگی اور معاشرت کے جسقدر پہلو ہین سب اسمین آجاتے ہین، عشق و محبّت، رنج و مسرّت، غیظ و غضب، کینہ و انتقام غرض جسقدر انسانی جذبات ہین سبکے سمان دکھانے کا موقع ملسکتا ہو، تاریخ مین مختلف اور گوناگون واقعات

پیش آتے. اِس لئے ہر قسم کی واقعہ نگاری کا کمال دکھایا جاسکتا ہی، مناظر قدرت، بہار و خزان، گرمی وسردی، صبح وشام، یا جنگل بیابان، کوہ صحرا، سبزہ زار وغیرہ کی تصویر کھینچی جاسکتی ہے، اخلاق، فلسفہ، تصوف کے مسائل نہایت تفصیل سے ادا کئے جاسکتے ہین،

اس آسانی اور وسعت کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی کا ہر شعر علیحدہ ہوتا ہے اس لئے یہ پابندی نہین ہوتی کہ پوری نظم ایک ہی قافیہ مین ادا کیجائے جیسا کہ غزل اور قصیدہ مین لازمی ہی، مثنوی کے لئے اشعار کی تعداد بھی محدود نہین، اسلئے جسقدر وسعت دینا چاہین دیسکتے ہین، مضامین کی بھی کوئی تخصیص نہین، رزمیہ، عشقیہ، تصوف، فلسفہ، واقعہ نگاری جو مضمون چاہین مثنوی مین ادا کرسکتے ہین،

یہ بتانا مشکل ہو کہ مثنوی کی ابتدا ایران مین کیونکر ہوئی، یعنی خود ایران کی ایجاد ہی یا عرب کا کوئی نمونہ پیش نظر تھا، یہ ظاہر ہے کہ عرب مین اس زمانہ تک مثنوی کوئی چیز نہ تھی، البتہ رجز کو مثنوی کہ سکتے ہین کیونکہ اسکا بھی ہر شعر الگ ہوتا ہے، اس مین مسلسل واقعات بیان کئے جاتے ہین، بنوامیہؓ کے زمانہ مین رجز نے اس قدر ترقی کرلی تھی کہ سو سو شعر کے رجز پائے جاتے ہین، روبہ العجاج کے طویل الذیل رجز آج بھی موجود ہین،

عباسیون کے زمانے مین عبد اللہ بن المعتز نے شکار کے حالات رجز مین لکھے ہین اور وہ مختصر سی مثنوی کہی جاسکتی ہو غرض یا تو ایران نے خود مثنوی ایجاد کی یا رجز کا نمونہ ان کے سامنے تھا لیکن اگر رجز کی تقلید بھی کی تو یہ تقلید اجتہاد سے بڑھکر تھی، عرب مین کوئی بسیط مثنوی آج تک شاعرانہ انداز مین نہین لکھی گئی، ایران مین سیکڑون،

ہزارون اعلی درجہ کی مثنویان موجود ہین،

مثنوی کا سب سے پہلا موجد بھی متعین نہین ہو سکتا لیکن اگر رودکی کو شعر کا آدم تسلیم کیا جائے تو مثنوی کا موجد بھی اسکو کہنا چاہئے، کیونکہ اسکے قبل کسی مثنوی کا پتہ نہین لگتا، رودکی نے نصر بن احمد سامانی کی فرمائش سے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ مثنوی مین کیا اور مشہور ہے کہ ۴۰ ہزار روپیہ انعام مین ملے، یہ مثنوی آج ناپید ہے لیکن اسدی طوسی نے اپنے لغت مین اسکے اکثر شعر سند مین نقل کئے ہین، یہ لغت ہمارے پیش نظر ہے اور ہم اس سے چند شعر نقل کرتے ہین کہ اسوقت کی مثنوی گوئی کا اندازہ ہو سکے۔

گفت با خرگوش، خانہ، خان من،   خیز و خاشاک از و بیرون فگن،

شو بدان کنج اندرون خمے بجوے   زیر او سمجی (سوراخ) است بیرون شو بدوی

چونکہ مالیدہ بد و گستاخ شد   کار مالیدہ بد و درواخ (درست) شد

آفریدہ مردمان، مر رنج را   پیشہ کردہ رنج جان آہنج را

معلوم ہوتا ہے کہ رودکی نے تمام مشہور بحرون مین مثنوی گوئی کی بنیاد ڈالدی تھی، شہنامہ کے وزن مین بھی اسکی ایک مثنوی ہے اسکا ایک شعر ہی،

نکو گفت مزدور با آن خدیش   مکن بد بکس گر نخواہی بہ خویش

ہفت پیکر کی بحر مین یہ اشعار ہین،

گفت نقاش چونکہ نشناسم   کہ نہ دیوانہ و نہ فرناسم

خویشتن پاک دار و بی پرخاش   ہیچ کس را مباش عاشق و غاش

رودکی کے بعد اکثر شعرا نے مثنویان لکھین اور فردوسی سے پہلے مثنویون کا ایک بڑا ذخیرہ طیار ہوگیا،

اسدی نے اپنے لغت مین لبیبی، ابوشکور، طیّان، عنصری کی مثنویون کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین، عنصری نے اکثر بحرون مین مثنویان لکھین، وامق وعذرا جو اسکی مشہور مثنوی ہی (گو آج ناپید ہی) اسکے چند اشعار یہ ہین،

مرا ہر چہ ملک و سپاہ است و گنج | ہمہ آن تست و ترا ز واست گنج
بہ تجنید عذرا چو مردان جنگ | تُرنجید بر بارگی تنگ تنگ
چو رائی۔ نیابد ستروان بکام | بود راندن تعبیہ بے نظام
پریزادگان رزم را دل پسند | بہ پولاد پوشیدہ چینی پرند

ان مثنویون کی جو زبان ہی کئی سو برس سے بالکل متروک ہے اسلئے ان کا ناپید ہونا کوئی تعجب کی بات نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کچھ بھی ہوتین شاہنامہ کے طلوع ہونے کے بعد ان ستارون کا فروغ کیونکر قائم رہ سکتا تھا،

فردوسی کے بعد سب کو علانیہ نظر آیا کہ سورج کو چراغ دکھانا بے فائدہ ہی اس لئے رزمیہ مثنویان بند ہوگئین، نظامی کا زور طبع، قابو کا نہ تھا، اس لئے انھون نے ہمت نہین ہاری، اور سکندر نامہ لکھا، اور اس مین شبہہ نہین کہ اپنے طرز مین لاجواب لکھا، لیکن پھر بھی قطرہ و دریا کا فرق ہے، نظامی کی تقلید مین اورون نے بھی سکندر نامے اور شہنامے لکھے لیکن وہ نری نقالی تھی۔

غرض رزمیہ یا واقعہ نگاری تو شاہنامہ پر ختم ہوگئی، لیکن چونکہ دائرہ نہایت وسیع تھا، اس لئے اور شاخین پیدا ہوئین اور مثنوی نے نہایت وسعت حاصل کی اور بیشمار مثنویان لکھی گئین، مضامین کے اعتبار سے اگر انکی تقسیم کی جائے تو تمام مثنویان ذیل کے عنوان مین داخل ہوسکتی ہین۔

رزمیہ یا تاریخ۔ مثلاً شاہنامہ وسکندر نامہ وغیرہ،

عشقیہ۔ شیرین خسرو وغیرہ۔

اخلاقی۔ حدیقہ سنائی و بوستان وغیرہ،

قصّہ و افسانہ۔ ہفت پیکر و ہشت بہشت وغیرہ،

تصوّف و فلسفہ، مثنوی مولانا روم و جام جم اوحدی وغیرہ،

ان مین سے رزمیہ کے سوا، باقی اقسام کا ذکر فلسفہ کے عنوان مین آئے گا یہان صرف رزمیہ یا تاریخی مثنوی کا ریویو مقصود ہے،

رزمیہ کو انگریزی مین ایپک کہتے ہین، اور یورپ مین وہ اقسام نظم مین سب سے زیادہ مہتم بالشان اور وسیع ہی، ہومر کی الیڈ جسکو تمام یورپ مذہب شاعری کی کتاب آسمانی سمجھتا ہے، رزمیہ ہی ہے، اس بنا پر ہم اسی صنف پر تفصیل سے بحث کرنی چاہتے ہین کہ فارسی شاعری کے کمال کا اندازہ ہوسکے،

رزمیہ مثنویان اگرچہ بہت ہی لکھی گئین مثلاً گشتاسپ نامۂ اسدی، شہنامۂ دقیقی سکندر نامۂ نظامی، سکندر نامہ خسرو، تیمور نامۂ ہاتفی، وغیرہ وغیرہ لیکن ان مین صرف تین

قابل ذکر ہین، شاہنامہ، گشتاسپ نامہ اسدی۔ اور سکندر نامہ نظامی، لیکن انمین بھی مثنوی کا معیار کمال صرف شاہنامہ ہے، اس لئے ہم شاہنامہ پر تفصیلی ریویو لکھتے ہین، شاہنامہ کا ریویو پہلے حصہ مین گذر چکا ہے لیکن وہ ضمنی طور پر تھا وہان اصل مقصود فردوسی کے حالات تھے، لیکن قبل اسکے کہ ہم شاہنامہ پر ریویو لکھین، ضرور ہی کہ مثنوی کے کمال کا معیار اور اسکے اصول بتا دیے جائین،

کسی مثنوی کی خوبی کا اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ امور ذیل کا کہانتک لحاظ رکھا گیا ہے، اور شاعر کو اُن سے عہدہ برآ ہونے مین کہانتک کامیابی ہوئی ہی،

حسن ترتیب سب سے مقدم یہ شرط ہو کہ جس داستان یا جس واقعہ کو لکھا ہی اسمین حسن ترتیب کہانتک پایا جاتا ہے، شاعر کو کسی تاریخی واقعہ مین جو مصالحہ ہاتھ آتا ہے وہ صرف چند اجمالی، خام اور غیر مترتب واقعات ہوتے ہین اب دیکھنا چاہیے کہ اس نے داستان کا خاکہ کیونکر قائم کیا؟ واقعات مین کیونکر ترتیب پیدا کی؟ کس واقعہ سے آغاز کیا؟ جن ضمنی واقعات سے گذرتا ہوا اصل واقعہ تک پہونچا ان مین کس قسم کا تناسب اور ترتیب ہے؟ کس طرح انکی کڑیان ایک دوسرے سے ملتی ہین؟ کن کن واقعات پر اس نے زور دیا ہے؟ کن کو اُبھارا ہی؟ کن کو دھندلا رکھا ہے؟ موقع بموقع تخیل سے کس طرح کام لیا ہے؟ اخلاقی نتائج پیدا کرنے کے لئے جو فرضی باتین پیدا کر لی ہین انمین کس طرح تناسب پیدا کیا ہی؟ جس سے یہ معلوم ہو کہ قصداً ایسا نہین کیا بلکہ بات مین بات پیدا ہو گئی ہی، جذبات پر کس طرح موقع بموقع اثر ڈالا ہی؟ اگر ان تمام مرحلون سے شاعر عہدہ برآ ہو

تو وہ حسن ترتیب مین کامیاب سمجھا جائیگا،

کیرکٹر مثنوی مین سیکڑون اشخاص کا ذکر آتا ہے، مرد کا، عورت کا، آقا کا، نوکر کا، بچہ کا، جوان کا، امیر کا، غریب کا، سوداگر کا، پیشہ ور کا، عالم کا، جاہل کا، وغیرہ وغیرہ، ان مختلف اشخاص کے اخلاق، خو بو، طرز انداز، مزاج، طبیعت، گفتگو، بول چال، مختلف ہوتی ہے، شاعر کا یہ کمال ہو کہ اس شخص کا بیان کرے اسکے تمام امتیازی خصوصیات کو قائم رکھے، بچہ کا بیان اس طرح کرنا چاہیے کہ اسکی بات بات مین بچپن کی ادائین پائی جائین، نوکر کا واقعہ لکھا جائے تو گویا یہ نہ معلوم ہو کہ شاعر بالقصد اس کے نوکر ہونے کا اظہار کرنا چاہتا ہو، تاہم اسکے اخلاق وعادات، بول چال، طرز انداز سے نوکری اور محکومی کی بو آتی ہو، ایک شریف کا بیان ہو تو سخت سے سخت حوادث مین مبتلا ہونے پر بھی اُسکی شرافت کے جوہر نظر آئین،

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کے خاص اخلاق وعادات مین بعض باتین نمایان ہوتی ہین، معمولی شاعر صرف ان باتون کو دکھاتا ہو، یعنی اسکی نظر وہین تک پونچ سکتی ہے لیکن ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر کی نگاہ ان باریک اور گہری خصوصیات تک پونہچتی ہو، جو عام نگاہون سے بالکل اوجھل ہوتے ہین،

ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے، کہ اس قسم کی خصوصیات کا امتیاز نہین کیا جاتا،

کیرکٹر کا اتحاد مثنوی مین اس کا لحاظ نہایت ضرور ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص کیرکٹر قائم کیا جائے اور جہان کہین اُس شخص کا ذکر آئے یہ کیرکٹر بدلنے نہ پائے، کم سے کم یہ کہ ایسی کوئی

بات نظر نہ آئے جو قائم کردہ کیرکٹر کے خلاف ہو ہمارے ہان کے اکثر شعرا اس نکتہ کو پیش نظر نہین رکھتے، وہ جس موقع کا بیان کرتے ہین، وہان کے خاص لوازم کا اثر اس قدر اُن پر غالب آجاتا ہی کہ پچھلے کیرکٹر کا خیال نہین رہتا اور اس لئے بعض اوقات تناقض بیانی ہوجاتی ہی

اُردو مین میرانیس اس وصف مین ممتاز ہین، مثلاً اُنھون نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کا جو خاص کیرکٹر قرار دیا ہے، وہ صبر، حلم، برداشت، تمکین اور وقار ہے، مرثیو نمین امام موصوف کا ذکر سو سو طرح سے آیا ہے اور ہر قسم کی حالتین پیش آئی ہین لیکن کسی جگہ، کسی موقع، کسی حالت مین یہ اوصاف بدلنے نہین پاتے،

واقعہ نگاری مثنوی کا اہم الاوصاف واقعہ نگاری ہے، واقعہ نگاری مین جو نقص عموماً اکثر شعرا کے کلام مین پائے جاتے ہین، انکی تفصیل ہم اس لئے لکھتے ہین، کہ ان سے واقعہ نگاری کی اصلی حقیقت سمجھ مین آئیگی، یعنی صحیح واقعہ نگاری وہ ہے جسمین یہ نقص نہ ہون،

۱۔ اکثر شعرا جب کسی چیز کا بیان کرتے ہین تو اُسکے ایسے عام اور مبہم اوصاف بیان کرتے ہین جو قریباً ہر چیز کی نسبت منسوب کئے جا سکتے ہین اور جنکو ہر عامی سمجھ سکتا اور بیان کرسکتا ہے، دقیق اور نازک باتین نہین بیان کرتے، مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کے خوشنویس کے قطعہ کی تعریف کی جائے تو یہ کہنا کہ نہایت عمدہ ہے، لاجواب ہے، بے نظیر ہے، نظر فروز ہے، آنکھون مین کھُپا جاتا ہے، دیکھکر حیرت چھا جاتی ہے، عام اوصاف ہین یعنی ہر عمدہ چیز کی نسبت یہ اوصاف استعمال کئے جا سکتے ہین، اور جو شخص فن خوشنویسی سے مطلق واقف نہ ہو، وہ بھی ان الفاظ مین حسن خط کی تعریف کرسکتا ہے، لیکن ایک

ماہرِفن، دائرون کی باقاعدگی، حرفونکی کشش، کرسیونکی نشست، نقطونکی موزونی، قلم کے زور کی تعریف کریگا اور اس علمی طریقہ سے کریگا جو فن خطاطی کا اُصول ہے، ایک برجستہ شعر سنکر ایک عامی بھی بےساختہ سبحان اللہ کہہ اُٹھتا ہے، اور عام الفاظ مین تعریف کرتا ہے لیکن یہ تعریف عامیانہ تعریف ہوتی ہے بخلاف اسکے ایک ماہرِفن، مضمون کی جدت، بندش کی صفائی طرزِادا کی خوبی الفاظ کی شستگی، جملونکی دروبست، بلاغت کے اسلوب کا ذکر کرتاہے،

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے جس طرح ایک ماہرفن کرتا ہے، یعنی اُس کے تمام اصلی خصوصیات اور جزئیات بیان کی جائین، ہمارے شعرا جب دو پہلوانونکی لڑائی باندھتے ہین، تو زمین آسمان کو ہلا دیتے ہین لیکن یہ نہین بیان کرتے کہ دونون حریف کس طرح بڑھے، کیونکر وار کیا، کیا کیا داؤن پیچ کئے تلوار کے کیا کیا ہاتھ نکالے؟ نیزے کے بند کیونکر باندھے؟ کمان کیونکر چڑھائی؟ تیر کیونکر جوڑا؟ ڈھال کیونکر سر پر لی؟ وغیرہ وغیرہ،

چونکہ شاعری درحقیقت ایک قسم کی مصوّری ہے، اسلئے جب تک واقعہ نگاری مین اس قسم کی خصوصیات نہ دکھائی جائین، کسی واقعہ کی اصلی اور صحیح تصویر ذہن مین نہین آسکتی،

۲- واقعہ نگاری کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات نظرانداز کردئے جائین، ہمارے شعرا سمجھتے ہین کہ جزئی باتون کا بیان کرنا عامیانہ پن ہے، لیکن وہ یہ نہین خیال کرتے کہ اکثر موقعون پر ایک خفیف اور جزئی بات سے واقعہ کی تصویر اسطرح

کھنچ جاتی ہی کہ بڑے بڑے واقعات کے ادا کرنے سے ہنین کھنچ سکتی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ہم شاعری کی بحث مین **محاکات** کے عنوان مین لکھ آئے ہین،

۳- شاعر جب کسی بات کو واقعہ کی حیثیت سے لکھتا ہے تو وہ گو فرضی ہو لیکن اسکا فرض ہی کہ بیان مین ایسی کوئی بات نہ آئے جس سے واقعہ ناممکن یا مشکوک ہو جائے یہ نقص مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، کبھی تو جو واقعہ بیان کیا جاتا ہی فی نفسہ ناممکن ہوتا ہے، مثلاً یہ واقعہ کہ جب رستم چلتا تھا تو گھٹنون تک زمین مین دھنس جاتا تھا، کبھی ناممکن ہنین ہوتا لیکن موقع- وقت، اور حالات کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتا ہے، مثلاً یہ واقعہ کہ **کیکاوس** نے عقابون کے ذریعہ سے آسمان پر چڑھنا چاہا تھا، کیکاؤس کے جو حالات اور واقعات، شاہ نامہ مین مذکور ہین ان سے وہ اس قدر احمق ہنین ثابت ہوتا کہ ایسی بیہودہ کوشش کا ارادہ کرے،

غرض واقعہ نگاری کا یہ سب سے مقدم فرض ہے کہ واقعہ کو اس صورت مین ظاہر کیا جائے کہ دل مین اُتر جائے،

ان اصول کے بعد ہم **شاہ نامہ** پر تفصیلی ریویو لکھتے ہین،

شاہ نامہ کی تاریخی حیثیت

شاہ نامہ ایک تاریخی نظم ہے اس لئے سب سے پہلے اس پر اس حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیئے کہ وہ تاریخی اعتبار سے کیا درجہ رکھتا ہی،

اس امر کے متعلق ہم پہلے حصہ مین جہان **شاہ نامہ** پر ریویو ہی، تفصیل سے بحث کر چکے ہین جنمین ہم نے ان یورپین محققین کے اقوال نقل کئے ہین جو ایران کی قدیم

زبانون سے واقف ہین اور جنھون نے تسلیم کیا ہو کہ "**فردوسی** کا بیان قدیم ایرانی تاریخون سے حرف حرف مطابق ہو"، لیکن اس موقع پر ہم اور مختلف حیثیتون سے بحث کرنی چاہتے ہین

۱۔ **فردوسی** کو اپنی تاریخی ذمہ داری کا اس قدر لحاظ ہے کہ واقعات کے بیان مین سب سے پہلے وہ اپنا ماخذ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہو جیسا کہ عام قاعدہ ہے، شاہ نامہ کے تمام ماخذ یکسان درجے نہین رکھتے، یعنی بعض زیادہ مستند ہین، بعض کم، بعض اس سے بھی کم، اسلئے وہ ہر موقع پر اس فرق مراتب کی تصریح کر دیتا ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ شاہ نامہ کی عام بنیاد ایک قدیم ایرانی تاریخ ہے، جسکی تصنیف کو دوہزار برس گذر چکے تھے چنانچہ کہتا ہے، ع۔

گذشتہ برو سالیان دوہزار

وہ عام واقعات اسی کتاب سے لیتا ہو، انکے لئے ہر جگہ حوالہ دینا ضروری نہین سمجھتا، ان سے الگ جو واقعات لکھتا ہے اسکے ماخذ کی تصریح کرتا ہے **شغاد** کی داستان اس نے خود اسی خاندان کی ایک زندہ یادگار سے حاصل کی تھی چنانچہ لکھتا ہے،

یکے پیر بد نامش آزاد سرو — کہ با احمد سہل بودے بہ مرو

بہ سام نریمان کشیدش نژاد — بسی داشتے رزم رستم بیاد

اس کا نسب، سام تک پہونچا تھا، — اسکو رستم کی لڑائیان بہت یاد تھین،

بگویم سخن آنچہ زو یافتم — سخن را یک اندر دگر بافتم

مین نے اس سے جو کچھ سنا اسکو بیان کرتا ہون — مین نے ایک بات کو دوسری بات سے جوڑا ہے

بیژن کی داستان کی تمہید مین تصریح کی ہے کہ اسکے واقعات، اسکے ایک منظورِ نظر نے مہیا کئے تھے چنانچہ کہتا ہی،

بدان سروبن گفتم اے ماہ روے | مرا امشب این داستان باز گوے
مین نے اس سے کہا کہ اے ماہرو! | آج کی رات، مجھسے یہ داستان بیان کر
مرا گفت کز من سخن بشنوی | بہ شعر آرے از دفتر پہلوی
اسنے کہا کہ مجھ سے جو سنو اسکو | پہلوی زبان مین نظم کر ڈالو

طلخند اور گو، کی داستان، اصلی ماخذ مین نہ تھی اسلئے اس کے راوی کا نام تصریح سے بتا دیا ہے،

چنین گفت فرزانہ شاہوے پیر | ز شاہوے پیر این سخن یاد گیر

جس عہد کی اس کو تفصیلی تاریخ نہین ملی وہان صاف تصریح کر دی ہی، سکندر نے جب ایران فتح کیا تو اس غرض سے کہ ایران کی قوت تقسیم ہو کر کمزور ہو جائے، ہر ہر صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا جس سے طوائف الملوکی قائم ہو گئی، دو سو برس تک یہ حالت رہی اس عہد کے حالات قلمبند نہین کئے گئے، فردوسی اسکا اجمالی تذکرہ کر کے لکھتا ہے،

ازین گونہ بگذشت سالے دو یست[۲۰۰] | تو گفتی کہ اندر جہان شاہ نیست
اس طرح دو سو برس گذرے | گویا دنیا مین کوئی بادشاہ نہ تھا
چو کوتاہ شد شاخ وہم بیخ شان | نگوید جہان دیدہ تاریخ شان

چونکہ انکی شاخ اور جڑ کٹ گئی اس لئے تجربہ کار ان کی تاریخ نہین بیان کرتا

از ایشان جز از نام نشنیدہ ام نہ در نامہ خسروان دیدہ ام

جو واقعات اسکو پوری تفصیل کے ساتھ ملے ہین اُنکو بتمامہ ادا کیا ہے اور اس کی تصریح کر دی ہی کاموس کی داستان ختم کر کے لکھتا ہی۔

سر آور دم این رزم کاموس تیز دراز است و نفتاد از و یک پشیز

مین نے کاموس کی داستان بھی ختم کی لمبی داستان تھی اور ایک حرف بھی اسکا نہین چھوٹا

گر از داستان، یک سخن کم بدے روان مرا جائے ماتم بدے

اگر داستان کا ایک جملہ بھی رہ جاتا تو میری جان کو صدمہ ہوتا۔

۲- فن تاریخ کی ابتدا قصہ اور فسانہ سے ہوئی ہے، یعنی خاندان کے لوگ اپنے باپ دادا کے قصے بیان کیا کرتے تھے، جب تہذیب و تمدن آیا تو یہی قصے قلمبند ہو کر تاریخ بنگئے، اس بنا پر جس قدر قدیم تاریخین ہین ان مین لڑائی اور جنگ وجدل کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے واقعات کم ملتے ہین، فردوسی چونکہ جو کچھ لکھتا ہے قدیم تاریخون سے لکھتا ہی اس بنا پر شاہ نامہ مین یہ فرق صاف نظر آتا ہے، کیکاوس اور خسرو کے زمانہ ک کے جو حالات ہین ان مین رزم و جنگ کے سوا اور کچھ نہین، جسقدر زمانہ گذرتا گیا اور اور حالات کی آمیزش ہوتی گئی ہے، نوشیروان چونکہ قریب العہد تھا اس لئے اس کے ہر قسم کے ملکی انتظامات کی تفصیل بہم پونہچی ہی اور فردوسی نے انکو مفصل لکہا ہے یہان تک کہ نوشیروان نے مختلف اوقات مین سائلو نکی درخواست پر جو احکام لکھے ہین اور جنکو

توقیعات کہتے ہین انکو ایک ایک کرکے لکھتا ہو اور اسکا ایک الگ باب باندھتا ہو۔

۲۔ تاریخون مین جہان دو حریفونکی لڑائی اور انکے سپاہیانہ کرتبون اور داؤن پیچ کا ذکر آتا ہو عموماً یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعات کیونکر معلوم ہوئے جبکہ بعض اوقات دونو حریفون مین سے کوئی میدان جنگ سے واپس نہین آتا تھا، **فردوسی** نے ڈھونڈکر یہ پتہ لگایا کہ عام لڑائی اور پہلوانونکی معرکہ آرائی کے حالات کے محفوظ رکھنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے جنکو **ترجمان** کہتے تھے، فردوسی نے مختلف موقعون پر انکا ذکر کیا ہے،

نہادند پیمان کہ با **ترجمان** نباشند برخیرگی بدگمان

آپس مین یہ اقرار کیا کہ ترجمان سے بدگمان نہ ہون گے،

بران تا بدو نیک باشہریار بگوید ازین گردش روزگار

تاکہ بری بھلی، سب آکر بادشاہ سے بیان کرین۔

کہ کردار چون بود؟ و پیکار چون؟ برزم اندرون کار و کردار چون؟

کہ کیونکر لڑائی ہوئی، کیا کام ہوا، کس طرح ہوا۔

۳۔ **فردوسی** کا ہیرو رستم ہے **شاہنامہ** کا مقصد گویا رستم کا کارنامہ ہو، فردوسی کو رستم سے اسقدر محبت ہے کہ جہان اسکا نام آتا ہو وہ محبت کے جوش سے لبریز ہوجاتا ہے کیقباد کے عہد سے گشتاسپ تک، ایران کی سلطنت گویا رستم کے دست و بازو پر قائم رہی، رستم کی شجاعت، پامردی اور بہادری **فردوسی** کا قومی رجز ہے جسکو سو سو بار پڑھکر بھی اسکو تسلی نہین ہوتی، بااین ہمہ فردوسی نے رستم کے کسی عیب پر پردہ ڈالنا نہین چا

سہراب کے مقابلہ مین رستم نے جسطرح دروغ گوئی سے کام لیا اسکو اس نے صاف صاف کہدیا، سیاوش کے انتقام کے لئے جب رستم نے توران پر حملہ کیا ہے تو قتل عام کا حکم دیا اور اور تمام ملک کو برباد کرادیا یہ واقعات اسنے بہ تصریح لکھے ہین چنانچہ کہتا ہی،

ہمہ غارت وکشتن اندر گرفت	ہمہ بوم، بردست و برسر گرفت
بالکل لوٹنا اور مارنا شروع کیا	سارے ملک کو سر پر اُٹھا لیا
ز توران زمین تا بہ سقلاب و روم	نہ دیدند یک مرز آباد بوم
توران زمین سے لیکر روم تک	ایک شہر بھی آباد نہ رہا،
ہمہ سر بریدند برنا و پیر	زن و کودک و خرد کردند اسیر
بوڑھے، جوان سب کے سر کاٹ ڈالے	اور عورتون اور بچون کو قید کر لیا

اسفندیار نے جب رستم کو تیرون سے چھلنی کر دیا تو رستم بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا، فردوسی نے اس واقعہ کو بے کم و کاست لکھا، ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ کوئی چیز اسکو اپنے فرض کے ادا کرنے سے مانع نہین ہوسکتی،

۴۔ فردوسی نے شاہنامہ کو اس حیثیت سے لکھا ہی کہ وہ پایۂ تخت کا مورخ ہی، اور تمام واقعات شاہی تاریخ ہین، اس لئے تمام کتاب مین یہ حیثیت نمایان ہے، آجکل جو قومی تاریخین یورپ مین لکھی جاتی ہین؛ انکا یہ انداز ہے کہ ہر بات مین اپنی عظمت ثابت کیجاتی ہی حریف سلطنتون کے مقابلہ مین جہان فتح ہوتی ہے اسکو نہایت آب و رنگ سے لکھتے ہین، شکست کی تاویل کی جاتی ہے اور اسکو ماند کر کے دکھایا جاتا ہے، ہر موقع اور محل پر

اپنا فخر، عظمت، برتری ثابت کیجاتی ہی. مورخین اسلام کا اگرچہ یہ طرز نہین، انکو صرف واقعیت سے غرض ہوتی ہی لیکن فردوسی اس سے مستثنیٰ ہی، اسکی یا تو یہ وجہ ہے کہ اس نے جس تاریخ کو نظم کیا اس کا خود یہ انداز تھا اور اس لئے فردوسی نے اپنی طرف سے کوئی تصرف کرنا نہین چاہا یا یہ وجہ ہے کہ فردوسی خود مجوسی تھا اور قومی حمیت کا اثر اس کے دل سے نہین گیا تھا، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ **شاہنامہ** سرتاپا قومی پاسداری کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، **ایران** کا اصلی مقابلہ **توران** سے ہی اسلئے ہر جگہ تورانی یا مغلوب ہوتے ہین یا اتفاقیہ **فتح** پاتے ہین تو یہ گردش زمانہ کا اثر ہوتا ہے، لڑائیون مین ہمیشہ تورانی ہی زیادتی کے مجرم ہین، ایرانی صرف دفاع کرتا ہی، **گشتاسپ** جب آتش پرست ہو گیا، توران کے بادشاہ ارجاسپ نے اسکو ملامت آمیز خط لکھا کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر یہ مذہب کیون اختیار کیا، **فردوسی** مسلمان تھا اور یہان اسکو موقع حاصل تھا کہ انصاف سے کام لیتا. لیکن اب بھی **ارجاسپ** ہی ملزم ہے، اور اس لئے گشتاسپ اسپر فتح پاتا ہے اور **اسفندیار** کے ہاتھ سے اسکو قتل کرا دیتا ہے، **عرب** کا ذکر **شاہنامہ** مین اکثر آیا ہے لیکن ایک موقع بھی نہین جو **عرب** کی تحقیر سے خالی ہو،

فریدون۔ اپنے بیٹون کی شاہ یمن کی لڑکیون سے شادی کرنی چاہتا ہے **شاہ یمن** کو دل سے منظور نہین لیکن فریدون کے آگے سرتابی کی مجال نہین، خود کہتا ہی.

اگر سر بہ پیچم ز گفتار اوے	ہراسان شود دل ز آزار اوے
اگر مین اُس کی بات سے سرتابی کرون	تو اس کے حملہ کا خطرہ ہو گا۔

کسے کو بود شہر یار زمین | نہ بازی است، با او سگالید کین
یہ شخص دنیا کا بادشاہ ہے | اس سے لڑنا کچھ کھیل نہین ہے

فریدون کے بعد کیکاؤس کے زمانہ مین عرب نے ایران سے سرتابی کی اور مصر و شام کی سرحد سے علم بغاوت بلند ہوا،

کیکاؤس نے شام پر حملہ کیا اور بالآخر عربون نے شکست کھا کر پناہ مانگی،

ہمیدون شہ بربر و مصر و شام | بدین گونہ دادند شہ را پیام

کیکاؤس نے انکی جان بخشی کی اور کہلا بھیجا۔ کہ یکسر شما در پناہ منید،

سکندر کی نسبت خود یونانیون کو یہ دعوے نہین کہ اس نے عرب فتح کیا تھا لیکن فردوسی کا بیان ہو کہ سکندر عرب پر بڑھا، حکمران عرب نے جسکا نام **نصر قتیب** تھا بڑھ کر استقبال کیا، سکندر نے جا کر خانہ کعبہ کی زیارت کی، حضرت **ابراہیم** کے خاندان کو سردار بنایا اور ان کے حریف **خزاعہ** کو برباد کر دیا،

ازان جائے با گنج و دیہیم رفت | بہ دیدار **خان** براہیم رفت
وہان سے خزانہ اور تاج کے ساتھ | کعبہ کی زیارت کے لئے آیا۔
سکندر ز نصر این سخنہا شنید | **ز تخم خزاعہ** ہر آنکس کہ دید
سکندر نے نصر سے یہ باتین سنین | چنانچہ خزاعہ کے قبیلہ سے جسکو پایا
بکشت و بہ سر شان برآہیخت پوست | نماند ایچ از ایشان نہ دشمن نہ دوست
قتل کر ڈالا، اور ان کے سر لٹکا دئے | اور انمین کوئی باقی نہین رہا

نژاد سمٰعیل را بر کشید کسے کو ازان مہتری را سزید

سب سے اخیر عرب کا ذکر اسلامی عہد مین آیا ہے جب حضرت سعد وقاص نے یزدگرد کو دعوت اسلام کا خط بھیجا ہی یہان فردوسی اپنے آپے سے باہر ہو کر ہمہ تن مجوسی بن گیا ہی۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسیدست کار

اونٹ کا گوشت اور گوہ کہاتے کہاتے اب عرب کو یہ دن لگے کہ

کہ تخت کیان را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

کیانی تخت کی ہوس ہے اور آسمان! تجھپر تف ہی اور پھر تف ہے

اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ فردوسی نے جس قوم کی تاریخ لکھی، اسکی روایات، خیالات، پورے پورے ادا کئے روایات اور تاریخ کی حیثیت سے یہی اسکا فرض تھا، ایرانی اگر عرب کو حقیر سمجھتے تھے تو فردوسی کو بھی یہی کرنا چاہئے تھا،

شاہنامہ ایک انسائکلوپیڈیا ہی

اگرچہ قدیم زمانہ مین تاریخ صرف واقعات جنگ کا نام تھا اور شہنامہ مین بھی یہی واقعات زیادہ نمایان نظر آتے ہین، تاہم شاہنامہ ایران کی ایک مبسوط اور جامع انسائکلوپیڈیا ہی، مذہب، فلسفہ، اخلاق، نظام حکومت، ملکی انتظامات، فوجی اصول، مالی آئین، اخلاق، عادات، وضع، لباس، طور طریقے۔ ایک ایک چیز کی تفصیل اس مین ملسکتی ہی، ہم اس موقع پر صرف چند اہم اور ضروری باتین درج کرتے ہین۔

نظام حکومت

شاہنامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ حکومت کا طریقہ گو شخصی تھا لیکن بادشاہ خود مختار

نہ تھا، مذہبی پیشوا جنکو موبد کہتے تھے اُنکے مشورہ اور استرضا کے بغیر بادشاہ کوئی کام نہین کر سکتا تھا، موبد اور افسران دربار نہایت آزادی سے اپنا فرض ادا کرتے تھے اور اِن موقعونپر بادشاہ کے رعب وداب کی کچھ پروا نہین کرتے تھے، کیخسرو نے جب ارادہ کیا کہ تخت سلطنت چھوڑ کر کسی پہاڑ مین روپوش ہوجائے تو تمام افسرون نے مخالفت کی، زال نے علانیہ کہا۔

مگر دیو با اُو ہم آواز گشت	کہ از راہ یزداں سرش باز گشت
غالباً شیطان نے اسکو گمراہ کر دیا ہے	کہ خدا کے طریقہ سے پھر گیا ہے

زال نے خود کیخسرو سے جاکر کہا۔

گر این باشد اے شاہ ساماں تو	نگردد کسے گرد فرمان تو
اگر آپ کا یہ ارادہ ہے	تو کوئی آپکی اطاعت نہین کریگا
پشیمانی آید ترا زین سخن	بر اندیش و فرمان دیوان مکن
اس بات سے آپکو افسوس کرنا پڑیگا	غور کر لیجئے اور شیطان کے کہنے مین نہ آئے

کیخسرو نے نہایت حلم کے ساتھ زال کی باتون کا جواب دیا اور اپنی مجبوری بیان کی اور ظاہر کیا کہ مین جو کچھ کرتا ہون غیب کی ہدایت ہے، اُس وقت سب نے اپنا اعتراض واپس لیا۔

کیکاؤس نے جب مازندران پر حملہ کرنا چاہا تو درباری اس سے متفق نہ تھے، اُنھون نے ایک مجمع کیا، اور بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ زال سب کیطرف سے وکیل ہوکر کیکاؤس کو اس ارادے کے نقصانات جتائے،

وزان پس یکے انجمن ساختند	ز گفتار او، دل بہ پرداختند

پھر ایک کیٹی کی — اور اسکی بات دل سے بہلا دی،

نشستند وگفتند بایک دگر — کہ از بخت ما را چہ آمد بسر

ملکر بیٹھے اور یہ مشورہ کیا — کہ یہ کیا بد قسمتی ہے

یکے چارہ باید نمودن برین — کہ این بد بگردد ز ایران زمین

کوئی علاج کرنا چاہیے جس سے یہ بلا ملک ایران سے دور ہو

بہرام کا باپ نہایت ظالم اور سفاک تھا جب وہ مرا تو بہرام یمن مین تھا یہ خبر سنکر ایران روانہ ہوا کہ باپ کے بجائے تخت نشین ہو، لیکن لوگون نے اس بنا پر انکار کیا کہ ظالم کے خاندان مین حکومت نہین رہ سکتی، بہرام نے دلائل اور جنگی کارنامون سے اپنا استحقاق ثابت کیا تو بڑی مشکل سے لوگ راضی ہوئے،

جب نیا بادشاہ تخت حکومت پر بیٹھتا تھا تو سب سے پہلے کھڑے ہو کر اسپیچ دیتا تھا، جسمین اپنی پالیسی اور اصول حکومت کا اظہار کرتا تھا، اس کے ساتھ محاسن اخلاق اور پند و موعظت کی باتین کہتا تھا۔ فردوسی نے بہرام، یزدگرد۔ نوشیروان، نرسی وغیرہ کے ذکر مین نہایت تفصیل سے انکی تقریرین نقل کی ہین،

فوجی[1] خدمت جبری اور عام حکم تھا کہ ہر بچہ جب ہوش سنبھالے تو لڑائی کی تعلیم پائے،

سواری بیاموز و رسم و جنگ — بہ گرز و کمان و بہ تیر و خدنگ

---

[1] یہ انتظامات اردشیر کے عہد کے ہین۔

سن بلوغ کے بعد ہر شخص کو دربار مین حاضر ہونا پڑتا تھا۔ رجسٹر مین اسکا نام اور مقام درج کیا جاتا تھا اور رہنے کے لئے مکان ملتا تھا ہزار سپاہیون پر ایک موبد مقرر کیا جاتا تھا، لڑائی مین موبد ساتھ جاتا تھا، اور سپاہیونکی لیاقت یا نالیاقتی کی رپورٹ کرتا تھا اسطرح تمام ملک فوج بنگیا تھا،

چنین تا سپاہش بد آنجا رسید — کہ پہنائے ایشان ستارہ نہ دید

جو لوگ مفلسی کیوجہ سے نگھرے اور بے خان ومان ہوتے تھے اُنکے لئے سرکار کی طرف سے مکان بنوا دئے جاتے تھے، اور روزینہ مقرر کر دیا جاتا تھا،

جہان نہر مین پانی کم ہو جاتا تھا اور آب پاشی نہین ہوسکتی تھی وہان کا خراج معاف کر دیا جاتا تھا، نادار کاشتکارونکو آلاتِ زراعت اور نقد بھی دیجاتی تھی۔

گرایدون کہ دہقان بُدے تنگ دست — سوے نیستی گشتہ کارش ز ہست

اگر زمیندار، دولتمندی کے — بعد مفلس ہو جاتا تھا،

بدادے ز گنج آلت وچارپائے — نماندے کہ پایش برفتے ز جائے

تو اسکو سرکاری خزانہ سے سامان زراعت اور مویشی دئے جاتے تھے۔

ہر محلہ مین مکتب اور مدرسے تھے جن مین مذہبی تعلیم بھی ہوتی تھی،

بہ ہر برزنے بر دبستان بُدے — ہمان جائے آتش پرستان بُدے

تعلیم صرف شرفاء کے لئے مخصوص تھی، نوشیروان کے زمانہ مین ایک کفش گر نے لاکھون روپئے پیش کئے کہ اس کے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت ملے لیکن نوشیروان نے

منظور نہ کیا،

آردشیر اور نوشیروان کے ذکر مین انتظامات ملکی کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور عرب مورخون نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے قانون مالگذاری مین زیادہ تر انہین قواعد کی پیروی کی تھی،

تہذیب وتمدن | **شاہنامہ** ایران کے تمدن اور تہذیب کا پورا آئینہ ہی اس سے عہد بعہد کی تہذیب وشائستگی کی حالت معلوم ہوسکتی ہی، مہتم بالشان واقعات کو فردوسی مستقل حیثیت سے ذکر کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتون کو ضمناً لکھ جاتا ہی، تہذیب کی ابتدا کیومرث نے کی، بھیڑ، اور بکری کے بالون سے کپڑے بنوائے، پہلے زمین پر سوتے تھے، اُس نے بستر اور فرش ایجاد کیا، گھوڑے پالے، وحشی جانورون مین سے سیہ گوش اور چیتے پکڑ کر ان سے کام لیا۔ باز شاہین، مرغ، وغیرہ کو رام کیا، جمشید نے تہذیب کو اور زیادہ ترقی دی، لڑائی کا لباس مثلاً خود، زرہ، چلہ، پاکھر وغیرہ ایجاد کیا، منوچہر کیطرح تمام لوگونکو چار گروہون تقسیم کیا، جمشید نے عمارت کے فن کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے گار ابنانا نہین جانتے تھے، اس نے اینٹ کے سانچے طیار کرائے اور سنگی اور خشتی عمارتین تیار کرائین، چقماق سے آگ نکالنا، خوشبو کی چیزین، دوا علاج، جہازرانی وغیرہ سب اسی کی ایجاد ہین، یہ تمام تفصیل شاہنامہ مین مذکور ہی۔ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ کا تمدن پیدا ہوتا گیا، جسکی تفصیل فردوسی ہر موقع پر کرتا جاتا ہی،

دربار مین بادشاہ طلائی تخت پر بیٹھتا تھا جسکے پائے بلور کے ہوتے تھے،

یکی تخت زرین بلورینش پاے — نشستہ بر و بر جہان کدخداے

ایک شخص سالار بار ہوتا تھا جو لوگون کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا ع

برفت از در پردہ سالار بار

اُمرا جب دربار مین تخت کے پاس آتے تھے تو زمین کو بوسہ دیتے تھے اور دیر تک سجدے مین پڑے رہتے تھے،

چو نزدیک تخت اندر آمد زمین — ببوسید و بر شاہ کرد آفرین

جب تخت کے پاس آیا تو زمین — چومی اور بادشاہ کی تعریف کی

زمانے ہمی داشت بر خاک روے — بد و داد دل، شاہ آزرم جوے

دربار کے سلام کا یہ طریقہ تھا کہ ہاتھ سینے پر رکھتے تھے اور سر آگے کو جھکاتے تھے،

بیامد چو گو درز را دید، دو دست — بہ کش کرد و سر پیش بنہاد و پست

دربار مین جسپر نوازش ہوتی تھی، اسکے چہرہ اور داڑھی پر مشک چھڑکواتے تھے،

لب و موے و تارویش از خاک خشک — ستردند، و بر روے پراگند مشک

جب کسی معرکہ پر فوجی افسر بھیجے جاتے تھے تو دربار مین بلائے جاتے تھے جواہرات کمخواب، اطلس، مشک، عنبر، خوبصورت غلام، کنیزین دربار مین حاضر کیجاتی تھین، بادشاہ افسرون سے مخاطب ہوکر کہتا تھا کہ جو شخص فلان کام انجام دیگا یہ حصہ اسکا ہے، افسر اور پہلوان آگے بڑھتے اور اپنے اپنے حوصلہ کے لحاظ سے کام کا بیڑا اُٹھاتے تھے کیخسرو نے سیاوش کے انتقام کے لئے جب فوجین بھیجی ہین تو اسیطرح تمام افسرونکو

کام تقسیم کیے ہین، فردوسی نے نہایت تفصیل سے ایک ایک کا نام اور انکے کام گنائے ہین،

صلہ اور انعام کے مختلف پرلطف طریقے تھے، کبھی لعل ویاقوت سے مُنھ بھر داتے تھے، کبھی روپیون اور اشرفیون کا سرتک انبار لگواتے تھے،

چو برخواند نامہ بر خسرو دبیر   زیاقوت رخشان دہان ہجیر
بیاگند، وزان پس بہ گنجور گفت   کہ دینار و دیبا بیار، از نہفت
بیاورد بدرہ، چو فرمان شنید   ہمی ریخت تا شد سرش ناپدید

شادی اور استقبال وغیرہ کے موقعون پر گھوڑون کے ایال پر مشک اور شراب، اور سُم پر شکر چھڑکتے تھے،

ہمی یال اسپان پُر از مشک و مے   شکر با درم ریختہ زیر پے

خون کے انتقام مین عہد کرتے تھے کہ جب تک انتقام نہ لینگے بدن سے ہتھیار نہ اتارینگے اور منھ پر پانی نہ ڈالینگے رستم نے سیاوش کے قتل ہونے پر یہی عہد کیا تھا،

بہ دادار دارندہ سوگند خورد   کہ ہرگز تنم بے سلیح نبرد

کبھی کبھی قتل عام کا حکم دیتے تھے لیکن اس قسم کا واقعہ بہت کم پیش آیا ہی رستم نے سیاوش کے انتقام مین قتل عام کا حکم دیا تھا،

ز توران زمین تا بہ سقلاب روم   نہ دیدند یک مرز آباد بوم
ہمہ سر بریدند برنا و پیر   زن و کودکِ خرد، کردند اسیر

مذہبی آزادی نہ تھی۔ منوچہر کہتا ہی،

برآن بدکنش کو، نہ بردین بود ... زیزدان و از منش نفرین بود

وزان پس بہ شمشیر یازیم دست ... کنم سربسر کشور از کینہ پست

مہراب نے زال سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کرین اس نے اس بنا پر انکار کیا کہ مہراب بُت پرست تھا،

کہ ما مے گساریم و مستان شویم!! ... سوے خانہ بت پرستان شویم

عرب مین عورتین دشمن کا کلیجہ کھالیتی تھین، ایران مین خون پی لیتے تھے گودرز نے جب پیران ویسہ کی زخمی لاش پڑی دیکھی تو خون چلو مین لیکر پیا اور چہرہ پر مل لیا،

فرو برد چنگال و خون بر گرفت ... بخورد و بیالود روے اے شگفت

تعلیم، شرفا مین عام تھی، امرا اور فوجی افسر اعلیٰ درجہ کی تعلیم پاتے تھے، رستم کے باپ زال کو جب سام نے تعلیم دلانی چاہی تو تمام اطراف ملک سے مذہبی علما، ہیئت داں، فن جنگ کے ماہر بلوائے اور اسکی تعلیم پر مقرر کیے،

زہر کشورے، موبدان راانجواند ... پژوہید ہر چیز و ہر گونہ راند

ستارہ شناسان و دین آوران ... سواران جنگی و کین آوران

موبدون نے چند برس کے بعد جب زال کا امتحان لیا اور ریاضی وغیرہ کے متعلق سوال کیے، تو زال نے نہایت قابلیت سے جواب دیے فردوسی نے ان سب باتون کو تفصیل سے لکھا ہی، تاہم تعلیم عام نہ تھی، نوشیروان کے زمانے مین ایک نہایت دولتمند موچی

تہا، اس نے یہ درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیجائے نوشیروان نے نامنظور کی اور کہا کہ تجارت پیشہ یا اراذل پڑھکر نوکر ہونگے تو خاندانی آدمیون کے ہاتھ مین کیا رہ جائے گا،

هنر یابد از مرد موزه فروش سپارد بدو چشم بینا و گوش
به دست خردمند مرد نژاد نماند جز از حسرت و سرد باد

ن کو
کی تعلیم

لڑکیون کو عموماً موسیقی اور رقص کی تعلیم دی جاتی تھی، بہرام گور جو مشہور بادشاہ گذرا ہی اسکی عادت تھی کہ بھیس بدلکر دیہات اور قصبات مین نکلجاتا اور زمینداروں اور کاشتکارون کے گھر مہمان ہوتا، ان موقعون کا فردوسی جہان ذکر کرتا ہے یہ واقعہ بھی ہمیشہ لکھتا ہو کہ صاحب خانہ، اپنی کنواری لڑکیون کو بلواتا تہا اور وہ اگر مہمان کے آگے گاتی اور ناچتی تھین، گیت، یا غزل کو چامہ کہتے تھے اور انمین پہلے مہمان کا نام لیتے تھے

تجہیز و تکفین کے یہ مراسم تھے کہ لاش کو آلائش سے صاف کر کے مشک اور کافور بھرتے تھے تابوت مین تاج شاہی، گلاب کے شیشے، اور زعفران و کافور رکہتے تھے،

بچہ جب پیدا ہوتا تھا تو باپ اُس کے کان مین آہستہ سے کسی کا نام لیتا تھا، پھر نام ایک اور پکار کر کہتا ہے،

بگوشش یکے نام، گفتے پدر، نہانی دگر آشکارا دگر
نہانی بگفتش بگوشش اندرون ہمی خواندی آشکارا برون

عبادت کا خاص لباس تھا، ۶

بہ پوشید نوجامۂ بندگی

آگ کی پرستش جب کرتے تھے تو سفید کپڑے پہنتے تھے، کیخسرو کے حال مین
یہ تصریح مذکور ہے،

عورتون کی طرح مرد بھی زیور یعنی کانون مین آویزے، گلے مین طوق، ہاتھون مین
کنگن پہنتے تھے، شاہنامہ مین اکثر اسکا ذکر آتا ہی،

پردہ کا رواج

عورتون مین پردہ کا عام رواج تھا، عورتون کا جہان ذکر ہے ان کو "پوشیدہ رو"
سے تعبیر کیا ہے،

فن جنگ

ایک تاریخی رزمیہ نظم سے جسمین سرتاپا لڑائیون ہی کا تذکرہ ہو ہم کو یہ اُمید ہوسکتی
تی کہ اُس سے اُس زمانہ کا فن جنگ معلوم ہو گا یعنی یہ کہ صف بندی کے کیا اُصول تھے،
فوج کے حصّون کی کیا ترتیب تھی، حملہ کا کیا قاعدہ تھا، سپہ سالار کسطرح فوج کو لڑاتا تھا،
خیمون کا کیا انتظام تھا، کمسریٹ اور سفر مینا کا کیا طریقہ تھا، لیکن جب ہم ایشیا کی بڑی بڑی
تاریخین اس تفصیل سے خالی پاتے ہین تو ایک نظم کی نسبت جس مین شاعر کو شاعری
کا فرض بھی ادا کرنا ہے، اس قسم کی شکایت کا کیا موقع ہی؟ تاہم فردوسی نے ان باتون
کی جسقدر تفصیل لکھدی ہے اور کہین نہین ملسکتی چنانچہ ہم بعض امور کی تفصیل لکھتے ہین،

فوج کو اکثر ایسے موقع پر قائم کرتے تھے کہ دائین بائین طرف پہاڑ یا نہر
ہوتی تھی صرف سامنا کھلا ہوتا تھا،

سپہ را سوے میمنہ کوہ بود　　ز جنگ دلیران بے اندوہ بود

سوے میسرہ، رود آب روان چنان در خور آمد کزو تن روان

فوج اسطرح جماتے تھے کہ سب سے پہلے پیدل فوجین جنکے ہاتھون مین برچھے ہوتے تھے، انکے پیچھے رسالے، رسالہ کے پیچھے ہاتھیون کی صفین،

پیادہ کہ بد در خور کارزار بفرمود تا پیش روے سوار

صفے بر کشیدند نیزہ وران سپردار، با باد پایان سران

پس پشت ایشان، سواران جنگ کز آتش بہ خنجر ببردند زنگ

پس پشت شان، ژندہ پیلان چو کوہ زمین از پے پیل گشتہ ستوہ

طلایہ یعنی حفاظتی فوج الگ ہوتی تھی جسکا کام ہر طرح کی دیکھ بھال رکھنا تھا کہ دشمن دفعتہً کسی اور طرف سے نہ آجائے، فوج کے گرد خندق کھود دیتے تھے اور اس کو پانی سے بھرتے تھے،

بگرد سپہ بر یکے کندہ کرد طلایہ بہ ہر سو پراگندہ کرد

میدان مین لوہے کے گوکھرو بچھاتے تھے کہ دشمن قدم نہ بڑھانے پائے۔

خسک بر پراگندہ بر گرد دشت کہ دشمن نیارد بران جا گذشت

پہاڑ کی پشت پر سوارون کی فوج ہوتی تھی کہ دشمن ادھر سے آنے نہ پائے،

ہمیدون فرستاد بر سوے کوہ درفشے وسی صد ز گردان گروہ

نہر کی حفاظت پر، دستے متعین ہوتے تھے،

درفشے فرستاد وسی صد سوار نگہبان لشکر سوے رود بار

کسی اونچے مقام پر دیدہ بان متعین ہوتا تھا کہ مخالف فوجونکی آمد اور نقل وحرکت
کی خبر دیتا رہے، اسکو رات دن جاگتے رہنا پڑتا تھا،

یکے دیدہ بان بر سر کوہ سر | برآمد برآورد، از انبوہ سر
شب وروز گردن برافراختہ | ازان دیدہ گہہ دیدہ برتاختہ
بجستے ہمی راہ توران سپاہ | پے مور را اگر بدیدی براہ

جب دو حریف لڑتے تھے تو دونون کے ساتھ ایک ایک ترجمان ہوتا تھا جو لڑائی
کی ایک ایک ادا کو دیکھتا تھا، اور آکر بادشاہ کو مفصل رپورٹ سناتا تھا، یہ قاعدہ تھا کہ ان
ترجمانون کو کوئی گزند نہین پہونچا سکتا تھا جسطرح آجکل اخبارونکے نامہ نگار جو فوج کے ساتھ
رہتے ہین ان کو کوئی شخص ضرر نہین پہونچا سکتا،

نہادند پیمان کہ با ترجمان | نباشند بر خیرگی بدگمان
بدان تا بد و نیک با شہریار | بگوید ازین گردش روزگار
کہ کردار چون بود پیکار چون | بہ رزم اندرون کار و کردار چون

مترجم مختلف زبانون کے جاننے والے ترجمان کے کام پر مقرر تھے کہ دونون طرف
کے پیغام کا ترجمہ کرکے سنائین،

یکے ترجمان را ز لشکر بجست | کہ گفتار ترکان بداند درست

ڈاک کا یہ انتظام تھا کہ ہر منزل پر گھوڑے طیار رہتے تھے، جو خبر جب پہنچانی
ہوتی تو سوار لیکر جاتے تھے اور ہر منزل مین گھوڑے بدلتے جاتے تھے،

زلشکر زخویشان دوتن را بخواند — سبک شان براسپ تگاور نشاند
برون شد ز پردہ سرائے پدر — بہر منزلے برہیونے دگر

فوج مین طبیب وجرّاح ساتھ ہوتے تھے، طبیب اورجراح

پراگندہ از لشکرت خستگان — زخویش وزپیوند وپیوستگان
بمان تا شوند، از پزشکان درست — زمان جستن، اکنون بدین کارتست

دو حریف جب لڑتے لڑتے تھک جاتے تھے تو گھوڑے سے اُتر کر دم لیتے تھے اور ترجمان گھوڑے تھامے رہتے تھے،

پس از اسپ ہر دو فرود آمدند — زپیکار یکبارہ دم بر زدند
گرفتہ بدست اسپ شان ترجمان — دو جنگی بکردار شیر ژیان

کبھی کبھی آپس کی رضامندی سے جاکر پانی پی آتے تھے،

دزان جا بدستوری یکدگر — برفتند پویان سوے آبخور

مفید معلومات: ۱۔ شاہنامہ کی ہر داستان ایک دلچسپ افسانہ (ناول) ہے افسانہ نگار جب کوئی واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو صرف واقعہ بیان کرنا اسکا مقصود نہین ہوتا، بلکہ وہ بہت سے مفید اور دلچسپ معلومات کو اس کے ذریعہ سے روشناس کرنا چاہتا ہے وہ بہت سے ادبی اخلاقی، علمی، تاریخی، معاشرتی، تمدنی، معلومات کا ذخیرہ سامنے رکھ لیتا ہے، اور موقع بموقع انکو عام واقعات مین اسطرح کھپاتا جاتا ہے کہ کسی شخص کو یہ خیال نہین ہوسکتا کہ عمداً علمی مسائل بیان کئے گئے ہین بلکہ وہ ان کو ایسے دلچسپ طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ یہ بھی

نہین معلوم ہوتا کہ علمی مسائل ہین شاہنامہ کی ہر داستان کا یہی انداز ہی، اور ہر داستان بجائے خود ایک علمی ناول ہی ہم صرف ایک مثال نمونہ کے طور پر لکھتے ہین، شاہ نامہ مین زال (رستم کے باپ) کی شادی کی داستان ہے، یہ ایک معمولی واقعہ تہالیکن فردوسی نے اس کے ضمن مین ایران کے تمدن، تہذیب۔ معاشرت۔ اخلاق۔ تعلیم۔ فنون جنگ، سیاست، آداب سلطنت، عشقیہ جذبات، پدرانہ محبت، فرزندانہ ناز، مستورات کی حالت اور اس قسم کی بہت سی مفید اور دلچسپ باتونکو ادا کر دیا ہے اور اسطرح ادا کیا ہو کہ بظاہر یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس نے ان واقعات کو قصداً ذکر کیا ہی، یہ واقعات گو باہم اجنبی ہین، لیکن اسطرح حُسن ترتیب سے ادا کیے گئے ہین کہ ایک واقعہ دوسرے واقعہ سے پیدا ہو گیا ہی،

شادی کی بنیاد عشق و محبّت پر رکھی ہے، اور گویا اس مسئلہ پر توجہ دلائی ہو کہ طرفین کی لپسندیدگی کے بغیر ایک ایسے تعلق کا قائم ہوجانا جو تا حیات باقی رہے گا، پسندیدہ نہین

رودابہ جب زال پر عاشق نادیدہ ہوگئی اور اس نے اپنی خواصون سے اسکا اظہار کیا ہو تو ان سبھون نے سخت مخالفت کی کہ زال کے بال سفید ہین، رودابہ نے کہا جیسا کچھ ہی ہین اُسی پر مرتی ہون، وہی میرے درد کی دوا ہے،

دل من چو شد بر ستارہ تباہ	چگونہ توان شاد بودن بماہ
جب مین ستارہ پر مرتی ہون	تو مجھکو چاند سے تسلّی نہین ہوسکتی
کرا سر کہ دارد بود بر جگر	شود زانگبین درد او بیشتر
جسکی دوا سرکہ ہے	شہد اسکو اور ضرر کرے گا

بااین ہمہ اس بات کو پیش نظر رکھا کہ پسندیدگی کا معیار حسن صورت کے بجائے حسن سیرت ہونا چاہیے اس لیے رودابہ کی زبان سے کہتا ہے،

بروبر مہر بانم نہ بر روے وموے — بسوے ہنر گشتمش مہر جوے

مین اسیر مرنی ہون نہ اسکے خال و خط پر — مجھکو اسکے ہنر سے محبت ہے

شاہنامہ مین ہر جگہ عورتون کے رتبہ کا معیار نہایت بلند قائم کیا ہی اس لئے یہان بھی رودابہ کی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ خواصون نے رودابہ کا میلان طبع دیکھا تو اسکی ہم زبان ہوگئین،

باآواز گفتند ما بندہ ایم — بدل مہربان و پرستندہ ایم

پکار کر بولین کہ ہم آپکی لونڈیان ہین — اور دل سے خدمت گذار ہین،

یہان کنیزون اور پیش خدمتون کی وفاداری اور جان نثاری کا کیرکٹر دکھایا ہی چنانچہ انکی زبان سے کہتا ہی،

اگر جادوے باید آموختن — بہ بند و فسون چشم ہا دوختن

بپریم تا مرغ جادو شویم — بپوییم و در چارہ آہو شویم

یعنی اگر اس کام مین جادوگری کی ضرورت ہی تو ہم مرغ بنکر اڑین گے، اور ہرن بنکر دوڑین گے،

یہ کہکر پانچ کنیزین چوٹی مین پھول رکھکر گھر سے نکلین زال ایک جھیل کے کنارے خیمہ ڈالے پڑا تھا، یہ اس پار پھول چننے لگین، زال نے انکو دیکھا تو غلام سے کہا کہ کمان لا

چشمہ مین مرغابیان تھین، غلام سے کہا کہ انکو آواز دیکر اُڑا دے، اُڑین تو تیر مارا اور زخم کھا کر گرین، زال نے غلام کو انکے پکڑنے کے لئے بھیجا، یہین کنیزین پھول چن رہی تھین، اس ضمن مین زال کی قدر اندازی، شکار کا طریقہ کہ پرند کو اڑا کر مارتے ہین، کنیزونکو اپنا جوہر دکھا کر فریفتہ کرنا، اِن باتونکو ادا کیا ہی، غلام کنیزونکے پاس آیا تو کنیزون نے پوچھا "یہ کون جوان ہے؟ ایسا تیر انداز ہم نے نہین دیکھا"، غلام نے نام و نشان بتایا اور کہا کہ آج زمانے مین اسکا ہمسر نہین، کنیزون نے کہا "یہ نہ کہو ہماری ملکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے" بالآخر دونون فریق نے تسلیم کیا کہ اس سے بہتر جوڑ نہین ہوسکتا، غلام نے واپس آکر زال سے تمام ماجرا کہا، سلام و پیام کے بعد زال خود کنیزونکے پاس آیا اور رودابہ تک رسائی کی تدبیر پوچھی، اور یہ ٹھہری کہ زال کمند کے سہارے بالاخانہ پر جائے چونکہ زال کا جو کچھ جوہر ہی سپہگری ہے اسلئے ہر موقع پر فردوسی نے اس کا لحاظ رکھا ہی، زال کنیزونکو پیامفتون کرتا ہے تو شکار انگلی سے کرتا ہی، کوٹھے پر چڑھتا ہی تو کمند کے سہارے سے چڑھتا ہے، کنیزون نے آکر رودابہ سے زال کی مدّاحیان کین اسکے ساتھ اسکی رعنائی و خوبروئی کی بھی تعریف کی، رودابہ نے معشوقانہ شوخی سے کہا،

همان زال کو مرغ پرورده بود　　　　چنان پیر سر بود و پژمرده بود

برُخ شد کنون چون گل ارغوان　　　　سهی قد و زیبا رخ و پهلوان

یعنی وہی زال جو سفید مو اور بدشکل تھا اب گلرخ اور سرو قد بنگیا، غرض زال رودابہ کے محل کے پاس آکر بالاخانہ کے نیچے ٹھہرا رودابہ بالاخانہ پر آئی، طالب مطلوب

کی پہلے پہل کی ملاقات، ہم صحبتی، ہم سخنی، راز و نیاز، عشقیہ شاعری کے عمدہ ترین موقع ہین، فردوسی اگرچہ بالطبع متین اور خشک مزاج ہی کتاب کا موضوع بھی اس کوچہ سے الگ ہی تاہم موقع پڑا تو شاعرانہ کمال کی وجہ سے اُس نے اس داستان کو نہایت رنگینی اور دلآویزی سے ادا کیا،

زال کو دیکھکر رودابہ نے اپنی چوٹی لٹکا دی کہ اسکے سہارے سے چڑھ آؤ،

بگیر این سر گیسو از یک سویم ز بہر تو باید ہمی گیسویم
میری چوٹی کا ایک سر پکڑلو یہ گیسو اسی کام کے ہین،
بدان پروراندیدم این تار را کہ تا دستگیری کند یار را
اسی غرض سے مین نے یہ تار پالے تھے کہ دوست کی دستگیری کیلئے کام آئین

زال نے چوٹی کو چوما اور اس ذوق سے چوما کہ چومنے کی آواز رودابہ تک پہنچی ع

کہ بشنید آواز بوسش عروس

کمند ڈالکر بالاخانہ پر اُترا رودابہ بڑھکر تسلیم کو جھکی اور ہاتھ مین ہاتھ ڈالکر ایوان زرنگار مین لائی،

گرفت آن زمان دستِ دستان بدست برفتند ہر دو بکردار مست

باایں ہمہ رودابہ نے شرم وحیا کا لحاظ قائم رکھا، وہ دل کی تڑپ سے بیقرار تھی، تاہم آنکھ بھر کر اُنہین دیکھ سکتی تھی، ع

بہ دزدیدہ دیدہ درو مے ہمی بنگرید

وز دیدہ نگاہی سے زال کو دیکھتی تھی

ہم آغوشی، بوس و کنار، سب کچھ ہوا لیکن فردوسی شہادت دیتا ہی اور ہمکو اسکی شہادت پر اعتبار ہی کہ یہی اخیر سرحد تھی،

ہمی بود بوس و کنار و نبید | مگر شیر کو گور را نشکرید
بوس و کنار اور شراب خواری رہی | لیکن شیر نے گورخر کو پھاڑا نہین،

دونون نے وفاداری کا عہد باندھا رودابہ نے ان مؤثر لفظون مین اس مضمون کو ادا کیا،

جہان آفرین بر زبانم گواہ | کہ بر من نباشد کسے پادشاہ
خدا میرا گواہ ہے کہ | مجھپر تیرے سوا کوئی حکمران نہین ہوسکتا

اب صبح ہونے کو آئی، دونون نے مشرق کی طرف دیکھکر کہا کہ اے آفتاب! آج اتنا جلد نہین آنا چاہیے تہا ؏

نبایست آمد چنین در ستیز

زال نے دربار کیا اور حاضرین کے سامنے ایک لکچر[1] دیا۔ پہلے خدا کی تعریف کی کہ اس نے دنیا پیدا کی، مختلف موسم پیدا کئے اور ہر چیز کے جوڑے بنائے،

ہر آنچہ آفریدہ[2] است جفت آفرید | کشادہ، زراز نہفتہ آفرید

[1] اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اہم معاملات مین سلاطین اور امرا دربار مین اسپیچ دیتے تھے، [2] یہ شادی اور نکاح کا فلسفہ ہی یعنی نکاح ایک قانون قدرت ہی جو تمام کائنات مین جاری ہی، آج جو مسئلہ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ ہر چیز مین نر و مادہ ہے، اور دونون کے امتزاج سے انواع وجود مین آتے ہیں، اگرچہ پھول اس قسم کے ہین کہ ایک ہی پھول

پھر نکاح کی ضرورت بیان کی کہ اسکے بغیر انسان کا نام زندہ نہین رہ سکتا،

بگیتی بماند ز فرزند نام ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ این پور زال است و آن پور سام

تمہید اور نکاح کا فلسفہ بیان کرتے کرتے "دفعتہً" کہتا ہی اور یہ کسقدر عمدہ گریز ہی،

کنون این ہمہ داستان من ست

یعنی یہ جو کچھ مین کہہ گیا میرا ہی قصہ ہے

رودابہ کا خاندان ضحاک سے تعلق رکھتا تھا جس سے کیانیون کو خاندانی عداوت تھی جب یہ خبر منوچہر کو پہنچی تو اس نے سام کو لکھ بھیجا کہ کابل پر حملہ کرے اور اس خاندان کو برباد کر دے سام ایک بڑی فوج لیکر کابل کیطرف بڑھا زال کو یہ خبر ہوئی تو باپ کی خدمت مین حاضر ہوا، دربار کے قاعدہ کے موافق پہلے زمین چومی،

زمین بوسی کے بعد سام کی مدح وثنا کی، پھر کہا کہ تمام دنیا آپکے عدل و انصاف سے بہرہ ور ہے صرف مین محروم ہون،

زال نے اس مؤثر طریقے سے اپنی مظلومی بیان کی کہ سام نے سر جھکا لیا زال نے کہا:

"مین ایک بد قسمت مرغ پروردہ ہون جب مین پیدا ہوا تو آپنے مجھکو پہاڑ پر لیجا کر پھینکدیا، مجھکو نہ گہوارہ نصیب ہوا نہ ماں کا دودھ، اسکے سوا میرا کوئی جرم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱) مین ذکر ہی اور انا ثی دونون مادے ہوتے ہین اور دونون کا امتزاج ہوتا ہے یہی مسئلہ ہے جسکی نسبت فردوسی نے استعارہ بلکہ تصریح کی ہے، ع

ہر آنچہ آفریدہ است جفت آفرید

نہ تھا کہ میں سام کا فرزند ہوں، آپ خدا سے لڑتے تھے کہ اُس نے کیوں مجھکو آپ کے یہاں پیدا کیا۔ خیر میں کسی طرح پلکر بڑا ہوا، ہر قسم کے ہنر سیکھے، قابلیت پیدا کی، زور، قوت، تاج نگین حاصل کیا، تو اب آپ اس ارادہ سے آئے ہیں کر میری مطلوبہ کا گھر برباد کریں، یہ میرا سر حاضر ہے تلوار سے اُڑا دیجئے لیکن کابل کا کیا قصور ہے؟ اس کو کیوں آپ برباد کرنے آئے ہیں"

زمادر بزادم بسیند آنختی ‌‌‌ ‌ بکوہ اندرون جا نگہ ساختی

نہ گہوارہ دیدم نہ پستان شیر ‌ ‌ نہ از ہیچ خویشی، مرا بود وِیر

ترا با جہان آفرین بود جنگ ‌ ‌ کہ از چہ سپید و سیاہ است رنگ

زمانہ مرا داد ہدیہ این ساختی ‌ ‌ ہم از کرکساران بدین تاختی

کہ ویران کنی کاخ آبادِ من ‌ ‌ چنان داد خواہی ہمی دادِ من

من اینک بہ پیش تو استادہ ام ‌ ‌ تن زندہ، خشم ترا دادہ ام

بہ ارّہ میانم بدو نیم کن ‌ ‌ ز کابل مپیما بے با ما سخن

سام کی فوجیں کابل کے قریب آگئیں تو مہراب سخت پریشان ہوا اور اپنی بیوی سیندخت کو بلا کہا کہ میں سام کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ تجھکو اور رودابہ دونوں کو قتل کر دوں کہ جھگڑا مٹ جائے سیندخت نے کہا میں خود

---

۱ جذبات کا اظہار اور بیکسی اور مظلومی کی تصویر اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے، اسکے ساتھ باپکے آداب اور اطاعت کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے،

۲ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ فرزند نکا جتا دُعوا [illegible] نے ساتھ ہے پھر بھی حمایت نہ [illegible]

سام کے پاس جاتی ہون اور اسکا بندوبست کرتی ہون[1]، یہ کہکر اس نے پیش کش کا سامان کیا، جسکی تفصیل یہ ہی، لاکھ اشرفیان۔ دس گھوڑے، ساٹھ زرین کمر غلام جنمین سے ایک ایک کے ہاتھ مین زرّین جام اور ہر جام مین مشک و یاقوت اور جواہرات تھے ایک جام مین شراب اور ایک مین شکر تھی، چالیس کمخواب کے تھان جنپر موتی ٹکے ہوئے تھے، دو سو ہندی تلوارین، اونٹنیان جنکے بال سُرخ تھے سو بارکش اونٹ، ایک گوہر نگار تاج، ایک تخت زرین، طوق۔ کنگن، اور آویزے[2]۔

سین دخت گھوڑے پر سوار سام کے محل کے پاس پہنچی اور دربانون سے کہا میرے آنے کی اطلاع کرو، سام نے دربار مین بلایا سین دخت پہلے آداب بجا لائی، پھر نذر اسنے پیش کئے اور مدحیہ جملون کے بعد کہا کہ "مجرم اگر ہے تو مہراب ہی، شہر اور اہل شہر نے کیا قصور کیا ہے؟ آپ کابل کے برباد کرنے کو آئے مین، ہمارا اور آپ کا خدا ایک ہی

[1] فردوسی نے ہر جگہ عورتون کی قابلیت اور لیاقت ثابت کی ہی، اس لئے یہان بھی اس مشکل کو عورت ہی حل کرتی ہو فردوسی کو واقعہ پر قناعت نہین اسلئے صاف صاف کہتا ہی۔

یکے چارہ آورد از دل بجاے	کہ از ژرف بین بُد، بہ تدبیر را ے
اس نے ایک تدبیر نکالی کیونکہ	وہ عقل مین شوہر سے بڑھکر تھی،

اس ضمن مین یہ بھی دکھایا ہو کہ عورتین ہر قسم کے مہمات مین شریک ہوتی تھین اور نامہ و سلام انکے لئے معیوب نہ تہا، [2] پیش کش کی تفصیل مین متعدد نکتے پیش نظر رکھے ہین، اس زمانے کی رسم و رواج کا اظہار، غلامی کا رواج تہا، سلاطین اور امرا زیور پہنتے تھے چنانچہ ان تحفون مین طوق، کنگن اور آویزے ہین، سواری کے لیے سرخ بال اونٹنیان پسند کی جاتی تھین اس لئے بالتصریح کہا ہے، ع دو اشتر ہمہ مادہ و سرخ موے

شراب اور شکر شگون نیک کا کام دیتے تھے۔

ہم بت کو پوجتے ہین لیکن اس کو خدا نہین سمجھتے، بلکہ وہ قبلۂ عبادت ہی جسطرح آپ آگ کو قبلہ سمجھتے ہین،

گذشتہ از قبلۂ مابت[1] است ؎ چہ در چین و کابل چہ در ہندوبست

رودابہ نے اس خوبی سے مطالب بیان کئے کہ سام بھی نہایت متاثر ہوا اور اسکی سب باتین قبول کین،

سام نے زال کو عرضی کے ساتھ منوچہر کے پاس بھیجا، عرضی مین پہلے اپنے حقوق بیان کئے پھر یہ ظاہر کیا کہ اب مین بڑہاپے سے معذور ہوتا جاتا ہون اس لئے میری خدمات زال انجام دے گا، اخیر مین یہ ذکر تھا کہ زال کو رودابہ سے محبت ہوگئی ہی اور چونکہ وہ پہاڑ پر پلا اسلئے ایک ماہ رو پر اسکا فریفتہ ہو جانا محل تعجب نہین، حضور اس پیوند کی اجازت دین"

زال منوچہر کے دربار مین آیا، تخت کے پاس آکر زمین چومی، دیر تک سربسجدہ رہا، منوچہر نے حکم دیا کہ اسکے چہرہ کی گرد صاف کر کے مشک چہڑ[2] کی جائے، دوسرے دن منوچہر نے عام دربار کیا، منجمون سے رائے لی پھر موبدون کو حکم دیا کہ زال کا امتحان لین، موبدون نے بہت سے علمی سوالات[3] کئے، زال نے سب کے معقول جواب دئے، تیسرے دن زال کی

---

[1] فردوسی نے اس تقریب سے بت پرستی کی حقیقت اور مذہبی تعصب کی برائی بیان کی،
[2] سلاطین ایران جس سے خوش ہوتے تھے، اُسکی داڑہی پر مشک چہڑکواتے تھے، [3] اس ضمن مین فردوسی کو یہ دکہانا تھا کہ تعلیم اُس زمانہ مین اسقدر عام تھی کہ فوجی خاندان، اور امرا بھی ہر قسم کے علمی مسائل کی تعلیم پاتے تھے۔

سپہگری کا امتحان لیا، اور زال کی آرزو پوری کی،

زال کابل مین آیا اور دھوم دھام سے شادی ہوگئی

اس داستان کے ضمن مین فردوسی نے فلسفیانہ مسائل، مذہبی اصول، اس زمانہ کا تمدن، معاشرت، رسم ورواج وغیرہ وغیرہ بہت سے مختلف اور گوناگون معلومات ادا کر دیئے

کیرکٹر۔ شاہنامہ مین سیکڑون ہزارون مختلف اشخاص کا ذکر آیا ہے جنمین عرب، عجم، ترک، حبشی، ہندی، شاہ، گدا، امیر، غریب، آقا، غلام، عالم، جاہل، شریف، رذیل، تاجر، پیشہ ور زاہد، رند، بوڑھے، جوان، بچے غرض ہر جنس اور ہر قسم کے لوگ داخل ہین، انمین سے جس کا جہان ذکر آیا ہے اسکا امتیازی وصف صاف الگ نظر آتا ہے ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(۱) جب رستم بیژن کے چھڑانے کے واسطے توران گیا ہے تو اس غرض سے کہ لوگون کو اسکے نام ونشان کا پتہ نہ لگ جائے سوداگر بنکر گیا ہے، بہت سامان اسباب ساتھ لیا ہے توران پہونچکر دکان کھولی اور تجارت کا سامان ہر طرف پھیلا دیے بہت جلد اس کا شہرہ پھیل گیا، دور دور سے لوگ اسکی دکان اور سامان دیکھنے کے لئے آئے منیژہ[له] یہ خبر سنکر کہ ایران سے سوداگر آیا ہے دوڑی آئی، اور رستم سے کہا کہ "ایران مین کسی کو بیژن کی بھی خبر ہے؟ وہ غریب کنوئین مین مرا جاتا ہے" رستم نے اس خیال سے کہ کہین پردہ فاش نہو جائے منیژہ کو زور سے ڈانٹا کہ "مین بیژن ویژن نہین جانتا، بیفائدہ کیون میرا سر پھراتی ہے"

[له] افراسیاب کی بیٹی جو بیژن پر عاشق ہوگئی تھی اور جسکی بدولت بیژن کنوئین مین قید کیا گیا،

بد و گفت کز پیش من دور شو　　نہ خسرو شناسم نہ سالار نو

رستم نے اس سے کہا چل ہٹ　　مین نہ خسرو کو جانتا ہون اور نہ کسی کو

نہ دارم ز گودرز گیو آگہی،　　کہ مغزم ز گفتار کردی تہی

مجھکو گودرز گیو کی خبر نہین،　　تو نے میرا سر بک بک سے خالی کر دیا

منیژہ صدمہ سے بیتاب ہوگئی اور رو کر بولی کہ "کیا ایران مین یہی دستور ہے کہ لوگ غریبونکی بات نہین سنتے"

چنین باشد آئین ایران مگر　　کہ درویش را کس نگوید خبر

رستم کا دل درد سے بھر آیا اور نرمی سے کہا کہ واقعی مجھکو گیو وغیرہ کی کچھ خبر نہین، باقی مجھکو غصہ جو آیا تو اس وجہ سے کہ تو نے آکر میرے کاروبار مین ہرج ڈالدیا۔

بدین تندی از من میازار بیش　　کہ دل بستہ بُدم ببازار خویش

اس غصہ پر تو مجھسے ناراض نہ ہو　　میرا دل دکان مین لگا ہوا تھا۔

ہمی در نوشتی تو بازار من　　ازین روی بُد با تو پیکار من،

تو نے میرا کاروبار برہم کر دیا　　اس لئے مین تجھ پر جھلا اُٹھا

یہ خاص دُکاندارون کا کیرکٹر ہے، دوکاندار کسی چیز سے اسقدر برہم نہین ہوسکتا، جتنا خرید و فروخت مین ہرج ڈالنے سے ہوسکتا ہی چونکہ رستم سوداگری کے لباس مین ہی، اسلئے فردوسی نے سوداگرونکا خاص کیرکٹر دکھایا ہی، اسی قسم کا موقع اسفندیار کو پیش آیا ہے وہ بھی اپنی بہنون کو چھڑانے کے لئے سوداگر بنکر گیا ہے اسکی بہنونکو جب یہ خبر ہوئی

کہ اُنکے وطن سے ایک تاجر آیا ہے تو دوڑی ہوئی آئین اور پوچھا کہ آپ اسفندیار کو بھی جانتے ہین؟ اسفندیار نے کہا مجھکو بادشاہون اور شاہزادون کی کیا خبر، مین اپنے پیٹ کے دھندے مین رہتا ہون،،

نہ بینید کایدنسرو تفندہ ام | زہر خورِ خویشس کوشندہ ام

(۲) فریدون نے اپنے بیٹون کی شادی شاہ یمن کے خاندان مین کرنی چاہی ہی اور اس غرض کے لئے سفارت بھیجی ہی، شاہ یمن کو تردد ہوا کہ اگر انکار کرتا ہون تو فریدون ناراض ہوتا ہی اور اقرار کرتا ہون تو خاندان کو بٹہ لگتا ہی (عرب کسی اور قوم کو اپنا کفو نہین سمجھتے تھے) غرض اُس نے درباریون سے مشورہ کیا اور یہ جتا دیا کہ فریدون بڑے زور و اقتدار کا بادشاہ ہے اسکا مقابلہ کچھ آسان بات نہین، درباریون نے جواب دیا۔

کہ ما ہمگنان این نہ بینیم رائے | کہ ہر باد را تو بہ جنبی زجائے

اگر شد فریدون چنین شہریار | نہ ما بندگانیم باگوشوار

یعنی "ہم لوگون کی یہ رائے نہین کہ جدہر کی ہوا بدلے آپ اُدھر جھک جائین فریدون بادشاہ ہی تو ہو، ہم بھی حلقہ بگوش غلام نہین ہین،،

سخن گفتن درنجش آئین ماست | عنان وسنان باختن دین ماست

زبان آوری اور تندمزاجی ہمارا شیوہ ہے | شہسواری اور نیزہ بازی ہمارا مذہب ہی

عرب کے ہر قسم کے اوصاف اخلاق اور عادات کا سرچشمہ دو چیزین ہین فصاحت و بلاغت اور حمیت و غیرت، ان دونون وصف کو فردوسی نے سخن گفتن اور رنجش سے تعبیر

کیا ہے، یہ دو لفظ عرب کے کیرکٹر کی پوری تصویر ہین۔

(۳۱) رستم نے جب منیژہ کو اپنی انگوٹھی دیکر بیژن کے پاس بھیجا تو بیژن پہچان گیا اور بیساختہ ہنس پڑا منیژہ چونکہ رستم سے واقف نہ تھی اسکو حیرت ہوئی کہ اس مصیبت مین خوشی کا کیا موقع ہی، بیژن نے کہا کہ اگر تم اقرار کرو کہ راز افشانہ کرو گی تو مین بتاؤن۔

یاد رکھنا چاہیے کہ منیژہ اسدرجہ وفادار ہی کہ اُسنے بیژن کے لئے شاہانہ عیش و آرام اور گھر بار چھوڑا، بیژن اسکی وفاداری سے واقف، اور اسکا معترف ہی، یہ سب کچھ ہے تاہم رازداری عورت کا کیرکٹر نہین اسلئے بیژن رکتا ہی، قسم لیتا ہے اور پھر کہتا ہے۔

اگر لب بدوزی ز بہر گزند　　زنان را زبان ہم نماند بہ بند

یعنی اگر عورت کے ہونٹھ سی دئے جائین تب بھی اسکی زبان بند نہین رہ سکتی بیژن کی اس بدگمانی کا منیژہ کو جو صدمہ ہونا چاہیے تھا ہوا، وہ چلّا اٹھی اور کہا۔

دریغا کہ شد روزگاران من　　دل خستہ و چشم گریان من

بدادم بہ بیژن دل و خانمان　　کنون گشت بر من چنین بدگمان

پدر گشتہ بیزار و خویشان ز من　　برہنہ دوان بر سر انجمن

ہمان گنج و دینار و تاج و گہر　　بتاراج دادم ہمہ سر بسر

بپوشد ہمی راز بر من چنین،　　تو آگہ تری اے جہان آفرین

یعنی "ہائے میری عمر غم مین روتے روتے کٹ گئی ہین بیژن کو اپنا دل اور گھر بار سب کچھ دے چکی، باپ ناراض ہے عزیز خفا ہین، ننگے سر باہر پڑی پھرتی ہون،

خزانے۔ روپے پیسے، سب لٹا چکی، اب بھی بیٹا مجھسے بھید چھپاتا ہے، اے خدا اسکا انصاف تیرے ہاتھ ہے"

(۳) بہرام گور ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے اس کے باپ نے معلوم نہین کن اسباب سے اُسکی پرورش عرب مین کرائی تھی جب وہ پیدا ہوا تو یمن سے مُنذر کو بلاکر کہا کہ یہ بچہ مین تمہارے حوالہ کرتا ہون، تم اسکی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرو منذر نے کہا۔

هنرهاے ما شاه داند همه — که او چون شبان ست و ما چون رمه

سواریم و گردیم و اسپ افگنیم — کسے را که دانا بود بشکنیم

ہم سوار ہین، پہلوان ہین۔ — اسپ افگن ہین، اور پڑھے لکھونکو تباہ کرتے ہین

اِس جہالت کو دیکھو کہ شہسواری اور پہلوانی کے ساتھ اس بات پر بھی فخر کرتا ہے کہ ہم لوگ پڑھے لکھے آدمی مار ڈالتے ہین، غرض منذر بہرام گور کو یمن لے گیا۔ اور اسکی پرورش شروع کی، بہرام جب سات برس کا ہوا تو اُس نے منذر سے کہا کہ اب میری تعلیم کا انتظام کیجیے، منذر نے کہا کہ ابھی پڑھنے کے دن نہین، اسکا زمانہ آئیگا تو مین خود انتظام کرونگا۔

چو هنگام فرهنگ باشد ترا — به دانائی آهنگ باشد ترا

به ایوان نمانم که بازی کنی — ببازی همی سرفرازی کنی

بہرام نے کہا۔

مرا بخردی هست اگر سال نیست

گو میری عمر زیادہ نہین لیکن عقل ہے

پھر تعلیم کی ضرورت بیان کی اور منذر سے کہا۔

ترا سال ہست و خرد کمتر ست | نہاد من ورائے تو دیگر ست
توسن رسیدہ ہے لیکن عقل کم ہے | میری اور تیری فطرت مین فرق ہے
نگہ کرد منذر بروخیرہ ماند | بزیر لبان نام یزدان بخواند
منذر اسکی طرف دیکھکر حیران رہ گیا | اور خدا کا نام لیا،

شاہ نامہ مین جن اشخاص کا ذکر آیا ہے انکا خاص خاص کیرکٹر ہے اور یہ کیرکٹر ہر جگہ محسوس ہوتا ہے مثلاً اشخاص ذیل کا کیرکٹر حسب ذیل ہے،

کیکاؤس | جاہ و عظمت و حوصلہ مندی کے ساتھ حماقت اور زود اشتعالی۔
کیخسرو۔ | علو ہمت، شجاعت، رحم، عدل و انصاف۔
رستم | بہادری اور تخت کی وفاداری،
سہراب | شجاعت کی بدمستی اور البیلاپن۔
اسفندیار | شجاعت کے ساتھ تخت حکومت کی سخت حرص۔
افراسیاب | جور و ظلم و شجاعت،
بیژن۔ | شجاعت اور دوستانہ وفاداری۔

اشخاص مذکورہ بالا کا جہان جہان ذکر آیا ہے یہ کیرکٹر کہین نہین بدلتے اور فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ وہی تصویر ہے جو پہلے نظر سے گذر چکی ہے مثلاً گشتاسپ نے جب

یہ چاہا کہ اپنے بیٹے اسفندیار کو کسی حیلے سے قتل کرا دے تو اس سے کہا کہ "مین تمکو تاج و تخت اس شرط پر دونگا کہ رستم کو گرفتار کر کے لاؤ"، اسفندیار سلطنت کا اس قدر حریص تھا کہ اس ناممکن اور نامناسب کام کے لئے آمادہ ہوگیا رستم زابل مین تھا وہان پہنچکر رستم سے یہ خواہش ظاہر کی، رستم وہ شخص تہا کہ کیقباد سے لیکر اس زمانہ تک، ایرانی سلطنت اسکی بدولت قائم رہی، وہ اس ذلت کو کیونکر قبول کر سکتا تھا، اس نے کہا کہ مین یون آپکے ساتھ چلتا ہون، وہان گشتاسپ کا جو حکم ہوگا بجالاؤن گا، اسفندیار نے نہ مانا، بالآخر لڑائی ہوئی، رستم زخمی ہوا اور رات ہو جانے کیوجہ سے لڑائی دوسرے دن پر اُٹھا رکھی گئی، رستم نے سیمرغ سے سے مدد طلب کی، اس نے ایک تیر دیا کہ یہ خطا نہ کرے گا، دوسرے دن رستم مقابلہ کو گیا، پہلے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ اس ارادہ سے باز آئے، اسفندیار نے نہ مانا، اب رستم مجبور ہوا، تیر کمان ہاتھ مین لی چلہ چڑہایا، رستم اگرچہ بالکل بے قصور تھا، اور اسفندیار چونکہ اس کو بے وجہ قتل کرنا چاہتا تہا اسلئے جان بچانا اسکا فرض تہا، تاہم چونکہ اسفندیار ولی عہد سلطنت تہا اور رستم اسی تخت کا نمکخوار تھا اس سلیے وفا شعاری کے احساس سے اسکا دل کانپتا ہی، باربار خوشامد کرتا ہے بالآخر اسفندیار کے بھائی پشوتن کو بلاتا ہی کہ گواہ رہنا مین بے قصور ہون، رستم کو نمکخواری کا پاس

بداند کہ از من نہ بُد جنگ و کین | نہ گردیدم از کیش و آئین و دین

سن لو لڑائی میری طرف سے نہ تہی، مین نے آدمیت اور مذہب سے منھ نہین موڑا

اسفندیار ہنستا ہی کہ یہ بہانہ ہے، تو لڑائی سے جی چراتا ہے،" غرض پشوتن آتا ہی

اور رستم اُس سے کہتا ہی۔

چنین گفت پس با پشوتن براز	کہ اے پاک دل، مرد گردن فراز
رُستم نے پشوتن سے کہا	کہ" اے نیک طینت اور معزز سردار
بسے لابہ کردم بہ اسفندیار	نیاید بر رشس لابہ گفتن بکار
مین نے اسفندیار کے آگے بہت	خوشامد کی، لیکن سب بیکار گئی۔
تو دانی و دیدی زمن بندگی	نہ پذرفت و سیر آمد از زندگی
تنے میری فرمان برداری دیکھی، لیکن	اس نے نہ مانا، اور وہ زندگی سے سیر ہو چکا ہی
اگر او شود کشتہ بر دست من	زمن باز گوئی بہ ہر انجمن
اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا جائے	تو سب لوگون سے کہنا
کہ رستم بسے لابہ دراز کرد	نہ بُد سود نزدیک آزاد مرد
کہ رستم نے بہت خوشامد اور عاجزی کی	لیکن کچھ کام نہ آئی

اسفندیار نے ڈپٹ کر کہا کہ بک بک سے کیا فائدہ؟ لڑتا ہی تو لڑ،

بدو بانگ برزد یل اسفندیار	کہ بسیار گفتن، نہ آید بکار

رستم کا دل اب بھی لرزتا ہی، وہ آسمان کی طرف رُخ کرتا ہے اور کہتا ہے

اے خدا!!

تو دانی کہ بیداد کوشد ہمی	بہ من جنگ و مردی فروشد ہمی
تو جانتا ہی کہ اسفندیار زیادتی کرتا ہی اور	مجھ سے زبردستی لڑتا، اور دون کی لیتا ہی

بہ بادا فرہ این گناہم مگیر	تو اے آفرینندۂ ماہ و تیر
اس گناہ مین مجھکو نہ پکڑنا۔	اے خدا کہ تو چاند اور عطارد کا خالق ہے

رستم کی کمان کھچ چکی ہے، لیکن تیر ہاتھ سے نہین چھوٹتا، یہانتک کہ اسفندیار رستم پر تیر چلاتا ہی جو اس کے سر پر آکر لگتا ہے اب رستم بالکل مجبور ہوجاتا ہے اور حفاظت خود اختیاری کا فرض بجالاتا ہی، اگر اور کوئی شاعر اس معرکہ کو لکھتا تو رستم کی عذرخواہی کا خیال بھی اسکے دل مین نہ آتا، لیکن **فردوسی** ہر جگہ یہ پیش نظر رکھتا ہی کہ اس نے رستم کا کیا کیرکٹر قائم کیا ہی؟ اور ہر جگہ اس کیرکٹر کا کیا اقتضا ہی؟ اسفندیار کے مقابلہ مین رستم کا ہاتھ اُٹھانا گو کتنی ہی مجبوری کیوجہ سے ہو، پھر بھی وفاشعاری کے خلاف ہے، اس لئے بار بار رُکتا ہے خوشامدین کرتا ہے، پشوتن کو گواہ بناتا ہے، اور بآخر کس لجاجت، مجبوری اور عاجزی سے خدا کو مخاطب کرتا ہی کہ "تو خوب جانتا ہے کہ اسفندیار ظلم پر آمادہ ہے، اے خالق زمین و آسمان اس جرم مین مجھکو نہ پکڑنا"

سہراب کا کیرکٹر، زور شجاعت، جوش شباب اور البیلاپن ہے، یہ باتین اسکی ایک ایک ادا سے نمایان ہین، پہلے معرکہ مین رستم کو جس شان سے وہ پچھاڑتا ہی اسپر نظر ڈالو،

بہ رستم درآویخت چون پیل مست	برآوردش از جاے و بنہاد پست
مست ہاتھی کیطرح رستم سے لپٹ گیا	اور اسکو زمین پر اُٹھاکر پٹک دیا
نشست از بر سینۂ پیل تن	پُر از خاک چنگال و روے و دہن

رستم کے سینے پر چڑھ بیٹھا   پنجے، چہرہ، منہ، خاک میں بھر گئے تھے

رستم نے جب دیکھا کہ قتل ہوا چاہتا ہی، تو سہراب سے کہا کہ ہمارے ملک کا یہ دستور نہیں، پہلی دفعہ حریف کو قتل نہیں کرتے، بلکہ چھوڑ دیتے ہیں، بھولا بھالا بدمست نوجوان، اس فریب میں آجاتا ہو اور چھوڑ دیتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اتنا بڑا امر کہ سر کرکے مجلس جماتا اور اپنے فخر کی داستان سناتا، لیکن بدمست بہادر کو احساس تک نہیں، رستم کے سینے سے اُٹھکر جنگل کو نکلجاتا ہے اور شکار کھیلنے لگتا ہی۔

ہمی کرد نخچیر و یادش نبود   ازان کس کہ با او نبرد آزمود

شکار کھیلنے لگا اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس سے لڑا تھا۔

یورپ کے اہل نظر کا اعتراض ہے کہ ایشیا کے شعرا مختلف اشخاص کی الگ الگ خصوصیات نہیں دکھا سکتے، مثلاً ایک بوڑھے اور جوان کی لڑائی کا حال لکھتے ہیں تو دونوں کی لڑائی کا ٹھاٹھ یکسان ہوتا ہے، بڑھاپے اور جوانی کی تمیز نہیں ہوسکتی، یہ اعتراض عام شعرا کی نسبت صحیح ہی لیکن فردوسی اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً سہراب نے جب کیکاؤس کے آگے جاکر ہم نبرد طلب کیا ہی تو کہتا ہے،

ازان پس خروشید سہراب گرد   ہمی شاہ کاؤس را بر شمرد

چرا کردہ نام کاؤس کے   چو در جنگ شیران نداری تو پے

جب کہین سے آواز نہین آئی تو جوش شجاعت سے کاؤس کے خیمہ پر حملہ کرتا ہے اور برچھے سے خیمہ کی میخین اُکھاڑ ڈالتا ہے۔

خم آور د پشت وسنان ستیغ بزد تند و برکند هفتاد میخ

رستم کو جس طرح اس نے پچھاڑا ہے اس کی ایک ایک ادا مین جوانی کی شان پائی جاتی ہے۔

بزد دست سہراب چون پیل مست چو شیر دمنده ز جا در بجست

یکی نعرہ برزد پُر از خشم و کین بزد رستم شیر را بر زمین

بہ کردار شیرے کہ بر گور نر زند دست و گور اندر آید بسر

جب فوج پر حملہ کیا ہے تو یہ حالت تھی۔

سر نیزہ پر خون دخفتان دو دست چو شیرے کہ گرد دز نخچیر مست

حکمت و موعظت

حکمت، موعظت، اور اخلاق کے تمام مہمات اصول، شاہنامہ مین مذکور ہین اور انکو اس خوبی اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے جانے نہین پایا ورنہ ناصر خسرو کی طرح فلسفیانہ مسائل خشک طریقے سے ادا کر دینا تو سب کر سکتے ہین (۱) انگریزی مثل ہے "نالج از پاور" یعنی "علم قوت ہے" یہ بظاہر صحیح نہین معلوم ہوتا، کیونکہ عام خیال مین قوت زور و زر، اور فوج و لشکر کا نام ہے، لیکن زیادہ غور و فکر اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت حقیقت مین عقل کا نام ہے دنیا مین سیکڑون قومین زور اور قوت مین تمام دنیا سے بڑھکر تھین، لیکن شائستہ قومون کی غلامی کرتی تھین آج تمام دنیا ایک طرف اور یورپ کے مٹھی بھر آدمی ایکطرف، لیکن کل دنیا انہی مٹھی بھر آدمیون کی غلامی کر رہی ہے، یہ وہی عقل کا زور ہے، اس نکتہ کو فردوسی نے

ان مختصر لفظوں مین ادا کیا ع

توانا بود ہر کہ دانا بود

جو شخص عقل رکھتا ہو وہ زور رکھتا ہو

(۲) شخصی اور جمہوری کامون مین بڑا فرق یہ ہو کہ شخصی کامون مین صرف ایک شخص پر مدار ہوتا ہو اگر وہ عاقل اور صاحب الرائے ہو تو سب کچھ ہو ورنہ پھر اصلاح کی کوئی صورت نہین بخلاف اس کے جمہوری کامون مین سیکڑون ہزارون عقلین شامل ہوتی ہین اور وہ کام گویا ان ہزارون عقلون کے مجموعی قوت کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہو۔ اس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ ایک ادنی سے ادنی آدمی کچھ عقل رکھتا ہو اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک معمولی آدمی کو جو بات سوجھ جاتی ہو بڑے بڑون کو نہین سوجھتی۔

شخصی کامون مین عام قوتون سے کچھ فائدہ نہین اٹھایا جاتا۔ بخلاف اسکے جمہوری کامون مین ایک بچہ کی عقل بھی رائگان نہین جاتی، ہر شخص اپنی رائے ظاہر کرسکتا ہو اسکی رائے سُنی جاسکتی ہے اور اسپر عمل کیا جاسکتا ہے

اس مسئلہ کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

شنیدم ز دانا کہ دانش بسے است　　دلیکن پراگندہ با ہر کسے است

یعنی مین نے عاقل سے سنا کہ دنیا مین عقل بہت ہے لیکن کسی ایک شخص کے پاس سب جمع نہین، بلکہ تھوڑی تھوڑی سب کے پاس ہے، اس لئے سب کو یکجا کرنا چاہئے۔

(۳) لوگ اس بات کے شاکی رہتے ہین کہ دنیا مین وفادار دوست نہین ملتے، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ دوست کا اچھا بُرا ہونا خود اپنے طرزِ عمل پر موقوف ہے، اگر ہم مین خلوص راستی اور درد ہے تو ہر شخص ہمارا مخلص اور ہمدرد ہے اور اگر ہم خود کج خلق اور بیدرد ہین تو اچھے سے اچھا آدمی بھی ہمارا دشمن ہو سکتا ہے، فردوسی شاعرانہ انداز مین اس نکتہ کو بیان کرتا ہے،

اگر یار خار است خود کشتۂ ‎ ‎ ‎ ‎ وگر پرنیان است خود رشتۂ

اگر دوست کانٹا ہے تو خود تمہارا بویا ہوا ہے ‎ ‎ ‎ ‎ اور اگر کمخواب ہے تو خود تمہارا اُنا ہوا ہے

(۴) سخاوت اور فیاضی کے متعلق اکثر لوگ غلطی کرتے ہین یعنی یا تو اسراف اور فضول خرچی کی حد تک پہونچ جاتے ہین یا بخیل بنجاتے ہین، فردوسی نے اسکے اصول بتائے

چنین گفت رستم خداوندرخش ‎ ‎ ‎ ‎ کہ گر نام خواہی درم را ببخش

رستم کا قول ہے ‎ ‎ ‎ ‎ کہ اگر نام چاہتے ہو تو سخاوت اختیار کرو

نہ چندان کہ بے چیز گردی زچیز ‎ ‎ ‎ ‎ جہان تنگ دارد دبے از چیز نیز

لیکن نہ اس قدر کہ نادار بنجاؤ ‎ ‎ ‎ ‎ دنیا کے لوگ مفلس سے عار رکھتے ہین

بنوشس و بپوشس و بخشس و بدہ ‎ ‎ ‎ ‎ برائے دگر روز چیزے بنہ

کھاؤ، پہنو، دو، دلاؤ، ‎ ‎ ‎ ‎ لیکن کل کے لئے بھی کچھ رکھ چھوڑ دو

(۵) جہانتک ممکن ہو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی سے مخالفت اور دشمنی نہ پیدا ہو اور تمام دنیا دوست بنجائے، یہ نہین خیال کرنا چاہئے کہ تھوڑے سے دوست کافی ہین فردوسی نے اس بات کو ایک تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیا ع

تو تا خاک یابی ہمہ دوست کار

تم کو جہان تک زمین ملے دوست بوتے جاؤ

(۶) تمام دنیامین مکافات کا اُصول جاری ہی یعنی ہم جو کچھ کرتے ہین وہی بعینہ ہمکو ایک دوسری صورت مین پیش آتا ہے، یہ بات بظاہر کلیتہً صحیح نہین معلوم ہوتی کیونکہ بعض اوقات ہم دیکھتے ہین کہ ایک آدمی ایک کام کرتا ہے اور اسکا بدلہ اُسکو اس دنیا مین نہین ملتا لیکن جب زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عموماً دنیامین ردّعمل کا اُصول قائم ہے، قول وعمل کا ہر ذرّہ اثر رکھتا ہے۔ ہر آواز ہوا مین ایک تموج پیدا کرتی ہی اور یہ ہوا اور تموج واسطہ در واسطہ وہین پہونچ جاتا ہے جہان سے چلا تھا، اسلئے ہم اگر کسی کو ضرر پہنچانا چاہین تو ہمکو اُسی درجے کے ضرر اُٹھانے کیلئے طیار رہنا چاہیئے اس نکتہ کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

چنین گفت پور گو پیل تن	کہ چرا بہ اندازۂ خویش کن
زال کے بیٹے نے کہا	کہ کنوان جب کہو دو تو اپنے انداز کے موافق کہود

(۷) "کارِ امروز بہ فردا مگذار" مشہور مقولہ ہی، فردوسی نے یہ اُصول زیادہ خوشنما اور مدلل طریقہ سے ادا کیا ہے۔

گلستان کہ امروز باشد ببار	تو فردا نچینی نیاید بکار
اگر باغ مین آج پھول آئے ہین	تم کل پھول چنو گے تو بیکار جائینگے

(۸) فضل وکمال کا اصلی معیار عمل ہی علم نہین، ع

کہ صد گفتہ چون نیم کردار نیست

سیکڑون باتین آدھے عمل کے برابر نہین

(۹) "خرچ آمدنی کے اندازسے کرنا چاہیے" پولٹیکل اکانومی کا ایک اصول موضوعہ ہی شیخ سعدی نے اسکو یون ادا کیا ہے۔

چو دخلت نیست، خرچ آہستہ ترکن — کہ مے گویند ملاحان سرودے

اگر باران بہ تابستان نہ بارد — بہ سالے دجلہ گردد خشک رودے

یعنی اگر آمدنی نہین ہی تو خرچ کم کرو، ملاح یہ گیت گاتے ہین کہ اگر گرمیون مین بارش نہ ہو تو سال بھر مین دجلہ سوکھ کر نہر رہجائے گا، فردوسی اس اصول کو دومصرعون مین ادا کرتا ہے،

چو برگیری از کوہ ونھی بجائے — سرانجام کوہ اندر آید زجائے

یعنی اگر پہاڑ مین سے کچھ پتھر نکال لیا جاے کرے اور اُس کے بجائے وہان کچھ نہ رکھا جائے تو بآخر پہاڑ ختم ہو جاے گا۔

یہ شعر سعدی کے شعر سے زیادہ بلیغ ہے، سعدی کے شعر کا صرف اس قدر مفہوم ہے کہ اگر آمدنی نہین ہے تو خرچ کم کردلیکن آمدنی پیدا کرنے کی تدبیر و تحریص کا ذکر نہین فردوسی کے شعر کا یہ مطلب ہی کہ جب خرچ کرو تو کچھ پیدا بھی کرو یہ بھی اشارہ ہے کہ: افزاندوختہ مین سے جب آدمی کچھ خرچ کرتا ہے تو غلطی سے اسکی کچھ پروا نہین کرتا جسطرح پہاڑ سے ایک آدھ پتھر نکال لیا جائے تو کچھ کمی نظر نہین آتی لیکن رفتہ

رفتہ ایک دن سارا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

حکمت و موعظت کے بہت سے اصول جو آج عام اور ضرب المثل ہو گئے ہیں فردوسی نے ان کو بہت پہلے بیان کیا اور اس طرح کیا کہ آج بھی اسکا طرز ادا نیا معلوم ہوتا ہے، مثلاً

آسمان کبھی موافق ہوتا ہے کبھی مخالف،

دو دل دارد این باژگونہ سپہر

یکے پر زکین و یکے پر ز مہر

آسمان کے دو دل ہیں

ایک دشمنی سے بھرا ہوا ہے اور ایک محبت سے

دیر آید درست آید۔

خداوند ما را در رہنمائے

بہ شش روز کرد این جہان را بپائے

عزیز کا عتاب دشمن کی محبت سے اچھا ہے،

پدر گر پسر را بہ زندان کند

ازان بہ کہ دشمن گل افشان کند

بلند مرتبگی، جانبازی سے حاصل ہوتی ہے۔

نشانِ بزرگی ہر آنکس کہ جست

نخستین بہ خون بایدش دست شست

جو شخص بڑا ہونا چاہتا ہے

اسکو پہلے خون سے ہاتھ دھونا چاہئے

دہ درویش در گلیمے بخسپند۔

بہ یک خانہ گنجند دہ پارسا

بہ ملکے نہ گنجند دو بادشا

دوست نادان بہ از دشمن دانا۔

چو داناترا دشمن جان بود | بہ از دوست مردے کہ نادان بود

عزت سے مرنا بدنامی کی زندگی سے بہتر ہے،

بنام بلند ار بغلطی بہ خون | بہ از زندگانی بہ ننگ اندرون

دولت، حقیقت مین خوشی کا نام ہے،

توانگر شود ہر کہ خوشنود گشت | دلِ آرزو خانۂ درد گشت

نصیحت کی بات، بار بار سننا چاہیے، کیونکہ نصیحت دہرانے سے پرانی نہین ہوتی،

اگر داستے مرد را اندر سخن | تو بشنو کہ دانش نگردد کہن

اخلاق و موعظت و سیاست

شاہنامہ اگرچہ ایک رزمیہ نظم ہو لیکن شاعری کی خوش قسمتی ہے کہ فردوسی جسطرح فطرۃً رزم کا مذاق ساتھ لیکر آیا تھا جو ایک دہقان نژاد کے لئے موزون تھا اسی طرح فلسفہ، اور اخلاق بھی اسکی فطرت کا عنصر اعظم ہے، عین معرکہ کی حالت مین بھی وہ پند و موعظت سے باز نہین آتا۔ میدان جنگ کا سمان بندھ رہا ہو، ہر طرف تلوارین چمک رہی ہین، نعرون سے عالم کا افق گونج اُٹھا ہو۔ دل جوش سے لبریز ہین خاقانِ چین، پیل سفید پر جلوہ گر ہے، چارون طرف فوجون کا حصار ہو، رستم شیر کی طرح دڑانا ہوا فوجونکو چیرتا پھاڑتا خاقان کے ہاتھی تک پہنچ جاتا ہے اور کمند پھینکتا ہے، خاقان کمند مین گرفتار ہوتا ہو، رستم اس کو زمین پر پٹک دیتا ہو،

چو از دست رستم رہا شد کمند | سر شہریار اندر آمد بہ بند

ز پیل اندر آورد و زد بر زمین | بہ بستند بازوے خاقان چین

رستم کو حق تھا کہ اس کامیابی پر ناز کرتا اور کچھ دیر تک اس کے سر سے یہ نشہ
نہ اترتا لیکن دفعتہً **فردوسی** سامنے سے نمودار ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔

چنین است رسم سرای فریب — گہے بر فراز و گہے بر نشیب
فریب دینے والی دنیا کا یہی طریقہ ہے — کبھی بلند ہے کبھی پست
چنین بود تا بود گردان سپہر — گہے جنگ، زہر است و گہ نوش مہر
جب سے آسمان ہے، یونہی ہوتا آیا ہے — لڑائی کبھی زہر ہے اور کبھی شہد

رستم فردوسی کا حاصل شاعری ہے، اس کے کارنامۂ عظمت پر ایک ذرا سا
داغ بھی فردوسی کو گوارا نہیں ہوسکتا، تاہم اخلاقی فرائض کے وقت وہ رستم کو بھول
جاتا ہے۔ رستم وسہراب کی داستان شاہنامہ کا مشہور منظر ہے، اس معرکہ میں فردوسی
نے پورا زور صرف کیا ہے کیونکہ رستم اس کا ہیرو اور سہراب اسی کا فرزند ہے لڑائی
اس حد تک پہنچ چکی ہے،

بہ شمشیر ہندی برآویختند — ہمی ز آہن آتش فرو ریختند
ہندی تلواریں لیکر دونوں لپٹ گئے — اور لوہے سے آگ برسانے لگے

دفعتہً **فردوسی** کو خیال آتا ہے کہ رستم کی یہ کوششیں کس کے مقابلہ میں ہیں؟
اسکا حریف کون ہے؟ اس کا ہاتھ کس پر اٹھ رہا ہے؟ ایک جانور اپنے بچے کو دیکھکر
پہچان لیتا ہے خون کی بو محسوس ہوتی ہے، رستم آدمی ہوکر بیٹے کو نہیں پہچانتا، صرف
اس لئے کہ خود غرضی نے اسکی آنکھیں بند کر دی ہیں،

همی بچہ را باز داند ستور — چہ ماهی بہ دریا چہ در دشت گور

گھوڑا اپنے بچہ کو پہچان لیتا ہے — مچھلی پانی مین اور گورخر جنگل مین اپنے بچے کو پہچانتے ہین

نداند همی مردم از رنج آز — یکے دشمنے را ز فرزند باز

لیکن آدمی، حرص و طمع کی وجہ سے — بیٹے اور دشمن مین تمیز نہین کرسکتا

شاہان ایران مین بہرام گور بڑی شان و شوکت اور عزم و استقلال کا بادشاہ گذرا ہے فردوسی کو اس سے خاص محبت ہے، وہ اس کو عدل و انصاف اور شان و شوکت مین تمام سلاطین ایران پر ترجیح دیتا ہے چنانچہ کہتا ہے۔

بہ پنجاہ خسرو، ز تخت کیان — کہ بستند بر تخت ایران میان

کیانی خاندان کے جو ۵۰ — بادشاہ گذرے

نہ بد هیچ مانند بهرام گور — بہ داد و بزرگی و فرہنگ و زور

انمین کوئی، انصاف، عدل، عقل، اور تدبیر مین بہرام گور کے برابر نہ تھا

باایں ہمہ بہرام گور کے معائب کی نکتہ چینی نہایت سختی سے کرتا ہے، بہرام باوجود تمام محاسن کے نفس پرست تہا۔ اسکی عام عادت تھی کہ شہر سے دور نکلجاتا، دیہاتون مین پہرتا اور جہان کوئی دوشیزہ لڑکی نظر آجاتی اس کو گھر مین ڈال لیتا، اسطرح اسکا شبستان عیش اندر کا اکھاڑہ بن گیا تھا، فردوسی ایک سردار کی زبان سے اس بیہودگی کی برائیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ شادی کا مقصد بقائے نسل ہے اس غرض کے لئے مہینے مین ایک بار عورت سے ملنا جائز ہے، اس سے زیادہ تندرستی کے لئے مضر ہے،

به یک ماه یک بار آمیختن — گر افزون بود خون بود ریختن

همین مایه از بهر فرزند را — بباید جوانِ خردمند را

جب کسی سے کوئی بات اخلاق کے خلاف سرزد ہوتی ہو تو **فردوسی** فوراً گرفت کرتا ہے اور اسکی بدنمائی دکھاتا ہی، شخصی سلطنتون مین تمام بداخلاقیون کی بنیاد دو چیزین ہین ایک خود مختاری اور دوسرے عدم آزادی راے، خود مختاری صرف بادشاہ اور فرمانروا پر محدود نہین ہوتی بلکہ درجہ بدرجہ ہزارون فرمانروا ہوتے ہین، اور کوئی شخص اپنے فرمانروا کو کسی بات پر ٹوک نہین سکتا، اس بنا پر ہر قسم کی برائیان جب کسی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہین تو بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہین کیونکہ انکے خلاف کہین سے کوئی صدا بلند نہین ہوتی، لیکن **شاہنامہ** مین ہر شخص آزاد نظر آتا ہی، بادشاہ کوئی غلطی کرتا ہو تو درباری نہایت آزادی سے نکتہ چینی کرتے ہین اسی طرح ہر طبقہ مین زیر دست اپنے بالا دست پر گرفت کرتا ہو اور اسکو بے اعتدالی سے روکتا ہو کیکاؤس نے **سودابہ** کی سازش مین آکر بیٹے کو ہاتھ سے کھو دیا، رستم کو خبر ہوئی تو سر دربار کیکاؤس سے کہا۔

ترا عشق سودابۂ بدخوی — زسر برگرفت آن کلاهِ کئی

سودابہ کے عشق نے — تیرا شاہی تاج اُتار لیا

کسے کو بود مهتر انجمن — کفن بهتر او را ز فرمانِ زن

جو شخص سردار ہو اُس کو زن پرستی سے کفن بہتر ہے۔

یہ کہکر رستم حرم مین جاکر سودابہ کو پکڑ لایا اور اسکا سر اڑا دیا گیکاؤس چپ بیٹھا دیکھا کی

بہ خنجر بہ دو نیمہ کردش براہ   نہ جنبید بر تخت، کاؤس شاہ

گشتاسپ اپنے بیٹے اسفندیار کو تخت دینا نہین چاہتا تھا لیکن اسفند
کا دباؤ اسقدر تھا کہ علانیہ انکار بھی نہین کر سکتا تھا. بالآخر یہ تدبیر سوچی کہ اسکو رستم کے
مقابلہ پر بھیجا اور وہ بیچارہ جان سے مارا گیا **پشوتن** جو **اسفندیار** کا بھائی تھا
گشتاسپ کے دربار مین گیا، شاہی آداب و احترام مطلق نہ بجا لایا اور گشتاسپ سے کہا کہ
او سرکشون کے بادشاہ، تو نے اسفندیار کو برباد کر دیا، تو بیٹے کو تخت پر قربانی چڑھاتا

بآواز گفت اے سر سرکشان   ز برگشتن کارت آمد نشان

پکار کر کہا کہ او سرکشون کے سردار   اب تیری بدبختی کے دن آ گئے

پسر را بہ کشتن دہی بہر تخت   کہ تا مبنیا د چشمت نہ تخت

تو تخت کیلئے اولاد کو قتل کرا دیتا ہے   خدا تجھکو تخت و تاج کیصورت نہ دکھلائے

بہرام گور کے باپ نے لوگون پر ظلم کئے تھے، جب وہ مر گیا تو بہرام گور نے
تخت کا دعوے کیا لیکن رعایا نے کہا کہ ہم ظالم بادشاہ کے خاندان مین حکومت نہیں
دیکھ سکتے، نوشیروان کے باپ **قباد** نے اپنے مدار المہام کو بوجہ قتل کرا دیا تھا
اس پر رعایا نے قباد کے پاؤن مین زنجیر ڈال دین، اور اس کے بھائی کو
تخت پر بٹھایا۔ نوشیروان نے بزرجمہر کو کسی بات پر ناراض ہوکر قید خانہ بھیج دیا اور
پوچھ بھیجا کہ کیا حالت ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ "آپ سے اچھی حالت مین ہون" نوشیروان نے

ہم ہوکر اندھے کنوئین مین قید کرا دیا۔ بزرجمہر نے اب بھی وہی پیغام کہلا بھیجا، نوشیروان
نے لوہے کے تنور مین ڈلوا دیا اور چوتھے دن پیغام بھیجا، کہ اب کیا حالت ہے؟
رجمہر نے کہلا بھیجا۔

کہ روزم بہ از روز نوشیروان

میرے دن، نوشیروان کے دن سے اچھے ہین

تمام شاہنامہ اسی قسم کے آزادانہ خیالات اور آزادانہ طرز عمل سے بھرا
ا ہے شاید تم کو یہ خیال ہو کہ اس مین فردوسی کا کیا احسان ہے، ایران کی یہ واقعی
لت تھی، فردوسی نے واقعہ نگاری کی حیثیت سے اس کو ادا کیا، اس سے خود
سکے خیالات کا اندازہ نہین ہوسکتا، لیکن ایران کی اور بہت سی تاریخین موجود
ن، انمین یہ واقعات کہان ہین؟ کم سے کم یہ کہ جن واقعات کو لوگون نے اہم نہ
سمجھا اور نظر انداز کر دیا فردوسی انکا ذکر ضروری سمجھتا ہے، اچھے افعال جن لوگون سے
رزد ہوتے ہین انکی تحسین کرتا ہے، انکو خوب پھیلا کر لکھتا ہے اور اس طرح لکھتا ہے کہ
وسرونکے لئے نمونہ قائم کرتا ہے، اور جہان کسی سے معیار اخلاق کے خلاف کوئی
ل سرزد ہوتا ہے اسپر نکتہ چینی کرتا ہے، آخر یہ خود فرض ادا کرتا ہے۔ دوسری
رضمنی موقعون پر بھی اس فرض سے غافل نہین ہوتا گودرز کو پیران ویسہ سے
افراسیاب کا وزیر اعظم تھا اس بنا پر سخت عداوت تھی کہ پیران ویسہ کے ہاتھ سے
ں کا تمام خاندان برباد ہو گیا تھا۔ گودرز نے جب پیران ویسہ کو برچھے سے مار ا تو

انتقام کے جوش مین جلو مین اسکا لہو لیکر سیلے چہرے پر ملا، پھر پی گیا، اس واقعہ کو فردوسی نے ادا کیا لیکن ساتھ ہی اس بیرحمی اور خونخواری پر حیرت ظاہر کی۔

بخورد و بیالود روی اے شگفت
فرو برد چنگال و خون برگرفت

گودرز نے چاہا کہ پیران کا سر کاٹ لے لیکن پھر خیال آیا کہ یہ آدمیت کے خلاف ہے فردوسی اسکی داد دیتا ہے۔

چنین بدکنش خویشتن را نہ دید
سرش را ہمی خواست از تن برید

اس نے اپنے آپ کو ایسا بدنفس نہین پایا
اس کے سر کو کاٹنا چاہا لیکن

فردوسی نے سلاطین ایران مین سے کیخسرو اور نوشیروان کو عدل و انصاف اور محاسن اخلاق کا آئیڈیل قرار دیا ہے، اور اس تقریب سے محاسن اخلاق کا ایک بلند معیار قائم کیا ہے کیخسرو نے جب افراسیاب کے مقابلہ مین فوجین روانہ کین تو حکم دیا کہ دشمن کے ملک مین جو لوگ برسر مقابلہ نہ آئین انکو کسی قسم کا گزند نہ پہنچنے پائے۔

چنین است آئین و رسم کلاہ
نیازرد باید کسے را براہ

حکومت کا یہی دستور ہے
راستے مین کسی کو ستانا نہین چاہئے

کسے کو بہ رزم ستانہ بندد کمر
کشاورز یا مردم پیشہ ور

کاشتکار، یا پیشہ والے جو لڑائی مین شریک نہین ہین۔

نکوشید جز با کسے ہم نبرد
نباید کہ بروے وزد باد سرد

لڑنے والون کے سوا کسی سے نہ لڑنا
انکو کسی قسم کی تکلیف نہین پہنچنی چاہئے

افراسیاب جب شکست کہاکر بہاگ گیا، اور اس کے حرم کیخسرو کے سامنے
کہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہمکو گرفتار نہ کیا جائے تو کیخسرو نے کہاکہ جو بات مین اپنے لئے
نہین کرتا دوسرون کے لئے بھی پسند نہین کرتا، ہرچہ برخود نہ پسندی بہ دیگران
مسند۔

چنین گفت کیخسرو ہوشمند | کہ ہر چیز کو نیست مارا پسند
نیارم کسے را ہمان بد بہ روے | دگر چند باشد دلم کینہ جوے

عام حکم دیدیا کہ کوئی شخص قتل اور گرفتار نہ کیا جائے فوج کو حکم دیا کہ

ز دل ہا ہمہ کینہ بیرون کنید | بہ شہر اندرین کشور افسون کنید
زخون ریختن دست باید کشید | سر بیگناہان نباید برید

صرف اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ حکم دیا کہ کوئی شخص کسی کے مال و اسباب کو بھی
لگائے (حالانکہ مال غنیمت پر تصرف کرنا عام دستور تہا)

ز چیز کسان سر بہ پیچید نیز | کہ دشمن شود دست از بہر چیز

افراسیاب نے کیخسرو کے باپ کو نہایت ذلت سے قتل کیا تہا اور کیخسرو کی
توہین کی تھی اور خود کیخسرو کو قتل کرا دینا چاہا تھا، اس انتقام مین کیخسرو نے
سیاب کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا لیکن قتل کرنے کے بعد لوگون سے کہاکہ یہ
جائز قصاص تہا اور اس کی حد یہین تک ختم ہوگئی، یہ کہکر حکم دیا کہ کمخواب کا کفن
جائے اور زرین تابوت مین اسکی لاش دفن کی جائے۔

اخلاقی اوصاف مین ایثار بہترین اوصاف ہو اس لئے فردوسی نے اکثر موقع
پر اس وصف کو نہایت موثر طریقہ سے ادا کیا ہو بیژن جب ترکون کی فوج سے
لڑنے جاتا ہے تو اسکا باپ جوش محبت مین بیقرار ہو جاتا ہے اور روکتا ہے، بیژن
جواب دیتا ہے،

مرا زندگانی نہ اندر خور است گر از دیگرانم ہنر کمتر است

گیو اب بھی نہین مانتا گودرز جو بیژن کا دادا تھا گیو سے کہتا ہو۔

اگر یار و از میغ پولاد، تیغ، نشاید کہ داریم جان را دریغ

گستہم ایک پہلوان تھا جس نے بیژن کی جان بچائی تھی، ایک مرتبہ گ
اکیلا دشمن کے تعاقب مین نکل گیا، بیژن کو خبر ہوئی گھوڑا دوڑایا کہ گستہم کو کوئی صدمہ
نہ پونہچنے پائے، بیژن کے باپ گیو نے بیژن کے، پیچھے گھوڑا اڑالا کہ بیژن کو پھیر لائے
گیو بیژن کو روکتا ہو کہ میرا بڑا پایا ہے مین تجھکو جانے نہ دونگا، بیژن کہتا ہو کہ یہ مردی
خلاف ہو کہ دوست دوست کے کام نہ آئے، گیو کہتا ہو کہ تیرے بدلہ مین جاتا ہون
بیژن کہتا ہو بیٹے کے ہوتے باپ کا خطرہ مین پڑنا بیٹے کی ذلت ہو، دونون مین دیر تک
ردوبدل ہوتی ہے بالآخر بیژن جاتا ہو اور گستہم کو زخمی پڑا ہوا پاتا ہے، بیقرار ہو کر د
ہو، گستہم آنکھین کھول دیتا ہے اور کہتا ہو بھائی! میرے لئے اپنی جان نہ کہو، بس اتنا
کہ مین کیخسرو تک پہنچ جاؤن اور بادشاہ کا دیدار کرلون، بیژن اسکو کیخسرو کے پاس
پونہچاتا ہے، گستہم کیخسرو کے پاس پونہچکر آنکھین کہول دیتا ہو اور آنکھون سے آنسو جاری ہوجاتے

ان واقعات مین فردوسی نے جذبات انسانی کی بھی موثر تصویر کھینچی ہی گیو بڑہا ہو چکا ہے بیژن اسکا ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے، بیٹے کو بار بار خطرہ مین پڑنا بوڑھے باپ سے دیکھا نہیں جاتا، وہ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر موڑتا ہی اور کہتا ہو تو مجھکو دم بھر کے لئے بھی آرام سے رہنے نہ دے گا، اس طرح کہان دوڑا جاتا ہو؟ بات بات مین میرا دل دکہاتا ہے، میرے بڑھاپے پر تجکو رحم نہین آتا، میرا ایک تو ہی فرزند ہے، دس دن تک برابر لڑتا رہا ہو، اپنی جان کیون دئے دیتا ہے،

بیژن کہتا ہے کہ آپ کو لادن کی لڑائی یاد نہین، گستہم نے میرے ساتھ کیسا احسان کیا، مین لڑائی سے باز نہین رہ سکتا،

عورتون کی قدردانی

جنس لطیف (عورتون) کی ہمیشہ حق تلفی کیگئی ہے، اور سوسائٹی مین انکا درجہ ہمیشہ پست رہا ہی، شعرا ان الفاظ مین انکو یاد کرتے ہین۔

اسپ وزن و شمشیر وفادار کہ دید

کس از زن راستی ہرگز نہ دیدہ

فردوسی پہلا شخص ہو اور پچھلا بھی جس نے اس مظلوم گروہ کی قدر کی ہو، انکے جوہر کو سمجھا ہی، ان کو بلند رتبہ ثابت کیا ہی **شاہنامہ** مین عورتین، مردون کے ہمسر نظر آتی ہین، بڑے بڑے مہمات مین انکی رائے لی جاتی ہے. سلاطین کی طرف سے سفیر بنکر جاتی ہین، دربار مین آتی ہین اور سلاطین ان سے مشورے لیتے ہین، سام جب فوجین لیکر کابل پر چڑھکر آیا تو امیر کابل نے اسکی صرف یہ تدبیر سوچی کہ اپنی لخت جگر بیٹی رودابہ کو قتل کر دے،

لیکن رودابہ کی مان خود سفیر بن کر گئی، اس نے جس خوبی اور عمدگی سے تقریر کی ہے اس سے عورتون کے فہم و دانش کا اندازہ ہو سکتا ہی،

اسفندیار تخت کا نہایت حریص تھا وہ اپنے باپ گشتاسپ سے اسکی زندگی ہی مین تخت کا مطالبہ کرتا تھا، گشتاسپ کو انکار تھا، بالآخر اُسی نے اسفندیار سے کہا کہ رستم کو گرفتار کرکے لاؤ تو تمکو تخت دیتا ہون، اسفندیار آمادہ ہوا، اسکی مان نے سُنا تو بلاکر نہایت عاقلانہ نصیحت کی اور کہا۔

پدر پیر گشت است و برنا تولی | بزور و بہ مردی توانا، تو لی
باپ بوڑھا ہو چکا ہے اور تو جوان ہے | تجکو زور ہے، اور قوت ہے
پدر بگذرد، گنج و تاجش تراست | ہمہ کشور و تخت و عاجش تراست
باپ گذر جائے گا، پھر خزانہ اور تاج، | اور ملک اور تخت سب تیرا ہی ہی۔
مرا خاکسار دو گیتی مکن | ازین مہربان مام بشنو سخن
مجکو دونون دنیا مین رسوا نکر | مہربان مان کی باتین سُن

اسفندیار نے کہا لیکن فرمان شاہی کے خلاف نہین کر سکتا، اس کے علاوہ رستم میری اطاعت قبول کریگا تو مین اسکی کسی طرح توہین نہ کرون گا، مان نے رو کر کہا رستم کسی سے دب نہین سکتا، اسنے کیکاؤس کی پروانہ کی، کیقباد کو اسی نے تخت نشین کیا تھا، کیا وہ اپنی آبرو برباد کرنا پسند کرے گا۔

زمادر سخن در پذیر و مرد | براے و خرد اپند مادر شنو

شاہنامہ سے معلوم ہوتا ہو کہ اکثر مقامات پر عورت ہی کے حسن تدبیر نے مہمات کو حل کیا ہے، جن عورتون کو اتفاق سے تاج وتخت ہاتھ آیا ہے اُنھون نے نہایت قابلیت سے حکومت کے فرائض انجام دیے ہین،

بہمن نے اپنی لڑکی ہما کو ولیعہد سلطنت کیا تھا اس نے جس دل ودماغ سے حکومت کی اُسکے متعلق فردوسی لکھتا ہو،

زدشمن بہ ہر سو کہ بُد مہترے ۔۔۔ فرستاد بر ہر سوئے لشکرے

جہان جہان دشمن تھے سب طرف فوجین بھیجین،

زچیزے کہ رفتے بہ گرد جہان ۔۔۔ بدو نیک ازو بودے نہان

جو کچھ دنیا مین ہوتا تھا، ۔۔۔ اُس سے چھپ نہ سکتا تھا

جہانے شدہ ایمن از داد او ۔۔۔ بہ گیتی نبودے جز از یاد او

دنیا اسکے انصاف سے مطمئن تھی ۔۔۔ دنیا مین اسکے انصاف کے چرچے تھے

عورت کی اصلی عزت اسکی عصمت وعزت ہو اور **فردوسی** خوش قسمت ہے کہ اس کو کہین شرمندہ ہونا نہین پڑا ہے، **رودابہ** زال پر عاشق ہوئی، یکجائی کا موقع ملا، شراب اور بوس وکنار تک نوبت آگئی، لیکن عصمت کے حدود محفوظ رہے۔ **تہمینہ** رستم پر عاشق ہوگئی ہے اور لطائف الحیل سے اسکو قابو مین لائی ہے، لیکن قاضی اور شاہد طلب ہوتے ہین اور نکاح ہوجاتا ہے، **سہراب** جب ایران پر حملہ آور ہوا تو پہلی منزل مین ایک خاتون جسکا نام دخت آفرید تھا، مردانہ لباس مین قلعہ سے نکلکر مقابل ہوئی،

دیر تک رد وبدل رہی، بالآخر سہراب نے اسکو پکڑ لیا اور بالون کے کھلجانے سے معلوم ہوا کہ عورت ہی، سہراب اس پر عاشق ہوگیا، دخت آفرید نے کہا "مجھکو قلعہ مین جانے دیجئے، اور آپ وہین آئیے مین آتی ہون" سہراب قلعہ کے پاس پہونچا تو دخت آفرید نے فصیل پر سے کہا، ع

کہ ایران زترکان نخواہند جفت

ایرانی اور ترکی کا جوڑ نہین،

شاہنامہ کے مقابلہ مین ہومر کی الیڈ پر نظر ڈالو، قصہ کی بنیاد ہیلن پر ہے، یونان اور ٹرکی کی دہ سالہ قیامت انگیز جنگ اسی کے بدولت ہی لیکن وہ ایسی بدچلن عورت ہی کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر آشنا کے ساتھ نکل گئی اور یونان والے اب بھی اسکو واپس لانا چاہتے ہین شاہنامہ مین صرف سودابہ ایک عورت ہے جس نے عصمت کو داغ لگانا چاہا ہے (گو اسکی نوبت نہین آئی) لیکن فردوسی اسکو رستم کے ہاتھ سے قتل کرا دیتا ہے کہ ایران کے دامن عزت پر داغ نہ آئے، اس سوال کا جواب کہ ع

اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید

فردوسی اثبات کے پہلو مین دیسکتا ہی،

شاہنامہ مین عورتون کی وفاداری اور ایثار کی مثالین اس کثرت سے موجود ہین کہ اُنپر ہمیشہ دنیا کو ناز ہوگا، منیژہ شہنشاہ کی نور نظر ہے لیکن جب افراسیاب نے اس کے مطلوب بیژن کو کنوئین مین قید کردیا تو اس نے بیژن کے لئے

سب کچھ چھوڑا دن بھر گلی کوچون مین پھر کر روٹی کے ٹکڑے مانگ لاتی تھی اور کنوئین مین جا کر ڈال آتی تھی،

خبر چون بگوشش منیژہ رسید | شد از آب دیدہ رخش ناپدید
جب منیژہ کو خبر پہونچی تو | آنسوؤن سے اسکا چہرہ چھپ گیا
ہمہ گنج اوراہ بتاراج داد | ازان بدرہ بستد بدان تاج داد
تمام خزانہ لٹا دیا

منیژہ بیامد بہ یک چادرا | برہنہ دو پائے وکشادہ سرا
صرف ایک چادر اوڑھ کر آئی | دونون پاؤن ننگے تھے اور سر کھلا ہوا تھا
غریوان ہمی گشت برگرد دشت | چو یک روز و یک شب بدینسان گذشت
جنگل مین چلاتی پھرتی تھی | جب ایک دن اور ایک رات گذر گیا
بیامد خروشان بنزدیک چاہ | یکے دست را اندر وکرد راہ
توچیختی ہوئی کنوئین کے پاس آئی | اور ایک طرف راستہ بنایا
چو از کوہ خورشید سر بر زدے | منیژہ زہر در ہمی نان چدے
جب سورج نکلتا تھا تو | در در روٹی مانگتی تھی،
بہ بیژن سپردے و دیگر بیستے | بدین شور بختی ہمی زیستے

روٹیان لا کر بیژن کو دیتی تھی، اور روتی تھی، اور اس بدبختی کے ساتھ بسر کرتی تھی،
جب رستم بیژن کے چھڑانے کیلئے سوداگر بنکر توران گیا تو منیژہ اس کے سامنے

اس حالت مین آئی،

برہنہ تنان دختِ افراسیاب | بہ رستم آمد دو دیدہ پر آب
افراسیاب کی بیٹی ننگے بدن، | رستم کے پاس روتی آئی

وہ اپنا حال رستم سے ان دردانگیز لفظون مین کہتی ہے،

منیژہ منم دختِ افراسیاب | برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
مین افراسیاب کی بیٹی ہون، | آفتاب نے میرا جسم کھلا ہوا نہین دیکھا

کنون دیدہ پرخون و دل پر ز درد | ازین در بدان در دُوَر خسارہ زرد
اب خون آلود آنکھون کے ساتھ در در پھرتی ہون،

برای یکے بیژن شور بخت | فتادم ز تاج و فتادم ز تخت
کمبخت بیژن کے لئے، | مین نے تاج و تخت سب کھو دیا

رنج مین بیژن کو گالی دیتی ہے، لیکن گالی بھی محبت مین لبریز ہے، جب رستم کے پاس سے بیژن کے ہان گئی اور حالات بیان کئے تو بیژن، منیژہ کی وفاداری پر بیتاب ہو گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا،

تو اے جفت رنج آزمودہ زمن | فدا کردہ جان و دل و جز و تن
اے میری رفیق، تو نے میرے لئے رنج اٹھایا، اور جان و مال فدا کیا

بکردی رہا تاج و تخت و کمر | ہمان گنج و خویشان و مام و پدر
تو نے تاج، تخت، خزانہ، عزیز۔ مان۔ باپ سب میرے لئے چھوڑ دیا،

اگر یابم از جنگ این اژدہا	بدین روز گار جوانے رہا

اگر مین نے اس مصیبت سے نجات پائی

بسان پرستار پیش کیان | بہ پاداش نیکت بہ بندم میان

تو غلامون کی طرح تیری خدمت بجالاؤنگا

فرود (کیخسرو کا سوتیلا بھائی) جب محصور ہوگیا ہے تو اپنی مان اور خواصون سے کہا کہ تھوڑی دیر مین دشمن آئینگے اور تم لوگون پر قبضہ کرلینگے، یہ کہکر مرگیا، تمام خواصین فوراً قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئین اور گر گر کر جانین دیدین، فرود کی مان اس کی لاش کے پاس آئی، منھ پر منھ رکھا اور خنجر سینے مین بھونک کر لاش کے برابر گر پڑی،

بیامد ببالین فرخ **فرود**	بر جامۂ او یکے دشنہ بود
فرود کے سرہانے آئی	اسکے کپڑون مین ایک خنجر تہا
دو رخ را بروے پسر بر نہاد	شکم بر درید و برش جان بداد
بیٹے کے منھ پر گال رکھدیے	اور اپنا شکم چاک کرکے مرگئی

سوداؔبہ[1] بدکار عورت تھی، تاہم جب اس کے باپ نے کیکاؤس کو قید کردیا اور سوداؔبہ کو بلا بھیجا تو سوداؔبہ نے اپنے بال نوچ لئے اور کہا کہ یہ بالکل نامردی ہے کیکاؤس کو قید کرنا تہا تو لڑکر کیا ہوتا، دھوکے سے گرفتار کرنا شرافت کے خلاف ہے

---

[1] کیکاؤس کی حرم تہی۔

مین کیکاؤس کے ساتھ قید خانہ مین رہونگی،

جدائی نخواہم ز کاؤس گفت　　اگرچہ ورا خاک باشد نہفت

جب تک کیکاؤس قید خانہ مین رہا، سوداَبہ شاہی محل چھوڑ کر اسکے ساتھ رہی اور اسکی خدمت کرتی رہی،

اگر عورتون کے واقعات کا حصہ الگ کر لیا جائے اور عورتون کے اخلاق و عادات پر نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوگا کہ شریفت النفسی کا بہتر سے بہتر معیار اُنہین کے اخلاق و عادات سے قائم ہوسکتا ہے،

فردوسی نے بہرام کی زبان سے عورت کا جو مرتبہ قرار دیا ہے، یہ ہے،

ہم از وے بود دین یزدان بپائے　　جوان را بہ نیکی بود رہنمائے

خدا کا دین عورت ہی سے قائم ہے　　وہ مرد کو نیکی کا راستہ بتاتی ہے

اس سے زیادہ عورت بلکہ مرد کی کیا تعریف ہوسکتی ہے،

مذہب فردوسی نے مختلف تقریبون سے مذہب پر اسقدر لکھا ہے کہ مذہب کے متعلق ایک نہایت عمدہ آرٹکل طیار ہوسکتا ہے، فردوسی مذہب کو تمام چیزون سے زیادہ ضروری سمجھتا ہے، جب کوئی بادشاہ کسی بادشاہ کو نامہ لکھتا ہے یا ملک مین کوئی فرمان نافذ کرتا ہے یا دربار مین تقریر کرتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی حمد ہوتی ہے یہ مضمون اگرچہ بکثرت مکرر ہوگیا ہے لیکن فردوسی کو اس قدر شغف ہے کہ ہر دفعہ نئے جوش سے لکھتا ہے

مذہب کے متعلق اس نے جو اہم باتین بیان کی ہین، حسب ذیل ہین،

(۱) مذہب اور سلطنت آپس مین بھائی بھائی ہین بلکہ لازم و ملزوم ہین کہ ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتا،

چنان دین و شاہی بہ یکدیگر اند | تو گوئی کہ در زیر یک چادر اند

مذہب اور بادشاہی اسقدر ملے جلے ہین کہ گویا دونون ایک چادر کے نیچے ہین،

نہ بے تخت شاہی بود دین بجائے | نہ بے دین بود شہریاری بپائے

حکومت کے بغیر مذہب، اور مذہب کے بغیر حکومت قائم نہین رہ سکتی،

(۲) مذہب کی حقیقت عدل ہی، یعنی حقیقی عدل ہو تو وہی مذہب ہی،

چہ گفت آن سخنگوے با آفرین | کہ چون بنگری، مغز داد است دین

(۳) تمام مذاہب حق ہین، اور جو باتین آج بُری نظر آتی ہین، انکی تعبیر لوگون نے غلط کر دی ہے، مثلاً بت پرستی اور آتش پرستی بظاہر لغو ہین لیکن بانیان مذہب نے آگ اور بت کی پرستش کا کبھی حکم نہین دیا تھا بلکہ ان چیزون کو قبلہ قرار دیا تھا جسطرح ہم کعبہ کو قبلہ سمجھتے ہین، سیندخت (رستم کی نانی) بت پرست تھی اس نے سام سے جب گفتگو کی تو کہا کہ۔

خداوند ما و شما خود یکے است | بہ یزدان ما ہیچ پیکار نیست

ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے | خدا کے باب مین کوئی اختلاف نہین

گذشتہ ازو قبلہ ما بت است | چہ در چین و کابل چہ در ہند و بست

اسکے علاوہ ہمارا قبلہ بت ہے | خواہ چین ہو، خواہ کابل خواہ ہندوستان

شمار اخود آتش پرستد و رغ | تو دانی کزین در نگفتم دروغ
تمہارے لئے آگ موزون ہے | تم سمجھ سکتے ہو کہ مین نے جھوٹ نہین کہا
پرستیدن ہر دو راہ بد است | چو ما را ہمہ آرزو ایزد است
آگ اور بت دونون کا پوجنا برا ہے | کیونکہ ہمارا اصلی معبود خدا ہے،

کیخسرو جب توران فتح کرکے آیا ہے تو شکریہ ادا کرنے کے لئے آتشکدہ مین گیا ہے
فردوسی اس واقعہ کو بہ تفصیل لکھکر لکھتا ہے،

بہ یک ہفتہ بر پیش یزدان بدند | مپندار کاتش پرستان بدند
ایک ہفتہ تک خدا کے سامنے حاضر رہے | یہ نہ سمجھنا کہ وہ آتش پرست تھے
کہ آتش بدان گاہ محراب بود | پرستندہ را دیدہ پر آب بود
بلکہ آگ اس زمانہ مین قبلہ تھی | عبادت کرنے والے کی آنکھین نم رہتی تہین،

(۴) مذہبی تعصب اور مذہبی جبر ناجائز ہے نوشیروان کو ایک شخص نے لکھا کہ آپکے ملک مین یہودی اور عیسائی بھی آباد ہین یہ آپ کے دشمن ہین، اور ان کا مذہب شیطانی مذہب ہے،

جہودان و ترسا تراد شمنند | دور و یند و باکیش اہرمن اند

نوشیروان نے جواب دیا کہ "جب تک ملک مین تمام مذاہب کے لوگ آباد نہون بادشاہی مین عظمت نہین پیدا ہو سکتی" نوشیروان نے ایک اور شخص کی عرضی کے جواب مین لکھا کہ ہر شخص مذہبی خیالات مین آزاد ہے اپنی رائے قائم کرنی چاہئے،

یکے بت پرست و دگر پاک دین | یکے گفت نفرین بر از آفرین
زگفتار، ویران نگرد وجہان | بگوے انچہ رایت بود درنہان

(۵) خدا زمان ومکان سے پاک ہے، وہ کسی حاسہ سے محسوس نہین ہو سکتا، کسی کی عقل مین نہین آسکتا، تنزیہ کے خلاف کہین کچھ شبہہ پیدا ہوتا ہے تو فردوسی تصریح کے ساتھ ذکر کرتا ہے سکندر جب کعبہ کی زیارت کو گیا ہے تو چونکہ کعبہ کا عام لقب خانۂ خدا ہے اسلئے فردوسی کو یہ کہنا پڑا،

از ان جاے با گنج و دیہیم رفت | بہ دیدار خانہ براہیم رفت
وہان سے تاج وخزانہ کے ساتھ | کعبہ کی زیارت کے لئے گیا

خداوند خواند لیش بیت الحرام | بدو شد ترا راہ یزدان تمام
اس کا لقب بیت الحرام تھا، | اس سے خدا کا راستہ ملتا ہے

زپاکی ورا خانۂ خویش خواند | نیایش کنان را بدو پیش خواند

خدا نے تقدس کے لحاظ سے کعبہ کو اپنا گھر کہا

خدا اے جہان را نباید نیاز | بجاے خورد کام وآرام وناز

خدا کو مکان، اور کھانے پینے اور آرام کی حاجت نہین ہو سکتی،

(۶) اثبات باری کے متعلق فردوسی نے متعدد دلائل قائم کئے ہین جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) ہر چیز خدا کے وجود پر شہادت دیتی ہے ع بے مور بر ہستی او گواست

یہ وہ استدلال ہی جسکو فلسفہ کی اصطلاح مین آثارات سے مؤثر پر استدلال کرنا کہتے ہین

(۲) عالم مین جسقدر چیزین موجود ہین کوئی خود مختار اور حاکم مطلق نظر نہین آتی ایک چیز جو دوسرے پر حکمران ہی خود کسی اور چیز کی محکوم ہے کوئی شئی ذی روح ہو یا غیر ذی روح آزاد محض اور خود مختار مطلق نظر نہین آتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اور وجود ہے جو اس تمام سلسلۂ کائنات کا موجد۔ اور فرمانروائے عالم ہے اور یہی خدا ہے، اس استدلال کو فردوسی نے ان مختصر لفظون مین ادا کیا ہی۔

جہان پرشگفت است اگر بنگری | ندارد کسے آلت داوری

(۳) بااینہمہ فردوسی کا یہ فلسفہ ہے کہ خدا کے متعلق اس امر کے سوا کچھ نہین معلوم ہوسکتا کہ "ہے" اور "یکتا ہے" اس سے زیادہ اسکی ذات وصفات کے متعلق جو کچھ کہا جائے سب قیاسات ہین، کیونکہ اسکی ذات وصفات فہم انسانی سے بالاتر ہین، ان مباحث مین وہ فلسفیون کا ساتھ دینا نہین چاہتا۔ اور خود فلسفہ والون کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

ایا[1] فلسفہ دان بسیار گوے | نپویم براہے کہ گوئی بپوے

اے بکواسی فلسفہ دان، | مین اُس راہ پر نہ چلونگا جسپر تو چلنے کو کہتا ہی

فردوسی کہتا ہے کہ جو کچھ ہمارے دل مین اور خیال مین آسکتا ہی یا جو کچھ ہم دیکھ سکتے ہین، خدا وہ نہین ہے،

ترا ہرچہ بر چشم بر بگذرد | نگنجد ہمی در دلت یا خرد

جو کچھ تم دیکھتے ہو، | یا جو کچھ تمہارے دلمین آتا ہے

[1] یہ اشعار اس موقع کے ہین جہان اس نے اکوان دیو کی تمہید شروع کی ہے،

چنان دان کہ یزدان نیکی دہش — جز آن است و زین بر نگردانمش

یہ مان لو کہ خدا وہ نہین ہے بلکہ اسکے سوا ہے،

[بلا]غت | ہمارے اہل ادب عموماً **بلاغت** کا لحاظ، انفرادی حیثیت سے کرتے ہین مثلاً
[ا]یک خاص شعر یا خاص مضمون مین کیا بلاغت ہے، لیکن کسی کتاب کی نسبت یہ کبھی بحث
[ن]ہین کیگئی کہ اجزا کے تناسب کے لحاظ سے اسمین بلاغت ہے یا نہین؟ گلستان کی نسبت
[تم]ام اتفاق ہے کہ اسکا حرف حرف بلیغ ہے، لیکن اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ اسکا اصلی موضوع
[ا]خلاق ہے تو پانچوان باب جسمین بیہودہ عشقیہ حکایتین ہین اس موضوع کے بالکل مخالف ہے
[ا]س بنا پر گو گلستان کی ایک ایک سطر فی نفسہ بلیغ ہو لیکن تناسب کے لحاظ سے پوری
[کت]اب کو بلیغ نہین کہہ سکتے،

شاہنامہ ایک وسیع نظم ہے، اس مین سیکڑون داستانین، سیکڑون عنوان
سیکڑون گوناگون واقعات اور حالات ہین تاہم یہ کمال بلاغت ہے کہ شروع سے
[آ]خر تک تناسب اور ایتلاف مین ذرہ بھر فرق نہین آنے پایا، وہ ایک رزمیہ نظم
[ہے] ایک **قومی نظم** ہے، ایک تاریخی نظم ہے، ایک **شاعرانہ نظم** ہے، ان سب حیثیتون کے لحاظ سے بلاغت
کے جدا جدا فرائض اس طرح ادا کئے ہین کہ ہر حیثیت کا فرض الگ الگ ادا ہوا، اور پھر باہم کسی قسم کا
[عد]م تناسب پیدا ہونے نہین پاتا، رزمیہ حیثیت اسکا عنصر غالب ہے، اس بنا پر تمام کتاب کا ٹون (لہجہ) رزمیہ ہے الفاظ مین
[ج]و شان و شوکت اور زور و ہیبت پائی جاتی ہے، تاریخی واقعیت یا دلچسپی پیدا ہونے کے لئے بیچ بیچ مین
[ع]شقیہ داستانین بھی آجاتی ہین (مثلاً منیژہ و بیژن، رودابہ و زال، سہراب و ماہ آفرید)

لیکن یہ انتہائی نکتہ سنجی اور بلاغت ہو کہ عشق و عاشقی مین بھی رزمیہ لہجہ نہین بدلتا اور باایںہمہ ناموزونی نہین پیدا ہوتی، زال نے اپنی معشوقہ کو خلوت مین تنہا پاکر دست ہوس دراز نہین کیا تو اس واقعہ کو یون ادا کیا ہے، ع

نگر شیر کو گور را نشکرید

شیر کو دیکھو کہ اسنے گورخر کو قابو مین پاکر شکار نہین کیا

سہراب ماہ آفرید پر عاشق ہو جاتا ہے تو ہومان اس سے کہتا ہو،

زیب پری پیکران جوان	نخواہد کسے کو بود پہلوان

پہلوان لوگ، پری پیکرون کا زیبا نہین کہاتے،

توئی مرد میدان این سروران	چہ کارت بہ عشق پری پیکران
تو لڑائی کا آدمی ہے	تجکو عشق سے کیا کام،

زال اور رودابہ کے عشق کا تصہ فردوسی نے اس قدر پھیلا کر لکھا ہو کہ ایک عشقیہ مثنوی بنگئی، عشق اور محبت کی جسقدر واردا تین ہین سب پیش آئی ہین لیکن اب بھی نظر آتا ہے کہ عاشق اور معشوق دونون رزم کی گود مین پلے ہین، ان کے ناز و نیاز مین بھی دلیرانہ شان ہے، معشوقانہ ادائین بھی جنگی پہلو سے خالی نہین، زال نے جب رودابہ کے بالاخانہ پر چڑھنا چاہا ہے تو رودابہ نے اپنی چوٹی لٹکا دی اور کہا کہ "اسکے سہارے چڑھ آؤ، مین نے یہ تار آج ہی کے دن کے لئے پالے تھے کہ دوست کے کام آئین"

بدان پرورانیدم این تار را	کہ تا دستگیری کند یار را

چوٹی کہلکر زمین تک لٹک آتی ہے زال اس جوش اور محبت سے چومتا ہے کہ چومنے کی آواز معشوق کے کانون تک پونہچتی ہے،

بسائید مشکین کمندش ببوس — کہ بشنید آواز بوسش عروس

زلف کو تشبیہًا سب کمند کہتے آئے ہین، لیکن یہ شاہنامہ کے معشوق کا کام تہا، کہ اُس کو واقعی کمند بنا دے۔ ان تمام موقعون پر جو الفاظ آئے ہین ان مین عشقیہ انداز کے ساتھ رزمیہ شان بھی قائم ہے مثلاً رودابہ کی زلف کی تعریف یہ ہے۔

کمندے کشاد او زسَر دلبند — کس از مشک زان سان نپیچد کمند

خم اندر خم و مار بر مار بر — بر آن غبغبش تار بر تار بر

رودابہ، زال کا خیر مقدم ان الفاظ مین کرتی ہے،

دو بیجادہ بکشاد و آواز داد — کہ شاد آمدی اے جوان مرد شاد

پیادہ بدینسان ز پردے سراے — برنجیدت این خسروانی دو پاے

قومی خصوصیت کا لحاظ سرتاپا شاہنامہ پایا جاتا ہے، وہ گویا قومی رجز ہے جو ایرانیون کے دل مین یہ جذبات پیدا کرتا ہے کہ وہ تمام دنیا کی قومون سے بالاتر ہین۔ بیرونی حملہ آورون نے ہمیشہ ان سے شکست کھائی، عرب، ہندوستان۔ حبش، بربر، روم، سب نے اس کو خراج دیئے، توران اسکا حریف مقابل تھا لیکن ہمیشہ ناکام رہا، افراسیاب مارا گیا۔ ارجاسپ نے شکست کھائی، سکندر نے فتح پائی تو وہ ایک فوری اور اتفاقیہ بات تھی، رستم تمام دنیا سے بالاتر تھا، تاہم اسفندیار کے مقابلہ مین

رردیا اور سیمرغ کی اعانت لینی پڑی، رستم فردوسی کا ہیرو ہے اور واقعی فردوسی کو اس کے نام سے محبت ہے، لیکن فردوسی قومی فرض کے مقابلہ مین اپنے جذبات سے بھی دستبردار ہوجاتا ہے، چونکہ تاریخی حیثیت مین یہ بحث تفصیل سے گذر چکی اس لئے اس موقع پر اسکے پھیلانے کی ضرورت نہین،

تخئیل | **شاہنامہ** مین سرتاپا واقعات ہین، اس بناپر بظاہر اسمین تخئیل نہین لیکن اگر شاعر کا صرف اسقدر کام ہوکر اس کے سامنے جو واقعہ موجود ہے بعینہ اسکی تصویر کھینچدے تو یہ صرف واقعہ نگاری اور مصوری ہے لیکن اکثر موقعون پر شاعر کو اس سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے، واقعہ محض اجمالی، سادہ اور بے کیف ہوتا ہے، شاعر اس کا ایک عام خاکہ قائم کرتا ہے، جابجا اس مین رنگ آمیزی کرتا ہے، بعض واقعات کو دھندلا رکھتا ہے، بعض کو اُجاگر کرتا ہے، موقع بہ موقع جذبات کا رنگ چڑھاتا ہے، یہ سب کام تخئیل سے متعلق ہین اور اس بناپر شاہنامہ تامتر تخئیل ہے،

خاص تخئیل جسمین محض خیالی باتین یا خیالی استعارے اور تشبیہین ہوتی ہین، فردوسی کے زمانہ تک پیدا نہین ہوئی تھی، کیونکہ شاعری کی تدریجی رفتار مین یہ اسکا زمانہ نہین ہے، تاہم یہ حیرت انگیز بات ہے کہ فردوسی نے خالص تخئیل کا بھی عمدہ تر نمونہ قائم کردیا ہے جو آئندہ شعرا کے لئے دلیل راہ ہو، بیژن کی داستان کی تمہید اس طرح لکھی ہے،

"اندھیری رات نے اپنا منہ قیر[1] سے دھویا، ستارے بالکل نظر نہین آتے،

---

[1] ایک سیاہ روغن ہوتا ہے۔

ماہ نو نئے انداز سے آراستہ ہوا، اُس کے تاج کے زیادہ حصّے لاجوردی ہو گئے، گرد نے ہوا کو زنگار بنا دیا، تاریک رات نے تمام صحرا اور جنگل مین سیاہ فرش بچھا دیا، ہر طرف بھوت پریت، سانپ کی طرح منہ کھولے نظر آتے ہین، جب ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگیٹھی سے گرد اُڑ رہی ہے، نہر مین قیر کی موجین اُٹھتی نظر آتی ہین، آسمان چلنے سے تھم گیا، سورج کے ہاتھ پاؤن سُست پڑ گئے زمین قیر گون چادر اوڑھ کر سو رہی، چار پائے اور مرغ بالکل چپ ہین، زمانہ بری بھلی کسی قسم کی بات کے لئے لب نہین کھولتا"۔

اشعار یہ ہین۔

شبے چون شبہ روے اشستہ بہ قیر　　نہ بہرام پیدا، نہ کیوان نہ تیر

دگر گونہ آرائیشے کرد ماہ　　بسیچ گذر کرد بر پیشگاہ

زتاجش سہ بہرہ شدہ لاجورد　　سپردہ ہوا را بزنگار گرد

سیاہ شب تیرہ بر دشت و راغ　　یکے فرش افگندہ چون پر زاغ

نمودم زہر سو بچشم اہرمن　　چو مار سیہ باز کردہ دہن

ہر آنگہ کہ بر زد یکے باد سرد　　چو زنگی برانگیخت ز انگشت گرد

چنان گشت باغ و لب جویبار　　کجا موج خیزد ز دریاے قار

فرو ماند گردون، گردان بہ جاے　　شدہ سُست خورشید را دست و پاے

زمین زیر آن چادر قیر گون　　تو گفتی شدستے بہ خواب اندرون

نہ آواز مرغ و نہ ہراے دد　　زمانہ زبان بستہ از نیک و بد

جذبات اور احساسات

فارسی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ اسنے جذبات اور احساسات کے وسیع عالم مین سے صرف عشق و محبت کا ایک جذبہ لیا ہے اور اسی کے گوناگون عالم دکھائے ہین محبت کا دائرہ بھی نہایت محدود ہے، یعنی عشق دعاشقی سے آگے نہین بڑھتا، باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، میان بیوی کی محبت، دوست دوست کی محبت ان جذبات کو فارسی شاعری مین ڈھونڈھنا چاہین تو مل نہین سکتے۔

یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، لیکن **فردوسی** اس نکتہ چینی سے بری ہی اس نے ہر قسم کے جذبات اور احساسات کو نہایت مؤثر طریقہ سے ادا کیا ہے، احباب کی محبت، بچون کا پیار۔ میان بیوی کی گرم جوشیان، والدین کی اطاعت، انتقام کا جوش غرور کی شان، عاجزی کا انداز، **فردوسی** نے ان احساسات کی نہایت کامل تصویر کھینچی ہے، ہم چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین،

(۱) **سیاوش** اپنے باپ کیکاؤس کی سرد مہریون سے عاجز آکر افراسیاب کے پاس چلا گیا تھا، افراسیاب نے خاطر تواضع کی اور اپنی بیٹی فرنگیش سے شادی کر دی، لیکن بالآخر درانداز دن کے بہکانے سے ناراض ہوگیا، اور قتل کا حکم دیا، فرنگیش کو خبر ہوئی۔ وہ چیخی چلائی اور سر پر خاک اڑاتی، اپنے باپکے پاس گئی اور کہا کہ سیاوش نے آپکے لئے اپنا خاندان اور تاج و تخت چھوڑا، آپکے سایہ مین آیا، اسکے خون سے ہاتھ نہ بھرئے بادشاہون کو قتل نہین کیا کرتے،

سیاوش کہ بگذاشت ایران زمین ہمی بر تو کرد از جہان آفرین،

سیاوشس نے جب ایران چھوڑا — تو تیری ہی مداحی کرتا آیا۔

بیازردازبہر توشاہ را — بماند افسر و گنج و ہم گاہ را

تیرے لئے اس نے بادشاہ کو رنجیدہ کیا — اور تخت و تاج چھوڑا،

سر تاجداران نہ بُرّد کسے — کہ با تاج بر تخت ماند بسے

بادشاہ کو کوئی قتل نہیں کرتا،

یہ کہکر سیاوش کی طرف مخاطب ہوئی اور کہا۔

بگفت این ودردے سیاوش بدید — دورُخ را بکند و فغان برکشید

یہ کہکر سیاوش کے چہرہ کی طرف دیکھا — گال نوچے اور چلاکر رو ئی،

کہ شاہا! دلیرا! گوا! سرورا! — سرافراز! شیرا! دکندا ورا!

کہ اے بادشاہ! اے پہلوان! آسردار! — اے سربلند! اے شیر!

کنون دست بستہ پیادہ کشان — کجا افسر و گاہ گردن کشان

تیرے ہاتھ باندھکر تجکو گھسیٹے لئے جارہے ہین، وہ تاج اور تخت کہاں ہے؟

کجا گیو؟ وطوس؟ کجا پیلتن — فرامرز و دستان وآن انجمن،

کجا شاہ کاؤس وگردن کشان — کہ بینند این دم ترا زین نشان

آج شہنشاہ کاؤس کہاں ہے کہ تجکو اس حالت مین دیکھتا

اختلاف حالات سے جذبات کی حالتین بدل جاتی ہین، شاعر کا کمال یہ ہے، کہ اس اختلاف نے جو خصوصیتین پیدا کر دی ہین وہ بھی ہر جگہ ملحوظ رکھی جائین فردوسی نے

ہر موقع پر اس نازک نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً سکندر جب مرا تو اسکی حرم روشنک اس کی لاش پر نوحہ کرتی آئی، سکندر بہت بڑا فاتح اور بہت بڑا کشورستان تھا روشنک دارا کی بیٹی تھی جسکو سکندر نے شکست دی تھی، ان خاص حالات کے لحاظ سے روشنک کے جذبات کیا ہونگے؟ فردوسی نے اس کو دیکھو کیونکر ادا کیا ہے، روشنک سکندر کی لاش کے پاس کھڑی ہو کر روتی ہے اور کہتی ہے،

"اے شہنشاہ! تو نے سیکڑوں بادشاہتیں تباہ، اور برباد کرڈین فور خاقان چین کو تو نے مٹا دیا، تو جسطرح عالم کو برباد کر رہا تھا اس سے مجکو یہ خیال ہوا تھا کہ تو خود موت کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے اور موت نے تجکو سند لکھدی ہے گو اس راز کو چھپاتا ہے، لیکن جب تو نے سب کو مٹا دیا تو خود بھی تاج شاہی سر سے پھینکدیا، جب تیری کوششوں کے بار ور ہونے کے دن آئے تو تو خاک مین مل گیا"

زبس رزم و پیکار و خون ریختن | چہ تنہا چہ با لشکر آویختن
زمانہ ترا داد گفتم جواز | ہمی داری از مردم خویش راز
چو کردی جہان از بزرگان تہی | بیفگند اختی تاج شاہنشہی
درختے کہ کشتی چو آمد ببار | ہمی خاک بینم ترا غمگسار

روشنک کو اپنے کشورستان شوہر کے مرنے کا صدمہ ہے، ساتھ ہی اپنے باپ کے قتل کا بھی خیال ہے اور دو مختلف اور متضاد جذبات جمع ہو جاتے ہیں فردوسی دونوں کو اسطرح ساتھ ساتھ ادا کرتا ہے کہ دونوں کی خصوصیتوں کا رنگ جھلکتا ہے،

رستم کو جب اسفندیار نے زخمی کیا ہے اور اس کے جینے کی امید باقی نہین رہی تو وہ گھر مین آیا ہے، باپ، مان، بھائی، سب اسکی حالت کو دیکھکر بے اختیار روتے ہین لیکن باپ، مان، بھائی، سب کی محبت یکسان نہین ہوتی، باپ کو بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے، بھائی کو بھائی سے نہین ہو سکتی، مان کی محبت اس سے بھی بڑھکر ہے اس فرق مراتب کا اثر دیکھو، زوارہ (رستم کا بھائی) روتا ہوا آیا اور رستم کے ہتھیار اُتارے، زال (رستم کا باپ) بال نوچتا تھا اور رستم کے زخمون پر منھ رکھدیتا تھا، لیکن رودابہ رستم کی آنکھ بچاکر روتی تھی،

چو رستم بہ ایوان شد اندر زمان — بر او سر بسر گرد شد دودمان

جب رستم گھر مین گیا تو سارا خاندان اس کے پاس سمٹ آیا،

بیامد زوارہ کشادہ میان — از و گبر بکشاد و ببر بیان

زوارہ نے آکر اس کا کمربند کھولا، اور زرہ اُتاری،

جہان دیدہ دستان ہمی کند موے — بران خستگیہا بمالید روے

زال، اپنے بال نوچتا تھا اور زخمون پر منھ ملتا تھا،

ز سر برہمی کند رودابہ موے — نہانی از ایشان ہمی خست روے

رودابہ رستم سے چھپکر اپنے بال، اور منھ نوچتی تھی:

مان کی محبت دیکھو، دل قابو مین نہین لیکن اس حالت مین بھی یہ خیال ہے کہ بیٹے کے سامنے رُون گی تو اسکا دل چھوٹا ہوگا، اسلئے چُھپکر روتی ہے،

فردوسی نے ایک اور موقع پر رودابہ کا رونا لکھا ہے یعنی جب اس کے

پوتے سہراب کی لاش گھر مین آئی ہے، لیکن چونکہ سہراب مرچکا ہے اس لئے اس خیال کا اثر نہین، اس بنا پر جی کھولکر سب کے سامنے رو تی ہے،

چو رودابہ تابوت سہراب دید ز چشمش روان جوے خوناب دید
بہ زاری ہمی مویہ آغاز کرد ہمی بر کشید از جگر آہِ سرد
ہمی گفت زار اے گو سرفراز زمانے ز صندوق سر بر فراز
نگوئی چہ آمدت پیش از پدر چرا بر دریدت بدینسان جگر

اس موقع پر سہراب کی مان کا نوحہ پڑھو جو پہلے حصے مین ہم نقل کر آئے ہین اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ دادی اور مان کی محبت یکسان نہین ہوتی،

(۲) رستم جب شغاد کے فریب سے کنوئین مین گر کر مرگیا ہے اور زال کو خبر پونہچی ہی تو اسنے کپڑے پھاڑ ڈالے، سر پر خاک اڑاتا تھا اور کہتا تھا،

"ہائے یہ واقعہ بھی کسی نے سنا ہے کہ ایک شیر لومڑی کے ہاتھ سے تباہ ہو جائے، او پہلوان! او شیر! او کشورستان! او شیر افگن! اب مین زندہ رہکر کیا کرونگا، اب یہ خاندان مٹ چکا، مین تیرا انتقام کس سے لون؟ کل دنیا تیرے خون کا عوض نہین ہو سکتی. جبتک تو تھا تو نے دنیا کو سنبھال رکھا تھا، اب کس پر چھوڑے جاتا ہے؟"

کہ دارد بیاد اینچنین روزگار کہ یار د شنید این نہ آموزگار
کہ شیرے چو رستم بدین تیرہ خاک زگفتار روباہ گردد ہلاک

گوا! بشیر گیرا! یلا! بہترا! | دلاور! جہانگیر! کندآورا!

کنون من اگر کوہ ہامون کنم | دگر آب جیحون پر از خون کنم

مرا این کینہ را از کہ خواہم! کنون | کہ بینم نیز زد جہانے بہ خون،

جہان تا تو بودی نگہ داشتی | چو رفتی کنون بر کہ بگذاشتی

رستم نے سہراب کے مرنے پر نوحہ کیا ہے۔ سہراب جس رتبہ کا بہادر اور پہلوان تھا اور جس عبرت انگیز طریقہ سے مارا گیا اس کے لحاظ سے اس کا نوحہ بھی نہایت پر اثر ہونا چاہیئے تھا، لیکن چونکہ حالات ایسے ہیں جن سے اس بدگمانی کا موقع ملتا ہے کہ رستم نے جان کر سہراب کے پہچاننے سے اغماض کیا تھا اس لئے رستم کے نوحہ میں وہ تاثیر نہیں، ملاحظہ ہو،

ہمی گفت زار اے نبردہ جوان | سرافراز و از تخمۂ پہلوان

رستم کہتا تھا کہ اے خاندانی پہلوان، ہائے،

کرا آمد این پیش کامد مرا | کہ فرزند کشتم بہ پیران سرا

کسی نے یہ بھی کیا ہوگا جو میں نے کیا | کہ بڑھاپے میں اپنے فرزند کو مار ڈالا

بریدن دو دستم سزاوار ہست | جز از خاک تیرہ مبادم نشست

میرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالنے چاہییں | میرے لئے صرف خاک سزاوار ہے

چو من نیست در گرد گیہان یکے | بہ مردی بدم پیش او کودکے

دنیا میں میرا ثانی نہیں | لیکن میں اسکے آگے بچہ تھا،

چہ گویم؟ چو آگہ شود مادرش | چگونہ فرستم کسے را برش
جب اسکی ماں کو خبر ہوگی تو مین کیا کہونگا، کسی کو اس کے ماں کیون کر بھیجون؟

چہ گویم چرا کشتمش بیگناہ؟ | چرا روز کردم بر و بر سیاہ
مین کیا جواب دونگا کہ مین نے اس کو بیگناہ کیون قتل کیا،

کدامین پدر، این چنین کار کرد | سزاوارم اکنون بہ گفتار سرد
کس باپ نے ایسا کام کیا | مین لعنت کے قابل ہون

کہ دانست کین کودکے ارجمند | بدین سال گردد چو سرد بلند
یہ کسکو خبر تھی کہ یہ ہوہار لڑکا | اتنے ہی دنون مین اتنا بڑا ہو جائیگا

بہ جنگ آیدش رائے دساز دسپاہ | بہ من بر کند روز روشن سیاہ
کہ لڑائی کی تیاریان کرے گا | اور مجھکو تباہ کردے گا

فردوسی رستم کی زبان سے اس سے بڑھکر اور کیا کہ سکتا تھا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ یہ سب باتین تصنع معلوم ہوتی ہین، سہراب نے بار بار کہا کہ مجھکو آپ سے بوئے محبت آتی ہے، آپ رستم تو نہین؟ لیکن خود غرض رستم نے نام نہ بتایا اور اسکو گوارا نہو سکا کہ دنیا مین اسکے مقابل کا بھی کوئی شخص موجود ہو،

ہرمز کو جب درباریون نے اندھا کر دیا تو خسرو اس کا بیٹا اس کے پاس گیا ہے، باپ کو اندھا دیکھکر اس پر جو حالت گذری ہے فردوسی اس کو اس طرح ادا کرتا ہے،

چو روئے پدر دید خسرو بہ درد | برآورد از دل یکے باد سرد
خسرو نے جب باپ کا چہرہ دیکھا | تو ایک ٹھنڈی سانس بھری
ببوسید چشم و سر و پائے او | دلش پر ز خون بود پر آب رد
اسکی آنکھیں، اور سر، اور پاؤں چومے | اسکا دل خون سے اور چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا
گر آید دلت کہ فرمان دہی بردرت | یکے بندہ ام پاسبان برسرت
آپ فرمائیں تو مین آپ کے | آستانہ کا ایک غلام ہون
نہ جویم کلاہ و نخواہم سپاہ | ببُرّم سر خویش در پیش گاہ
مین تاج و تخت نہیں چاہتا | کہیے تو سر کاٹ کر سامنے رکھدون

کیخسرو نے جب توران کی طرف فوجین روانہ کین تو سردارِ لشکر طوس کو تاکید کر دی تھی کہ راہ مین میرا بھائی فرود ایک پہاڑ پر رہتا ہے اُدھر سے نہ جانا، توران جانے کے دو راستے تھے، ایک مین فرود کا پہاڑ آتا تھا اس لئے کیخسرو نے کہا کہ دوسری راہ سے جانا، لیکن طوس اپنے آرام کے لحاظ سے اسی طرف سے گیا فرود بھولا بھالا نوجوان بہادر تھا، اور سب سے الگ تھلگ پہاڑ پر قلعہ بنا کر رہتا تھا، طوس نے خواہ مخواہ اس سے چھیڑ کی، وہ بھی کیانی شاہزادہ تھا، لڑ پڑا، دو چار کو مارا اور مر گیا، یہ خبر کیخسرو کو پونہچی، بھائی کے صدمہ سے بیتاب ہو گیا اور اپنے چچا فریبرز کو اس مضمون کا خط لکھا کہ طوس کو واپس بھیجدو، اس خط مین بھائی کے مارے جانے کا واقعہ جس درد سے لکھا ہے اُس سے بھائی کے خون کی بو آتی ہے، خط کا مضمون یہ تھا،

"مین نے طوس کو توران کے فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن راہ مین بھائی مارا گیا، مین نے طوس سے کہدیا تھا کہ راہ مین فرود کا قلعہ آتا ہے، اُدھر سے نہ جانا، وہ کیانی شاہزادہ ہے، قلعہ سے نکل آئے گا کسی کی بات کی تاب نہ لائیگا اور جان دیدے گا، آہ! ایسا شاہزادہ طوس کے ہاتھ سے برباد ہوگیا، مین باپ کے صدمہ سے نہین سنبھلا تھا کہ بھائی کا صدمہ اُٹھانا پڑا، آہ! وہ بہادر جوان، وہ پہلوانونکا بادشاہ، وہ سرداردن کا سردار، اب کہان ہاتھ آسکتا ہے"

زکار پدر زار گریان بدم — پر از درد یکچند بریان بدم

کنون بر برادر بباید گریست — ندانم مراد شمن و دوست کیست

کہ آنجا فرود است و با ما درست — گو کے نژاد است و کند آورست

کہ وہان فرود مع اپنی مان کے ہے — وہ کیانی شاہزادہ اور بہادر ہے

ندانند کہ این لشکر از بُن کہ اند؟ — از ایران سپاہ اند با خود چہ اند

وہ نہین جانتا کہ یہ کون لشکر ہے؟ — ایرانی ہے یا اور کوئی فوج ہے

برون آید و درنہ سازد ہمی — بہ جنگ اندرون سر ببازد ہمی

وہ باہر نکل آئے گا دبے گا نہین — اور جان دے دیگا

دریغ آن چنان گرد خسرو نژاد — کہ طوس فرومایہ دادش بباد

آہ، وہ شاہزادہ، پہلوان — نالائق طوس نے اسکو ہلاک کردیا

طوس جب کیخسرو کے دربار مین حاضر ہوا ہے تو جن لفظون مین اس نے اس کو

ملامت کی ہے، وہ برادرانہ جوش و محبت کا ایک پر اثر منظر ہے، وہ طوس سے مخاطب ہوکر کہتا ہے،

"مین نے کیانی تاج ونشان دیکر بھیجا تھا اور کہدیا تھا کہ جہرم کی راہ سے نہ جانا،

تو نے پہلے میرے ہی اوپر وار کیا، تو نے سیاوش کی نسل مٹا دی، آہ! وہ عالی رتبہ

جنگجو بھائی! جبکا زمانہ مین جواب نہ تھا تو نے ایسے شخص کو مٹا دیا کہ تجھ جیسے ہزارون

اُس پر سے ستر بان کر دینے کے قابل ہین، او بدنسل! تیرا انشان دنیا سے مٹ

جائے، تجھکو خدا کا کچھ ڈر نہین، تجھکو بہادرون سے کچھ شرم نہین،"

کیخسرو نہایت حلیم، نہایت متین، نہایت باوقار بادشاہ تھا، لیکن بھائی کے خون ہے کہ بے اختیار اس قسم کے الفاظ اُسکی زبان سے نکلتے ہین، فردوسی اس واقعہ لفاظ سے ادا کرتا ہے، ع

بہ دشنام بکشاد لب شہریار

گالی دینا سلاطین کا شیوہ نہین لیکن فردوسی جانتا ہے کہ کیخسرو اس وقت کیخسرو نہین،

فخر و غرور غیظ و غضب کے جذبات سے شاہنامہ بھرا پڑا ہے،

سہراب کے مقابلہ کے لئے جب کیکاؤس نے رستم کو زابل سے طلب کیا ہے تو آنے مین اسکو دو چار دن کی دیر ہوگئی، کیکاؤس نہایت مشتعل مزاج تہا، اتنی بات پر اس قدر برہم ہوا کہ طوس کو حکم دیا کہ رستم کو دار پر چڑہا دے، رستم وہ شخص تھا کہ

ایران کی سلطنت اس کے دست و بازو پر قائم تھی، بارہا اس نے کیکاؤس کو موت کے پنجہ سے چھڑایا تھا، ایک ایسے یکتاے عالم پر اس قسم کے حکم کا جو اثر ہو سکتا تھا تم خود اس کا اندازہ کر سکتے ہو، رستم غیظ و غضب سے بیتاب ہو جاتا ہے اور کہتا ہے،

چو خشم آورم شاہ کاؤس کیست | چرا دست یازد بہ من طوس کیست
جب مجھکو غصہ آئے تو کاؤس کیا چیز ہے؟ | طوس میرے اوپر کیا ہاتھ بڑھا سکتا ہے ہوتا کون ہے؟
چرا ارم از خشم کاؤس باک | چہ کاؤس پیشم چہ یک مشت خاک
مجھکو کاؤس کے غصہ کی کیا پروا ہے؟ | میرے سامنے کاؤس اور ایک مٹھی خاک دونوں برابر ہیں

گشتاسپ نے اسفندیار کو حکم دیا کہ رستم کے ہاتھ باندھکر لائے، اسفندیار نے زابل پہونچکر رستم سے یہ استدعا کی، رستم نے کہا،

کہ گفتت برو، دست رستم بہ بند | نہ بندد مرا دست چرخ بلند
تجھ سے یہ کس نے کہدیا کہ رستم کے ہاتھ باندھ لا | میرے ہاتھ آسمان بھی نہیں باندھ سکتا

اس شعر مین جس قدر زور اور جوش ہے ایک دفتر مین ادا نہین ہو سکتا

۵۔ ایشیا کی نسبت عام شکایت ہے کہ یہان ناموری کا جوش نہین، ان ملکون مین ہزارون نامور گذرے لیکن کسی شاعر نے یہ نہین لکھا کہ قوم نے اس کے کمال کی کیا قدر کی، اس کے مرنے کا ملک پر کیا اثر ہوا، لوگون نے کیونکر اس کا ماتم کیا؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایشیا کی شاعری، ناموری کے جذبات کو برانگیختہ نہین کر سکتی، لیکن فردوسی نے متعدد موقعون پر موثر طریقہ سے اس کا اظہار کیا ہے، مثلاً رستم جب مرگیا اور اس کی

کتاب خانہ

لاش لیکر چلے تو کابل سے لیکر زابلستان تک آدمیون کے ٹھٹ تھے، جنازہ ہاتھون پر آیا اور صرف دو دن اور ایک رات مین یہ مسافت طے ہوئی، تمام ملک ماتم کدہ تھا، لوگ بے اختیار روتے اور چلاتے تھے، مشک اور پھول لاش پر نثار کرتے تھے اور کہتے تھے

نگیری ہمی بادشاہی و رزم	نکوشی ہمی تیز ہنگام رزم
تو اب بادشاہی اور لڑائی کیون نہین کرتا	میدان جنگ مین کیون نہین جاتا
نہ بخشی ہمی گنج و دینار نیز	ہمانا کہ پیشِ تو شد خوار چیز
خزانے اور زر و گوہر کیون نہین لٹاتا	کیا یہ سب چیزین تیرے نزدیک ہیچ ہوگئین

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کا عربی کلام صفحہ ۸۲ ۶ر

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث ۴۵۰ صفحے قیمت ۲عہ ر

سیرۂ عایشہ، ام المومنین حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی، قرون اولیٰ کی خانہ جنگیون کے اصلی اسباب اور ام المومنین کے فضائل ومناقب اور اون کے اجتہادات وکمالات پر مفصل تبصرہ ضخامت ۳۵۰ صفحے قیمت عا۸ر

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ ڈکشنری: عا ر

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۳ر

" دوسری ریڈر طبع دوم، ۴ر

رسالۂ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل سنت والجماعت کے اصولی عقاید کی تحقیق ۹ر

خلافت اور ہندوستان، خلفائے اسلام اور مسلمانان ہند کے باہمی تعلقات کی تاریخ، آثار فرامین شاہی اور سکون کے ذریعہ تشریح و تفصیل ۸ر

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانح عمری اور ان کی موطائے حدیث پر تبصرہ، ۱۲ہ ر

مولانا عبدالسلام ندوی

اسوۂ صحابیات [heading text continues] ، ...

بہادر خواتین اسلام، یعنی خواتین اسلام کی جنگی اور بہادرانہ اخلاقی خدمات، ۴ر

مولانا عبدالسلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابۂ کرام کے عقائد، عبادات اور اخلاق کے پراثر واقعات مستند حوالون سے جن کو پڑھکر آپ کو معلوم ہوگا کہ اون کی زندگی کتاب وسنت کا عملی نمونہ تھی، ضخامت ۳۵۰ صفحات قیمت، ۳ر

اسوۂ صحابہ جلد دوم، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام نے اسلام کی سیاسی، مذہبی اور علمی خدمات کس خلوص اور صداقت سے کین ضخامت ۴۵۰ صفحات قیمت للعہ ر

مولوی عبدالباری ندوی

برکلے اور اوس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اوس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عا ر غیر مجلد عہ ر

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ مجلد عا ر

مذہب وعقلیات، اس مین ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب اور عقل مین تصادم کا امکان ہی نہین،

کتبخانۂ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامۂ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصۂ اول طبع دوم تقطیع خرد ے، للعہ،

ایضاً حصۂ دوم طبع اول تقطیع کلان ۱۰عہ، عہ،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف و طرز حکومت، ے،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور اونکا فلسفہ، عہ،

سیرۃ النعمان، امام اعظم کے حالات و ان کی فقہ پر تبصرہ عہ،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے حالات اور اوسکی سلطنت

دربار اور علمی کارنامون کی تفصیل، عہ،

شعر العجم حصۂ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری

کا آغاز اور قدما کا دور صفحات ۲۵۰ ے،

ایضاً حصۂ دوم، خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور

ابن یمین تک، صفحات ۲۳۰ عہ،

ایضاً حصۂ سوم، شعرائے متاخرین صفحات ۲۳۰ عہ،

ایضاً حصۂ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو

ایضاً حصۂ پنجم، اصناف شاعری پر ریویو، عہ،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن

اسلامی پر عربی مین ریویو، ۸،

سفرنامۂ مصر و شام، مطبوعہ معارف، عہ،

موازنۂ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کے محاسن، ے،

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات

اور اون کے جوابات، عہ، عہ، ۱۲،

رسائل شبلی، مولانا کے ۱۲ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ،

مجموعۂ کلام شبلی، اردو، ۱۲

مثنوی صبح امید، اردو، ۴،

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم، جدید طرز پر عربی مین قرآن مجید کی تفسیر ۴،

تفسیر سورۂ قیامہ، " " ۴،

تفسیر سورۂ والشمس، " " ۴،

تفسیر سورۂ والکفرون، " " ۴،

تفسیر سورۂ والعصر، " " ۴،

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی مین حضرت اسمعیل

کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ، ۱۰،

اسباق النحو، سہل طرز پر عربی گرامر، اردو، ۵،

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ۱۲،

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان

کا ترجمہ ۸،

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو بدید اردو نظم مین، ۲،

دیوان الفیض، ہند [illegible] کمایہ ناز استاد ادب

سلسلۂ دار المصنفین

۱۱

شعر العجم

۱۳۳۹ھ

حصۂ پنجم

اس حصہ مین قصیدہ، غزل، اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور فلسفیانہ

شاعری پر نقد و تبصرہ ہی

از

علامۂ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی

سنہ ۱۹۲۱ء

طبع دوم

فہرست مضامین شعر العجم حصہ پنجم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قصیدہ		قصیدہ گوئی کی نئی زندگی	۱۱	فارسی قصاید مین یہ شرطین کبھی	
قصیدہ گوئی کے تین دور ہین	۲	حسین ثنائی محتشم کاشی سنجر		جمع نہین ہوئین	۲۳
قدما کی خصوصیات	〃	کاشانی۔ اور عرفی۔ قدسی مشہدی	〃	فارسی اور عربی قصائد کا موازنہ	۲۴
قدیم طرز مین انوری نے کسیقدر		تکلف اور عیش پرستی کے اثر سے		عرب کب مدح کرتے تھے	〃
تبدیلی کی	〃	قصیدہ گوئی غزل گوئی بنگئی	۱۴	عرب کی شاعری اور مفاخرت	۲۶
ظہیر فاریابی کی وقت آفرینی		مشتاق اصفہانی کی قصیدہ گوئی		شعرائے فارس کا فخریہ	۲۸
اور مضمون بندی	۳	مین اصلاح		قصیدہ شاعرانہ مضامین کا	
ظہیر نے قصیدہ مین کیا باتین اضافہ		قاآنی	۱۵	سب سے بڑا میدان ہے	〃
کین	۴	قاآنی کے خصوصیات	۱۶	فارسی قصیدہ گوئی نے خوشامد اور	
خاقانی کی قصیدہ گوئی اور		واقعہ نگاری اور اسکی جزئیات پر نظر	〃	ذلت پرستی نہین پیدا کی	۲۹
ایجاد طرز خاص	۶	شاعرانہ مذاق کا انقلاب ہندوستان		قصائد گوئی بالکل بیکار نہین گئی	〃
خاقانی اور اسکی خصوصیات	۹	اور ایران مین۔	۲۰	**عشقیہ شاعری**	
کمال اسماعیل پر قدما کے دور		مرزا غالب	۲۱	غزل کا آغاز	۳۳
کا خاتمہ	۱۱	مرزا غالب مین اجتہاد اور جدت کا		رودکی	〃
حملہ تاتار کے بعد قصیدہ گوئی		مادہ شدت سے تھا	〃	دقیقی	۳۴
کا زوال	〃	قصائد سے کیا کام لیا گیا	۲۲	ابتدائی تغزل اور قصیدہ کی یکرنگی	۳۵
سلاطین صفویہ کا دربار اور		قصیدہ کا موضوع اور اسکی شرائط	۲۳	ایک مدت تک تغزل کو نمایان ترقی نہونیکے مختلف اسباب	〃

غزل اور تصوف کا تعلق	۳۵	اس طرز کی مقبولیت اور تقلید	۶۶	عشق کی حقیقت اور اسکے آثار	۸۹
غزل اور حکیم سنائی	۳۶	علی قلی میلی	؍؍	معشوق	۹۴
واحدی مراغی۔خواجہ عطار		ولی قائنی	۶۷	محبوب کی کج ادائیان	۹۵
مولنٰا روم اور عراقی	۳۷	وحشی یزدی	؍؍	بدعہدی	۹۶
سعدی اور غزل کا رواج عام	؍؍	فغانی کے طرز مین بے اعتدالی	۶۹	سفر	۹۷
سلمان اور خواجو	۳۸	ظہوری۔جلال اسیر۔طالب آملی		رقیب	۹۹
خواجہ حافظ کی شاعری اور اسکے	؍؍	کلیم۔ناصر علی اور بیدل	؍؍	قاصد	۱۰۰
متعدد نکات		غزل	؍؍	واردات عشق	؍؍
خواجہ صاحب کا تغزل ہمہ گیر شاعری ہے	۴۷	ایران مین غزل گوئی کے اسباب	؍؍	محبوب کا ظلم	۱۰۲
خواجہ صاحب کے بعد ڈیڑھ سو		ترکون کے زمانہ مین حسن کا اثر	؍؍	اخفائے حال	۱۰۳
برس تک غزلیہ شاعری کی		حملہ تاتار کے بعد تصوف کا اثر	؍؍	معشوق کا کسی اور پر عاشق ہو جانا	۱۰۴
ترقی رُک گئی۔	۵۸	غزل پر ریویو		کمسن معشوق	۱۰۵
حکومت صفویہ کا آغاز اور اسکے		عرب اور ایران کے تغزل کا		عاشق کی دور گردی	؍؍
نتائج۔	۵۹	موازنہ	؍؍	رقیب و عاشق کی نظر بازی	۱۰۶
غزل کا دور جدید اور بابا فغانی	؍؍	فارسی غزل کے معائب	؍؍	رقیب کی موت	؍؍
فغانی نے غزل مین کیا تبدیلیان		کی تفصیل		محبت اور ظلم کی ادائین ساتھ ساتھ	؍؍
کین اور اس کے خصوصیات	۶۰	محاسن	۸۰	قاصد کا انتظار	؍؍
فغانی کے مقلدین۔عرفی اور		تصوف نے فارسی غزلگوئی کو		ہجر مین وصل کی ایک ایک ادا	
نظیری	۶۴	بلند تر کردیا	۸۴	کی یاد	۱۰۷
محتشم کاشی اور شفائی	؍؍	فارسی تغزل اور واردات		معشوق کی مخفی نظر لطف	؍؍
ایک طرز خاص اور اسکا موجد شرف جہان	۶۵	حسن و عشق		معشوق کی مخفی آزردگی	

- رقیب کے مہر و لطف پر گماں ۱۰۷
- معشوق کی بے مہری کا تجربہ ″
- عاشق ناصح کی باتیں سن لیتا ہے ۱۰۸
- محویت کا عالم ″
- معشوق کا خط آیا ہے ″
- اظہار عشق سے خوف ″
- رقیب کی ناآشنائی محبت ″
- معشوق کی سچ کے ساتھ جھوٹ کی آمیزش ۱۰۹
- قاصد سے بدگمانی ″
- رعب یا شرم سے رقیب کی تکذیب نہیں کرتا ″
- محبوب کے متعلق بدگمانی ۱۱۰
- معشوق کو خط لکھنا ″
- معشوق کی جور و ظلم کی ادائیں ۱۱۱
- معشوقانہ ناز ″
- معشوق کے بہار حسن کا خاتمہ ۱۱۳
- عاشق کی بے صبری ۱۱۴
- معشوق کے افشائے راز سے ڈرتا ہے، ″
- کمسن فرمانروایان حسن کی ذہنی ″
- معشوق کا دوسرے پر عاشق ہو جانا ۱۱۵
- معشوق کا عاشق سے اخفائے عشق ۱۱۶
- دم مرگ معشوق کی آمد کا انتظار ″
- معشوق گھوڑے پر سوار ہے ۱۱۷
- جان نوازی و جان ستانی کا نظارہ ایک ساتھ ″
- شب ہجر صرف محبوب کے جلوہ سے صبح ہو سکتی ہے۔ ۱۱۸
- شراب پیکر انکار اور الزام سے بچنے کی تدبیر ۱۱۹
- واسوخت ″

صوفیانہ شاعری

- تصوف نے فارسی شاعری میں روح پیدا کی ۱۲۰
- سب سے پہلے سلطان ابو سعید ابو الخیر نے صوفیانہ خیالات ادا کیے ″
- حکیم سنائی کی صوفیانہ شاعری ۱۲۱
- حدیقہ اور سیر العباد ۱۲۲
- اوحدی اصفہانی اور انکی جام جم ۱۲۴
- خواجہ فرید الدین عطار کی صوفیانہ شاعری ۱۲۵
- مسئلہ وحدت وجود اور خواجہ عطار ″
- صوفیانہ شاعری کی ترقی کے مختلف اسباب ۱۲۷
- اخلاق، فلسفہ اور تصوف ۱۲۸
- عراقی اور انکی مثنویاں ″
- محمود شبستری اور انکی مثنوی گلشن راز ۱۳۰
- شاہ نعمت اللہ ولی، مغربی، جامی اور شفائی کا عہد اور صوفیانہ شاعری کے زوال کے اسباب ۱۳۱
- فارسی شاعری پر تصوف کا اثر ۱۳۲
- فارسی شاعری میں تصوف کا سرمایہ کس قدر موجود ہے ۱۳۹
- شریعت اور تصوف کی امتیازی حالت ۱۴۱
- ابتدائی تصوف اور موجودہ تصوف کا فرق ″
- وحدت وجود یعنی ہمہ اوست ۱۴۲
- حاسۂ باطنی ۱۵۲
- کشف حقائق ۱۵۷
- ذات باری ۱۶۳
- اختلاف حال ۱۶۹
- ذکر و تسبیح ۱۷۱
- تصوف اور فلسفہ و مذہب کا فرق ″
- روح اور روحانیات ۱۷۲
- انسان عالم اکبر ہے۔ ۱۷۶
- بہت سے اسرار کہنے کے قابل نہیں ۱۷۷
- عالم کائنات کے اسرار معلوم نہیں ہو سکتے ۱۷۸
- رسوم و قیود [illegible] ۱۷۹

رضا بالقضا ۱۸۰
خدا کی حقیقت معلوم نہین ہوسکتی ۱۸۱
عالم غیب کے واقعات بیان کرنیکا طریقہ ″
ابلیس و شیطان ۱۸۳
وحدت فی الکثرۃ ″

اخلاقی شاعری

اخلاقی شاعری کا آغاز ۱۸۵
بدایعی بلخی ″
اخلاقی شاعری کی ترقی کے اسباب ″
اخلاقی مثنویان ۱۸۶
ایران کی اخلاقی شاعری پر اعتراض
اور اس کا جواب ۱۸۸
اخلاقی تعلیم پر اجمالی ریویو ۱۸۹
آزادی کی تعلیم ″
شیخ سعدی ۱۹۰
جابر بادشاہوں کے مقابلہ مین جو طریقہ
اصلاح اختیار کیا جاسکتا ہے اسکی تفصیل ۱۹۲
بادشاہ کی غرض رعایا کا آرام و آسایش ہے ″
بادشاہون کے مواجہ مین آزادی و حقگوئی ۱۹۳
میر حسینی ″
نظامی ۱۹۴
بوستان ۱۹۷
ملازمت اور نوکری کی برائی ۱۹۸
ابن یمین اور عمر خیام ″
جامی ۱۹۹
جنتی اصفہانی ″
قناعت اور توکل کی بے انتہا تعریف مین نکتہ ۲۰۰
دولت و امارت کی بے ثباتی اور تحقیر ۲۰۱
عزت نفس اور ترک احسان پذیری ۲۰۳
غصہ کے مقابلہ مین غصہ نکرنا چاہیے ۲۰۴

فلسفیانہ شاعری

فلسفیانہ شاعری کیا ہے ۲۰۵
شاعری مین فلسفہ کس راہ سے آیا ۲۰۶
ناصر خسرو نے فلسفیانہ شاعری کی ابتدا کی ″
نظامی نے فلسفیانہ شاعری کو ترقی دی ۲۰۷
نظامی کے بعد فلسفیانہ خیالات کا پھیلنا اور
دفعۃً رک جانا ۲۰۹
صفویہ کے دور مین فلسفیانہ شاعری کی ترقی ″
عام فلسفیانہ خیالات کی تفصیل ۲۱۰
مذہبی جھگڑونکی اصل دنیوی اغراض ہوتے ہین ۲۱۲
حکیم کو دنیا اور دین کسی سے غرض نہین ″
خود غرضی نامقبولیت کا سبب ہے ۲۱۳
فقرا اور دولتمندی کی تحقیر ۲۱۳
اخلاق رذیلہ کی مصلحت ۲۱۴
عوام کے لیے آزادی مفید نہین ″
ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہے ۲۱۵
خواص مقبول عوام نہین ہوسکتے ″
مسئلہ جبر ۲۱۶
عالم مین شر نہین ہے ۲۱۷
رہنما بھی نابلد ہین ۲۱۸
تقلید سے نجات ۲۱۹
مردون کے لیے جنگ و نزاع ۲۲۰
جوہر و عرض ″
اشیا کی ہمجنسی اور انقلاب کیمیاوی ۲۲۲
ناقص غذا سے کامل ۲۲۳
حقیقت رسی اور اسکے مدارج ۲۲۴
اپنی بے حقیقتی ۲۲۵
ترک خودی سے جھگڑے مٹ جاتے ہین ″
اتحاد مذہب ۲۲۶
بڑھاپے مین ترک ہوس ۲۲۷
بات سوچکر کہنا چاہیے ″
برے آدمیونکی صحبت سے بچنا چاہیے ″

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

دنیاے ادب مین شعر العجم کو جو قبول عام حاصل ہوا، وہ موجودہ ہندستان کے ذوق فارسی کو دیکھکر توقع سے بہت زیادہ ہے۔ چند سال کے عرصہ مین اسکی چند اڈیشن شائع ہوچکے ہین۔ بعض یونیورسٹیون نے اس کو نصاب مین داخل کرلیا ہے، روزانہ اسکی فرمایش کے خطوط اطراف ملک سے آتے رہتے ہین،

شعر العجم کا تخیل مولنا کے دل مین ایک مدت سے موجود تھا، انکی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سنہ ۱۸۹۹ء مین انکو اس موضوع کا خیال آیا[2]۔ چنانچہ ۱۰۔ جولائی سنہ ۱۸۹۹ء کے بعد ۲۶۔ جولائی سنہ ۹۹ء کے ایک خط مین لکھتے ہین[3]،

فارسی پر درحقیقت مجکو صرف عالم خیال سے کام لینا پڑے گا۔ کیونکہ فارسی کا ایک دیوان بھی میرے پاس نہین۔ جو کچھ ہے، صرف دماغ مین ہے۔ ابتدائی کام اسکے یہ ہین،

(۱) اس کے ادوار کی تقسیم۔

(۲) ہر دور کے خصوصیات شاعری اور متروکات الفاظ و محاورات۔

(۳) بڑے بڑے شعرا کے کلام پر ریویو۔

---

۱ مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۳۰۱ ۲ مکاتیب اول صفحہ ۱۲۲ ۳ مکاتیب اول صفحہ ۱۲۵

(۴) شاعری سے ملکی اخلاقی اور معاشرتی اثر کیا پیدا ہو

لیکن ابھی اس سے ضروری اور مقدم کام باقی تھے۔ چنانچہ اس کے بعد متعدد کتابین مثلاً الغزالی، علم الکلام اور موازنہ وغیرہ، اُن کے قلم سے نکلین۔ نومبر ۱۹۰۶ء مین جب موازنہ سے فرصت ملی تو ایران کی سحر طرازیون نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور شعراے عجم کی مرقع آرائی کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی[۱]

عجب اتفاق کہ اسوقت اسی عنوان پر ہندوستان اور یورپ کے دو اور اکابر مصنفین بھی قلم اٹھا چکے تھے۔ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد لاہور مین۔ اور پروفیسر براؤن انگلینڈ مین ۱۹۰۷ء مین ادھر لاہور سے **سخندان پارس** نکلی۔ اور اُدھر انگلینڈ سے لٹریری ہسٹری آف پرشیا شائع ہوئی۔ لیکن **شعرالعجم** کے مصنف کا معیار تخیل ان دونون سے الگ رہا، ۶۔ مئی ۱۹۰۷ء کے خط مین مولنا لکھتے ہین[۲]

آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ! لیکن الحمدللہ کہ میرے شعرالعجم کو ہاتھ نہین لگایا؛

اپریل ۱۹۰۸ء مین مولنا کو ایک دوست کے خط سے براؤن کی تصنیف کا حال معلوم ہوا چنانچہ انھین کے ذریعہ سے کتاب منگوائی اور پڑھوا کر سنی۔ اسکا جو اثر انپر ہوا۔ وہ حسب ذیل ہے

"بلا مبالغہ اور بلا تصنع کہتا ہون کہ براؤن کی کتاب دیکھکر سخت افسوس ہوا۔ نہایت عامیانہ اور سوقیانہ ہے۔ برادر اسحاق سے پڑھوا کر سنی، خود بھی الٹ پلٹ کر دیکھا۔ فردوسی کی نسبت صرف دو تین صفحے لکھے ہین جس مین اسکے اقتباسات بھی شامل ہین۔ مذاق

[۱] مکاتیب اول صفحہ ۶۴ و دوم صفحہ ۱۳۴۔ [۲] مکاتیب اول صفحہ ۱۶۷۔ اسی مضمون کا ایک خط دوم صفحہ ۲۴۲ مین ہے

اتنا صحیح ہے کہ آپ فردوسی کا درجہ سبعہ معلقہ کے برابر بھی نہین مانتے اور فرماتے ہین
کسی حیثیت سے یہ کتاب اور شعراے فارسی کے کلام کے برابر نہین۔ مین مع سود
وہرجہ کے آپ سے اس کے دام واپس لونگا۔

واقعہ یہ ہی کہ براؤن کی کتاب اور شعر العجم کے موضوع مین آسمان و زمین کا فرق ہے
براؤن کا مقصد ایران کی ادبی و علمی تاریخ نگاری ہی شعرا کا ذکر اسکی کتاب مین ضمناً ہے،
اور وہ بھی صرف سعدی تک۔ اور شعر العجم کا موضوع محض **فارسی شاعری** ہے، وہ لوگ
جو شعر العجم اور لٹریری ہسٹری آف پرشیا دونون سے واقف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ شعر العجم کا
انگریزی مین ترجمہ کیا جائے تاکہ یورپ کو نظر آجائے کہ مشرقی تبحر و کمال کے کیا معنی ہین
انمین سب سے پیشرو ہمارے دوست پروفیسر عبد القادر ایم اے۔ (الفنسٹن کالج بمبئی) تھے،
سنہ مین شعر العجم کی پہلی جلد زیر طبع تھی اور دوسری اور تیسری زیر تصنیف۔ سنہ ۹ کے آخر مین
دوسری اور سنہ ۱۰ مین تیسری جلد شائع ہوئی۔ ان تینون حصون مین قدما[1]، متوسطین[2]، اور متاخرین[3]
شعرا کے حالات اور انکے کلام پر نقد و تبصرہ ہی۔ چوتھی جلد کے چھپ جانے کے بعد مولانا کو ایک
معذرت نامہ الگ چھاپ کر لگانا پڑا جس مین حسب ذیل عبارت تھی،

"یہ طے شدہ تھا کہ چوتھے حصہ پر **شعر العجم** کا خاتمہ ہوگا، لیکن داستان پھیلتی گئی،
اور اب اس حصہ کے بھی دو حصے کردینے پڑے۔ یہ حصہ **مثنوی** کے ریویو تک ہے،
دوسرے حصہ مین بقیہ تمام انواع شاعری پر تقریظ و تنقید ہے۔

---

[1] پروفیسر موصوف کے نام مکتوب صفحہ ۲۲۷-۲۳۶

ناظرین مطمئن رہیں - پانچویں حصہ کے بعد ان کو زحمت نہ دی جائے گی؛
پانچوں حصہ زیر تالیف تھا کہ مصنف کا طائر خیال سبزہ زار ایران کی بوقلمونیوں سے گھبرا کر
ایک سدا بہار چمن کی تلاش مین نکلا، اور وہ مل گیا - یعنی حریم قدس جہان عمر کے آخری
لمحہ تک اس کا آشیانہ رہا، "عارفین شیراز" اپنے گذشتہ تجربون کی بنا پر کہہ سکتے ہین کہ سحر طرازان
ایران کے مجازی حسن وعشق ہی کا سوز و گداز تھا جو عشق حقیقی بنکر جلوہ گر ہوا -

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نرسد — "کفر" آوردم و در عشق تو "ایمان" کردم

بہر حال اِس بادۂ تند و تیز کا یہ اثر ہوا کہ سیرت نبوی کے سوا ہر چیز فراموش ہوگئی
چنانچہ جنوری ۱۲ء کے الندوہ مین یہ نوٹ انھون نے لکھا -

"شعر العجم کا چوتھا حصہ زیر تالیف ہے لیکن وہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اسکے دو حصے کر دینے پڑے - ایک حصہ مطبع مین جا چکا ہے اور چھپ رہا ہے، لیکن دوسرے حصہ کو مین نے روک لیا کہ اب مجکو سب سے مقدم اور مہتم بالشان کام یعنی سیرۃ نبوی کی تالیف مین مصروف ہونا چاہیے - اگر یہ کام انجام پا گیا تو شعر العجم ہوتی رہے گی اسکی کیا جلدی ہے"

اب یہی "اوراق منوعہ" چھ برس کے بعد دسمبر ۱۸ء مین شائع ہو رہے ہین، اور اسطرح سمجھنا چاہیے کہ شریعت حسن وعشق کے یہ پانچون صحیفے تقریباً ۱۳ برس کے عرصہ مین بتدریج تکمیل کو پہونچے -

از جلوہ بیارام دمے کاین ہمہ خوبی — در حوصلۂ دیدہ بہ یکبار نہ گنجد

یہ پانچوان حصہ مولانا کے مسودات مین بے ترتیب پڑا تھا، قدر شناسان شعر العجم کا اصرار

تھا کہ اس کو جلد تر حلیۂ طبع سے آراستہ کیا جاے۔ لیکن کاغذ کی گرانی کے باعث ہمت نہین پڑتی تھی بالآخر ایک "دستِ غیب" نے یہ مشکل بھی حل کر دی۔ اور آج ہم اس قابل ہوے ہین کہ اس خوان نعمت کو ارباب ذوق کے پیشکش کر سکین۔

اس حصہ کے مضامین کا سرا پانے کے لیے ناظرین کو چوتھی جلد کے عنوان "فارسی شاعری پر تفصیلی ریویو" کے دو تین صفحے پڑھ لینے چاہئین۔ اس خیال سے کہ آپکی زحمتِ مطالعہ مین کسیقدر تخفیف ہو سکے۔ ہم اُن صفحات کا چند سطرون مین خلاصہ کر دیتے ہین،

"ہمارے اہل ادب نے شعر کی تقسیم وزن، قافیہ، ردیف وغیرہ کے لحاظ کی ہے، اور اس بنا پر شعر کے اقسام قصیدہ۔ غزل۔ مثنوی وغیرہ قرار دیے۔ لیکن یہ علمی تقسیم نہین تقسیم کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ شعر کی جو حقیقت ہے (یعنی مصوریِ جذبات و تخیل) اس کے لحاظ سے اس کے معنوی اقسام قایم کیے جاتے۔ مثلاً رزمیہ۔ عشقیہ۔ فخریہ۔ مرثیہ۔ اخلاقی۔ فلسفیانہ وغیرہ۔ شعر کے مشہور اقسام یہ ہین۔ یعنی غزل قصیدہ۔ مثنوی۔ مذکورۂ بالا اصول کے لحاظ سے قصیدہ اور غزل جذباتی شاعری مین داخل ہین۔ اور مثنوی مظاہر قدرت کی مصوری ہے۔ لیکن ہمارے شعرا نے ان مین سے کسی کو اپنے حدود مین محدود نہین رکھا ہے غزل مین بجاے اسکے کہ جذباتِ محبت کا اظہار کیا جاتا ہر قسم کے فلسفیانہ۔ اور تخیلی مضامین داخل کر دیے۔ قصیدے ہمہ تن تخیل بن گئے۔ مثنوی نے واقعہ نگاری کی حد سے متجاوز ہو کر ہر قسم کی شاعری پر تصرف کر لیا۔ اس بنا پر اصناف شاعری پر تفصیلی ریویو کرنے مین مجبوراً خلط مبحث سے کام لینا پڑا ہے یعنی بعض تو عین علمی تقسیم کے لحاظ سے قائم کی گئی ہین (مثلاً عشقیہ۔ اخلاقی۔ صوفیانہ، فلسفیانہ) اور بعض مین اسی قدیم

اصطلاح کو قائم رکھا ہے"

بہرحال ان مختلف اصناف وانواع مین سے چوتھی جلد مین صرف رزمیہ مثنوی پر ریویو ہے بقیہ اصناف پانچوین حصے کے لیے اُٹھا رکھے گئے تھے۔ اس حصہ مین۔ قصیدہ غزل عشقیہ۔ صوفیانہ۔ فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تقریظ و تبصرہ ہے،

پانچوین حصہ کی تصنیف سے درحقیقت مولنائے مرحوم تمامہ فارغ نہین ہوے تھے۔ بہت سے مسودات انکی نظر ثانی کے محتاج تھے اسی لیے ارباب نظر دیکھین گے کہ اسمین بعض مواد بے ترتیب ہین کہین مضامین مین تکرار ہے بعض مقامات تفصیل طلب ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی ذہن کا پہلا خاکہ ہین۔ تاہم یہی مناسب سمجھا گیا کہ ان موتیون کی لڑی مین پوت نہ ملایا جائے۔ چنانچہ فصول و ابواب کی ترتیب کے علاوہ اصل متن مین کسی قسم کی مداخلت جائز نہین رکھی گئی۔

مولنا اپنی ہر تصنیف بار بار کی حک و اصلاح، تکرار نظر اور کاٹ چھانٹ کے بعد شائع کرتے تھے۔ اس کتاب سے یہ معلوم ہوگا کہ بے ساختگی کے ساتھ اول وہلہ مین انکی دماغ سے کیا خیالات اور ان کے قلم سے کیا الفاظ نکلتے تھے،

ان اوراق کی ترتیب و تصحیح رفیق مکرم مولنا عبد السلام ندوی۔ اور مولوی ابوالحسنات ندوی نے کی ہے ناظرین انکی کوششون کو مشکور فرمائین،

سید سلیمان ندوی

۳۰۔ دسمبر ۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدہ

جس زمانہ مین شاعری کا آغاز ہوا، عرب کی شاعری مدحیہ قصاید پر محدود تھی، اسلیے ایرانی شعرا نے بھی اِنہی کی تقلید کی، اسکے ساتھ صلہ اور انعام کی توقع صرف قصیدہ سے ہو سکتی تھی، یہ اسباب تھے کہ ایران نے سب سے پہلے قصیدہ گوئی سے ابتدا کی،

عرب مین مدحیہ قصائد کا یہ انداز تھا کہ تمہید مین عشقیہ اشعار ہوتے تھے، جن کو تشبیب کہتے ہین، پھر کسی تقریب سے ممدوح کا ذکر کرتے تھے، اسکو اصطلاح مین تخلص یا گریز کہتے ہین، پھر مدح ہوتی تھی اور دعا پر خاتمہ ہوتا تھا، فارسی نے بھی سراپا اسی کی تقلید کی، قصیدہ کے حسن کا معیار ۳ چیزین سمجھی جاتی تھین،

مطلع، یعنی قصیدہ کا پہلا شعر کس شان کا ہے،

تخلص یعنی ممدوح کا ذکر کس طرح بظاہر بلا قصد آگیا ہی کہ گویا بات مین بات پیدا ہو گئی ہے،

مقطع، یعنی خاتمہ کس عمدگی سے کیا ہے،

یہی تینون چیزین فارسی مین بھی قصیدہ کا معیار کمال قرار پائین،

قصیدہ گوئی کے تین دور ہین، جن کے خصوصیات علانیہ ایک دوسرے سے ممتاز ہین، قدما، متوسطین، متاخرین، قدما کے زمانہ کی حسب ذیل خصوصیات ہین۔

ا۔ تکلف، مبالغہ، اور آورد نہ تھی، سادہ اور صاف خیالات کو سادہ لفظون مین ادا کر دیتے تھے،

۲۔ زیادہ تر الفاظ کی صنعت گری پر مدار تھا، جسکی متعدد صورتین تھین۔

(۱) ایک مصرع مین جو الفاظ آتے تھے، دوسرے مصرع مین بھی اکثر انھین کے مرادف الفاظ لاتے تھے۔

(۲) اس سے بڑھکر یہ کہ ہموزن بلکہ اکثر ہم قافیہ الفاظ لاتے تھے؛ مثلاً

اے منور بہ تو نجوم جمال	وے مقرر بتو رسوم کمال
بوستانے است صدر تو ز نعیم	آسمانے است قدر تو ز جلال

(۳) میر معزی، اور عبدالواسع جبلی اکثر قصیدون مین لف و نشر کا التزام کرتے ہین، اور بعض قصیدون مین اسکے ساتھ صنعت اعداد بھی شامل کر دیتے ہین،

قدما کے کلام مین مرادف الفاظ اور مختلف اقسام کی لفظی صنعت گریان اس کثرت سے ہین کہ جی اکتا اکتا جاتا ہے، اور چونکہ یہ اوصاف اکثر مشترک ہین اس لیے جسکا کلام اٹھا کر دیکھو ایک ہی آواز آتی ہے، غالباً سب سے پہلے اس طرز مین کسیقدر تبدیلی انوری نے کی، اسنے الفاظ کے خاص ناپ تول کا کام کم کیا اور بہت سے سادہ اشعار لکھے جنمین لفظی خصوصیتون کی رعایت نہ تھی، اسکے ساتھ مضمون آفرینی پر

توجہ کی، جس سے الفاظ کی بندش کی قدر کم ہوئی، اور خیال دوسری طرف رجوع ہو سکا،

ظہیر فاریابی نے دقت آفرینی اور مضمون بندی کا آغاز کیا، متوسطین اور متاخرین کی دقیق خیال بندیاں اُسی کے نمونہ پر قائم ہوئین،

ظہیر فاریاب کا رہنے والا تھا جو ترکستان کا ایک شہر ہے۔ علوم درسیہ مین کمال پیدا کیا، چنانچہ قوم کی زبان سے صدر الحکما کا لقب ملا، شاعری کے آغاز مین نیشاپور آیا، اور طغان شاہ بن موید کی مداحی کی، پھر ماژندران گیا، اور یہان کے سلاطین کی مدح مین قصائد لکھے، بالآخر آذربایجان پہونچکر جہان پہلوان محمد یلدگز کے دربار مین رسائی حاصل کی، اُسنے ظہیر کی نہایت قدر دانی کی، اسکے مرنے کے بعد قزل ارسلان کی مداحی کی، چنانچہ یہ مشہور قصیدہ اسی کی مدح مین ہے،

نُہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پای | تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

بالآخر کسی بات پر قزل ارسلان سے ناراض ہوا، اور اتابک ابوبکر بن جہان پہلوان محمد الیدگز کے درباریون مین داخل ہوا، یہ وہی آتابک ہے، جسکے نام پر خواجہ نظامی نے سکندر نامہ لکھا، اخیر اخیر مین ظہیر نے ترک دنیا اختیار کیا، اور تبریز مین گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا، ۵۹۸ھ مین وفات پائی، اور خاقانی کے پہلو مین مدفون[1] ہوا، دولت شاہ نے سنہ وفات ۵۵۰ھ لکھا ہے[2]، ظہیر خاقانی اور انوری کا معاصر اور ہم عہد تھا،

گوہر کی ردیف کا قصیدہ ظہیر نے فی البدیہہ لکھا تھا جبکہ اسکا ممدوح فیروزہ کی کان

---

[1] ید بیضا، [2] یہ تمام تفصیل ید بیضا سے ماخوذ ہے،

دیکھنے گیا تھا، اور اسی وقت قصیدہ لکھنے کی فرمایش کی تھی:

ظہیر نے قصیدہ مین جو باتین اضافہ کین، حسب ذیل ہین،

(۱) دقّت آفرینی اور خیال بندی جو متاخرین کے مخصوص اوصاف ہین، اسکی بنیاد قائم کی؛ ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا:

اندیشۂ کہ گم شود از لطف در ضمیر گردون بہ راز با کمرت درمیان نہاد

متاخرین نے کمر کی تعریف مین نہایت دقت آفرینیان کی ہین، یہان تک کہ کمر کو ایک لطیف خیال، ایک باریک مضمون، ایک موہوم تخیل کہتے ہین، اُن سب خیالات کی اصل یہی ظہیر کا شعر ہے،

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "معشوق کی کمر ایک لطیف خیال ہے، جسکو آسمان نے چپکے سے معشوق کے کمر بند سے کہدیا ہے" افسوس ہے کہ "راز درمیان نہادن" کا صحیح ترجمہ اُردو مین نہین ہوسکتا، اس لیے فارسی مین جو لطافت ہے، وہ ترجمہ مین جاتی رہی،

(۲) در تنگنای بیضہ ز تاثیرِ عدل او نقّاشِ صُنع پیکرِ مُرغان ستان نہاد

"ستان نہادن" کے معنی چت لٹانے کے ہین، نقاش صنع، یعنی قدرت۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل کا یہ اثر ہے کہ قدرت نے ذرا سے انڈے مین پرندون کو چت لٹایا کہ آرام سے سوئین، اس صنعت کو فارسی مین حسن التعلیل کہتے ہین۔

(۲) ترکیب اور بندش مین چستی، بلندی اور زور پیدا کیا: چنانچہ اس وصف مین کمال اسماعیل، اور سلمان ساوجی بھی اس سے آگے نہ بڑھ سکے،

ذیل کے اشعار کی دروبست اور زور و بندش کو دیکھو۔

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پای — تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

یعنی خیال جب آسمان کی نو کرسیون کو، پاؤن کے نیچے رکھ لیتا ہی، تب قزل ارسلان کی رکاب کو چوم سکتا ہے۔

سر بر نیکنی ز تکبر مگر کہ پاے — بر آستانِ شاہ مظفر نہادہ

شاہنشہِ زمانہ کہ از روی مرتبت — مسند فراز گنبدِ اخضر نہادہ

شرحِ غم تو لذتِ شادی بجان دہد — ذکرِ لب تو طعم شکر در دہان دہد

جز زلف و عارضِ تو ندیدم کہ ہیچکس — خورشید را ز ظلمتِ شب سایبان دہد

ای خسروے کہ حفظ تو از روی اہتمام — گوگرد را ز صولتِ آتش امان دہد

(۳) زبان مین زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پیدا کی، چنانچہ اسکے قصائد نے انوری اور خاقانی کی طرح کبھی شرح لکھنے کا احسان نہین اُٹھایا۔

(۴) اکثر نازک اور لطیف تشبیہین ایجاد کین، ماہِ نو کی تشبیہ مین ظہیر کے معاصرین نے بہت زور صرف کیا، اور سیکڑون نئی نئی تشبیہین پیدا کین لیکن ظہیر کی نزاکت کو نہ پہونچ سکے، ایک قصیدہ کی تمہید اس طرح شروع کی ہے کہ جب شام ہوئی تو مین نے دیکھا کہ لاجودی

تختہ پر کسی نے خط خفی مین نون لکھدیا ہے، یا دریا مین کشتی بہتی جاتی ہے، اسطرح متعدد تشبیہین بیان کرکے کہتا ہے، کہ لوگ آپس مین بحث و نزاع کررہے تھے، کہ یہ کیا چیز ہے، مین عقل کے پاس گیا، اور کہا کہ یہ کونسا معشوق ہے، جسکے کان کا آویزہ آسمان اُڑا لایا ہے یا کسی کے قبا کی بیل تراش لی ہے، یا کسی معشوق کے ہات کا کنگن اُتار لیا ہے،

آن شاہد از کجاست کہ این چرخ شوخ چشم — از گوش او بروں کند این نغز گوشوار (آویزہ)

گردون زجامۂ کہ بریدہ است این طراز — گیتی ز ساعدِ کہ ربودہ است این سوار (کنگن)

بہار کی تعریف مین لکھتا ہے،

چمن ہنوز لب از شیر ابر ناشستہ — چو شاہدان خطِ سبزش دمید گرد عذار

"لب از شیر ناشستن" یعنی ابھی بچہ کا دودھ نہین چھوٹا، شعر کا مطلب یہ ہے، کہ باغ ابھی بچہ ہے، یہانتک کہ ابھی اسکے ہونٹون پر ابرِ باران کا دودھ جما ہوا ہے، باوجود اسکے نوخطون کی طرح اس کے چہرہ پر سبزہ نکل آیا ہے۔

اسی زمانہ مین خاقانی نے قصیدہ گوئی مین بہت شہرت حاصل کی اور ایک خاص طریقہ ایجاد کیا جو اس کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی کسی نے اسکی تقلید نہین کی،

خاقانی کا وطن شروان تھا، اصل نام ابراہیم افضل الدین بن علی[1] ہے، باپ بڑھئی تھا، اسی بنا پر ابوالعلا گنجوی نے کہا ہے،

درودگر پسر ابود نامست بہ شروان — بخاقانیت من لقب بر نہادم

[1] تذکرہ مخزن الغرائب مین سنہ ولادت ۵۰۰ھ لکھا ہے

ابتدا مین تمام علوم درسیہ کی تحصیل کی، پھر شاعری کا شوق پیدا ہوا، ابو العلار گنجوی کی شاگردی اختیار کی، اور حقائقی تخلص رکھا، جب شاعری مین کمال پیدا ہوا تو رئیس شروان یعنی خاقان کبیر منوچہر اخستان کے دربار مین رسائی حاصل کی اس نے نہایت قدر دانی کی، اور حکم دیا کہ ہر قصیدہ پر ہزار اشرفیان انعام دیئ جائین، وقتاً فوقتاً جو انعام ملتے رہتے تھے اس پر مستزاد تھے، اخیر مین دنیاوی تعلقات سے سیر ہو کر چاہا کہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جاے لیکن شروان شاہ کی اجازت نہ تھی، مجبوراً ایک دن چھپ کر نکلگیا، بادشاہ کو خبر ہوئی خاقانی بیلقان تک پہونچ چکا تھا، سرکاری آدمیون نے وہین گرفتار کیا، بادشاہ نے اس جرم پر کہ بلا اجازت کیون چلا گیا، شابران کے قلعہ مین قید کیا، تمام تذکرون مین قید کی یہی وجہ لکھی ہے، لیکن یہ واقعہ روایت اور درایت دونون کے خلاف ہی، اصلی وجہ یہ ہی کہ ملک الوزرا خواجہ جمیل الدین موصلی نے خاقانی کو ایک انگوٹھی دی تھی جسکے نگینہ پر اسم اعظم کندہ تھا، اور عہد لیا تھا کہ کسی کو نہ دینا، چنانچہ خود خاقانی تحفۃ العراقین مین کہتا ہے،

این مہر شناس نشرہ ہوش ۔۔۔ وقف ابدی است بر تو مفروش

برگوشہ او برغم اغیار ۔۔۔ لایوہب و لایباع بنگار

شروان شاہ نے خاقانی سے یہ انگوٹھی طلب کی، اور اس نے انکار کیا، اس گستاخی اور نافرمانی کی پاداش مین قید ہوا۔ سات مہینہ کے بعد بادشاہ کی مان نے سفارش کی، اور قید سے نجات ملی، شکرانہ مین حج کا قصد کیا، تحفۃ العراقین جو مشہور مثنوی ہے، اسی زمانہ مین لکھی، یہ عجیب بات ہے کہ خاقانی اور نظامی، دونون ایک

زمانہ مین تھے، اور دونون کو دعویٰ ہے کہ خضر نے ان کو تعلیم دی، خاقانی نے اس مثنوی مین خضر کی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، خدا جانے کون صاحب تھے، جنکو وہم پرستی سے خاقانی نے خضر سمجھ لیا،

بہرحال حج سے واپس آئے، اور عراق مین قیام کیا، بادشاہ نے طلبی کا فرمان بھیجا، لیکن خاقانی شاہی تعلقات سے سیر ہوچکا تھا، معذرت کا قصیدہ لکھکر بھیجدیا، چند روز قزل ارسلان کے پاس رہا، بالآخر تبریز مین گوشہ نشین ہوکر بیٹھ گیا، اور وہین وفات پائی، تبریز مین سُرخاب ایک مقام ہے، یہان مدفون ہوا، سنہ وفات اکثر تذکرون مین ۵۸۲ھ لکھتے ہین، لیکن حبیب السیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۹۰ھ تک زندہ تھا،[1]

خاقانی نے شاعری، ابوالعلا گنجوی سے سیکھی تھی، لیکن معلوم نہین کیا اسباب پیش آئے کہ اُستاد شاگرد مین اَن بَن ہوگئی، اور معاملہ اسقدر طول کھنچا کہ دونون نے نہایت فاحش ہجوین لکھین۔

تحفۃ العراقین، اُس زمانہ کی تصنیف ہے، جب خاقانی تارک الدنیا اور پارسا ہوچکا تھا، باوجود اس کے ابوالعلا کی ہجو مین کہتا ہے۔

بینی سگ گنجہ را درین کوے　　　ہم زرد قفا و ہم سیہ روے

رشید الدین وطواط، خاقانی کا معاصر تھا، اور دونون مین نہایت محبت تھی، خاقانی نے رشید کی مدح مین ایک سیر حاصل قصیدہ لکھا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے

---

[1] یہ تمام تفصیل ید بیضا سے ماخوذ ہے،

اگر بکوہ رسیدی روایت سخنش	نسبے رشید جواب آمدی بجاے صدا

لیکن خاقانی سے اِن سے بھی نہ نبھ سکی، اور نہایت سخت فحش ہجو لکھی، حقیقت یہ ہے کہ خاقانی سے کسی کو شکایت کا حق نہین وہ خود اپنی مدح مین فرماتے ہین،

شُبہتِ حَوّا نویسیم، تُہمتِ ہاجرہ نہم	چادرِ مریم رُبائیم، پردۂ زہرا درم

خاقانی کی عظمت تمام شعرا مین مسلم ہے، عرفی باایہمہ غرور، اسکے قصیدون پر قصیدے لکھتا ہے، نظیری وغیرہ اس کا نام ادب سے لیتے ہین، خاقانی کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

(۱) سب سے مقدم یہ کہ وہ نہایت کثرت سے مختلف علوم وفنون کی اصطلاحین اور تلمیحات اور اشارات لاتا ہے، جب تک کوئی شخص تمام علوم و فنون سے واقف نہو اُسکے کلام کو اچھی طرح سمجھ نہین سکتا، اسکا مشہور قصیدہ ہے،

دلِ من پیرِ تعلیم است ومن طفلِ زباندانش	دمِ تسلیم سرِ عشر و خمِ زانو دبستانش

اس قصیدہ مین سیکڑون علمی تلمیحات ہین جن سے عُلما کے سوا، عام لوگ بہت کم واقف ہوسکتے ہین۔

خاقانی کو علوم متداولہ پر خوب عبور تھا، اور علمی اصطلاحین اور کنائے ہر وقت دماغ مین حاضر رہتے تھے، اسلیے جب کچھ کہتا تھا، تو بے ساختہ یہ الفاظ زبان پر آتے تھے، یا ممکن ہے کہ لیاقت جتانے کے لیے بالقصد ایسا کرتا ہو،

(۲) یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ خاقانی اور معاصرین کے خلاف واقعہ نگاری

پر مائل ہے، اسنے اکثر قصیدے خاص خاص واقعات پر لکھے ہین اور ان قصائد مین جہان واقعات کی تصویر کھینچی ہے شاعرانہ تخیل کا رنگ بھی چڑھایا ہے جس سے کلام مین تاثیر پیدا ہو گئی ہے، حج کے سفر مین جب مداین سے گذرا، اور طاق کسرے کو شکستہ حالت مین دیکھا ہے، تو نہایت پرجوش اور پُر درد قصیدہ لکھا ہے، جس کے چند شعر یہ ہین،

ہان ای دل عبرت بین از دیدہ نگہ کن ہان	ایوانِ مداین را آئینۂ عبرت دان
اے عبرت پذیر دل آنکھین کھول اور دیکھ	ایوان مداین عبرت کا آئینہ ہے
گوید کہ تو از خاکی ما خاکِ توایم اکنون	گامے دو سہ بر ما نہ، اشکے دو سہ ہم بفشان
وہ کہتا ہے کہ تم خاک ہو اور ہم تمھاری خاک ہین	دو ایک قدم ہمارے اوپر رکھو اور دو ایک آنسو بہاؤ
از نوحۂ جغد الحق مائیم بہ دردِ سر	از دیدہ گلابی کن دردِ سر ما بنشان
الوؤن کی آواز سے سر دُکھنے لگا	اپنے آنسوؤن سے ہمارے سر درد کو دور کرو
ما بارگہِ دادیم این رفت ستم بر ما	بر قصر ستمگاران آیا چہ رسد خذلان
ہم ایوان عدالت تھے، ہمارا یہ حال ہوا	ظالمون کے گھر کا کیا حال ہوا ہوگا

(۳) خاقانی کئی کئی سو شعرون کے قصیدے لکھتا ہے، اور کہین زور طبع کم نہین ہوتا مشکل اور دشوار گذار ردیفون مین بڑے بڑے قصیدے لکھے ہین، اور جو باتین اسکی خواصِ کلام ہین، ان کے التزام مین مطلق فرق نہین آیا، اس خاص وصف مین اسکا کوئی ہمسر نہین، حضرت امیر خسرو البتہ اسکی تقلید کرتے ہین، اور اکثر

کامیاب ہوتے ہین،

خاقانی کے بعد کمال اسماعیل نے قصیدہ کو بہت ترقی دی اور قدماء کے دور کا اس پر خاتمہ ہوگیا۔

قدماء کے دور کے قصیدہ گویون مین ابو الفرج رونی، عبد الواسع جبلی، میر معزی نیشاپوری ازرقی، رشید الدین وطواط، خاص امتیاز رکھتے ہین،

قصیدہ مین رفتہ رفتہ جو ترقی ہوتی جاتی تھی، اور الفاظ کی بندش سے نکلکر مضمون آفرینی اور سادہ گوئی کی طرف عام میلان ہوتا جاتا تھا، وہ رفتار جاری رہتی تو یہ فن بہت کچھ ترقی کرجاتا، لیکن ہنگامۂ تاتار نے دفعتہً وہ سارا دفتر ابتر کردیا، ممدوح نہ رہے تو مدح خوان کہان سے آتے، ہلاکو کا پوتا اسلام لایا، اور اس خاندان مین ایک مدت تک حکومت رہی، لیکن دربار شاعرانہ لطافت سے خالی تھا، غرض تین سو برس تک (سلمان[1] کے سوا) کوئی مشہور قصیدہ گو نہین پیدا ہوا۔ سلاطین صفویہ نے نئے انداز سے دربار سجایا، تو پھر اس مردہ قالب مین جان آئی، حسین ثنائی، محتشم کاشی، سنجر کاشانی وغیرہ نے قصیدہ گوئی کو بہت ترقی دی عرفی نے اس زمین کو آسمان تک پہونچا دیا، اُسنے الفاظ کی شان وشوکت، اور ترکیبون کی چستی کے ساتھ سیکڑون گوناگون مضامین پیدا کیے، نئے نئے انداز کی تمہیدین لکھین، مضمون

[1] سلمان، قصیدہ کے مجددین مین سے ہے، لیکن دوسرے حصہ مین ہم اسکی شاعری پر مفصل ریویو کرچکے ہین اسلیے یہان اسکے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہین۔

آفرینی اور مبالغہ کو جو متاخرین کا مایۂ ناز ہے، اس قدر ترقی دی کہ اس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، قدمارمین انوری قصیدہ گوئی کا بادشاہ مانا جاتا ہے۔لیکن پختگی کے سوا مضمون آفرینی اور زور کلام مین عرفی سے اس کو کچھ نسبت نہین،

محتشم کے قصائدمین اگرچہ الفاظ کی شان وشوکت اور زورآوری نہین ہی، لیکن اور اوصاف مین وہ شعراے اکبری سے کم رتبہ نہین خصوصًا تمہیدین نئی نئی پیدا کی ہین، ایک قصیدہ کی تمہید یہ ہے،

"وہ فیاض جس نے پھول کو خوشبو اور مٹی کو جان دی، اُسنے جس کو جو چیز دی اسی کے رتبہ کے موافق دی، عرش کو بلندی، زمین کو پستی، بادل کو قطرہ افشانی ہوا کو شوخ خرامی معشوقون کے قد کو رفتار، ناز کو سکوت، عشوہ کو سخنوری اسی طرح بہت سے اوصاف گنا کر اخیر مین کہتا ہے،

چو بادشاہیِ اقلیم صورت ومعنی زیادہ دید از ایشان بہ میرمیران داد

یعنی اقلیم صورت ومعنی دونون کی بادشاہی چونکہ ان سب کے رتبہ سے بڑھکر چیز تھی اسلیے وہ ممدوح کو دی

اکبری شعرا کے دور کے بعد طالب آملی اور حاجی محمد جان قدسی نے قصیدہ کو بہت ترقی دی، طالب آملی کے حالات تیسرے حصہ مین ہم لکھ آئے ہین، قدسی، مشہد کا رہنے والا تھا، ۱۰۳۲ھ مین ہندوستان آیا، اور شاہجہان کے دربار مین پہونچا،

۱۰۴۵ھ مین ایک قصیدہ کے صلہ مین شاہجہان نے حکم دیا، کہ چاندی مین تُلوا دیا جاے، چنانچہ پانچہزار پانچسو روپیہ کے برابر ٹھہرا، اور یہ رقم انعام مین ملی۔

سنہ ۱۱۵۴ھ مین جب جہان آرا بیگم نے شفا پائی اور قدسی نے مبارک بادیش کی تو خلعت اور دو ہزار روپے عنایت ہوے، ایک قصیدہ پر سات دفعہ جواہرات سے مُنھ بھرا گیا، سنہ ۱۱۵۶ھ مین وفات پائی،

یہ تمام حالات آزاد نے سرو آزاد مین لکھے ہین، تعجب ہے کہ جہانگیر کے زمانہ کا ذکر نہین کیا، حالانکہ قدسی کے متعدد قصیدے جہانگیر کی مدح مین موجود ہین، شاہجہان کے دربار مین ملک الشعرائی کا خطاب اوّل **قدسی** ہی کو ملا تھا،

قدسی کے کلام مین عرفی کا زور، اور طالب آملی کی جدت استعارات نہین ہے لیکن متاخرین جسکو مضمون آفرینی کہتے ہین، قدسی نے اسکے دریا بہا دیے ہین، چند اشعار سرسری طور پر ہم نقل کرتے ہین،

نکند جلوہ گری روی تو در دیدہ ما | عکس آئینہ در آئینہ نہ گردد پیدا
آستین از مژہ تر کہ جدا کرد، کہ باز | سیلے آمد کہ بہ گرداب فرو شد دریا
در چمن از کہ مراعات ادب داری چشم | بلبلان مست و صبا بیخود، و گل بے پروا

عالم از پرتو حسن تو چنان تنگ فضا ست | کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

من آن نیم کہ کنم سرکشی ز تیغ جفا | چو شمع زندہ سر خویش دیدہ ام برپا

قدسی تمام انواع سخن پر قادر تھا، قصائد کثرت سے لکھے ہین، مثنویان متعدد ہین،

غزل کا دیوان مختصر ہے، لیکن جس قدر ہے انتخاب ہے، مطلع ہے

زود بہ کردم من ز صبر داغ خویش را　　　اوّلِ شب می کُشد مفلس چراغ خویش را

قدسی کے بعد طالب آملی، کلیم، علی قلی سلیم وغیرہ نے قصیدہ گوئی کو ترقی دی، ان لوگون کے دور مین قصیدہ کی متانت اور شان و شوکت مین فرق آگیا، اور رنگینی اور جدت استعارات و تشبیہات و مضمون آفرینی کو ترقی ہوئی، جیساکہ ہم تیسرے حصّہ مین تفصیل سے لکھ آئے ہین،

تکلف اور عیش پرستی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، شاعری بھی تمدن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، اسلیے اخیر اخیر مین قصائد، غزل بنکر رہ گئے، بالآخر نکتہ دانون کو نظر آیا کہ قصیدہ گوئی بلکہ خود شاعری کس حضیض مین جارہی ہے، سبسے پہلے مشتاق اصفہانی کو اس کا احساس ہوا۔ اسکے ہم بزم بھی اسکے خیالات سے متاثر ہوے، چنانچہ لطف علی آذر مصنف آتشکدہ اور سید احمد ہاتف وغیرہ نے قدمار کا تتبع شروع کیا، اور ایک جدید دور پیدا کر دیا، مجمع الفصحا، مین مشتاق اصفہانی کے تذکرہ مین لکھا ہے،

"از طرز شعرائے متاخرینِ دولت صفویہ واشالہم کہ در دیباچہ اوّل این کتاب مستطاب بہ تحقیق آن شرحے نگاشتہ آمد، نفور گردیدہ و در مقام اقتفار بطریقۂ متقدمین برآمد بہ مُرافقت حاجی لطف علی بیگ آذر و سید احمد ہاتف و دیگران از معاصرین، شیوۂ فصحار اُمتروج و مُجدد شد"

مشتاق نے ۱۱۷۱ھ مین وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہے،

رسے رت کمن کہ شحنۂ عشق ہشیار بجاے مست گیرد
دانستہ مزاجِ نازکِ گل مرغے کہ ترانہ پست گیرد

ای میوہ امید فرود آئی خود زشاخ یا آن کہ دست کوتہ ما را بلند کن

ز بزم افسردہ، خوشا وقت قدح پیمائے کہ شود مست، زند دست، بکوبد پائے

اس دور نے ترقی کرتے کرتے قاآنی جیسا قادر الکلام پیدا کیا جس سے قدمار کا دور دوبارہ واپس آگیا،

قاآنی کا نام مرزا حبیب ہے، باپ بھی شاعر تھے، اور گلشن تخلص کرتے تھے، یہ خاندان قبیلۂ زنگنہ سے تھا، قاآنی شیراز مین پیدا ہوا، علوم درسیہ کی تحصیل کے بعد شاعری اختیار کی، اور شجاع السلطنتہ کی مداحی کرتا رہا، جب زیادہ شہرت حاصل کی تو شاہی دربار مین پہونچا،

محمد شاہ اور ناصر الدین قاچار نے اسکی نہایت قدر دانی کی ۱۲۷۰ھ ہجری مین وفات پائی،

قاآنی کے تمام قصیدے، قدما یعنی فرخی، منوچہری، سنائی، اور خاقانی کے جواب مین ہین، الفاظ کی بہتات، مرادف الفاظ کا اجتماع، صنعتِ ترصیع اور لف ونشر، جو قدما کے خصائص ہین ان باتون مین وہ قدمار کا ہمسر ہے، ان باتون کے

ساتھ جو قدرتِ کلام اور صفائی اور روانی اسکے کلام مین ہی قدما رین بھی نہین، فرخی وغیرہ کے طرحون مین اُسنے جو قصیدے لکھے ہین انسے اسکے قصائد کا مقابلہ کرو تو یہ فرق صاف نظر آئیگا۔ اسکے خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) تشبیہات اکثر نیچرل ہوتی ہین مثلاً

دو زلفِ تابدارِ او بہ چشمِ اشکبارِ من — چو چشمہ کہ اندرو شنا کنند مارہا

یعنی اسکی زلفین میری اشکبار آنکھون مین اس طرح نظر آتی ہین کہ گویا چشمہ مین سانپ تیر رہے ہین۔

ساق بالا زند اندر شمرِ آب، کلنگ — ہمچو بلقیس کہ بر صرح سلیمان گذرد

یعنی تالاب مین کلنگ اس طرح پائنچے چڑھاتا ہی گویا بلقیسؓ حضرت سلیمانؑ کے شیشہ والے حوض مین اوتر رہی ہین۔

اے خوشا وقت کہ از غایتِ مستیش، سخن — ہمچو سرما زدہ در کام بہ تکرار افتد

یعنی وہ بھی کیا لطف کا وقت ہوتا ہے کہ معشوق کی زبان سے مستی کی حالت مین ایک لفظ بار بار ادا ہوتا ہے جسطرح سردی کھایا ہوا شخص بولتا ہے،

(۲) واقعہ نگاری مین کوئی شاعر آجتک اسکے رتبہ کا نہین ہوا، وہ طول طویل واقعات لکھتا ہے، ایک ایک جزئیات کو ادا کرتا ہے اور پھر سلاست، صفائی اور روانی مین مطلق فرق نہین آتا، دو تین مثالین ملاحظہ ہون،

(۱) ایک قصیدہ مین ایک ترک بچہ غلام کو مخاطب کرکے کہتا ہے " رمضان آگیا!!

میری تسبیح اور جانماز اُٹھالا، مجلس مین عیش کے جو سامان ہین اُنکو اُٹھا لیجا، ایسا نہو کہ کوئی مولوی آجائے، ہان اور وہ پُرانا قرآن جو پار سال تو یہان سے اُٹھ نے گیا اور پھر واپس نہین لایا، وہ بھی لا، کہ والدین کی مغفرت کی دعا مانگون۔ اس مہینہ مین شراب پینی ناجائز ہے کیونکہ اس مہینہ کو خدا اور پیمبر کی طرف سے سند حاصل ہے، دن کو تو شراب مطلقًا حرام ہے، لیکن رات کو دو ایک پیالے پی لیے جائین تو مضایقہ نہین لیکن اس سے زیادہ پینا نہ چاہیے تاکہ صبح ہوتے ہوتے خمار اور بو جاتی رہے یا اسقدر زیادہ پینی چاہیے کہ دوسرے دن کی شام تک بستر سے اُٹھا نہ جائے۔ میری رائے تو یہی ہے، لیکن کیا کیا جائے اتنا مقدور نہین۔ اسلیے مجبورًا وہی قرآن وہی تسبیح وہی وظیفہ،، اِن خیالات کو اس بے تکلفی سے ادا کیا ہے کہ گویا باتین کر رہا ہے۔

ماہ رمضان آمد اے ترک بمن بر — برخیز و مرا سبحہ و سجادہ بیاور
و اسباب طرب را ببر از مجلس بیرون — زان پیش کہ ناگاہ ثقیلے سر از در
وان مصحف فرسودہ کہ پارینہ ز مجلس — بُردے بہ شب عید و نیاوردی دیگر
باز آر و بدہ تا کہ بخوانم دو سہ سورہ — غفران پدر خواہم و آمرزش مادر
می خوردن این ماہ روا نیست کہ این ماہ — فرمان خداوند و دیر لیغ پیمبر
در روز حرام است بہ اجماع و لیکن — رندانہ توان خورد بہ شب یکدو سہ ساغر
بیش از دو سہ ساغر نتوان خورد کہ تا صبح — بویش رود از کام و خمارش رود از سر
یا خورد بدان گونہ بباید کہ ز مستی — تا شام دگر بر نتوان خاست ز بستر

من نہ ہیم انیست ولے وجہہ ہیم نیست — وین کار نیاید بجز از مرد تونگر
ناچار من و مصحف و سجادہ و تسبیح — وان وردِ شبان و زی وان فکر مقرر

اس کے بعد ایک واعظ صاحب کے مسجد مین آنے کا نقشہ دکھایا ہے،

دے واعظکی آمد در مسجدِ جامع — چون برف ہمہ جامہ سپید از پا تا سر
کل ایک واعظ مسجد مین آیا — برف کیطرح اسکے کپڑے سر سے پانون تک سپید تھے
چشمیش بسوئے چپ و چشمی بسو راست — تا خود کہ سلامش کند از منعم و مضطر
دائین بائین دیکھتا آتا تھا کہ — امیر و غریب اسکو سلام کرتے ہین یا نہین
زان سان کہ خرامد برسن مردِ رسن باز — آہستہ خرامیدی و موزون و موقر
جس طرح نٹ رسی پر چلتا ہے — آہستہ آہستہ بڑی وقار و متانت سے چلتا تھا
در محضرِ عام آمد و تجدیدِ وضو کرد — زان سان کہ بود قاعدہ در مذہبِ جعفر
سب کے سامنے آکر نئے سر سے وضو کیا — جیسا کہ جعفری طریقہ ہے
بلے بہ شبستان شد و درصفِ نخستین — بنشست و قرآن خواند و بجنباندہمی سر
غرض مسجد مین آیا اور پہلی صف مین — بیٹھکر قرآن پڑھا اور سر ہلاتا رہا
فارغ نہ شدہ خلق ز تسلیم و تشہد — برجست چو بوزینہ و بنشست بہ منبر
ابھی لوگ سلام سے بھی نہین فارغ ہوئے تھے — کہ وہ بندر کی طرح کود کر منبر پر جا بیٹھا
وانگہ بسر و گردن و ریش و لب و بینی — بس عشوہ بیاورد و سخن کرد چنین سر
ادہر اور گردن اور ڈاڑھی اور ہونٹھ ناک کو — پھڑکا پھڑکا کر یہ کہنا شروع کیا

جزئیات کے ادا کرنے کے ساتھ زبان کا لطف، پے درپے محاورات اور مصطلحات، برجستگی اور روانی جادوگری معلوم ہوتی ہے، ایک قصیدہ مین شبِ وصل کا حال لکھکر کہتا ہے کہ اگر خدانخواستہ معشوق بادشاہ سے جاکر حالات بیان کرے تو کیا ہوگا۔ اِس قصیدہ کی ردیف "افتد" ہے، دیکھو اس لفظ کو کس کس پہلو سے استعمال کیا ہے اور کس طرح واقعہ کی تصویر کھینچی ہے،

صبح اگر حالتِ شب عرضہ نماید بر شاہ　　کارم از بیم بہ سوگند و بہ انکار افتد

صبح کو اگر رات کے واقعات بادشاہ سے جا کر کہے　　تو ڈر کے مارے مجکو انکار کرنا اور قسم کھانا پڑیگا

در بہ خاکِ قدمِ شاہم سوگند دہد　　ناگزیرم کہ مرا کار بہ اقرار افتد

لیکن اگر بادشاہ کے پاؤنکی خاک کی قسم دیگا تو　　ناچار مجکو اقرار ہی کرنا پڑے گا

ہم بخاکِ قدمِ شہ کہ قسم خورد نہ خورد　　گر نہ اول بہ کفم خاتم زنہار افتد

لیکن مین اُسی خاک کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ بادشاہ اگر مجکو امان دیگا تو قسم کھاؤنگا ورنہ انکار کر جاؤنگا اور مشکل پڑیگی

بے خطا گفتم شاہ از ہمہ حال آگاہ ہست　　می نخواہد کہ ہمی پردہ ز اسرار افتد

عبث مین نے غلط کہا بادشاہ تمام واقعات سے　　واقف ہے لیکن نہین چاہتا کہ لوگونکا پردہ فاش ہو

ہم خداوند ہم شاہ از ہمہ حال آگاہ ہست　　این چنین رندی و قلاشی بسیار افتد

خدا بھی جانتا ہے اور بادشاہ بھی کہ روز ہم قسم　　کی رندی اور قلاشی کی واقعات ہوتے رہتے ہین

چون بر ابنائے جہان بار خدا ستار است　　لاجرم سایۂ او باید ستار افتد

چونکہ خدا لوگون کی پردہ داری کرتا ہے　　اسلیے خدا کے سایہ کو بھی پردہ دار ہونا چاہیے،

بہار کی تعریف مین لکھتا ہے،

ہلہ نزدیک شد ایدل کہ زمستان گذرد | عہد بستان شود و دور شبستان گذرد
ابر ہر طرف وسن گریان گریان پویہ | لالہ در صحن چمن خندان خندان گذرد
مشک بپراگندہ اندر ہمہ آفاق نسیم | بسکہ بر یاسمن و سنبل و ریحان گذرد
ساق بالا زند اندر شمر آب کلنگ | ہمچو بلقیس کہ بر صرح سلیمان گذرد

قاآنی کے خصوصیات مین یہ بھی ہے کہ قدما کے جو الفاظ سیکڑون برس سے متروک ہو گئے تھے اور جن مین اکثر غلط بھی تھے، قاآنی اُنکو بے تکلف استعمال کرتا تھا، اسکی وجہ یا تو یہ ہے کہ چونکہ اسنے شاعری کا دائرہ وسیع کیا اور ہر قسم کے واقعات لکھے، اس لیے خواہ مخواہ الفاظ مین بھی وسعت اختیار کرنی پڑی - یا یہ کہ وہ قدما کی اِسطرح تقلید کرنی چاہتا ہے کہ مطلق فرق نہ محسوس ہو اسکے لیے ضرور تھا کہ قدما کے تمام الفاظ بھی جا بجا استعمال کیے جائین،

شعر کے زحافات بھی جو متروک ہو چکے تھے قاآنی نے انکو استعمال کیا ہے جسکی وجہ سے قاآنی کا طرز تمام ایران پر چھا گیا، بُرے بھلے سب اسی رنگ مین کہنے لگے لیکن یہ وہ روش ہے کہ قاآنی ہی کے رتبہ کی شاعری ہو تو لطف دیتی ہے ورنہ بالکل بدمزہ اور خالی الفاظ کا ڈھیر رہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاآنی کے بعد پھر ایران مین کوئی نامور نہین ہوا،

عجیب بات ہے، ایران کے انقلاب کی اگرچہ ہندوستانیون کو خبر نہ تھی لیکن

خود بخود یہان بھی انقلاب ہوا، یعنی شاعری کا مذاق جو ناصر علی وغیرہ کی بدولت سیکڑون برس سے بگڑا چلا آتا تھا، درست ہو چلا، مرزا غالب نے شاعری کا انداز بالکل بدل دیا ابتدا مین وہ بھی بیدل کی پیروی کیوجہ سے غلط راستہ پر پڑ گئے تھے، لیکن عرفی طالب آملی، نظیری، کلیم کی پیروی نے انکو سنبھالا، چنانچہ دیوانِ فارسی کے خاتمہ مین اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

مرزا غالب نے قصیدہ مین متوسطین اور قدما کی روش اختیار کی۔ اگرچہ اکثر قصائد مین متاخرین کی بدعتین بلکہ خامیان بھی پائی جاتی ہین، لیکن اخیر اخیر مین سب کج پیچ نکل گئی، اور بالکل اساتذہ کا رنگ آگیا ہے، مثلاً یہ قصیدہ۔

منم کہ بردل و دینِ خود اعتمادم ہست — بہ نیم غمزہ ہم این را ربائے ہم آن را

ترا کہ ابر بطبع ست و باد فرمان بر — بزن بہ باغ سراپردۂ سلیمان را

بہار آرائی کے بعد مدح کی طرف کس خوبی سے گریز کی ہے،

تو باغ و راغ بیارائی خواجہ امین الملکی — کہ آورم بتماشا خدیو گیہان را

مرزا غالب کی طبیعت مین نہایت شدت سے اجتہاد اور جدت کا مادہ تھا اسلیے اگرچہ قدما کی پیروی کیوجہ سے نہایت احتیاط کرتے ہین تاہم اپنا خاص انداز بھی نہین چھوڑتے، مثلاً ایک قصیدہ مین لکھتے ہین،

خاکِ کویش خود پسند افتادہ در جذب سجود — سجدہ از بہرِ حرم نگذاشت در سیمای من

اصل مضمون صرف اس قدر ہے کہ مین حرم کے بجاے ممدوح کی خاک پر سجدہ

کرتا ہون، اسکو یون ادا کرتے ہین کہ خاکِ کو کی شکایت کرتے ہین کہ نہایت مغرور؛ اور خود پسند ہی. چنانچہ میری پیشانی مین ایک سجدہ بھی حرم کے لیے نہ چھوڑا،

عاجزم چون در ثنای دوست بازشکم کار
میر دم از خویش تا گیرد عطارد جای من

یعنی مجھسے ممدوح کی تعریف ادا نہین ہوسکتی تو رشک سے کیا فائدہ مین اس کام سے دست بردار ہوجاتا ہون کہ عطارد آکر اس کام کو انجام دے،

قصاید سے کیا کام لیا گیا | شاعری کی تاریخ مین یہ سب سے زیادہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ ایرانی شعرانے سرے سے قصیدہ کی حقیقت نہ سمجھی، اور ابتدا ہی سے غلط راستہ پر پڑکر کہین سے کہین نکل گئے،

ترقی یافتہ قومون مین تمام شریفانہ اخلاق کی زندہ رکھنے والی اور اُبھارنے والی چیز، پچھلون کے جوش انگیز واقعات ہوتے ہین، پارسیون کا تمام لٹریچر مٹ گیا ان کی اصلی زبان کی دو کتابین بھی آج نہین ملتین۔ ہزار برس سے بے خانمان ہین، لیکن صرف اس بات نے کہ اُنکے نام، بہمن، کاؤس، کیقباد، ہوتے ہین آجتک اُن کو زندہ رکھا ہے،

یورپ مین سیکڑون ہزارون اشخاص نام و نمود کے منبر پر نمایان ہوتے ہین اور صرف یہ بات اُنکے حوصلون اور ارادون کو روز بروز بڑھاتی اور تیز کرتی جاتی ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہین اخبارات اور تصنیفات کے ذریعہ سے فوراً تمام عالم مین اسکی آواز پھیل جاتی ہے، قومون کا بنتا، اُبھرنا، اُن کے

جذبات کا تازہ اور مشتعل ہوتے رہنا اِس بات پر موقوف ہے کہ اُن کے اوصاف کی صحیح داد دیجائے۔ انکے کارنامے نمایان اور اُجاگر کیے جائین۔ ان کا ہر کام تاریخی صفحات پر چمکایا جائے۔

قصیدہ درحقیقت اسی کام کے انجام دینے کا ایک آلہ تھا، عرب مین شعرا نے جن لوگون کا ذکر قصیدہ مین کر دیا، آج تک ان کا نام زندہ ہے، ایرانی شعرا نے اپنے ممدوحون کی شان مین، زمین آسمان کے قلابے ملا دیے، لیکن ان کا نام بھی کوئی نہین جانتا۔ شیخ سعدی، تمام دنیا مین مشہور ہین۔ لیکن ابوبکر سعد زنگی کے لیے تاریخی صفحات چھاننے کی ضرورت پڑتی ہے، سکندر نامہ بچہ بچہ پڑھتا ہے لیکن جس کے نام پر کتاب لکھی گئی، یعنی ابوبکر نصرۃ الدین، اس کے پتہ لگانے کے لیے بڑی جستجو سے کام لینا پڑا، عمدہ اوصاف اور جذبات کو قوم مین پھیلانا ہو، تو اسکا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے، کہ انکی محسوس اور زندہ مثالین پیش کیجائین۔ فرانس کے شجاعانہ جذبات کو صرف ایک نپولین کا نام جس قدر اُبھار سکتا ہے، بڑے بڑے اخلاقی لکچر وہ کام نہین دے سکتے اس بنا پر قصیدہ، جس کا اصلی موضوع مدح ہے، بڑے کام کی چیز ہے، لیکن اسکے لیے شرط ہے کہ

۱۔ جسکی مدح کیجائے، درحقیقت مدح کے قابل ہو،

۲۔ مدح مین جو کچھ کہا جائے سچ کہا جائے،

۳۔ مدحیہ اوصاف اس انداز سے بیان کیے جائین کہ جذبات کو تحریک ہو۔

فارسی قصائد مین یہ شرطین کبھی جمع نہین ہوئین۔ اولاً تو اکثر ایسے لوگون کی مدحین لکھی گئین جو سرے سے مدح کے مستحق نہ تھے، یا تھے تو انکی واقعی اوصاف نہین لکھے گئے، بلکہ تمام قوت۔ مبالغہ، اور غلو مین صرف کردی گئی۔ اکبر، خانخانان، شاہجہان کے سیکڑون معرکے تاریخی یادگار ہین جن کے بیان سے مردہ دلون مین جنبش پیدا ہوسکتی ہے، عرفی، نظیری، فیضی وغیرہ نے ان لوگون کی مدح مین سیکڑون پُر زور قصائد لکھے۔ لیکن ان معرکون کا کہین نام تک نہ آیا، اس کے مقابلہ مین عرب کی شاعری پر نظر ڈالو، عرب اولاً تو کسی کی شاعرانہ مدح کرنی عار سمجھتے تھے۔ اور مدح کرتے تھے تو کبھی صلہ اور انعام لینا گوارا نہین کرتے تھے۔ پھر جو کچھ کہتے تھے سچ کہتے تھے۔ ایک رئیس نے ایک عرب شاعر سے کہا کہ میری مدح لکھو، اسنے کہا "اِفعَل حتی اقول" یعنی "تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون"۔

عرب کے اکثر شعرا اُسی وقت مدحیہ قصائد لکھتے تھے، جب ممدوح کوئی معرکہ سر کرتا تھا معتصم باللہ نے ایشیاے کوچک مین عموریہ فتح کیا تھا، چندروز کے بعد اس پر عیسائیون کا قبضہ ہوگیا، ایک دن ایک عیسائی نے ایک مسلمان عورت کو پکڑا اسنے چلاکر دہائی دی کہ وامعتصماہ (یعنی ہاے معتصم) پرچہ نویس نے یہ خبر پاے تخت مین بھیجی، معتصم نے درباریون سے پوچھا کہ عموریہ کدھر ہے؟ لوگون نے سمت بتائی تخت پر کھڑا ہوگیا اور اسی سمت رُخ کرکے زور سے پکارا، کہ، لبیک، لبیک، یعنی "ابھی آتا ہون" یہ کہکر فوجون کو طیاری کا حکم دیا۔ دربار مین منجم جو بیٹھے تھے، ایک

منجم نے زایچہ دیکھکر کہا، کہ لڑائی مین شکست ہوگی، اسلیے نجائیے" معتصم نے نہ مانا، اور ایک لاکھ سے زائد فوج لیکر گیا، اور عموریہ کو فتح کرکے برباد کردیا، عورت کو تلاش کرایا، اور جب سامنے آئی تو کہا کہ آج مین نے مزدے سے کھانا کھایا ہے،

پائے تخت واپس آیا، تو دربار آراستہ ہوا، وہ منجم بھی دربار مین آیا، ابو تمام نے منجم کی طرف اشارہ کرکے قصیدہ پڑھا،

السیفُ اصدق ابناءً امن الکتب	تلوار کتابونکی نسبت زیادہ سچ بولتی ہے
فی حدہ الحدُّ بین الجد واللعب	اسکی باڑھ، سنجیدگی اور مسخراپن کی حد فاصل ہے
والعلم فی شہب الارماح لامعةً	علم، برچھیون کے شعلو مین چمکتا ہے
بین الخمیسین لافی السبعة الشُّھب	نہ سبعہ سیارہ مین،

اس قصیدہ مین معرکہ جنگ کا پورا سمان کھینچدیا ہے،

ہرون الرشید کے زمانہ مین، ایشیائے کوچک عیسائیون کے قبضہ مین تھا لیکن وہ خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے، جب نایسس فورس بادشاہ ہوا، تو اُس نے ہرون الرشید کو خط لکھا کہ، کہ اگلی تخت نشین عورت تھی، اس نے جو کچھ کیا کیا، مین اسکا ذمہ دار نہین، اور مجھ سے خراج کی توقع نہ رکھنی چاہیے ہارون الرشید خط سنکر اس قدر برہم ہوا کہ درباری اِدھر اُدھر ٹل گئے۔ خط کا جواب ان مختصر الفاظ مین لکھا "ارسگِ رومی! اِس خط کا جواب، سننے سے پہلے تو دیکھے گا" اسی وقت حملہ کی تیاری کی، اور ایشیائے کوچک کا دارالسلطنة فتح کرکے واپس آیا

نائیس فورس نے دوبارہ بغاوت کی، اب کسی کو جرأت نہین ہوتی تھی کہ ہرون الرشید کو یہ خبر پہنچاے، بالآخر ایک شاعر کو راضی کیا گیا کہ وہ اس واقعہ کو نظم کرکے سنائے، شاعر نے دربار مین جا کر قصیدہ پڑھا،

نقض للذی اعطیتہ نقفور　　　فعلیہ دائرۃ البوار تدور

ہرون الرشید نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، آہ، اَوَ قد فعل یعنی آہ، کیا درحقیقت اُسنے ایسا کیا؟ شدت کے جاڑے تھے، لیکن اُسی وقت فوجون کو طیاری کا حکم دیا، اور ایک لاکھ سے زائد فوجین لے کر ہرقلہ پر حملہ آور ہوا، سپاہیون کی ڈھالون پر ہرقلہ کی تصویر کھنچوائی، اور اپنے تینون بیٹون کے نام اُن پر لکھوائے، ایک مہینہ کے محاصرہ کے بعد ہرقلہ کو فتح کرکے برباد کر دیا، بغداد واپس آیا تو شعرا نے قصیدے پڑھے، ہر قصیدہ، واقعہ کی پوری تاریخ تھا،

عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مُفاخرت ہے، جس مین شاعر اپنے کارنامون کو جوش وخروش سے فخریہ بیان کرتا ہے اور وہ اس کو زیب دیتا ہے، عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گزرا ہے، اس کا اقتدار جب زیادہ بڑھا، تو ایک دن درباریون سے کہا، کہ کیا اب عرب مین کوئی ایسا شخص بھی ہے جسکو میرے سامنے گردن جھکانے سے عار ہو؟ لوگون نے کہا ہان، عمرو بن کلثوم (قبیلۂ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اسکو دعوت دے کر بلایا، اور لکھا کہ مستورات بھی ساتھ آئین، عمرو بن کلثوم دربار مین آیا، اور عورتین شاہی حرم مین گئین، بادشاہ کی والدہ

نے عمرو بن کلثوم کی مان سے، کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا، کہ بی! ذرا اُٹھا دینا، اس نے کہا، آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی مان نے دوبارہ فرمایش کی، وہ چیخکر پکاری، واتغلباہ وا ذُلّاہ، یعنی "ہاے تغلب کی ذلت" عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواز سنی، سمجھا کہ مان کی تحقیر کی گئی، اسیوقت بادشاہ کا سر اڑا دیا اور خود بچکر نکل آیا، پھر دونون قبیلون مین بڑے زور کا رن پڑا، اور ہزار دن سر کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا اور عکاظ کے مشہور میلہ مین جوش وخروش کے ساتھ پڑھا، ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلۂ تغلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، اہل ادب کا بیان ہے کہ دوسو برس تک اس قصیدہ نے قبیلۂ تغلب مین شجاعت کا جوش قائم رکھا، یہ قصیدہ آب زر سے لکھ کر درِ کعبہ پر آویزان کیا گیا، اسی بنا پر اس کو **معلقہ** کہتے ہین، اور آج وہ سبعہ معلقہ مین داخل ہے اس قصیدہ کا ایک ایک شعر جوش وغیرت، حمیت وآزادی اور دلیری کے صاعقہ کی گرج ہے، بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

ابا ھندٍ فلا تعجل علینا	وَ اَنظِرنا نخبرك الیقینا
اے ابو ہند جلدی نہ کر	ہم تجھکو سچے واقعات بتاتے ہین
بانا نورد الرایات بیضا	ونصدرھن حمرا قد روینا
ہم معرکۂ جنگ مین سفید جھنڈے لیکر جاتے ہین	اور انکو سرخ کرکے لاتے ہین
الا لا یجھلن احدٌ علینا	فنجھل فوق جھل الجاھلینا

ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے　　ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جہالت کرینگے

اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ　　تخرّ لہ الجبابر ساجدینا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے　　تو بڑے بڑے جبّار اُسکے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین

غور کرو شعرائے فارس، اِسکے مقابلہ مین کس چیز پر فخر کرسکتے ہین، نظامی، اور عرفی نے بڑے زور کے فخریے لکھے ہین، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیمِ سخن کے بادشاہ ہین، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہین، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہین، چنانچہ عرفی کہتا ہے،

سر بر زدہ ام بامہ کنعان زیکی جیب　　معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم زظریفان　　من زہرہ رامشگر و من بدر منیرم

مختلف شاعرانہ مضامین کے لیے قصیدہ سبسے بڑا میدان ہے، مثنوی کے لیے مسلسل طول طویل قصہ کی ضرورت ہے، غزل مین چھوٹے چھوٹے مُفرد خیالات ادا کیے جاتے ہین، باقی ہر قسم کے مضامین جو ان دونون قسمون کے بیچ بیچ مین ہین، وہ صرف قصیدہ کے ذریعہ سے ادا کیے جاسکتے ہین، مثلاً کوئی دوست جدا ہو رہا ہے، کوئی موثر منظر نظر سے گذرا، کسی نے کوئی ناموری کا کام کیا، کسی گروہ کے تمدن یا معاشرت کی تصویر کھینچنا ہے۔ اس قسم کے تمام مضامین صرف قصیدہ مین عمدگی سے ادا ہوسکتے ہین، تو عرب کے قصائد انھی مضامین سے

ملو ہین اور یہی وجہ ہے کہ ان کے قصائد جذبات سے لبریز ہین، برخلاف اس کے ایران مین اِس صنف سے کبھی یہ کام نہین لیا گیا،

قصیدہ کا گو صحیح استعمال نہین کیا گیا لیکن یہ خیال غلط ہے، کہ قصیدہ گوئی نے قوم مین خوشامد اور ذلت پرستی پیدا کر دی، مادح اور ممدوح دونون جانتے تھے کہ مدح مین جو خیالات ادا کیے جاتے ہین، محض مبالغہ اور لفاظی ہے،

آج یورپ مین یہ عام قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑا معزز شخص بھی کسی عام آدمی کو خط لکھتا ہے، تو خط کے اخیر مین لکھتا ہے آپکا فرمان بردار خادم، لیکن چونکہ معلوم ہے کہ یہ محض ایک رسم تحریر ہے، اس لیے اس سے قوم مین خوشامد اور ذلت پرستی کا وصف نہین پیدا ہوتا، اسی طرح قصائد مین ممدوح کو جو آسمان بلکہ قضا و قدر سے بالاتر بتاتے تھے تو ہر شخص سمجھتا تھا، کہ نری شاعری ہے، اصلیت سے اس کو کچھ علاقہ نہین،

قصاید گوئی بالکل بیکار نہین گئی | تاہم یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ ہزار برس کی متصل دماغ سوزی اور طبّاعی بالکل رائیگان گئی، قصیدہ سے گو اصلی کام نہین لیا گیا تاہم شاعری کو اُس نے بہت کچھ ترقی دی

۱، قصیدہ کی ایک خاص زبان بنگئی، یعنی بندش مین چستی اور زور، الفاظ متین اور پرشان، خیالات مین بلندی اور رفعت یہان تک کہ قصیدہ کے شروع مین جو غزلیہ اشعار ہوتے ہین، وہ بھی عام غزل کی زبان سے مختلف ہوتے ہین۔

اس سے یہ فائدہ ہوا، کہ سنجیدہ پر زور اور متین خیالات کے ادا کرنے کا ایک وسیع ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ آج اگر قومی اور ملکی مضامین لکھنا چاہین تو قصائد کی زبان ان خیالات کے ادا کرنے کے لیے پہلے سے طیار ہے،

۲۔ شعرا مدح کہتے کہتے تھک گئے تھے: اس لیے انھون نے خیالات کی وسعت کے لیے اور اور راستے نکالے، مثلاً تمہید مین غزل کے بجاے طرح طرح کے مضامین داخل کیے، اسدی طوسی نے یہ خاص روش اختیار کی کہ قصائد کی تمہید مین مناظرات قائم کیے، یعنی دو چیزون کو لیکر انکی زبان سے ان کے فضائل بیان کیے، اس طریقہ سے مختلف چیزون کی خوبیون کے تمام پہلو دکھانے کا موقع ملا۔ ایک قصیدہ مین رات دن کا مناظرہ لکھا ہے، اس کے جواب مین انسی نے گل و مُل کا مناظرہ لکھا،

دوش در مجلس احباب گل و مل باہم | میزدندے ز مباہات دم از فخر و کرم
مُل بر آشفت کہ آنجا کہ منم جلوہ فروش | ہر طرف قافلہ بر قافلہ لطف است و کرم
مور از تربیتم بہرہ رباید از مار | روبہ از تقویتم پنجہ زند با ضیغم
چون نقاب از رخ نورانی من باز شود | اخترم شعشعہ ام، مشتری ام، مہر و کہم
چون ننازم کہ خداوند جہان در قرآن | نام نامی من و نفع مرا کرد رقم
گُل بخندید کہ اے خیرہ ہم اندر قرآن | اثم تو اکبر گفت است خدا نفع تو کم
گرچہ در نشۂ تو ہست طرب لیک بود | در خمار تو ہمہ درد سر و شدت غم

آنکہ دریافتہ بوے تو نعوذ باللہ — منقبض گردد و لاحول کنان گیرد رم

منم آن پاک کہ چون بوی کنندم گویند — صل یارب علے روح رسول اکرم

۳۔ اکثر شعرانے، پند و موعظت و حکمت کے مضامین قصاید مین ادا کیے، یہ قصائد انہی مضامین کے ساتھ مخصوص ہین ان مین کسی کی مدح اور ستایش نہین ہے حکیم سنائی، اوحدی، سعدی، امیر خسرو، خاقانی، اور جامی کے بہت سے قصائد انہی مضامین پر ہین، حضرت امیر خسرو کا ایک بڑا لنبا قصیدہ بحرالابرار ہے اسکے جواب مین جامی، علی شیر، اور اکثر شعرانے قصیدے لکھے ہین، ان تمام قصائد مین صرف معرفت اور سلوک کے مضامین ہین، امیر خسرو کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین،

کوسِ شہ خالی و بانگِ غلغلش دردسر است — ہر کہ قانع شد بخشک و ترشہ بحر و بر است

یعنی بادشاہ کا نقارہ خالی آواز ہے، اور اس کا غلغلہ محض دردِ سر ہے، جو شخص خشک و تر پر قانع ہو جائے وہ بحر و بر کا بادشاہ ہے،

مردِ پنہان در گلیمے بادشاہِ عالم است — تیغ خفتہ در نیامے پاسبانِ کشور است

اکثر اہل دل جو ہزارون لاکھون دلون پر حکمران ہوتے ہین، اور جن کے باطنی اثر سے عالم مین انقلابات واقع ہوتے ہین، پھٹے پرانے کپڑون مین نظر آتے ہین، اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ یہ شخص جو کملی مین چھپا ہوا ہے دنیا کا بادشاہ ہے جسطرح تلوار نیام مین ہوتی ہے، لیکن ملک کی پاسبان ہوتی ہے،

عاشقی رنج است و مردان را بعینه راحت است　　سلسله بند است و شیران را بگردن زیور است

(زنجیر)

یعنی عشق مین اگرچہ نہایت تکلیف اور مصائب پیش آتے ہین، لیکن مردانِ خدا کے لیے وہ راحت و آرام ہے، جسطرح شیر کی گردن مین جو زنجیر پڑی ہوتی ہے، وہ اس کا زیور ہے۔

غزل
یا
عشقیہ شاعری

عشق و محبت، انسان کا خمیر ہے، اسلیے جہان، انسان ہی، عشق بھی ہے، اور چونکہ کوئی قوم شاعری سے خالی نہین اسلیے کوئی قوم عشقیہ شاعری سے بھی خالی نہین ہو سکتی، لیکن ایران اس خصوصیت مین اور تمام ملکون سے بڑھا ہوا ہے، یہان مدت دراز کے تمدن نے انسانی جذبات کو نہایت لطیف اور زود اشتعال بنا دیا تھا، اسلیے ذراسی تحریک سے یہ شعلہ بھڑک اٹھتا تھا اور دل و دماغ کو آتش فشان بنا دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایران مین جسقدر عشقیہ شاعری کو ترقی ہوئی، اور اصنافِ سخن کو نہین ہوئی،

یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ ایران مین شاعری کی ابتدا، قصیدہ سے ہوئی اور ابتداءً مین غزل جوشِ طبع سے نہین بلکہ اقسامِ شاعری کے پورا کرنے کی غرض سے وجود مین آئی، قصیدہ کی ابتدا مین عشقیہ اشعار کہنے کا دستور تھا، اس حصہ کو الگ کر لیا تو غزل بنگئی۔ گویا قصیدہ کے درخت سے ایک قلم لیکر الگ لگا لیا،

فارسی شاعری کا آدم، رودکی خیال کیا جاتا ہے، اسکے زمانہ مین غزل کی صنف مستقلاً وجود مین آچکی تھی۔ عنصری کہتا ہے،

غزل، رودکی وار نیکو بود　　　غزلہاے من رودکی وار نیست

غزل رودکی کے انداز کی اچھی ہوتی ہے، میری غزلین رودکی کی طرز کی نہین ہین
افسوس ہے رودکی کی غزلین کم ملتی ہین، دیوان ہین اور تذکرون مین جونمونہ
موجود ہے، یہ ہے،

دشوار نمائی برخ و دشوار دہی بوس　　　آسان بربائی دل و آسان ببری جان

یعنی تو مشکل سے چہرہ دکھاتا ہے اور مشکل سے بوسہ دیتا ہے لیکن دل اور جان نہایت
آسانی سے اڑا لے جاتا ہے،

بردہ نرگس تو آب جادوے بابل　　　کشادہ غنچہ تو باب معجز عیسی

تیری آنکھون نے بابل کے جادو کی آبرو کھودی تیرے دہن نے معجزہ عیسوی کا دروازہ کھولدیا

رودکی نے ۳۰۴ھ مین وفات پائی اسلیے اسکے کلام کو تیسری صدی کی یادگار
سمجھنا چاہیے، چوتھی صدی کا سب سے بڑا شاعر دقیقی تھا، اسکی ایک بہاریہ غزل ہے یہ
سو برس بعد کی ترقی کا نمونہ ہے۔

درافگند اے صنم۔ ابر بہشتی　　　زمین را خلعت اُردی بہشتی

بہشتی بادلون نے زمین کو بہار کا خلعت پہنا دیا

جہان طاؤس گونہ گشت گوے　　　بجاے نرمی و جاے درشتی

دنیا طاؤس بنگئی، کہین نزاکت ہے اور کہین سختی،

زگل بوے گلاب آید بدینسان　　　کہ پنداری گُل اندر گل سرشتی

مٹی سی گلاب کی بو اسطرح آتی ہے گویا مٹی کو پھولون مین بسایا ہے

دقیقی چار خصلت برگزیدہ است　　　بہ گیتی از ہمہ خوبی و زشتی

دقیقی نے دنیا کی تمام بری بھلی چیزوں میں سے چار چیزیں چن لی ہیں

لب یاقوت رنگ، و نالۂ چنگ　　　می خون رنگ و کیش زردہشتی

یاقوت جیسے ہونٹھ، چنگ کی آواز، شراب گلگون اور زردشت کا مذہب

غزل گو قصیدہ سے الگ چیز ہے لیکن غور سے دیکھو تو اس زمانہ کی غزل کا اصلی عنصر قصیدہ ہے، قصیدہ میں ممدوح کی تعریف ہوتی تھی، غزل میں معشوق کی، قصیدہ میں ممدوح کی جود و سخا، جبروت و اقتدار، عدل و انصاف، کی تعریف کرتے تھے، غزل میں محبوب کے حسن و جمال، ناز و ادا، جور و جفا کا بیان ہوتا تھا۔ غزل نے ایک مدت تک کوئی نمایاں ترقی نہیں کی جسکے مختلف اسباب تھے،

ایک مدت تک شاعری کا کمال قصیدہ گوئی سمجھا جاتا تھا، قصیدہ ہی میں ہر قسم کی قدردانی اور ترجیح و امتیاز کا موقع ملسکتا تھا، درباروں میں قصیدہ گویوں پر زر و گوہر کی بارش ہوتی تھی، جشن وغیرہ میں دھوم دھام کے قصائد لکھنے پڑتے تھے اور مسابقت کے جوش میں زور طبع دکھانا پڑتا تھا،

غزل کی تحریک، عشق و محبت کے جذبات سے ہوتی ہے، لیکن ایران میں مدت تک جنگی جذبات کا زور رہا، غزل کی ترقی کی تاریخ تصوف سے شروع ہوتی ہے، تصوف کا تعلق تمامتر واردات اور جذبات سے ہے، اور اسکی تعلیم کی پہلی ابجد عشق و محبت ہے تصوف کی ابتدا اگرچہ تیسری صدی کے آغاز میں ہوئی لیکن پانچویں صدی تک

اوج شباب کا زمانہ ہے، اور یہی زمانہ غزل کی ترقی کا پہلا نوروز ہے،

سب سے پہلے حکیم سنائی نے غزل کو ترقی دی، ان کے بعد **واحدی مراغی** نے جنھون نے ۵۵۴ھ مین وفات پائی، غزل کو جذبات سے لبریز کر دیا، اسکے ساتھ زبان کی نزاکت صفائی، روانی اور سلاست بھی پیدا کی، اشعار ذیل سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے،

بوے آن دود کہ امسائش بہمسایہ رسید ۔۔۔ ز آتشی بود کہ در خانۂ من پار گرفت

یعنی جس دھوئین کی بو آج ہمسایہ کے دماغ مین آئی، یہ وہ آگ ہے جو پارسال میرے گھر مین لگی تھی،

از بسکہ پر شدم ز صفاتِ کمال تو ۔۔۔ نزدیک شد کہ پُر شود از من جہان ہمہ

چونکہ مین تیرے صفات کمال سے لبریز ہوگیا ہون اسلیے قریب ہے کہ کل دنیا مجھ سی لبریز ہو

ہم واحدی کی ایک پوری غزل درج کرتے ہین جس سے انکی غزل گوئی کا پورا اندازہ ہوسکے گا۔

پیداست حالِ مردم رندان جہان کہ ہست ۔۔۔ خرم کسے کہ فاش کند هر نہان کہ ہست

رندِ آدمی کا حال جو ہے ظاہر ہے ۔۔۔ مبارک ہے وہ شخص جو ہر پوشیدہ راز کو ظاہر کر دیتا ہے

لہ بہت بڑے، صوفی اور عالم تھے، مدتون سیاحت کی تھی، پھر اصفہان کو وطن بنا لیا تھا، ارغون کے زمانہ مین تھے، اوحدالدین کرمانی سے بیعت کی تھی، ان کی مثنوی جام جم مشہور ہے، مین نے

[illegible]

اے محتسب تو دانی شرع و ہاس آن   آئین عشق را بگذار آن چنان کہ ہست

اے محتسب شریعت اور اسکے اصول کو، تم جانو، لیکن عشق کے کاروبار کو ویسا ہی رہنے دو، اس میں ہاتھ نہ لگاؤ

مومن ز دین برآمد، صوفی ز اعتقاد   ترسا محمدی شد، و عاشق ہمان کہ ہست

مسلمان نے دین چھوڑ دیا، صوفی اعتقاد سے باز آیا، عیسائی مسلمان ہوگئے، لیکن عاشق جو تھا وہی ہے۔

خلقے نشان دوست طلب میکنند و باز   از دوست غافل اند بہ چندین نشان کہ ہست

بہت سے لوگ، محبوب کا پتہ پوچھتے ہین، لیکن سیکڑون پتہ کے ہوتے، محبوب سے غافل ہین

گر نام اوحدی سگ تست از درش مران   اورا بہ ہر لقب کہ تو دانی بخوان کہ ہست

اگر اوحدی تیرے دروازہ کا کُتا ہے تو اُسکو گھر سے نہ نکال، تو جس لقب سے چاہے اُسکو پکار، وہ وہی ہے جو تو کہے

اوحدی کے بعد خواجہ فریدالدین عطار، مولنا روم، عراقی وغیرہ نے غزل کو نہایت ترقی دی۔ لیکن یہ لوگ چونکہ عشق حقیقی کے جاندادہ تھے، اسلیے ان کے کلام مین حقیقت کا پہلو غالب رہتا تھا، اس بنا پر ان کی غزلین، عام نہ ہوئین، اسی زمانہ مین تاتار کی باد صرصر نے امن و امان کا شیرازہ ابتر کر دیا، اور تمام سلطنتین اور حکومتین برباد ہوگئین۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ کا زور دفعۃً گھٹ گیا، اور شاعری کی ہواؤن نے دوسری طرف رخ کیا، چونکہ شجاعانہ جذبات کو زوال آچکا تھا اسلیے صرف درد اور سوز کے جذبات رہ گئے، اور اس کا ذریعۂ اظہار غزل کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا۔

اسی زمانہ مین شیخ سعدی پیدا ہوے، وہ ایک مدت تک عشق و عاشقی مین بسر کر چکے تھے، اخیر اخیر تصوف کے حلقہ مین آئے، وہ فطرۃً شاعر تھے، زبان خدا داد تھی

ان باتون نے ملکرانکی غزل مین یہ اثر پیدا کردیا کہ تمام ایران مین آگ لگ گئی۔
ان کے بعد خسرو اور حسن نے اس شراب کو اور تیز کردیا۔

اس دور کے بعد شاعرانہ حیثیت سے سلمان اور خواجو نے غزل کو ترقی دی۔ یہانتک، کہ خواجہ حافظ کہتے ہین،

استاد غزل سعدی ست پیش ہمہ کس اما ۔۔۔ دارد سخن حافظ طرز روش خواجو

لیکن سلمان اور خواجو دونون تصوف سے محروم تھے اسلیے ان پھولون مین رنگ تھا، بو نہ تھی۔ سلمان اور خواجو زندہ ہی تھے کہ خواجہ حافظ نے غزل گوئی شروع کی۔ اور اس جوش سے یہ نغمہ چھیڑا کہ زمین سے آسمان تک گونج اٹھا۔

خواجہ حافظ کی شاعری پر مین تفصیلی ریویو لکھ چکا ہون۔ لیکن بہت سے نکتے رہ گئے۔ اور گو یہ فرض اب بھی پورا ادا نہین ہوسکتا تاہم اس دلچسپ افسانہ کے باربار کہنے مین مزہ آتا ہے،

اس سب سے بڑی چیز جو خواجہ حافظ کے کلام مین ہے، حسن بیان۔ خوبی ادا، شستگی اور لطافت ہے۔ لیکن یہ ذوقی چیز ہے جو کسی قاعدہ اور قانون کی پابند نہین، فصاحت و بلاغت کے تمام اصول، اسکے احاطہ سے عاجز ہین۔ ایک ہی مضمون ہے، سو سو طرح سے لوگ کہتے ہین، وہ بات نہین پیدا ہوتی ایک شخص اسی خیال کو معلوم نہین کن لفظون مین ادا کردیتا ہے کہ جادو بن جاتا ہے یہ بات فارسی زبان مین خواجہ حافظ کی برابر کسی کو نصیب نہین ہوئی، انکے مہمات مضامین

یہ ہین. قناعت، گوشہ نشینی، دنیا سے اجتناب، واعظون کی پردہ دری، رندی اور مستی، یہ مضامین پانسو برس سے پامال ہوتے آتے ہین۔ لیکن آج تک، خواجہ حافظ کا جواب نہ ہو سکا.

۲۔ غزل کی ایک خاص زبان ہے، جس مین نزاکت، لطافت، اور لوچ ہوتا ہے، اس قسم کی زبان کے لیے خیالات بھی خاص ہوتے ہین۔ علمی یا فلسفیانہ مضامین اگر ادا کیے جائین تو وہ رنگینی اور لطافت قائم نہین رہ سکتی، مثلاً شیخ سعدی ایک غزل کا مطلع کہتے ہین۔

اگر خدا نہ باشد ز بندہ خوشنود　　　شفاعتِ ہمہ پیغمبران ندارد سود

علانیہ نظر آتا ہے کہ یہ مطلع، غزل سے جوڑ نہین کھاتا، خواجہ حافظ کا یہ خاص اعجاز ہے کہ وہ ہر قسم کے علمی۔ اخلاقی۔ فلسفیانہ مضامین ادا کرتے ہین، لیکن غزل کی لطافت مین فرق نہین آنے پاتا۔ ہر قسم کے فلسفیانہ اور دقیق خیالات ان کی غزل مین داخل ہو کر رنگین اور لطیف بنجاتے ہین،

دردِ ما غم دنیا غم معشوق شود　　　بادہ گر خام بود، پختہ کند شیشۂ ما

خواجہ صاحب سے پہلے غزل۔ عشقیہ مضامین کے لیے مخصوص تھی اس کے سوا اور کوئی خیال غزل مین ادا نہین کیا جا سکتا تھا، حالانکہ غزل کا ہر شعر چونکہ علیحدہ ہوتا ہے اسلیے وہی ایک ایسی صنف ہے جس مین ہر طرح کے مفرد اور بسیط خیالات ادا کیے جا سکتے ہین، خواجہ صاحب نے ایک طرف تو غزل کو یہ وسعت دی کہ اخلاق، فلسفہ،

تصوف، پند و موعظت، سیاست، ہر قسم کے مضامین ادا کیے، دوسری طرف یہ خصوصیت ہات سے نجانے پائی کہ غزل کی جو زبان ہے اور جس قسم کی لطافت، شیرینی اور رنگینی اس کے لیے درکار ہے، سب باتین قایم رہین، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا،

(۱) آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

قرآن مین مذکور ہے کہ "ہم نے اپنی امانت کو آسمان اور زمین پر پیش کیا، سبنے انکار کیا، اور ڈر گئے، لیکن آدمی نے اس بار کو اُٹھا لیا"، مقصد یہ ہے کہ زمین و آسمان تکلیفات شرعیہ کی قابلیت نہین رکھتے تھے، یہ قابلیت صرف انسان کو عطا کی گئی کہ جائز، ناجائز، حلال، حرام، نیک و بد کی تمیز رکھتا ہے، اور اسی بنا پر اُس کے لیے شریعت کے احکام آتے ہین، حضرات صوفیہ کے نزدیک امانت سے مراد عشق حقیقی ہے کہ انسان کے سوا اور کسی کو حاصل نہین، بہرحال یہ شعر دونون معنون کے لحاظ سے صحیح ہے، اس مضمون کو خواجہ صاحب نے ایک اور شعر مین ادا کیا ہے،

بارِ غمِ عشق تو بہر کس کہ نمودم — عاجز شد و این قرعہ بنامم ز سر افتاد

(۲) حضرات صوفیہ کے نزدیک، اِدراک کا اصلی ذریعہ، حواس خمسہ اور اشیاے خارجی نہین ہین، بلکہ خود دل مین ایسی استعداد اور قابلیت ہے کہ اگر اس کا تزکیہ کیا جائے، تو تمام اشیا اس مین جلوہ اَفگن ہوتی ہین، اس علم کو علمِ باطن کہتے ہین،

اور یہ کتابون سے نہین بلکہ تزکیۂ قلب سے حاصل ہوتا ہے، اور کاملین یعنی انبیا کو ریاضت اور تزکیہ کی بھی حاجت نہین، بلکہ فطرۃً حاصل ہوتا ہے، خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو متعدد اشعار مین ادا کیا ہے،

سالہا دل طلب جامِ جم از ما می کرد ۔۔۔ انچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد

دل مجھ سے برسون جامِ جم مانگا کیا، جو چیز اس کے پاس تھی، بیگانہ سے مانگتا تھا

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست ۔۔۔ و اندران آئینہ صدگونہ تماشا می کرد

گفتم این جامِ جہان بین بتو کے داد حکیم ۔۔۔ گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

یعنی مین نے عارف کو دیکھا کہ ہنس رہا تھا، اسکے ہات مین جامِ شراب تھا اور وہ اُس مین طرح طرح کے جلوے دیکھ رہا تھا، مین نے اس سے پوچھا کہ یہ جام جہان بین حکیم نے تمکو کس دن عنایت کیا، بولا کہ جس دن وہ یہ لاجوردی گنبد (آسمان) بنا رہا تھا،

ایک اور موقع پر فرماتے ہین،

ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو ۔۔۔ انکار ما مکن کہ چنین جامِ جم نداشت

اس علم لدنی کی طرف خواجہ صاحب ایک اور شعر مین اشارہ فرماتے ہین،

سرِّ خدا کہ عارف و سالک بکس نگفت ۔۔۔ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

علماے ظاہر کی تصنیفات مین شریعت کے جو اسرار کہین کہین نظر آجاتے ہین یہ درحقیقت اِنہی عارفین کے افادات ہین جو انکی زبان سے کبھی کبھی نکلجاتے ہین،

اسی بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہین،

ساقی بیا کہ عشق ندا می کند. بلند
کانکس کہ گفت قصۂ ما ہم زما شنید

(۳) یہ امر کہ یہ علم اربابِ باطن کے ساتھ مخصوص ہے خواجہ صاحب اس کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین،

شرح مجموعۂ گل مرغِ سحر داند ویس
کہ نہ ہر کو ورقے خواند، معانی دانست

پھول کے نکات صرف بلبل جان سکتی ہے، یہ نہین ہے کہ جس نے ایک آدھ ورق پڑھ لیا وہ معانی سے واقف ہوگیا،

(۴) اکثر حضرات صوفیہ جو وحدت وجود کے قائل ہو جاتے ہین۔ اسکی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہے کہ نور حقیقی کا پرتو تمام اشیاء پر ہے، اس لیے ایک صاحبدل جو عشق و محبت سے لبریز ہے، جہان یہ پرتو دیکھتا ہے۔ فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو اصل و فرع کی تمیز نہین رہتی، خواجہ صاحب اس بات کو اس طرح ادا کرتے ہین،

عکس روے تو چو در آئینۂ جام اُفتاد
عارف از پرتوِ مے در طمعِ خام اُفتاد

غرض اس قسم کے سیکڑون معارف اور حقایق اس انداز سے ادا کیے ہین کہ غزلیت کے اسلوب مین فرق نہین آنے پایا۔

معارف اور حقایق پر موقوف نہین، ہر قسم کے قومی، ملکی، تمدنی، معاشرتی مسائل خواجہ صاحب نے ادا کیے اور غزل کی لطافت اور نازک ادائی مین فرق نہ آیا، مثالون سے اسکی تصدیق ہوگی،

۱- لوگون مین خصومت اور جنگ وجدل کا بڑا سبب مذہبی منافرت ہے، دنیا مین لاکھون کرورون جانین اسکی بدولت برباد ہوئی ہین۔ خود ایک ہی مذہب کے لوگون مین ذرا ذرا سے اختلافات پر نہایت ناگوار نزاعین قائم ہوجاتی ہین اور ایک دوسرے کو کافر اور مرتد کہتا ہے اور اس کے خون کا پیاسا ہوجاتا ہے، اہل دل ان نزاعون کو ناپسند کرتے ہین۔ اور جس قدر حقیقت پرستی اور عرفان شناسی کا اثر زیادہ بڑھتا ہے، اسی قدر یہ خیالات مٹتے جاتے ہین، اور نظر آتا ہے کہ سب اسی ذات یکتا کے طالب ہین، سب کو اسی کی تلاش ہے، سب اُسی کے عشق مین چور ہین، اس نکتہ کو خواجہ صاحب نے متعدد پیرایون مین ادا کیا ہے،

همه کس طالب یارند چه هشیار و چه مست ۔ همه جا خانهٔ عشق است چه مسجد چه کنشت

سب یار کے طالب ہین خواہ مست ہو، خواہ ہشیار، ہر جگہ عشق کا گھر ہے مسجد ہو یا بت خانہ،

در عشق خانقاه و خرابات شرط نیست ۔ هر جا که هست پرتو روی حبیب هست

عشق مین خانقاہ اور شراب خانہ کی قید نہین، ہر جگہ معشوق ہی کے چہرہ کا پرتو ہے،

عرفیؔ نے اس مضمون کو تشبیہ کے ذریعہ سے بالکل بدیہی کردیا ہے،

عارف هم از اسلام خراب است و هم از کفر ۔ پروانه، چراغ حرم و دیر نداند

(۲) حکما مین ایک فرقہ ہے جسکو لاادریہ کہتے ہین، ان کا مذہب ہے کہ کسی شے کی حقیقت معلوم نہین ہوسکتی، یہ فلسفہ، خشک، بے مزہ اور ہر قسم کے جذبات اور جوش کا مٹا دینے والا فلسفہ ہے، لیکن خواجہ صاحب نے اپنی رنگین بیانی سے اسکو

بھی ایک دلکش اور مستی آمیز مضمون بنا دیا ہے،

حدیث از مطرب و می گوی و رازِ دہر کمتر جوی ۔۔۔ کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمارا

آن کہ پُر نقش زد این دائرۂ مینائی ۔۔۔ نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد

جس نے یہ لاجوردی دائرہ بنایا۔ کچھ نہین معلوم کہ اس نے پردہ کے اندر کیا رکھا

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجا است ۔۔۔ این قدر ہست کہ بانگِ جرسی می آید

یہ کوئی نہین جانتا کہ منزل مقصود کہان ہے، اتنی بات البتہ ہے کہ جرس کی کچھ آواز آتی ہے

یعنی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہے۔ لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ کیا ہے؟

برو ای زاہد خود بین کہ ز چشمِ من و تو ۔۔۔ رازِ این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

مردم در انتظار درین پردہ راہ نیست ۔۔۔ یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

مین انتظار مین مرگیا، پردہ کے اندر کہین راستہ نہین، یا ہے لیکن پردہ دار مجکو بتاتا نہین،

(۳) اکثر لوگ کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہین اور جب کامیاب نہین ہوتے تو سمجھتے ہین کہ مقصد ہی ناممکن الحصول تھا، حالانکہ ان مین خود استقلال جوش اور طلب صادق نہ تھی ورنہ سچا طالب محروم نہین رہ سکتا، خواجہ صاحب اس نکتہ کو اس طرح ادا کرتے ہین،

طالبِ لعل و گُہر نیست وگرنہ خورشید ۔۔۔ ہمچنان در عملِ معدنِ کان ست کہ بود

مشہور یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی متصل کئی سو برس تک جب کسی پتھر کے ٹکڑے

پر پڑتی ہے تو وہ لعل بنجاتا ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ لعل اور جواہرات کے طالب موجود نہین، ورنہ آفتاب تواب بھی اسی طرح جواہرات کے بنانے مین مصروف ہے،

(۴) عام خیال یہ ہے کہ قدما جو کچھ کر گئے، اب نہین ہوسکتا۔ اس لیے کہ اب وہ قابلیت نہین رہی، لیکن یہ غلط خیال ہے، خواجہ صاحب اسکو اس طرح ادا کرتے ہین،

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(۵) اکثر لوگون مین کام کرنے کی نہایت قابلیت ہوتی ہے، لیکن اس سے کام نہین لیتے یا اس تردد مین رہجاتے ہین کہ کونسا کام کرین، خواجہ صاحب ایسے لوگون کو کام کرنے پر اس طرح ابھارتے ہین۔

این خون، کہ موج می زند اندر جگر ترا   در کارِ رنگ و بوے نگاری کنی

یعنی یہ خون جو تمھاری رگون مین جوش مار رہا ہے اسکو کسی مطلوب پر صرف نہین کرتے

تقلید کی برائی مین **نظامی** کا مشہور شعر ہے، کلاغے تگِ کبک در گوش کرد ایسے خشک مضمون کو خواجہ صاحب اس رنگ مین ادا کرتے ہین،

گشت بیمار کہ چون چشم تو گردد نرگس   شیوۂ آن نشدش حاصل و بیمار بماند

شعرا آنکھونکو بیمار باندھتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ نرگس اس غرض سے بیمار بنی کہ معشوق کی آنکھ سے مشابہ ہوجائے، وہ بات تو نہ پیدا ہوئی اور بیچاری

بیمار کی بیار رہ گئی،

یہ مضمون کہ "ہر چیز اپنے موقع پر مناسب ہوتی ہے"، اسکو اس طرح ادا کرتے ہین،

باخراباتنشینان زکرامات ملاف ‏ ‏ ‏ ‏ ہرسخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

یعنی جو لوگ شراب خانہ مین رہتے ہین انکے سامنے کرامات کی شیخی نہین بگھارنی چاہیے، ہر بات کا الگ موقع ہوتا ہے اور وہ وہین مناسب ہوتی ہے،

مذاہب کے اختلافات اور نزاعین اس پر مبنی ہین، کہ کسی کو اصل حقیقت کی خبر نہین، اس نکتہ کو یون ادا کرتے ہین،

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ‏ ‏ ‏ ‏ چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

نفع خلایق کی کوشش مین ناجائز باتین بھی جائز ہو جاتی ہین،

ازان گناہ کہ نفعے رسد بغیر چہ باک؟

دخل درمعقولات نہین چاہیے،

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسبم نہ فقیہ ‏ ‏ ‏ ‏ مرا چہ کار کہ منع شراب خوارہ کنم

ان تمام مضامین کو خواجہ صاحب نے غزل کے رنگ مین ادا کیا ہے اور ایسی اُسی قسم کی تشبیہین اور ترکیبین استعمال کی ہین رفتہ رفتہ یہ بات پیدا کی کہ تشبیہ و استعارہ کی بھی ضرورت نہین، خشک مضامین کو اسی طرح سیدھے سادھے انداز مین ادا کرتے ہین اور غزل کی غزلیت قائم رہتی ہے، مثلاً یہ بات کہ مذہب مین جو بہت سے فرقے بن گئے ہین اور ان مین جو لڑائیان رہتی ہین اس بنا پر ہین کہ اصل حقیقت سے

غافل ہین، اسکو بغیر کسی قسم کی رنگینی کے ادا کرتے ہین۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چون ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

یا مثلاً یہ مضمون کہ بڑون کے رتبہ کی اُس وقت ہوس کرنی چاہیے جب اس درجہ کا فضل و کمال حاصل کر لیا جاے،

تکیہ بر جاے بزرگان نتوان زد بہ گزاف — مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

یا مثلاً یہ مضمون کہ اصل و نقل برابر نہین ہو سکتے،

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

اس طریقہ سے خواجہ صاحب نے غزل کو مجموعہ شاعری بنا دیا، یعنی جس قسم کا خیال چاہین غزل مین ادا کر سکتے ہین، اسی کا نتیجہ ہے کہ عرفی، نظیری، صائب، کلیم نے غزل ہی مین تمدنی، اخلاقی، معاشرتی، موعظت، پند، ہر قسم کے مضامین ادا کیے اور غزلیت کی شان مین فرق نہ آیا،

(۴) شاعری کا اصلی معیار کمال یہ ہے کہ جو مضامین ادا کیے جائین اس طرح ادا کیے جائین کہ اس مضمون کا اس سے زیادہ موثر اور بلیغ کوئی طریقہ ادا پیدا نہ ہو سکے، خواجہ صاحب نے جو مضامین ادا کیے ہین سو سو دفعہ بندھ چکے، لیکن جو مضمون جسطرح انھون نے ادا کر دیا اس پر آج تک اضافہ نہ ہو سکا، مثلاً

۱۔ معشوق کو کسی بہانہ اور حیلہ سے بُلانا شُعرا کا عام مضمون ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے،

امشب بیا تا در چمن سازیم پر پیمانہ را — تو شمع و گل را داغ کن من بلبل و پروانہ را

اِس شعر مین بُلانے کی تقریب اظہار کمال قرار دی ہے، شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ تم آؤ تو ایک معرکہ قائم کیا جاے، ایک طرف تم اور شمع و گل، اور ایک طرف مین اور پروانہ و بلبل، اور چونکہ نتیجہ کا حال قطعًا معلوم ہے اس لیے کہتا ہے کہ تم شمع اور گل کو رشک سے جلانا، اور مین پروانہ اور بلبل کو،

خواجہ صاحب فرماتے ہین،

پروانہ و شمع و گل و بلبل، ہمہ جمع اند ‌ ‌ ‌ اے دوست بیا رحم بہ تنہائیِ ما کن

کہتے ہین کہ اور سب لوگ اپنے اپنے مطلوب کے ساتھ ہم بزم اور ہمنشین ہین، اے دوست، آ، اور میری تنہائی پر رحم کر،

اس مین اولًا تو بلانے کی تقریب، رحم قرار دی ہے جو فطرۃً ہر شخص مین ودیعت کیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ ناکامیابی کا اِسطرح اظہار کرنا کہ معشوق درکنار کوئی شخص بھی پاس نہین، پھر یہ بلاغت کہ بظاہر معشوق کو معشوق کی حیثیت سے نہین بلاتے کہ اسکو شرم ولحاظ کی بنا پر کوئی تکلف ہو، بلکہ صرف اس غرض سے بلاتے ہین کہ آکر ہماری تنہائی دیکھ جائے، پھر اس مین یہ پہلو بھی ہے کہ جب اور معشوقون کو دیکھے گا کہ اپنے عاشقون کے ساتھ ہم صحبت ہین تو اسکو بھی ترغیب ہوگی،

دشنام معشوق کے لطف کو تمام شعرا نے باندھا ہے، غزالی کہتے ہین،

دشنام دہی و بر لب تو ‌ ‌ ‌ روح القدس آفرین نویسد

تو گالی دیتا ہے اور تیرے ہونٹون پر جبریل "آفرین" لکھتے جاتے ہین،

خواجہ صاحب فرماتے ہین،

قند آمیختہ باگل نہ علاجِ دلِ ماست　　　　　بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

عشوق سے کہتے ہین کہ پھول مین جو قند ملا لیتے ہین (یعنی گلقند) یہ میرے دل کا علاج نہین
علاج کرنا ہے تو گالیون مین چند بوسے ملالو،

اس طرز ادا کی بلاغتون پر لحاظ کرو، اوّل تو کلام کا ایک بڑا حصہ غیر مذکور ہے یعنی عاشق
یار ہے۔ معشوق کو معلوم ہوا کہ عاشق بیمار ہے اور دل کی بیماری ہے اس بنا پر وہ گلقند
لایا ہے اور عاشق کو دیتا ہے" یہ سب جملے غیر مذکور ہین، لیکن خود بخود سمجھ مین آتے ہین، پھر
گلقند کو گلقند نہین کہا، بلکہ اسکی ترکیب بیان کی ہے، ان کو "آمیختن"، کے لفظ سے بیان کیا ہے،
س سے اُس قوت متخیلہ کا اظہار ہوتا ہے جو ہر چیز کو مجسم کرکے دکھا دیتی ہے۔ اس کے
علاوہ چونکہ معشوق سے گلقند کی فرمایش ہے اس لیے وہی لفظ استعمال کیا ہے، جو
گلقند کے لیے کیا جاتا ہے، بوسہ اور دشنام دونون کی ایک ہی مقدار بیان کی ہے
یعنی "چند"، جس سے یہ غرض ہے کہ اس گلقند کی ترکیب مین یہ ضرور ہے کہ دونون
اجزا ہم وزن ہون، یعنی جتنی گالیان ہون، اُتنے ہی بوسے بھی ہون،

معشوق کو جس طرح اپنے حسن و جمال پر ناز ہوتا ہے، عاشق کو بھی اپنی وفاداری اور
کمال عشق کا غرور ہوتا ہے، اس مضمون کو اکثر شعرا نے باندھا ہے، خواجہ صاحب
فرماتے ہین،

شبے مجنون بہ لیلی گفت کا معشوق بے ہمتا ترا عاشق شود پیدا و لے مجنون نخواہد شد

یعنی ایک دن مجنون نے لیلی سے کہا کہ اے بے مثل معشوق، مجکو اس سے انکار نہین کہ تیرے اور بھی عاشق ہین اور آیندہ بھی ہونگے، لیکن مجنون نہین پیدا ہوسکتا

یہ شعر سرتاپا بلاغت ہے، چونکہ اس قسم کا خیال ایک طرح پر معشوق کی توہین ہے اس لیے آغاز کلام مدح سے کیا ہے یعنی اے "بے مثل معشوق" اِس فقرے کے بجاے کہ میرا جیسا عاشق نہ پیدا ہوگا، یہ کہنا کہ "مجنون نہ پیدا ہوگا" گویا یہ کہنا ہے کہ میرا سا جانباز میرا سا جان نثار، میرا سا وفادار، میرا سا خانمان برباد، وغیرہ وغیرہ نہین پیدا ہوسکتا کیونکہ مجنون کے نام کے ساتھ یہ تمام اوصاف خود بخود ذہن مین آجاتے ہین، اِس سے ظاہر ہوگا کہ مجنون کے لفظ مین جو بات ہے، مضمون مین بھی نہین ادا ہوسکتی، اور اسلیے عاشقانہ غرور اور ناز کی کا اس سے بڑھکر کوئی اسلوب نہین ہوسکتا،

اکثر حکما کا خیال ہے کہ عالم کی حقیقت اور اسکی غرض و غایت نہین معلوم ہوسکتی صرف اتنا معلوم ہی کہ کچھ ہے، باقی یہ کہ کیا ہے، کیون ہے؟ کیسا ہی؟ معلوم نہین، شعرا نے بھی طرح طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے،

خواجہ صاحب فرماتے ہین،

کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجا است این قدر ہست کہ بانگ جرسی می آید

اگلے زمانہ مین دستور تھا کہ قافلہ چلتا تھا تو ایک اونٹ کی گردن مین گھنٹہ لٹکا دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کسیکو معلوم نہین کہ منزل مقصود کہان ہے، اور کہان جانا ہی

اتنی بات البتہ ہے کہ ایک گھنٹہ کی آواز آرہی ہے، جرس کو تنکیر کے لفظ سے بیان کیا ہی یعنی گھنٹہ کا بھی کچھ پتہ نہین کہ کہان ہے، کدھر ہے، کس قسم کا ہے، بس ایک آواز سنائی دیتی ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید کوئی قافلہ ہے، اس مضمون کے ادا کرنے کی اصلی خوبی یہ ہے کہ ہر چیز مین ابہام اور اشتباہ باقی رہے، اس شعر مین ابہام کو پورا قائم رکھا ہے،

فارسی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ گو ایک چیز کو ہزارون دفعہ باندھتے ہین لیکن بار بار وہی باتین کہتے ہین، اگر یہ چاہین کہ ان سب خیالات کو یکجا کر کے اس چیز پر ایک بسیط اور وسیع مضمون تیار کر لیا جاے تو نہین کر سکتے، مثلاً محبت کا مضمون ہزارون شعرون مین بندھا ہے، لیکن آج اگر اُن سے محبت پر ایک مستقل مضمون لکھنا چاہین تو نہین لکھا جا سکتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ مضمون کے تمام پہلو نہین آے، بلکہ اکثر وہی مکرر باتین ہین، جو مختلف الفاظ مین بار بار ادا کر دی گئی ہین،

بخلاف اس کے خواجہ صاحب نے جن مضامین کو مرکز شاعری قرار دیا ہے ان کا ایک ایک نکتہ اسطرح ادا کیا ہے کہ کوئی پہلو باقی نہین رہا، اور اب چاہین تو ان سے اس عنوان پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم صرف ایک عنوان کا ذکر کرتے ہین،

خواجہ صاحب نے "فلسفۂ مسرت" کو اکثر بیان کیا ہے یعنی یہ کہ "ہمیشہ خوش رہنا چاہیے" اس مضمون کے بہت سے اجزا ہین اور جب سب پیش نظر آجائین تو اس فلسفہ کا

اثر ہوسکتا ہے، اسکا اجمالی بیان یون کیا جاسکتا ہے،

دنیا چند روزہ ہے، اسکی تمام نیرنگیان نقش برآب ہین. کیا یہ عقل کی بات ہی کہ ہم ایسی موہوم چیزون کے لیے اپنا دل، دماغ، وقت، محنت، سکون، اطمینان، سب قربان کردین. یہ ظاہر ہے کہ جب تک دنیا بھر کے جھگڑے، جوڑ توڑ، سازش. درباداری، خوشامد، تملق، ترک آزادی، یہ سب چیزین اختیار نہ کی جائین، دنیا نہین ملسکتی، کیا یہ باتین ہمکو دنیا کی موہوم عظمت کے لیے گوارا کرنی چاہئین،

ہمکو مشیت الٰہی مین کیا دخل ہے، جو شخص جیسا ہے خدا ہی نے اسکو بنایا ہے، ہم کیا چیز ہین، خدا کے ارادہ کے بغیر ایک ذرہ حرکت نہین کرسکتا، ہم کو وہ جدھر چلاتا ہے چلتے ہین، جو کام ہم سے کراتا ہے، کرتے ہین، ہم ایک پر کاہ ہین، مشیت الٰہی کی ہوا، ہمکو جدھر چاہتی ہے، اڑائے لیے جاتی ہے،

ہمارا یہ فیصلہ ہے. کوئی نہین مانتا تو نہ مانے، ہمکو اس سی کیا غرض، ہم جو سمجھتے ہین کرتے ہین، غرض اس مضمون کی پوری ترتیب یہ ہے کہ پہلے عقلی طور سے دنیا کی ناپائداری ثابت کیجائے پھر یہ کہ ایسی چیز کے لیے دردسر کی ضرورت نہین پھر مسئلہ جبر پیش کیا جاے پھر اپنا قطعی فیصلہ اور اپنے طرز عمل کا نہایت بے باکی، اور دلیری اور بلند آہنگی سے اعلان کیا جاے،

خواجہ صاحب نے اس مضمون کے ہر حصہ کو اس تفصیل، اس زور، اور جوش کے ساتھ ادا کیا ہے کہ شاعری کی حد اس سے آگے نہین بڑھ سکتی۔

دنیا کی بے اعتباری کو وہ اس پر اثر طریقہ سے بیان کرتے ہین،

بس کن ز کبر و ناز، کہ دیدہ ست روزگار　　　چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہ کے

ناز و غرور رہنے دو، زمانہ قیصر کی قبا کی شکن، اور کیخسرو کے تاج کا خم دیکھ چکا ہے اگلے زمانہ مین اُمرا، اور اہل جاہ، قبا وغیرہ چنوا کر پہنتے تھے، اور سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھتے تھے، اسلیے یہ چیزین جاہ و عظمت کا نشان تھین، اس بنا پر دنیاوی جاہ و عظمت کو ان لفظون سے تعبیر کیا ہے، ساتھ ہی یہ بلیغ پہلو ہے کہ دنیاوی عظمت کی بس اتنی حقیقت ہے، جتنی کسی چیز کی شکن اور خم کی۔

اعتمادے نیست بر دورِ جہان　　　بلکہ بر گردونِ گردان نیز ہم

کمند صید بہرامی بیفگن، جام مے بردار　　　کہ من پیمودم این صحرا، نہ بہرام ست نے گورش

بہرام۔ گورِ خر کا شکار کھیلا کرتا تھا، اس بنا پر اس کو بہرام گور کہتے تھے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ بہرام کی کمند (جس سے وہ گورخر کو پکڑا کرتا تھا) پھینک دو، اور جام مے ہات مین لو، مین اس صحرا کو خوب ناپ چکا ہون، نہ بہرام ہے، نہ گور، اس مضمون کے ادا کرنے کی خوبی کا ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ بہرام کی گم شدگی کو نہایت وسعت دیجاے یعنی کہین اس کا پتہ نہین لگتا، نہ زمان مین، نہ مکان مین، صحرا کا لفظ یہان اس خوبی سے آیا ہی کہ زمان

اور مکان دونون پر حاوی ہوگیا ہے۔ زمانہ کی امتداد کو صحرا سے تعبیر کیا ہی یعنی زمانہ ایک صحرا ہے۔ جس مین بہرام کا کہین پتہ نہین لگتا۔ گم شدگی کی ترقی دینے کے لیے بہرام کی چیزون کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یعنی بہرام کے ساتھ اسکی کسی چیز کا پتہ نہین۔ گور کا لفظ گورخر کے لیے بھی آتا ہے۔ اور گور قبر کو بھی کہتے ہین۔ یہان دونون معنے لیے جاسکتے ہین، یعنی بہرام کے گورخر کا پتہ نہین، یا بہرام کی قبر کا پتہ نہین، اس لفظی اشتراک نے بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے،

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش　　　　کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

ایک شخص دنیا کے جھگڑے اور بکھیڑون سے تنگ آکر کہتا ہی کہ مجھکو ذرا دنیا کے شور شر سے ستانے دو، اور چونکہ یہ مشکل ہے، اسلیے کہ دنیا کے بکھیڑون سے اس وقت نجات ملسکتی ہے جب کہ دولت و عزت جاہ و منصب نام و نمود عزت و اقتدار سے ہات اٹھا لیا جاے، اس لیے کہتا ہی کہ شراب یعنی کوئی ایسی چیز دو جس کے نشہ مین یہ سب باتین بھول جائین، اور چونکہ اسکے لیے سخت نشہ کی ضرورت ہے اسلیے مرد افگن اور زور کا لفظ استعمال کیا ہی، یعنی ایسی شراب جسکا نشہ بڑے بڑون کو گرا دے،

یہ مضمون کہ دنیا جیسی چیز کے لیے زیادہ کاوش کی ضرورت نہین نہایت موثر طریقون سے ادا کیا ہے، مثلاً،

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است　　　　کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

یعنی شاہی تاج (جسکے ساتھ جان کا خوف لگا ہوا ہے) بے شک دلفریب تاج ہے

لیکن دردسر کے قابل نہین، تاج سلطانی کے رتبہ کو شکوہ کے لفظ سے ادا کیا ہی لیکن ساتھ ہی ہم جان کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ اسکی رغبت کم ہو جاے، دردسر کا لفظ نہایت جامع اور بلیغ لفظ ہے، وہ اہمیت اور بے حقیقی دونون پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہی کہ تاج سلطانی اس قابل بھی نہین کہ اس کے لیے ذرا سا دردسر بھی گوارا کیا جاے اور یہ بھی کہ وہ اس قابل نہین جسکے لیے جان جوکھون برداشت کیا جائے،

رندی کی عظمت، اس کا اعلان، اور اسکی ترغیب اور تحریص، یہ خواجہ صاحب کا خاص میدان ہی، اور آج تک کوئی انکی گرد تک نہ پہونچ سکا۔ فرماتے ہین،،

کہ برد بنزد شاہان زمنِ گدا پیامے　　　کہ بکوی مے فروشان دو ہزار جم بہ جامے

بادشاہونکو مجھ فقیر کا یہ پیغام کون پہونچا دیگا　　　کہ مے فروشونکی گلی مین دو ہزار جمشید ایک پیالہ مین آتے ہین

اس شعر کی وجوہ بلاغت پر لحاظ کرو، اوّل تو بادشاہون کو جو پیغام دینا چاہا ہے اس مین اپنے نام کے ساتھ "گدا" کا وصف بڑھایا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ میخانہ کے گدا بھی ایسے جری ہوتے ہین، اسی کے ساتھ عام لوگون پر چوٹ ہے کہ لوگ اتنی جرات نہین رکھتے کہ بادشاہون تک پیغام پہونچا دین، اس لیے عام اعلان کے ذریعہ سے ایسے شخص کو ڈھونڈھتا ہے، پھر میخانہ کے بجائے، کوے مے فروشان کہتا ہے یعنی میکدہ تو خیر بڑی درگاہ ہے، مے فروشون کی گلی مین بھی بادشاہونکی قدر نہین۔ جمشید کی تخصیص اولاً تو اس لحاظ سے ہے کہ شوکت اور دبدبہ مین جمشید کا کوئی ہمسر نہین ہوا، دوسرے یہ کہ شراب اور جام، جمشید کی ایجاد ہین، تاہم شراب

کے سامنے جب جمشید کی جاہ و شوکت کی کوئی حقیقت نہین، تو اور کسی کی کیا ہوگی۔

رندی اور سرمستی کے جوش کا اصلی وہ موقع ہے، جب رند، اسپر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ ہو مین رندی سے باز نہین آسکتا، خواجہ صاحب نے اِس جذبہ کی تصویر کھینچدی ہے،

شراب و عشق نہان چیست، کار بی بنیاد　　زدیم بر صفِ رندان و ہر چہ بادا باد

چھپکر شراب پینا، بے اصول کام ہے　　مین رندونکی صف پر ٹوٹ کر گرتا ہون جو ہونا ہو گا ہوگا

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود　　سر ما خاکِ رہ پیر مغان خواہد بود

حلقہ پیرِ مغانم ز ازل در گوش است　　ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

پیر مغان کا حلقہ غلامی ہمارے کانون مین ہے، ہم وہی ہین جو تھے، اور آیندہ بھی وہین رہینگے

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

آؤ پھول برسائین اور شراب پیالہ مین ڈالین، آسمان کی چھت توڑ ڈالین اور نئی بنیاد قائم کرین

دوسرا مصرع اگرچہ ایک مست کی بنکار ہے، تاہم واقعیت سے خالی نہین، مقصد یہ ہے کہ عام لوگ آسمان کی شکایت کرتے ہین کہ وہ کسی کو چین سے نہین رہنے دیتا، لیکن حقیقت مین یہ اپنا قصور ہے، اگر ہم مین عزم و استقلال، جد و جہد ہو تو کوئی چیز ہماری اغراض مین سدِ راہ نہین ہوسکتی، اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ آؤ آسمان کی چھت توڑ ڈالین، اور ایک نیا آسمان بنائین (جو اور ون کے آسمان سے الگ ہو)

اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقان ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم، لشکر طیار کریگا کہ ہمارا خون بہائے، تو ہم اور ساقی ملکر اسکو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدینگے،

اس حوصلہ کو دیکھو، اُدھر غم کا سارا لشکر ہے اِدھر صرف یہ اور ساقی۔ لیکن اس کے جڑ سے اکھاڑ کر پھینکدینے کا دعویٰ ہے،

ما مے بہ بانگِ چنگ نہ امروز می خوریم — بس دیر شد کہ گنبد چرخ این صدا شنید

ہم شراب باجے کے ساتھ آج سے نہین پیتے، مدتین ہوئین کہ گنبد چرخ اس آواز کو سن چکا ہے

من ترک عشقبازی و ساغر نمی کنم — صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم

ما زہد و تقوی کمتر شناسیم — یا جام بادہ، یا قصہ کوتاہ

ہمکو پرہیزگاری وغیرہ کم آتی ہے، بس یا شراب کا پیالہ، یا قصہ مختصر

گدائے میکدہ ام، لیک وقت مستی بین — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

یعنی گو مین شراب خانہ کا گدا ہون، لیکن مستی کی حالت مین مجکو دیکھو، کہ آسمان سے ناز، اور ستارہ پر حکومت کرتا ہون،، چونکہ اس شعر مین واقعیت بھی ہے، اس لیے زیادہ اثر رکھتا ہے،

ساقی بیا کہ شد قدح لالہ پر ز مے — طامات تا بچند، و خرافات تا بہ کے

ساقی آ، لالہ کا پیالہ شراب سے بھر چکا — پرہیزگاری کہانتک! اور بکبک کب تک

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب — ما را ز جام بادۂ گلگون خراب کن

اے ساقی! اسکے قبل کہ یہ عالم فانی برباد ہو جاے، ہمکو شراب کے پیالہ سے برباد کر دے یعنی ہم دنیا کی بربادی اور خرابی کا منظر اپنی آنکھون سے کیون دیکھین، پہلے ہمکو مست اور برباد کر دے کہ جو کچھ ہو ہم پر اس کا اثر نہ ہونے پائے،

خوشتر از فکرِ دو جام چہ خواہد بودن   چون خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

جب نہین معلوم کہ انجام کیا ہوگا، تو مے و جام سے بڑھکر کیا چیز ہو سکتی ہے،

دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد   بمی بفروش دلقِ ما کزین بہتر نمی ارزد

ساری دنیا اس قابل نہین ہے کہ اسکے لیے ایک لحظہ کا غم گوارا کیا جاے۔ ہمارا خرقہ شراب کے لیے بیچ ڈالو تو اس سے اچھے اس کے دام نہین اُٹھ سکتے،

تم نے پڑھا ہو گا کہ شاعری کی اصلی حقیقت جذبات کا اظہار ہے، یعنی شاعر پر کوئی جذبہ طاری ہو، اور وہ اُن جذبات کو اسطرح ادا کرے کہ دوسرون پر بھی وہی اثر چھا جاے، اشعار مذکورۂ بالا سے اندازہ ہوا ہو گا کہ جذبات کے اظہار مین اس سے بڑھکر جوش کا کیا اظہار ہو سکتا ہے،

خواجہ حافظ کے بعد اصولِ ارتقار کے خلاف، غزلیہ شاعری کی ترقی ڈیڑھ سو برس تک رک گئی، جسطرح قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد، شعرا کی زبانین بند ہو گئین، لیکن ارتقار مین اتفاقی سکون ہو جاتا ہے سلسلہ منقطع نہین ہو جاتا، خواجہ صاحب کے راستہ پر چلنا تو ممکن نہ تھا اس لیے اور اور راہین نکلین،

اسی زمانہ مین حکومت صفویہ کا آغاز ہوا، اور کچھ ہی مدت کے بعد، تمام ایران سے

طوائف الملوکی مٹ کر ایک وسیع اور پُرامن سلطنت قائم ہوگئی، یہ خاندان خود شریف
اور شریف پرور اور فضل وکمال کا نہایت قدردان تھا، شعروشاعری
کو انھون نے یہ عزت دی کہ حکیم شفائی کی تعظیم کے لیے شہنشاہ وقت نے راہ
مین سواری سے اتر جانا چاہا، اسی زمانہ مین تیموری خاندان ہندوستان مین
فیاضیون کا بادل برسا رہا تھا، یہ سامان شاعری کی ترقی کے لیے آب حیات
تھا، اور درحقیقت، مجموعی حیثیت سے شاعری نے اس زمانہ مین جسقدر ترقی کی
تھی کبھی نہین کی، لیکن اس موقع پر ہمکو صرف غزل سے بحث ہے،

قاعدہ ہے کہ جب برسات کے بادل برستے ہین تو مختلف قسم کی نباتات
اُگ آتے ہین، اس بنا پر اس دور مین غزل کی جسقدر طرزین ممکن تھین، تصوف کے
سوا، سب کی بنیاد پڑ گئی، شیعیت کو تصوف سے ضد ہے، میر عباس شوستری
فرماتے ہین،

این کلام صوفیانِ شوم نیست مثنوی مولوی روم نیست،

چونکہ تمام ملک مین بہ جبر شیعی مذہب جاری کر دیا گیا تھا، اس لیے صوفیانہ شاعری کا
بقا ممکن نہ تھا۔ تاہم تصوف مین کچھ ایسی بات ہے کہ لوگ نقالی کی کوشش کرتے
تھے، چنانچہ شفائی وغیرہ نے اس رنگ مین کہا، لیکن یہ نری نقالی اور کاغذی
پھول تھے۔

تمام اہل تذکرہ متفق ہین کہ اس دور جدید کے آدم، بابا فغانی ہین، چنانچہ والہ

داغستانی کی عبارت ہم تیسرے حصہ مین نقل کر آئے ہین، اوحدی نے عرفات مین تصریح کی ہے کہ تمام متاخرین، فغانی کے مقلد ہین، اندرونی شہادت یہ ہے کہ عرفی ثنائی، نظیری وغیرہ عموماً فغانی کی طرحون پر غزل لکھتے ہین اور یہ معلوم ہوتا ہی کہ اسکا تتبع کرنا چاہتے ہین، فغانی کی مشہور غزل ہے،

گل می درد قبا بہ چمن دادخواہ کیست | گلشن بہ خون طپیدہ شہید نگاہ کیست

اسیر نظیری۔ قدسی وغیرہ سب کی غزلین ہین۔ قدسی،

بازم نشستہ تا قمرہ دردل نگاہ کیست | عالم سیاہ کردۂ چشم سیاہ کیست

این پیش خیل کجکلہان از سپاہ کیست | وین قبلۂ کہ کج شدہ طرف کلاہ کیست

غرض یہ امر مسلم ہے کہ طرز جدید کا موجد فغانی ہے، لیکن تعجب ہی کہ اس کے متعلق کسی نے ایک حرف بھی صراحۃً یا کنایۃً نہین لکھا کہ فغانی کی طرز کیا ہے؟ اور اسکی خصوصیتین کیا ہین؟ اس لیے ہمکو خود اپنی راے اور استقرا سے کام لینا پڑیگا، فغانی سے پہلے جو طریقہ تھا، اور جسکو فغانی نے بدلا، اس کے نمایان خصوصیات یہ تھے،

۱- کلام مین سادگی اور صفائی تھی، کسی بات کو زیادہ پیچ دے کر نہین کہتے تھے، فغانی نے اس طرز کو بدلا، اور اس کے پیرؤن نے اس وصف کو انتہا تک پہونچا دیا، مثلاً فغانی کہتا ہی،

درماندۂ صلاح و فسادیم، الحذر | زین رہ‌نما کہ مردم عاقل نہادہ‌اند

جو خیال اس شعر مین ظاہر کیا گیا ہی، یہ ہے کہ حکما اور فلاسفہ نے خیر و شر کے اصول قایم کیے، اور پھر ان مین باہم اختلاف ہی، ایک کے نزدیک جو چیز تمدن یا اخلاق کے خلاف ہے، وہی چیز دوسرے کے نزدیک عین تمدن و اخلاق ہے، اس لیے عام لوگ سخت مشکل مین پڑ جاتے ہین، ان کو خود اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کی قابلیت نہین، اور چونکہ دونون رائین باہم متناقض ہین، اسلیے دونون ایک ساتھ تسلیم نہین کیجا سکتین، "عرفی اسی خیال کو زیادہ بے باکی اور گستاخی سے ادا کرتا ہی

کفر و دین را بر از یاد، کاین فتنہ گران   در بد آموزی ما مصلحت اندیش خود اند

صلاح و فساد کے بجاے عرفی نے کفر و دین کا لفظ استعمال کیا، اور پھر صاف صاف دونون کو فتنہ گر کہا، فغانی نے صرف یہ کہا تھا کہ عقلا نے جو اصول قائم کیے ہین انھون نے ہمکو چکر مین ڈال دیا ہے، عرفی کہتا ہی، یہ دونون (کفر و دین) ہمکو باہم لڑنا سکھاتے ہین، اور اس سے انکی غرض یہ ہے کہ انکی گرم بازاری قائم رہے، کیونکہ اختلاف و نزاع کے بغیر جوش و خروش، زور و شور، اور چہل پہل نہین ہوتی۔ فغانی،

ایکہ میگوئی چرا جامے، بہ جانے میخری   این سخن باساقی ما گو کہ ارزان کردہ ست

ایک بہت وسیع مضمون کو پیچ دیکر مختصر لفظون مین ادا کیا ہے۔ واقعہ یہ فرض کیا ہے کہ ایک بادہ نوش نے شراب خانہ مین جاکر جان کے عوض مین جام شراب خریدا، کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے یہ کیا کیا، معترض کا اعتراض یہ تھا کہ شراب اسقدر گران کیون خریدی؟ لیکن بادہ نوش یہ سمجھا کہ اعتراض اسپر ہے کہ اس قدر ارزان کیون

خریدی۔ (یہ اس لحاظ سے کہ بادہ نوش کے نزدیک، تو شراب کی قیمت، جان سے بہت بڑھکر ہے) اس بناپر بادہ نوش نے جواب دیا کہ اس کو مین کیا کرون، یہ تو ساقی سے پوچھنے کی بات ہی کہ اُسنے شراب کو اس قدر کیون ارزان کر دیا ہے"

۲۔ تشبیہات اور استعارات مین زیادہ جدت پیدا کی، مثلاً اس بات کو کہ دنیا کا راز معلوم نہین ہوسکتا، خواجہ صاحب اس تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہین،

کہ کس نکشود و نکشاید، بہ حکمت این معمّا را

یعنی دنیا ایک چیستان ہے، جو فلسفہ اور عقل سے نہین حل ہوسکتا،

فغانی اسی بات کو یون کہتے ہین،

آن کہ این نامۂ سربستہ نوشت است نخست — گرہے سخت بہ سر رشتۂ مضمون زدہ است

یعنی جس شخص نے ابتدا مین یہ تحریر لکھی، مضمون کے دھاگے مین ایک سخت گرہ بھی لگادی۔

۳۔ سب سے بڑی خصوصیت فغانی کی اختصار کلام ہے، یعنی ایک بڑے وسیع مضمون کو مختصر لفظون مین ادا کرتا ہی، یہ وصف، متاخرین کا خاص جوہر ہی جو بڑھتے بڑھتے کبھی اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ معما بنجاتا ہے، یہ اختصار اس طرح پیدا ہوتا ہی کہ کلام کے بہت سے ٹکڑے چھوڑ دیے جاتے ہین، اور مضمون کو اس انداز سے کہا جاتا ہے کہ متروک ٹکڑے خود بخود سمجھ مین آجائین۔ مثلاً فغانی کہتا ہی،

ساقی مدام بادہ بہ اندازہ می دہد — این بیخودی، گناہِ دلِ زود مست ماست

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "ہم شراب پی کر بدمست ہو گئے" اس پر لوگون نے یہ اعتراض کیا کہ یہ ساقی کا قصور ہے، اسنے کیون اعتدال سے زیادہ شراب پلا دی۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہین، ساقی نے اعتدال ہی سے شراب پلائی تھی، قصور ہے تو ہمارے دل کا ہے جو بہت جلد مست ہو جاتا ہے۔ اس وسیع خیال کو، دو مصرعون مین ادا کیا ہے اور مضمون کے متعدد ٹکڑے چھوٹ گئے ہین،

ارباب تذکرہ لکھتے ہین کہ اول اول لوگون کو فغانی کا طرز بیگانہ معلوم ہوا، اور کسی نے کچھ قدر نہ کی، اس بنا پر وہ اور دربارون کو چھوڑ کر تبریز مین چلا آیا، اور یہین اس کا نشو و نما ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس زمانہ مین دولت صفویہ کا آغاز تھا تبریز مین سلطان یعقوب فرمان روا تھا، وہ ترک تھا اور صفویہ کا حریف مقابل تھا اسکے ساتھ نہایت سخن فہم اور قدر دان فن تھا، اکثر بڑے بڑے شعرا مثلاً نصیبی گیلانی وغیرہ اسی کے دامن تربیت مین پل کر نامور ہوئے، ان باتون کے ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی بہرہ ور تھا، چنانچہ بعض شعرا اس کے شیفتہ اور دلدادہ تھے، ان مین شیخ نجم الدین یعقوب بھی تھے، ایک دفعہ یہ بیماری کی وجہ سے دربار مین نہ گئے اور سلطان یعقوب انکی عیادت کو آیا۔ اس وقت ایک غزل لکھکر بھیجی[1] جسکا حسن مطلع یہ تھا

صبوحی کردہ مست آمد بہ بالین خستہ خود را   کہ مستی را بہانہ سازد و بسیار ننشیند

---

[1] آتشکدہ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۲۰

قاضی مسیح الدین عیسیٰ، جو بہت بڑے فاضل تھے اور سلطان یعقوب کے صدر الصدور تھے، وہ بھی سلطان یعقوب کے عشّاق مین تھے، چنانچہ آتشکدہ مین اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا[1] ہے،

سلطان یعقوب جسطرح سلاطین صفویہ کا اور باتون مین حریف تھا، اسکا مذاق سخن بھی صفویہ سے جدا تھا، اسلیے **فغانی** جو اور درباردن مین مردود تھا، یہان آکر مقبول ہوا، فغانی کے بعد اکثر لوگون نے اس کے طرز کی تقلید کی اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ فغانی سے بہت زیادہ ممتاز بلکہ الگ نظر آتا ہے،

فغانی کے سلسلہ مین جن لوگون نے زیادہ شہرت حاصل کی، عرفی، نظیری وغیرہ ہین، جو ہندوستان چلے آئے تھے اور یہان کے مذاق نے ان مین اور زیادہ رنگینی اور لطافت پیدا کر دی تھی، جو شعرا خاص ایران کے شعرا شمار کیے جاتے ہین ان مین **محتشم کاشی** اور شفائی نہایت نامور ہین، محتشم کو طہماسپ صفوی اور شاہ عباس کے دربار مین نہایت اعزاز حاصل تھا، اکثر مشاہیر شعرا، اس کے تربیت یافتہ ہین، تمام ایرانی تذکرہ نویس اس کا نام بڑے احترام سے لیتے ہین، لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ محتشم کی خوش اقبالی ہے، ورنہ عرفی و نظیری کی صف مین وہ حقیر نظر آتا ہی محتشم کا دیوان شائع ہو چکا ہے اور نکتہ دان اس کو پڑھ کر آسانی سے اس کا فیصلہ کر سکتا ہے، شفائی ان ہی دربارون مین ندیم تھے، اور نہایت قدر و منزلت رکھتے تھے،

[1] آتشکدہ صفحہ ۲۲۶-

وہ اکثر فغانی کی طرحون مین غزل لکھتے ہین اور اُن کا منتخب کلام نظیری وغیرہ کے
لگ بھگ کہا جاسکتا ہی، چند شعر یہ ہین،

باز این چہ نوید التفات است　　آہستہ کہ آسمان نہ داند

غم عالم پریشانم نمے کرد　　سر زلف پریشان آفریدند

این جور دگر است کہ آزار عاشقان　　چندان نمیکنی کہ بہ بیداد خو کنند

مرغے چو ہمای دل من گشتہ اسیرت　　شکرانۂ این صید تہی کن قفسی چند

اسی زمانہ مین ایک اور طرز شروع ہوا اور وہ ایک جداگانہ شاخ بنگئی،

سلطان الجایتو کے زمانہ مین سید سیف الدین ایک معزز رئیس اور حکمران
تھے، ان کے نواسے قاضی جہان تھے، ان کے بیٹے شرف جہان تھے، شرف
جہان نے نہایت فضل وکمال حاصل کیا، میر غیاث الدین منصور سے معقولات
کی تحصیل کی، رفتہ رفتہ طہماسپ صفوی کے دربار مین پہونچے اور سیاہ وسفید کے
مالک ہوگئے، کربلا مین جو نہر ہے انہی کی بنوائی ہوئی ہے،

یہ شاعر بھی تھے اور صرف غزل کہتے تھے، غزل مین وقوع گوئی یعنے معاملہ
بندی، گو خسرو اور سعدی کے ہان خال خال پائی جاتی ہے، لیکن انھون نے
اسکو خاص ایک فن بنا دیا۔ ہزار شعر کا دیوان ہے۔ جو سرتاپا اسی انداز مین ہے، مثلاً

بہر جا میرسم اول حدیث نیکوان پرسم　　کہ حرف آن مہ نامہربان را در میان پرسم

مین جہان جاتا ہون پہلے حسینوں کا حال پوچھتا ہون کہ اسی ضمن مین معشوق کا حال بھی پوچھ لون،

زمدہوشی نفہمم ہرچہ گویدآن پری بان　　　　چواز بزمش روم مضمون آن از دیگران پرسم

یہ طرز فغانی کے طرز سے زیادہ مقبول ہوا، اس زمانہ کے اکثر ممتاز شعرا، اسی اندازمین کہتے تھے، ان مین سے جن لوگون نے زیادہ شہرت حاصل کی حسب ذیل ہین؛

علی قلی میلی۔ قزلباشی امرا مین سے تھا، نہایت خوشرو اور خوش مزاج تھا، مدت تک مشہد مقدس مین، سلطان ابراہیم مرزا کے دربار مین رہا۔ پھر ہندوستان آیا، یہان حسین ثنائی، غزالی۔ وحشی وغیرہ سے معرکے رہے، مشہور ہے کہ اکبر کے دربار مین غزالی سے مناظرہ ہوا۔ غزالی نے حکمت عملی سے اس کو مغلوب کیا اس کا اسکو اس قدر صدمہ ہوا کہ اسیوقت تپ چڑھ آئی اور بالآخر بیمار رہ کر مر گیا[1] کلام کا نمونہ یہ ہے،

باآن کہ بہ پرسیدن ما آمدہ، مردیم　　　　کایا زکہ پرسیدہ رہ خانۂ مارا

یعنی گو میری عیادت کیلیے آیا، لیکن مین اس رشک سے مرجاتا ہون کہ میرے گھر کا پتہ کس سے پوچھا

باغیر نشینی و فرستی زپے ما　　　　آن راکہ نداندرہ کاشانۂ مارا

غیر کے ساتھ بیٹھتے ہو، اور میرے بلانے کے لیے ایسے شخص کو بھیجتے ہو جو میرا گھر نہین جانتا

لبے خوشنودی آید بسویم قاصدش گویا　　　　کہ غیر از نامہ، حرفے از زبان یار ہم دارد

تو بنیائی زحیا در سخن و من زحجاب　　　　تا چہ سازند رقیبان، ز زبان من و تو

---

[1] عرفات اوحدی،

ولی۔ قاین ایران کا ایک صوبہ ہی، اس کے مضافات مین ایک مقام ہے جہان کی خاک سفید ہوتی ہے اسلیے اس کو دشت بیاض کہتے ہین، ولی یہین کا رہنے والا تھا، ہلالی اور وحشی کا معاصر اور حریف مقابل تھا، ہندوستان مین بھی آیا تھا، اس کے کلام مین معاملہ بندی کے ساتھ نہایت سوز و گداز ہے اس کو فارسی کا میر تقی میر سمجھنا چاہیے، وہی زبان اور وہی درد ہے۔ اشعار ذیل سے اندازہ ہو گا،

تہمت زدہ ام کردہ بعشق دگرے، کاش　　پرسند کہ غیر از تو بہ عالم دگرے ہست

یعنی معشوق مجکو تہمت لگاتا ہے کہ مین کسی اور کو چاہتا ہون، کاش کوئی اس سے یہ پوچھتا کہ دنیا مین اس کے سوا کوئی اور ہے بھی؟

ہر تو شنیدہ ام سخنہا　　شاید کہ تو ہم شنیدہ باشی

یعنی مین نے تیرے لیے بہت سی باتین سنین، شاید تو نے بھی سنا ہو

دوسرے مصرع مین ایہام ہے، یہ بھی اس کے معنی ہو سکتے ہین کہ شاید تم نے بھی میرا یہ حال سنا ہو گا، اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہین کہ شاید تم کو بھی میرے لیے باتین سننی پڑی ہون،

بہ تمناے تو ترکِ دوجہان کرد ولی　　مہربانی تو ہم در خور آن می بایست

شوق نگذاشت کہ وحشی بنہم بر دل خویش　　ورنہ این راز ہنوز از تو نہان می بایست

وحشی یزدی مشہور شاعر ہے، عرفی وغیرہ کا معاصر ہے۔ اوحدی اس کی نسبت

لکھتے ہین،

”وقتے کہ مولنا محتشم طنطنۂ شاعریش قاف تا قاف گرفتہ بود او در برابر آمد وطرز نوی

در عرصہ آورد وہم در زمانِ او طرز او را منسوخ گردانید“

لیکن یہ دونون باتین غلط ہین، نہ وحشی نے کوئی خاص طرز ایجاد کیا، نہ محتشم کا کوئی خاص طرز تھا جسکو وحشی منسوخ کرتا، اس مین شبہہ نہین کہ چونکہ وحشی تمام عمر، شاہدان بازاری کے عشق مین گرفتار رہا اس لیے اس کو ہوس پرستی کی وارداتین بہت پیش آئین اور اسنے وہ سب ادا کر دین، واسوخت بھی اسی کی ایجاد ہے اور اسی پر اسکا خاتمہ بھی ہوگیا۔ آتشکدہ مین لکھاہے کہ اسنے شراب خواری کی حالت مین جان دی۔ یہ غزل مرتے وقت لکھی تھی۔

عزیزان راہنائی، اہتین بر چشم تر اشب　　　　مگر در من نشان مرگ ظاہر شد کہ می بینم

فغانی کے سلسلہ مین رفتہ رفتہ خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی پیدا ہوئی اسکی ابتدا، عرفی نے کی، ظہوری، جلال اسیر، طالب آملی، کلیم وغیرہ نے اس طرز کو ترقی دی، اور یہی طرز مقبول ہوکر تمام دنیاے شاعری پر چھا گیا۔ اور چونکہ اس طرز کی بے اعتدالی سخت مضر نتائج پیدا کرتی ہے اسلیے مِلک سخن ناصر علی، بیدل وغیرہ کے قبضۂ اقتدار مین آگیا اور اس طرح ایک عظیم الشان سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا،

اس انقلاب نے اگرچہ غزل کو نقصان پہونچایا، کیونکہ غزل اصل مین عشقیہ جذبات کا

نام ہے، اور اس طرز مین عشقیہ جذبات بالکل فنا ہو گئے۔ لیکن شاعری کو فی نفسہ ترقی ہوئی، عرفی نے نہایت بلند فلسفیانہ مسائل ادا کیے۔ کلیم اور صائب نے تخئیل کو بے انتہا ترقی دی۔ بعض شعرا نے اخلاق اور موعظت کو نہایت خوبی سے ادا کیا ان کا تفصیلی بیان شاعری کے دیگر انواع کے ذیل مین آئے گا،

غزل | عشق و محبت کا جذبہ فطرت انسانی کا خمیر ہے اسلیے تمام دنیا کی شاعری مین عشقیہ شاعری، اورسب انواع شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہے، لیکن ایران اس خصوصیت مین تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔ ایران کا تمدن کئی ہزار برس کا ہی، معاشرت اور کاروبار زندگی مین ہمیشہ سے تکلف اور نزاکت موجود تھی، تین ہزار برس کی متصل عیش ونعمت اور جاہ و ثروت نے، نفاست اور لطافت کو انتہا تک پہنچا دیا تھا، آب و ہوا، سبزہ زار، آبِ رواں، لالہ وگل، دماغون اور طبیعتون کو ہمہ وقت نشاط انگیز، اور ولولہ خیز رکھتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ حُسن وجمال کے لحاظ سے ملک کا ملک یوسفستان تھا۔ نوشاد و خلخ۔ فرخار کشمیر جو حسن کی چمن زار تھے، ایران کے دامن مین تھے، وہان کے پیداوارین ایران ہی کے بازارون کو سجاتی تھین، ان سامانون کے ساتھ ایران مین غزل گوئی کی ترقی ایک لازمی چیز تھی،

بظاہر یہ تعجب کی بات ہے کہ باوجود ان اسباب کے تین سو برس تک غزل کو ترقی نہوئی، اسکی وجہ یہ تھی کہ ایران مین شاعری کا آغاز فطری جوش سے نہین بلکہ کسب معاش کی غرض سے ہوا تھا، جب ایران مین خود مختار سلطنتین قائم ہوئین، تو شعرا نے سلاطین کی مداحی

کے لیے شاعری شروع کی اور چونکہ عرب کی تقلید کرتے تھے، اسلیے قصائد کی ابتدا مین عشقیہ اشعار بھی کہتے تھے جنکو عربی مین تشبیب یا نسیب کہتے ہین۔ اور اسی کا دوسرا نام غزل ہی۔ لیکن یہ فقط تقلید تھی، اصلی جوش نہ تھا، اس سے بڑھکر یہ کہ ابتدائی شاعری سے کئی سو برس تک دیلمیون، غزنویون اور سلجوقیون کی بدولت تمام ملک ایک میدان کارزار بنا رہا، اس حالت مین غزل کو کون پوچھتا،

باین ہمہ غزل گوئی کا خمیر طیار ہو رہا تھا، اول تو باوجود جنگی زندگی کے شاہد پرستی عام طور پر رائج تھی، بڑے بڑے قاہر اور متشرع سلاطین علانیہ حسن پرستی کرتے تھے، ان کی مدح مین جو قصائد لکھے جاتے تھے، ان مین ان کے معشوقون کا بھی تذکرہ کیا جاتا تھا۔ خود سلاطین شعرا سے فرمایش کرکے یہ مضامین لکھواتے تھے، غفاری رازی نے سلطان محمود کی فرمایش سے ایاز کی شان مین اشعار لکھے اور گران بہا صلہ پایا، چنانچہ خود قصیدۂ لامیہ مین کہتا ہے،

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہان | بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم | برغم حاسد دینار بدسگال نکال

فرخی نے ایاز کی تعریف مین جو قصیدہ لکھا ہی اس مین کہتا ہے،

نہ برخیرہ بہ او دل داد محمود | دل محمود را بازی مپندار

ترک غلام گھر گھر پھیلے ہوئے تھے اور جلوت و خلوت مین شریک صحبت تھے، اکثر شعرا ان غلامون کے شیفتہ تھے، اور عشقیہ اشعار مین انہی کا ذکر کرتے تھے، فرخی ایک قصیدہ

کی تمہید مین لکھتا ہے،

میرا پیر پر ترک آج خمار مین بھرا ہوا ہے، کیونکہ کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا۔ مین نے دو بار آنکھون سے اشارہ کیا کہ سو رہ۔ لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دور تو ہو جانے دیجئے۔ ایسے نوکری پرست پر کون نہ جان دے گا۔ ایسے خدمتگار کے ناز کون نہ اُٹھائے گا؛

منوچہری ایک قصیدہ کی تشبیب مین کہتا ہے،

نکنم بر تو جفا در تو جفا قصد کنی　　　نگذارم کہ کسے قصد جفاے تو کند

یعنی مین تجھ پر ظلم نہ کرون گا، اور تو مجھپر ظلم کرے تو مین اور کسی کو تجھ پر ظلم کرنے نہ دونگا،

یہ ظاہر ہے کہ اس شعر کا مخاطب غلام اور نوکر ہی ہو سکتا ہے،

فوجی ترک جو اکثر سادہ اور حسین ہوتے تھے، ہر جگہ نظر آتے تھے، اور نظر فروزی کا سامان کرتے تھے، اس بنا پر اکثر شعرا نے فوجی سپاہیون کی معشوقانہ تعریف کی ہی، چنانچہ اسکی پوری تفصیل کتاب کے ابتدا مین گذر چکی، اس کا جو اثر شاعری پر ہلو یعنی معشوق کے سراپا اوصاف مین تمام رزمیہ الفاظ اور رزمیہ اصطلاحین آگیئن اسکو بھی ہم مفصل لکھ آئے ہین،

ادھر یہ سامان مہیا ہو رہے تھے اُدھر تصوف کا دور شروع ہو چکا تھا، تصوف کا مایۂ خمیر عشق و محبت ہے اور چونکہ اکابر صوفیہ مین بعض فطرۃً شاعر تھے اس لیے ان کے جذبات موزون ہو کر زبان سے نکلے، قوم مین سپگری کا جوش کم ہو چکا تھا، اُدھر

تاتاریون نے تمام ملک کو ویران کر دیا اور تمام اسلامی حکومتین دفعۃً خاک مین ملادین
ان متواتر اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاعری کا سارا زور درد، اور سوز و گداز بنگیا اور اسکے لیے
غزل سے زیادہ کوئی چیز موزون نہ تھی، اس عہد کی غزلیہ شاعری مین جو درد اور تاثیر
ہے۔ انہی اسباب کا اثر ہے۔ اوحدی، مولانا روم، عطار، سعدی، خسرو، حسن، ایسے
ہی زمانہ مین پیدا ہوسکتے تھے،

حضرات صوفیہ اگرچہ عشق حقیقی رکھتے تھے۔ اور ان کے کلام مین شاہد اور مے و معشوق
سے عموماً شاہد حقیقی اور اس کے شیون، اور تجلیات مراد ہوتی ہین، لیکن یہ اکابر کا رتبہ ہے
ہر شخص بالغ نظر اور عالی ظرف نہین ہوسکتا تھا۔ اس لیے ابتدائی منزلون مین عشق مجازی
سے گذرنا ہوتا تھا، ان اسباب سے غزل کو اور ترقی ہوئی اور شاعری کا سارا زور غزل
مین آگیا،

اس وقت تک غزل مین عشق و محبت اور محبوب کے حُسن و جمال کی تعریف کے
سوا، اور کچھ نہین ہوتا تھا، خواجہ حافظ نے اس دائرہ کو وسیع کر دیا، ہر قسم کے رندانہ صوفیانہ
فلسفیانہ، اخلاقی، خیالات غزل مین ادا کیے اور چونکہ زبان پر بے انتہا قدرت تھی، اسلیے
کسی قسم کے خیال کے ادا کرنے مین زبان کی لطافت اور رنگینی مین فرق نہ آیا۔ یہ غزل
گوئی کی معراج تھی، جسکے بعد غزل کو یہ مرتبہ کبھی نہ حاصل ہوا اور نہ ہوسکتا تھا، خواجہ صاحب
کا رنگ اگرچہ تمام ایران پر چھا گیا، یعنی انکے مذاق کے سوا، اور کوئی مذاق پسند نہین آتا
تھا، لیکن یہ سب جانتے تھے کہ اس طرز کی تقلید نہین ہوسکتی، اسلیے کسی نے اس کا تتبع

ن کیا، اس بنا پر غزل گوئی کی ترقی رُک گئی اور سو برس تک رُکی رہی جب صفویہ کا آغاز
ا تو فغانی نے ایک نیا طرز ایجاد کیا، لوگون نے اسکی تقلید کی، اور اسقدر وسعت دی کہ
ین آسمان بن گئی۔

صفویہ کا دور مختلف خصوصیتین رکھتا تھا،

اس سے پہلے معقولات اور فلسفہ کی تعلیم اِس قدر عام نہ تھی، اور خصوصًا مذہبی نصا
بم مین فلسفہ داخل نہ تھا،

۱۔ فلسفہ جز تعلیم ہوگیا تھا،

۲۔ تمام ملک مین نہایت امن وامان اور دولت ونعمت کی بہتات تھی،

۳۔ چونکہ تیموریہ، شعر وشاعری کے نہایت قدردان تھے، اس لیے ایران کے اکثر
عرا ہندوستان چلے آئے، اکثرون نے یہین قیام کرلیا، اور یہین زمین گیر ہوئے،
ت سے ایسے تھے جو ایران آتے جاتے رہتے تھے،

ان حالات اور اسباب کی وجہ سے غزل مین مختلف اسلوب پیدا ہوگئے،

فلسفہ کے اثر نے فلسفیانہ خیالات پھیلائے، چنانچہ بعض شعرا مثلًا عرفی اور فیضی کا تمام
لام، اس رنگ مین ڈوبا ہوا ہی، نظیری۔ سلیم۔ جلال۔ اسیر مین بھی فلسفہ کی جھلکیان نظر
تی ہین۔ فلسفہ ہی کی بدولت وہ طرز ہی پیدا ہوا جسکو دقت پسندی کہتے ہین، یعنی
ایت دقیق اور پیچیدہ مضامین پیدا کرتے تھے، اور پیچیدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے،

دولت ونعمت کی افراط نے رندانہ اور عاشقانہ رنگ پیدا کیا، جو ولی دشت بیاضی

علی قلی میلی، وحشی یزدی، اشرف جہان کا انداز ہے، ہندوستان کے اختلاط نے لطافت خیال پیدا کی، اور یہی وجہ ہے کہ جو ایرانی شعرا ہندوستانی بنگئے۔ ان کے کلام کی لطافت خالص ایرانی شعرا کے کلام مین مطلق نہین پائی جاتی۔ نظیری۔ طالب آملی کلیم ایران مین کہان مل سکتے ہین.

غزل گوئی کی یہ سادہ اجمالی تاریخ تھی۔ اب ہم اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہین کہ فارسی زبان مین غزل یا عشقیہ شاعری کو کہان تک ترقی ہوئی،

غزل مین جو اسلوب پیدا ہوے یعنی فلسفہ۔ اخلاق۔ تخئیل، اگرچہ شاعری کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن غزل کا اصلی موضوع عشق و محبت ہے، اسلیے اس موقع پر ہم غزلیہ شاعری پر اسی حیثیت سے بحث کرتے ہین۔ فلسفیانہ اور اخلاقی غزلین فلسفیانہ شاعری مین داخل ہین، جس کا ریویو آگے آئے گا،

غزل پر ریویو ریویو کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ غزل کے محاسن اور معائب الگ الگ بیان کیے جائین جس سے تصویر کے دونون رخ سامنے آجائین۔ چونکہ عیب کی نسبت غزل مین خوبیان زیادہ ہین اسلیے ہم پہلے معائب کو بیان کرتے ہین،

معایب غزل کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ عشق و محبت کے کسی معاملہ یا واردات کا مسلسل بیان نہین ہوتا، ہر شعر الگ ہوتا ہے اور اس مین کوئی مفرد خیال یا واقعہ ادا کر دیا جاتا ہے، عربی اور یورپین زبانون مین غزل اکثر مسلسل ہوتی ہی جس مین محبوب کا مفصل سراپا، یا وصل و ہجر کی داستان یا کوئی دلچسپ واردات، کوئی تفصیلی واقعہ

بیان کرتے ہین، مثلاً ابن المعتز محبوب کی حالت خمار کا ذکر کرتا ہے:

"مین نے اس کو ہات سے جگایا اور کہا کہ اے راحت جان! اُٹھ وہ اس حالت مین بولا کہ نشہ سے اُسکی آواز دبتی جاتی اور اس طرح لڑکھڑاتی تھی جسطرح وہ شخص جسکی زبان سے بعض حرف ادا نہین ہوتے، اسنے کہا تم جو بولتے ہو میری سمجھ مین آتا ہے، لیکن شراب کا نشہ مجھ پر چھا گیا ہے، آج مجھکو چھوڑ دو کہ نشہ اُتر جاے، پھر کل جو چاہے کرنا"

یا مثلاً واوا دمشقی کہتا ہے۔

میرے دوستو! میرے معشوق کے پاس جاؤ، اُس سے باتون مین کہو کہ "یہ کیا بات ہے کہ تم اپنے عاشق کی خبر نہین لیتے اور اس کو تباہ کرتے ہو" اگر وہ مسکرادے تو حسنِ ادا کے ساتھ کہو کہ "اس مین کیا نقصان ہے کہ بیچارے عاشق کو اپنے وصل سے کامیاب کر و لیکن اگر اسکے چہرہ پر غصہ کے آثار نظر آئین تو بھلاوا دیکر کہدینا کہ ہمکو کیا غرض، ہم تو اسکو پہچانتے بھی نہین۔

فارسی غزل مین معشوق کے وصل یا ہجر یا انتظار یا وداع، یا سفر، یا ہم بزمی یا ہمکلامی یا اور اس قسم کے واردات و معاملات کا تفصیلی بیان ڈھونڈنا چاہین تو نہین ملسکتا۔ حالانکہ فارسی مین غزل کا اس قدر سرمایہ ہے کہ کسی زبان مین نہین ملسکتا۔

۲۔ ایران کا محبوب اکثر شاہد بازاری اور مبتذل ہوتا ہے، وہ ہر ایک کو ہاتھ آسکتا ہے، سیکڑون سے تعلق رکھتا، آج اس سے ہم کنار ہے، کل اُس سے ہم آغوش ہے

جب محفل مین جلوہ آرا ہوتا ہے، تو چارون طرف سے عشاق کا جمگھٹا ہوتا ہی، وہ کسی سی آنکھین لڑاتا ہے۔ کسی سے اشارے کنائے کرتا ہے۔ کسی کی طرف دیکھکر مسکرا دیتا ہی۔ کسی کو فریب آمیز نگاہون سے جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہے۔ بناوٹ سے کبھی روٹھتا ہے، کبھی منتا ہے۔ کبھی بگڑتا ہی، عشاق ایک ایک ادا پر بچھے جاتے ہین، ہر شخص سمجھتا ہے کہ اصلی التفات میری ہی طرف ہی، اورون کو بناتا اور دھوکا دیتا ہے۔ بخلاف اسکے عرب کا معشوق عفت وعصمت کا حریم نشین ہے وہان تک رسائی مشکل ہی، کوئی شخص اُدھر کا رخ کرے تو پہلے تلوارونکا سامنا ہوگا۔ سیکڑون سر کٹ جائینگے، خون کی ندیان بہ جائینگی متنبی کہتا ہے،

بسمر القنا یخفظن لا بالتمائم　　　دیار اللواتی دارھن عزیزۃ

اس کا سبب یہ ہی کہ عرب مین پردہ نشین اور باعفت عورتون سے عشق کرتے تھے، جب عشق کا چرچا پھیل جاتا تھا تو یا تو قبیلہ والے شادی کردیتے تھے، یا انکار کردیتے تھے، اور اس وقت محبوبہ پر زیادہ قید و بند ہوجاتی تھی، وہ باہر نہین جاسکتی تھی اور جاتی بھی تو قبیلہ کے جانباز ساتھ ہوتے تھے، مکان پر گویا آٹھ پہر پہرہ رہتا تھا، اس حالت مین بھی عشاق راتون کو نظر بچا کر جاتے تھے اور ہتھیار باندھکر جاتے تھے کبھی محافظین جاگ جاتے تھے اور تلوارین چلتی تھین، عرب کے مشہور عشاق مثلاً جمیل، کثیر وغیرہ کو اکثر اس قسم کے معرکے پیش آئے ہین۔ انھی محافظین کو "رقیب" کہتے تھے، عربی مین رقیب جہان آتا ہے اسی معنی مین آتا ہی، فارسی مین یہی لفظ نہایت خراب اور ذلیل معنون مین مستعمل ہوگیا ہے۔ یعنی ایک معشوق کے چند عاشقون کو رقیب کہتے ہین جن مین

ہمیشہ لاگ ڈانٹ اور مقابلہ اور مسابقت رہتی ہے۔ لطف یہ کہ ان سب باتون کے ساتھ عاشق و معشوق دونون پاک نظر اور پاکباز رہتے تھے۔ رات رات بھر جلسے رہتے تھے اور کسی کو کچھ خیال نہین گذرتا تھا، ایک دفعہ جمیل اپنی محبوبہ سے تنہائی مین ملا، اور کہا کہ آج مین تجھ سے دل کا مدعا کہنا چاہتا ہون، اسنے اجازت دی، جمیل نے عرض مطلب کیا۔ محبوبہ نے کہا ناپاک! اگر مین یہ جانتی تو کبھی تیری صورت بھی نہ دیکھتی"۔ جمیل نے دامن کے نیچے سے خنجر نکالا اور کہا آج مین تیرا امتحان لینا چاہتا تھا، اگر تو راضی ہو جاتی تو مین اسی خنجر سے تیرا سر اڑا دیتا"

اس بنا پر عرب کے عاشقانہ جذبات نہایت پرجوش اور سچے ہوتے ہین، محبوب کی شان اور عفت عشق کو مشتعل کرتی ہے لیکن ابتذال نہین آنے پاتا۔ یہ بات ایران کو نصیب نہین۔

۳۔ ایران مین عاشق اپنے آپ کو نہایت ذلیل قرار دیتا ہے، اپنے آپ کو معشوق کی گلی کا کتا کہتا ہے، اور اسپر بھی تسکین نہین ہوتی، بلکہ اسکو بھی گستاخی سمجھتا ہے۔ ہر طرح کی ذلت خواری اور بے قدری کو فخر خیال کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ کمال عشق اسی کا نام ہے

سحر آمدم بکویت بشکار رفتہ بودی ۔۔۔ تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

شنیدہ ام کہ سگان را قلادہ می بندی ۔۔۔ چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

بخلاف اسکے عرب مین خودداری اور عزت نفس کے جذبات ہر حالت مین قائم رہتے ہین۔ عرب کا عاشق طالب ہے لیکن گدا نہین ہے، جانباز ہے، لیکن غلام نہین ہے آمادہ مصائب ہے۔ لیکن ذلیل نہین ہے، وہ معشوق سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم | ولا انّنی بالمشی فی القید اخرق

یہ نہ سمجھنا کہ مین تیرے بعد کم حوصلہ ہو گیا | اور یہ نہ سمجھنا کہ مین پا بزنجیر چلنے سے ڈرتا ہون

۴۔ جن جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے چونکہ ان مین واقعیت کم ہوتی ہے، اس لیے الفاظ اور طرز ادا مین اصلی جوش نہین ہوتا۔ فارسی عشقیہ اشعار پڑھکر دل پر کبھی اثر نہین ہوتا کہ یہ ایک جانباز عاشق کے دلی جذبات ہین، جو خیال ادا کیا جاتا ہے اس مین تصنع اور مبالغہ ہوتا ہے، بخلاف اس کے عرب کا شاعر جو کچھ کہتا ہے، اسی حد تک کہتا ہے جسقدر اصلی واقعیت ہے اور اس لیے اس مین جوش اور اثر ہوتا ہے، مثلاً **مجنون** کہتا ہے کہ "مین جب نماز پڑھتا ہون تو **لیلی** کے خیال مین یہ یاد نہین رہتا کہ مین نے دو رکعت نماز پڑھی یا چار رکعت ادا کی"، ایرانی شاعر کے نزدیک یہ نہایت معمولی بات بلکہ منصب عشق کی توہین ہے لیکن اسکی واقعیت اور اثر سے کون انکار کر سکتا ہے، یا مثلاً **جمیل** کہتا ہے،

ارید لانسی ذکرها فکانّما | تمثّل لی لیلی بکل سبیل

یعنی مین چاہتا ہون کہ لیلی کو بھول جاؤن لیکن وہ مجھکو ہر طرف کھڑی نظر آتی ہے

ایرانی شاعر بعض وقت ممکن اور قریب الوقوع دعوی کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ معلوم ہے کہ وہ اس وصف سے خالی ہے اسلیے اس کا کچھ اثر نہین ہوتا۔ مثلاً سعدی کہتے ہین۔

حدیث عشق چہ داند کسی کہ در ہمہ عمر | بسر نکوفتہ باشد در سرائے را

یعنی وہ شخص عشق کا معاملہ کیا سمجھ سکتا ہے جسنے تمام عمر ایک دفعہ بھی کسیکی چوکھٹ پر اپنا سر نہ مارا ہو

یہ خیال بالکل صحیح ہی لیکن واقعیت کے لحاظ سے خود سعدی بھی انہی لوگون مین نظر آتے ہین جنکے سر کو آستان کوبی کی نوبت نہین آئی ہے، بخلاف اِسکے جب عرب کا شاعر کہتا ہے کہ

ذکرتك والخطی یخط بیننا   وقد نهلت منا المثقفة السمر

مین نے اسوقت تجھکو یاد کیا جبکہ گندم گون برچھیان میرے خون سے سیراب ہو چکی تھین

تو چونکہ معلوم ہے کہ شاعر نے میدانِ جنگ مین برچھیان کھائی ہین اس لیے شعر دل پر اثر کرتا ہے اور سامعین کے جذبہ کو برانگیختہ کرتا ہے،

۵. فارسی شاعری مین معشوق حسن صورت کے لحاظ سے جسقدر بے مثل و بے نظیر ہے اُسیقدر اخلاق کے لحاظ سے دنیا کے تمام عیوب کا مجموعہ ہے، وہ جھوٹا ہے، بدعہد ہے ظالم ہے، سفاک ہے۔ مکار ہے۔ دغاباز ہے۔ فتنہ گر ہے، حیلہ ساز ہے۔ شریر ہے، کینہ پرور ہے، یا نہایت احمق ہے۔ ہرایک کی بات مان لیتا ہے۔ ہرایک کے قابو مین آجاتا ہے،

ان خیالات کا آغاز اس طرح ہوا کہ عشق یہ چونکہ تمام احساسات کو مشتعل اور تیز کردیتا ہے اس لیے ہر چیز کا اثر عاشق پر زیادہ پڑتا ہے۔ عشق کا یہ تقاضا ہی کہ محبوب کی دیدار و گفتار سے کبھی سیری نہین ہوسکتی۔ لیکن یہ ممکن نہین کہ محبوب دنیا کا تمام کاروبار چھوڑ کر آٹھ پہر عاشق کی نظر فروزی کرتا رہے، اس لیے وہ عاشق کی آرزو بر نہین لاسکتا۔ اب اگر وہ عاشق کے سامنے سے کسی وقت ہٹ جاتا ہی۔ یا ہر وقت اسکو حاضری کا موقع نہین دیتا۔

یا اسکے وعدون کو پورا نہین کرسکتا، یا کبھی کسی اور سے مخاطب ہو جاتا ہے، یا کوئی اور اسکی صحبت مین پہونچ جاتا ہے، تو عاشق کو یہی باتین بیوفائی، بدعہدی۔ بیرحمی۔ سخن سازی رقیب نوازی کی صورت مین نظر آتی ہین، اور چونکہ عاشق کا احساس، عام لوگون کے احساس کے بہ نسبت زیادہ تیز ہوتا ہے اس لیے ہر وصف اپنے درجہ سے بہت بڑھکر اس پر اثر کرتا ہے، معشوق کی ایک ذراسی بے التفاتی کو وہ ظلم اور سفاکی کہتا ہے، اسی طرح ہر بات اعتدال سے بڑھ جاتی ہے۔

اس بنا پر ان خیالات کی تہ مین کچھ نہ کچھ واقعیت ضرور ہے۔ لیکن ایرانی شعرا نے ان مین اس قدر مبالغہ کیا کہ اِن اوصاف کو حقیقی قرار دیکر ان کے تمام لوازمات اور جزئیات بیان کئے، مثلاً معشوق کو بے التفاتی کی بنا پر بیرحم کہا۔ پھر بیرحم کو قاتل کا خطاب دیا۔ پھر قتل کے تمام حقیقی سامان مہیا کردیے، گویا معشوق واقعی ایک قاتل ہے، ہاتھ مین تلوار ہے، عاشق کو قتل کے لیے طلب کرتا ہے۔ اُسکی آنکھون پر جلادون کی طرح پٹی باندھتا ہے۔ پھر ذبح کرتا ہے، عاشق کے خون کی چھینٹین اڑتی ہین اور اس کے دامن پر پڑتی ہین۔

قاتلِ من چشم می بندد دمِ بسمل مرا | تا بماند حسرتِ دیدار او در دل مرا
زخون خویش بران قطرہ می برم غیرت | کہ گاہ قتل بہ دامان قاتل افتادہ است
چگونہ جان بسلامت برم ز سفاکے | کہ بر ورش ملک الموت بسمل افتادہ است

محاسن | اگرچہ جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا بلحاظ اغلب فارسی غزل گوئی مین سچے جذبات

ہا نظر آتے ہین تاہم ایک معتدبہ حصہ ایسا بھی موجود ہے جسمین غزل کی اصلی خوبیان اعلیٰ درجہ تک پائی جاتی ہین۔ حضرات صوفیہ کا کلام تمامتر جوش اور اثر سے لبریز ہے جو خیالات اور مضامین غزل کے عناصر اصلی ہین، ان غزلون مین نہایت پرجوش طریقہ سے ادا ہوئے ہین۔ غزل کا سب سے مقدم مضمون عشق کی مدح و توصیف، قدر و قیمت اور اسکی محبوبیت اور قابل رشک ہونے کا اظہار ہے۔ یہ مضمون تمام زبانون مین ادا کیا گیا ہے۔ متنبی کہتا ہے؛

لو قلت للدنف الحزین فدیته　　　مما به لاغرته بفدائه

یعنی۔ اگر مین عاشق سے یہ کہون کہ تیرا عشق مین لیے لیتا ہون تو اسکو رشک آئیگا اور اسپر راضی نہو گا۔

فارسی مین یہ مضمون گوناگون اور پراثر طریقون سے ادا کیا گیا ہے، ان کا اندازہ تفصیل ذیل سے ہوگا،

۱۔ عشق وہ چیز ہے جسکا نام لینے سے مزہ آتا ہے، عاشق عشق کا لفظ بولتا ہے اور اسکی لذت سے مست و بیخود ہوا جاتا ہے۔ اس مضمون کو ایک شاعر اسطرح ادا کرتا ہے،

عشق می گویم و جان می دہم از لذت وے

۲۔ عشق مین گو ہزارون مصیبتین پیش آتی ہین، بہت سے سخت دشوار گذار مقام آتے ہین، منزل کا پتہ نہین ملتا۔ لیکن ہر مصیبت لذت کش ہوتی ہے، ہر درد دوا معلوم ہوتا ہے، ہر قدم پر منزل کا آرام نصیب ہوتا ہے

رہروان را خستگی راہ نیست　　　عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

چلنے والون کو راستہ کا تکان نہین ہوتا کیونکہ عشق راستہ بھی ہی اور منزل بھی

عاشق فریاد کرتا ہے۔ لیکن اِسلیے نہین کہ کیون گرفتار ہوا، بلکہ اس لیے کہ اتنے دن بِگرفتاری مین کیون گذرے،

نالہ از بہر رہائی نکند مرغِ اسیر　　　خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عاشق اگرچہ محبوب کے ظلم وستم اور بے وفائی و بے اعتنائی سے تنگ آجاتا ہی لیکن پھر غور کرتا ہے تو نظر آتا ہے کہ ان سب باتون کے ساتھ عشق مین جو لذت ہے کسی چیز مین نہین۔

جاے ہنوز نیست بذوق دیارِ عشق　　　ہر چند ظلم ہست وستم ہست و داد نیست

عشق کی تکلیفون مین وہ لذت ہی کہ اس سے جی نہین بھرتا اور زخم پر زخم کھانیکو جی چاہتا ہے

خویش را بر نوکِ مژگان ستم کیشان زدم　　　آن قدر زخمے کہ دل میخواست در خنجر نبود

مین معشوقونکی نوک مژگان پر ٹوٹ پڑا، کیونکہ تلوار مین اسقدر گھاؤ نہ تھا جتنا دل چاہتا تھا

عاشق کو حریفون کے مقابلہ مین اپنی ترجیح کا اسی بنا پر دعویٰ ہوتا ہے کہ اُس نے زیادہ زخم کھائے ہین،

با و بلبل عرضِ چاک سینہ می کردیم دوش　　　ناز پرورِ گلستان، زخم خارے ہم نداشت

۳۔ ہر چیز جب کمال کو پہنچتی ہے تب اس کا اثر مترتب ہوتا ہی لیکن عشق آغاز سے انجام تک لذت بخش اور لطف انگیز ہے،

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع　　　این شرابے ست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش ست

۴- عشق کا بڑا وصف یہ ہے کہ تمام رذیل اخلاق، شریفانہ اخلاق سے بدلجاتے ہین
بغض کینہ، حسد، خود پرستی، فخر، غرور، فنا ہو جاتے ہین، طبیعت مین رقت، اور سوز و گداز
پیدا ہو جاتا ہے۔ اور انسان ایک عام محبت اور کشش سے لبریز ہو جاتا ہے، حضرات
صوفیہ، جب طالب کو تزکیۂ نفس کی تعلیم کرنا چاہتے ہین۔ تو سب سے پہلے عشق و محبت کی تعلیم
دیتے ہین۔ کہ یہ صیقل تمام زنگ کو پاک کر دیگا، اس مضمون کو نظیری اسطرح ادا کرتا ہے،

ہیچ اکسیر بتاثیر محبت نرسد   کفر آوردم و در عشق تو ایمان کردم

کوئی اکسیر محبت کی تاثیر کا مقابلہ نہین کر سکتی مین کفر لیکر آیا تھا اور عشق کے ذریعے مین نے اسکو ایمان بنا لیا

غزل کا اصلی مایۂ خمیر عشق و محبت کا اظہار ہی محبت کا جذبہ جب دل مین پیدا ہوتا ہی تو بے اختیار زبان
سے ادا ہوتا ہی عاشق خود جانتا ہے کہ اظہار محبت نہ صرف غیر ضروری بلکہ خلاف مصلحت ہے لیکن دل پر قابو نہین ہوتا

شوق نگذاشت کہ دستے بنہم بر دلِ خویش   ورنہ این سوز، ہنوز از تو نہان می بایست

چونکہ محبت کے دعوے مین عاشق کو مزہ آتا ہی اسلیے طرح طرح سے ادا کرتا ہے،
کبھی معشوق کو مخاطب بناتا ہے اور مختلف پر اثر طریقون سے اس کو اپنی شیفتگی۔ وفا
شعاری جان نثاری اور جانبازی کا یقین دلاتا ہے۔ کبھی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر
کہتا ہے۔ کبھی اس سے بھی غرض نہین ہوتی کہ مخاطب کون ہے؟ جسطرح کسی غریب
آدمی کو اتفاقًا کوئی دولت ہات آجاتی ہے اور موقع بے موقع دولتمندی جتاتا پھرتا ہی
اسی طرح عشق کا نشہ ہوتا ہے جس کے سر مین عاشق، یہ سمجھتا ہے کہ تمام دنیا کی دولت
اُسکو ہات آگئی ہے۔ اسلیے بے اختیار فخر و غرور کے لہجہ مین عشق کا دعویٰ کرتا ہے،

یہ تمام باتیں فطری اور لازمۂ محبت ہیں۔ اس لیے **غزل** میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ مضامین کس حد تک پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں واقعیت اور اصلیت اور جوش و اثر کہاں تک ہے،

فارسی شاعری نے یہ تمام جذبات پورے زور کے ساتھ ادا کیے ہیں عشق کی شدت اور کمال کا اظہار عرب کا شاعر اس طرح کرتا ہے،

طاف الهوى في بلاد الله كلهم — حتى اذا مرّ بي من بينهم وقفا

(عشق تمام دنیا میں چکر لگاتا پھرتا تھا جب میرے پاس پہنچا تو وہیں ڈیرے ڈال دیے)

اس سے بھی زیادہ نیچرل طریقہ سے ایک شاعر نے اس مضمون کو ادا کیا ہے،

اتاني هواها قبل ان اعرف الهوى — فصادف قلبا فارغا فتمكنا

میرے پاس عشق اُسوقت آیا جب میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ عشق کیا چیز ہے، اس نے جو خالی جگہ پائی تو جم کر بیٹھ گیا۔

ایرانی شاعر کہتا ہے،

نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم — کہ پاے تا بسرم ہر چہ ہست در بند است

میں دام اور دانہ نہیں جانتا لیکن اسقدر جانتا ہوں کہ سر سے پانوں تک جو کچھ ہے شکنجہ میں پھنس گیا ہے۔

تصوف نے فارسی غزلگوئی کو بلند تر کر دیا

اس کشش یعنی عشق کا مبدء حسن ہے یعنی جہاں حسن پایا جائیگا یہ کشش بھی ہوگی اور جس قدر حسن کامل تر ہوگا اُسیقدر کشش بھی زیادہ قوی اور سخت ہوگی اور چونکہ حسن کامل صرف شاہد حقیقی میں پایا جاتا ہے اس لیے عشق بھی وہی کامل ہوگا، جو

شاہد حقیقی سے تعلق رکھتا ہو یہی وجہ ہے کہ حضرات صوفیہ کی شاعری مین جو جذبہ اور اثر ہے اور دن کے کلام مین اسکا شائبہ تک نہین پایا جاتا حضرات صوفیہ کا مطلوب عموماً شاہد حقیقی ہے اس لیے ان کا عشق ہوا وہوس سے پاک اور نہایت قوی اور مشتعل ہوتا ہے،

مجازی حسن ناکامل اور سریع الزوال ہے۔ اس لیے عشق مجازی مین وہ زور، وہ جذبہ، وہ استقلال نہین ہوسکتا جو عشق حقیقی کا خاصہ ہے۔

عشقیہ شاعری کا کمال چونکہ عشق حقیقی پر موقوف ہے جو تصوف کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ اور زبانون مین صوفیانہ شاعری کم ہے اسلیے عشقیہ شاعری مین کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہین کرسکتی۔

صوفیانہ شاعری مین جو خاصیتین عموماً پائی جاتی ہین ان کی تفصیل حسب ذیل ہر

(۱) چونکہ تصوف مین جن جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے وہ واقعی اور حقیقی ہوتے ہین، اس لیے شاعری مین بھی نہایت جذب، جوش، اور اثر ہوتا ہے،

عشق مین سیکڑون قسم کی وارداتین پیش آتی ہین، محویت، شوق، جان بازی، شکایت، انتظار، ہجر، وصل۔ یہ تمام واردات اور جذبات عام شاعری کے موضوع ہین۔ لیکن یہی جذبات جب تصوف کی زبان سے ادا ہوتے ہین تو ان مین نہایت زور اور جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً اس حالت کو کہ مطلوب کے سوا دل مین کسی کی جگہہ نہین رہی۔ سلطان ابوسعید ابوالخیر صاحب اس طرح ادا کرتے ہین۔

صحراے دلم عشق تو شورستان کرد — تا مہر کسے دگر نہ روید، ہرگز

میرے دل کے صحرا کو، تیرے عشق نے بنجر کر دیا، اس غرض سے کہ کسی اور کی محبت اسمین نہ اُگنے پائے۔

یہ خیال کہ محبوب ظلم و جفا کرنے پر بھی محبوب ہے۔ تصوف کی زبان سے یون ادا ہوتا ہے،

جان ز تن بُردی و در جانی ہنوز — دردہا دادی و درمانی ہنوز

محبوب کی گران قدری کو حضرت امیر خسرو یون ادا کرتے ہین۔

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تونے اپنی قیمت دونون جہان قرار دی ہے۔ نرخ اور بڑھا کیونکہ تو اب بھی سستا ہے

جان نثاری کی آرزو۔

ہمہ وحشیانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف — بہ امید آن کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

محویت۔

ستم کن آن چنان کہ ندانم ز بیخودی — در عرصۂ خیال کہ آمد؟ کدام رفت؟

محبوب کی نوازش کی افراط۔

جان بہ نظارہ خراب ناز او ز اندازہ بیش — ما بہ بوے مست و ساقی پُر دہد پیمانہ را

وصال کی جان بخشی۔

خواہی لے جان بَبر و خواہی بہ بخش کہ من — مردنی نیستم امروز کہ جانان اینجاست

اس موقع پر یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ عشق مجازی مین جو واردات پیش آتی ہین عشق

حقیقی مین ان کا کیا موقع ہے، شاہد حقیقی (یعنی ذات باری) زمان، مکان ۔ صورت شکل، سمت اور جہت سے مطلق بری ہے ۔ دیدار، وصال ۔ فراق، انتظار ۔ شوق محویت، جذبات کا کیا محل ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عارف پر ذاتی اور صفاتی تجلیات اور مشاہدات مین جو کیفیتین گذرتی ہین وہ عشق مجازی کی واردات سے بالکل ملتی جلتی ہین ۔ اسلیے اسی قسم کی، لیکن زیادہ لطیف، زیادہ پرجوش اور زیادہ پاک جذبات پیدا ہوتے ہین ۔ اور صوفی شعرا انہی کو عام الفاظ مین ادا کرتے ہین ۔ مثلاً تجلیات کے تنوع اور کثرت کو ایک عارف یون ادا کرتا ہے ۔

اگر دو دیدہ دادت کہ دیدارش بر او بینی — طلب کن دیدۂ دیگر کہ دیدار دگر دارد

اگر ہر ساعتی صد بار رخسارش بصد دیدہ — ہمی بینی مشو قانع کہ رخسار دگر دارد

یا مثلاً قبض کی حالت جس مین بعض اوقات فیضان غیب رک جاتا ہے، وہ ہجر، و فراق سے مشابہ ہے ۔

یا مثلاً زندگی مین جو تکلیفات اور مصائب پیش آتے ہین چونکہ عارف سبکو فاعل مطلق کی طرف سے سمجھتا ہے اس لیے انکے جھیلنے مین اس کو وہی لطف آتا ہے جو معشوقون کے جور و جفا مین حاصل ہوتا ہے اس بنا پر عارف کہتا ہے،

ہر چہ بخواہی بگو کاین ہمہ دشنام تلخ — چون بہ لبت می رسد شہد و شکر میشود

عہد کردی کہ بسوزی بہ غم خویش مرا — ہیچ غم نیست تو می سوز کہ من می سازم

بہ دُرد و صاف ترا کار نیست دم درکش — کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

روے کشادہ باید و پیشانی فراخ　　　آن جا کہ بطلہ ہاے ید اللہ می زنند

(۲) صوفیانہ شاعری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان الفاظ اور خیالات سے بالکل پاک ہوتی ہے جو پاکیزگی اور نزاہت اور تہذیب و متانت کے خلاف ہین - مثلاً بوس و کنار و آغوش وغیرہ وغیرہ، کیونکہ تصوف مین عشق حقیقی کا بیان ہوتا ہے اور عشق حقیقی کو ان باتون سے تعلق نہین - تصوف مین اگرچہ بہت سے خیالات مجاز کے پیرایہ مین ادا کیے جاتے ہین تاہم وہین تک محدود رہتے ہین جہان تک تشبیہ و استعارہ کے ذریعہ سے عشق حقیقی پر بھی محمول ہو سکتے ہین اور آلودگی کی حد تک نہین پہنچتے - مثلاً تصوف مین وصل و فراق و انتظار وغیرہ الفاظ آسکتے ہین کیونکہ انکو ان واردات سے فی الجملہ مشابہت ہے جو مشاہدات و تجلیات مین پیش آتی ہین - لیکن بوس و کنار وغیرہ الفاظ سے اس کا دامن پاک ہوتا ہے،

غزل گوئی کا یہ اعلیٰ درجہ ہے لیکن سیکڑون ہزارون شعرا تھے اور سب صوفی نہین ہو سکتے تھے، اس لیے عشق مجازی کی وارداتین بیان مین آنے لگین - اس طرز نے نہایت وسعت حاصل کی عشق و ہوس کے ہر قسم کی جزری اور لطیف اور دقیق وارداتین، فارسی زبان نے اس طرز مین جسقدر ادا کین دنیا کی کسی زبان کی شاعری نے نہین ادا کین - اگر کوئی شخص نہایت تفحص اور استقصا کر کے واردات محبت پر ایک کتاب لکھے اور الگ الگ فصل و عنوان اور باب قرار دے اور ہر عنوان کے متعلق نہایت تفصیل سے لکھنا چاہے تو صرف فارسی غزلون سے یہ تمام سرمایہ مہیا

ہوسکتا ہے، ہم تفنن کے طور پر اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہین۔

عشق کی حقیقت اور اُس کے آثار

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، عشق ایک فطری کشش ہے، جو انسان مین پائی جاتی ہے۔ وہ آکر دل مین ایک خاص ذوق اور شورش پیدا کرتا ہے۔ دل مین ایک کرید اور تڑپ پیدا ہوجاتی ہے، زبان سے خود بخود پرجوش الفاظ نکلتے ہین،

عشق شورے در نہادِ ما نہاد　　　جان ما در بوتۂ سودا نہاد

گفتگوے در زبان ما فگند　　　جستجوے در درون ما نہاد

عشق کی منزل اگرچہ دور و دراز ہے اور تمام عمر صرف کرنے پر بھی یہ راہ طے نہین ہوتی۔ سیکڑون نئی نئی وارداتین اور مقامات پیش آتے ہین۔ رنج و مسرت، جوش و ضبط، وصل و ہجر، گلہ و شکر، صبر و بیقراری، مستی و ہوشیاری، ان سب مرحلون سے گذرنا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی حالت لطف و مزہ سے خالی نہین ہوتی۔

رہروان را خستگی راہ نیست　　　عشق ہم راہ است وہم خود منزل است

چلنے والون کو راہ کی تکلیف نہین ہوتی عشق خود راستہ بھی ہی اور منزل بھی

عشق کا ہر مقام ایک خاص لذت رکھتا ہے،

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع　　　این شرابے است کہ ہم پختہ وہم خام خوش است

عشق ابتدا و انتہا دونون حالتون مین سرتاپا ذوق و لطف ہی۔ یہ وہ شراب ہے کہ خام بھی اچھی ہے اور پختہ بھی

عشق کی ابتدا ہی اسکی انتہا ہے۔

نبردی عشق بین کہ درین دشت بیکران　　گامے نہ رفتہ ایم و بہ پایان رسیدہ ایم

وہ دل مین ایک ایسی لذت پیدا کرتا ہے کہ اسکے نام لینے سے مزہ آتا ہے،

عشق می گویم و جان می دہم از لذت وے

عشق مین گو درد، مصیبت، رنج، غم سب کچھ پیش آتا ہے اور ہزارون قسم کے مصائب جھیلنے پڑتے ہین، تاہم ان سب باتون کے ساتھ ہی عالم زندگی کی کوئی کیفیت اس کا مقابلہ نہین کر سکتی۔

جاے ہنوز نیست بہ ذوقِ دیار عشق　　ہر چند جور ہست و ستم ہست و داد نیست

اس مین رنج کا رنج نہین ہوتا بلکہ اسکا افسوس ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کیون گذرا جب یہ رنج نہ تھا

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر　　خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عشق انسان مین شریفانہ جذبات پیدا کرتا ہے۔ رنج، کینہ۔ بغض۔ عناد، کی دل مین جگہ نہین رہتی۔ محبت کا ایک عام اثر پیدا ہو جاتا ہے دل مین سوز و گداز آجاتا ہے۔ دشمن سے بھی دشمنی کا خیال نہین آتا۔

ز مین عشق بہ کونین صلح کل کردم　　تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

دوستی با دشمنم از بہر مہر انگیزی است　　دوستی را دوست دارم ورنہ دشمن دشمن است

دشمن سے جو مین دوستی کرتا ہون تو یہ کچھ ذاتی محبت نہین ہے۔ مجکو دوستی خود محبوب ہے ورنہ دشمن بہر حال دشمن ہی ہے۔

عشق ایثار نفس پیدا کرتا ہے جو انسان کے بہترین اوصاف مین سے ہے، جان و مال، عزت و آبرو، ننگ و نام سب کچھ قربان کر دینا عشق کی ابجد ہے،

دو عالم باختن نیرنگ عشق است　　　شہادت ابتدائے جنگ عشق است

دونون عالم کو ہار جانا یہ عشق کا کھیل ہے شہید ہو جانا عشق کے معرکہ کی ابتدا ہے

یا ز جانان یا ز جان بایست دل بر داشتن　　　رسم عاشق نیست با یک دل دو دلبر داشتن

عشق دلیرانہ جذبات یعنی جان بازی، جان نثاری، عزم و ثبات، پامردی و استقلال پیدا کرتا ہے۔

تا سر ندہم پا نہ کشم از سر کویش　　　نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

جب تک مین سر نہ دونگا اسکی گلی سے پاؤن نہ ہٹاؤن گا، مردی اور نامردی مین صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے۔

بردارم دل گر از جہان فرمائی　　　برہم زنم، از سود و زیان فرمائی
بنشینم اگر بر سر آتش گوئی　　　برخیزم اگر از سر جان فرمائی

سچے عاشق کو کسی سے رشک و رقابت نہین ہوتی، وہ سب سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ سب لوگ اس کے محبوب کے دوست ہین، اور دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے،

نیازارم زخود ہر گز دلے را　　　کہ می ترسم درو جائے تو باشد

انسان کا بڑا وصف یکسوئی اور یک طلبی ہے، یعنی جس چیز کا طالب ہو اسکے

سوا تمام عالم سے اس کو کچھ غرض نہو۔ کوئی چیز اسکی نظر مین نہ سماے۔ کسی طرف اسکی نگاہ نہ اُٹھے۔

دو عالم را بیک بار از دلِ تنگ — برون کردیم تا جاے تو باشد

نمی گویم درین گلشن گل و باغ و بہار از من — بہار از یار و گل از یار و باغ از یار و یار از من

تہمت زدہ ام یار بہ عشقِ دگرے کاش — پرسند کہ غیر از تو بہ عالم دگرے ہست

مجکو معشوق نے یہ طعنہ دیا کہ تم کسی اور پر عاشق ہو۔ کاش اس سے کوئی یہ پوچھتا کہ تیرے سوا کوئی اور عالم مین بھی ہے

یا ز جانان، یا ز جان بایست دل بر داشتن — رسم عاشق نیست با یکدل دو دلبر داشتن

عشق مال دولت جاہ و حشمت کی طمع سے آزاد کر دیتا ہے،

عشق کامل نیست تا دربند مال و مسکنی — آں زمان آتش علم گردد کہ سوزد خانہ را

عشق کے ساتھ تمام اخلاق ذمیمہ اخلاق شریفہ سے بدل جاتے ہین۔ عداوت محبت ہوجاتی ہے۔ بخل فیاضی بنجاتا ہے۔ غرور۔ نیاز سے بدل جاتا ہے۔ پست ہمتی کے بجاے بلند حوصلگی پیدا ہوجاتی ہے۔ غرض وہ ایک اکسیر ہے جس سے خاک زر بنجاتی ہے۔

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نہ رسد — کفر آوردم و در عشق تو ایمان کردم

تاثیر محبت کے رتبہ کو کوئی چیز نہین ہوبنچ سکتی — مین کفر لایا تھا اور عشق مین آکر وہ ایمان بن گیا

عشق جب چھا جاتا ہے تو تمام عالم مین معشوق کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا۔ بلکہ عاشق خود معشوق بنجاتا ہے۔ یہی مقام ہے جہان سے انا الحق کی صدا بلند ہوتی ہے،

مو بمویم دو دست شد ترسم کہ ابتلای عشق — یک انا الحق گوے دیگر بر بسر دار آورد

میرا ایک ایک رونگٹا معشوق بنگیا ہے۔ مجکو ڈر ہے کہ عشق ایک دن انا الحق کہنے والے کو دار پر نہ چڑھائے

عشق اور ہوس یا شاہد بازی اور رندی بظاہر اگرچہ ہم صورت ہین۔ لیکن دونون مین نہایت فرق ہے، عشق کی پہلی شرط، وحدت اور دوام ہے۔ یعنی ایک محبوب کے سوا، کبھی کسی سے کسی قسم کا سرو کار نہ ہو۔

نظیری کوی عشق است این نہ شاہد بازی و رندی — کہ گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

وقت عرفی خوش کہ نکشودند گر در بر رخش — بر در نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

از سوز محبت چہ خبر اہل ہوس را — این شربت درد است نہ سازد ہمہ کس را

عشق ہر قسم کی خود پرستی۔ خویشتن بینی، کبر و غرور، خود بینی کو مٹا دیتا ہے۔

خود بینی و خویشتن پرستی — رسمے است کہ در دیار ما نیست

عشق مین گو سیکڑون طرح کی مصیبتین پیش آتی ہین۔ لیکن عاشق کو اسکی شکایت نہین ہوتی، بلکہ اس کا افسوس ہوتا ہے جب وہ نہ تھین۔ کیونکہ عشق کی ہر مصیبت بھی لذت بخش ہوتی ہے،

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر — خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

مرغ اسیر رہائی کے لیے نالہ نہین کرتا۔ بلکہ اس زمانہ کا رنج کرتا ہے جب گرفتار نہ تھا

عشق رنگ روپ اور تناسب اعضا سے نہین پیدا ہوتا، بلکہ دلنواز ادائین ہوتی ہین جو دل مین چبھ جاتی ہین۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق از و خیزد — کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری است

معشوق | عشق کتنا ہی تیز ہو لیکن اگر معشوق الھڑ، نادان اور بت تصویر ہے، تو
شوق اور جذبات سمٹ کر رہ جاتے ہین۔ اب چونکہ محبوب ادا شناس
سخن فہم اور عشق و عاشقی کی اداؤن کے نکتہ دان ہونے لگے اس لیے خود بخود
عشاق کی طبیعت مین شوق، آرزو، تمنا کے اظہار کے نئے نئے جذبات اُبھرتے تھے
اور زبان شعر سے ادا ہوتے تھے، دنیا کی کسی قوم نے عشق کے جذبات و معاملات اس
نزاکت اور گوناگون نیرنگی کے ساتھ کبھی نہین ادا کیے جیسے ایرانیون نے کیے اور
اسکی یہی وجہ ہے کہ اور قومون کو ایسے معشوق نہین ہات آئے۔ غور کرو یہ اشعار،
ایرانیون کے سوا، اور کس کی زبان سے ادا ہو سکتے ہین۔

شہرت نمک دعوی عشق است وگرنہ — آن گونہ توان زیست کہ جانانہ نداند

از حسن این چہ سوال است کہ معشوق تو کیست — این سخن را چہ جواب است تو ہم می دانی

بہ دُور گردیِ من، از غرور می خندد — حریف سخت کمانے کہ در کمین ارم
من درپے رہائی داو درپے فریب — بر سر گرہ زند گرہ ناکشودہ را
از یک حدیثِ لطف کہ آن ہم دروغ بود — امشب بہ دفترِ گلہ صد باب شستہ ایم
نوازشے ز کرم می کند محبت نیست — توان شناختن از دوستی مدارا را
کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ — کہ احتیاج بہ پرسیدنِ زبانی نیست

رسید گوشۂ ابرو بلند گردو گذشت　　　تواضعی کہ بہ ابرو کنند گردو گذشت

شراب لطف پُر در جام میریزی ذ ترسم　　　کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

فرماندہی کشور دل کار بزرگ است　　　تو دولت حسنی ز تو این کار نیاید

محبوب کی کج ادائیان | معاملات عشق کا یہ سب سے بڑا موضوع ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ عاشق کے دل مین معشوق کی نسبت ہزارون خواہشین پیدا ہوتی ہین۔ اور عاشقانہ خود غرضی کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اسکی ہر خواہش اور ہر آرزو بر آسے، اور چونکہ یہ ہو نہین سکتا اس لیے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ معشوق وفادار نہین۔ یہ بدگمانی بڑھتی جاتی ہے، یہان تک کہ اسکی ہر ادا بے وفائی اور بے رحمی پر محمول کی جاتی ہے۔ غرض شاعری کے عالم مین جسقدر برے اخلاق ہو سکتے ہین یعنی ظلم، فریب، حیلہ سازی، دروغ بیانی بیرحمی سب بے اعتنائی، دل آزاری، دو زبانی۔ معشوق ان سب کا مجموعہ ہوتا ہے۔

۱۔ عاشق اپنا کچھ حال کہنا چاہتا ہے تو محبوب یہ کہکر چپ کر دیتا ہے کہ یہ تو مین پہلے سن چکا ہون (حالانکہ کبھی سنا نہ تھا)

ساز و خموش تا من حسرت کشیدہ را　　　گوید شنیدہ ام سخن ناشنیدہ را

۲۔ معشوق غیرون کے ساتھ بزم مین بیٹھا ہے اور عاشق کے بلانے کو آدمی بھیجا ہے لیکن قصداً ایسے شخص کو بھیجا ہے جس کو عاشق کا گھر معلوم نہین۔

باغیر نشینی د فرستی زپئے ما　　　آن را کہ ندا ند رہ کاشانہ مارا

۳۔ محبوب کی زبان سے کبھی کوئی لفظ مہربانی اور دلجوئی کا نکل جاتا ہے تو اس غرض سے کہ عاشق کو اسکا یقین نہ آجائے، پے درپے غلط انداز باتین کہہ جاتا ہے کہ وہ بات بھی اسی قسم کی سرسری غلط انداز بات تھی،

یکبار نہ گفتی سخن مہر کہ در پے　　　صد گونہ حدیث غلط اندازنہ گفتی

۴۔ مدتون کے بعد بھول کر کبھی عاشق کا حال پوچھتا ہے تو وہ بھی عاشق سے نہین پوچھتا، بلکہ عاشق کے سامنے رقیب سے پوچھتا ہے،

پس از عمری اگر حال من بیماری پرسد　　　نمی پرسد زمن آن نیز از اغیار می پرسد

۵۔ اتفاقاً کبھی کوئی وعدہ وفا بھی کرتا ہے تو اس غرض سے کہ سیکڑون وعدہ خلافیون کا موقع حاصل ہو گا۔

بہر ہزار وعدہ خلافے دیگر است　　　گر از ہزار وعدہ یکے را وفا کند

۶۔ سیکڑون تدبیرون کے بعد عاشق کو بزم یار مین پہنچنے کا موقع ملتا ہے لیکن بیٹھنے کے ساتھ یہ سوال ہوتا ہے کہ "آپ کس غرض سے تشریف لائے ہین" جس سے مقصد یہ ہے کہ غریب عاشق شرمندہ ہوکر اُٹھ جاے۔

پس از عمری کہ در بزمش بصد تقریب بنشینم　　　سخن از مدعاے من کند تا زود برخیزم

۷۔ رقیب جب باتین کرتا ہے تو عاشق کے دھوکا دینے کے لیے معشوق مُنھ پھیر لیتا ہے لیکن کان اُسی طرف ہین اور شوق سے رقیب کی باتین سن رہا ہے۔

چون کند غیر سخن بہر فریب دل من | دو بگردانی و خود را بشنیدن داری

۸۔ عاشق نے مصلحۃً دو چار روز کے لیے آنا چھوڑ دیا تھا، معشوق کو ایک حیلہ ہاتھ آ گیا اور پھر کبھی عاشق کو نہ بلایا۔

رفتم دو روزے از درش از بہر مصلحت | دیگر مرا نخواند وہمان را بہانہ ساخت

۹۔ محبوب نے وعدہ کر لیا ہے۔ عاشق ایفاے وعدہ کا تقاضا کرنا چاہتا ہے، لیکن ابھی لب بھی نہ کھلے تھے کہ معشوق نے کہا کہ اس قدر لجاجت اور اصرار کیون ہے؟

زہرہ دارم وعدۂ دیرین بیادش آورم | لب نہ ہم نکشودہ می گوید کہ این ابرام چیست

۱۰۔ عاشق اضطراب اور بے تابی کے عالم مین کبھی معشوق کی مجلس مین جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ صبر سے کام لیتا ہے۔ پھر کسی کو متوجہ نہین پاتا تو اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور چلا آتا ہے۔ لیکن معشوق کو مطلق پروا نہین ہوتی؛

می نشینم۔ می شکیبم۔ می گدازم میروم | اضطرابے می کنم اما کہ پروا می کند

۱۱۔ عاشق سے اس قدر بدگمانی ہے کہ بیچارہ کسی سے کوئی بات کرتا ہے تو معشوق کو گمان ہوتا ہے کہ میری شکایت کر رہا ہے؛

بدگمانی بین کہ با ہر کس حکایت میکنم | او تصور می کند کز وے شکایت میکنم

سفر | معشوق سفر کر رہا ہے، اس وقت جو حالت پیش آتی ہے اور جو خیالات دل مین گذرتے ہین ایک ایک کر کے ادا کیے ہین **شرف قزوینی** کی مسلسل غزل اس مضمون پر ہے۔

از تو نماندہ تاب جدائی، دگر مرا — بہر خدا مرو بہ سفر۔ یا ببر مرا

نادیدہ کرد، تا نکنم عزم ہمرہی — آن مہ چو دید وقت سفر در گذر مرا

یعنی معشوق نے جب مجکو راہ مین دیکھا تو اس طرح نظر بچا گیا کہ گویا دیکھا ہی نہین۔ اور یہ اس لیے کہ کہین مین بھی ساتھ نہ ہولون۔

گر قصد آن نہ داشت کہ گردم زغم ہلاک — بہر چہ کرد؟ از سفر خود خبر مرا

عزم سفر نمودہ و ترسم کہ در دو روز — سازد بہ عشق۔ شہرۂ شہر دگر مرا

قاصدا مباد چون شرف از خویشتن روم — آگہ مکن ز آمدنش پیشتر مرا

وحشی یزدی کی ایک غزل ہے جس مین معشوق کو سفر کے ارادہ سے روکنا چاہا ہے

یاران خدای را بہ سوے او گذر کنید — باشد کش این خیال ز خاطر بدر کنید

دوستو! خدا کے لیے اس کے پاس جاؤ۔ شاید یہ خیال اس کے دل سے نکال سکو

از حال ما چنان کہ در و کارگر شود — آن بے محل سفر کنِ ما را خبر کنید

اُس بے ضرورت سفر کرنے والے یار سے میرا حال اس طرح کہو کہ اس پر اثر ہو

منعش کنید از سفر و در میان منع — اغراق در صعوبت رنج سفر کنید

سفر سے اسکو روکو اور سلسلہ سخن مین سفر کی سختیون کو زور دیکر بیان کرو

گر خود شنید جان زمن و مژدہ از شما — ور نشنود مباد کہ این جا گذر کنید

اگر اس نے مان لیا تو تم خوشخبری لاؤ۔ اور مین جان نذر کرون گا۔ اور نہ مانے تو خدا نخواستہ میری طرف نہ آنا۔

۱۔معشوق رقیب پر مہربان ہے۔لیکن عاشق کو اس کا رشک یہ یقین پیدا نہین ہونے دیتا اور سمجھتا ہے کہ میرے جلانے کو رقیب کی مزاج پرسی کر لیتا ہے ورنہ دلمین کچھ نہین۔ چنانچہ اس خیال کو خود رقیب سے ظاہر کرتا ہے

ندارد ای رقیب آن سست پیمان با تو ہم لطفے گہے حال تو بر رغم من افگاری پرسد

۲۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عاشق کے دوست احباب عاشق کی سفارش معشوق سے کرتے ہین۔لیکن نافہمی سے ایسی غلطی کر جاتے ہین کہ اسکا اور مخالف اثر ہوتا ہے لطف یہ کہ الٹا احسان بھی عاشق پر رکھتے ہین،

زنادانی برا اُو کرد ہمدم کار من ضائع عجب تر این کہ بر من منت بسیار ہم دارد

۳۔معشوق ہمہ تن عاشق سے مخاطب ہی لیکن اتفاقیہ کسی اور کی طرف مخاطب ہو کے،اس سے ایک آدھ بات کر لیتا ہے تو عاشق کو یہ بھی گوارا نہین۔

اگر یکحرف با اغیار و با من صد سخن گوید ندارم تاب آن یکحرف ہم خواہم بمن گوید

۴۔ دانستہ دہ بہ دستش نہار نامہ قاصد! پہلوے او مبادا غیرے نشستہ باشد

۵۔رقیب کی خصومت اور شرارت سے عاشق تنگ ہے لیکن سمجھتا ہے کہ مین خود معشوق سے اسکی شکایت کرونگا تو اس کو اعتبار نہ آئے گا اس لیے چاہتا ہے کہ کسی اور کی زبان سے یہ واقعہ اس کے کان تک پہنچے۔

این کہ با من کردہ ہر دم غیر غوغاے دگر خواہم آن مہ بشنود نہ از من از جاے دگر

۶۔عاشق مجلس مین معشوق کی نظر بچا کر اس کے دیدار کا لطف اُٹھا رہا ہے اتفاق

سے معشوق نے دیکھ لیا۔ عاشق شرمندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

نہان از و، بہ رخش داشتم تماشائے　　نظر بہ جانب من کرد و شرمسار شدم

۱۔ معشوق مجلس مین خوش جمالون کو ساتھ لیکر بیٹھا ہے، اس حالت مین عاشق کو بلا کر شریک مجلس کرتا ہے، جس سے غرض یہ ہے کہ عاشق کی نظر کسی اور طرف اُٹھ جائے تو الزام لگائے کہ تو ہرجائی ہے۔

نشیند با نکوروایان بہ بزم خویشتن یارم　　کہ چون بینم بسوے دیگرے سازد گنہگارم

۲۔ بزم یار مین عاشق کو کیا کیا واقعات اور واردات پیش آتے ہین۔

چنین تا کے ز بزم یار ناخشنود برخیزم　　نگوید با من بیدل سخن تا زود برخیزم

ز بیداد تو کے جویم جدائی، نہ ز قیمیم من　　کہ از بزمت بہ یک حرف عتاب آلود برخیزم

ز رشک غیر ترسم بیخودی ہا سر زند از من　　ز بزم او ہمان بہتر کہ امشب زود برخیزم

بے ترتیب بزم خاص مجلس می نہی برہم　　اگر من ہم دران مجلس نخواہم بود برخیزم

۱۔ قاصد سے پیغام کہنے کے وقت، عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک ایک بات کو سو سو بار کہتا ہے کہ کہین قاصد کوئی بات بھول نہ جائے۔

چو من پیغام خود با قاصد دلدار میگویم　　زبیم آن کہ از یادش رود صد بار می گویم

۲۔ معشوق کے ظلمون کی تاویل کرنا کہ کوئی اُس کو بُرا نہ کہنے پائے۔

جفا می بینم و تا بد نہ گوید ہیچ کس او را　　بہر کس میرسم عذر جفاے یار می گویم

لیکن نظیری نے اسکا ایک اور لطیف پہلو پیدا کیا یعنی خود مجرم اور بدنام بنتا ہے کہ

کوئی یہ نہ سکے پاسے کہ معشوق نے اس کا خون [illegible] کیا۔

[illegible] خون من ریزی و گویند سزاوار نبود

۳۔ عاشق اس مزہ سے عشق کی داستان بیان کرتا ہے کہ اوروں کو بھی عشق کا

ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔

ہر کس کہ بشنود شود از ذوق عاشقی [illegible] حرف عشق [illegible] داکنم

۴۔ عاشق جس مجلس میں جا کر بیٹھتا ہے [illegible] اس

ذکر میں معشوق کا بھی کچھ حال سننے میں آ جائے گا۔

ہر مجلس کہ جا سازم حدیث نکوان پرسم [illegible] زبان زد میان [illegible]

۵۔ عاشق نے چپکے سے ایک [illegible]

معشوق اس کا جواب دیتا ہے تو اس طرح کہ رقیب بھی [illegible]

چنان گوید جواب [illegible] گرد رقیب آگہ [illegible]

۶۔ عاشق سے بڑھ کر معشوق کے حال سے کون واقف ہو گا [illegible] شوق سے

کہ ایک ایک سے اس کا حال پوچھتا پھرتا ہے۔

ز حال او اگرچہ آگہم بیش از ہمہ لیکن ز بیتابی شوق حال او [illegible] می پرسم

۵۔ مجلس میں معشوق نے عاشق سے باتیں کیں لیکن عاشق کا فرط جمال [illegible]

ایسا محو تھا کہ کچھ نہ سمجھا۔ مجلس برخاست ہونے پر باہر نکلا تو اب ایک ایک سے پوچھتا ہے

کہ کیا بات کہی اور اس کا پہلو کیا تھا۔

زد ہوشی نہ فہمم ہر چہ گوید آن پری با من چو از بزمش روم مضمون آن از دیگران پرسم

محبوب کا ظلم

ایرانی شاعری کا یہ سب سے بڑا میدان ہی اسکی اصلیت اسقدر ہی کہ عاشق اپنے شوق اور آرزو کے مطابق محبوب سے لطف و التفات کی توقع رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وفاداسے وفادار محبوب بھی اس سے عہدہ برآ نہین ہوسکتا، اس لیے عاشق کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ محبوب کے دل مین رحم نہین۔ یہ خیال برابر ترقی کرتا جاتا ہے یہان تک کہ تمام دنیا کا ظلم اور بیرحمی اسکی طرف منسوب کی جاتی ہی۔ محبوب محبت اور التفات کی بھی کوئی بات کرتا ہے تو اس کو بھی کوئی بُرا پہلو فرض کیا جاتا ہے۔ اس مضمون کو شعرا نے نہایت وسعت دی ہے۔ اور اکثر جگہ فطری جذبات اور واردات کا بھی اظہار کیا ہے۔

۱۔ میروی با غیر و می گوئی بیا عرفی تو ہم لطف فرمودی برو کین پاے رفتار نیست

رقیب کے ساتھ جاتے ہو اور کہتے ہو کہ عرفی تو بھی آ۔ آپ نے عنایت فرمائی لیکن میرے پانو مین چلنے کی طاقت نہین

۲۔ محبوب کا طرز عمل اگر یکسان ہو تب بھی یکسوئی ہو جاے لیکن محبوب یہ ستم ظریفی کرتے ہین کہ ظلم کرتے کرتے کبھی کوئی ادا لطف کی بھی کر جاتے ہین جس سے عاشق کو نئے سر سے امیدین پیدا ہو جاتی ہین۔ اور پھر ناکامی ہوتی ہے۔

این جور دیگر است کہ آزار عاشقان چندان نمی کند کہ بہ بیداد خو کنند

از آن بہ درد دگر ہر زمان گرفتارم کہ شیوہ ہاے ترا باہم آشنائی نیست

۳۔ عاشق نے اخفاے راز کے لحاظ سے چند روز آنا جانا ترک کردیا۔ محبوب کو بہانہ ہات آگیا اور جرم کی پاداش مین پھر کبھی باریابی کی اجازت نہ دی۔

رفتم دو روزے از درش از بہر مصلحت　　　دیگر مرا نخواند وہان را بہانہ ساخت

۴۔ عاشق اگر کبھی کوئی راز کی بات محبوب سے پوچھتا ہے تو وہ دانستہ اسطرح جواب دیتا ہے کہ اور لوگ بھی سن لیتے ہین۔

چنان گوید جواب من کزو گردد رقیب آگہ　　　بمحفل گر سخن بیدل از روحرفے نہان پرسم

۵۔ محبوب عاشق کو اپنے پہلو مین جگہ دیتا ہے تو اس غرض سے کہ بے تکلفی سے اس کی طرف نہ دیکھ سکے۔

در بزم از ان بہ پہلوے خود جا دہد مرا　　　تا راست سوی او نتوانم نگاہ کرد

۶۔ مدتون کے بعد اگر کبھی عاشق کا حال بھی پوچھتا ہے تو خود عاشق سے نہین بلکہ غیرون سے پوچھتا ہے۔

پس از عمرے اگر حال من بیماری پرسد　　　نمی پرسد ز من آن نیز ہم ز اغیار می پرسد

اخفاے حال طالب و مطلوب دونون کی طرف سے اسبات کی نہایت کوشش کیجاتی ہے کہ محبت کا راز فاش نہ ہونے پاے اسلیے ہر موقع اور ہر جگہ سخت احتیاط اور پردہ داری سے کام لینا پڑتا ہے۔ مثلاً عاشق مختلف جلسون مین جاتا ہے اور معشوق کی خبر دریافت کرنی چاہتا ہے

بہر مجلس کہ جا سازم حدیث نیکوان پرسم　　　کہ حرف آن نا مہربان را درمیان پرسم

... میں ... ہون خوبرویون کا تذکرہ چھیڑتا ہون کہ اس ضمن مین محبوب کے

دلالت پر تنبیہ ہیں

محبوب کی ... ہوتا ہے تو گو شوق سے بیتاب ہوا جاتا ہے لیکن اسکی طرف

نظر نہیں اٹھاتا

... نگرم دیر	براے آنکہ فتنہ غیر در گمان دگر

... معشوق کسی اور حسین پر عاشق ہو گیا ہے۔ اب عاشق اس سے اپنے معشوق کی سفارش کرتا ہے۔ یہ صرف خیالی مضمون نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے۔ میرزا حسن نام واہب تخلص شاہ عباس صفوی کے زمانہ مین ایک شاعر تھا۔ وہ ایک خوشخط پر مرتا تھا۔ اتفاق سے اسکو ایک شاہد بازاری سے محبت ہو گئی۔ میرزا نے اپنے معشوق کے معشوق کو یہ اشعار لکھ بھیجے۔

اے کہ صبا وعدہ کردہ نگارستہ چین	با خبر باش کہ صید تو شوی سہل مگیر
عنبر زلف تو اگر ... دل عالم را	او ہم از قبضہ خط کردہ جہانے تسخیر
تو اگر باغ گلے او چمن یاسمن است	در گلستان جہان ہر دو ندارید نظیر
شب کہ مستانہ ... قدم گذارد	سجدہ شکر کن و در قدمش زود بمیر
بہ نگاہے کہ اسیرانہ کند جشن ...	بہ نیازے کہ فقیرانہ کند دستش گیر
عاشق صید تو گردید چو از صید تو شد	بود در طالع حسنت کہ شود عالم گیر
تیغ ابرو ... کمانش ...	کار شمشیر نیاید ز غلاف شمشیر

صفاے نظر مہر و محبت سوگند — کہ اگر آئینۂ اشں از تو شود زنگ پذیر
ی کشم روز ترا چون شب خود تیرہ و تار — می کشم زلف ترا چون خطا و در زنجیر
(آتشکدہ)

۲۔ عاشق ایک خوشرو سے اسلیے ملتا تھا کہ وہان اُسکے معشوق کی آمد و رفت
تھی۔ خوشرو غلطی سے اپنے آپ کو معشوق سمجھا۔ عاشق اب پردہ اُٹھا دیتا ہے۔

من بہ تقریبے دران کوے ورگل داشتم — کافرم یک ذرہ گر مہر تو در دل داشتم
خوش خرامے دیگران جا گاہ گاہی می گذشت — زان سبب عمرے سر کوئی تو منزل داشتم
من کہ پیشت می زدم فریاد می رفتم زخود — صورت دلدار دیگر در مقابل داشتم

راست گویم عشق دلدار دگر دارم نقی
عاقبت اظہار کردم آنچہ در دل داشتم

۳۔ کمسن معشوق کی حسن فریبی بھی عجیب چیز ہے۔ بڑے بڑے ارباب کمال، عالم
فاضل، امیر، غریب، ہر درجہ اور ہر رتبہ کے لوگ ہین۔ لیکن ایک نوخیز خوش جمال کے
آگے سب از خویش رفتہ ہین۔ اور کسی کی کچھ نہین چلتی۔ یہ حالت دیکھکر بے اختیار ایک
عبرت پذیر شخص بول اُٹھتا ہے۔

ہم از غالب حریفی ہاے حسن است — کہ یک عالم حریفے کودکے نیست

۴۔ عاشق چاہتا ہے کہ دور سے لطف نظر اٹھاے اور معشوق کے دام مین نہ
آئے۔ معشوق غرور حسن سے ہنستا ہے کہ بچکر کہان جا سکتا ہے۔

بہ دُور گردی من از غرور می خندد — حریف سخت کمانے کہ در کمین دارم

وہ سخت کمان شکاری جو میری تاک مین ہے۔ میرے کترائے پھرنے پر غرور سے ہنستا ہے

۳۔ مجلس مین معشوق بھی ہے۔ عاشق بھی، رقیب بھی۔ معشوق کی نظر عاشق پر ہے کہ وہ کس نگاہ سے مجکو دیکھ رہا ہے، عاشق یہ دیکھتا ہے کہ رقیب کی نگاہین کس طرح معشوق پر پڑ رہی ہین۔

تو واقفِ من و من واقفِ نگاہِ رقیب   تو پاسِ خرمن و من پاسِ خوشہ چین دارم

۴۔ معشوق عاشق کی باتین سننا نہین چاہتا۔ عاشق اِس طرح اسکو سننے پر آمادہ کرتا ہے۔

شاید بہ مدعاے تو گفتم حکایتے   یک بار عرض حال مرا می توان شنید

کبھی میری عرض سن تو تو ممکن ہے تمھاری ہی ڈھب کی کوئی بات نکل آئے

۵۔ رقیب مر گیا ہے۔ معشوق کو جو ابھی کم سن اور الھڑ ہے اس کا سخت صدمہ ہے، اب لوگ یہ کہکر معشوق کو تسلی دیتے ہین کہ عاشق بھی چندروز کا مہمان ہے۔

چنان مرگِ رقیب آزردہ کرد آن طفل بدخو را   کہ غمخواران بہ مرگ من تسلی می کنند او را

۶۔ معشوق ستاتے ہین لیکن کبھی کبھی کوئی ادا محبت کی بھی سرزد ہو جاتی ہے یہ دورنگی اور بھی مصیبت ہوتی ہے ایک سی حالت ہو تو اسپر صبر آجائے۔

این جور دیگر است کہ آزار عاشقان   چندان نمی کنند کہ بہ بیداد خو کنند

۷۔ قاصد پیغام لے کر گیا ہے اب۔ عاشق یہان بیٹھے بیٹھے دل ہی دل مین کہہ رہا ہے کہ قاصد پہنچ گیا ہو گا اور معلوم نہین میرا حال کہان تک کہہ چکا ہو گا۔

چو بَرَد پیامِ قاصد کنم این خیال و گویم — کہ بہ رش حکایتِ من بہ کجا رسیدہ باشد

۱۔ ہجر مین وصل کی ایک ایک ادا یاد آکر نیا نیا صدمہ پہنچاتی ہے۔

ہر نگاہش بہ من سوختہ در روزِ وصال — در شبِ ہجر بلائیست کہ من می دانم

۲۔ معشوق کو التفات نہین لیکن عاشق معشوق کی کسی ادا سے قیاس کرتا ہے کہ ضرور اسکو نظرِ لطف ہے۔ لیکن چونکہ رقیبون کے طعنہ سے ڈرتا ہے اس لیے صاف صاف اس کا اظہار نہین کرسکتا۔

سوی خود میلِ دلِ این سیم‌بر دانستہ ام — می کند از طعنۂ بدگو حذر دانستہ ام

۳۔ عاشق کو یہ تو معلوم نہین کہ معشوق کس بات سے آزردہ ہوگیا ہے۔ لیکن اس کو اس قدر ضرور نظر آتا ہے کہ وہ اگلا سا برتاؤ نہین رہا۔

پے نبردم کز چہ آزردہ است طبعِ نازکت — نیستی با من چو اول این قدر دانستہ ام

۴۔ رقیب کے ساتھ معشوق کی مہربانی کا حال عاشق کو معلوم ہوگیا ہے۔ وہ اسکا گلہ معشوق سے کرتا ہے لیکن چونکہ معشوق اپنے محرم راز سے ناراض ہوتا ہے کہ اُسی نے عاشق کو خبر کی ہوگی اس لیے اس خیال کو دفع کرتا ہے۔

لطف تو دانستہ ام با غیر از محرم مرنج — کو نگفت این با من از جای دگر دانستہ ام

۵۔ جس قدر زیادہ تجربہ ہوتا جاتا ہے، اُسی قدر معشوق کی بے مہری کا یقین بڑھتا جاتا ہے۔

شیوۂ بدمہری آن ماہ را با خود شرف — خوب می دانستم اکنون خوب تر دانستہ ام

۶۔ عاشق کبھی ناصح کی باتین سن لیتا ہے۔ اسپر لوگون کو تعجب ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس نکتہ کو نہین سمجھتے کہ ناصح نصیحت کے اثنا رمین کبھی کبھی معشوق کا نام لے لیتا ہے، کہ اسکی محبت سے باز آؤ، عاشق صرف اس نام سے لذت اُٹھاتا ہے اور ناصح کو جو جی مین آے کہنے دیتا ہے۔

گاہے ز ناصح ار سخنے گوش کردہ ام مقصود ما شنیدن نام تو بودہ است

۱۔ محویت کا عالم۔

کہ خود حرفے اگر پرسد، جواب و نی گویم ربودہ آن چنان از خود خیالِ آن پری رویم

۲۔ عاشق اپنے کسی دوست آشنا سے اپنا حال کہتا ہے۔ لیکن بات کہتے کہتے جب خیال کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ (عالم ذوق مین) اپنے حال کے بجاے معشوق کا تذکرہ کر رہا ہے۔

در اثناے سخن چون بنگرم حرف تو می گویم چہ شوق است این کہ گر گویم ز حال خود سخن با کس

۳۔ معشوق کا خط آیا ہے عاشق فخر سے ایک ایک کو سناتا پھرتا ہے،

صد رہ نمودہ ایم بہ ہر کس رسیدہ ایم از دوست چون رسید بہ ما نامۂ ز فخر

۴۔ عاشق نے اپنے عشق کا حال معشوق سے کہدیا ہے اور اب یہ ڈر ہے کہ غیرون سے اس راز کو وہ مخفی بھی رکھے گا یا نہین۔

کہ آن نامہربان از غیر پنہان می کند یا نہ بہ او اظہار کردم مہر و در اندیشۂ آنم

۵۔ رقیب ابھی عشق کے نکتے کیا جانے۔ کبھی اتفاقاً اس کے مُنہ سے کوئی بات

عشق کے انداز کی نکل جاتی ہے، تو وہ عاشق ہی سے سنی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ عاشق رقیب سے خطاب کرکے کہتا ہے،

گر گفتۂ ز عشق، گہے حرف آشنا آن ہم حکایتے است کہ از من شنیدۂ

ا۔ معشوق کی زبان سے عاشق کی نسبت کبھی کوئی کلمہ محبت کا نکل جاتا ہے تو اس غرض سے کہ عاشق کو اسکا یقین نہ آنے پائے قصداً اپے درپے غلط انداز باتین کہتا جاتا ہے کہ وہ بات بھی گویا اسی قسم کی سرسری غلط انداز بات تھی۔

یکبار نگفتی سخن مہر کہ درپے صد گونہ حدیث غلط انداز نہ گفتی

۲۔ قاصد خط کا جواب نہین لایا۔ عاشق کو یہ بدگمانی ہے کہ غلطی سے اورکسی کو دے آیا۔

نمی آرد جواب نامۂ دردِ مرا قاصد غلط کردہ بدست دیگری داد است پنداری

۳۔ یہ بھی عجیب موقع پیش آتا ہے کہ عاشق شرم سے لحاظ سے۔ رعب سے معشوق کے سامنے بات نہین کرسکتا۔ رقیب اس موقع سے فائدہ اٹھاتا ہی کہ عاشق کی نسبت جو اناپ شناپ باتین چاہتا ہی کرتا جاتا ہی غریب عاشق سنتا ہے اور اس کی تکذیب نہین کرسکتا۔

من از حیا خموش و تو اے غیر پیش یار نقل حدیث بودہ و نابودہ می کنی

۴۔ رقیب عاشق کو ستاتا ہے لیکن عاشق رقیب پر الزام نہین دھرتا کیونکہ جانتا ہے کہ رقیب جو کچھ کہہ رہا ہے معشوق کے اشارے سے کہہ رہا ہے۔

صد جوری کنی و نمی رنجم از رقیب ۔ چون آگہم کہ این ہمہ فرمودہ می کنی

محبوب کے متعلق بدگمانی ۔ محبت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ بات بات پر محبوب کی نسبت بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً

۱۔ کسی نے پوچھا کہ محبوب کہاں ہے؟ پوچھنے کے ساتھ عاشق کے دل میں سو سو طرح کے وہم گذرنے لگتے ہیں۔

کاش اے محرم انمی پرسیدیم کان مہ کجاست ۔ یک سخن گفتی و باز از صد گمانم سوختی

۲۔ محبوب عاشق کے بیمار پرسی کو آیا ہے۔ اب عاشق کو یہ بدگمانی ہے کہ گھر کا پتہ کس سے پوچھا ہو گا۔

با آن کہ بہ پرسیدنِ ما آمدہ مُردم ۔ کایا کہ ز پرسید رہِ خانۂ ما را

۳۔ محبوب عاشق کو قتل کر کے افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ یہ خوش ہونے کی بات تھی لیکن یہ بدگمانی ہے کہ شاید رقیب کی تسکین کے لیے نہ ہو۔ یعنی رقیب کو ڈر پیدا ہوا تھا۔ کہ اگر یہی سفاکی ہے تو ایک دن میری نوبت بھی آئے گی۔ اس لیے معشوق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجکو خود اس کا افسوس ہے۔ اور اتفاقیہ ایسا ہو گیا۔ آیندہ اسکا احتمال نہیں

از ہلاکم ہر دم اظہارِ پریشانی کند ۔ این سخن تا بہر تسکینِ دلِ ناشاد کیست

معشوق کو خط لکھنا ۔ معشوق کو خط لکھنے میں جو جو خیالات اور واقعات پیش آتے ہیں وہ ایک مستقل عالم ہے اور ہمارے شعرا نے اس عالم کے ایک ایک نقطہ کی سیر کی ہے،

۱۔ عالم شوق میں ایک ایک بات کو سو سو بار لکھ جاتا ہے۔

بہ جانان نامہ ہرگز عاشقِ بیمار ننویسد | کہ از بے طاقتی یک حرف را صد بار ننویسد

۲- اکثر اورون کے خطوط مین بھی معشوق کا تذکرہ آ جاتا ہے

بہ غیرے نامہ ننویسد امیر عشق کز شوقش | نگردد بیخود و صد جا حدیث یار ننویسد

۳- معشوق کا خط جو نہین آتا تو عاشق کے دل مین یہ بھی شبہہ گزرتا ہے کہ معشوق کو میری زندگی کی نسبت شبہہ ہوگا کہ جیتا بھی ہے یا نہین، یون ہی کیا خط لکھون۔

نمی داند کہ از درد فراقش زندہ ام یا نے | ازان ہرگز سلامم آن فرامش کار ننویسد

معشوق کی جور و ظلم کی ادائین

تا مرا در نظر مدعیان خوار کند | ہر چہ گویم بخلاف سخنم کار کند

سخن مدعیان را کند از من پنہان | وانچہ از من شنود بر ہمہ اظہار کند

مدتون کے بعد کبھی عاشق کا حال بھی پوچھتا ہے تو خود اس سے نہین بلکہ کسی اور سے،

پس از عمرے اگر حال من بیمار می پرسد | نمی پرسد ز من آن نیز از اغیار می پرسد

معشوقانہ ناز۔

۱- محبوب کی زبان سے عاشق کی نسبت کبھی کوئی کلمہ محبت کا نکل گیا تو قصداً اس کے بعد پے در پے بہت سی غلط باتین کہہ جاتا ہے تاکہ عاشق یہ سمجھے کہ وہ بات بھی اسی قسم کی ہوائی بات تھی۔

یکبار نگفتی سخن مہر کہ در پے | صد گونہ حدیث غلط انداز نگفتی

۲۔ محبوب کو عاشق اور رقیب کے عشق و ہوس کا امتیاز نہین۔ عاشق کے سچے جذبات، اور رقیب کی مصنوعی حالت مین وہ فرق نہین کر سکتا۔

قسمت نگر کہ بادلِ چاکم برابر است　　　　بیجیے کہ مدعی بہ ہوس پارہ می کند

۳۔ عاشق کو ذرا سی نگاہ التفات سے بہی تسلی ہوسکتی ہے لیکن افسوس محبوب سے یہ بہی نہین ہوسکتا۔

مرا بہ نیم نگہ می توان تسلی کرد　　　　ہزار حیف کہ این شیوہ را نمی دانی

۴۔ بیوفائی اور نامہربانی کے جو طریقے چلے آتے تھے محبوب نے اس مین اور جدتین پیدا کین۔

طرز سرحان دیگر گشتہ بود الحق کہن　　　　اختراعے چند در نامہربانی کردہ است

عشق کا آغاز یعنی ابھی تک اظہار عشق بھی نہین ہوا ہے۔ چونکہ جدائی کا تصور ہی نہین اس لیے خوب جی بھر کے دیکھنے کی بھی ضرورت نہین محسوس ہوتی ہے۔

ہنوز عاشقی و دلربائی نشدہ است　　　　ہنوز زور ی و مرد آزمائی نشدہ است

دل ایستادہ بدریوزۂ کرشمہ و لے　　　　ہنوز فرصتِ عرض گدائی نشدہ است

ہمین تواضع عام است حسن را با عشق　　　　میان ناز و نیاز آشنائی نشدہ است

نگہ ز خیرہ دیدار خود نکرد امروز　　　　کہ ہست فرصت و طرح جدائی نشدہ است

ہنوز اول عشق است صبر کن عرفی　　　　مجال رشکی و غیرت فزائی نشدہ است

معشوق کو عاشق کی طرف مخفی التفات ہے جو دلربایانہ کرشمون سے ظاہر ہو رہا ہے

ہے، اس نے عاشق کو زبانی پرسش وجوہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس حالت کو یون
ادا کیا ہے۔

وحشی

چہ لطف ہا کہ درین شیوۂ نہانی نیست — عنایتے کہ تو داری بہ من بیانی نیست
کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ — کہ احتیاج بہ پرسیدن زبانی نیست

اسی طرح، معشوق نے اپنی جفا کاریون کی معذرت، تبسم، اور مہر آلود نگاہ سے
کی ہے

امروز یار عذر جفا ہاے رفتہ خواست — عذرے کہ او نخواست تبسم نہفتہ خواست
من بندۂ نگہ کہ بصد شرح وبسط گفت — حرفے عنایتے کہ تبسم نگفتہ خواست

سی قسم کی ایک اور حالت۔

دوش پر عربدہ بود است و نہ آن است امروز — نگہش قاصد صد لطف نہان است امروز
روی در روی دنگہ در نگہ و چشم بہ چشم — حرف ما با تو چہ محتاج بیان است امروز
شرح رازی کہ میان من و او خواہد بود — بیش از حوصلۂ نطق و بیان است امروز

معشوق کے حسن کی بہار آخر ہے، اور اس بنا پر عاشق کی ہوس پرستی کا بھی خاتمہ ہے
شق پرست کو بڑا صدمہ ہے کہ معشوق نے خلوت نشین بنکر اپنا حسن یون ہی بے کار
ضائع کر دیا۔ نہ عاشقون کو عشق پرستی کا موقع ملا نہ ہوس پرستون کے جمگھٹے رہے، زیادہ
صدمہ یہ ہے کہ اب خود معشوق کو بھی اس کا افسوس ہے کہ مین نے اس چند روزہ

حکومت سے کیون فائدہ نہین اُٹھایا،

وحشی

انجام حسن او شد پایان عشق من ہم — رفت آن نوای بلبل، بی برگ شد چمن ہم
کرد آن جہان جمالی در کنج خانہ ضایع — بر عشق ماتم کرد، بر حسن خویشتن ہم
بد مستی غرورش ہنگامہ گرم نگذاشت — افسردہ کرد صحبت، برہم زد انجمن ہم
آن بت کہ بود افتاد از طاق کعبۂ دل — وز کفر شد پشیمان آن کافر کہن ہم

عاشق اگر ذرا خودداری سے کام لے اور استغنا اور بے نیازی پر آمادہ ہو تو یقیناً معشوق کے غرور بے جا اور بے التفاتی کا طلسم ٹوٹ جائے، لیکن عاشق سے اتنا صبر کہان ہوسکتا ہے۔ اس کیفیت کو کس خوبی سے ظاہر کیا ہے۔

مریض طفل مزاج اند عاشقان ورنہ — علاج رنج تغافل ورزہ پرہیز ست

بہ اندک صبر دیگر رفتہ بود این ناز بیموقع — غلط کردم چرا این صلح بے ہنگام را کردم

معشوق کی توجہ اور التفات کا زیادہ ہونا اگرچہ عاشق کی معراج آرزو ہے لیکن یہ ڈر رہتا ہے کہ یہ ساغر جلد چھلک نہ جائے۔ اس حالت کو کیسے لطیف اور شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے۔

وحشی

شراب لطف بر در جام میریزی ومی ترسم — کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

عشاق کو اس کا سخت افسوس رہتا ہے کہ خداوندان جمال کو حسن کی دولت دیکر اقلیم حسن کا حکمران کر دیتا ہے لیکن حکمرانی کے جو قوانین و آئین ہین کسی کیوجہ سے

وہ ان سے آشنا نہین ہوتے، اس حالت مین بعض عشق پیشہ شعرا نے تو صاف صاف کہدیا کہ فرمانروائی حسن کے فرائض سے عہدہ برا ہونا، ایک ایسے نوخیز کا کام نہین۔

فرماندہی کشور جان۔ کار بزرگ است | نو دولت حسنی ز تو این کار نیاید

لیکن ہر شخص ایسی گستاخی کا مرتکب نہین ہو سکتا۔ اس لیے اور شعرا نے یہ تاویل کی کہ گو معشوق مصالح و آئین حکومت سے واقف نہین لیکن اقبال حسن ایسی چیز ہے کہ بگڑے کامون کو بھی بنا دیتا ہے۔

اقبال حسن کار تر ا پیش بردہ است | ورنہ صلاح کار ندانستہ کہ چیست

واردات عشق مین نہایت عجیب الاثر وہ موقع ہے جب معشوق کسی اور معشوق کے دام مین گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس حالت مین، عاشق سب سے پہلے تو صرف سوال پر اکتفا کرتا ہے۔

دل آشفتہ و دیدہ خون بار داری | مگر با محبت سرو کار داری
کہ نشتر فرو بردہ در مغز جانت | کہ رگہائے مژگان گہربار داری
گل ناز پرور دمن بے قراری | ہمانا کہ در پیرہن خار داری
وصالت نصیب است یا آن کہ چون من | دل حسرت آگین دیدار داری
خلیدہ است خاری بدل چون حزینت | کہ بلبل صفت نالۂ زار داری

معشوق کا عاشق بننا اور ناز آگین اداؤن کا نیاز سے بدل جانا۔ واقعی عجیب عبرت انگیز مقام ہے اس لیے اسکی جزئیات کی تفصیل مزہ دیتی ہے اور شاعر کہتا ہے

چشمش براہ ہے میرود مژگان نم ناکش نگر — در سینہ دارد آتشے، پیراہن چاکش نگر

دامے کہ زلف انداختہ در گردن سینش بین — خونے کہ مژگان ریختہ بر دامن پاکش نگر

شرم از میان برخاستہ مُہر از دہان برداشتہ — گفتار بے ترسش بہ بین رفتار بے باکش نگر

از کوے معشوق آمدہ شوریدگان در حلقہ اش — از صید آہو میرسد نخچیران بہ فتراکش نگر

ایک اور شاعر نے کہا ہے۔

بر تے کہ جان ہا سوختی دل از جفا ترسش بہ بین — شوخی کہ خونہا ریختی، دست از حنا پاکش نگر

اس موقع پر عاشق کو ہمدردی کے اظہار کا موقع ملتا ہے اور وہ معشوق ثانی سے اپنے معشوق کی نسبت سفارش کرتا ہے،

حسن کی نکتہ سنجیون مین سے ایک بڑا موقع یہ ہے کہ معشوق کے دلمین عاشق کی جگہ ہے لیکن وہ اس اثر کو کسی طرح ظاہر نہین ہونے دیتا، یہان تک کہ تبسم تک لب پر نہین آنے پاتا۔ اس حالت کو تفصیل کے ساتھ کس خوبی سے ادا کیا ہے،

امروز ناز را بہ نیاز م نظر نبود — زان شیوہ ہاے خاص یکے جلوہ گر نبود

بس شیوہ ہاے ناز کہ در پردہ داشت حسن — اما تبسمی کہ شود پردہ در نبود

آن خندہ ہا کہ غنچہ سیلرب می نہفت — بیرون ز زیر پردۂ گلبرگ تر نبود

من کشتۂ کرشمۂ مژگان کہ بر جگر — خنجر زد آن چنان کہ نگہ را خبر نبود

مرنے کے آثار طاری ہین، زندگی سے مایوسی ہے۔ یہ دیکھکر کہ دوست احباب چپکے چپکے رو رہے ہین اور آنکھون پر آستینین رکھ لی ہین۔ عاشق بیمار کو اور بھی اپنی

زندگی سے یاس ہو گئی ہے اس کو اس طرح ادا کیا ہے۔

زشبہاے دگر دارم تب غم بیشتر امشب　　وصیت می کنم باشید از من باخبر امشب

مباشید ای رفیقان امشب دیگر زما غافل　　کہ از بزم شما خواہیم بردن درد سر امشب

مکن دوری خدا را از سر بالینم ای ہمدم　　کہ من خود را نمی یابم چو شبہاے دگر امشب

نگر در من نشان مرگ ظاہر شد کہ می بینم　　رفیقان را نہانی آستین بر چشم تر امشب

معشوق گھوڑے پر سوار ہے،

گرد سر تو گردم و آن رخش راندنت　　وان دست و تازیانہ و مرکب جہاندنت

شہرے بہ ترکتاز دہد بلکہ عالمے　　ترکانہ بر نشستن و ہر سو دواندنت

پیش خدنگ کش ناز تو جان دہم　　وان شست باز کردن و تا بر نشاندنت　　وحشی

طرز نگاہ نازم و جنبیدن مژہ　　وان دامن کرشمہ بہ مردم فشاندنت

ایک ہی وقت جان نوازی اور جان ستانی بھی۔ کیونکہ بعض ادائین جان نواز ہوتی ہین اور بعض جان ستان اور یہ دونون کام ایک ہی وقت مین مختلف اعضار سے لیے جاتے ہین۔

چو داری غمزہ را بگذار تا عالم زند برہم　　نگہ گو باش شرم آلود و اظہار حیا می کن

تو زخم ناز بر جان می زنی می آزما بازو　　دہان پر تبسم گو علاج خون بہا می کن

تو نظر باز نہ ورنہ تغافل نگہ است　　تو زبان فہم نہ ورنہ خموشی سخن است

گر نہ اسراف تو می رفت ظہوری از حد　　صرف امسال شدی طاقت پارینہ ما　　ظہوری

عشق است حکمران کہ گر این گہ آن کنم — خود در میان نیم کہ چنین و چنان کنم

کردی ہزار بار ظہوری مرا خجل — دیگر ترا چرا بشکیب امتحان کنم

بگو حدیث وفا از تو باور است بگو — شوم فدای دروغی کہ راست مانند است

این شکایت نامۂ نامہربانیہای تست — آنچہ دیدم از جدائی ہا جدا خواہم نوشت

جای خود وا کرد آخر غیر در پہلوی تو — گر نویسم حرف بیجائی بجا خواہم نوشت

ابتدائی برای عشق بگو — تا بگویم کہ انتہائی ہست

طرز بیرحمان دیگر گشتہ بود الحق کہن — اختراعی چند در نامہربانی کردہ است

تصرفات تو ایام را دگر کردست — ز وعدۂ تو یک امروز کو کہ فردا نیست

در بزم یار دوش در صلح باز بود — من سادہ لوح بودم و او عشوہ ساز بود

بود آن گمان غلط کہ بہ آخر رسید کار — پنداشتی کہ اول ناز و نیاز بود

فغان از قاصدان بی تصرف — ز خود یکبار پیغامی نسازند

جانب من گو نہ بیند غیر گو خوشدل مشو — صد نگہ چون جمع گردد یک تغافل میشود

خراب گشتہ ام از دست دل علاج این است — کہ چون بردن روم او را بہ خانہ بگذارم

از نگہ چشم تہی گشت و تماشا ماندہ است — در زبان حرف نماندست و سخنہا ماندست

۱. صد بار جنگ کردہ ما و صلح کردہ ایم — او را خبر نبودہ ز صلح و ز جنگ ما

آئینہ ۲. دو مہ فصل خزان گر خار خار جوش گل دارد — بگیر آئینہ در کف تا بہار رفتہ برگردد

۳. شب ہجر صرف محبوب کے جلوہ سے صبح ہو سکتی ہے

برما گر تو رحم کنی ور نہ آفتاب شبہاے ہجر را نتواند سحر کند

روزم تو بر فروز، و شبم را تو نور دہ این کار تست کار مہ و آفتاب نیست

شراب پی کر، انکار اور الزام سے بچنے کی تدبیر۔

شکل مستانہ و انکار شرابش نگرید تا ندانند کہ مست است شتابش نگرید

آن کہ گوید نزدم جام۔ زد آتش بہ دلم چہرہ افروختن و میل کبابش نگرید

تا نہ پرسیم از آن مست کہ می کے زدہ چین برابرو زدن ناز و عتابش نگرید

واسوخت۔

وحشی

جستم از دام بدامی و گرفتار دگر من نہ آنم کہ فریب تو خورم بار دگر

شد طبیب من بیمار مسیحا نفسے تو برو بہر علاج دل بیمار دگر

گو بکن، غمزۂ او سعی بہ دلجوئی من زان کہ دادیم دل خویش بہ دلدار دگر

ما چون ز روے پاے کشیدیم کشیدیم امید ز ہر کس کہ بریدیم بریدیم

دل نیست کبوتر کہ چو برخاست نشیند از گوشۂ بامے کہ پریدیم پریدیم

رم دادن صید خود، از آغاز غلط بود اکنون کہ رماندی و رمیدیم رمیدیم

صد باغ و بہار است و صلاے گل و گلشن گر سنبل یک باغ نہ چیدیم نچیدیم

مکن تغافل و مگذار از کمند برون کہ صید بیشۂ بسیار در کمین دارم

صوفیانہ شاعری

فارسی شاعری اُسوقت تک قالب بیجان تھی جب تک اس مین **تصوف** کا عنصر شامل نہین ہوا، شاعری، اصل مین اظہار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا، قصیدہ مداحی اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی، غزل زبانی باتین تھین، تصوف کا اصلی مایۂ خمیر عشق حقیقی ہے، جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے، عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینہ و دل گرما دیے اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہین ہوتا تھا۔ اربابِ دل ایک طرف اہل ہوس کی باتون مین بھی تاثیر آگئی۔

سب سے پہلے صوفیانہ خیالات، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ادا کیے وہ شیخ بوعلی سینا کے مُعاصر تھے، ان سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی شیخ مشکل مسائل اُن سے دریافت کرتا تھا اور وہ جواب دیتے تھے، یہ مراسلات آج بھی موجود ہین وہ ابتدائی حالمین ۱۴ برس تک مجذوب رہے۔ سلوک مین آئے تب بھی جذب کا اثر باقی تھا ۴۴۰ھ مین وفات پائی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے،

راہ تو بہر قدم کہ پویند خوش است	وصل تو بہر سبب کہ جویند خوش است
روے تو بہر دیدہ کہ بینند نکو است	نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

غازی برہِ شہادت اندر تگ و پو است　　غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست

غازی شہادت کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہی لیکن یہ نہین جانتا کہ شہید عشق کا مرتبہ اس سے بڑھکر ہی

در روزِ قیامت این بدان کے ماند　　کین کشتۂ دشمن ست وان کشتۂ دوست

قیامت مین وہ اسکو کہان پہونچسکتا ہے۔ یہ دشمن کا مارا ہوا ہے۔ اور وہ دوست کا،

دل جز رہ عشق تو نپوید ہرگز　　جز محنت و درد تو نجوید ہرگز

دل تیرے عشق کی راہ کے سوا، نہین ڈھونڈھتا تیری عشق اور محبت کے سوا، اور کچھ نہین چاہتا

صحرائے دلم عشق تو شورستان کرد　　تا مہر کسے دگر نہ روید ہرگز

میرے دلکے صحرا کو تیرے عشق نے بنجر بنا دیا کہ اور کسی کی محبت، اُس مین نہ اُگ سکے،

در کوئے خودم منزل و ماوی وادی　　در بزم وصال خود مرا جا دادی،

القصہ بصد کرشمہ و ناز مرا،　　عاشق کردی و سر بصحرا دادی

اس زمانہ تک تصوف کے حقائق اور مسائل شاعری سے آشنا نہین ہوے تھے، صرف عشق اور محبت کے جذبات تھے۔ لیکن چونکہ ان کا مخرج عشق حقیقی تھا اس لیے تصوف کا رنگ جھلکتا تھا۔ سلطان صاحب کے بعد حکیم سنائی نے اس باغ کی آبیاری کی، وہ ابتدا مین قصیدہ گو تھے اور شاعری مین انکی زبان خوب صاف ہو چکی تھی، چونکہ دل قابل تھا اسلیے ایک مجذوب کے ایک طنزیہ فقرہ نے دنیا سے انکو دفعۃً بیزار کر دیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صوفی بن گئے۔ شاعری اور علم و فضل کا سرمایہ پہلے سے موجود تھا اسلیے صرف صوفیانہ جذبات نہین بلکہ تصوف کے مسائل بھی ادا کیے

اس زمانہ مین امام غزالی کی بدولت فلسفہ، منطق اور علم کلام، نصاب مین داخل ہوگیا تھا اور ان علوم کی تعلیم علماے معقولیین کے دائرہ سے نکلکر عام ہوگئی تھی۔ شیخ ابوعلی فارمدی جو امام غزالی کے پیر تھے حکیم سنائی کے دادا پیر تھے، اس رشتہ سے سنائی امام غزالی کے بھتیجے تھے۔ یہ بھی اس بات کا سبب ہوا ہوگا کہ سنائی کو علم کلام کے ساتھ خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ صوفیانہ مسائل کے ساتھ علم کلام کے دلائل بھی قصائد مین درج کرتے ہین، اشاعرہ کا بڑا استدلال اثبات باری کے متعلق یہ ہے کہ "دنیا مین ایک ہی سبب سے مختلف معلول وجود مین آتے ہین اس لیے وہ سبب درحقیقت سبب نہین، بلکہ کوئی اور سبب ہے۔ اگر مادہ اور ہیولی سبب ہوتا تو مختلف اشیار اور مختلف آثار وجود مین نہ آتے، کیونکہ ہیولی اور مادہ تمام اشیار کا مشترک ہے، حکیم سنائی نے ایک بڑا قصیدہ خاص اسی استدلال مین لکھا ہے،

چرا در یک زمین چندین نبات مختلف بینم	ز نخل و نار و سیب و بید چون آبی و چون زیتون
اگر علت طبائع شد چو جملہ را یکسان شد؟	یکے ممسک یکے مسہل یکے دارو یکے طاعون

اگر فطرت علت ہی تو یہ اختلاف کیون ہے کہ کوئی دوا ممسک ہی، کوئی مسہل کوئی مفید، کوئی مضر

حکیم سنائی نے تصوف مین دو مستقل کتابین لکھین، حدیقہ، سیر العباد، حدیقہ چھپ گئی ہے اور سیر العباد کے معتدبہ اشعار مجمع الفصحا مین نقل کیے ہین۔ حدیقہ مین تصوف کے اکثر مقامات مثلاً صبر، رضا، توکل، قناعت وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیے ہین اور انکی حقیقت بتائی ہے لیکن چونکہ تصوف سے پہلے علم کلام کا اثر

زیادہ غالب تھا اس لیے شورش انگیز مباحث بھی شامل کر دیے ہین۔ مثلاً امیر معاویہ کی لعن وطعن کا بھی ایک عنوان ہے، حالانکہ جس دل مین محبت کا گھر ہو اُس مین دشمنی کی (گو وہ کسی کی ہو) کہان گنجایش ہے۔ ع۔ تو خصم باش وز ما دوستی تماشا کن۔

سیر العباد مین اس قسم کے عنوانات ہین، نفس ناطقہ۔ مراتب نفس انسانی گوہر خاک، جوہر باد جوہر آب، صورت حرص۔ صورت مکر۔ ارباب تقلید۔ ارباب ظن، قرّا، (یعنی علما) عقل کل، سالکان طریقت، اہل رضا و توحید۔ ان مضامین پر نہایت خوبی سے لکھا ہے، اور جس گروہ کی کیفیت بیان کی ہے۔ اُس کی اصلی حقیقت کھولدی ہے۔ علما کی شان مین لکھتے ہین۔

تنِ شان زیر و دل زبر دیدم قبلہ شان روے یکد گر دیدم

مردمان دیدم اندر دبجمعے روشن و تیرہ ذات چون شمعے

یعنی ان کی مثال شمع کی سی ہے بظاہر روشن۔ لیکن در اصل سیاہ۔ دوسرون کو ان سے ہدایت ہو سکتی ہے لیکن خود گمراہ۔

اصلِ خود را فداے خود کردہ خویشتن را غذاے خود کردہ

یعنی اپنی تمام قابلیت اور استعداد کو نفس پروری پر فدا کر دیا ہے۔ آپ اپنی غذا بن گئے ہین۔

با دو معشوق ناز می کردند بدو قبلہ نماز می کردند

چونکہ علماے ظاہر لوگون کے سامنے اپنی غرض وغایت خدا طلبی قرار دیتے ہین اور در اصل دنیا طلب ہوتے ہین اس لیے ان کی نسبت یہ کہنا نہایت صحیح ہے کہ ان کے دو معشوق

اوران کی نماز کے دو قبلے ہین۔

اہل رضا اور توحید کے متعلق لکھتے ہین۔

صفِ دیگر کہ خاص تر بودند　　بے دل و دست دپا و سر بودند

خوردہ یک بادہ بر رخِ ساقی　　ہر چہ باقی است کردہ در باقی

فارغ از صورت مراد ہمہ　　برتر از کثرت تضاد ہمہ

یہ عجیب بات ہے کہ حکیم سنائی کے قصاید اور مثنویان تصوف سے لبریز ہین۔ لیکن غزل مین تصوف کا نشہ نہین۔ اور ہے تو کمزور ہے،

سنائی نے ۵۲۵ھ مین وفات پائی انکے بعد اوحد الدین کرمانی المتوفی ۶۳۵ھ نے تصوف مین مصباح الارواح لکھی۔ اسی زمانہ مین اوحدی اصفہانی ایک بڑے صوفی شاعر پیدا ہوے۔ وہ شیخ اوحدی کرمانی کے مرید تھے۔ ۷۰۰۰ ہزار اشعار کا دیوان۔ اور جام جم انکی یادگار ہے۔ یہ مشہور شعر انہی کا ہے،

خاکساران جہان را بہ حقارت منگر　　تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

ان کی غزلین سلاست اور صفائی مین تمام پیشیر دون سے ممتاز ہین۔ ہم ان کے متفرق اشعار نقل کرتے ہین۔

در پردۂ دبر ہمہ کس پردہ می دری　　با ہر کسے دبا توکسے را وصال نیست

بوئے آن دود کہ امسال بہ ہمسایہ رسید　　آتشے بود کہ در دامن من پار گرفت

نہ بہ اندازۂ خود بار گزیدی لے دل　　تا رسیدی بہ بلائے کہ رسیدی لے دل

جام جم بحر خفیف یعنی حدیقہ کی بحر مین ہے اور حدیقہ سے زیادہ فصیح اور سلیس ہے حقیقت انسانی کے بیان مین لکھتے ہین۔

اصل نزدیک و اصل دوری است　　ما ہمہ سایہ ایم و نور یکے است
چون نہاد تو آسمانی شد　　صورتت سر بسر معانی شد
نامۂ ایزدی تو سر بستہ　　باز کن بند نامہ آہستہ
خویشتن را اگر شناسی قدر　　ورنہ بس محتشم کسی اے صدر
صنع را برترین نمونہ توئی　　خط بیچون و بے چگونہ توئے
بیش ازین گر دو حرف بر خوانی　　ترسمت بر جہی کہ سبحانی

حکیم سنائی کے بعد حضرت خواجہ فریدالدین عطار نے اس شاعری کی وسعت کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا۔ ان کی بدولت قصیدہ۔ رباعی۔ غزل تمام اصناف سخن تصوف سے مالا مال ہوگئے، ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ ہے۔ مثنویان کثرت سے ہین۔ جن مین منطق الطیر زیادہ مشہور ہے۔

وحدت وجود کا مسئلہ بادۂ تصوف کا نشہ ہے۔ خواجہ صاحب پر یہ نشہ بہت چھایا ہوا ہے۔ جس طرح متوسطین مین مغربی اور متاخرین مین سحابی اس مذہب کے نقیب ہین۔ اس دور مین خواجہ صاحب نے سب سے زیادہ اس راز کو فاش کیا ہے وہ نہایت جوش و خروش اور ادعا سے اس کو بار بار کہتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ سیر نہین ہوتے۔ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام اشیا مین وہی جاری و ساری ہے،

اور اسی نے ہر چیز مین حسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ قد مین جلوہ۔ زلف مین شکن ابرو مین وسمہ یاقوت مین آب۔ مشک مین خوشبو ہے۔

تاب در زلف و وسمہ بر ابرو　　سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت　　بوے در مشک و مشک در تاتار

وہ کہتے ہین کہ جو شخص انا الحق نہین کہتا وہ کافر ہے،

ہر کہ از وے نزد انا الحق سر　　او بود از جماعت کفار

عالم مین ہزارون لاکھون مختلف چیزین جو نظر آتی ہین وحدت محض ہی جو مکرر ہونے کی وجہ سے متعدد معلوم ہوتی ہین۔ جس طرح دس۔ سو۔ ہزار۔ لاکھ۔ کرور۔ دیکھنے مین کثیر ہین۔ لیکن حقیقت مین وہی ایک کا عدد ہے جو ہزار لاکھ۔ کرور بنجاتا ہے۔ حالانکہ اکائیون کے سوا، اس مین اور کوئی چیز شامل نہین۔

این وحدت است لیک بہ تکرار آمدہ

گر ہر دو کون موج برارند صد ہزار　　جملہ یکے است لیک بصد بار آمدہ

جملہ یک ذات است اما متصف　　جملہ یک حرف است اما مختلف

درین معنی کہ من گفتم شکے نیست　　تو بے چشمے و عالم جز یکے نیست

خواجہ صاحب کے کلام مین حیرت کے مضامین بھی کثرت سے ہین۔ یہ مقام جب

عارف پر طاری ہوتا ہے تو لا اور یہ بجاتا ہے،

نیست مردم را نصیبے جز خیال　　　می نداند ہیچ کس تا چیست حال

دل درین دریاے بے آسودگی　　　می نیابد ہیچ جز گم بودگی

خواجہ صاحب فرماتے ہین کہ تصوف، سیکھنے سکھانے کی چیز نہین یہ انعام ازلی ہے جسکے خمیر مین ہے ہے۔ باہر سے نہین آتا۔

صوفئی نتوان بکس آموختن　　　در ازل این خرقہ باید دوختن

خواجہ صاحب کے بعد صوفیانہ شاعری کی ترقی کے بہت سے اسباب پیدا ہوگئے تاتاریون کے ہنگامہ نے جو اسی زمانہ مین شروع ہوا تمام اسلامی دنیا کو زیر وزبر کردیا اینٹ سے اینٹ بج گئی، مشرق سے مغرب تک سناٹا ہوگیا، تصوف کی بنیاد دنیا ومافیہا کی بے قدری اور بے حقیقتی ہے یہ سب کو آنکھون سے نظر آگئی۔ اس حالت مین جو دل متاثر اور قابل تھے، ان کو خدا سے زیادہ لو لگی۔ انابت۔ خضوع تضرع رضا بالقصار توکل۔ جو تصوف کے خاص مقامات ہین۔ خود بخود دلپر طاری ہوئے اسی کا نتیجہ ہے کہ جس کثرت سے صوفی شعرا اس زمانہ مین پیدا ہوے کسی زمانہ مین نہین پیدا ہوے۔ مولنا روم۔ سعدی۔ اوحدی۔ عراقی سب انھین اسباب کے نتائج ہین۔

ایک بڑا سبب صوفیانہ شاعری کی ترقی کا یہ ہوا کہ تصوف مین ابتدا ہی سے اخلاق کے مسائل شامل ہوگئے تھے۔ کیونکہ اخلاق کو تصوف سے ایک خاص تعلق ہے۔ اخلاق کا فن اس زمانہ مین نہایت وسیع ہوگیا تھا۔ احیاء العلوم نے اس فن

کے دقیق اسرار عام کر دیتے تھے۔ محقق طوسی نے اخلاق ناصری مین ارسطو کی فلسفیانہ اخلاق ادا کئے اس کے اثر سے شاعری مین اخلاق کا ایک سرمایہ مہیا ہو گیا اور یہ سب تصوف کے حصہ مین آیا۔ چھٹی صدی مین فلسفہ کو عام رواج ہوا، اور مذہبی گروہ مین بھی فلسفہ کی کتابین درس مین داخل ہو گئین۔ چنانچہ اس دور کے جسقدر مذہبی علما ہین، فلسفہ سے بھی آشنا ہین۔ صوفیہ کے گروہ مین مولانا روم اور شیخ محی الدین اکبر فلسفہ کے پورے ماہر تھے، اس لیے خود بخود ان کی تصنیفات مین فلسفہ کا امتزاج ہو گیا۔ تصوف کے بہت سے مسائل ایسے ہین جنکی سرحد فلسفہ سے ملتی ہے، مثلاً وجود باری، وحدت وجود، جبر و اختیار، حقیقت روح وغیرہ اس لیے ان مسائل مین فلسفہ کا اثر آنا ضرور تھا۔ غرض اب تصوف اور صوفیانہ شاعری اسیطرح فلسفہ سے ممزوج ہو گئی جسطرح اس زمانہ کا علم کلام، طبعیات اور فلکیات کے مسائل سے مملو ہے، ان اسباب سے صوفیانہ شاعری زیادہ وسیع اور زیادہ دقیق اور عمیق ہو گئی۔

اس عہد کے مشہور صوفی شعرا مین عراقی، سعدی اور مولانا روم ہین۔ مولانا روم کے حالات مین ہم ایک مستقل کتاب لکھ چکے ہین جس مین انکی شاعری پر تفصیلی ریویو ہے۔

عراقی نے بہاء الدین ذکریا ملتانی سے تعلیم پائی تھی۔ ۶۸۸ھ مین بمقام دمشق ان کا انتقال ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔ ایک مثنوی بھی ان کی تصنیف ہے جسکا نام وہ فصل ہے۔ ہماری نظر سے نہین گذری لیکن ریاض العارفین مین اسکے اشعار نقل کیے ہین یہ انداز ہے۔

از جہالت نمی شکیبد دل   می برد عقل و می فریبد دل
عاشقان تو پاکباز انند   صید عشق تو شاہ بازانند
فارغی از درون صاحب درد   بکن اے دوست ہرچہ بتوان کرد
عشق واو صاف کردگاری است   عاشق و عشق و حسن یار یکے است

غزل مین دقیق خیالات نہین، صرف عاشقانہ جذبات ہین۔ اکثر وحدت وجود کے مسئلہ کو صاف تمثیلون مین ادا کرتے ہین مثلاً۔

عشق شورے در نہادِ ما نہاد   جانِ ما در بوتۂ سودا نہاد
گفتگوے در زبانِ ما فگند   جستجوے در درونِ ما نہاد
دم بدم در ہر لباسے رخ نمود   لحظہ لحظہ پاے دیگر پا نہاد
بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت   نام آن حرف آدم و حوّا نہاد
ہم بچشم خود جمال خود بدید   تہمتے بر چشم نابینا نہاد

نخستین بادہ کاندر جام کردند   ز چشم مست ساقی وام کردند
بگیتی ہر کجا درد و دلے بود   بہم کردند و عشقش نام کردند

یہ غزل ان کی مشہور عام ہے اور حال قال کے جلسون مین گائی جاتی ہے

بزمین چو سجدہ کردم ززمین ندا بر آمد   کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی
چو براہِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند   کہ برونِ در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

عراقی کے بعد محمود شبستری، امیر خسرو، حسن، صوفیانہ شاعری مین مشہور ہوئے۔ لیکن خسرو، اور حسن کے کلام مین مجاز کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ ان کی شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا زیادہ موزون ہے۔ محمود شبستری شبستر کے رہنے والے تھے جو تبریز سے آٹھ میل پر ایک قصبہ ہے وہ علوم عقلی اور نقلی کے جامع تھے، ان کی مثنوی **گلشن راز** تصوف کی مشہور کتاب ہے۔ اکثر فضلا نے اس پر شرحین لکھی ہین جنمین سے مفاتیح الاعجاز زیادہ مشہور ہے اسکی تصنیف کا شان نزول یہ ہے کہ میر حسینی ہروی نے تصوف کے، امسلے ان سے نظم مین دریافت کیے تھے انہون نے اسی جلسہ مین ہر شعر کا جواب ایک شعر مین لکھ کر بھیجدیا۔ پھر انہی اشعار کو بڑھا کر ایک مثنوی لکھدی، ان کی ایک اور مثنوی حدیقہ کی بحر مین ہے، ۷۲۰ھ مین وفات پائی۔ گلشن راز مین تصوف کے اکثر دقیق اسرار بیان کیے ہین صوفیہ کے اعتقاد مین انسان کو کسی قسم کی قدرت نہین وہ مجبور محض ہے۔ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہین،

تو می گوئی مرا ہم اختیار است　　تن من مرکب و جانم سوار است

کدامی اختیار اے مرد جاہل　　کسے راکو بود بالذات باطل

چو بود تست یکسر ہمچو نابود　　نگوئی کاختیارت از کجا بود

مؤثر حق شناس اندر ہمہ جاے　　منہ بیرون ز حد خویشتن پاے

چنان کان گبر یزدان و اہرمن گفت　　ہرین نادان احمق مادمن گفت

بافعال را نسبت مجازی است　　نسب خود در حقیقت لہو بازی است
ندارد اختیار و گشتہ مامور　　زہے مسکین کہ شد مختار و مجبور
بشرعت زان سبب تکلیف کردند　　کہ از ذات خودت تعریف کردند

اس دور کے بعد از بہت سے صوفی شعرا پیدا ہوے جن مین شاہ نعمت اللہ ولی المتوفی ۸۳۴ھ، مغربی المتوفی ۸۰۹ھ، جامی المتوفی ۸۹۸ھ زیادہ مشہور ہین۔ مغربی کا کلام سرتاپا مسئلہ وحدت کا بیان ہے، اور چونکہ تخئیل اور جدت کم ہے اس لیے طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ ایک ہی بات کو سو سو بار کہتے ہین۔ اور ایک ہی انداز مین کہتے ہین۔ شاہ نعمت اللہ مین شاعری کم ہے جامی نے بہت کہا اور تصوف کا بہت بڑا ذخیرہ طیار کر دیا۔ سلسلۃ الذہب مین اکثر مقامات تصوف کی نہایت تفصیل سے شرح لکھی ہے لیکن اس مین شاعری نہین۔ اس لیے یہ کہنا چاہیے کہ تصوف کے مسائل نظم کر دیے ہین جسطرح نام حق فقہ مین ہے۔ غزلون مین بھی تصوف کا رنگ ہر اور شاعری سے غالب ہے۔ خواجہ حافظ صوفی شعرا مین سب سے زیادہ مشہور ہین لیکن ہم ان کا ذکر غزلیہ شاعری مین کر چکے ہین جامی کے بعد صفویہ کا آغاز ہوا۔ اور طوائف الملوکی مٹ کر تمام ایران مین ایک عالمگیر سلطنت قایم ہوگئی صفویہ شیعہ تھے اسلیے دفعۃً صوفیانہ شاعری کو زوال آگیا۔ بعض لوگ تقلیداً اس رنگ مین کہتے تھے وہ صوفی نہ تھے لیکن صوفی بننے مین مزہ آتا تھا۔ حکیم شفائی نے ایک مثنوی تصوف مین بڑے زور شور سے لکھی تصوف کے معرکۃ الارا مسائل خوبی سے بیان کیے ہین۔

لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ یہ وہی شفائی ہین جو ذوقی کے مقابلہ مین بھانڈ بنجاتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک نقالی ہے۔ صوفیانہ شاعری مین صرف تخئیل اور فلسفہ درکار نہین اسکی اصلی روح جذبات ہین، وہ ان لوگون مین کہان۔

تصوف کا اثر

تصوف نے شاعری پر گوناگون اثر کیے۔

۱۔ صوفی شعرا، دنیا طلبی سے آزاد تھے، اس لیے قصیدہ گوئی جو سرتاپا خوشامد تھی موقوف ہوگئی۔ مولٰنا روم، عراقی۔ مغربی۔ سحابی۔ ان لوگونکے دیوانون مین قصائد بالکل نہین، جامی نے بہت قصیدے لکھے لیکن امراکی مدح مین بہت کم زبان آلودہ کی۔

۲۔ مثنوی کے لیے یہ لازمی تھا کہ حمد و نعت کے بعد بادشاہ وقت کا نام لیا جاے اور جب نام آیا تو نام کے ساتھ اس کے لوازمات یعنی مداحی و بادخوانی بھی ضروری تھی صوفی شعرا نے یہ داغ مٹا دیا۔ مثنوی مولٰنا روم، منطق الطیر وغیرہ سلاطین کے ذکر سے خالی ہین۔

۳۔ دور اول کے ختم ہوتے ہوتے سوسائٹی کی خرابی سے زبان نہایت فحش ہوگئی تھی۔ سوزنی۔ انوری وغیرہ کی فحاشی نے زبان کو سخت نجس کر دیا تھا تصوف کی بدولت زبان مہذب اور شائستہ ہوگئی۔ ابتدا مین تو کچھ کچھ پچھلے آثار نظر آتے ہین۔ مثلاً مثنوی مولٰنا روم مین بعض بعض حکائتین فحش ہین۔ گلستان بھی اس آلودگی سے پاک نہین لیکن رفتہ رفتہ یہ داغ بالکل مٹ گیا۔ خواجہ حافظ۔ عراقی۔ مغربی، اوحدی کا کلام بالکل بے داغ ہے۔ یہان تک کہ آگے چلکر گو تصوف خود نہین رہا۔ لیکن زبانکی

شائستگی قائم رہی۔عرفی۔نظیری۔طالب۔ولی۔یلی۔اہل ہوس مین ہین لیکن انکے کلام مین ایک حرف خلاف تہذیب نظر نہین آتا۔شفائی۔نوتی یزدی وغیرہ اس قسم کی شواذ ہین جیسے آج کل کے مہذب زمانہ مین بھی خال خال پائے جاتے ہین؛

یہان ایک نکتہ خاص توجہ کے قابل ہے۔یہ عام قاعدہ ہے کہ شاعری مین جب عاشقانہ خیالات آتے ہین توبہت جلد ہوا وہوس کی طرف منجر ہوجاتے ہین،اور رفتہ رفتہ تمام شاعری رندانہ اور عیاشانہ خیالات سے بھر جاتی ہے، یہان تک کہ بے حیائی اور فحش تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔عاشقانہ شاعری چھٹی صدی مین شروع ہوئی، اور چونکہ ایران کو رندی اور عیش پرستی سے خاص مناسبت ہے اس لیے احتمال تھا کہ بہت جلد اس کے خمیر مین عفونت آجائے۔لیکن **تصوف** نے کئی سو برس تک اسکی لطافت مین فرق نہ آنے دیا۔تصوف کا یہ اعجاز تھا کہ وہ الفاظ جو رندی اور عیاشی کے لیے خاص تھے حقائق اور اسرار کے ترجمان بن گئے،**ساقی** کا لفظ ہر زبان مین اس بدپیشہ شخص کے لیے موضوع ہے جسکی بدولت سیکڑون آدمی لباس عقل سے عاری ہوجاتے ہین اور سوسائٹی کے ذلیل ترین افراد مین شمار کیے جاتے ہین۔لیکن **تصوف** مین بھی یہ شخص مرشد کامل اور عارف اسرار ہے،

به دُرد وصاف ترا کار نیست دم درکش ... که آنچه ساقی ما ریخت عین الطاف است

ساقیا برخیز ودہ جام را ... خاک بر سر کن غم ایام را

سرِ خدا کہ زاہد و عارف بکس نگفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

میفروش سے بدتر کون ہوسکتا ہے لیکن تصوف کی زبان مین پیر مغان سے بڑھکر کوئی مقدس ذات نہین۔

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغان گوید | کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

شراب کے جس قدر لوازم ہین۔ مثلاً میکدہ۔ جام۔ سبو۔ شیشہ۔ صراحی۔ نقل۔ گزک نشہ۔ خمار۔ درد۔ صاف۔ صبوحی۔ مطرب۔ نغمہ۔ سرود۔ یہ سب عرفان کے بڑے بڑے واردات اور مدارج کے نام ہین۔ اور ان کے ذریعہ سے تصوف کے اہم مسائل اور دقیق اسرار بیان کیے جاتے ہین مثلاً

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست | و اندران آئینہ صد گونہ تماشائی کرد

گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم | گفت آن روز کہ این گنبد مینائی کرد

صوفیہ کی اصطلاح مین مرشد کو ساقی اور دل کو جام کہتے ہین تصوف مین ادراک کا محل دل ہے لیکن دل اس مضغۂ گوشت کا نام نہین بلکہ وہ ایک لطیفۂ روحانی ہے جسقدر مکاشفات ہوتے ہین۔ جو واردات گذرتی ہین۔ جو انوار جلوہ گر ہوتے ہین اسی لطیفہ سے تعلق رکھتے ہین۔

ان شعرون مین اس حالت کا بیان ہے جب عارف پر طرح طرح کے انوار اور اسرار فایض ہوتے ہین۔ اس عالم مین عارف پر بسط کی حالت طاری ہوتی ہے اس کے تمام لطائف اور اندرونی احساسات شگفتہ ہوجاتے ہین۔ اس مطلب کو شاعرانہ

پیرایہ مین یون ادا کیا ہے کہ "مین نے ساقی کو دیکھا کہ اسکے ہاتھ مین جام شراب ہے اس مین گوناگون عالم نظر آتے ہین اور خوشی سے بچھا جاتا ہے۔ مین نے اس سے پوچھا کہ یہ جام جہان بین تمکو حکیم مطلق نے کب عطا کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جس دن وہ یہ گنبد مینا (آسمان) بنا رہا تھا۔ یہ اس بنا پر کہ صوفیہ کے نزدیک روح ازلی چیز ہے اور آدم کی تخلیق، آفرینش کے ساتھ ہی وجود مین آئی تھی،

۵۔ فلسفہ جو شاعری مین آیا تصوف کی راہ سے آیا جب ہستی مطلق۔ وحدت وجود فنا۔ بقا، وغیرہ مسائل اسی تصوف کی بدولت آشنا ہوئے تو چونکہ دلچسپ مسائل تھے عام طبیعتون کو اس مین مزہ آتا تھا لیکن ہر شخص صاحب حال نہین ہو سکتا تھا اس لیے جو لوگ مکاشفہ اور حال کے زبان آموزہ تھے فلسفہ کا سہارا پکڑتے تھے اور اسی کے سکھلائے ہوے الفاظ بولتے تھے۔ یہ نئے بڑھتے بڑھتے پورا فلسفہ زبان مین آگیا۔

۶۔ تصوف کا اصلی مقام عشق و محبت ہے اس عالم مین دشمن اور دوست کی تمیز اُٹھ جاتی ہے ہر چیز مین اسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ہر چیز سے محبت کی بو آتی ہے ہر چیز کی طرف دل کھچتا ہے۔ تمام عالم ایک معشوق بنکر نظر آتا ہے اور دنیا کی مکروہات اور مخالف چیزین معشوق کی دلدوز ادائین معلوم ہوتی ہین۔ اس کا اخلاق پر عمدہ اثر پڑا۔ فقہا اور علمائے ظاہر نے اختلاف خیالات کی بنا پر جو دشمنی پھیلائی تھی اور جسکی بدولت نہ صرف غیر اہل مذاہب بلکہ خود اسلامی فرقون مین ایک ابدی جنگ

قائم ہوگئی تھی۔ وہ حالت بدل گئی۔ عام محبت اور ہمدردی کے خیالات پھیل گئے اور یہ تعلیم ہونے لگی کہ

در حیرتم کہ دشمنیِ کفر و دین چرا است | از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

ہمان زنگی کہ آنجا در دلِ اسلامیان بینی | مغان را نیز بود اما صفائی زدو دینجا

زلمینِ عشق بہ کونین صلح کل کردم | تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

میخور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن | ساکنِ بتخانہ باش و مردم آزاری مکن

۷۔ تصوف کے مقامات مین سے اکثر مقامات ایسے ہین جن سے جذبات کو تعلق ہے۔ مثلاً رضا۔ فنا۔ محویت۔ وحدت۔ استغراق۔ اس لیے ان مقامات کے ادا کرنے مین خود بخود کلام مین زور، جذبہ اور اثر پیدا ہوتا ہے اور یہی چیزین شاعری کی روح ہین مثلاً رضا کے یہ معنی ہین کہ جو کچھ عالم مین خیر و شر۔ نیک و بد۔ حسن و قبح۔ رنج و راحت ہے، سب فاعل مطلق کے حکم سے ہے اس لیے ہم کو چون و چرا کا حق اور گلہ و شکایت کا موقع نہین عاشقانہ رنگ مین اسکو صوفی اس انداز سے ادا کرتا ہے کہ معشوق کا قہر بھی عاشق کے لیے جان نواز ہے اس کے عتاب مین بھی لذت ہے۔ اس کے ستم مین بھی راحت ہے،

بہ دُرد و صاف ترا کار نیست دم در کش | کہ ہر چہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

ناز پروردِ تنعم نہ برد راہ بدوست　　　عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

حضرات صوفیہ کو مقام رضا میں ایسی لذت نصیب ہوتی ہے کہ رنج اور مصیبت کی خود آرزو کرتے ہیں، جسقدر مصائب جھیلتے ہیں اسی قدر قوت برداشت بڑھتی جاتی ہے اور مصائب کے جھیلنے میں مزہ آتا ہے کہ یہ بھی اسی نگاہ کا ایک کرشمہ ہے۔ یہی خیال غزل میں اس انداز سے ادا ہوتا ہے۔

خویش را بر نوکِ مژگانِ سیہ چشمان زدم　　　آن قدر زخمے کہ دل میخواست در خنجر نبود

جان زتن بردی و در جانی ہنوز　　　دردہا دادی و درمانی ہنوز

تا از مژہ خالی نبود مایۂ خون　　　مشتِ نمکے بر دلِ افگار فشاندم

حریفِ کاوشِ مژگانِ خونریزش نۂ زاہد　　　بدست آور رگِ جانی و نشتر را تماشا کن

۱۰۔ تصوف نے بہت سے نئے الفاظ، اصطلاحات، تلمیحات، زبان میں داخل کر دیے جن میں سے ایک ایک لفظ نے بہت سے گوناگون خیالات کے لیے راستہ پیدا کر دیا۔ اور اس طرح شاعری کو نہایت وسعت حاصل ہو گئی مثلاً،

حال - وہ وجدانی کیفیت جو عارف پر طاری ہوتی ہے

راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس　　　کین حال نیست صوفیِ عالی مقام را

خرابات مقام فنا کو کہتے ہین۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

در سر کار خرابات کنند ایمان را

سالک عارف باخبر کو کہتے ہین۔ ع کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا۔

قلندر، وہ عارف جو مرتبہ تکلیف سے گذر جاتا ہے۔

بر در میکدہ رندان قلندر باشند کہ ستانند و دہند افسر شاہنشاہی

۱۱۔ ایک مدت سے، شخصی حکومت کے تسلط اور اثر نے عام طبیعتون مین عزت نفس کا خیال مٹا دیا تھا۔ معمولی خط و کتابت مین لوگ اپنی نسبت "بندہ" اور "حقیر" وغیرہ الفاظ لکھتے تھے، بادشاہ کے سوا، ہر شخص گویا مان کے پیٹ سے غلام پیدا ہوتا تھا کسیکو خودداری، رفعت نفس، اپنی عزت آپ" کا خیال نہین آسکتا تھا۔ سلاطین اور امراء سے دبنا۔ انکے آگے غلامانہ تعظیم بجا لانا کوئی عیب نہ تھا۔ تصوف مین چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات اور عالم اکبر مانا جاتا ہے اس لیے صوفیانہ شاعری نے عزت نفس کا خیال پیدا کیا۔ تصوف نے بتایا کہ زمین و آسمان اور کون و مکان سب انسان کے آگے ہیچ ہین۔

این نہ خلعت کہ نہ فلک می خوانند گر راست شوی یکے بہ بالائے تو نیست

تو اگر تن کر کھڑا ہو جاے تو یہ نو خلعت (آسمان) تیرے جسم پر ٹھیک اُترنے کے قابل نہین

تصوف نے بتایا کہ فرشتے اور افلاک انسان کا مرتبہ پہچاننے کے قابل نہین۔

سرمایۂ تو ملک چہ داند — درپایۂ تو فلک چہ داند

انتہا یہ کہ ایک عارف نے کہدیا کہ۔

ما پرتو نور بادشاہ ازلیم — فرزند نہ ایم آدم و حوّا را

ہم بادشاہ ازل کے نور کے سایہ ہین۔ ہم آدم و حوّا کے فرزند نہین۔

یہ بات اگرچہ مقامات تصوف سے تعلق رکھتی تھی تاہم اس کا پرتو شاعری اور اخلاق پر بھی پڑا۔ صوفیانہ شاعری مین زبان بدل گئی۔ انسان اس قدر ذلیل نہ رہا جسقدر سمجھتا تھا۔ مولنا روم۔ عراقی۔ مغربی وغیرہ کا کلام مدح کے داغ سے بالکل پاک ہے۔ ابن یمین نے کہا کہ ہل اور کھیتی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ کسی کے آگے سر تسلیم خم کیا جاے

ہزار بار ازان بہ کہ از پئے خدمت — کمر بہ بندی و بر مردکے سلام کنی

سعدی دربار رس تھے سلاطین اور امرا کا نمک کھاتے تھے۔ تاہم تصوف کی بدولت کہتے ہین۔

سعدیا چندان کہ می دانی بگوی — حق نشاید گفتن الا آشکار

اے سعدی! جو جانتا ہے صاف کہہ —— حق کو علانیہ ہی کہنا چاہیے،

ہر کرا خوف و طمع دربار نیست — از خطا باکش نباشد واز تتار

جس کو خوف اور طمع نہ ہو —— اسکو خطا اور تتار کا کیا ڈر ہے

فارسی شاعری مین تصوف کا سرمایہ کس قدر موجود ہے

تصوف اصل مین زبان وقلم کی حدود سے باہر، وہ وجدان و ذوق و مشاہدہ کا نام ہے جو بیان مین نہین آسکتا۔ تاہم جسقدر

زبان قلم سے ادا ہوسکتا تھا۔ ارباب تصوف نے تصنیفات کے ذریعہ سے ادا کیا۔ اور یہ پورا سرمایہ شاعری مین بھی آگیا۔ لیکن اس کی تفصیل سے پہلے تصوف کی تعریف سمجھ لینی چاہیے۔

اہل فلسفہ کے نزدیک، تمام چیزون کے ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری ہین حواس کے مدرکات دماغ مین پہنچتے ہین۔ اور دماغ ان پر مختلف طریقون سے عمل کرتا ہے۔ جزئیات سے کلیات بناتا ہے، مقدمات سے نتائج نکالتا ہے، تحلیل وترکیب سے کام لیتا ہے غرض ہمارا علم اور ادراک جو کچھ ہے صرف حواس اور دماغ کے مجموعی عمل کا نام ہے۔ لیکن ارباب تصوف کے نزدیک ان سب کے علاوہ ایک اور حاسہ باطنی ہے جو شوق اور ریاضت سے پیدا ہوتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ اس کو حواس کے توسط کی کچھ ضرورت نہین، بلکہ حواس کا تعطل اس کے لیے مفید ہوتا ہے اس حاسہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کو مختلف نامون یعنے کشف، مشاہدہ۔ الہام سے تعبیر کرتے ہین۔ اسکی نسبت مولانا روم فرماتے ہین۔

آئینہ دل چون شود صافی و پاک　　نقش ہا بینی برون از آب و خاک

پنج حسے ہست جز این پنج حس　　آن چو زر سرخ و این حس ہا چو مس

عالم غیب یعنی خدا۔ ملائکہ۔ آخرت۔ بہشت۔ دوزخ وغیرہ کے متعلق اہل شریعت اور فلسفہ جو کچھ جانتے ہین قیاس اور استدلال کے ذریعہ سے جانتے ہین لیکن صوفی جانتا نہین بلکہ دیکھتا ہے۔ شیخ بوعلی سینا جب حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر سے ملا، اور

فلسفیانہ تحقیقات ظاہر کین تو اس کے جانے کے بعد سلطان صاحب نے لوگون سے کہا "انچہ ادمی داند می بنیم"

یہ تصوف کا علمی حصہ ہے،

شریعت اور علم الاخلاق مین جن احکام کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً صبر۔ رضا۔ توکل۔ استغنا۔ قناعت وغیرہ وغیرہ ان پر انسان عمل کرتا ہے تو اس بنا پر کرتا ہے کہ شریعت نے اسکی تعلیم دی ہے۔ اور شریعت کی سرتابی عذاب قیامت کی مستوجب ہے۔ لیکن تصوف مین ایک حالت طاری ہو جاتی ہے جس سے خود بخود اخلاق پیدا ہوتے ہین۔ صوفی دل پر جبر کرکے صبر اختیار نہین کرتا۔ بلکہ طبعاً اس سے صبر سرزد ہوتا ہے۔ وہ نماز اس لیے نہین پڑھتا کہ نہ پڑھونگا تو دوزخ مین جانا پڑے گا بلکہ اس لیے پڑھتا ہے کہ نہ پڑھنا اسکے اختیار مین نہین۔

یہ تصوف کا عملی حِصّہ ہے،

ابتدا مین انہی دو چیزون یعنی اسی علم و عمل کا نام تصوف تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس مین اور چیزین بھی شامل ہوگئین۔ چنانچہ موجودہ تصوف تصوف۔ فلسفہ اور اخلاق کے مجموعے کا نام ہے۔ مثنوی مولانا روم مین سیکڑون ایسے مسائل ہین۔ جو خالص فلسفہ کے مسائل ہین اسی طرح حدیقہ اور دیگر صوفیانہ مثنویان مین اخلاق کے تمام مسائل آگئے ہین۔ چونکہ فلسفہ اور اخلاق کا عنوان الگ آئے گا اس لیے ہم یہان

صرف تصوف کے مسائل سے بحث کرتے ہین،

وحدت وجود یعنی ہمہ اوست

یہ مسئلہ صوفیانہ شاعری کی روح روان ہے۔ صوفیانہ شاعری مین جو ذوق شوق، سوز وگداز۔ جوش وخروش زور اور اثر ہے۔ سب اسی بادہ مرد افگن کا فیض ہے، اس خیال کی ابتدا عشق حقیقی کے استیلا سے ہوئی یعنی ارباب عرفان پر جب نشۂ محبت کا غلبہ ہوتا تھا تو ان کو معشوق حقیقی (صانع کل) کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا تھا۔ شاعری نے اسی حالت کی تصویر کھینچی، اوحدی کرمانی نے نفس انسانی کی ترقی کے جو مدارج لکھے ہین آخری درجہ فنا کا قرار دیا ہے اور اسکی تعبیر اس طرح کی ہے۔

چون دیدہ برفت و من بماندم — زان بیش ندیدم، ونہ راندم

تا دیدہ بہ جاے بود می دید — چون دیدہ نہ ماند، گوش بشنید

چون دیدہ وگوش کور دگر گشت — گفتار هبا[1]۔ زبان ہدر گشت

زین حال پس از کسے نشان داد — بخشندۂ عقل، نطق جان داد

وان نکتہ کہ این چنین نکو گفت — چون من نہ بُدم، بدان کہ او گفت

خود گفت حقیقت و خود اشنید — وآن روے کہ خود نمود، خود دید

پس باش یقین کہ نیست واللہ — موجود حقیقی سوے اللہ

زاید

شیخ سعدی زیادہ تشریح کے ساتھ لکھتے ہین۔

[1] هبا، غبار کے ذرون کو کہتے ہین، اور ہدر اس قتل کو کہتے ہین جسکا کچھ خون بہا نہ ہو، مراد یہ ہے کہ گفتگو اور زبان فنا ہوگئی،

توان گفتن این با حقایق شناس | ولے خردہ گیرند اہل قیاس
کہ پس آسمان وزمین چیستند | بنی آدم و دام و دد کیستند
پسندیدہ پرسیدی اے ہوشمند | بگویم، گر آید جوابت پسند
کہ ہامون و دریا و کوہ و فلک | پری، آدمی زادہ، دیو و ملک
ہمہ ہرچہ ہستند زان کمتر اند | کہ با ہستیش نام ہستی برند

اس کے بعد ایک تمثیلی حکایت لکھی ہے کہ کسی نے پٹبیجنے (جگنو) سے پوچھا کہ تم دن کو کیون نہین نکلتے۔ اس نے کہا مین تو دن رات، ایک ہی جگہ رہتا ہون لیکن آفتاب کی روشنی کے ہوتے مین لوگون کو نظر نہین آتا۔ یہی حال تمام عالم کا ہے کہ خدا کی ہستی کے مقابلہ مین انکا وجود اہل حال کو نظر نہین آتا،

اس وحدت کو وحدت شہود کہتے ہین اور حضرت مجدد الف ثانی نے اسی کو اپنے مکتوبات مین جابجا ثابت کیا ہے،

لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال وحدت وجود کی حد تک پہنچا۔ یعنی کہ درحقیقت خدا کے سوا کوئی اور چیز سرے سے موجود ہی نہین۔ یا یون کہو کہ جو کچھ موجود ہے۔ سب خدا ہی ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ اسلام مین یہ خیال کیونکر آیا۔ آجکل کے ارباب تحقیق کی رائے ہے کہ یونان اور ہندوستان اس خیال کے ماخذ ہین۔ کیونکہ ہندو اور یونانی دونون ہمہ اوست کے قائل تھے لیکن اس کا تاریخی ثبوت ملنا مشکل ہے۔ زیادہ شبہہ اسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ یونانی علوم وفنون کی توسیع واشاعت کا جو زمانہ تھا یعنے پہلی دو تین صدیان

اس وقت یہ خیال نہین پیدا ہوا تھا اس مسئلہ کی ابتدا یا ظہور شیخ محی الدین اکبر کے زمانہ سے ہوا جو شیخ سعدی اور عراقی وغیرہ کا زمانہ ہے۔

بہرحال ہم کو اس وقت اس سے چندان غرض نہین کہ یہ خیال کب آیا، اور کہان سے آیا۔ بلکہ یہ بحث کرنی چاہیے کہ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے اور ہماری شاعری نے کیونکر اس مسئلہ کو ادا کیا ہے،

حکما مین سے اہل مادہ (میٹریلیسٹ) اس بات کے قایل ہین کہ عالم کا بنانے والا عالم سے کوئی الگ چیز نہین۔ بلکہ ازل سے ایک مادہ ہے جس نے مختلف صورتین اختیار کین اور اختیار کرتا رہتا ہے۔ ابتدا مین چھوٹے چھوٹے ذرات تھے جن کو اجزاے "دی مقراطیسی" کہتے ہین۔ یہ اجزا باہم ملے۔ اور ان کے ملنے سے زمین آسمان سیارے وغیرہ وجود مین آے چونکہ ان ذرات مین حرکت اور قوت بھی ازل سے موجود ہے اس لیے یہ تغیرات خود اس کی ذات سے وجود مین آئے ہین۔ کسی اور خالق یا صانع یا محرک کی ضرورت نہین ہوئی۔

اس قسم کی وحدت وجود دہریون اور مادیون کا مذہب ہے، حضرات صوفیہ اس وحدت کے قائل نہین ہو سکتے۔ بایںہمہ اسقدر قطعی سمجھتے ہین کہ "جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے موجودات خارجیہ سب اسی کے شئونات ہین"! اس صورت مین یہ مسئلہ اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کی تعبیر سخت مشکل ہے ہمنے اس مسئلہ پر شیخ محی الدین اکبر کی تحریرین دیکھی ہین، مولانا عبد العلی بحر العلوم اور غلام یحیی نے جو مستقل رسالے اس مسئلہ پر لکھے ہین،

وہ بھی ہمارے پیش نظر ہین۔لیکن ہم ان کے سمجھنے سے عاجز ہین۔جو کچھ ان بزرگون نے لکھا ہے ہمارے صوفی شعرانے اس سے زیادہ صاف اور روشن لکھا ہے اور ہم انہی کے خیالات کی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین۔شعراے صوفیہ نے اس مسئلہ کی مختلف تشریحین کی ہین۔لیکن پہلے ان کا دعوی انہی کی زبان سے سننا چاہیے،کیونکہ یہ پرمزہ داستان ہے۔لیکن اسی وقت تک جب انہی کے لہجہ مین ادا کی جاے۔

سرمد اگرش وفاست خود می آید | در آمدنش بجاست خود می آید
بیہودہ چرا درپے او می گردی | سرمد اگر او خداست خود می آید

بکشود درِ صورت و معنے برما | بگرفت رہِ دینی و عقبے برما
خود را دیدیم و محو او گردیدیم | ہم از ما کرد حق تجلے برما

خود ساخت خدا بلندی و پستی را | یا د سر و ہوشیاری و مستی را
تا کے گوئی کہ ہستی ما غیر است | بس کن بہ خدا دہ گراین ہستی را

تا محو شدم آن رخ مہر آئین را | ہر ذرہ چو من نمود جسم دین را
خواہم کہ ہمیشہ راز او فاش کنم | عالم ہمہ اوست باکہ گویم این را

در عالم اگر ہزار بینند یکے است لیکن آنان را کہ اہل یقین اند یکے ست
اجزاے کتاب مختلف می آید کل را چو بگردند و بہ بینند یکے است

چون رہرو عشق سر برآرد از پوست پیش از دو قدم نیست رہ و تا دوست
در یکقدمش ز جملہ اقرب بیند در یک قدم دگر بہ بیند ہمہ اوست

ہر چند درین راہ طلب کارگر است بیچارگی و نیاز را ہم اثر است
ہر کس بگرفت یارے و من از عجز یارے کہ بہ من از ہمہ نزدیک تر است
یعنی نحن اقرب الیہ من حبل الورید

ہم سایہ نشین و ہم ہمہ رہ، ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہان خانۂ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

ہر کس نہ گذر بہ عالم ما انداخت گم گشت و وجود خویش از ما انداخت
منصور کہ محو آن انا الحق شد و رفت او قطرۂ خویش را بہ دریا انداخت

فلسفہ مین یہ مسئلہ محض ایک بے اثر اور مادی بحث ہے یعنی ازل مین اجزاے دیمقراطیسی تھے وہ ملکر مادہ بنا۔ مادہ نے مختلف صورتین اختیار کرلین۔ لیکن تصوف مین یہ مسئلہ ہمہ تن روحانیت ہے، تصوف کی نظر مین تمام عالم شاہد حقیقی کا جلوہ ہے

یہ جو کچھ نظر آتا ہے اس کے کرشمے اور ادائین ہین۔ ایک روح ہے جو تمام اشیاء مین ساری ہے۔ ایک نور ہے جس سے تمام فضائے ہستی روشن ہے۔ ایک آفتاب ہے جو ہر ذرہ مین چمک رہا ہے،

عالم طبیعیات مین انسان ایک حقیر اور کمزور مخلوق ہے لیکن تصوف مین یہ وہ ذرہ ہے جو آفتاب سے ٹوٹ کر آیا ہے اور پھر آفتاب بن جائے گا۔ قطرہ ہے جس نے دریا کو آغوش مین چھپا رکھا ہے۔ نقطہ ہے جو دائرہ سے ہمدوش ہے

گاہے بہ ہوا ذرۂ پویان بودم گاہے بہ فلک مہر درخشان بودم
زین پس ہمہ آن شوم کہ ہم آن بودم گاہے دل و گاہے تن و گہ جان بودم

ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر مشکل ہے کہ فلسفہ کو اس کے ثابت کرنے مین نہایت دقتین پیش آتی ہین تاہم جس قدر فلسفہ ثابت کر سکا تصوف نے اس سے زیادہ روشن اور مدلل طریقہ سے ثابت کیا اور لطف یہ کہ شاعرانہ انداز مین مطلق فرق نہ آیا بلکہ انداز بیان کی رعنائی اور بڑھ گئی۔ تصوف نے اس مسئلہ کی مختلف تعبیرین کین ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) خدا ہستی بحت یعنی وجود مطلق ہے۔ یہی وجود مقید ہو جاتا ہے یعنے مختلف صورتین اختیار کرتا ہے اور مختلف نام سے پکارا جاتا ہے تمام عالم اور موجودات عالم اسی وجود مطلق کے تشخصات ہین۔ اسی بنا پر حضرت فریدالدین عطار فرماتے ہین کہ

التوحید اسقاط الاضافات۔

آب در بحر بیکران آب است | ور کنی در سبو ہمان آب است
ہست توحید مردم بے درد | حصر نوع وجود در یک فرد
لیک غیر خدائے عز و جلال | نیست موجود نزد اہل کمال
وحدتِ خاصۂ شہود این است | معنی وحدت وجود این است

(۲) آفتاب کی روشنی ایک ہے لیکن آئینہ مین، پانی مین، ذرہ مین، اسکی صورتین بدل جاتی ہین کہین تیز ہو جاتی ہے کہین دھندلی، کہین اس قدر روشن کہ آنکھین خیرہ ہو جاتی ہین۔ اگر آئینہ۔ پانی۔ ذرہ۔ فنا ہو جائین تو روشنی مین کچھ نقصان نہ آئے گا اس کو ان چیزون کے فنا ہونے سے کچھ نقصان نہ پہونچے گا۔

از موت و حیات چند پرسی از من | خورشید بہ روزنے درافتاد و برفت

(۳) اعداد جس قدر ہین اکائیون کے مجموعہ کا نام ہے۔ مثلاً دس، چند اکائیون کے مجموعہ کا نام ہی۔ لیکن اکائی اور دس مین کوئی فرق نہین یعنی کوئی نئی چیز اس اکائی مین شامل نہین ہوئی۔ بلکہ اسی اکائی کو دس دفعہ شمار کیا تو دس بن گیا۔ اسی طرح تمام عالم ذاتِ واحد ہے۔ ہر مرتبہ کثرت مین مختلف اور متعدد معلوم ہوتا ہے،

این محض وحدت است بہ تکرار آمدہ

(۴) انسان کے جسم مین مختلف اعضا ہین، ہر عضو کا کام جدا ہی۔ صورتین جدا ہین لیکن ایک روح ہے جو تمام اعضا مین ساری ہے۔ اعضا کا ایک ذرہ بھی اس روح سے خالی نہین۔ تاہم روح کی کوئی خاص جگہ نہین ہر جگہ ہے اور کہین نہین، سیکڑون

اعضا اور ہزارون لاکھون رگین اور اعصاب الگ الگ کام کر رہے ہین۔ لیکن حقیقت مین وہی ایک روح سب کچھ کر رہی ہے۔ وہ نہو تو کچھ نہین سب خاک کا ڈھیر ہے۔ اسی طرح تمام عالم ایک ہستی خاص ہے۔ اس کے لاکھون کرورون اجزا ہین سب گوناگون اور مختلف الصورۃ ہین۔ سب الگ الگ ہین۔ لیکن درحقیقت اس جسم اکبر مین بھی ایک روح ہے اور وہی سب کچھ کر رہی ہے۔ وہ ایک ایک ذرہ مین ساری ہے۔ وہ ہر جگہ ہے اور کہین نہین اس کا نہ کوئی حیز ہے نہ جہت نہ سمت اور پھر سب کچھ ہے، یہی روح ہے جسکو ہم خدا کہتے ہین۔ اور وحدت وجود کے یہی معنے ہین،

اے از تو حقیقتِ تو بس ناپیدا ‌ ‌ ‌ با آن کہ توئی ز ہر چہ پیدا پیدا
توحید طلب، عین ہمہ اشیا رشو ‌ ‌ ‌ ہمچو یک جان در ہمہ اعضا پیدا

حق جان جہان است جہان جملہ بدن ‌ ‌ ‌ ارواح و ملائکہ حواس این تن
افلاک و عناصر و موالید اعضاء ‌ ‌ ‌ توحید ہمین است دگر ہا ہمہ فن

(۵) آئینہ مین جب کسی چیز کا عکس پڑتا ہے تو گو یہ عکس مجسم ہو کر نظر آتا ہی لیکن وہ درحقیقت کوئی چیز نہین جس چیز کا عکس ہے وہ ہٹ جائے تو پھر وہان کچھ بھی نہین جس کا عکس تھا وہ تو اب بھی موجود ہے۔ لیکن عکس کا پتہ نہین۔ اسی طرح دھوپ مین آدمی کا جو سایہ نظر آتا ہے یہ سایہ درحقیقت کوئی چیز نہین۔ اسی طرح اصل مین ایک ذات واحد موجود ہی۔ یہ تمام عالم گوناگون مخلوقات اس کے اظلال اور پرتو ہین۔

تا جنبش دست ہست مادام — سایہ متحرک است ناکام

چون سایہ ز دست یافت مایہ — پس نیست خود اندر اصل سایہ

چیزے کہ وجود او بہ خود نیست — ہستیش نہادن از خرد نیست

پس باد یقین کہ نیست واللہ — موجود حقیقی سوے اللہ

ہر چیز کہ آن نشان ہستی دارد — یا پرتو روے اوست یا اوست بہ بین

یہ سب اس مسئلہ (وحدت وجود) کی فلسفیانہ تعبیرین ہین لیکن فارسی شاعری نے اس مسئلہ کو جس جوش اور خروش اور گوناگون تخیلات کے ذریعہ سے ادا کیا وہ شاعری کا انتہائی کمال ہے، ایک شاعر خود اُس ذات واحد کو مخاطب کرتا ہی اور اُس سے پوچھتا ہے،

گفتی کہ ہمیشہ من خموشم — گویا شدہ پس بہ ہر زبان کیست

تو کہتا ہے کہ مین ہمیشہ چپ رہتا ہون تو یہ کون ہی جو ہر زبان مین بول رہا ہے

گفتی کہ نہانم از دو عالم — پیدا شدہ در یگان یگان کیست

تو کہتا ہی کہ مین سب سے پوشیدہ ہون تو یہ کون ہی، جو ایک ایک چیز مین نمایان ہے،

گفتی کہ نہ اینم و نہ آنم — پس آنکہ ہم این بود ہم آن کیست

تو کہتا ہی کہ مین نہ یہ ہون نہ وہ ہون تو وہ کون ہی جو یہ بھی ہے اور وہ بھی

یہ مسئلہ اگرچہ ایک فلسفیانہ مسئلہ تھا اور اس لحاظ سے شاعری کو جو در حقیقت تخیل کا دوسرا نام ہی۔ اس سے کچھ تعلق نہ تھا تاہم فارسی شاعری کا آدھا سرمایہ یہی ہے، اس عقدہ

کا حل یہ ہے کہ گو مسئلہ کی اصل حقیقت کچھ ہو لیکن صورۃً وہ سرتاپا حیرت ہے اور شاعری کی یہی بنیاد ہے۔ ہر چیز جو دلپر تعجب انگیزی کا اثر پیدا کرتی ہے۔ حقیقی شعر ہے۔ فضائے غیر محدود۔ بحر بے کران۔ سیارہ ہاے غیر متناہی۔ باد صرصر۔ امواج دریا سب مجسم شعر ہین۔ اس بناپر وحدت وجود کا مسئلہ سرتاپا شاعری ہے۔ ہر چیز خدا ہے تمام عالم اس کے اشکال گوناگون ہین۔ ایک ہستی مطلق، عام بھی ہے، خاص بھی۔ مطلق بھی، مقید بھی، کلی بھی جزئی بھی۔ جوہر بھی ہے۔ عرض بھی۔ سیاہ بھی ہے۔ سفید بھی۔ اس سے بڑھکر شاعری کیا ہوسکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تخئیل نے اس مضمون مین اس قدر عمل کیا کہ ۷۰۰ سو برس سے اس بات کو کہتے آتے ہین پھر بھی نہ ختم ہوتی ہے اور نہ اسکی دل آویزی مین کمی ہوتی ہے۔ صوفیہ شعرا کی شاعری کی تمام کائنات یہی ہے۔ مغربی نے تمام دیوان مین ایک حرف بھی اسکے سوا نہین کہا۔ ہزارون پہلو سے یہ مضمون ادا ہوچکا ہے پھر بھی نئے نئے پیراے نکلتے آتے ہین

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست — اما نمی توان کہ اشارت بہ او کنند

در پردۂ و بر ہمہ کس پردہ می دری — با ہر کسے و باتو کسے را وصال نیست

در ہر چہ بنگرم تو بہ دیدار بودۂ — اے نانمودہ رخ تو چہ بسیار بودۂ

این عالم صورت است و ما در صوریم | معنی نتوان دید مگر در صورت

در صورتِ قطرہ سر بسر دریائیم | تو ذرہ مبین مہر جہان آرائیم

گویند کہ کُنہِ ذاتِ او نتوان یافت | ما یافتہ ایم این کہ کُنہش مائیم

یہ مسئلہ جب تک صرف زبان پر رہتا ہے فلسفہ یا شاعری ہے۔ لیکن جب دل پر اس کا استیلا ہو جاتا ہے تو ایک عجب لذت بخش کیفیت طاری ہوتی ہے، دنیا کی کوئی ناگوار چیز ناگوار نہین معلوم ہوتی۔ سب مین اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سب مین اسی کی خوشبو آتی ہے دوست و دشمن، گبر و مسلمان کی تمیز اُٹھ جاتی ہے اسی عالم کو ایک شاعر ادا کرتا ہی،

عارف ہم از اسلام خراب است ہم از کفر | پروانہ چراغِ حرم و دیر نداند

اس کا اخلاق پر نہایت عمدہ اثر پڑا اور یہی وجہ ہے کہ اخلاقی شاعری جو تصوف سے نکلی۔ گبر و مسلمان کے تفرقہ سے خالی ہے، بوستان کی وہ حکایت تمکو یاد ہوگی کہ حضرت ابراہیم نے ایک گبر کو اس بنا پر دسترخوان سے اٹھا دیا کہ وہ گبر تھا۔ اسی وقت فرشتہ نازل ہوا اور خدا کا پیغام لایا۔

منش دادہ صد سال روزی و جان | ترا نفرت آمد از و یک زمان

یعنی مین نے اس کو سو برس تک زندگی اور روزی دی۔ تم دم بھر بھی اس کے ساتھ نہ گذار سکے،

حاسۂ باطنی | جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین تصوف کی اصلی بنیاد علم باطن ہے اہل باطن کے نزدیک تمام اشیاء اور خصوصاً معارف الٰہی کے ادراک کے دو ذریعے ہین۔ ایک عقل جو

حواس کے ذریعہ سے معلومات بہم پہنچاتی ہے اور پھر ان کو تجرید، تحصیل اور ترکیب دیکر نتایج کا استنباط کرتی ہے۔ اس کو علم ظاہر کہتے ہین۔ دوسرے قلب یا روح جو مشق اور ریاضت اور تصفیہ سے بغیر حواس کی اعانت کے ادراک کرتی ہے۔ یہ ادراک نہایت راسخ ہوتا ہے، وہ ایک تسلی بخش کیفیت پیدا کرتا ہے اور شک اور احتمال کے خدشہ سے پاک ہوتا ہے۔ عارف کی آنکھین بند ہوتی ہین۔ لیکن وہ دل کی آنکھون سے علانیہ اشیا کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے ساتھ ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہ کیفیت بیان مین نہین آسکتی اور مجبوراً کہنا پڑتا ہی۔ ع۔ ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی،

شیخ بو علی سینا جب سلطان ابو سعید ابو الخیر سے ملا اور اپنی تحقیقات بیان کین تو آپنے فرمایا کہ "انچہ میدانی می بینم" یہی چیز ہے جسکو اصطلاح تصوف مین مشاہدہ کشف اور الہام کہتے ہین یہ قوت بعض انسانون مین کامل اور فطری ہوتی ہے۔ یہ لوگ انبیا کہلاتے ہین بعضون مین مشق اور ریاضت سے پیدا ہوتی ہے، تاہم استعداد مین نہایت فرق مراتب ہوتا ہے اور اسی فرق مراتب کے لحاظ سے اولیا کے طبقات قایم ہوتے ہین۔ مولانا روم نے اس ادراک باطنی کو مثنوی مین جا بجا نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے جسکا ماحصل یہ ہی کہ روح کی کئی قسمین ہین، ایک جانورون اور انسانون دونون مین مشترک ہے یہ روح حیوانی ہے، ایک وہ ہی جو انسان کے ساتھ مخصوص ہی

غیر عقل و جان کہ در گاؤ و خراست　　　آدمی را عقل و جانی دیگر است

اس سے بالاتر ایک روح ہے جو انبیا اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہی، وہ انسانی

روح سے اُسی قدر بلند ہے جس قدر انسانی روح، روحِ حیوانی سے بالاتر ہے،

بازغیر عقل و جانِ آدمی　　　　هست جانے در نبیؐ و در ولی

فلسفیون کے نزدیک انسان کلی متواطی ہے۔یعنی تمام انسان انسانیت کے لحاظ سے یکسان ہین لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان کلی مشکک ہے، یعنی جسطرح سردی گرمی کے مراتب مین اختلاف ہے، کوئی چیز نہایت گرم ہے اور کوئی کم اسیطرح خود انسانیت کے مراتب مختلف ہین۔انسان کی اصلی حقیقت ادراک اور تعقل ہے۔اس لیے جس مین زیادہ ادراک ہے وہ زیادہ انسان ہے۔مولنا روم فرماتے ہین،

جان نباشد جز خبر در آزمون　　　　هر کرا افزون خبر، جانش فزون

جان صرف ادراک کا نام ہے اس لیے جسکا ادراک زیادہ ہے۔جان بھی زیادہ ہے،

انسانیت کا اعلےٰ مرتبہ نبوت ہے۔عام انسانون مین اور انبیا مین وہی فرق ہے جو مختلف حیوانات مین ہے۔حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان نوع نہین بلکہ جنس ہے اور اس کے افراد مین وہی تفاوت ہے جو جنس کے انواع مین ہوتا ہے۔انسانون مین یہ اختلاف مراتب اُسی روح کی بنا پر ہے جو روح انسانی سے بالاتر ہے۔کشف والہام اسی روح کا خاصہ ہے۔اسی بنا پر حضرات صوفیہ کے نزدیک جو علم قیاسات اور استدلالات سے حاصل ہوتا ہے ہیچ ہے۔

پاے استدلالیان چوبین بود　　　　پاے چوبین سخت بے تمکین بود

گر باستدلال کارِ دین بُدے　　　　فخر رازی، رازدارِ دین بُدے

جو معلومات استدلال اور قیاس سے حاصل ہوتے ہین گو کتنے ہی یقینی ہون لیکن شک اور احتمال سے خالی نہین ہو سکتے۔ فلسفہ کے مسائل مین سخت اختلاف رائے ہے اور دونون طرف نہایت بڑے بڑے فلسفی ہین۔ یہ رائین اکثر باہم تناقض ہین اور یہ ظاہر ہے کہ دو متناقض مسائل مین سے ایک ہی صحیح ہوگا۔ یورپ اس درجۂ کمال تک پہنچ چکا، لیکن ہر فلسفی کی رائے دوسرے فلسفی سے مختلف ہے۔ بخلاف اس کے کشف اور مشاہدہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے قطعی ہوتا ہے اور قطعی ہو یا نہو لیکن دل کو اس سے تسلی ہو جاتی ہے۔ وہ طبیعت کو کامل سکون اور دل مین ایک مطمئن خوشی اور ذوق پیدا کرتا ہے۔ جس شخص پر خود یہ حالت طاری نہ ہو۔ وہ اس علم (باطن) پر بھی طرح طرح کے شبہے قائم کر سکتا ہے لیکن کشف اور مشاہدہ کے بعد تمام شکوک اور احتمالات دفعتہً فنا ہو جاتے ہین۔ عقل اور کشف کے فرق کو خواجہ حافظ نے اس شعر مین ادا کیا ہے،

آن ہمہ شعبدہ ہا عقل کہ می کرد آنجا سامری پیش عصا و ید بیضا می کرد

جب یہ علم حاصل ہو جاتا ہے تو تمام ظاہری علوم حقیر اور بے مزہ معلوم ہوتے ہین، اور بے ساختہ اس قسم کے الفاظ زبان پر آتے ہین،

چند چند از حکمت یونانیان حکمتِ ایمانیان را ہم بخوان

جو علم استدلال سے حاصل ہوتا ہے صوفیہ اس کو عقلی کہتے ہین اور جو علم مجاہدہ، اور ریاضت سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام عرفان ہے ان دونون کا فرق ایک صوفی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے،

چشم آن باشد کہ نہ فلک را بیند | چشمی کہ بہ نورِ مہر بیند کور است

آنکھ وہ ہے جو خود دیکھتی ہے۔ جو آنکھ آفتاب کی روشنی کی محتاج ہے وہ اندھی ہے،

ارباب سفسطہ کہتے ہین کہ اصل حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے نہ معلوم ہو سکتی ہے صوفی کہتے ہین۔

زنہار مگو کہ رہروان نیز نیند | کامل صفتانِ بے نشان نیز نیند

ہرگز یہ نہ کہو کہ رہرو اور کامل لوگ نہین ہین

زین گونہ کہ تو محرم اسرار نۂ | می پنداری کہ دیگران نیز نیند

تم واقف راز نہین ہو۔ تو سمجھتے ہو کہ اور لوگ بھی نہین ہین۔

حضرات صوفیہ جو کچھ کہتے ہین وہی شخص کہہ سکتا ہے جسنے کچھ دیکھا ہے۔ ورنہ محض قیاس اور استدلال مین یہ ذوق، یہ جوش و خروش نہین ہو سکتا ہے،

گفتگو یکسان نباشد غافل و ہشیار را | در نفس باشد تفاوت خفتہ و بیدار را

صوفیانہ انداز چونکہ بہت مقبول ہوا اس لیے تمام شعرا اسی انداز مین کہنے لگے، عرفی، نظیری، طالب، محتشم، شفائی سب یہ بولی بولتے ہین۔ لیکن صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نری نقالی ہے۔ پھول ہین لیکن خوشبو نہین۔ شراب ہے لیکن نشہ نہین حُسن ہے لیکن دلفریبی نہین۔ قالب ہے لیکن روح نہین۔ بخلاف اس کے مولنٰا روم۔ سنائی، اوحدی سلطان ابو سعید کا لفظ لفظ بتاتا ہے کہ کہان سے نکلے ہین۔

گویند ہر آن کہ یافت خامش گردد | نے نے غلط است آنکہ یابد گوید

کشف حقائق

تصوف کی اصل یہی مسئلہ ہے، تصوف کا دوسرا نام "حقیقت" ہی اور اسی بنا پر ہے کہ تصوف کی غرض و غایت یہی ہے۔ اگرچہ تصوف کو براہ راست تمام اشیاء سے بحث نہین یہ حکما کا کام ہے تصوف کو صرف اس بات سے غرض ہی کہ انسان کا مطلوب اصلی کیا ہے؟ لیکن چونکہ اس نتیجہ تک پہنچنے اور اُس کے حاصل کرنے کے لیے عام طور پر حقائق اشیاء سے بحث کرنی پڑتی ہے اس لیے یہ دائرہ وسیع ہوجاتا ہے اس کو ایک خاص مثال مین سمجھنا چاہیے۔ مثلاً تصوف مین عشق حقیقی کی تعلیم دیجاتی ہے یعنی یہ کہ جمال صرف شاہد حقیقی مین پایا جاتا ہے اس لیے وہ عشق و محبت کے قابل ہے، باقی جن اشخاص یا جن چیزون کو ہم حسین اور جمیل سمجھتے ہین، یہ واقع مین حسین اور جمیل نہین یہ بات بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہے۔ ایک حسین خوبرو یا ایک خوشنما پھول کے حسن کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے؟ اس شبہہ کے رفع کرنے کے لیے حسن و جمال کی عام حقیقت سے بحث کرنی پڑتی ہے اور ثابت کرنا پڑتا ہے کہ ان چیزون مین اصلی جمال نہین ہے۔ اس طرح یہ بحث زیادہ وسیع ہوجاتی ہے۔

اسی طرح تصوف کی تعلیمات مین اکثر باتین عام مسلمات کے خلاف معلوم ہوتی ہین اس لیے حقائق اشیاء کی بحث تصوف کا ایک مستقل عنوان ہوگیا ہے جس کو ہم اجمالی طور سے لکھتے ہین۔

(۱) تصوف مین یہ تلقین کی جاتی ہے کہ اکثر چیزون کی نسبت لوگون کا جو علم ہے وہ صحیح نہین، حقائق اشیاء کے متعلق عام غلطیان پھیلی ہوئی ہین۔ جن چیزون کو ہم جسطرح

دیکھتے اور سمجھتے ہین حقیقت مین اس طرح نہین ہین۔ اس مسئلہ کی تلقین کے وقت علم تصوف سفسطہ کے قریب آجاتا ہے یعنی ہر چیز کی نسبت شک پیدا کردیتا ہے،

غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ جو چیزین بظاہر محسوس اور مشاہد اور زیادہ نمایان ہین وہ اصلی نہین ہین، بلکہ اصلی وہ چیز ہے جو مخفی اور کم نمایان ہے۔ مثلاً ہوا جب چلتی ہے تو ہم کو جو چیز آنکھ سے متحرک محسوس ہوتی ہے وہ خاک و غبار ہے، ہوا کو ہم بالکل نہین دیکھتے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ دراصل متحرک ہوا ہی ہے۔ خاک مین اُسی نے حرکت پیدا کی ہے،

بحر را پوشید و کف کرد آشکار　　باد را پوشید و بنمود ت غبار

دریا کو چھپایا اور کف کو نمایان کیا ہے۔ ہوا کو چھپایا اور غبار کو ظاہر کیا،

خاک بر باد است بازی می کند　　کج نمائی عشوہ سازی می کند

خاک ہمچون آلہ در دست باد　　باد را دان عالی و عالی نژاد

یعنی خاک ہیچ اور بے قدر ہے۔ لیکن جلوہ نمایان کرتی ہے، ہوا جو اصلی چیز ہے وہ روپوش ہے، تاہم خاک ہوا کے ہاتھ مین گویا ایک آلہ ہے اس لیے ہوا ہی کو عالی رتبہ سمجھنا چاہیے۔

طبیعیات مین تمام مسائل کی بنیاد محسوسات پر رکھی جاتی ہے اس لیے اس مین زیادہ مصروف ہونے سے محسوسات کا اسقدر دلپر اثر چھاجاتا ہے کہ یقین ہوجاتا ہے کہ جو چیز محسوس نہین وہ خیالی اور وہمی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ طبیعیات جاننے والے مجردات اور روحانیات کے منکر ہوجاتے ہین یہان تک کہ انکار کا یہ سلسلہ خدا

تک پہنچتا ہے کیونکہ وہ اعلے المجردات ہے۔ لیکن تصوف مین سب سے مقدم اور
ضروری تر یہی مسئلہ ہے کہ ظاہری حس کا اعتبار نہین۔ غور کرنیسے نظر آتا ہے کہ خود محسوسات
مین فرق مراتب ہے یعنی بعض چیزین علانیہ مشاہد اور محسوس ہوتی ہین۔ بعض آثارات
اور علامات کے ذریعہ سے اور بعض صرف دلائل اور نتائج سے ثابت ہوتی ہین۔
اب اگر محسوس ہونے پر مدار ہوتا تو چاہیے تھا کہ جو چیز زیادہ محسوس ہوتی زیادہ اصلی
ہوتی۔ لیکن حالت برعکس ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو خاک یا غبار نظر آتا ہے، ہوا نظر
نہین آتی۔ لیکن اصل مین ہوا ہی نے غبار کو حرکت دی ہے۔ پھول آنکھ سے نظر
آتا ہے لیکن اصلی چیز خوشبو ہے وہ نظر نہین آتی۔ جسم زیادہ محسوس ہے لیکن اصلی
چیز جان یا روح ہے جو نظر نہین آسکتی۔ افعال اور اعمال علانیہ محسوس ہوتے ہین
لیکن جو چیز افعال اور اعمال کا سبب ہے یعنی ارادہ یا فکر وہ دیکھنے یا سننے کی چیز نہین،
الفاظ زیادہ محسوس ہین لیکن اصلی چیز معنی ہین جو کسی حاسۂ ظاہری سے محسوس نہین ہوسکتے،
غرض جسقدر زیادہ غور کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ محسوسات مین بھی وہی چیزین اصلی
وجود رکھتی ہین جو کم محسوس ہین اور مجرّد ہین۔ اور جسقدر کم محسوس ہین اسی قدر اُن مین
زیادہ اصلیت اور قوت ہوتی ہے۔ ہوا آنکھ سے نظر نہین آتی لیکن ہوا کا ایک
طوفان عالم کو زیر و زبر کر دیتا ہے۔ فکر اور ارادہ محسوس چیزین نہین لیکن دنیا مین
جو کچھ ہوتا ہے انہین کی بدولت ہوتا ہے۔ آج کل علماے طبعیات محسوسات پر زیادہ
اعتبار کرتے ہین۔ قدیم زمانہ مین معتزلہ کا بھی یہی حال تھا اسی بنا پر حضرات صوفیہ

ہر شخص کو جو مادّہ پرست اور حاسہ پرست ہو معتزلی کہتے ہین۔

ہر کہ در حس ماند او معتزلی است　　　گرچہ گوید سُنّی ام از جاہلی است

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مادّہ سے مجرد ہونا حقیقی وجود ہے اور جسقدر زیادہ تجرّد ہوگا اسی قدر وجود حقیقی کا زیادہ ظہور ہوگا۔ چنانچہ موجودات کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے کم رتبہ جسم اُس سے بالاتر جان پھر روح پھر مجردات پھر باری تعالیٰ۔

صورت پرست لوگ ظاہری حسن وجمال کو مطلوب اور محبوب خیال کرتے ہین۔ لیکن وہ خود اپنے مافی الضمیر کے سمجھنے مین غلطی کرتے ہین۔ ایک خوبرو نوجوان جب مرجاتا ہے تو کچھ دیر تک اس کے ظاہری حسن وجمال مین کچھ فرق نہین آتا۔ لیکن اسکے چاہنے والے اب اسکی صورت پر نہین مرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز پر وہ مررہے تھے جمال ظاہری کے سوا کوئی اور چیز تھی جو بظاہر محسوس نہین ہوتی تھی۔

انچہ معشوق است صورت نیست آن　　　خواہ عشقِ این جہان خواہ آن جہان

تمام موجودات پر غور کرنے سے یہ امر یقینی طور سے محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہر چیز کی دو حالتین ہین حقیقی اور مجازی یا واقعی اور نمائشی اور تصوف کا تامتر حاصل اور منتہاے مقصد حقیقت کی جستجو اور حقیقت پرستی ہے۔ یہی حقیقت پرستی خدا کا اذعان دل مین پیدا کرتی ہے۔ جب زیادہ غور سے نظر آتا ہے کہ تمام موجودات کا وجود غیر مستقل ہے۔ عارضی ہے۔ تغیر پذیر ہے تو اُس وجود کی تلاش ہوتی ہے جو اصلی اور حقیقی ہو۔ ازلی اور ابدی ہو۔ اس یقین سے تمام فانی چیزین بے حقیقت نظر آتی ہین۔ اور

صرف ایک ذاتِ واحد کی عظمت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے،

ہر چیز کہ در حیزِ امکان دیدم　　　با او ہمہ ہیچ بود و بے او ہمہ ہیچ

اس شعر مین تمام کائنات کا ہیچ ہونا دونون پہلوؤن سے ثابت کیا ہے یعنی وجود حقیقی کے ساتھ بھی ہیچ ہین۔ کیونکہ حقیقت کے سامنے مجاز کی کیا وقعت ہے؛ اور وجود حقیقی کے بغیر بھی ہیچ ہین۔ کیونکہ بغیر اسکے وہ سرے سے موجود ہی نہین ہو سکتے،

زندہ در عالمِ تصویر ہمین نقاش ست　　　خوابِ غفلت ہمہ را بردہ و بیدار یکیست

جب حقیقت پرستی کا ذوق دل مین پیدا ہو جاتا ہے تو ہر چیز مین حقیقت کی تلاش ہوتی ہی اور وہی چیزین محبوب معلوم ہوتی ہین جو حقیقی ہین۔ مثلاً حسن لذت اور مسرت انسان کے اصلی مطالب ہین۔ انسان جن چیزون پر جان دیتا ہے، جن چیزون کے لیے جد و جہد کرتا ہی، جن چیزون کا شیفتہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہوتا ہی کہ ان مین حسن یا لذت یا مسرت ہے۔ لیکن ان چیزون مین بھی حقیقت اور مجاز کے مراتب ہین۔ بچہ کھیل۔ تماشہ جھوٹی اور مصنوعی چیزون کو پسند کرتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہی اور اس کا مذاق کسی قدر صحیح ہونے لگتا ہے تو پسند کا معیار بھی ترقی کر جاتا ہے اور اب وہ ان چیزون کو پسند کرتا ہے جن مین فی الجملہ واقعیت اور اصلیت ہوتی ہے۔ جب اُسکی عقل اور ادراک مین اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو یہ معیار اور ترقی کر جاتا ہے۔ ان مدارج مین جو فرق ہوتا ہی وہ دو چیزون کے لحاظ سے ہوتا ہے، ایک وہی حقیقت اور مجاز، یعنی بچون اور نوجوانون کے نزدیک جو چیزین حسین، لذیذ، اور خوشنما ہوتی ہین۔ ان مین حقیقی حسن۔ حقیقی لذت،

اور حقیقی خوشنمائی نہین ہوتی بلکہ عارضی اور ظاہری ہوتی ہے

دوسرا فرق اس لحاظ سے ہوتا ہو کہ بچون اور نوجوانون کی مرغوبات اور مطلوبات وہ چیزین ہوتی ہین جو مادی ہوتی ہین۔ بخلاف اس کے عاقل اور صاحب نظر جن چیزون کو مطلوب قرار دیتا ہے اور جن کے لیے جانفشانیان کرتا ہے وہ غیر مادی ہوتی ہین۔ مثلاً بچے کھانے۔ پینے۔ پہننے۔ نقش ونگار پر جان دیتے ہین جو مادیات ہین بخلاف اس کے عُقلا۔ علم وہنر، عزت، بقاے نام اور شہرت کے طالب ہوتے ہین اور یہ سب چیزین غیر مادی ہین۔ محض خیالی چیزین ہین۔ لیکن یہ معیار حقیقی معیار نہین انسان کا مقصد اس سے بھی بلند تر ہونا چاہیے۔ اور یہی چیز ہے جو تصوف کا مطمح نظر اور مرکز خیال ہے

حسن وجمال تمام عالم کو مرغوب ہے۔ بلکہ تمام عالم مین جس قدر چیزین مرغوب اور مطلوب ہین اسی وجہ سے ہین کہ ان مین کسی نہ کسی قسم کا حسن ہو لیکن حسن مین بھی حقیقت اور مجاز کا فرق ہے۔ عام لوگ جن چیزون کو حسین سمجھتے ہین وہ حقیقی حسین نہین ان کا حسن عارضی اور کسی اور حسن کا پرتو ہے۔ مثلاً اگر آفتاب کے عکس پڑنے سے دیوار روشن ہو جائے تو دیوار در اصل روشن نہین۔ بلکہ اصل مین آفتاب روشن ہے۔ دیوار پر اس کا پرتو پڑ گیا ہے،

گر شود پرنور روزن یا سرا — تو مدان روشن مگر خورشید را
ور در و دیوار گوید روشنم — پرتو غیرے ندارم این منم

پس بگوید آفتاب اے نا رشید   چونکہ من غائب شوم آید پدید

یعنی اگر مکان اور دریچہ روشن ہو جاے تو تمکو سمجھنا چاہیے کہ آفتاب روشن ہے۔ در و دیوار اگر یہ دعوی کرین کہ ہم خود روشن ہین تو آفتاب کہے گا کہ جب مین غائب ہو جاؤن گا اسوقت یہ بات کھل جائیگی

اسی طرح تمام اشیا مین جو حسن نظر آتا ہے وہ عارضی اور مستعار ہے اس لیے ضرور ہے کہ کوئی اصلی جمال ہے جس کا پرتو جس چیز پر پڑ جاتا ہے اس مین حسن اور جمال آجاتا ہے یہی جمال حقیقی ہے جو تصوف کا مقصد اور غایت ہے،

ذات باری (۱) دہریہ خدا کے منکر ہین۔ سوفسطائیون کو شک ہے فلسفی استدلال کے محتاج ہین لیکن ارباب حال کے نزدیک استدلال کی ضرورت نہین۔ تمام عالم زمین آسمان آفتاب ماہتاب، ثابت، سیارے۔ دشت وچمن۔ گل وخار، برگ وبار سب اسکی شہادت دے رہے ہین۔ وہ پوشیدہ ہے لیکن اسی وجہ سے کہ بہت کھلا ہوا ہے۔ عطار۔ ع

اے ز پیدائی تو از بس ناپدید

بے شبہہ وہ این و آن دونون سے بالاتر ہے لیکن اس لیے کہ وہ ایک ہی ساتھ این بھی ہے اور آن بھی، مغربی۔ ع، پس آن کہ ہم این، ہم آن، بود کیست ؟،

کیا یہ ممکن ہے کہ معلول ہو اور علت نہ ہو اثر ہو، اور موثر نہو، ذرہ ہو آفتاب نہ ہو سایہ ہو اور دھوپ نہو،

عالم اثر است ذات یکتائی را   روزے کہ درو نہ آفتاب است کہ دید؟

سارا جہان اسی ذات یکتا کی نشانی ہے   ورنہ دن ہو اور آفتاب نہو یہ کسنے دیکھا؟

سبحان اللہ حیرتے دارم سخت — زان دیدہ کہ ذرہ دید و خورشید نہ دید

میانِ باغ گلِ سرخ ہا ہو دارد — کہ بو کنید دہانِ مرا چہ بو دارد

(۲) معرفت باری مین عقل بیکار ہے عقل کے تمام تر ادراکات حواس کے مدرکات پر مبنی ہین یعنی حواس جو ادراک کرتے ہین عقل انھین مین تحلیل یا ترکیب یا تعمیم یا تفرید کا عمل کرتی ہے لیکن ذات باری حواس کے مدرکات سے بالاتر ہے اسلیے عقل کی دسترس سے باہر ہے اسی بنا پر ارباب حال کے نزدیک عقل کے مدرکات ادنیٰ مرتبہ کی چیزین ہین۔

عقل جزی کے تواند گشت بر قرآن محیط — عنکبوتے کے تواند کرد سیمرغے شکار

یعنی عقل معارف قرآنی کا احاطہ نہین کر سکتی، ایک مکڑی سیمرغ کو کیونکر شکار کر سکتی ہے۔

زاہد کہ ہمہ خیال و خواب است او را — راہے نہ برون ز خاک و آب است او را

او رنگ ہمی جوید و حق بے رنگ است — آن چشم نہ چشم بل حجاب است او را

یعنی علماے ظاہر کا علم خیال اور خواب ہے کیونکہ آب و خاک (مادیات) سے آگے نہین بڑھتے یہ لوگ رنگ ڈھونڈھتے ہین اور خدا بے رنگ ہے اسلیے انکی آنکھین آنکھین نہین بلکہ حجاب ہین۔

(۳) تزکیہ نفس اور مجاہدہ سے روح کو ایک ادراکِ غیبی حاصل ہوتا ہے عرفان الٰہی کا یہی ذریعہ ہے۔ اس کو علم باطن، مشاہدہ، القا، کشف وغیرہ کہتے ہین۔ اس سے بھی گو خدا کی ذات و حقیقت نہین معلوم ہو سکتی کیونکہ وہ ہر حالت مین انسان کے دسترس سے بالاتر ہے لیکن صفات اور شیونات الٰہی کی تجلیان روح پر پڑتی ہین اور ہر شخص بقدر استعداد عرفان

کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ درجہ درس و تدریس تعلیم و تعلم سے حاصل نہین ہوتا۔ بلکہ تزکیہ نفس اور تجرید و فنا سے حاصل ہوتا ہے جسقدر انسان علائق دنیوی سے بے تعلق ہو، رسوم و قیود سے آزاد ہو جاے اُسیقدر اس درجہ مین ترقی ہوتی ہے

در مذہب عاشقان قرار دگر است | دین بادۂ ناب را خمار دگر است
ہر علم کہ در مدرسہ حاصل گردد | کار دگر است و عشق کار دگر است
ہر کسے زانداز ۂ روشن دلی | غیب را بیند بقدر صیقلی

یعنی ہر شخص جسقدر نفس کا تزکیہ کریگا۔ اُسیقدر اسکو عالم غیب کا ادراک ہوگا اور چونکہ انسان کی استعداد کی مدارج کی کوئی انتہا نہین اسلیے ہر شخص کو جدا ادراک اور جدا عرفان ہوتا ہے ع، ہر عاشق راز تو وصال دگر است،

اس سے زیادہ صاف ایک اور عارف کہتا ہے،

ساقی بہمہ بادہ زیک خم دہد اما | در مجلس او مستی ہر یک ز شرابے است

یعنی ساقی سب کو ایک ہی خم سے شراب پیتا ہے لیکن جو لوگ پیتے ہین انکو الگ الگ شراب کا نشہ چڑھتا ہے

یہ مرتبہ عقل اور علم سے نہین حاصل ہوتا بلکہ تجرید مجاہدہ اور ریاضت کے بعد خود بخود اُدھر سے فیضان ہوتا ہے،

ہر چند تو اور انتوانی دیدن | اُو بتواند بتو نمودن خود را

یعنی اگرچہ تم اس کو نہین دیکھ سکتے۔ لیکن وہ خود تم کو اپنے آپ کو دکھلا سکتا ہے،

علماے ظاہر خدا کی ذات و صفات جو کچھ بیان کرتے ہین وہ انسانی ہی اخلاق اور اوصاف سے ماخوذ ہے۔ مثلاً انسان کے کمال اور عظمت کا اعلےٰ تر درجہ یہ ہے کہ صاحب اقتدار ہو۔ فیاض ہو۔ عالم ہو۔ عادل ہو۔ اسی پیمانہ کو زیادہ بلند کر دیا جاے تو یہ خدا کی تصویر ہے

اور چونکہ کمال کا معیار ہر شخص کے نزدیک مختلف ہے اس لیے خدا کے اوصاف مین بھی اختلاف ہے۔ مثلاً ایک اشعری خدا کی یہ تعریف کرتا ہے۔

اگر در دہد یک صلائے کرم — عزازیل گوید نصیبے برم

بہ تہدید گر بر کشد تیغ حکم — بمانند کرّ و بیان صم و بکم،

یعنی اگر خدا اپنی مہربانی کا اعلان دے تو شیطان کہے گا مجکو بھی کچھ حصہ ملنا چاہیے اور اگر غضب مین آئے تو فرشتون کے حواس جاتے رہین گے۔

لیکن ایک فلسفی کے نزدیک یہ خدا کی نہین بلکہ چنگیز خان کی تصویر ہے جس کے لطف و کرم کا کوئی اصول نہین۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا تصور لوگ اپنے اپنے معیار کمال کے موافق کرتے ہین لیکن وہ اور ہی کچھ ہے۔

بر افگن پردہ، تا معلوم گردد — کہ یاران دیگرے را می پرستند

یعنی اے خدا تو اپنے چہرہ سے پردہ الٹ دے تو یہ کھل جائے کہ لوگ کسی اور کو پوج رہے ہین۔

آنان کہ وصف حسن تو تقریر می کنند — خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

یعنی جو لوگ تیرے جمال کی حقیقت بیان کرتے ہین وہ اس خواب کی تعبیر کہتے ہین جو انھون نے دیکھا نہین۔ اوّلاً تو خواب خود ایک وہمی چیز ہے۔ پھر خواب دیکھا بھی نہین اور اسکی تعبیر بیان کر رہے ہین۔ تعبیر خود بھی کوئی یقینی چیز نہین۔

فنا عجیب بات ہے انسان بالطبع، موت اور نیستی کے نام سے گھبراتا ہی۔ لیکن صوفیہ اسکے طالب ہین اور تصوف مین سالک کے لیے جو مقامات مقرر ہین ان مین فنا گویا آخری منزل ہے، اس کے بعد ہے تو فنا الفنا ہے کہ وہ بھی فنا ہی کی ایک دوسری صورت ہے

فنا سے تصوف کو مختلف حیثیتون سے تعلق ہے،

(۱) مادہ پرستون کا یہ خیال ہے کہ آیندہ زندگی کوئی چیز نہین۔ انسان کی ترکیب عنصری جب تک قائم ہے زندہ ہے جب عناصر الگ ہو گئے فنا ہو گیا۔ اب دوبارہ روح کا پیدا ہونا یا باقی رہنا خیالی باتین ہین۔

تو زر نۂ اے غافل نادان کہ ترا　　در خاک کنند و باز بیرون آمد

تم سونا نہین ہو کہ تم کو زمین مین گاڑ کر پھر نکالین گے،

اس خیال کو صوفی شعرا نے نہایت پُر زور اور لطیف پیرایون مین باطل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ تم نے کس چیز کو فنا ہوتے دیکھا؟ دنیا مین کوئی چیز پیدا ہو کر فنا نہین ہوتی۔ البتہ صورتین بدل جاتی ہین، تو انسان کیون فنا ہو گا۔

کدام دانہ فرو رفت در زمین کہ نرُست　　چرا بہ دانۂ انسانت این گمان باشد

وہ کونسا دانہ ہی جو زمین کے اندر گیا اور نہ اُگا، پھر انسان کی نسبت تم ایسا کیون خیال کرتے ہو۔

صوفیہ کہتے ہین کہ فنا، بقا کا دیباچہ ہے، ہر نیا وجود نئے عدم کا محتاج ہی۔ نئے نئے عدم نہ ہون تو نئی نئی ہستیان وجود مین نہ آئین۔ ترقی دراصل فنا اور عدم ہی کا نام ہے، یعنی پچھلی صورت فنا ہوتی ہے۔ اور ترقی کر کے نئی صورت پیدا ہوتی ہے

اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار رک جاتی۔ مولانا نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے

تو از ان روزے کہ در ہست آمدی ۔۔۔ آتشی یا خاک یا بادی بدی

تم جس دن پیدا ہوئے اس سے پہلے خاک یا اور کوئی عنصر تھے

گر بران حالت ترا بودے بقا ۔۔۔ کے رسیدے مر ترا این ارتقا

اگر تم اسی پہلی حالت پر رہتے تو یہ ترقی کہان سے نصیب ہوتی

از مبدل ہستی اوّل نماند ۔۔۔ ہستی دیگر بجاے او نشاند

بدلنے والے نے پہلی ہستی مٹا دی اور اسکی جگہ دوسری قائم کر دی

ہمچنین تا صد ہزاران ہستہا ۔۔۔ بعد یک دیگر دوم بہ ز ابتدا

اسی طرح ہزارون ہستیان ظہور مین آئین جنمین ہر پچھلی پہلی سے بہتر تھی

این بقاہا از فناہا یافتی ۔۔۔ از فنا پس رو چرا بر تافتی

تمنے یہ بقائین فناؤن سے پائین پھر فنا سے کیون منھ موڑتے ہو،

در فناہا این بقاہا دیدہ ۔۔۔ بر بقاے جسم چون چسپیدہ

تمنے فناؤن مین یہ بقائین دیکھی ہین۔ تو اب جسم کے بقا پر کیون لپٹے ہو

تازہ می گیر و کہن را می سپار ۔۔۔ زانکہ امسالت فزون آمد ز پار

نیا لو اور پرانے چھوڑ دو کیونکہ ہر نیا سال پرانے سال سے بہتر آتا ہے

عام لوگون کے نزدیک قیامت کی زندگی اخیر زندگی ہے۔ لیکن حضرات

صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ترقی کی ایک منزل ہے،

از جمادی مردم و نامی شدم　　از نما مردم بہ حیوان سرزدم

مین نے جماد کے مرتبہ کو چھوڑا اور نامی ہوا اس سے آگے بڑھکر جاندار ہوا

مردم از حیوانی و آدم شدم　　پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم

جاندار کے مرتبہ سے گذر کر آدمی ہوا اس لیے مجکو مرنیکا کیا غم ہو مرنے سے میرا کیا نقصان ہوتا ہے

حملۂ دیگر بمیرم از بشر　　تا برآرم از ملائک بال و پر

دوسرے دھلے مین بشریت سے آگے بڑھون گا" اور فرشتہ بن جاؤن گا۔

(۲) چونکہ روح عالم قدس سے تعلق رکھتی ہے اس لیے جب جسم فنا ہو گا تو وہ ذات بحت مین جا کر ملجاے گی۔ اس لیے موت اور فنا اور نیستی صوفیہ کا عین مقصود اور انتہائی آرزو ہے۔

بارِ دیگر از ملک پرّان شوم　　انچہ اندر وہم ناید آن شوم

پھر فرشتہ پن سے بھی آگے بڑھون گا اور وہ ہو جاؤن گا جو وہم مین بھی نہین آسکتا۔

آب کوزہ چون در آب جو شود　　محو گردد در وے و چون او شود

جب کوزہ کا پانی ندی مین چلا جاتا ہے تو ندی ہو جاتا ہے،،

اختلاف حال | صوفیہ کے کلام مین اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی کہتے ہین کہ ہمکو معلوم نہین۔ نہ کسی کو کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔

مردم ورانتظار و درین پردہ راہ نیست　　یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

کبھی کہتے ہین کہ سب کچھ معلوم ہی۔ ع ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست۔

لیکن حقیقت مین تناقض نہین۔ جسطرح عام انسانون کی مختلف حالتین ہوتی ہین۔ کبھی ایک چیز کو پسند کرتا ہے کبھی اس سے گھبرا جاتا ہے۔ کبھی دوستونکی صحبت کا شائق ہوتا ہے۔ کبھی چاہتا ہے کہ کوئی پاس تک نہ آنے پائے، اسطرح عالم حال مین مختلف کیفیتین نظر آتی ہین۔ ہر حال مین جو کچھ پیش آتا ہی صوفی کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ یہ کلام بظاہر تناقض معلوم ہوتے ہین۔ لیکن ان مین واقعی تناقض نہین۔ کیونکہ دونون باتین ایک حالت کی نہین ہین۔ چونکہ انسان بالطبع جدت پسند ہے۔ اسلیے عارف بھی کبھی خاص حالت مین رہنے پر قانع نہین ہوتا۔ تصوف مین بسط کا مقام نہایت پرلطف ہے اسمین عارف پر مسرت اور خوشی کا نشہ چھا جاتا ہے۔ تاہم اس حالت سے بھی جی گھبرا جاتا ہے، مولنا روم فرماتے ہین۔

یک جہان تنگدل ماز فراخئ نشاط ۔۔۔ یک نفس عاشق آنیم کہ دلتنگ شویم

یعنی تمام لوگ تنگدل ہین اور ہمپر اسقدر مسرت کا انبار ہے کہ چاہتے ہین کہ ذرا دم بھر کے لیے تنگ دل ہو جائین۔

عارف جس حالت مین ہوتا ہے اس سے اوپر ترقی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور موجودہ حالت کو قید خانہ اور حبس سمجھتا ہے۔ مولنا روم فرماتے ہین۔

اے برگ توت یافتی تا شاخ را بشگافتی ۔۔۔ چون رستی از زندان بگو تا من درین حبس آن کنم

پتہ کا مادہ درحقیقت شاخ مین مخفی ہوتا ہے۔ جب موسم آتا ہی تو پھوٹ کر نکل آتا ہی۔ شاعر پتہ سے

مخاطب ہوکر کہتا ہو کہ اے پتے! تونے قوت حاصل کی نہ شاخ کو توڑکر نکل آیا۔ تونے اِس قیدخانہ سے کیونکر رہائی پائی مجکو بھی وہ طریقہ بتائے کہ مین بھی اس قیدخانہ سے نکل آؤن۔

ذکر و تسبیح | ارباب ظاہر اور زہّاد خدا کے نام کو بار بار زبان سے ادا کرنیکو ذکر اور تسبیح سمجھتے ہین۔ اسی بنا پر صد دانہ اور ہزار دانہ تسبیح کا رواج ہے۔ جسقدر زیادہ تعداد ہوگی اسی قدر زیادہ ثواب ہوگا۔ لیکن ارباب حال اسکو ذکر نہین کہتے۔ اُن کے نزدیک اگر ہزارون لاکھون دفعہ اللہ اللہ زبان سے کہا جائے تو کچھ حاصل نہین جسطرح حلوا کا لفظ بار بار کہنے سے زبان شیرین نہین ہو سکتی ذکر اس کا نام ہو کہ خدا کی ذات وصفات کا تصور دلپر مستولی ہوجائے۔ اس حالت مین جو کچھ زبان سے نکلے گا سب ذکر ہے۔

ہر چیز کہ گوید آدمی تسبیح است   گر بشناسد بواجبی سبحان را

یعنی اگر آدمی خدا کو پہچان لے اور معرفت الٰہی کا درجہ حاصل ہوجائے تو جو کچھ زبان سے کہے گا سب تسبیح ہے۔

تصوف اور فلسفہ و زہد کا فرق | تصوف مین بہت سی ایسی باتین ہین جہان تصوف اور فلسفۂ وزہد کے ڈانڈے بظاہر ملجاتے ہین اور ایک ظاہر بین کو دھوکا ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ فلسفہ اور تصوف مین علم و عمل کا فرق ہے۔ فلسفی جانتا ہے۔ صوفی دیکھتا ہے ارسطو دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ سچ اچھی چیز ہے۔ گو خود جھوٹ بول جاتا ہے۔ لیکن صوفی کی زبان سے بلا قصد بھی سچ ہی نکلتا ہے فلسفی دلیل سے ثابت کرتا ہے کہ شکر مین مٹھاس ہے۔ لیکن صوفی چکھ کر بتاتا ہے کہ شیرین ہے۔

زہد اور تصوف زیادہ ہمرنگ نظر آتے ہین۔ لیکن درحقیقت ہزارون کوس کا فرق ہے
بے شبہہ ایک زاہد عبادت گذار، اسی طرح زہد و عبادت کرتا ہے جسطرح ایک صوفی کرتا ہے
زاہد بھی دنیا سے بے تعلق ہوتا ہے۔ رات رات بھر جاگتا ہے گناہون سے بچتا ہے خدا کے
خوف سے کانپتا رہتا ہے۔ لیکن اُس مین اور صوفی مین نوکر اور عاشق کا فرق ہے۔ نوکر
آقا کا کام کرتا ہے، اس سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لیے محنتین اٹھاتا ہے۔ جانبازیان کرتا ہے
آقا کو چھوڑ کر اورونکے آگے ہاتھ نہین پھیلاتا۔ لیکن یہ سب اسلیے کرتا ہے کہ آقا خوش رہے اسکا مشاہرہ
بڑھ جائے۔ اس کو انعام دے۔ زاہدون اور عبادت گذارون کا بھی یہی حال ہے وہ
عبادت اس لیے کرتے ہین کہ قیامت مین بہشت ملے گی، حور و غلمان ہاتھ آئین گے
دودھ اور شہد کی نہرین نصیب ہونگی۔ ورنہ کہین خدا ناراض ہوگیا تو دوزخ مین جلنا ہوگا
خون اور پیپ کھانے کو ملے گی۔ سانپ بچھو کاٹین گے۔

این خلق کہ عقل را بہ خود نا خلف است ۔ بے خوف و رجا ر و نار و جنت تلف است
چون خر کہ براہ راست آرند اورا ۔ خوف چوب است یا رجاے علف است

یعنی عام لوگ جنت و دوزخ کی امید و بیم کے بغیر اخلاق حسنہ اختیار نہین کر سکتے، جسطرح
گدھے کو جو چیز راستہ پر چلاتی ہے یا ڈنڈے کا ڈر ہے یا گھانس کا لالچ۔

لیکن صوفی کے زہد و عبادت کو ان چیزون سے تعلق نہین، اُسکو نہ انعام کی خواہش
ہے، نہ عقاب کا خوف نہ نیکنامی کی ہوس نہ بدنامی کی پروا بے شبہہ وہ بھی سختیان جھیلتا
ہے مصیبتین اٹھاتا ہے۔ رات رات بھر نہین سوتا۔ لیکن یہ سب اسلیے ہے کہ عشق و محبت

کا تقاضا ہے۔ ان باتون سے خود اس کو خوشی ہوتی ہے۔ مزہ ملتا ہی۔ لطف اُٹھاتا ہے
اس لیے آپ سے آپ یہ افعال اُس سے سرزد ہوتے ہین۔ روزے رکھتا ہے۔ یعنی
کھانے پینے کی پروا نہین۔ احرام باندھتا ہے یعنی لباس سے غرض نہین۔ زکوۃ دیتا ہی
یعنی مال و دولت اُسکی نظرون مین ہیچ ہی۔ نمازین پڑھتا ہے۔ یعنی خیال یار مین مستغرق ہی

بہر یزدان می زید نے بہر گنج | بہر یزدان می مُرد نہ خوف و رنج
ترک کفرش ہم برائے حق بود | نہ زبیم آن کہ در آتش شود

روح اور روحانیات

تصوف کی زبان اس سے زیادہ کسی چیز سے آشنا نہین روح کی نسبت ہمیشہ سے اختلاف رہا ہی۔ ایک فریق بالکل منکر ہے۔ جو معترف ہین انکو اسکی ماہیت اور حقیقت مین اختلاف ہے۔ جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

متکلمین۔ روح ترکیب عنصری سے پیدا ہوتی ہے اور مرنے کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے قیامت مین جب دوبارہ جسم پیدا ہوگا تو روح بھی ساتھ پیدا ہوگی۔

حکماے اسلام۔ جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن پھر فنا نہین ہوتی۔

اشراقیین وغیرہ۔ قدیم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

حضرات صوفیہ کے نزدیک روح ازلی اور ابدی چیز ہی۔ لیکن وہ ایک جوہر واحد بسیط ہے۔ افراد انسانی مین اس کا تعدد اس طرح ہے جس طرح آفتاب کا نور ہی جو تمام عالم مین چھایا ہوا ہے۔ لیکن جن چیزون پر منعکس ہوتا ہے انکے اختلاف حالت سے اسکی کیفیت اور صورت بدل جاتی ہے۔

روح کا ثبوت اور اسکی حقیقت، حضرات صوفیہ کشف اور مشاہدہ سے بیان کرتے ہین اس مین سے جسقدر الفاظ کا پیرایہ قبول کر سکتا ہے ہم اس کو ذیل مین بدفعات لکھتے ہین۔

(۱) یہ صاف نظر آتا ہے کہ عالم مین جو چیزین ہین اُن مین مادہ کے ساتھ ایک اور چیز پائی جاتی ہے اور وہی اسکی جان ہوتی ہے۔ مثلاً پھول مین خوشبو، جسم مین حرکت، ستارہ مین نور، ہوا مین تموج، پانی مین روانی، وغیرہ وغیرہ۔ روح کی ابتدائی تصویر کے ذہن نشین کرنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب لطیف چیزین ہیں، ان اشیا کی روح ہین۔ جاندار چیزون مین جس چیز کو لوگ جان یا روح کہتے ہین وہ بھی اس تعبیر کے لحاظ سے روح ہے (لیکن یہ حیوانی روح ہے) لیکن جس طرح جسم مین یہ روح ہے اور اس روح کی بدولت جسم مین حرکت، تعقل اور ادراک پایا جاتا ہے اسی طرح خود یہ روح اصلی روح نہین۔ اصلی روح ایک اور جوہر لطیف ہے جو اس حیوانی روح سے ایک خاص قسم کا تعلق رکھتی ہے مولانا روم حیوانی روح اور اصلی روح کا فرق اس طرح بیان کرتے ہین۔

غیر فہم و جان کہ در گاؤ وخر است | آدمی را عقل و جانِ دیگر است
آن چنان کہ پرتوِ جان بر تن است | پرتوِ جانانہ، بر جانِ من است

یعنی حیوانات مین جو ادراک اور روح ہے اسکے علاوہ انسان مین ایک اور روح ہی، اور حیوانی روح کو جو تعلق انسان کے جسم سے ہی۔ اسی قسم کا تعلق، اصلی روح کو اس حیوانی روح سے ہے،

حدِّ جسمت یک دو گز خود بیش نیست | جان تو تا آسمان جولان کنی ست

بازنامہ روح حیوانی است این　　　بیشتر رو، روح انسانی است این

ان شعرون مین پہلے جسم اور روح کا فرق بتایا ہے کہ جسم کی مقدار ایک دو ہات ہے لیکن روح کی دسترس آسمان تک ہے۔ پھر کہتے ہین کہ یہ روح جو آسمان تک پہنچتی ہے یہ بھی حیوانی روح ہے۔ انسانی روح اس سے بھی بالاتر ہے،

(۲) روح ایک جوہر واحد بسیط ہے۔ افراد انسانی مین اس کا تعدد اس طرح ہے جسطرح آفتاب کی روشنی ایک بسیط چیز ہے جو تمام عالم مین چھائی ہوئی ہے۔ لیکن آئینہ مین پانی مین۔ دریچہ مین۔ روزن مین الگ الگ نظر آتی ہے اور ایک کے بجائے، اسکے ہزارون وجود نظر آتے ہین۔

ہمچو آن یک نور خورشید سما　　　صد بود نسبت بہ صحن خانہ ہا

جسطرح آفتاب کا ایک نور کہ صحن کے تعدد کی وجہ سے سیکڑون نور بن جاتا ہے،

یعنی آفتاب کی روشنی مختلف امکنہ مین دیکھی جاے تو متعدد معلوم ہوگی۔ لیکن اگر مکانات ڈھا دیے جائین تو ایک نور نظر آے گا۔ اسی طرح روح ایک مفرد بسیط شے ہے لیکن مختلف اجسام مین آکر متعدد اور مختلف معلوم ہوتی ہے۔

(۳) روح کا اصل مرکز عالم قدس ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو روح عالم قدس مین جاکر ملجاتی ہے۔ خواجہ فریدالدین عطار نے اس مسئلہ کو سب سے زیادہ عمدگی سے ادا کیا ہے،

از موت و حیات چند پرسی؟ از من　　　خورشید بہ روزنے درافتاد و برفت

موت اور زندگی کی نسبت کیا سوال کرتے ہو دھوپ ایک دریچہ مین آئی اور نکل گئی،

انسان عالم اکبر ہی | روح کی جو حقیقت بیان ہوئی اس کے لحاظ سے حضرات صوفیہ انسان کو عالم اکبر کہتے ہین۔ تمام عالم موجودات کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے۔ یہ ہے۔ جماد۔ نبات، حیوان، انسان، اہل مذہب اور بعض حکما ایک درجہ اور قرار دیتے ہین یعنی مجردات (فرشتہ) انھین موجودات کے مجموعہ کا نام عالم ہے۔ حضرات صوفیہ کہتے ہین کہ انسان جماد بھی ہے نبات بھی۔ حیوان بھی، انسان بھی، فرشتہ بھی، اور چونکہ کوئی مخلوق ایسی نہین جوان تمام مراتب کا مجموعہ ہو اس لیے انسان سب سے بڑا عالم ہی۔ اسی بنا پر تصوف کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو بیرونی علوم وفنون کے سیکھنے اور عالم کے مشاہدے اور تحقیقات کی ضرورت نہین۔ انسان خود ہی تمام عالم اور صانع عالم کا مظہر ہے وہ اپنے کو جان لے تو اسنے سب کچھ جان لیا۔

رازِ دو جہان و مردہ و زندہ آن　　　از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را

دو جہان اور انکی فنا وبقا کا راز اپنے آپ سے سنو کہ تم سب کے ترجمان ہو

ما پرتوِ نور بادشاہِ ازلیم　　　فرزند نہ ایم آدم و حوا را

ہم نور ازل کے پرتو ہین۔ ہم آدم و حوا کے فرزند نہین ہین،

حضرات صوفیہ کے نزدیک انسان سے بڑھکر کوئی چیز نہین، انسان حاصل کائنات ہے، وہ خدا کا مظہر ہے۔ وہ شان الٰہی کا طلسم ہے۔ وہ ایک لحظہ مین عرش تک پہنچکر پھر آسکتا ہی آفتاب ماہتاب بہشت دوزخ زمین آسمان سب اسکے بازیچہ گاہ ہین۔

این کُنہ خلوت کہ نُہ فلک می نامند　　　گر راست شوی یکے بہ بلائے تو نیست

تا ترا پردۂ تو ساختہ اند　　　عالم از کردۂ تو ساختہ اند

تم کو تمہارا پردہ بنایا ہے دنیا تمہارے ہی کردار سے بنی ہے

ہر چہ در آسمان گردان است　　　در تو چیزے مقابل آنست

جو کچھ آسمان میں ہے اس کی برابر کی ایک چیز تم میں موجود ہے

نسخۂ عالم کبیر تو ئی　　　گرچہ در آب و گل صغیر تو ئی

تم عالم اکبر کا نسخہ ہو گو آب و گل کے لحاظ سے صغیر ہو

وحدت از مطلعت ہویدا شد　　　در تو گم گشت و از تو پیدا شد

وحدت تمہاری ہی ذات سے ظاہر ہوئی، تم میں گم ہوئی اور تم ہی میں سے نکلی

بہت سے اسرار کہنے کے قابل نہیں | شریعت اور طریقت کے بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ انکی تشریح نہیں کیجا سکتی ورنہ عوام بلکہ خواص تک ان کے منکر ہو جائیں. مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے. قرآن مجید میں بہت سی آیتیں اس کے متعلق آئی ہیں لیکن اس کے دونوں پہلو خطرناک ہیں. اگر مانا جائے کہ آدمی کو کچھ اختیار نہیں. جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے تو شریعت کا تمام سلسلہ بیکار ہوا جاتا ہے. کیونکہ جب انسان کو کچھ اختیار نہیں تو اس کو کسی قسم کا حکم نہیں دیا جا سکتا. اس بنا پر عذاب ثواب سب بیکار بخلاف اس کے اگر یہ مانا جائے کہ انسان مختار ہے جو چاہے کرے. تو خدا پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس نے انسان کو کیوں ایسا اختیار دیا کہ وہ گناہوں اور برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں مذکور ہیں اور بظاہر ان میں تناقض معلوم

ہوتا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہین کہ اگر انکی گرہ کھول جاے تو دفعۃً سیکڑون مشکلات پیدا ہو جائینگی۔ حضرات صوفیہ ان مسائل کو راز کہتے ہین۔ اور انکے متعلق کسی قسم کی گفتگو کی اجازت نہین دیتے۔

حقایق ہاے نیک و بد بہ شیر خفتہ می ماند | کہ عالم راز ند برہم چو دستی برنہی براو

یعنی خیر و شر کی حقیقت سوئے ہوے شیر کے مشابہ ہی کہ اگر اُس پر ہاتھ رکھدو اور شیر جاگ اُٹھے، تو ایک ہلچل پڑ جائے۔ عرفاے کاملین ان اسرار سے باخبر ہوتے ہین۔ لیکن اُن کا ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہین۔ خواجہ حافظ کہتے ہین۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز | ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

لیکن علماے ظاہر سرے سے ان مسائل کی حقیقت سے بیخبر ہوتے ہین۔ اسی بنا پر خواجہ حافظ رندانہ اندازمین فرماتے ہین۔

بسر خدا کہ عارف و سالک بکس نہ گفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

یعنی خدا کا بھید جسکو زاہد اور سالک نے نہین بتایا مجکو حیرت ہی کہ بادہ فروش نے کہان سے سن لیا۔" بادہ فروش سے عارف مراد ہے

عالم کائنات کے اسرار معلوم نہین ہوسکتے

عالم مین جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے۔ فلسفی ہر ایک کا سبب اور مصلحت و غرض بتانے کا دعوے کرتا ہی لیکن ارباب حال کے نزدیک یہ ازلی اسرار ہین جو بالکل معلوم نہین ہوسکتے تمام صوفی شعرا نے اس مضمون کو (اسرار کا غیر معلوم ہونا) نہایت بلند آہنگی اور مختلف طریقون سے ادا کیا ہے،

بروای زاہد خودبین کہ زچشم من وتو　　رازاین پردہ نہان است ونہان خواہد بود

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من　　وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ، گفت و گوی من و تو　　چون پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من
راز درون پردہ چہ داند فلک خموش　　ای مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

رسوم وقیود وبت پرستی انسان کے مدرکات چونکہ تمامتر حواس سے ماخوذ ہین اسلیے وہ کوئی کام محسوسات کے سہارے کے بغیر نہین کرسکتا۔ بلکہ کوئی خیال محسوسات سے الگ ہوکر نہین کرسکتا۔ تمام مذاہب نے خدا کو بیچون وچگون مانا ہے۔ لیکن تمام مذاہب مین بت پرستی یا بت پرستی کا شائبہ موجود ہے مسلمانون سے زیادہ کسی مذہب نے تنزیہ کی تعلیم نہین کی، یعنی یہ کہ خدا کو زمان ومکان، فوق وتحت، سمت وجہت سب سے منزہ سمجھا جاے لیکن عام مسلمان عرش وکرسی کی نسبت جو خیال رکھتے ہین اور جس تخیل سے کعبہ کا طواف کرتے ہین، وہ بت پرستی کے اثر سے خالی نہین۔ یہان تک کہ ان مین ایک خاص فرقہ پیدا ہوگیا۔ جو خدا کو جسم مانتا ہے۔ محدثین بھی خدا کے جلوس عرش اور وجہ اور ید کے قائل ہین صرف یہ کہتے ہین کہ خدا کا منھ اور ہاتھ ایسے نہین جیسے ہمارے ہین۔

لیکن تصوف تمامتر تنزیہ ہے۔ حضرات صوفیہ اگرچہ ہمہ اوست کے قائل ہین۔ لیکن وہ اُسی شاہد حقیقی کے طالب ہین جو تعین اور تشخص بلکہ اطلاق کی قید سے بھی آزاد ہے، صوفی کو حرم اور کعبہ سے انکار نہین لیکن وہ جانتا ہی کہ یہ پس ماندگان راہ کی منزل ہی،

کعبہ را ویران نکن ای عشق کانجا یک نفس　　گہ گہے پس ماندگان راہ منزل میکنند

ایک عابد حرم اور کعبہ کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے، صوفی اس نگاہ سے نہین دیکھتا۔ اس بنا پر کہتا ہے،

جادہ بر من مفروش ای بالک حاج کہ تو　　خانہ می بینی، و من خانہ خدا می بینم

اے حاجی تو گھر کو دیکھتا ہے اور مین گھر والے کو دیکھتا ہون

ساکن کعبہ کجا و دولت دیدار کجا　　این قدر ہست کہ در سایۂ دیوار ہست

کعبہ مین بیٹھنے والے کو دولت دیدار سے کیا تعلق ہی۔ اتنی بات البتہ ہی کہ ایک دیوار کی سایہ مین ہے

رضا بالقضاء | یہ مقام، مقام عشق ہی کا ایک اثر ہے۔ عارف جب معشوق حقیقی کے نشہ محبت مین چور ہوتا ہے تو اس کو دنیا کی مصیبتون اور تکلیفون کا احساس نہین ہوتا بلکہ تمام حوادث اس کو شاہد حقیقی ہی کی ادائین اور کرشمے معلوم ہوتے ہین اور زہر بھی اسکو تریاق کا مزہ دیتا ہے۔ حضرت بہلول نے ایک درویش سے پوچھا تھا کہ تمھاری زندگی کیسی گذرتی ہے۔ درویش نے کہا تمام عالم میرے اشارون پر چل رہا ہے۔ بہلول نے اس اجمال کی تفصیل پوچھی۔ درویش نے جواب دیا کہ

این قدر بشنو کہ چون کلی کار　　می نگردد جز بہ امر کردگار

یہ سن لو کہ جب تمام کام اسکے حکم سے ہوتے ہین

چون قضائے حق رضائے بندہ شد　　حکم او را بندۂ خواہندہ شد

تو خدا کی مرضی اور بندہ کی خواہش ایک ہی چیز ہی اسلیے مین وہی چاہتا ہون جو ہوا ہے اور ہوتا ہے

یعنی مین نے اپنی خواہش، رغبت، آرزو کو رضاے الٰہی مین فنا کر دیا ہے۔ اس لیے زمین و آسمان مین جو کچھ ہوتا ہے مجکو نظر آتا ہے کہ میری ہی مرضی کے موافق ہو رہا ہے اسلیے مین وہ ہون کہ

سیل و جوہا بر مراد او روند　　　اختران زان سان کہ او خواہد شوند

دریا اور سیلاب میری ہی مرضی کے موافق چلتے ہین۔ ستارے میرے کہنے کے مطابق گردش کرتے ہین

بے رضای او نیفتد ہیچ برگ　　　بے قضاے او نیاید ہیچ مرگ

میری مرضی کے بغیر ایک پتہ درخت سے نہین گرتا میری مرضی کے بغیر کوئی موت نہین واقع ہوتی

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ　　　در جہان ز اوج ثریا تا سمک

میری مرضی کے بغیر زمین سے آسمان تک ایک رگ بھی جنبش نہین کر سکتی۔

خدا کی حقیقت معلوم نہین ہوسکتی

فلسفی اور متکلم دونون خدا کے ذات و صفات جاننے کے مدعی ہین لیکن عارف کے نزدیک خدا وہی ہے جسکو ہم نہین جان سکتے۔ جو چیز عقل و فہم و خیال اور تصور سے بالاتر ہے وہی خدا ہے۔

اوحدی نے اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے:

چون عقل و خیال و وہم فانی گشتند　　　بنگر کہ بہ باقی است ہم او دلدار است

یعنی جب عقل، خیال اور وہم فنا ہو جائین تو جو چیز باقی رہ جاے وہی خدا ہے،

عالم غیب کے واقعات کے بیان کرنے کا طریقہ

عالم غیب کے واقعات جس پیرایہ مین بیان کیے گئے ہین انکی نسبت ارباب ظاہر کا خیال ہے کہ بعینہ اسی طرح وہ موجود ہونگے۔ مثلاً

قیامت مین خدا عرش پر بیٹھ کر آے گا، فرشتے تخت کو تھامے ہون گے۔ ترازو قایم کی جاے گی لوگون کے نامۂ اعمال تولے جائین گے، ان واقعات کو ارباب روایت اصلی واقعات سمجھتے ہین، اشاعرہ کے نزدیک چونکہ اس سے خدا کا جسم ہونا لازم آتا ہے اور جسم کے لیے فنا اور حدوث لازم ہے اس لیے وہ ان الفاظ کی تاویل کرتے ہین اسی بنا پر استوا، عرش کے معنی وہ اقتدار اور قدرت کے لیتے ہین، لیکن باقی واقعات کو اشاعرہ بھی حقیقی معنی مین لیتے ہین اور کچھ تاویل نہین کرتے۔

لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک عالم غیب کے جس قدر واقعات ہین، وہ ہمارے فہم اور خیال مین نہین آسکتے، کیونکہ ہماری عقل محسوسات کے سوا کسی چیز کا تصور نہین کر سکتی، اور عالم غیب حس سے بالاتر ہے۔ اس بنا پر ان واقعات کو محسوسات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے۔ مولنا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ بچون کو جب پڑھاتے ہین تو اُنھی کی زبان مین پڑھاتے ہین۔

چونکہ با اطفال کارت اوفتاد　　　ہم زبانِ کودکان باید کشاد

جب تم کو بچون سے کام پڑا، تو بچون ہی کی زبان بولنی چاہیے،

کم نگردد فضل استاد از علو　　　گر "الف چیزے ندارد" گوید او

یعنی اگر کوئی فاضل بچہ کو پڑھاتے وقت یہ کہے کہ "الف خالی" تو اس سے اسکے فضل وکمال مین کچھ نقص نہین آتا۔

سحابی کہتے ہین،

گر زان کہ پدر زبان کودک گوید ‌ ‌ ‌ ‌ عاقل داند کہ آن پدر کودک نیست

یعنی اگر کوئی شخص بچہ کی زبان بولے تو عاقل لوگ یہ نہین سمجھین گے کہ وہ خود بھی بچہ ہے۔

ابلیس و شیطان — حضرات صوفیہ کے نزدیک عالم اکبر خود انسان ہے، اور فرشتہ و شیطان خود اس کی قوت خیر و شر کا نام ہے۔ ع۔ در تو یک یک آرزو ابلیس تست،

مولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح مثنوی مین اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہی اور ہم اس کو سوانح مولانا روم مین نقل کر چکے ہین۔ صوفی شعرانے مختلف لطیف طریقون سے اس خیال کو ادا کیا ہے۔ خواجہ عطار نے ایک فرضی حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے ایک درویش سے جا کر شکایت کی کہ ابلیس سے مین بہت تنگ آگیا ہون، کیا کرون؟ انھون نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ ابلیس میری پاس آیا تھا اور شکایت کی کہ مین فلان شخص (اس شکایت کرنے والے سے) سے نہایت عاجز آگیا ہون وہ میرے مقبوضات پر قبضہ کیے لیتا ہے اور مجکو بے دخل کرتا ہے۔

عاقلے شد پیش آن صاحب جلہ ‌ ‌ ‌ ‌ کرد از ابلیس بسیارے گلہ

مرد گفتش کاے جوان مرد عزیز ‌ ‌ ‌ ‌ آمدہ بُد پیش از ین ابلیس نیز

خستہ دل بود از تو و آزردہ بود ‌ ‌ ‌ ‌ خاک از ظلم تو بر سر کردہ بود

تو بگو او را کہ عزم راہ کن ‌ ‌ ‌ ‌ دست از اقطاع من کوتاہ کن

وحدت فی الکثرۃ — حضرات صوفیہ چونکہ زیادہ تر مراقبہ اور مجاہدہ کرتے ہین اس لیے اکثر عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کرتے ہین کہ خیال کی یکسوئی مین کوئی فرق نہ آئے

لیکن جب عارف زیادہ ترقی کرجاتا ہے تو کوئی چیز اس کے اطمینان اور یکجہتی مین خلل انداز نہین ہوسکتی، زن و فرزند، اہل و عیال سب ہوتے ہین، مگر وہ کسی سے وابستہ نہین ہوتا۔ لوگ اس کے سامنے ہر قسم کی باتین اور تذکرے کرتے رہتے ہین وہ خبر تک نہین ہوتا۔ اس کو وحدت فی الکثرۃ کہتے ہین۔ ایک صوفی اس مقام کی یون تشریح کرتا ہے۔

گر خلق ایند، غزلے لازم نیست ازکور چہ احتیاج پنہان شدن است

یعنی چونکہ عام لوگ واقف راز نہین اس لیے ان کا وجود و عدم برابر ہے، انکے شریک صحبت ہونے سے عارف پر کوئی اثر نہین پڑتا۔ جس طرح اندھے کے سامنے کوئی پردہ نہین کرتا۔

اخلاقی شاعری

اخلاقی شاعری پر مختلف حیثیتون سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

۱۔ ابتدا اور نشوونما،

۲۔ وسعت،

۳۔ معیار کمال

اخلاق کے جستہ جستہ عنوان پند و اعظت کے طریقہ پر ابتدا ہی سے شعرا کے کلام مین آجاتے تھے۔ لیکن مستقل لٹریچر کی بنیاد بدایعی بلخی نے ڈالی۔ بدایعی کا نام محمد بن محمود بلخی ہے، وہ سلطان محمود کے زمانہ مین تھا، نوشیروان نے مسائل اخلاق کے متعلق اپنے خیالات قلمبند کراے تھے، جو پندنامہ کے نام سے موسوم ہین۔ اور فارسی علم ادب کی بہترین یادگار خیال کیے جاتے ہین، بدایعی نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا۔ یہ کتاب آج نایاب ہے لیکن مجمع الفصحار کے مصنف نے بہم پہنچائی، اور چند اشعار انتخاباً اپنی کتاب مین درج کیے

اس کے بعد اخلاقی شاعری روز بروز ترقی کرتی گئی جسکے مختلف اسباب تھے،

۱۔ تصوف کو اخلاق سے نہایت قریب کا تعلق ہے۔ اسلیے صوفیانہ شاعری کا بڑا حصہ اخلاقی شاعری کے حصہ مین آیا۔

۲- اکابر شعرا شلاً سنائی، نظامی، سعدی محض شاعر نہ تھے، بلکہ صوفی اور عارف بھی تھے، اس لیے ان کی شاعری کا اخلاق سے خالی ہونا ممکن نہ تھا۔

ان اسباب نے اخلاقی شاعری کا جو بے پایان ذخیرہ پیدا کر دیا، اسکا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ نظامی نے مخزنِ اسرار تصوف اور اخلاق مین لکھی تھی، اس کے تتبع مین بے شمار مثنویان لکھی گئین، جن مین زیادہ تر اخلاقی ہی مسائل ہین۔ ان مین سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے:

نام مثنوی	نام مصنف	نام مثنوی	نام مصنف
مطلع الانوار	حضرت امیر خسرو دہلوی	مرآۃ الصفات	غزالی مشہدی
روضۃ الانوار	خواجوی کرمانی	نقش بدیع	ایضًا
مونس الابرار	فقیہ کرمانی	قدرت آثار	ایضًا
گلشن ابرار	محمد کاتبی	منظور انظار	رہائی مروی
تحفۃ الاحرار	جامی	مثنوی	نویدی شیرازی
منظر الابصار	قاضی سنجانی	مشاہد	داعی شیرازی
فتوح الحرمین	محی	مثنوی	قاسم کاہی
مظہر آثار	امیر ہاشمی کرمانی	مہر و وفا	سالم محمد بیگ
گوہر شہوار	عبدی جنابدی	مظہر اسرار	حکیم ابوالفتح دوائی
مشہد انوار	غزالی مشہدی	خلد برین	وحشی کرمانی۔

مجمع الابکار	عرفی شیرازی	مثنوی	حکیم حاذق گیلانی
زبدة الافکار	نیکی اصفہانی	نازو نیاز	نجاتی گیلانی
مرکز ادوار	فیضی	مثنوی	ابراہیم ادہم صفوی
مثنوی	زاہد	مثنوی	محمد تقی
مثنوی	میر محمد معصوم خان نامی	مثنوی	فدائی بیگ
مثنوی	مولانا علی احمد نشانی	مثنوی	مولنا غیاث سبزواری
تحفۂ میمونہ	محمد حسن دہلوی	مظہر الانوار	ہاشمی بخاری
مثنوی	شانی تکلو	مثنوی صفا	محمد باقر نائینی
منبع الانہار	ملاسی قمی	مثنوی	ملا صبحی
دیدۂ بیدار	حکیم شفائی اصفہانی	ایضاً	ملا محمد تبریعت
زبدة الاشعار	قاسمی گونابادی	"	مرزا علاء الدین محمد
دولت بیدار	ملا شیدا	"	طاہر وحید
مثنوی	شیخ بہاء الدین عاملی	"	والہی قمی
حسن گلوسوز	زلالی خوانساری	"	درویش حسین والہ ہروی
مثنوی	باقر خردہ فروش کاشانی	"	سنجر کاشی
مثنوی	حاجی محمد جان قدسی	"	فصیحی ہروی
مثنوی	علی قلی سلیم	مطلع الانوار	باقر داماد

مثنوی	جلال اسیر	مثنوی	اشرف ماژندرانی
〃	میر یحییٰ کاشی	〃	صادق تفرشی
مطلع انظار	علی حزین		

شعرائے ایران کے فلسفۂ اخلاق پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے بجائے ترقی کرنے کے، پستی اور بے قاعدگی کی طرف میلان ہوتا ہے، جو مسائل بار بار مختلف پیرایون مین ادا کیے جاتے ہین یعنی ترک دنیا، قناعت، توکل، تواضع، خاکساری، عفو، حلم، جود وسخا، ان مین کچھ باتین پست ہمتی پیدا کرنے والی ہین۔ کچھ اعتدال سے متجاوز ہین۔ کچھ اصولِ تمدن کے خلاف ہین، اور شاید اسی تعلیم کا اثر ہے کہ ان ملکون مین قوم کو آزادی اور حریت کا کبھی خیال نہین پیدا ہوا،

ہم کو اس سے انکار نہین کہ اس زمانہ مین اخلاقی تعلیم کا معیار اس قدر بلند نہ تھا اور شخصی حکومت مین اس سے زیادہ بلند ہو بھی نہین سکتا تھا۔ لیکن یہان ایک غلط فہمی بھی ہے۔ اخلاقی مسائل کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کی نسبت لوگون کو یہ معلوم نہین کہ اُن مین سے کیا چیز کس موقع کی ہے۔ حلم و تواضع کی تعلیم بے شبہہ عام آدمیون مین مُردنی اور افسردگی پیدا کرتی ہے۔ لیکن غور کرو ایشیائی ملکون مین خود سر سلاطین اور امراء، جبروت و اقتدار، غرور و تکبر، نخوت و جاہ کے پیکرِ مجسم ہوتے تھے، اور اس وجہ سے کسی کو اُن سے کچھ کہنے سننے کی جرات نہین ہوسکتی تھی، ان کے لیے تواضع، حلم، انکسار سے بڑھ کر کیا تعلیم ہوسکتی ہے، ہمارے اخلاقی واعظ

اس نکتہ سے بخوبی واقف ہین کہ ان اخلاقی اوصاف کے مخاطب امرا ہین غربا نہین

تواضع ز گردن فرازان نکوست　　　گدا اگر تواضع کند خوے اوست

جبار سلاطین جنکی حرکات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انکی زندگی اور حکومت دونون ابدی ہین انکو اس سے بڑھکر اور کیا نصیحت کی جاسکتی ہے،

مکن تکیہ بر عمر ناپائدار　　　مباش ایمن از بازیِ روزگار

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت　　　بہ سرچشمۂ بر بہ سنگے نوشت،

برین چشمہ چون ما بسے دم زدند　　　برفتند چون چشم بر ہم زدند

جن ملکون مین تحصیلِ معاش، جاہ و عزت، دولت و اقتدار حاصل کرنے کے لیے خوشامد، دربارداری، جوڑ توڑ، سازش کے بغیر چارہ نہو، وہان قناعت، گوشہ نشینی، کم طلبی کی تعلیم سے بڑھکر کیا تعلیم ہوسکتی ہے؟ جو حالات اس زمانہ مین موجود تھے آج پیش آئین تو یورپ کے حکما بھی وہی ہدایتین کرینگے جو آج سے کئی سو برس پہلے قدما نے کی تھین۔ اِس نکتہ کے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم اخلاقی تعلیم پر اجمالی ریویو کرتے ہین،

آزادی کی تعلیم ہر قسم کی عمدہ تعلیم، تربیت، عمدہ اخلاق، اس پر موقوف ہین کہ انسان محسوس کرے کہ وہ اپنے افعال و اقوال مین آزاد اور خود مختار ہے۔ لیکن شخصی حکومتون مین ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ جو کچھ ہے بادشاہ ہے۔ وہ کوئی چیز نہین، اس لیے انسان کے تمام سچے جذبات مر کر رہ جاتے ہین۔ تم سچ بولنا چاہتے ہو، لیکن نہین بول سکتے

کیونکہ ممکن ہے کہ حکمرانِ وقت ناراض ہو جائے؛ تم ایک گروہ کو مواعظِ حسنہ سے مسخر کر سکتے ہو۔ لیکن نہین کر سکتے۔ کیونکہ ڈر ہے کہ تمپر سازش اور ارادۂ بغاوت کی بدگمانی ہو، اس لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ حکومت کی جبّاری کا اثر کم کیا جائے۔ اس امر مین ایران صرف شعرا کا ممنون ہے، ایران بلکہ کل ایشائی ممالک مین ہر طرف در و دیوار سے حکومت پرستی کی صدائین آتی ہین "بادشاہ خدا کا سایہ ہے" "من اکرمہ اکرمہ اللہ ومن اھانہ اھانہ اللہ" ان فقرون نے مذہبی حیثیت حاصل کر لی تھی، اور ہر جمعہ کو خطبون کے ذریعہ سے یہ صدا آسمانی صدا بنکر ہزارون لاکھون کانون مین پڑتی تھی، اس آواز کے مقابلہ مین کوئی مخالف صدا بلند کرنا آسان نہ تھا، لیکن شیخ سعدی نے خود اپنے بادشاہِ وقت کو مخاطب کر کے کہا۔

خزاین پُر از بہرِ لشکر بود — نہ از بہر آئین و زیور بود

خزانے لشکر کے لیے ہین۔ شان و شوکت اور آرایش کے لیے نہین

چو دشمن خر روستائے برد — ملک باج و دہ یک چرا می خورد

جب چور دہقان کا جانور چرا لے جاتا ہے تو بادشاہ خراج کیون لیتا ہے

آرام طلب اور عیش پسند بادشاہون کو خطاب کر کے کہتے ہین۔

تو کے بشنوی نالۂ دادخواہ — بہ کیوان برت، کلّہ خوابگاہ

تم مظلومونکی فریاد کیا سنوگے، تمھاری خوابگاہ کی چھت تو آسمان سے ٹکراتی ہے

یہ کہتے کہتے شیخ عام اثر سے جھجک جاتا ہے۔ لیکن پھر بے غرضی اور آزادی کے زور

مین آکر کہتا ہے۔

دلیر آمدی سعدیا در سخن　　چو تیغے بدست است فتحے بکن

اے سعدی! تو بولنے مین دلیر ہے۔ جب تیرے پاس تیغ زبان ہی تو ملک فتح کر

بگو انچہ دانی کہ حق گفتہ بہ　　نہ رشوت ستانی و نہ عشوہ دہ

جو کچھ جانتا ہے کہہ، تو نہ رشوت خوار ہے نہ سخن ساز۔

زبان بند و دفتر ز حکمت بشوی　　طمع بگسل و ہرچہ خواہی بگوی

انکیانو، چنگیز خانی خاندان کی یادگار اور بادشاہِ وقت تھا، شیخ اس سے خطاب کرکے کہتا ہے،

سعدیا چندان کہ میدانی بگوے　　حق نشاید گفتن الا آشکار

اے سعدی، جو کچھ جانتا ہے، سب کہدے۔ سچ علانیہ ہی کہنے کی چیز ہے،

ہر کرا خوف و طمع در بار نیست　　از خطا باکش نباشد وز تتار

جسکے دل مین خوف اور طمع نہین ہی نہ اس کو خطا کا ڈر ہے نہ تتار کا،

ایک اور موقع پر انکیانو سے کہتے مین۔

چنین پند از پدر نشنیدہ باشی　　الا گر ہوشیاری بشنو از عم

ایسی نصیحتین تو نے اپنے باپ سے بھی نہین سنی ہونگی ہان، اگر تجھکو عقل ہی تو چچا سے سُن

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ　　سخن، ملکیست سعدی را مسلّم

ہر شخص بے باکانہ سچ نہین بول سکتا۔ گویائی ایک ملک ہی جو سعدی کے لیے مسلّم ہوچکا

جابر بادشاہون کے مقابلہ مین اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جو طریقے اختیار کیے جا سکتے تھے یہ تھے۔

۱۔ ثابت کیا جائے کہ بادشاہت کا مقصود رعایا کا راحت و آرام ہے اور سلطنت کی آمدنی بادشاہ کی ملک نہین بلکہ قوم کی ملک ہے،

۲۔ بادشاہون کے مقابلہ مین حق گوئی اور آزادی کی مؤثر مثالین پیش کیجائین۔

۳۔ خود سلاطین کی زبان سے اِن خیالات کا اعتراف کیا جائے۔

۴۔ نوکری اور ملازمت کی بُرائی بیان کی جائے۔

۵۔ حکومت اور سلطنت کی بے ثباتی اور بے استقلالی، مختلف پیرایون مین ثابت کی جائے،

شعرا نے یہ تمام باتین نہایت مؤثر طریقہ سے ادا کین۔ ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین۔

بادشاہ کی غرض رعایا کا آرام اور آسایش ہے

اس مضمون کو شعرا نے کبھی خود اپنی طرف سے، کبھی کسی اور کی، کبھی سلاطین کی زبان سے ادا کیا ہے۔ مثلاً۔

شنیدم کہ در وقت نزع روان　　　بہ ہرمز چنین گفت نوشیروان

مین نے سنا ہے کہ مرتے وقت نوشیروان نے ہرمز سے کہا تھا

کہ خاطر نگہدار درویش باش　　　نہ در بند آسایش خویش باش

کہ فقرا کی خاطر داری کا خیال رکھو۔ اپنے آرام کی فکر مین نہ ہو

شنیدم کہ فرمان دہے دادگر   قبا داشتے ہر دو رو آستر

مین نے سنا ہی کہ ایک عادل بادشاہ ایسی قبا پہنتا تھا کہ دونون طرف استر ہوتا تھا

یکے گفتش اے خسرو نیک روز   قبائے ز دیبائے چینی بدوز

کسی نے کہا کہ حضور چینی کمخواب کی قبا بنوائین

بگفت این قدر ستر و آسایش است   وزین بگذری زیب و آرایش است

بولا کہ پردہ پوشی اور آرام کے لیے اتنا ہی بس ہی، باقی بناؤ سنگار ہے۔

مرا ہم ز صد گونہ آز و ہوا است   ولیکن نہ تنہا خزانہ مرا است

میرے دلمین بہت سی خواہشین پیدا ہوتی ہین۔ لیکن خزانہ صرف میرا مال نہین

بادشاہون کے مُواجہ۔ اس مضمون کو شعرانے نہایت موثر اور بلیغ طریقون سے ادا کیا ہی۔ آزادی اور حقگوئی مین سکندر اور دیوجانس کلبی کے واقعہ کو میر حسینی نے زاد المسافرین مین نہایت پُراثر طریقہ سے لکھا ہے:

این طُرفہ حکایت است بنگر   روزے ز قضا مگر سکندر

می رفت و ہمہ سپاہ با او   وان حشمت و ملک و جاہ با او

ویرانہ
ناگہ بہ خرابۂ گذر کرد   پیرے ز خرابہ سر بدر کرد

پیرے نہ کہ آفتاب پُر نور   در چشم سکندر آمد از دُور

پرسید کہ این چہ شاید آخر   وین کیست کہ می نماید آخر

در گوشۂ این مُغاک دلگیر   بیہودہ نہ باشد این چنین پیر
غار

خود راند بدان مغاک چون گور   پیراز سر وقتِ خود نہ شد دور

خود اس غار کی طرف بڑھا۔ لیکن بڈھا خبر بھی نہ ہوا،

چون باز نہ کرد سوے او چشم   ناگاہ سکندرش بصد خشم

گفت ای شدہ غولِ این گذرگاہ   غافل چہ نشستۂ درین راہ

ہرچہ نہ کردی احترامم   آخر نہ سکندر است نامم

پیراز سرِ وقت بانگ برزد   گفت این ہمہ نیم جو نیرزد

نہ پشت و نہ روے عالمے تو   یک دانہ زکشت آدمی تو

دو بندۂ من کہ حرص و آز ند   بر تو ہمہ روز سرفراز ند

با من چہ برابری کنی تو   چون بندۂ بندۂ منی تو

قصہ یہ ہے کہ سکندر فوج و حشم کے ساتھ جا رہا تھا، ایک ویرانہ مین ایک بڈھا نظر آیا۔ سکندر اس کے پاس گیا۔ لیکن وہ خبر نہوا، سکندر نے اُس کو ڈانٹ کر کہا کہ تو جانتا نہین مین سکندر ہون، میری تعظیم کیون نہین کی، بڈھے نے کہا، میرے دو غلام ہین، لالچ اور حرص (یعنی ان دونون کو مین نے مغلوب کر لیا ہی) یہ دونون تجھ پر حکومت کر رہے ہین، جب تو میرے غلامون کا غلام ہے، تو میری برابری کیا کر سکتا ہے،

لیکن چونکہ یہ مدت دراز کا واقعہ تھا اس لیے نظامی اور سعدی نے اپنے زمانہ کی مثالین پیش کین۔

سنجر سلجوقیون مین سب سے بڑا بادشاہ گذرا ہے، ایک بڑھیا نے اس کے گھوڑے

کی باگ پکڑکر جس طرح اس کو بھلا بُرا کہا تھا نظامی مخزن اسرار مین اسکو یون ادا کرتے ہین

پیر زنے را ستمے در گرفت   دست زد و دامن سنجر گرفت

ایک بڑھیا پر ظلم ہوا اس نے سنجر کا دامن پکڑا اور کہا

کاے ملک آزرمِ تو کم دیده ام   از تو ہمه ساله ستم دیده ام

اے بادشاہ! مین نے تیرا انصاف کم دیکھا ہے۔ ہمیشہ ظلم ہی دیکھے ہین

شُحنۂ مست آمده در کوی من   زد لگدے چند فرا روی من

ایک مست سپاہی میرے گھر مین آیا۔ اور میرے گال پر کئی تھپڑ مارے

بے گنه از خانه ام برونم کشید   موے کشان بر سر خونم کشید

بے گناہ مجکو گھر سے نکال لایا۔ میرے بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا قتلگاہ مین لایا

گفت فلان نیم شب ای کوز پشت   بر سر کوے تو فلان را که کشت

مجھ سے کہا کہ او بڑھیا۔ تیری گلی مین فلان شخص کو کس نے مار ڈالا۔

گر نه دہی داد من ای شہریار   با تو رود روز شمار این شمار

اے بادشاہ اگر میرا انصاف نہ دیگا، تو قیامت کے دن اسکی پرسش ہوگی

چون که تو بیدادگرے پروری   تُرک نۂ ہندوے غارتگری

جب تو ظالمون کو پالتا ہے۔ تو تو ترک نہین، بلکہ غارت گر چور ہے۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ نظامی نے یہ مثنوی جس بادشاہ کی خدمت مین پیش کی تھی وہ سلجوقیون ہی کے خاندان کا ایک فرمان روا تھا۔

شیخ سعدی نے اس مضمون کو نہایت کثرت سے اور نہایت سچے اور پر اثر طریقون سے ادا کیا ہے، بادشاہ غور نے ایک مظلوم کو قتل کرنا چاہا ہے۔ وہ جان سے ہات دھو کر کہتا ہے۔

زنامہربانی کہ در دو ر تست | ہمہ عالم، آوازہ جور تست
نہ من کردم از دست جورت نفیر | کہ خلقی، ز خلقی یکے کشتہ گیر

یعنی مین ہی تجھ سے نالان نہین۔ بلکہ خلق کی خلق نالان ہے۔ ان مین سے ایک کو تو نے مار ڈالا تو کیا

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ دارا شکار کو نکلا، فوج پیچھے رہ گئی، ایک چرواہا دارا کی طرف بڑھا۔ دارا نے سمجھا کہ کوئی دشمن ہے اور حملہ کرنا چاہتا ہے، تیر چلہ مین جوڑا چرواہا پکارا کہ "مین دشمن نہین، سرکاری گھوڑے جنگل مین چراتا ہون"، دارا نے کہا خوش قسمتی سے تو بچ گیا ورنہ مین تیر زہ کر چکا تھا، چرواہے نے کہا، سبحان اللہ! مین گلہ کے ایک ایک گھوڑے کو پہچانتا ہون، آپ نے مجکو سینکڑون بار دیکھا ہے اور پہچان نہین سکتے۔

مرا بارہا در حضر دیدہ، | زخیل و چراگاہ پرسیدہ
کنونت بہ مہر آمدم پیش باز | نمی دانیم از بداندیش باز
توانم من اے نامور شہریار | کہ اسپے برون آورم از ہزار
دران دیار ملک از خلل غم بود | کہ تدبیر شاہ از شبان کم بود

اس سلطنت مین خلل ہوگا جہان بادشاہ ایک چرواہے کے بھی برابر نہین

شیخ نے آزادگوئی اور نکتہ چینی کی تعلیم، سلاطین اور امرا تک محدود نہین رکھی بلکہ

خلفاے راشدین کے مقابلہ مین بھی اس کو جایز رکھا، ایک روایت لکھی ہوکہ ایک دفعہ کسی نے حضرت علیؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے جواب دیا، حاضرین مین سے ایک نے کہا کہ یہ مسئلہ یون نہین ہے، آپ نے فرمایا اچھا تم بتاؤ، اس نے نہایت خوبی سے مسئلہ کو بیان کیا حضرت علی نے فرمایا "بے شبہہ مین نے غلطی کی تھی۔ تم نے صحیح جواب دیا۔

آج اس آزادی کے زمانہ مین بھی کسی مذہبی مقدس شخص کی غلطی پر کون گرفت کرسکتا ہے

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ کسی تنگ گلی مین حضرت عمر کا پانون کسی فقیر کے پانوٗن پر پڑگیا، اس نے جھلا کر کہا "تو اندھا ہے دیکھ کر نہین چلتا" حضرت عمرؓ نے فرمایا "مین اندھا نہین ہون۔ لیکن خیال نہ رہا، مجکو معاف کرو۔"

نہ کورم ویکن خطا رفت کار ندانستم از من خطا درگذر

اس قسم کی بہت سی حکائتین لکھی ہین جن سے دو نہین یہ ذہن نشین کرنا تھا کہ آزادی اور حق گوئی کے موقع پر خلیفہ، بادشاہ، حاکم سب برابر ہین، یہ بھی تعلیم دی ہو کہ آزادی مین جان کا خطرہ بھی برداشت کرنا چاہیے،

بوستان مین لکھا ہو کہ ایک شخص نے کسی بادشاہ کے سامنے کوئی بات کہی جو اس کو ناگوار گذری، اس نے ان کو قید کر دیا۔ لوگون نے اس شخص سے کہا کہ ایسے موقع پر حق گوئی مصلحت کے خلاف تھی، اسنے کہا "سچ بولنا خدا کا حکم ہے، قید خانہ سے مین نہین ڈرتا۔ یہ دو دن کی تکلیف ہو" بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ دو دن نہین بلکہ تمام عمر قید خانہ مین رہنا ہوگا" اس شخص نے کہلا بھیجا،

کہ دنیا ہمین ساعتے بیش نیست　　غم وخرمی بہ پیش درویش نیست

دنیا گھڑی دو گھڑی ہی۔ فقیر کے آگے غم اور خوشی، کوئی چیز نہین

بہ دروازۂ مرگ چون در شویم　　بہ یک ہفتہ با ہم برابر شویم

جب موت کے دروازہ پر جائین گے، تو ایک ہفتہ مین ہم تم برابر ہو جائین گے،

کلیم کہتا ہے

روشندلان خوشامد شاہان نہ گفتہ اند　　آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

جو روشندل ہین وہ کیسیکی خوشامد نہین کرتے، آئینہ نے کبھی سکندر کا عیب نہین چھپایا

ملازمت اور نوکری کی بُرائی

اخلاق کے تباہ اور برباد ہونے کا سب سے بڑا سبب، نوکری اور ملازمت ہے۔ ایشیائی دربارون کی نوکری مین عزتِ نفس کسی طرح قائم نہین رہ سکتی، اس لیے شعرا نے نہایت کثرت سے اور مختلف شاعرانہ طریقون سے نوکری کی برائیان بیان کی ہین، اس خاص مضمون کو ابن یمین، عمر خیام اور شیخ سعدی نے نہایت آزادی اور دلیری سے ادا کیا ہے اور چونکہ اس ہدایت پر خود اُن کا عمل تھا، اس لیے ان کی زبان سے یہ مضمون زیادہ پُر اثر ہو کر ادا ہوتا ہے ابن یمین کہتا ہے۔

اگر دو گاو بہ دست آوری و مزرعۂ　　یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی

اگر تم دو بیل اور کچھ کھیت مہیا کرلو۔ اور ان بیلون کا نام امیر اور وزیر رکھ لو،

ہزار بار ازان بہ کہ از پئے خدمت　　کمر ببندی و بر مردکے سلام کنی

تو اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ کمر باندھکر کسی مردک کو سلام کرو۔

دو قُرصِ نان اگر از گندم است یا از جو | دو تاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
دو چپاتیان، گیہون کی ہون، خواہ جو کی، دو جوڑے کپڑے، پرانے ہون، یا نئے
بچار گوشۂ دیوارِ خود، بہ خاطرِ جمع | کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو
اپنی چار دیواری کے اندر، اطمینان کے ساتھ، کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہان سے اٹھو اور وہان جاؤ
ہزار بار فزون تر بہ نزدِ ابن یمین | ز فر مملکت کیقباد و کے خسرو
ابن یمین کے نزدیک، کیقباد، اور کیخسرو کی سلطنت سے ہزار بار بڑھکر ہے

خیّام،

یک نان بہ دو روز اگر شود حاصل مرد | وز کوزۂ بشکستہ، دمے آبِ سرد
مامورِ دگر کسے چرا باید بود | یا خدمتِ چون خودی چرا باید کرد

یعنی اگر دو دن مین ایک روٹی اور ایک ٹوٹی صراحی مین ٹھنڈا پانی مل جایا کرے تو کسی غیر کے محکوم ہونے اور اپنے ہی جیسے شخص کی خدمت کرنے کے کیا معنی۔

جامی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بڈھا لکڑی کا گٹھا لیے جاتا تھا اور خدا کا شکر کرتا جاتا تھا کہ تونے مجکو بڑی عزت سے رکھا، ایک شخص نے کہا، او خرف! یہ کونسی عزت کی صورت ہے، اُس نے کہا اس سے بڑھکر کیا عزت ہوگی کہ مین کسی کا نوکر چاکر نہین۔

جنتی اصفہانی نے اِس مضمون کو سب سے زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے، ایک فرضی حکایت لکھی ہے کہ ایک باز بادشاہ کے ہات سے چھوٹ کر اتفاقاً جنگل مین آیا، یہان ایک باز سے ملاقات ہوئی، راہ و رسم بڑھی تو شاہی باز نے کہا۔ اِس جنگل مین ہر قسم کی تکلیف

کیون اُٹھاتے ہو، آ ؤ شہر مین چلین، شہزادون کے ساتھ بسر کرین راتون کو کافوری شمعین جلائین، دن کو بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلین، جنگلی باز نے جواب دیا۔

جوابش داد آن بازنکو راے   کہ اے نادان دون ہمت سراپاے

اس باز نے جواب دیا، کہ او پست حوصلہ احمق

تمامی عمر اگر در کوہساران   جفاے برف بینی، جور باران

اگر ساری عمر، پہاڑون مین برف اور بارش کی تکلیف اُٹھائی جاے

کشی در ہر نفس صد گونہ خواری   ز چنگالِ عقابان شکاری

اور ہر وقت شکاری عقابون سے سیکڑون طرح کی تکلیف پہونچے،

بسے بہتر کہ بر تختِ زر اندود   دمے محکوم حکم دیگرے بود

تب بھی، اس سے کہین بہتر ہے کہ تخت زرین پر ایک لحظہ کے لیے بھی کسیکا محکوم ہوکر رہنا پڑے

یہان یہ نکتہ خاص طرح پر یاد رکھنا چاہیے کہ ایرانی شاعری مین قناعت اور توکل کی جو بے انتہا مدح ہے، اس کے یہ معنی لوگون نے نہایت غلط خیال کیے ہین کہ کسب معاش سے باز رہنا چاہیے۔ اور رندر و نیاز پر بسر کرنی چاہیے۔ قناعت سے ان لوگونکی یہ غرض تھی کہ سلاطین، امرا، اور حکام کی ملازمت اور نوکری سے احتراز کرنا چاہیے اور تجارت صنعت حرفت اور مزدوری سے معاش حاصل کرنی چاہیے، اور چونکہ اس زمانہ مین شاہی ملازمت کے مقابلہ مین صنعت و حرفت وغیرہ، نہ عزت کی چیز خیال کی جاتی تھی نہ اُس سے دولت و مال پیدا ہو سکتا تھا۔ اِس لیے اسکے مقابلہ مین ان چیزون پر اکتفا کرنا قناعت خیال

جاتا تھا۔ اسی بنا پر شیخ سعدی فرماتے ہین۔

بہ دست آہکِ تفتہ کردن خمیر | بہ از دست بر سینہ پیش امیر

خواجہ فریدالدین عطار فرماتے ہین،

اصمعی میرفت در راہے سوار | دید گنّاسے شدہ مشغول کار
نفس رامی گفت اے نفسِ نفیس | کردمت آزاد از کارِ خسیس
ہم ترا دایم گرامی داشتم | ہم براے نیک نامی داشتم
اصمعی گفتش کہ بارے این بگو | این سخن بارے تو اے سکین بگو
چون تو باشی در نجاست کارگر | خود چہ باشد درجہان زین خوارتر
گفت آن کو خلق را خدمت کند | کارِ من صد رہ از و بہتر بود

یعنی ایک دن اصمعی گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، ایک حلال خور کو دیکھا کہ اپنا کام کرتا جاتا ہے اور آپ ہی آپ کہتا جاتا ہے کہ اے نفس! مین نے تیری عزت کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اصمعی نے کہا نجاست اُٹھانے سے زیادہ کیا ذلیل کام ہو سکتا ہے۔ حلال خور نے کہا مین نجاست اُٹھاتا ہون لیکن کسی کی نوکری تو نہین کرتا۔

دولت اور امارت کی بے ثباتی اور تحقیر

اس مضمون کو شعرا نے حد سے زیادہ وسعت دی۔ خیّام کی رباعیان حافظ کی غزلین۔ ابن یمین کے قطعات، سعدی کی مثنویان اسی مضمون سے لبریز ہین، دولت اور سلطنت کا سب سے بڑا مظہر حضرت سلیمان کی سلطنت خیال کیجاتی تھی، جن کا تخت ہوا پر چلتا تھا اور جن و پری اُن کے زیر فرمان تھے، ابن یمین

ان کی سلطنت کی حقیقت یہ بیان کرتا ہے۔

زدیوانۂ کرد روزے سوال | سلیمان مرسل علیہ السلام
کہ چون دیدی این مملکت کز پدر | مراماند با این ہمہ احتشام
چہ خوش گفت دیوانہ اورا جواب (یعنی حضرت داؤد) | کہ چون نیست این سلطنت مستدام
پدر رفتے آہنِ سرد کوفت | تو در باد پیمودنی صبح و شام

حضرت سلیمانؑ کے والد زرہ بنایا کرتے تھے اور حضرت سلیمان کا تخت ہوا پر چلتا تھا اس بنا پر دیوانہ نے کہا کہ جب آپکی سلطنت ہمیشہ رہنے والی نہین ہے، تو یون سمجھئے کہ آپکے والد ٹھنڈا لوہا پیٹا کرتے تھے، اور آپ ہوا ناپتے پھرتے ہین۔ فارسی مین آہن سرد کوفتن اور باد پیمودن، دونون کے معنی بیکار کام کرنے کے ہین،

شیخ سعدی فرماتے ہین،

نہ بر باد رفتے سحر گاہ و شام | سریر سلیمان علیہ السلام
نہ آخر شنیدی کہ بر باد رفت | خنک آن کہ با دانش و داد رفت

حافظؒ

گرہ بہ باد مزن گرچہ برمراد رود | کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان گفت
دیدۂ تنگ کند فخر بہ دنیای خسیس | خس و خاشاک شرر را رگِ گردن باشد

مخلص کاشی

طاس حمام است این دنیای دون | ہر زمان در دستِ ناپاک دگر

دنیا حمام کا لوٹا ہے، ہر وقت ایک نئے ناپاک کے ہاتھ مین رہتا ہے

بار دل عارف نشود جلوۂ دہر   آئینہ ز عکس کوہ سنگین نہ شود

خواجوی این کہ گویند کہ برآب نہاد است جہان   مشنوای خواجہ کہ چون درنگری برباد است

لاحد   این عمر کہ بیتاب بہ بینی او را   نقشے است کہ برآب بہ بینی او را

دنیا خوابے و زندگانی در وے   خوابے است کہ در خواب بہ بینی او را

عزت نفس اور ترک احسان پذیری — ایشیا مین چونکہ شخص پرستی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، اس لیے لوگ اہل کمال کی خدمت گزاری اور نذر و نیاز پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے، یہ نئے یہان تک بڑھی کہ ہر کس و ناکس کو اسکا چسکا پڑ گیا، اور رفتہ رفتہ مفت خوری کا عام رواج ہو گیا صوفیہ، اہل فن، شعرا سلاطین اور امرا کے عطیات اور انعامات پر بسر کرتے تھے، اور یہ عیب نہین خیال کیا جاتا تھا۔ اس برائی کے دور کرنے کے لیے شیخ سعدی اور ابن یمین وغیرہ نے حفظ آبرو، اور ترک احسان پذیری کے مضمون کو بار بار پُر اثر طریقون سے ادا کیا ہے۔ سعدی کہتے ہین،

از من نیاید این کہ بہ دہقان و کدخدا   حاجت برم کہ فعل گدایان خرمن است

صد گنج شایگان بہ بہاے جوے ہنر   منت بر آن کہ می دہد و حیف بر من است

یعنی اگر کوئی شخص جو ہر ہنر کی قیمت بہت بڑا خزانہ دیدے تو اس کا احسان ہے۔ لیکن مجھپر

افسوس ہے. گر مین قبول کرون۔

خواست تا علیم کند پر درِ دہ بیگانگان | لاغری بر من گرفت آن کس گدای فربہ است
گرچہ درویشم بحمداللہ مخنث نیستم | شیر اگر مفلوج باشد ہمچنان از سگ بہ است

صاحب کمال را چہ غم از نقصِ مال و جاہ | چون ماہ پیکرے کہ در وسرخ و زرد نیست
مردے کہ ہیچ جامہ ندارد بہ اتفاق | بہتر ز جامۂ کہ در وہیچ مرد نیست

انوری۔ من و این عہد کہ با قحبۂ رعنای جہان | بعد ازین عشق بنازم نہ بہ بہونہ بہ عقد
قوت دادن اگر نیست مرا باکے نیست | قوت ناستدن ہست و للہ الحمد

خسرو۔ کوسِ شہ خالی و بانگِ غلغلش در دِ سر است | ہر کہ قانع شد بہ خشک و تر شہ بحر و بر است

ابن یمین۔ جہان از بہر یک تن نیست تنہا | یقین دان کاندرین معنی شکے نیست
سلامت با قناعت توامان اند | چو حرص اندر زمانہ مہلکے نیست
اگر صد اسپ داری در طویلہ | ترا مرکب از ان ہا جز یکے نیست
کفافے از قضا تا رحی دہد دست | تمام است این قدر و این اندکی نیست

غصہ کے مقابلہ مین غصہ نکرنا چاہیے

دانا ہرگز او اے ناخوش نکند | جز پیروی دشمنِ سرکش نکند
آتش چو بلند شد، بر و آب زنند | دفعِ آتش ہم کسے بہ آتش نکند

فلسفیانہ شاعری

فارسی شاعری مین فلسفیانہ خیالات کا جس قدر ذخیرہ ہے، کسی زبان مین نہین لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فلسفہ کیا چیز ہے؟ کتب درسیہ مین طبعیات، عنصریات، فلکیات، الٰہیات، ان سب کے مجموعہ کا نام فلسفہ ہے، لیکن طبیعات اور عنصریات، درحقیقت سائنس یعنی تجربی علوم مین داخل ہین، فلکیات کا بڑا حصّہ تجربیات اور مشاہدات پر مبنی ہے اسلیے وہ بھی فلسفہ کی حد سے خارج ہے۔ الٰہیات بیشک فلسفہ ہے لیکن اس کا اب ایک خاص نام پڑگیا ہے اور وہ ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ علم الاخلاق، سیاست اور تمدن بھی فلسفۂ علمی مین داخل ہین لیکن یہ سب بھی الگ الگ مستقل نام سے موسوم ہین، اس لیے یہان فلسفہ سے مراد، وہ فلسفیانہ مسائل اور خیالات ہین جو کسی الگ نام سے موسوم نہین، اور حقیقت یہ ہے کہ عالم مین جو کچھ موجود ہے بلکہ کاروبار زندگی کی روزمرہ باتین بھی اگر نگاہ حقیقت سے دیکھی جائین تو سب فلسفہ ہین،

ہرکس نہ شناسندہ رازاست وگرنہ　　　این ہاہمہ رازاست کہ مفہوم عوام است

یہ بات خاص طرح پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ فلسفہ کے وہ مسائل جو خشک اور دقت طلب ہین، شاعری کی حد سے باہر ہین۔ اگر انکو کوئی شخص موزون کرے تو وہ نظم ہوگی شعر نہ ہوگا اسی طرح فلسفہ کے عام مسائل بھی جب تک شاعرانہ طرز مین نہ ادا کیے جائین، شاعری

کی حد مین نہین آسکتے، اسلیے اس موقع پر ہمکو صرف اُن فلسفیانہ مسائل سے غرض ہے جو شاعرانہ انداز مین ادا کیے گئے ہین،

فارسی شاعری مین فلسفہ کا جو سرمایہ ہے اس کے حسب ذیل حصے ہین۔

تصوف،

الٰہیات و نبوات، یہ مستقل فلسفہ ہے اس مین سے معتدبہ حصہ یعنی ثبوت باری، وحدت باری۔ معاد، وغیرہ مسائل سوانح مولانا روم مین تفصیل سے لکھے جاچکے ہین۔

اخلاق یعنی مارل فلاسفی، یہ بھی ایک مستقل حصہ ہے جو اس سے پہلے گذر چکا، اسکے علاوہ جو باقی رہتا ہے اس موقع پر اُسی سے بحث ہے،

شاعری مین فلسفہ تصوف کے راستہ سے آیا، چونکہ اکثر تصوف کی سرحد فلسفہ سے ملتی ہے اس لیے صوفی شعرا فلسفہ کے مسائل بھی ادا کیا کرتے تھے **امام غزالی** کی بدولت فلسفہ کو عام رواج ہوا، صوفیہ مین اکثر علما، مثلاً مولانا روم، سعدی، سنائی نے صوفی ہونیسے پہلے باقاعدہ فلسفہ کی تعلیم پائی تھی، صوفی ہونے کے بعد فلسفیانہ خیالات نے قالب بدل لیا اور تصوف کے پیرایہ مین ادا ہوئے چنانچہ مولانا روم کی مثنوی مین سیکڑون مسائل ہین جو خالص فلسفہ کے مسائل ہین۔

سب سے پہلے ناصر خسرو نے فلسفیانہ خیالات کو شاعری مین داخل کیا۔ وہ فرقۂ اسمٰعیلیہ مین سے تھا جو اس بات کے قائل ہین کہ شریعت کے دو رخ ہین۔ ظاہر، باطن، باطن صرف امام وقت سمجھ سکتا ہے اور وہی اصلی مقصود ہے، اس فرقہ کا دستور تھا کہ جب کسی کو اپنے طریقہ

مین لانا چاہتے تھے تو قرآن اور حدیث کے منصوصات اور احکام کے متعلق اسکے دل مین شکوک پیدا کرتے تھے. مثلاً یہ کہ روزہ سے کیا فائدہ؟ غسل جنابت کے کیا معنی؟ حجر اسود کو چومنا اور رمی احجار کرنا بظاہر بے فائدہ ہے. جب یہ شبہہ دل مین جگہ پکڑ لیتے تھے اور وہ تسکین چاہتا تھا تو کہتے تھے کہ رمز کی باتین ہین، انکو امام وقت کے سوا کوئی نہین جانتا. امام کے ہاتھ پر بیعت کیجائے تو یہ مسائل حل ہونگے، ناصر خسرو کی شاعری کا ایک بڑا عنصر اسی قسم کے خیالات ہین. وہ افلاک اور ستارون کے قدیم ہونے کا قائل تھا اور ستارون کو ذی روح اور مدبر عالم مانتا تھا. یہ باتین کثرت سے اُس نے بیان کین،

ناصر خسرو کا دیوان چھپ گیا ہے، اگرچہ اس مین فلسفہ کے بہت سے مسائل ہین لیکن ہمنے اس لیے اس کے اشعار نقل نہین کیے کہ اس کا انداز بیان شاعرانہ نہین؛ ناصر کے بعد نظامی نے فلسفیانہ شاعری کو ترقی دی انھون نے سکندر نامہ بحری مین حکمائے یونان کے علمی مباحثے تفصیل سے لکھے ہین. یہ تمام فلسفیانہ مسائل ہین اور اس خوبی سے انکو ادا کیا کہ ایک طرف شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے جانے نہین پایا. دوسری طرف اکثر فلسفیانہ اصطلاحین جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہوگئی تھین فارسی مین آگئین، سکندر کے دربار مین ابتداے آفرینش کے مسئلہ پر بحث ہوئی تھی، یعنی سلسلہ کائنات مین سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی؟ پھر اور چیزین کیونکر اور کس ترتیب سے وجود مین آئین نظامی نے اس معرکہ کی پوری تفصیل لکھی ہے،

بفرمان دہی شاہ فیروز بخت یکے روز بر شد بہ فیروزہ تخت

فیروز بخت بادشاہ۔ ایک دن تخت پر بیٹھا

ازان فیلسوفان گزین کرد ہفت کہ بر خاطرِ کس خطائے نہ رفت

حکمار مین سے سات کو منتخب کیا۔ یہ وہ حکمار تھے جنھون نے کبھی غلطی نہین کی تھی۔

ارسطو کہ بد مملکت را وزیر بلیناس برنا و بقراط پیر

ارسطو کو جو سلطنت کا وزیر تھا۔ اور نوجوان بلیناس کو، اور بڈھے بقراط کو

ہمان ہرمس فرخ نیک رائے کہ بر ہفتمین آسمان کرد جائے

اور ہرمس نیک رائے کو۔ جسکی جگہ ساتوین آسمان پر تھی

فلاطون و والیس و فرفوریوس کہ روح القدس کردشان دستبوس

فلاطون، دالیس اور فرفوریوس کو۔ جس کا ہاتھ روح القدس چومتے تھے؛

دلِ شہ دران مجلس تنگ بار کہ ابرو فراخی درآمد بہ کار

بادشاہ کا دل اُس مجلس خاص مین نہایت فراخ حوصلگی سے مصروف کار ہوا

بہ دانندگان راز بکشاد و گفت کہ تا کے بود رازِ ما در نہفت

سکندر نے حکیمون سے کہا، کہ یہ راز کب تک پوشیدہ رہے گا،

بگوئید ہر یک بہ فرہنگ خویش کہ این کار زآغاز چون بود پیش

سب کو اپنے خیال کے مطابق بتانا چاہیے کہ یہ عالم کیونکر پیدا ہوا؟

بہ تقدیر حکمِ جہان آفرین نخست آسمان کردہ شد یا زمین

خدا کے حکم سے پہلے آسمان پیدا ہوا یا زمین

بگفتند یکسر برا سے سخن | کارسطو بود پیشواے سخن

سب نے اسپر اتفاق کیا کہ ارسطو سب سے پہلے تقریر کرے

ارسطوے روشن دل ہوشمند | ثنا گفت بر تاجدار بلند

ارسطو نے بادشاہ کو دعا دی، اور کہا،

چو فرمان چنین آمد از شہریار | کز آغاز ہستی نمائم شمار

کہ حضور کے حکم کے موافق مین، ابتداے عالم کی کیفیت بیان کرتا ہون

نخستین یکے جنبشے بود فرد | بجنبید چندانکہ جنبش دو کرد

ابتدا مین صرف ایک حرکت تھی۔ یہ حرکت دو ٹکڑون مین تقسیم ہوگئی۔

چون آن ہر دو جنبش بہ یکجا فتاد | زہر[1] جنبشے، جنبشے نو بزاد

ان دو حرکتون کے ملنے سے نئی حرکتین پیدا ہوئین

نظامی کے بعد فلسفیانہ خیالات عام ہوگئے، لیکن تاتار اور تیمور کے حملونکی وجہ سے تین سو برس تک ایران مین امن و امان نصیب نہو سکا، اس لیے فلسفیانہ شاعری کی رفتار رک گئی، صفویہ کا دور آیا تو گھر گھر فلسفہ پھیل گیا۔ اور اب گو فلسفہ کی حیثیت سے کسی نے شاعری نہین کی لیکن اکثر شعرا جو کہتے تھے فلسفیانہ رنگ مین ہوتا تھا خصوصًا سحابی، عرفی، نظیری، جلال اسیر کے کلام مین ہر جگہ فلسفہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ فلسفیانہ الفاظ نہایت کثرت سے زبان

[1] اس کے بعد کے اشعار پہلے حصہ مین سکندرنامہ کے ریویو مین آچکے ہین

مین داخل ہو گئے جنکو اگر جمع کیا جاسے تو فلسفہ کا ایک مختصر سا لغت ہو جائے گا مثلاً

گر بازیچہ شوم ملزم ارباب کلام
خندۂ جوہر فرد است دلیل تقسیم

ممکن بود کہ ہستی واجب فنا شود
وین ممتنع کہ عشق تو منفک ز ما شود

اے آنکہ جزء لایتجزی دہان تست
طوطے کہ زیچ عرض ندارد میان تست

زین سخن جوہر فعال بر آشفتہ بگفت
کاے تنک بہرہ ز فہم رصد علم وعمل

بیم آن بود ز خاصیت یکتائی او
کہ ہیولی نہ پذیرد صور مستقبل

اب ہم عام فلسفیانہ خیالات مستقل عنوانون کے ذیل مین لکھتے ہین،

اجتہاد کے لیے پہلے تقلید کرنی چاہیے،

توفیق رفیق اہل تصدیق بود
زندیق درین طریق صدیق بود

گر راز مرانہ دانی انکار مکن
تقلید کن آن قدر کہ تحقیق شود

ہر انسان مادۂ قابل رکھتا ہے۔

عالم درد است وہم طبیبے دارد
سینہ کہ محبت حبیبے دارد

کس نیست کہ از عشق درونہ ریش نیست
ہر ذرہ ز خورشید نصیبے دارد

عاشق کا ناز بھی معشوق کی وجہ سے ہے۔

معشوق بہ عاشق چو نظر باز کند
عاشق بہمان شیوہ ادا ساز کند

این ترک نیاز من بلہواز من نیست
آئینہ بہ حسن او بہ او ناز کند

سچی دوستی کا اثر،

اظہارِ محبت آیۂ محبوبی است | ہر کس گفت از توام تراز خود کرد

جس نے تم سے کہا، کہ مین تمھارا ہون، اس نے تم ہی کو اپنا بنا لیا،

رہنما بھی نابلد ہین

گفتم کہ مگر قاضی و مفتی سنداند | در راہ طریقت و حقیقت بلداند
چون بر سرِ راہ آمدم دانستم | کین ہم سفران ہمہ چو من نابلداند

جز شکر خدا محو بہ عالم دیگر | شادی دگراست از وے و غم دیگر
ہمچو کوران بہ بیشۂ سرگردان | این خلق خداگم اند در ہمدیگر

در زیر فلک اہل غرورے چنداند | از زندہ غافل و دوے چنداند
ہر چند نگاہ مے کنم مے بینم | کورے چندے بہ طوف کورے چنداند

شکایت بے فائدہ ہے،

آن کو یاراست ساقی بزم وجود | آن کو غیر است فانی و دور و فرود
این نالہ و زاری کہ بعضے دارند | با یار چہ حاجت است و با غیر چہ سود

خداپرستون کی قسمین،

خلق خدا کہ خدمت دادار می کنند | ہستند بر سہ قسم کہ این کار می کنند
قسمے شدہ اند از پے جنت خدا پرست | دین رسم عاشقے است کہ تجارمی کنند
قومے دگر کنند پرستش ز بیم او | دین کار بندگان است کہ احرار میکنند
جمعے نظر ازین دو جہت قطع کردہ اند | بر کار ہر دو طائفہ انکار می کنند

چون غیر خویش مرکز ہستی نیافتند | برگرد خویش دورچو پرکار می کنند
این است راہ حق کہ یم فرقہ می روند | سیروسلوک راہ بہ ہنجار می کنند

مذہبی جھگڑون کی اصل دنیوی اغراض ہوتے ہین

مذہبی نزاعین جو لوگون مین برپا رہتی ہین اور جنکی وجہ سے دنیا مین ہزارون خونریزیان وجود مین آتی ہین۔ زیادہ غور سے دیکھا جائے تو انکی تہ مین دنیوی خودغرضیان پوشیدہ ہوتی ہین، جن کے حاصل کرنے کے لیے مذہب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ سلطان محمود نے ہندوستان پر جو حملے کیے وہ کشورستانی کی حوصلہ مندیان تھین لیکن انکا نام جہاد اس لیے رکھ لیا جاتا تھا کہ اس سے افغانون کا خون زیادہ گرم ہوجاتا تھا۔ مولوی جو ایک دوسرے کو کافر کہتے ہین بظاہر مذہبی خیال سے کہتے ہین۔ لیکن تہ مین خودپرستی اور خودغرضی ہوتی ہے۔ کسی دنیوی مقصد کے لیے دو صاحبون مین رنجش ہوئی وہی مذہبی اختلاف اور نزاع بن گئی، بالآخر اس نے تکفیر کا لباس پہن لیا،

ہر فرقہ بہم برسر دنیا در جنگ | آوردہ بہانہ دین وآئین ہا را

حکیم کو دنیا اور دین کسی سے غرض نہین

با دنیا و دین کار ندارد عاشق | مستی وخمار در شراب حق نیست

اس بنا پر دین و دنیا کو مستی اور خمار سے تشبیہ دی جاسکتی ہے، شاعر کہتا ہو کہ عارف دنیا اور دین دونون سے الگ ہے۔ کیونکہ خدا کی شراب مستی اور خمار دونون سے پاک ہو۔ اس مین ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان جب زیادہ دینداری اور تقدس اختیار کرتا ہے تو اسکی مقبولیت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور بالآخر مقتدائی کے عالم مین مجبورًا اس کو ریا وغیرہ

کام مرتکب ہونا پڑتا ہے جو دنیا طلبی کے نتائج ہین۔ اس لیے دین گو یاستی ہی جسکے بعد خمار
بھی ضرور پیدا ہو گا۔

خود غرضی نامقبولیت کا سبب ہے، | جو کام بظاہر نفع عام کے لیے کیا جاتا ہے گو کتنا ہی مفید ہو لیکن
اگر اسکی جھلک بھی پائی جائے کہ دراصل خود غرضی کے لیے کیا گیا ہے تو پھر اسمین
اثر نہین رہتا،

چیزے ز دعا بہ نہ بود انسان را | اما ز لب گدا نخواہند آن را

یعنی لوگ دعا کی بڑی قدر کرتے ہین، اور عام لوگون سے اپنے حق مین دعا کے طالب
ہوتے ہین، لیکن فقیر اور سائل جو لوگون کو دعائین دیتے ہین، اسکی کوئی قدر نہین کرتا
کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ سائلون کی دعا، دعا نہین بلکہ سوال، اور سلام روستائی ہے

فقر اور دولت مندی کی تحقیر | انسان اکثر اس بات کو محسوس نہین کرتا کہ وہ کسی چیز کی عیب جوئی
دراصل کس وجہ سے کرتا ہی، امرا عموماً افلاس اور فقر کی تحقیر کرتے ہین اور اس بنا پر فقرا کو ذلیل
سمجھتے ہین

فقرا دولت کی برائی بیان کرتے ہین، اور اہل دولت پر نکتہ چینی کرتے ہین لیکن
دراصل دونون کو جس چیز نے ایک دوسرے کی عیب جوئی پر آمادہ کیا ہے وہ اور چیز ہی
جسکی ان کو خبر نہین۔ امرا کی ناتوان بینی تو ظاہر ہے، کہ نخوت اور غرور کی وجہ سے ہے۔ لیکن
فقرا جو دولت کو حقیر سمجھتے ہین اور ان کو زعم ہوتا ہے کہ بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی وجہ سے
ان کی یہ حالت ہے۔ یہ بھی صحیح نہین اصل یہ ہے کہ انسان کو جو چیز حاصل نہین ہوتی اُسپر

حسد کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ امرا کو جو عیش و عشرت جاہ و حشم کر و فر حاصل ہے فقرا کو نصیب نہین ہو سکتا۔ اس لیے طبیعت خود بخود آمادہ ہوتی ہے کہ ان چیزون کو حقیر ثابت کرے، تاکہ اس کے نہ حاصل ہونے کا رنج نہو سحابی نے اس نکتہ کو ایک رباعی مین ادا کیا ہے جس کا دوسرا شعر یہ ہے

القصہ کہ اعراض اگر بشناسی — بر فقر ز کبر و بر غنا از حسد است

اخلاق رذیلہ کی مصلحت

بعض لوگون کو شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے انسان مین غرور کبر بغض غصہ، شہوت، حرص وغیرہ اخلاق رذیلہ کیون پیدا کیے۔ لیکن یہ تمام اخلاق، انسان کی بقا، اور ترقی کیلیے ضروری ہین۔ اگر انسان مین کینہ اور غصہ نہ ہوتا تو دشمنون کا مقابلہ کیون کرتا۔ اگر اس مین حرص اور دنیا طلبی نہوتی تو بڑے بڑے کام اس کے ہاتھ سے نہ انجام پاتے، یہ اور بات ہے کہ انسان بعض اوقات ان قوتون کا استعمال صحیح موقعون پر نہین کرتا۔ اس لیے حضرات صوفیہ ان قوتون کے مٹانے کی کوشش نہین کرتے، بلکہ انکے صحیح استعمال کی ہدایت کرتے ہین۔

ہر نفس بدے نیک شود عرفان را — گر بشناسی حکیم صاحب شان را

سگ اہل محلہ را بود در بالست — ہر چند کہ وزد خوش ندارد آن را

یعنی محلہ والون کو کتے کی بہت ضرورت ہے، گو چور کتے کو بالکل پسند نہین کرتے

عوام کے لیے آزادی مفید نہین

آزادی نہایت عمدہ چیز ہے لیکن ہر شخص اس کے استعمال کے قابل نہین۔ نا اہل اگر آزادی کو کام مین لائین تو ہمیشہ نقصان ہوگا۔

این خلق ہوا پرست محکوم خوش اند — چون طفل کہ ضایع است اگر بے پدر است

یعنی ہوا پرستون کا محکوم اور زیر اثر رہنا ان کے حق مین مفید ہے۔ جس طرح چھوٹا بچہ باپ کا ساتھ چھوڑ دے تو گم جائے گا۔

ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہی

کیا عجیب بات ہے جس چیز کو ہم خوشی سمجھتے ہین وہ حقیقت مین کسی اور شخص کا غم ہے، سکندر اور اس کے مداح خوش ہین کہ اس نے دنیا فتح کی، ممالک مسخر کیے، عالم پر سکہ بٹھایا، لیکن یہی واقعہ دوسرے لفظون مین یون ہی کہ بڑی بڑی حکومتین تباہ ہوگئین۔ خاندان کیان کا تاج و تخت لٹ گیا۔ بڑے بڑے تاجدار خاک نشین ہوگئے عرب شاعر نے اسی بنا پر کہا تھا فوائد قوم عند قوم مصائب،

ایرانی شعرا نے اس نکتہ کو زیادہ لطافت سے ادا کیا۔

زمانہ گلشن عیشِ کرا یہ یغما داد — کہ گل بدامنِ ما دستہ دستہ می آید

یعنی ہمارے دامن مین گلدستون کا جو ڈھیر لگ رہا ہے تو کسی کا باغ عیش برباد ہوا ہے

عیش این باغ باندازہ یک تنگدل است — کاش گل غنچہ شود تا دل ما کشاید

اس باغ کا عیش، ایک تنگ دل کے لیے کافی ہو سکتا ہے، کاش پھول کلی بنجاتا کہ ہمارا دل کھلتا

خواص مقبول عام نہین ہو سکتے

یہ عجیب بات ہے کہ جو شخص جسقدر زیادہ فلسفی زیادہ محقق، زیادہ نکتہ دان ہو گا اسی قدر عوام مین کم مقبول ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ ایک محقق جو بات کہتا ہے عوام کی سمجھ مین نہین آسکتی اس لیے وہ اس کی قدر نہین کر سکتے۔ بے شبہہ ایسی مثالین بھی پائی جاتی ہین کہ بڑے بڑے مجدد اور رفامر مقبول عام بھی ہوئے لیکن انکے مقبول

ہونے کی وجہ ان کا اجتہاد اور تحقیق نہ تھی، بلکہ ان مین کچھ اور اخلاقی اوصاف موجود تھے، جنھون نے ان کو مقبول عام بنایا۔ ورنہ کمال کی اصلی شان یہی ہو کہ عام لوگون تک باریہ پائے
این یمین کہتے ہین۔

هنرمند باشد بسان گهر　　　که هرکس مرا ورا خریدار نیست
هنرمند باید که باشد چو فیل　　　که او لایقِ اہلِ بازار نیست

ہنرمند کی مثال ہاتھی کی سی ہے کہ وہ بازار مین فروخت نہین ہوتا

مسئلہ جبر | جو لوگ اختیار کے قایل ہین ان کا منتہای استدلال یہ ہو کہ انسان کو خدا نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دو متناقض کامون مین سے جس کام کو چاہے اختیار کرے اس لیے انسان کو ارادہ اور اختیار حاصل ہے اور اس لیے وہ مجبور نہین کہا جا سکتا، لیکن اسکی تہ مین بھی غلطی ہو، بیشبہ خدا نے انسان کو ارادہ اور قدرت عطا کی ہے، لیکن اس ارادہ پر بھی وہ مجبور ہو یعنی جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے اسباب جمع ہوتے ہین کہ وہ اس کام کے ارادہ پر مجبور ہوتا ہو، لوگون نے یہ سمجھکر کہ ہمارا نفس بد ہم کو بُرے کام کا حکم دیتا ہے، نفس بد کا نام نفس امارہ رکھا ہو، لیکن خود یہ نفس امارہ کس کا مامور ہے،

هر قرعه که زد حکیم در بارهٔ ما　　　کردیم و نه بود غیر آن چارهٔ ما
بے حکمش نیست ہرچہ سرزد از ما　　　مامورهٔ اوست نفس امارهٔ ما

اکثر حکما اس مسئلہ کے قائل ہین یعنی انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ اس سے گناہ سرزد ہوتے ہین، ابلیس اور شیطان کوئی الگ چیز نہین، ایک شاعر نہایت لطیف پیرایہ مین

اس کو ادا کرتا ہے۔

ابلیس چو در آدم و حوا نگریست | بنشست و بہای ہای بر خود گریست
دانگہ بزبان حال با آدم گفت | ابلیس تو من، بگو کہ ابلیسم کیست

یعنی ابلیس نے جب آدم اور حوا کو دیکھا تو بیٹھ کر اپنی حالت پر خوب رویا، پھر زبان حال سے بولا کہ تمھارا ابلیس تو مین ہون، میرا ابلیس کون ہے،

عالم مین شر نہین ہے | انسان جب واقعات عالم پر نظر ڈالتا ہی تو اسکو شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ اسکا بنانیوالا کوئی حکیم، عادل اور مدبر نہین ہو سکتا۔ کیونکہ بہت سی چیزین بے کار اور بے مصرف نظر آتی ہین۔ بہت سی چیزین صاف نظر آتی ہین کہ مضر اور نقصان رسان ہین شیر، بھیڑیے، سانپ، بچھو۔ بجز اسکے کہ لوگون کو نقصان پہنچائین اور کس کام کے ہین؟ سیلاب، زلزلے، پانی اور ہوا کے طوفان ملک کے ملک برباد کر دیتے ہین جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہین ہوتا۔

لیکن یہ شبہہ صحیح نہین۔ عالم ایک نہایت وسیع اور بے پایان سلسلۂ موجودات کا نام ہی انہین انسان کے دائرہ علم مین جو حصہ آیا ہی وہ اتنا بھی نہین جتنا سمندر مین ہی ایک قطرہ ایک قطرہ کی حالت دیکھکر کوئی شخص سمندر کے فوائد اور نقصانات پر کوئی رائے لگائے، تو کیونکر اعتبار کے قابل ہوگی، ہم ایک چیز کو اپنے لیے یا کسی گروہ کے لیے نقصان رسان سمجھتے ہین لیکن کل عالم صرف ہمارا نام نہین۔ کاروبار عالم مین ایک شخص یا ایک گروہ کی مصلحت ملحوظ نہین ہوتی۔ بلکہ تمام عالم کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ جو چیز ہمارے

لئے مضر ہے، مجموعی حالت کے لحاظ سے مفید ہو۔

گرجہان از یک جہت بیفائدہ است | از جہت ہاے دگر پر عائدہ است
حسن یوسف عالمے را فائدہ | گرچہ براخوان عبث بد زایدہ

ہرکس کہ خلاص از بد و نیک خود است | اندر ہمہ حال محو شان احد است
در چشم کسے کہ احول است از ہستی | جز آنچہ موافق مراد ست بد است

ہر لحظہ درین عالم افتاد و شکست | صد کش مکشم ہست و مرا ہیچ بدست
من نالہ کنان و حکمتم گوید بس | جز کام تو ام مصلحتے دیگر ہست

مادام کہ دست کس بہر سوی ہست | کم راہ برد کہ غیر او بودے ہست
بر وقف مراد تو از ان نیست فلک | تا در یابی کہ جز تو موجودے ہست

یعنی آسمان اگر تمھارے اغراض اور مقاصد کے موافق کام نہین کرتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمھارے سوا اور بھی موجودات ہین۔ اور ممکن ہے کہ وہ باتین ان کے مصالح کے لحاظ سے ہون۔

گاو خر را فایدہ چہ؟ در شکر | ہست ہر جان را یکے قوتے دگر

رہنا بھی نابلد ہین | انسان ابتدائی حالت مین ہر شخص کی تقلید پر آمادہ ہوجاتا ہی لیکن جسقدر تحقیق اور تلاش بڑھتی جاتی ہی ثابت ہوتا جاتا ہے کہ جو رہبر ہین وہ بھی اصل حقیقت سے آشنا نہین۔ پیش روی اور پس روی کا ایک وسیع سلسلہ جو نظر آتا ہے۔ بالکل ایک بھیڑیا چال ہے اندھے اندھونکے پیچھے چل رہے ہین،

چندانکہ نگاہ می کنم مے بینم | کورے چندے بطوف کوری چنداند

مین جسقدر رنفار دوڑاتا ہون معلوم ہوتا ہے کہ چند اندھے چند اندھون کے پیچھے جارہے ہین،
پہلے خیال ہوتا ہے کہ علمار، قاضی، مفتی آشناے راز ہون گے لیکن اصل حقیقت سے
سب نابلد ہین۔

گفتم کہ مگر قاضی و مفتی سنداند | در راہ طریقت وحقیقت بلداند
چون بر سر راہ آمدم دانستم | کین ہم سفران ہمہ چو من نابلداند

ہر گہ رہم افتاد بہ صحراے محبت | دیدیم چو خود بیہدہ گردے وگذشتیم

یعنی جب میرا گذر صحراے معرفت مین ہوا تو مین نے دیکھا، کہ رہنما بھی میری ہی طرح چکر لگاتے
ہین، اس لیے مین اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا،

تقلید سے نجات | اکثر لوگ کسی مسئلہ یا راے کے حسن و قبح کا معیار جمہور کو قرار دیتے ہین، یعنی
جو جمہور کی راے ہو وہ صحیح ہے، اور جس طرف صرف ایک دو راٰئین ہون وہ غلط ہین لیکن
نکتہ دانون کے نزدیک حالت اس کے بالکل برعکس ہے، جمہور کی راے کا کسی طرف
ہو جانا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگون نے خاص اپنے غور اور فکر سے کام نہین لیا ہے
لوگون کو جو کہتے سنا وہی خود بھی کہنے لگے، یہی بات ہے کہ ہر زمانہ مین ہر قوم مین ہر مذہب
مین جو مصلح، ریفارمر اور بانی فن گذرے ہین، انھون نے ہمیشہ جمہور کی مخالفت کی ہے
اور در حقیقت جمہور کی مخالفت کرنا ہی اجتہاد اور تحقیق اور ریفارمیشن کی دلیل ہے، اس نکتہ کو
راقم مشہدی نے یون ادا کیا ہے،

زبسکہ پیروی خلق گمرہی آرد ‏ ‏ ‏ نمی رویم براہی کہ کاروان رفتہ است

چونکہ خلق کی پیروی گمراہی پیدا کرتی ہے۔ اس لیے ہم اس راستہ پر نہین چلتے جس پر قافلہ گیا ہے۔

ابن یمین کہتے ہین۔

درجہان ہرچہ می کنند عوام ‏ ‏ ‏ نزد خاصان رسوم وعادات است

مردون کے لیے جنگ ونزاع — اکثر لوگون مین جن امور کے متعلق لڑائی جھگڑا اور نزاع رہی ہے اُن مین سے ایک یہ ہے کہ فلان شخص اچھا تھا، یا بُرا، شیعہ سنّی کے جھگڑے زیادہ تر اسی پر مبنی ہین، یہان تک کہ اسپر سینکڑون کتابین تصنیف ہوئین اور ہوتی جاتی ہین، نہایت افسوسناک اور عبرت انگیز لڑائیان اس کی بدولت وجود مین آئین۔ ہزارون لاکھون جانین ضائع گئین۔ آج بھی ہزارون لاکھون آدمی غیرضروری بحث مین گرفتار ہین۔ اسی بناپر ایک عارف نے کہا۔

سِرِّحق کے بر تو گردد منجلی ‏ ‏ ‏ اے گرفتار ابوبکر و علی

ابن یمین نے اس مضمون کو شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے۔

ہرکہ با زندہ از پئے مردہ ‏ ‏ ‏ می کند جنگ سخت نادان است

یعنی جو شخص زندہ مردہ کے لیے جھگڑتا ہے، سخت احمق ہے۔

جوہر وعرض — عالم مین دو قسم کی چیزین ہین۔ جوہر یعنی جو خود قائم ہین مثلاً درخت، پہاڑ، زمین؛ دوسرے جو خود قائم نہین بلکہ کسی اور چیز مین قائم ہین۔ مثلاً خوشبو، بدبو، رنگ، ذائقہ کہ یہ چیزین خود نہین پائی جاتین بلکہ کسی اور چیز مین ہوکر پائی جاتی ہین، ان کو عرض کہتے ہین۔

ہمارے افعال اور حرکات بھی اسی قسم مین داخل ہین۔ اکثر حکمار کے نزدیک جوہر اصل ہے اور عرض اسکی فرع۔ اس مسئلہ پر بہت سی باتین مبنی ہین مثلاً اہل مادہ کہتے ہین کہ مادہ پر مادہ کے سوا کوئی اور چیز اثر نہین پیدا کر سکتی۔ اس بنا پر وہ اس بات کے قایل ہین کہ عالم مین مادہ کے سوا اور کچھ موجود نہین۔ کیونکہ کوئی اور چیز موجود ہوتی تو اسکا اثر بھی ہوتا۔ ادراک ور خیال جس کو ہم غیر مادی سمجھتے ہین، یا تو موجود نہین یا ہین تو وہ بھی مادہ ہی کی ایک قسم ہین۔

لیکن بعض حکما اس بات کے قائل ہین کہ عالم یا جوہر خود چند اعراض کا مجموعہ ہے چند عرض جمع ہو جاتے ہین تو ہم ان کو جوہر کہتے ہین، مولٰنا روم بھی قریب قریب اسی مسئلہ کے قائل ہین۔ وہ کہتے ہین کہ تمام عالم کی علت اعراض ہین۔ عالم اعراض کا مجموعہ ہے عرض بدل کر جوہر ہو جاتا ہے،

جملہ اجزائے جہان را بے غرض … درنگر حاصل نہ شد جز از عرض

جملہ عالم خود عرض بودند تا … اندرین معنی بیامد ھل اتی

چیست اصل و مایہ ہر پیشۂ … جز خیال و جز عرض و اندیشۂ

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ عالم مین جس قدر جواہر ہین سب عرض ہی پیدا ہوئے ہین مثلاً معمار جب ایک مکان کی تعمیر کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے مکان کا نقشہ ذہن مین تصور کرتا ہے یہ نقشہ کوئی مادی چیز نہین، اس لیے جوہر بھی نہین، لیکن یہی عرض ایک محسوس اور مادی مکان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

عقائد مین ایک بحث یہ ہے کہ انسان کے بُرے یا بھلے افعال عرض تھے وہ فنا ہو گئے

اب ان کا دوبارہ وجود مین آنا کیونکر ہو سکتا ہے۔ مولنٰا روم فرماتے ہین۔

این عرض ہا نقل شد لون دگر | حشر ہر فانی بُوَد کون دگر
وقت محشر ہر عرض را صورتے است | صورت ہر یک عرض را رویتے است
تا مبدل گشت جوہر زین عرض | چون ز پرہیزے کہ زایل شد مرض
گشت پرہیز عرض جوہر بجہد | شد دہان تلخ از پرہیز شہد

یہ مسئلہ آجکل کی سائنس کے بھی مطابق ہے، حرکۃ، ایک عرض ہی جو خود قائم نہین ہو سکتی۔ لیکن جب کوئی چیز نہایت تیز حرکت کرتی ہے تو آگ پیدا ہو جاتی ہی، موجودہ سائنس کی رو سے یہ آگ کہین اور سے نہین آئی، بلکہ وہی حرکۃ بدل کر آگ ہو گئی اور چونکہ آگ ایک جوہر ہے اس لیے قطعاً ثابت ہو گیا کہ عرض بدل کر جوہر ہو سکتا ہے،

اشیار کی ہم جنسی اور انقلاب کیمیائی

تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ مرکبات مین دو قسم کے اجزا پائے جاتے ہین، ایک وہ جو زندگی اور حیات کی قابلیت رکھتے ہین، یعنی اگر زندہ اجسام مین شامل ہون، تو انقلاب کیمیائی کی رو سے زندہ اجزا بنجائین، مثلاً انسان یا جانور جو کچھ کھاتے ہین ان مین سے بعض اجزا جزو بدن ہو جاتے ہین اور زندہ اجزا بنجاتے ہین۔ ان اجزا کو اجزا حیّہ کہتے ہین۔ دوسرے وہ اجزا ہوتے ہین جنمین زندگی اور حیوۃ کی صلاحیت نہین ہوتی۔ وہ زندہ اجزا سے مل کر بھی زندہ نہین ہو سکتے۔ نہ انمین انقلاب کیمیائی پیدا ہو سکتا ہے، ان کو اجزائے میت کہتے ہین۔ جو اجزا دوسری قسم کے اجزا سے بدل سکتے ہین انمین ایک قسم کا تجانس ہوتا ہے۔ یہ تجانس صورۃً نہین ہوتا، بلکہ ترکیب

کیمیادی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کو مولانا روم نے نہایت وضاحت سے لکھا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو اس نظر سے دیکھتے ہین کہ انسان کو قوت قدسیہ کے ساتھ تجانس ہوتا ہے۔ تو اسکے صفات بشری ملکوتی صفات سے بدل جاتے ہین۔

ہمچو آب و نان کہ جنس ما نہ بود　　گشت جنس ما داندر ما فسزود

پانی اور روٹی ہماری ہم جنس نہ تھی، لیکن اب ہماری ہم جنس بن گئی،

چون تعلق یافت نان با بوالبشر　　نان مردہ زندہ گشت و باخبر

جب روٹی نے آدمی کے ساتھ تعلق پیدا کیا تو مری ہوئی روٹی زندہ بن گئی اور جاندار ہوگئی

ناقص غذائے کامل | یہ اصول تمام عالم مین جاری ہے کہ ادنیٰ چیزین اعلیٰ چیزونکی غذا ہین مخلوقات کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے کم رتبہ جمادات ہین پھر نباتات پھر حیوانات پھر انسان انین جو اعلیٰ ہے ادنیٰ کو غذا بناتا ہے اور اسی سے اسکی زندگی قائم ہے۔ نباتات جسقدر ہین مثلاً سبزہ پودے درخت، وہ زمین کے اجزا کو چوستے ہین اور غذا بناتے ہین۔ حیوانات نباتات سے بالاتر ہین۔ اس لیے وہ نباتات کو کھاتے ہین۔ انسان ان سے بھی اشرف ہے اس لیے ان کو کھاتا ہے مولانا روم فرماتے ہین۔

حلق بخشد خاک را لطف خدا　　تا خورد آب و برد یصد گیا

باز خاکے را بخشد حلق ولب　　تا گیاہش را خورد اندر طلب۔

چون گیاہش خورد حیوان گشت زفت　　گشت حیوان لقمۂ انسان و رفت

یہ اصول صرف مادیات مین نہین بلکہ تمام اشیاء مین جاری ہی۔ ہر اعلیٰ چیز ادنیٰ کو فنا کردیتی ہی اور اُسپر غالب آجاتی ہے۔ تمام عالم اِسی غالب و مغلوب کے اصول پر چل رہا ہے۔ اسی بنا پر مولنا روم فرماتے ہین۔ ع: جملہ عالم آکل و ماکول دان۔

معنوی چیزین مثلاً مضامین، خیالات، مذاہب مختلفہ فلسفہ کے گوناگون مسائل علمی سب کا یہی حال ہی کہ اعلیٰ ادنیٰ کو فنا کردیتے ہین۔ مولنا ع

پس معانی راچو اعیان حلق ہاست

یعنی موجودات خارجی کی طرح، معانی کے بھی حلق ہین

حقیقت رسی اور اس کے مدارج | انسان کو نیک و بد کی تمیز مین جو دھوکا ہوتا ہے اسوجہ سے ہوتا ہے کہ حقیقت رسی کے مدارج مختلف ہین۔ فرض کرو ایک مٹھائی مین زہر ہے ایک شخص اسکی صورت سے سمجھ جاتا ہے کہ اس مین زہر کی آمیزش ہی۔ دوسرا بو سونگھ کر سمجھتا ہے، تیسرا چکھ کر، چوتھا کھاکر، پانچوان زہر کا اثر دیکھ کر، چھٹا مہینوں کے بعد یہی حالت نیک و بد کاموں کی ہے۔ بُرے کاموں کی بُرائی ارباب عرفان کو فوراً معلوم ہوجاتی ہی اسلیے وہ ابتدا ہی سے اس سے بچتے ہین۔ دوسرے لوگ درجہ بدرجہ، تجربہ اور نقصانات اُٹھانے کے بعد سمجھتے ہین۔ یہان تک کہ بدبخت لوگ مرتے مرتے بھی نہین سمجھتے،

مولانا اس نکتہ کو یون بیان کرتے ہین۔

اے بسا شیرین کہ چون شکر بود — لیک زہر اندر شکر مضمر بود

آن کہ زیرک تر بود بشناسدش — چون کہ دید از دور اندر کشمکش

وان دگر بشناسدش تا بو کند | وان دگر چون بر لب دندان زند
وان دگر در پیش رو بوے برد | وان دگر چون دست بنہد کرد زر
پس لبش ردش کند پیش از گلو | گرچہ نعرہ می زند شیطان کلو
وان دگر را در گلو پیدا کند | وان دگر را در بدن رسوا کند
وان دگر را بعد ایام و شہور | وان دگر را بعد مرگ از قعر گور

ہی بے حقیقتی | انسان جب کائنات اور مظاہر قدرت پر زیادہ غور کرتا ہی تو اسکو اپنا بے قدر
در بے حقیقت ہونا نظر آتا ہے وہ دیکھتا ہی کہ بات بات مین وہ دوسری چیزونکا محتاج ہی ادنیٰ
سے ادنیٰ چیز پر بھی اسکا پورا اختیار نہین۔ اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ تمام چیزین ایک
قدرت اعظم کے تحت مین کام کر رہی ہین۔ اور ایک خاص نظام قائم ہے غور رسی جسقدر زیادہ
بڑھتی جاتی ہے اُسیقدر اپنی بے حقیقتی اور قادر مطلق کے کمال کا یقین زیادہ بڑھتا جاتا ہے،

چندان کہ درین دایرہ بر می گردم | نقصان خود و کمال ادمی بینم

یہ سلسلہ اس قدر ترقی کرتا ہے کہ انسان اور تمام چیزون کا وجود بالکل ہیچ معلوم ہوتا ہی
اور یہ وجدان طاری ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ایک ذات ہی باقی چیزین اس قابل نہین، ع

کہ با ہستیش نام ہستی برند

یہی خیال **وحدت وجود** کا ابتدائی زینہ ہے جو ترقی کرکے اس درجہ تک پہنچتا ہے کہ
حقیقت مین اور کوئی چیز موجود نہین۔ جو کچھ ہے وہی ہے،

ترک خودی سے جھگڑے مٹ جاتے ہین | انسانون مین جو اختلافات اور نزاعین پائی جاتی ہین اکثر کی بنا

خودی اور خود پرستی ہے وہ دشمن سے اسلیے لڑتا ہے کہ اسکے آگے سر نہین جھکاتا۔ وہ نکتہ چینی سے اس لیے ناخوش ہوتا ہے کہ اسکے کمال پر حرف آتا ہے، وہ دوسرونکی اس لیے تحقیر کرتا ہے کہ اسکی عظمت ثابت ہو۔ اس لیے انسان اگر خودی اور شخصیت سے باز آئے تو دوست دشمن آشنا، بیگانہ، نیک و بد سب تفرقے مٹ جائین۔ سحابی اس نکتہ کو ادا کرتا ہے،

رفتم ز میان من و یکے شد دو جہان ۔۔۔ دیوار فتاد آن سوی واین سوی نماند

یعنی جب مین نے خودی چھوڑدی تو تمام دنیا ایک ہوگئی جس طرح دیوارین گرجاتی ہین تو اُس رُخ اور اِس رُخ مین تمیز نہین رہتی۔

اتحاد مذاہب | عُرفا کے نزدیک اختلاف مذاہب کوئی چیز نہین، جتنے مذاہب ہین سب برحق ہین، سب کا مقصد ایک ہی ہے، تعبیر یا فہم مین غلطی ہو تو اس سے نتیجہ پر کوئی اثر نہین پڑتا۔ جب سب ایک ہی کو ڈھونڈھتے ہین، ایک ہی کو چاہتے ہین، ایک ہی کے طالب ہین تو نام کے اختلاف سے فرق نہین پیدا ہوتا۔ ہندو بت کو پوجتا ہے لیکن یہ سمجھکر نہین کہ بت خود کوئی مستقل معبود ہے، بلکہ اس نیت سے کہ اسمین مطلوب حقیقی کا پرتو ہے۔ یہ اسکی یاد کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہین،

روے تو بہر دیدہ کہ بینند نکو است ۔۔۔ نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

ایک اور شاعر کہتا ہے،

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چرا است ۔۔۔ از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

سحابی کہتا ہے۔

حق می گوید بگوش خالص بنان   مقصد چو منم چه اختلاف است این ها

هفتاد و دو فرقه را طلبگاری است   سوی دریاست روی هر سیل که هست

یعنی بہتّرون فرقہ کا مطلب ایک ہی ہے، جس طرح جتنے سیلاب ہین، سب دریا کیطرف جاتے ہین۔

بڑھاپے مین ترک ہوس | ابن یمین۔

چون جامۂ چرمین شمرم صحبت نادان   زیرا که گران باشد و تن گرم نه دارد

از صحبت نادان بترت نیز بگویم   خویشے که تونگر شده آزرم نه دارد

زین هر دو بتر نیز شهے را که بعالم   با خنجرِ خون ریز دلِ نرم نه دارد۔

زین هر سه بتر نیز بگویم که چه باشد   پیرے که جوانی کند و شرم نه دارد

طرز ادا کی بلاغت دیکھو، سب سے پہلے احمق کی بُرائی بیان کی، پھر کہا کہ احمق سے بڑھکر وہ رشتہ دار ہے جو دولتمند ہوکر عزیزون کی خبر نہین لیتا۔ اور اس سے بڑھکر وہ بادشاہ جس کے دلمین رحم نہین۔ اور ان سب سے بڑھکر بتاؤ ان کہ بُرا کون ہی؟ پیرے که جوانی کند و شرم نه دارد۔

بات سوچکر کہنا چاہیے | ابن یمین۔

سخن رفته دگر بار نیاید به زبان   اول اندیشه کند مرد که عاقل باشد

تا زمانِ دگر اندیشه نباید کردن   که چرا گفتم؟ و اندیشهٔ باطل باشد

بُرے آدمیون کی صحبت سے بچنا چاہیے

با بدان کم نشین که صحبتِ بد | گرچه پاکی، ترا پلید کند
آفتابے بدین بزرگی را | ذرّهٔ ابر ناپدید کند

تمّت

کتابخانه
حیدرآباد

Presented to the
LIBRARY *of the*
UNIVERSITY OF TORONTO
by
Professor Aziz Ahmad